جہانگیری

کشف المحجوب

مخدوم اُمم سیّد علی حسنی غزنوی المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

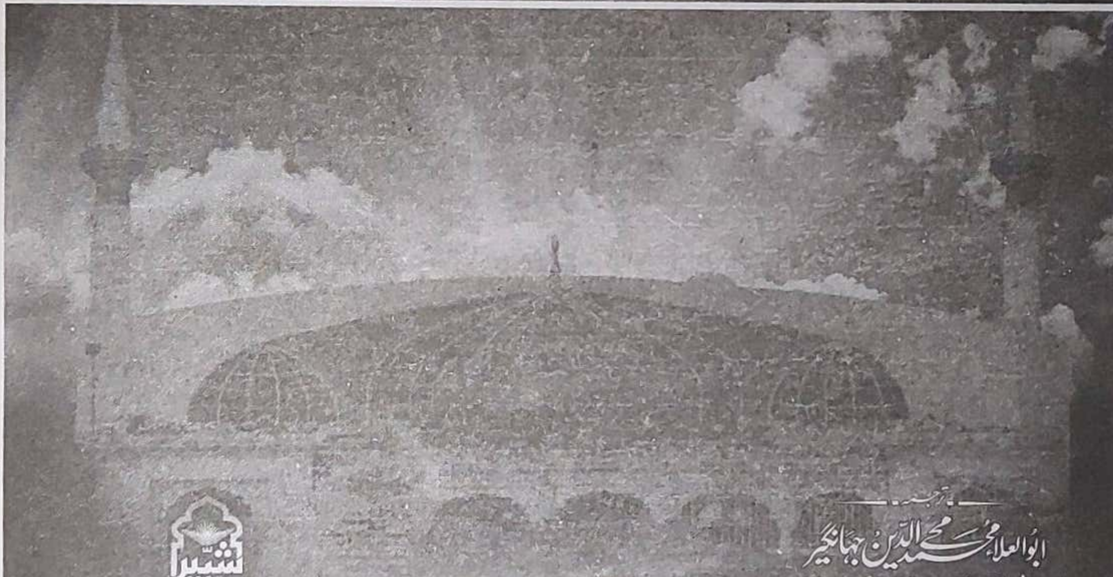
ترجمہ
ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر
ادام اللہ تعالیٰ معالیہ وبارک ایامہ ولیالیہ

شبیر برادرز
اردو بازار ○ لاہور

جہانگیری

کشف المحجوب

مخدوم اُمم سیّد علی حسنی غزنوی (المعروف بہ) حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ



ترجمہ

ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر

اَدامَ اللہ تعالیٰ معالیہ وبارک ایامہ ولیالیہ

شبیر برادرز
اردو بازار لاہور

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

جہانگیری

کشف المحجوب

مخدوم امم سید علی حسنی غزنوی المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

مترجم	ابو العلاء محمد محی الدین جہانگیر
پروف ریڈنگ	ملک محمد یونس
کمپوزنگ	ورڈز میکر
باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	جنوری 2012ء
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزر لاہور 0345-4653373
طباعت	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ہدیہ	500/- روپے

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کردی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ھو القادر

شبیر برادرز

اردو بازار لاہور

شرفِ انتساب

قبلۂ عالم

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

کی نذر

فکر، ذکر، نطق و بیاں روشن است
زنورِ محمد جہاں روشن است

نیاز مند
محمد محی الدین
(اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرے)

سیّد ہجویر مخدومِ اُمم
مرقدِ اُو پیرِ سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آساں گسیخت
در زمینِ ہند' تخمِ سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق زَحرفِ اُو' بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزت اُم الکتاب
از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاک پنجاب از دمِ اُو زندہ گشت
صبحِ ما از مہر اُو تابندہ گشت
عاشق وہم قاصد طیارِ عشق
از جبینش آشکار اسرارِ عشق

(علامہ اقبالؒ)

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کے لیے ہر طرح کی حمد مخصوص ہے جس نے ہمیں یہ ہمت، توفیق اور سعادت نصیب کی ہے کہ ہم اسلامی کتابوں کی نشر واشاعت کی شکل میں دینِ متین کی تبلیغ کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام نازل ہو آپ کے اصحاب، اہل بیت اور قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

•••-----•••-----•••

علمِ تصوف، اسلامی علوم وفنون کا ایک اہم رکن ہے، برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی دعوت وتبلیغ کے حوالے سے صوفیاء کی خدمات کسی بھی اہلِ فہم سے مخفی نہیں ہیں۔ خواص اہلِ علم کے ساتھ عامۃ المسلمین بھی اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ صوفیاء کرام نے بڑی محنت، ریاضت اور مجاہدے کے ساتھ کفرستانِ ہند میں اسلام کی شمع روشن کی۔

اس حوالے سے پہل کرنے کا شرف جس شخصیت کو حاصل ہے وہ عرفِ عام میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے معروف ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی عظمتِ شان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہاں آنے والے، یہاں پیدا ہونے والے، تمام صوفیاء نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی ہے اور ان کے روحانی فیوض و برکات سے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ صوفیاء کی اسی روایت کی پیروی کرتے ہوئے، ہر خاص و عام آپ کے مزار پر حاضری کو اپنی دینی و دنیاوی فلاح کے حصول کا باعث سمجھتا ہے۔

•••-----•••-----•••

تمام صوفیاء اپنے وقت کے جلیل القدر اہلِ علم تھے اور انہوں نے اپنے علم، مطالعے اور مشاہدات کو کتابی شکل میں بعد میں آنے والے افراد کے استفادے کے لئے یادگار چھوڑا ہے۔ جیسے امام غزالی نے تصوف اور اخلاقیات کے موضوع پر بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں ''احیاء العلوم''، ''کیمیائے سعادت''، ''مکاشفۃ القلوب''، ''منہاج العابدین'' زیادہ مشہور ہیں۔ اسی طرح حضرت پیرانِ پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ''غنیۃ الطالبین'' بھی اپنے موضوع پر لاجواب تصنیف ہے۔ اسی طرح شیخ المشائخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''عوارف المعارف'' کو اہلِ علم کی نظر میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے حوالے سے خواجگانِ چشت کی خدمات کسی

سے مخفی نہیں ہیں، خواجگانِ چشت کے ملفوظات کا مجموعہ ''ہشت بہشت'' اسرار و معارف کا خزینہ ہے۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے ''الف اللہ چنبے دی بوٹی'' من میں لگ جانے کے بعد پیش آنے والی صورتحال کے بارے میں اپنے ذاتی تجربات اپنی تصانیف میں بیان کیے ہیں۔ نثر کی طرح نظم میں تصوف کی تعلیمات کو عام کرنے کے حوالے سے حضرت بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کو جو عوامی مقبولیت نصیب ہوئی اس سے ہر صاحبِ علم آگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا بے حد و شمار شکر ہے کہ آپ کا ادارہ ''شبیر برادرز'' یہ تمام تصانیف اور مجموعہ جات خوبصورت اور دیدہ زیب انداز میں برادرانِ اسلام کی خدمت میں پیش کر چکا ہے۔

•••-------•••-------•••

علم تصوف میں ''کشف المحجوب'' کو وہی امتیازی حیثیت حاصل ہے جو اس کے فاضل مصنف کو صوفیاء کے درمیان حاصل ہے۔ بہت سے اہلِ علم اس عظیم کتاب کا ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، آپ کے ادارے نے بھی علامۃ الہند حضرت مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ کشف المحجوب شائع کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے اس عظیم کتاب کا ایک نیا ترجمہ پیش کر رہے ہیں، فاضل مترجم نے عام فہم اور آسان ترجمہ کرنے کے ساتھ، ذیلی سرخیوں کا اضافہ کر کے کتاب کی افادیت کو بڑھا دیا ہے اور کتاب میں مذکور احادیث کے حوالہ جات کی نشاندہی کر کے اس نسخے کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اس خدمت کی اصل خوبی کا اندازہ آپ کو اسی وقت ہوگا جب آپ خود اس کا مطالعہ کریں گے۔

•••-------•••-------•••

معزز قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے، مصنف، مترجم، مصحح کے ساتھ ادارے کی انتظامیہ اس کے کارکنان اور دیگر متعلقین کو بھی اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ہم سے جو خدمت ہو سکتی تھی وہ ہم نے کر دی ہے اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف سے خود بھی فیض یاب ہوں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

آپ کا مخلص

ملک شبیر حسین

حدیثِ دل

اللہ تعالیٰ کے لیے ہر طرح کی حمد مخصوص ہے جس کی ذات' جلال اور کبریائی کے پردوں میں مستور ہے' جس کی قدرت اور غلبے کے حقیقی ادراک سے انسان کی عقل' فکر' روحانیت ''محجوب'' ہیں' اہلِ معرفت کے نزدیک اس کی عظمت کا ''کشف'' بھی ''حجاب'' ہے اور ''حجاب'' بھی ''کشف'' ہے۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ ''کشف'' اور ''حجاب'' مخلوق کا دل بہلانے کی باتیں ہیں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے: مخلوق اس کی جو بھی صفت بیان کرے گی' اس کی ذات' مخلوق کی' بیان کردہ صفت کی حد بندی سے پاک اور بلند و برتر ہوگی۔

میرزا اسد اللہ خان غالب نے ٹھیک کہا ہے

اسے کون دیکھ سکتا ' کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بُو بھی ہوتی ' تو کہیں دو چار ہوتا

یہ دیکھنا صرف آنکھ کا دیکھنا نہیں ہے' فہم اور ادراک بھی اس میں شامل ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد و شمار درود و سلام نازل ہو' جنہیں ''یک نے یک بنایا''، جو ہیں ''دافع بلایا''، جو ہیں ''شافع خطایا'' جو ہیں ''قاسمِ عطایا'' ''کوئی ان سا کون آیا''، کیونکہ ان کے پروردگار کا ان پر فضلِ عظیم ہے' جس کے نتیجے میں ان کا ہر آنے والا لمحہ' گزشتہ لمحے سے بہتر ہے۔ یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر' من وجھک المنیر لقد نور القمر لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ بعد از خدائے بزرگ توئی قصہ مختصر۔

•••-----•••-----•••

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فضل و کرم کے تحت ہم نے تصنیف و تالیف کی جس خدمت کا آغاز کیا تھا اس میں ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے ہم آپ کے سامنے تصوف کی مشہور کتاب ''کشف المحجوب'' کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ ہم نے بعض مہربانوں کی فرمائش پر اس کام کا آغاز تو کر دیا' لیکن مصنف کی سوچ اور فکر کی بلندی تک رسائی میں دشواری پیش آنے لگی' اپنی علمی بے بضاعتی کے ہمراہ' اس نارسائی کی ایک وجہ فارسی نثر کے ساتھ ہمارے مزاج کی عدم مطابقت بھی تھی۔ درمیان میں کئی مرتبہ ایسی صورتحال پیش آئی کہ مصنف کے بیان کی دقت آفرینی کی وجہ سے آگے بڑھنے کا حوصلہ جواب دے گیا۔

ہم نہ کہتے تھے کہ اے داغؔ تو زلفوں کو نہ چھیڑ اب وہ برہم ہیں' تو ہے تجھ کو قلق یا ہم کو

کبھی ہم یہ سوچتے کہ فی الحال اس مشکل کام کو رہنے دیتے ہیں، بعد میں کبھی اس کی تکمیل کی کوشش کریں گے لیکن پھر یہ خیال آتا کہ اس سے پہلے بھی اسی نوعیت کے کئی کام ہنوز تشنۂ تکمیل ہیں۔

بجھے چراغوں میں کتنے ہیں جو جلے ہی نہیں سوادِ وقت انہیں جگمگانا چاہیے تھا
عجب نہ تھا کہ قفس ساتھ لے کے اُڑ جاتے تڑپنا چاہیے تھا پھڑپھڑانا چاہیے تھا

یہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فضل ہے کہ ہم اس عظیم کتاب کی خدمت کو مکمل کرنے کے لائق ہو سکے، ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ''کشف المحجوب'' کے مضامین ہماری فہم اور فکر سے بالاتر ہیں لیکن برادرانِ اسلام کی سہولت کے لیے ہم نے اپنی طرف سے یہ کوشش کی ہے، کہ تبرک کے طور پر ہم ایسی خدمت کر دیں جس سے استفادہ کرنے کی اوسط دیگر مترجمین کی خدمات سے زیادہ ہو۔ کیونکہ عربی کا مقولہ ہے:

''جس چیز کو مکمل طور پر حاصل نہ کیا جاسکتا ہو اُسے مکمل طور پر چھوڑا بھی نہیں جاسکتا''۔

''کشف المحجوب'' کے مطالعے سے بھی اسی موقف کی تائید ہوئی۔ کیونکہ اس بات پر تمام صوفیاء کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کو مکمل طور پر حاصل نہیں کیا جاسکتا، لیکن محض اس وجہ سے انسان معرفت کے حصول کے لئے کوشش سے دستبردار بھی نہیں ہوسکتا۔ آگے جس کا جو نصیب ہوگا وہ اسے مل جائے گا۔

ہمارے ایک مہربان نے ہم سے یہ دریافت کیا: تم نے اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اس پر ایک جملے میں تبصرہ کرو۔ کافی دیر سوچنے کے بعد ہمیں یہی جواب سوجھا:

''بڑے لوگوں کی بڑی باتیں''

سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں اکابر صوفیاء کے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں، جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ حقائق کا سمندر اور معرفت کا آفتاب ہے۔ اب یہ قاری پر منحصر ہے کہ وہ اس سمندر میں سے کتنے جواہرات حاصل کرتا ہے اور اس آفتاب کی روشنی سے کس طرح فائدہ اٹھاتا ہے۔

•••-----•••-----•••

اب ہمارے محترم دوست حماد تمثیل خان کا اصرار ہے کہ تصوف کی مشہور دقیق ترین کتاب ''فصوص الحکم'' کو بھی عام فہم الفاظ میں منتقل کیا جائے۔ اس کے علاوہ صوفیاء کے علوم سے فیض یاب ہونے کے خواہش مند بعض دیگر احباب چند دیگر کتابوں کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔

دیکھیں عشاق اٹھاتے ہیں بتوں سے کیا فیض اِک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

•••-----•••-----•••

''کشف المحجوب'' کی تصحیح کے دوران ہمیں اپنی زندگی کے سب سے بڑے سانحے کا سامنا کرنا پڑا، ہمارے والد ماجد

ایک ماہ تک معمولی علیل رہنے کے بعد اس دنیائے فانی سے رخصت ہو کر' اللہ تعالیٰ کی رحمت کی آغوش میں چلے گئے۔

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے کیا خوب' قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ان کے انتقال سے تین دن پہلے انہیں برین ہیمبرج ہوا' ڈاکٹرز نے ہمیں بتا دیا کہ اب ان کا جسم آہستہ آہستہ کام کرنا چھوڑ دے گا' اور جس وقت برین ہیمبرج کے اثرات دماغ کے اس حصے تک پہنچیں گے جس کا تعلق پھیپھڑوں سے ہوتا ہے اس وقت سانس کی آمدورفت ختم ہو جائے گی' ہم نے دو چار کتابیں پڑھ رکھی ہیں' اہلِ علم کی باتیں بھی سنی ہوئی ہیں لیکن ان تین دنوں کے دوران اپنے والد کے سرہانے کھڑے ہو کر' ہمیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال' مخلوق کے عجز و بے بسی' دنیا کی بے ثباتی کا جو عملی مشاہدہ اور ادراک ہوا وہ کسی کتاب کے مطالعے کے دوران نہیں ہوا تھا۔

انہیں سپردِ خاک کرتے ہوئے' سورۂ یٰسین کی آخری آیت کا حقیقی مفہوم عملی طور پر ہمارے سامنے آیا:

فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝

''ہر طرح کے عیب سے پاک ہے وہ ذات جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹا دیا جائے گا''۔

•••------•••------•••

اس کتاب کا انتساب ہم نے سلسلۂ چشتیہ کے عظیم صوفی بزرگ قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کیا ہے' پاکستان کی حدود میں شیخ الاسلام فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سلسلۂ چشتیہ کے سب سے بڑے بزرگ ''قبلۂ عالم'' ہی ہیں۔ قاضی عاقل رحمۃ اللہ علیہ اور پیر پٹھان شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابرین ''قبلۂ عالم'' کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں۔

•••------•••------•••

''کشف المحجوب'' کا ترجمہ کرتے ہوئے اس کتاب کے تین نسخے ہمارے سامنے تھے' ایک نسخہ سمرقندیہ جو مفتی سیّد عبدالمجید بن ملا سیّد عبداللہ المدرس الحنفی کے زیر اہتمام تاشقند (سمرقند) سے شائع ہوا۔ دوسرا تہران کا مطبوعہ نسخہ تھا جس کی تصحیح کا کام علی قویم نامی محقق نے کیا' اور تیسرا نسخہ ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی کا تصحیح کردہ تھا' جو (انتشارات مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان)' اور سمن پبلی کیشنز' لاہور کے اشتراک سے شائع ہوا۔ فاضل محقق نے کتاب کے کئی نسخے سامنے رکھ کر تصحیح کی خدمت سرانجام دی اور حاشیے میں نسخوں میں پائے جانے والے لفظی اختلاف کی بھی وضاحت کی ہے۔ ہم نے زیادہ اعتماد اسی مؤخر الذکر نسخے پر کیا ہے۔

•••------•••------•••

''کشف المحجوب'' کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات آپ نے پیشِ نظر رکھنی ہے کہ کسی بڑے ادارے سے اس کتاب کو شائع کروا کے وسیع پیمانے پر اس کی نشر و اشاعت فاضل مصنف کا بنیادی مقصد نہیں تھا۔ وہ خود ایک بلند پایہ عالم اور محقق تھے جبکہ ان کا مخاطب بھی اس فن میں ان کا خاص فیض یافتہ تھا' اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق فن کا باقاعدہ علم حاصل

کرنے والے افراد ہی کسی کتاب کا نسخہ نقل کیا کرتے تھے' اور عام مطالعے کی بجائے کسی ''ماہرِ فن'' سے اس کا باقاعدہ درس بھی لیا کرتے تھے' یہ کتاب اپنے فاضل مصنف کی مجتہدانہ بصیرت پر شاہد عادل ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے یہ پوری کوشش کی ہے کہ سیّد ہجویرؒ کے مدعا اور مقصود کو آسان اور عام فہم انداز میں اپنے پڑھنے والوں تک منتقل کر دیا جائے' قارئین کی سہولت کے لیے ہم نے ذیلی عنوانات کا اضافہ کیا ہے تاکہ اصل مسئلہ کو سمجھنے میں سہولت ہو' کشف المحجوب کا ترجمہ کرتے ہوئے ایک نکتہ دیگر مترجمین کی نگاہوں سے اوجھل رہا' انہوں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ عبارت میں کون سے الفاظ سیّد ہجویرؒ نے نقل کیے ہیں اور کون سے الفاظ خود ان کے اپنے ہیں' ہم نے قوسین میں' نئی سطر میں دونوں طرح کے الفاظ کے درمیان امتیاز قائم کرنے کی کوشش کی ہے' ہم نے اپنی کم تر علمی حیثیت کے مطابق کشف المحجوب میں مذکور احادیث کے روایتی مآخذ کی نشاندہی کی ہے' ہم اپنی اس خدمت میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں' اس کا فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔

•••-----•••-----•••

اس خدمت کے دوران دامے' درمے' سخنے' جن بھی احباب کا تعاون ہمیں حاصل رہا' ہم ان سب کے شکر گزار ہیں' جن میں سرِ فہرست خرم زاہد ہیں' جنہوں نے تصنیف و تالیف کے لئے ہمیں سازگار ماحول فراہم کیا' محترم قاضی عابد درانی' جنہوں نے مسودہ تحریر کیا' محترم ملک محمد یونس' جنہوں نے تصحیح میں معاونت کی' محترم فیصل رشید' ریحان علی' کاشف عباس' جنہوں نے مسودہ کمپوز کیا۔ مخدوم قاسم شاہد' جنہوں نے کتاب کو دیدہ زیب انداز میں مرتب کیا' عارف نوشاہی' جنہوں نے سرِ ورق کی کتابت کی' شبیر احمد' جنہوں نے خوبصورت سرِ ورق ڈیزائن کیا' منصور احمد' جنہوں نے اپنی ذاتی نگرانی میں یہ کام کروایا' عرفان حسین' افضال احمد' جنہون نے خوبصورت جلد بندی کی اور ملک شبیر حسین' جنہوں نے ذاتی توجہ سے کتاب کی تیز ترین نشر و اشاعت کا بندوبست کیا۔

•••-----•••-----•••

تشکر و امتنان کے ان جذبات میں ایک بڑا حصہ اپنے اساتذہ و مشائخ اور والدین کے لیے ہے' جن کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں ہم اس لائق ہو سکے۔ ان کے ہمراہ بہن بھائی' دوست احباب اور ہمارے معزز قارئین بھی اس صف میں شامل ہیں' جن کی دعائیں اس سفر میں بہترین زادِ راہ ہیں۔

سب سے آخر میں فیض احمد فیض کا یہ شعر یقیناً ہمارے حسبِ حال ہے

ہم سہل طلب کون سے فرہاد تھے لیکن
اب شہر میں تیرے' کوئی ہم سا بھی کہاں ہے

محمد محی الدین

(اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرے)

ترتیب

صوفیاء کے مختلف مکاتب فکر

صوفیاء کی اصطلاحات اور ان کے معنی کی وضاحت

سیّدِ ہجویر مخدومِ اُمم

علم تصوف کے اس عظیم اور قدیم مآخذ کے مصنف سیّد ابوالحسن علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔
جو عرفِ عام میں ''حضرت داتا گنج بخش'' کے لقب سے مشہور ہیں۔
سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ' حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولادِ امجاد میں سے ہیں۔

سلسلۂ نسب

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: سیّد علی ہجویری......سیّد عثمان......سیّد علی......سیّد عبدالرحمٰن......سیّدہ شاہ شجاع......سیّد ابوالحسن علی......سیّد حسین الاصغر......سیّد زید......حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

پیدائش:

آپ کے سن پیدائش کے بارے میں کوئی معتبر روایت منقول نہیں ہے۔تاہم اکثر مؤرخین نے یہ گمان ظاہر کیا ہے کہ آپ 400ھ کے آس پاس پیدا ہوئے۔

اساتذہ ومشائخ:

آپ نے درج ذیل ائمہ سے اخذ فیض کیا:
(i) ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ (یہ آپ کے شیخ طریقت ہیں)(ii) شیخ ابوالقاسم علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ (iii) شیخ ابو احمد مظفر بن احمد بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ (iv) ابوالعباس احمد بن محمد اشقانی رحمۃ اللہ علیہ

تصانیف

سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگاروں نے ان کی دیگر تصانیف کے بارے میں کوئی باقاعدہ نشاندہی نہیں کی' نہ ہی ''کشف المحجوب'' کے علاوہ ان کی کوئی اور تصنیف ہم تک پہنچ سکی ہے'' کشف المحجوب'' میں مختلف مقامات پر انہوں نے اپنی بعض دیگر تصانیف کا ذکر کیا ہے جن کے اسماء درج ذیل ہیں:

(i) دیوان (ii) اسرار الخلق والمؤنات (iii) البیان لاہل العیان (iv) منہاج الدین (v) شرح کلام منصور حلاج

سلسلۂ طریقت:

- سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ
- حضرت ابوالحسن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
- حضرت ابوعلی حسن بن ابوالحسین یسار بصری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شیخ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت ابوسلیمان داؤد بن نصیر طائی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت ابومحفوظ معروف بن فیروز کرخی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت ابوالحسن علی بن سری بن مغلس سقطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۵۱ھ)
- حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید قواریری بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۹۷ھ)
- حضرت ابوبکر دلف بن جحدر شبلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۳۴ھ)
- حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۷۱ھ)
- حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۲۰ھ)
- حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۶۵ھ)**

وفات:

سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے سنِ وفات کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ تاہم اکثر محققین کی یہی رائے ہے' آپ کا انتقال ۴۶۵ھ کے آس پاس لاہور میں ہوا' اور یہیں آپ آسودۂ خاک ہیں۔

ہمارے زمانے میں ۹ رمحرم الحرام کے دن مزار شریف کو غسل دیا جاتا ہے' جبکہ آپ کا روایتی عرس صفر المظفر کے دوسرے عشرے کے آخری دنوں میں ہوتا ہے۔ آپ کا مزار مبارک قبلہ حاجاتِ خلائق ہے' جہاں ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

خاک پنجاب از دمِ اُو زندہ گشت
صبح ما' از مہر اُو' تابندہ گشت

** نوٹ: ان تمام مشائخ کا تذکرہ سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے ''کشف المحجوب'' میں کیا ہے۔

سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کو ''داتا گنج بخش'' کہنے کا حکم

ایک مرتبہ مولف سطور ہذا حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر تھا کہ کسی نے دریافت کیا۔ بعض حضرات' اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت سید علی ہجویری کو ''داتا'' کہنا درست نہیں؟ جناب کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

یہ سوال سن کر' ایک دھیما سا تبسم' آنجناب کے ہونٹوں پہ نمودار ہوا اور ارشاد فرمایا: اس کا جواب حاصل کرنے سے پہلے ایک بات سمجھ لیں' دو چیزیں ہیں۔

i- اللہ تعالیٰ کی صفات ii- اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام

اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت کو' مخلوق کے حق میں تسلیم کرنا شرک ہے' بشرطیکہ مخلوق کے حق میں اس صفت کو تسلیم کرتے ہوئے انسان کے ذہن میں یہ بات ہو کہ جس طرح یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ذات میں پائی جاتی ہے' اسی طرح مخلوق میں بھی پائی جاتی ہے۔

اسی بات کو مزید واضح کرتے ہوئے ہم یہ بیان کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ان کے حقیقی معنی کے اعتبار سے مخلوق میں اثبات شرک ہے جبکہ مجازی معنی کے اعتبار سے' اللہ تعالیٰ کی صفات کی دو قسمیں ہیں۔

(i) ایک وہ جن کا اطلاق اللہ کے علاوہ کسی اور پر بہ نیت اطلاق مجازی حرام ہے۔

(ii) دوسری صفات وہ ہیں جنہیں مجازی معنی میں مخلوق کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

خود قرآن نے سورۂ مبارکہ (بقرہ: 143) میں اللہ تعالیٰ کے لئے ''رؤف'' اور ''رحیم'' کے صفاتی اسماء ذکر کیے ہیں

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ٥

جبکہ سورۂ توبہ (آیت: 128) میں نبی اکرم ﷺ کی ذات پر مجازی معنی میں ان صفات کا اطلاق بھی کر دیا ہے۔ جن کا ذکر دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کیلئے کیا گیا تھا۔

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ٥

قرآن کی اس مثال سے مطلقاً یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات یا صفاتی اسماء کا اطلاق مخلوق پر کرنا جائز ہے لیکن علماء نے اپنی تحقیق کے مطابق یہ اصول بیان کیا ہے کہ ایسا کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے بلکہ بعض مخصوص اسماء اور صفات کو مجازی طور پر' مخلوق کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

یہ ساری گفتگو ذہن میں رکھیں اور پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو پیش نظر رکھیں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ج

''(اے رسول!) تم فرما دو' (اے لوگو!) تم اللہ کہہ کر پکارو' یا رحمان کہہ کر پکارو' جس نام سے بھی پکارو' اس کے (بہت سے) اچھے نام ہیں''۔ (الاسراء: 110)

سوال یہ ہے کہ داتا، گنج بخش، غوث اعظم، غریب نواز وغیرہ جیسے الفاظ اللہ تعالیٰ کیلئے قرآن مجید یا احادیث مبارکہ میں کہیں استعمال کیے گئے ہیں؟

عرض کی گئی، یہ الفاظ تو استعمال نہیں ہوئے لیکن معنوی اعتبار سے تو یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال ہونا چاہئے۔

ارشاد فرمایا: اس بات کی وضاحت تو میں پہلے کر چکا ہوں کہ معنوی اعتبار سے الفاظ کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لئے حقیقی معنی میں اور مخلوق کیلئے مجازی معنی میں ہوگا اس لیے یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ خصوصا اس صورت میں جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود مخلوق کیلئے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہوں اور جو معنوی اعتبار سے اور لفظی اعتبار سے مشترک ہوں۔

ہم میں سے ہر شخص، مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ اور رسول اللہ ﷺ کے داماد، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عثمان غنی کہتا ہے۔ کیا حضرت عثمان غنی کہنا شرک ہے؟

حاضرین نے انکار میں سر ہلایا تو ارشاد فرمایا، سورۂ محمد، آیت: 38 میں خود قرآن کہتا ہے:

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ج

''اور اللہ تعالیٰ غنی ہے جبکہ تم فقیر ہو''۔

اس آیت مبارکہ میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ''غنی'' اللہ تعالیٰ ہے اور تم لوگ ''فقیر'' ہو۔ اسی بات کو سورۂ فاطر، آیت: 15 میں ان الفاظ میں مزید صراحت سے ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہوا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○

''اے لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ کے فقیر (محتاج) ہو اور اللہ غنی وحمید ہے''۔

اب کوئی کم فہم ونادان، ان آیات کو پڑھ کر یہ ''فتویٰ صادر کردے'' کہ خبردار، حضرت عثمان کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کہنا، شرک ہے تو آپ اس کی کم عقلی پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ کوئی ''نام نہاد موحد، جوش توحید'' میں یہ فتویٰ دے ہی ڈالے تو آپ اس سے سوال کر سکتے ہیں۔

خود قرآن نے سورۂ مبارکہ نساء، آیت: 6 میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ

''اور (جو سرپرست) غنی ہو، اسے چاہئے کہ (اپنے زیر کفالت یتیم کے مال میں سے خرچ نہ کرنے سے) بچا رہے''۔

یہاں تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے حق میں ''غنی'' کا لفظ صراحتاً ارشاد فرمایا ہے۔

اس لیے یہاں (یعنی لفظ داتا، غوث وغیرہ میں) معنوی اشتراک کی مناسبت تو بہت دور کی بات ہے۔ یہی الفاظ اگر کتاب و سنت میں اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال کیے گئے ہوتے تو بھی ''غیر اللہ'' کیلئے ان کے استعمال کو مطلقاً شرک قرار دینا، محل نظر ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کیلئے ان کا استعمال حقیقی اور مخلوق کیلئے ان کا استعمال مجازی ہوتا۔

وَاعْفُ عَنَّا وقفه وَاغْفِرْ لَنَا وقفه وَارْحَمْنَا وقفه اَنْتَ مَوْلٰنَا (البقرۃ:۲۸۶)

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ (التوبہ:۵۱)

العقد الثمین من کلام محی الدین

Q: آج کل ہم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ''کشف المحجوب'' پڑھ رہے ہیں۔

A: یہ اپنے فن کی بہت بلند مرتبہ کتاب ہے۔

Q: اس کے بارے میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات کہی ہے:
''اگر کسی شخص کو کامل شیخ نہیں ملتا تو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرلے''۔

A: حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات اپنے مرتبہ ومقام اور اپنے زمانے کے مشائخ کے احوال اور مرتبے کو سامنے رکھ کر ارشاد فرمائی تھی، ورنہ ہمارے زمانے میں تو اس کتاب کے مطالعے کے نتیجے میں ''حیرت'' کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

Q: کیا ہمارے زمانے میں تصوف وطریقت کی معرفت رکھنے والے حضرات دنیا میں باقی نہیں رہے ہیں؟

A: تصوف اور طریقت کی معرفت رکھنے والے افراد ہر زمانے میں موجود رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔لیکن ہمارے زمانے کی آفت یہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ان مقرب بندوں نے خود کو مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ کرلیا ہے۔

Q: اس کی وجہ کیا ہے؟

A: اس کی پہلی وجہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے، کیونکہ دنیا میں کوئی بھی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہوسکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے، ہمارے معاشروں میں ظلم وزیادتی عام ہوچکی ہے، ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے حقوق کا بھی خیال نہیں رکھتے ہیں اور بندوں کے حقوق کی بھی پرواہ نہیں کرتے ہیں، رزق کمانے کے دوران حلال اور حرام کے درمیان تمیز ختم ہوچکی ہے، بہت سی ممنوعہ چیزوں اور کاموں کا ارتکاب سرِ عام ہونے لگا ہے، بلکہ اب تو یہ عالم ہے، لوگ ان بُرائیوں کو بُرائی نہیں بلکہ قابلِ فخر چیز سمجھتے ہیں۔ خانقاہیں اور مدرسے دنیا کے حصول کا ذریعہ بن چکے ہیں، جب خرابی معاشرے کے تمام طبقات کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہو، تو ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بھی دنیا اور اہلِ دنیا کو ان کے حال پہ چھوڑ دیتے ہیں۔

Q: لیکن کیا یہ طرزِ عمل درست ہے؟

A: اس میں غلطی کیا ہے؟ اگر کوئی شخص اپنے دین کی حفاظت کے لیے دنیا کو اس کے حال پر چھوڑ کر گوشہ نشین ہوجاتا ہے، تو

اس میں خرابی کیا ہے؟

Q: لیکن اسلام کی بنیادی روح تو یہ ہے، مسلمان دین کی تبلیغ کریں۔

A: دین کی تبلیغ کا کام ہر مسلمان پر انفرادی طور پر فرض نہیں ہے، بلکہ یہ کام فرضِ کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے، ظاہری طور پر چند علماء یہ کام کر لیتے ہیں، تو اب ہم کسی ایسے شخص کو اس کا پابند نہیں کر سکتے، جو اپنے دین کی حفاظت کے لیے خلوت نشینی اختیار کرتا ہے۔

Q: آپ نے یہ کہا ہے، کشف المحجوب پڑھنے والے شخص کو حیرانگی کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا، اگر یہ بات درست ہے، تو پھر سوال یہ سامنے آتا ہے، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو اتنی مشکل کتاب تحریر کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ انہیں چاہیے تھا، وہ کوئی عام فہم کتاب تحریر کر دیتے، جس سے ہر خاص و عام مستفید ہو سکتا۔

A: یہ بات ذہن نشین رکھیں، جب کوئی مصنف قلم اٹھاتا ہے، تو اس کے سامنے دو بنیادی مقصد ہوتے ہیں:

(i) اس نے اپنا پیغام عام افراد تک منتقل کرنا ہے۔

(ii) اس نے اپنے موضوع کے بارے میں تحقیقات پیش کرنی ہیں۔

یہ سامنے کی بات ہے، جب کوئی مصنف کسی اہم موضوع پر، تحقیقی طور پر، کتاب تحریر کرتا ہے، تو اس کی بہت سی مباحث عام افراد کی ذہنی سطح سے بلند ہوتی ہیں، اور اگر مصنف اپنے فن پر عبور رکھتا ہو، تو پھر بہت سے خواص بھی اس کی سوچ تک رسائی حاصل نہیں کر پاتے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فنِ تصوف، اس کے مسائل، صوفیاء کے اختلافی نظریات، ان کے عملی مشاہدات وغیرہ کے موضوع پر مجتہدانہ بصیرت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے، انہوں نے ''اجتہادی نقد و تبصرہ'' کے ساتھ صوفیاء کے اقوال و نظریات کو بیان کیا ہے اور ان کی توضیح و تشریح کی ہے۔

اب ہمارے زمانے کے لوگ، بطورِ خاص ہمارے اور آپ کے جیسے عام قارئین، ان نظریات اور مسائل کے پسِ منظر سے آگاہ نہیں ہوتے، اس لیے ''کشف المحجوب'' کی بہت سی مباحث ان کے لیے حیرانی و پریشانی کا باعث بنتی ہیں۔

Q: یہ معاملہ صرف ''کشف المحجوب'' تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ تصوف کے بیشتر مسائل اور مباحث عام آدمی کے لیے مشکل کا باعث بنتے ہیں۔

A: کہا جاتا ہے، حساب تمام علوم کی ماں ہے۔ کوئی عام شخص علمِ حساب کی کسی کتاب کا مطالعہ کر کے اس علم سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حیاتیات، طب، فلسفہ، بلکہ ادب اور لسانیات جیسے مضامین جو انسانی زندگی سے براہِ راست تعلق رکھتے ہیں، ان موضوعات پر کسی ماہر کی لکھی ہوئی تحقیقی تصنیف کا مطالعہ کرنے سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ صرف حیرانگی۔

Q: لیکن عام لوگوں کی اصلاح و تربیت کے لیے عام فہم انداز میں کتب تصانیف کی جانی چاہئیں۔

A: عام لوگوں کی سہولت کے لیے دیگر مصنفین نے عام فہم حکایات اور وعظ و نصیحت سے متعلق کتب تحریر کی ہیں۔

Q: علمِ تصوف کی حقیقت کیا ہے؟

A: یہ ایک عام مشاہداتی حقیقت ہے' انسان کا وجود وہی ہے' جو ہمیں نظر آتا ہے اور محسوس ہوتا ہے' لیکن فزکس کا ماہر اس کا جائزہ کسی اور حوالے سے لیتا ہے' بیالوجی کا ماہر مختلف نوعیت کی تحقیق کرتا ہے' جبکہ کیمسٹری کا ماہر کسی اور پہلو کے اعتبار سے اسی جسم کا مطالعہ کرتا ہے' انسانی جسم ایک ہے' لیکن اس کے بارے میں تحقیق کے پہلو ایک دوسرے سے مختلف ہیں' اور پھر جب علمِ طب کا طالب علم ان تینوں علوم کی روشنی میں انسانی جسم کا علم حاصل کرتا ہے' تو اس کی معلومات کا دائرہ ان تینوں علوم کی روشنی میں بعض حوالوں سے مشترک ہوتا ہے اور بعض اعتبار سے متفرق ہوتا ہے۔

اسی طرح تفسیر قرآن کے علم کے اصول و قواعد اور ہیں' جبکہ علم حدیث کی مباحث بعض حوالوں سے مختلف ہیں۔

تفسیر قرآن کا طالب علم اس بات کی معرفت حاصل کرتا ہے' قرآن کے الفاظ کا مطلب کیا ہے؟ ان الفاظ کی لغوی ساخت کیا ہے؟ آیت یا حکم کا شانِ نزول کیا ہے؟ آیت یا حکم کے بارے میں' نبی اکرم ﷺ کی احادیث سے کیا بات ثابت ہوتی ہے؟ آیت یا حکم کے بارے میں مسلمان اہل علم' جن میں صحابہ' تابعین اور ان کے بعد میں آنے والے اہلِ علم شامل ہیں' ان کی آراء کیا ہیں؟ آیت یا حکم' ناسخ یا منسوخ تو نہیں ہیں' آیت یا حکم' خاص' عام' مطلق' مقید' مجمل' محکم' متشابہہ میں سے کیا ہے؟

اشارۃ النص' عبارۃ النص' اقتضاء النص' دلالۃ النص سے کون سا حکم ثابت ہوتا ہے؟ وغیرہ۔

جبکہ علمِ حدیث کے طالبِ علم کے سامنے یہ سوالات آتے ہیں:

جو روایت اس کے سامنے موجود ہے وہ مرفوع ہے یا موقوف ہے؟

متصل ہے یا مرسل ہے؟

روایت کے متن یا سند میں کوئی خفیہ علت تو نہیں پائی جاتی؟

روایت کے راویوں میں سے کسی ایک پر جرح تو نہیں کی گئی؟ وغیرہ

اب یہ تمام باتیں جاننا ہر مسلمان کے بس کا روگ نہیں ہے۔

بلکہ ہمارے زمانے میں جو صورتِ حال ہے' اسے دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں' ان تمام مباحث سے بہت سے خواص بھی واقف نہیں ہوتے ہیں۔

تو اب آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے' کتاب و سنت کے علوم کو اتنا مشکل کیوں بنایا گیا ہے؟ عام لوگ تو دور کی بات ہے خواص بھی اس تک رسائی حاصل نہیں کرتے۔

اگر یہ تمام باتیں نہ ہوں تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور صحیح بخاری کا عام فہم اردو ترجمہ پڑھنے والے فرد کے درمیان کوئی فرق باقی

نہ رہے۔
قرآن وسنت سے ثابت ہونے والے علوم کو تین بنیادی مضامین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔
(i)علمِ کلام: اس علم کا بنیادی موضوع اعتقادی اور نظریاتی مباحث ہیں' خواہ ان کا تعلق قرآن کی آیات کی تفسیر سے ہو' یا وہ احادیث کی تشریح سے متعلق ہوں۔
اصل میں ہوا یہ تھا' سب سے پہلے قرآن کے نزول کے زمانے میں بعض غیر مسلموں نے کچھ سوالات اُٹھائے' ان غیر مسلموں میں مشرکین بھی شامل تھے اور یہودی وعیسائی بھی تھے' ان غیر مسلموں کے اُن سوالات کے جواب میں قرآن کی بعض آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح قرآن کی بعض آیات کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے مسلمان کہلانے والے بعض افراد نے اپنی پسند کا نتیجہ اخذ کر کے' اسے اسلامی تعلیمات کے مترادف قرار دیا' یہ فتنہ صحابہ کرام کے مقدس دور میں ہی پیدا ہو گیا تھا۔
اور یہ فتنہ مختلف شکلوں میں' آج تک اُمت میں موجود ہے۔
ہمارے زمانے میں مسلمانوں میں جتنے بھی فرقہ وارانہ اختلافات پائے جاتے ہیں' ان سب کا بنیادی سبب قرآن کی بعض آیات کی تعبیر وتشریح میں اختلاف ہے۔
لیکن کیونکہ یہ ہمارا موضوعِ بحث نہیں ہے' اس لیے ہم اپنے موضوع کی طرف واپس لوٹتے ہیں۔
(ii) قرآن وسنت سے ثابت ہونے والا دوسرا بڑا علم فقہ ہے۔
علمِ فقہ میں بھی مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر ہیں' اور ان کے درمیان اختلاف کا بنیادی سبب' احادیث کے طور پر نقل ہونے والی روایات میں مذکور اختلاف ہے۔
یعنی ایک راوی نے یہ روایت نقل کر دی' نبی اکرم ﷺ نماز پڑھنے کے دوران رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کیا کرتے تھے' تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ دیا' نماز پڑھنے کے دوران رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا سنت ہے۔
اس کے برعکس دوسرے راوی نے یہ روایت نقل کر دی' نبی اکرم ﷺ صرف نماز کے آغاز میں رفع یدین کیا کرتے تھے' تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ دیا' نماز کے صرف آغاز میں رفع یدین کیا جائے گا' اس کے علاوہ نہیں۔
روایات میں اختلاف کے ساتھ فقہی اختلافات کا دوسرا بنیادی سبب' صحابہ کرام کی فقہی آراء کا مختلف ہونا ہے۔
علمِ فقہ کے کسی ایک ماہر نے کسی ایک صحابی کے قول کے مطابق فتویٰ دیا' تو دوسرے ماہر نے کسی دوسرے صحابی کے قول کے مطابق فتویٰ دے دیا' جو پہلے قول کے برعکس تھا۔
اسی طرح کتاب وسنت میں موجود احکام کی علت کی وضاحت کے حوالے سے' فقہاء کے درمیان اختلافات سامنے آئے۔
فقہی اختلافات کا سب سے بڑا بنیادی سبب ''غیر منصوص'' مسائل میں قیاس کا استعمال ہے۔

لیکن یہ تمام بحث علمِ فقہ وعلمِ اصول فقہ سے تعلق رکھتی ہے۔
(iii) کتاب وسنت سے ثابت ہونے والا تیسرا بڑا علم ''علم تصوف'' ہے۔

Q: علم تصوف پر ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے' اس علم کی تعریف کے بارے میں' اس کے ماہرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے' کسی نے اس کی کچھ تعریف کی ہے' کسی نے اس کی کچھ اور تعریف کی ہے' اگر یہ علم واقعی درست ہے' تو پھر اس کی تعریف میں اختلاف کیوں پایا جاتا ہے؟

A: جو شخص یہ اعتراض کرتا ہے' اس کی علمیت پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے' کیونکہ کسی بھی علم کی تعریف اس لیے کی جاتی ہے تاکہ مختصر الفاظ میں اس علم کے موضوع' حدود اور طریقۂ کار کے بارے مین مقابل کو آگاہ کیا جا سکے' تو ہر صاحبِ علم اپنے لفظوں میں ان چیزوں کو واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
علمِ فقہ' اصولِ فقہ' علمِ کلام وغیرہ ہر ایک علم کی تعریف کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔
بلکہ جدید علوم میں معاشیات' سیاسیات' نفسیات وغیرہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے ماہرین ایک دوسرے سے مختلف تعریف بیان کرتے ہیں۔
آپ کسی مدرسے میں چلے جائیں' علمِ منطق کا ابتدائی قاعدہ ''المرقات'' پڑھاتے ہوئے یہ بات بتائی جاتی ہے۔ ''علم'' کی تعریف کرتے ہوئے بھی اہلِ علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ کسی نے اس کی ایک تعریف کی ہے' کسی نے دوسری تعریف کی ہے۔

Q: آپ ہمیں یہ بتا رہے تھے' علمِ تصوف کی حقیقت کیا ہے؟

A: اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔
انسان دو چیزوں کا مرکب ہے: جسم اور روح۔
جسم کو مختلف اجزاء میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور ان اجزاء میں سے کسی ایک جز' یعنی جسم کے کسی ایک حصے میں کوئی علت' آفت یا بیماری لاحق ہو سکتی ہے' اس بیماری کی وجہ اور اس کا طریقۂ علاج ''علمِ طب'' کا موضوع ہے۔
انسانی وجود کا دوسرا اہم جز ''روح'' ہے۔
روح کی حقیقت کیا ہے؟ اس بارے میں بہت سے اقوال پائے جاتے ہیں۔ ہمارے سمجھنے کی یہ بات ہے' جس وقت روح کو جسم کے پنجرے میں قید کیا جاتا ہے اور انسان کو دنیا کی امتحان گاہ میں بھیجا جاتا ہے' تو انسان کے وجود میں ایک تیسری طاقت رکھی جاتی ہے ''نفس''۔
نفس کی خصوصیت یہ ہے' اس میں بُرائی اور بھلائی دونوں کا مادہ رکھا گیا ہے۔
یہی نفس ہے' جو انسان کو بُرائی کی طرف لے کے جاتا ہے' قرآن نے کہا ہے:
''بے شک نفس بُرائی کا بہت زیادہ حکم دیتا ہے''۔

روح کے بغیر جسم ایک بے جان وجود ہے۔
ہر شخص کی روح اپنی حقیقت کے اعتبار سے اپنے پروردگار کی مطیع وفرمانبردار ہوتی ہے' لیکن جب اس روح کو جسم کے پنجرے میں قید کیا جاتا ہے' تو اس پر حجاب طاری کر دیا جاتا ہے' جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے' اس روح کو اپنے پروردگار کی جو معرفت حاصل تھی' روح اس معرفت سے محجوب ہو جاتی ہے۔
دنیا میں آ کے انسان کیونکہ ''نفس'' کے زیر اثر آ جاتا ہے' اس لیے شیطان ''نفس'' کی مدد سے' روح کے حجاب سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے' انسان کو گمراہی کے راستے پر لے جاتا ہے۔
اب یہ دیکھیں' کوئی بھی فرشتہ اللہ تعالیٰ کے کسی ایک حکم کی نافرمانی نہیں کرتا۔
کوئی بھی فرشتہ' ایک لمحے کے لیے بھی' اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔
کسی بھی فرشتے میں جھوٹ' حسد' تکبر وغیرہ جیسی منفی صفات نہیں پائی جاتی ہیں۔
لیکن انسان میں یہ تمام خامیاں موجود ہوتی ہیں اور ان تمام خرابیوں کا سرچشمہ ''نفس'' ہے۔
تصوف کی بنیادی روح ''نفس کی اصلاح'' ہے۔

Q: کیا نفس کی اصلاح کا ایک ہی طریقہ ہے؟

A: جسم میں جو خرابی پیدا ہوتی ہے' علمِ طب کے اصولوں کے مطابق' اس بیماری کا مخصوص علاج کیا جاتا ہے' آپ ایک ہی دوا کو تمام بیماریوں کا علاج قرار نہیں دے سکتے۔

Q: کیا ایسا نہیں ہو سکتا' آپ کتاب وسنت کو نفس کی اصلاح کے لیے کافی سمجھیں؟

A: بالکل ایسا ہی ہے۔

Q: تو پھر ہمیں صوفیاء کے اقوال یا تجربات کا علم حاصل کرنے کی ضرورت کیا ہے؟

A: نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: سورۂ فاتحہ ہر بیماری کا علاج ہے۔ اسی طرح احادیث سے یہ بات ثابت ہے' ایک صحابی نے زہریلے جانور کے کاٹنے پر بیمار کو سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا' تو وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔
اسی طرح احادیث میں مختلف دعائیں منقول ہیں' جنہیں پڑھ کر بیمار پر دَم کیا جاتا ہے۔
تو اگر آپ یہ کہیں' ہمیں علمِ طب سے دامن بچا کر صرف ان ''مسنون دعاؤں'' پر اکتفاء کرنا چاہیے' تو یہ بات غلط نہیں ہو گی' لیکن عملی طور پر ایسا ہو نہیں سکتا۔
انسانی جسم میں خرابیوں کی جتنی اقسام اب تک دریافت ہو چکی ہیں' انسان کے نفس میں اس سے کہیں زیادہ خرابیاں پائی جاتی ہیں۔
ان خرابیوں' ان کے اسباب' نتائج' ان سے بچاؤ کے طریقۂ کار کے مطالعے کا نام تصوف ہے۔

Q: آپ ہمیں تصوف کے بارے میں کچھ بتائیں!

A: کسی بھی چیز کا جائزہ لینے کے دو طریقے ہیں:
آپ صرف اس کے ظاہر کو دیکھیں یا رائے عامہ سے متاثر ہو کر اس چیز کے بارے میں اپنا زاویہ نظر قائم کریں۔
دوسرا طریقہ یہ ہے' آپ اس موضوع پر تحقیق کریں' اس سے مطابقت رکھنے والی دوسری اشیاء کے ساتھ اس کا تقابل کریں' اس چیز کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا جائزہ لیں' وغیرہ۔
ہماری بدقسمتی یہ ہے' ہمارے زمانے میں لوگ زیادہ تر تحقیق کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پہ میلہ لگتا ہے' تو یہ گناہ بھی تصوف کے نامۂ اعمال میں ڈال دیا جاتا ہے۔
شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کا موجودہ سجادہ نشین ایک متنازع سیاستدان ہے' تو یہ بھی تصوف بیچارے کا قصور ہے۔
لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر عورتیں دھمال ڈالتی ہیں' یہ بھی تصوف کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔
ایک سمجھدار پڑھے لکھے آدمی کے طور پر ہمارا یہ اخلاقی فرض بنتا ہے' ہم کسی چیز کے بارے میں کوئی نظریہ اختیار کرنے سے پہلے اس موضوع کی تحقیق کر لیں۔
تصوف کی بنیادی روح نفس کی اصلاح ہے۔
مختلف زمانوں کے صوفیاء نے اپنے ذاتی مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر نفس کی خرابیوں اور ان کی اصلاح کے بارے میں اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔
مخصوص ماحول' زمانے اور خطے کا اختلاف' ذاتی تجربے میں فرق' جس کی تربیت مقصود ہو اس کی مخصوص نفسیاتی خامیاں وغیرہ' وہ اسباب ہیں' جن کی وجہ سے تربیت کے طریقوں کے بارے میں صوفیاء کے کلام میں ظاہری اختلاف محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اور نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے۔
جس طرح یہ ممکن نہیں ہے' آپ کسی انسانی جسم کو ہر اعتبار سے' مکمل طور پر تندرست قرار دیں' یا کسی علاج کے ذریعے اس جسم کو ایسا بنا دیں' کہ اس میں کسی قسم کی کوئی بیماری باقی نہ رہے' بالکل اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے' کسی انسان کا نفس تربیت کے نتیجے میں اس طرح ہو جائے' کہ اس میں کسی خرابی کا شائبہ ہی باقی نہ رہے۔

Q: اگر خرابی کا امکان پھر بھی باقی رہتا ہے' تو نفس کی تربیت کیوں کی جائے؟

A: نفس میں بُرائی کا مادہ فطری طور پر موجود ہوتا ہے' اس لیے اسے ختم نہیں کیا جا سکتا' لیکن تربیت کے نتیجے میں آپ نفس پر اس حد تک قابو کر سکتے ہیں' وہ آپ کو کسی بُرائی کی طرف نہ لے کر جائے۔

Q: کیا تصوف کا موضوع صرف نفس ہے؟

A: کسی بھی علم کا مخصوص موضوع ہمیشہ ایک ہوتا ہے' لیکن اس ایک چیز کے بارے میں معرفت حاصل کرنے کے لیے چند دوسری چیزوں سے بھی آگاہی حاصل کرنا پڑتی ہے۔ تصوف کا بنیادی موضوع نفس کی تربیت و اصلاح تھا' لیکن اس دوران پیش آنے والے تجربات کو اکابر صوفیاء نے جب لفظی طور پر بیان کیا' تو اس چیز نے تصوف میں بعض نئی مباحث

کا دروازہ کھول دیا۔

اسی مسئلے کا دوسرا پہلو یہ ہے، اکابر صوفیاء اپنے زمانے کے اکابر اہلِ علم تھے۔ اسی لیے جب انہوں نے تصوف کے بارے میں علمی گفتگو بیان کی، تو اس حوالے سے بحث و مباحثے کا آغاز ہوا۔

یہی وجہ ہے، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں ایک مستقل باب میں صوفیاء کے مکاتبِ فکر، ان کا پسِ منظر، مرکزی سوچ اور دوسرے صوفیاء کے مقابلے میں اس مکتبہ فکر کی انفرادی خصوصیت کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

Q: کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں، تصوف کا بنیادی موضوع علم نفسیات کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔

A: ہمارے زمانے میں علمِ نفسیات کو ایک اہم معاشرتی علم سمجھا جاتا ہے، لیکن تصوف کا بنیادی موضوع عمومی نفسیات کا مطالعہ نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق خواص کی نفسیات سے ہے۔

Q: آپ اس نکتے کو مزید واضح کریں!

A: تصوف کی زیادہ تر مباحث ان لوگوں کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتی ہیں، جو طریقت کے راستے پر قدم رکھتے ہیں۔

Q: آپ کے کہنے کا یہ مطلب ہے، طریقت کے راستہ پر قدم رکھنے والا شخص ''خواص'' کے حلقے میں شامل ہو جاتا ہے۔

A: ہم نے اپنے مشاہدے کے مطابق اس کو عام فہم انداز میں یوں بیان کرتے ہیں، ایک عام نوجوان تمام ضروری امتحانات اور مشقوں میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد فوج میں شامل ہو جائے، تو اب اُسے سب سے پہلے فوج کی ضرورت کے مطابق اپنے نفس کو ڈھالنے کے لیے ملٹری اکیڈمی میں تربیت حاصل کرنی ہوگی۔

صوفیاء کی خانقاہیں بھی اکیڈمی کی حیثیت رکھتی ہیں، جہاں نفس کو ریاضت و مجاہدے کی تربیت سے گزار کر مخصوص سانچے میں ڈھالا جاتا ہے۔

فرق یہ ہے، جنگ کا تعلق ظاہری جسم سے ہے، اس لیے ملٹری اکیڈمی میں جسمانی تربیت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، جبکہ نفس کے خلاف لڑائی باطنی ہوتی ہے، اس لیے صوفیاء کی خانقاہوں میں باطنی تربیت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

Q: آپ ہمیں تصوف کی تعریف کے بارے میں کچھ بتائیں!

A: یہ جاننے کے لیے، ہمیں تھوڑی دیر کے لیے الفاظ اور اختلافات کو ایک طرف رکھنا ہوگا اور معنی و حقائق کے بارے میں گفتگو کرنی ہوگی۔

تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں، تمام مخلوق میں سب سے زیادہ فضیلت انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہے۔

اس بات پر بھی اتفاق پایا جاتا ہے، تمام انبیاء کرام علیہم السلام بنی نوع انسان سے تعلق رکھتے تھے۔

تو آخر وہ کیا چیز ہے، جو انبیاء کرام علیہم السلام کو دوسرے تمام انسانوں سے نمایاں اور ممتاز کرتی ہے؟

وہ ان کو روحانی اور باطنی صلاحیت ہے۔

اس روحانی اور باطنی صلاحیت کے نتیجے میں وہ فرشتے کو دیکھ بھی لیتے ہیں اور اُسے پہچان بھی لیتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے نازل ہونے والی وحی کی حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں۔
شیطان اُس پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔
یہ تصوف کا نقطہ آغاز ہے۔
اس بات پر بھی اتفاق پایا جاتا ہے' صرف مخصوص افراد منصبِ نبوت پر فائز ہوتے ہیں' دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں' ایک مخصوص معیار کی روحانی طاقت اور صلاحیت صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص تھی' کوئی دوسرا شخص اس مرتبے تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا' لیکن اس مرتبے سے نیچے تو مختلف مراتب ہو سکتے ہیں۔
نبوت کیونکہ ایک مخصوص مرتبہ و مقام ہے' اس لیے اس سے نیچے کے تمام مراتب کو آسانی اور سہولت کے لیے' ایک لفظ ''ولایت'' کے ذریعے واضح کر دیا جاتا ہے۔

Q: ہمارے زمانے میں بعض لوگوں کا یہ معمول ہے' وہ ہر نیک و بد کو ''اللہ کا ولی'' کہہ دیتے ہیں۔

A: الفاظ کو استعمال کرتے ہوئے یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے' ایک لفظ کا لغوی مفہوم ہوتا ہے اور لفظ کا دوسرا مفہوم عرفی ہوتا ہے' یعنی عام محاورے میں وہ لفظ اُس مخصوص مفہوم میں استعمال ہوتا ہے' جبکہ بعض اوقات کوئی لفظ کسی علم یا فن کی مخصوص اصطلاح کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔

لغوی اعتبار سے دیکھا جائے تو ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے' کوئی بھی مسلمان اللہ تعالیٰ کا دشمن نہیں ہوتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اُخروی نعمتوں کا وعدہ صرف مسلمانوں کے ساتھ کیا ہے۔
عرفی طور پر دیکھا جائے تو لفظ ولی کا اطلاق انتہائی عبادت گزار اور پرہیز گار شخص پر کیا جاتا ہے۔
اُردو زبان کے عام محاورے میں ہر شخص کو ولی نہیں کہا جاتا۔
اُردو شاعری کے استاد مرزا اسد اللہ خان غالبؔ نے کہا ہے:

اسے کون دیکھ سکتا ہے کہ یگانہ ہے وہ یکتا — جو دُوئی کی بُو بھی ہوتی ' تو کہیں دوچار ہوتا

اتنے بڑے فلسفیانہ مسئلے کو ایک شعر میں بیان کرنے پر مرزا صاحب خود کو یوں داد دیتے ہیں:

یہ مسائلِ تصوف یہ تیرا بیان غالبؔ — تجھے ہم ''ولی'' سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

یعنی اپنی تمام تر علمیت اور قابلیت کے باوجود مرزا صاحب یہ سمجھتے ہیں' اُنہیں ولی اسی لیے نہیں کہا جا سکتا' بلکہ ولی اس لیے نہیں سمجھا جا سکتا' کیونکہ وہ پرہیز گار نہیں ہیں۔
جہاں تک اصطلاح کا تعلق ہے' تو ولی بنیادی طور پر علم تصوف کی اصطلاح ہے' تصوف کے ماہرین کے نزدیک کسی شخص پر لفظ ولی کا اطلاق کرنے کے لیے مخصوص شرائط اور معیار ہیں۔ اگر کوئی شخص اس پر پورا نہ اُترتا ہو' تو خواہ وہ کتنا ہی عالم فاضل ہو' اُسے ولی نہیں کہا جا سکتا۔
میں آپ کو یہ بتا رہا تھا' نبوت سے نیچے کے تمام تر مراتب کو' آسان لفظوں میں ایک لفظ ''ولایت'' کے ذریعے واضح کیا

جا سکتا ہے۔

یہاں ہم اس نکتے کو مزید واضح کریں گے۔

ولایت کا کم از کم مرتبہ یہ ہے کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت نبی اکرم ﷺ کی رسالت اور آپ کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان رکھے۔

اس کے بعد علم کا زیادہ ہونا' اعمال کا زیادہ ہونا' تقویٰ' پرہیز گاری' ریاضت' مجاہدہ' وغیرہ مختلف حوالوں سے کمی وبیشی کے حساب سے ولایت میں فرق پایا جاتا ہے۔

Q: یہ جو کہا جاتا ہے' فلاں بزرگ فلاں سے بڑے ہیں' اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

A: ہمارے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں ہے' جس کی مدد سے ہم یہ جان یا جانچ سکیں' فلاں بزرگ فلاں سے بڑے ہیں۔

لیکن علوم وفنون میں عام رواج یہی ہے' اندازے اور تخمینے کی بنیاد پر کسی ایک شخص کو دوسرے سے بڑا قرار دے دیا جاتا ہے۔

جیسے علم فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے معاصر دیگر فقہاء سے بڑا سمجھا جاتا ہے۔

امام بخاری کو ان کے زمانے اور بعد کے زمانے کے تمام محدثین سے بڑا سمجھا جاتا ہے' حالانکہ آپ یقینی طور پر یہ بات نہیں کہہ سکتے' ان کے زمانے میں ان کے پائے کا کوئی بھی فرد موجود ہی نہیں تھا۔

اسی طرح بزرگوں میں یہی روایت ہے' بعض بزرگوں کا فیض زیادہ مقدار میں اُمت تک پہنچا تو اس کے نتیجے میں ان کی عظمت اور بڑائی کو عمومی طور پر تسلیم کیا گیا۔ اسی طرح صوفیاء کی یہ روایت رہی ہے' وہ اپنے مشائخ اور پہلے زمانے کے بزرگوں کو خود سے افضل اور بہتر سمجھتے ہیں۔

Q: داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں یہ بات تحریر کی ہے' کوئی بھی مرید اپنے شیخ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

A: داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ بات بیان کی ہے' یہ ایک عمومی اصول کی حیثیت رکھتی ہے' یعنی عام طور پر ہوتا یہ ہے' کوئی بھی مرید اپنے شیخ سے آگے نہیں نکل سکتا۔

Q: تصوف کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے' یہ ایک باقاعدہ دین ہے اور اسلام کے مقابلے میں ہے۔

A: یہ محض الزام ہے' اکابر صوفیاء اسلام کو سچا دین سمجھتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اگر آپ یہ کہیں' بعض جہلاء اور دنیادار لوگوں نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے' تو ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے' علم حدیث میں بھی اس طرح کی صورتِ حال پیش آئی ہے۔

بعض افراد نے خود کو محدث ظاہر کر کے اپنی طرف سے احادیث ایجاد کر کے لوگوں میں پھیلانے کی کوشش کی ہے۔

تو کیا ان لوگوں کی وجہ سے علمِ حدیث یا محدثین ناقابلِ اعتبار قرار پائیں گے۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَشَفَ لِاَوْلِيَائِهٖ بَوَاطِنَ مَلَكُوْتِهٖ ـــــ وَقَشَعَ لِاَصْفِيَائِهٖ سَرَائِرَ جَبَرُوْتِهٖ
وَاَرَاقَ دَمَ الْمُحِبِّيْنَ بِسَيْفِ جَلَالِهٖ ـــــ وَاَذَاقَ سِرَّ الْمُشْتَاقِيْنَ رَوْحَ وِصَالِهٖ
هُوَ الْمُحْیِ لِمَوَاتِ الْقُلُوْبِ بِاَنْوَارِ اِدْرَاكِهٖ ـــــ وَالْمُتَنَفِّسُ لَهَا بِرَاحَةِ رُوْحِ الْمَعْرِفَةِ بِنَشْرِ اَسْمَائِهٖ
وَالصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ .

قال الشیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الھجویری

اللہ تعالیٰ کیلئے ہر قسم کی حمد مخصوص ہے جس نے اپنے مقرب بندوں پر اپنی بادشاہی کے اسرار منکشف کیے اور اپنے برگزیدہ پاک باطن لوگوں پر اپنی عظمت شان کے راز کھولے' اس نے اپنے جلال کی تلوار کے ذریعے اپنی ذات سے محبت کرنے والوں کے خون بہائے اور اپنے (معرفت) کے مشتاق لوگوں کو اپنے وصال کی راحت کا ذائقہ چکھایا اپنے ادراک کے انوار کے ذریعے وہی مردہ دلوں کو زندگی نصیب کرتا ہے اور اپنے اسماء (کے انوار) پھیلا کر معرفت کی روح کے ذریعے انہیں زندگی نصیب کرتا ہے۔

اس کے رسول حضرت محمد ﷺ 'ان کی آل'ان کے اصحاب اور ان کی ازواج پر درود (وسلام) نازل ہو۔

(کتاب کا ناقل کہتا ہے) شیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن ابوعلی جلابی ہجویری فرماتے ہیں:

''میں نے استخارہ کیا اور اپنی نفسانی خواہشات کو پرے کر کے تمہاری فرمائش پوری کرنے کا عزم کیا (اللہ تعالیٰ تمہیں سعادت نصیب کرے) میں نے اس کتاب کا نام ''کشف المحجوب'' تجویز کیا ہے تا کہ اس کے ذریعے تمہارا مقصد واضح ہو جائے میں نے اس کتاب میں تمہارے مقصود کو (مختلف ابواب اور فصول کی شکل میں) تقسیم کیا ہے اور میں اس کتاب کی تکمیل کیلئے اللہ تعالیٰ سے مدد اور توفیق کا طلبگار رہوں اور اپنی ذات سے' قول وفعل (ہر حوالے سے) اپنی ذاتی طاقت وقوت سے بے زاری کا اظہار کرتا ہوں' بے شک توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی نصیب ہوتی ہے''۔

پہلی فصل: اپنا نام ذکر کرنے کی وجہ

میں نے اس کتاب کے آغاز میں اپنا نام تحریر کیا ہے' اس کی دو وجہیں ہیں' ایک کا تعلق خاص طبقے سے ہے اور دوسری وجہ کا تعلق عام لوگوں سے ہے۔ عام لوگوں سے اس کا تعلق یہ ہے کہ جب کوئی بے علم شخص کسی نئی کتاب کو دیکھتا ہے کہ اس میں مختلف مقام پر مصنف کا نام درج نہیں ہے تو وہ اس کتاب کو اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے اور یوں مصنف کی مراد پوری نہیں ہو پاتی' حالانکہ کوئی بھی مصنف' جو بھی کتاب تصنیف یا تالیف کرتا ہے' تو اس کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اس تصنیف کے ذریعے مصنف کا نام زندہ رہے اور کتاب کے قارئین اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں' خود میرے ساتھ دو مرتبہ اس

نوعیت کا حادثہ پیش آ چکا ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص میرے اشعار کا دیوان مجھ سے مانگ کر لے گیا حالانکہ میرے پاس اس کا کوئی دوسرا نسخہ نہیں تھا' اس نے میرے دیوان میں سے میرا نام حذف کر دیا اور یوں میری محنت ضائع ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق دے۔

دوسرا واقعہ اس طرح پیش آیا۔ میں نے علم تصوف کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام ''منہاج الدین'' تھا۔ صوفی ہونے کے دعویدار ایک نالائق شخص نے (جو اس لائق بھی نہیں کہ اس کا نام لیا جائے) اس نے اس کتاب میں سے میرا نام حذف کر دیا اور لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ یہ کتاب اس نے خود تحریر کی ہے' لیکن خواص (یعنی اہل علم) اس کے اس دعویٰ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اپنی اس حرکت کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ برکت سے محروم ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے طلبگاروں کے دیوان سے اس کا نام کاٹ دیا۔

خواص (یعنی اہل علم) سے اس کا تعلق یہ ہے کہ جب اہل علم کسی کتاب کو دیکھتے ہیں اور انہیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کتاب کا مصنف اس علم وفن کا عالم اور محقق ہے' تو وہ اس کے حقوق کا زیادہ بہتر طور پر خیال رکھتے ہیں اور اس کتاب کا مطالعہ کرنے' اسے سمجھنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں' جس کے نتیجے میں قاری اور مصنف دونوں کا مقصد بہتر طور پر پورا ہو جاتا ہے۔

دوسری فصل: استخارہ کی اہمیت

میں نے جو یہ کہا ہے ''میں نے استخارہ کیا'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس بارے میں' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے آداب کا خیال رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (النحل:۹۸)

''اور جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ لو''۔

''استعاذہ''، ''استعانت'' اور ''استخارہ'' کا مطلب ''خیر طلب کرنا'' ہے اور اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے مختلف طرح کی آفات سے نجات پالینا ہے۔

صحابہ کرام نے یہ بات روایت کی ہے۔

''نبی اکرم ﷺ ہمیں استخارہ کی تعلیم اسی طرح دیا کرتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے''۔[1]

---

[1] كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة في الامور كلها ، كما يعلمنا السورة من القرآن' صحيح البخاری' كتاب الجمعة' ابواب تقصير الصلاة' باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى' حديث:1126 صحيح البخاری' كتاب الدعوات' باب الدعاء عند الاستخارة' حديث:6029 صحيح البخاری' كتاب التوحيد' باب قول الله تعالى : قل هو القادر' حديث:6977 صحيح ابن حبان' كتاب الرقائق' باب الادعية' ذكر البيان بان الامر بدعاء الاستخارة لمن اراد امرا انما امر' حديث:887 سنن ابی داود' كتاب الصلاة' باب تفريع ابواب الوتر' باب في الاستخارة' حديث:1328 سنن ابن ماجه' كتاب اقامة الصلاة ' باب ما جاء في صلاة الاستخارة' حديث:1379 جامع ترمذی' ابواب الطهارة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم' ابواب الوتر' (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب انسان یہ بات جان لیتا ہے کہ امور کی بہتری کا انسان کی کوشش اور تدبیر پر موقوف نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بندے کی بھلائی کے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے' انسان کو بھلی یا بری جس قسم کی بھی صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے' وہ اس کا مقدر ہوتی ہے' تو ایسی صورتحال میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو تسلیم کرنے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کے علاوہ اور کوئی چارہ انسان کے پاس نہیں رہتا تا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ہر حال میں نفس کے شر اور اس کی سرکشی سے محفوظ رکھے اور اسے بھلائی اور بہتری نصیب کرے' اس لیے یہ ضروری ہے کہ انسان ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے' تا کہ اللہ تعالیٰ اسے خطا' خلل اور آفت سے محفوظ رکھے۔

تیسری فصل: نفسانی خواہشات سے اعراض

میں نے جو یہ کہا ہے کہ میں نے نفسانی خواہشات کو پرے کر دیا ہے' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس بھی کام میں نفسانی غرض شامل ہو جاتی ہے اس کی شمولیت کی وجہ سے اس کام میں برکت باقی نہیں رہتی اور دل سیدھے راستے سے ہٹ کر ٹیڑھے راستے کی طرف چلا جاتا ہے' ایسے میں دو طرح کی صورتحال سامنے آتی ہے یا تو نفس کی خواہش پوری ہو جاتی ہے یا پوری نہیں ہوتی۔

اگر نفس کی خواہش پوری ہو جاتی ہے' تو اس میں انسان کی ہلاکت ہے' کیونکہ نفس کی خواہش کا پورا ہونا دوزخ کے دروازے کی کنجی ہے۔

اگر نفس کی خواہش پوری نہیں ہوتی' تو ایسی صورت میں اس خواہش کو دل سے نکال دینا چاہئے کیونکہ انسان کی نجات اسی میں پوشیدہ ہے اور خواہش نفس کو روکے بغیر جنت کے دروازے کی چابی ہاتھ نہیں آتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النازعات:۴۰)

''اور جس نے نفس کو خواہشات کی پیروی سے روک دیا تو بے شک اس کا ٹھکانہ جنت ہے''۔

امور میں نفسانی خواہش یہ ہوتی ہے کہ انسان جو کام کرتا ہے اس میں وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے علاوہ کسی اور چیز کا طلبگار رہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اپنے نفس کی نجات کا طالب نہ ہو۔

(بقیہ حاشیہ) باب ما جاء فی صلاۃ الاستخارۃ' حدیث:462السنن الصغری' کتاب النکاح' کیف الاستخارۃ' حدیث:3218مصنف ابن ابی شیبۃ' کتاب الدعاء' الرجل یرید الحاجۃ ما یدعو بہ ؟' حدیث:28807السنن الکبری للنسائی' کتاب النکاح' الاستخارۃ' حدیث:5419السنن الکبری للبیہقی' کتاب الصلاۃ' ذکر الاحادیث الثابتۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی عدد' باب صلاۃ الاستخارۃ' حدیث:4576مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بنی ہاشم' مسند جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ' حدیث:14442مسند عبد بن حمید' من مسند جابر بن عبد اللہ' حدیث:1090مسند ابی یعلی الموصلی' مسند جابر' حدیث:2030

تکبر اور خود پسندی کی کوئی انتہا نہیں ہے' نفس جو حیلے پیش کرتا ہے ان پر قابو پایا جا سکتا ہے' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا' تو ہم ایک مستقل باب میں اس موضوع پر بحث کریں گے۔

چوتھی فصل: کتاب کی تصنیف میں نیک نیتی کا عزم

میں نے جو یہ بات کہی ہے کہ میں نے اس کتاب کے ذریعے تمہاری دلی آرزو پورا کرنے کا پختہ عزم کیا ہے (تو یہ بات تحریر کرنے کی وجہ یہ ہے) تم نے مجھے اس قابل سمجھا اور اس مسئلے کے بارے میں کتاب تحریر کرنے کی درخواست کی۔ تاکہ تم اس سے استفادہ کرسکو۔ تو اب تمہارے سوال کا جواب دینا (یعنی تمہاری فرمائش پوری کرنا) مجھ پر واجب ہو گیا ہے' تمہارے سوال کا فوری جواب دینا ممکن نہیں ہے۔ اس کے لیے پختہ عزم اور کامل نیت ضروری ہے۔ تاکہ میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں' انسان جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے' تو ابتداء میں ہی نیت کر لی جاتی ہے' تاکہ کام کے دوران اگر کوئی خلل واقع ہو بھی جائے تو انسان معذور شمار کیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

نِيَةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ*

''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے''۔

اس لیے عمل کے آغاز میں نیت کر لینا' اس سے بہتر ہے کہ نیت کے بغیر ہی اس عمل کو شروع کر لیا جائے۔ امور میں نیت کو بڑا مرتبہ و مقام حاصل ہے' نیت جتنی خالص ہوگی اجر و ثواب بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا' نیت کی وجہ سے ہی انسان ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ نیت کا ظاہری عمل میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے۔ ایک شخص دن بھر بھوکا رہتا ہے لیکن اسے کوئی اجر و ثواب حاصل نہیں ہوگا اگر وہ روزے کی نیت کر لیتا ہے' تو وہ ثواب کا مستحق بن جائے گا۔ حالانکہ ظاہری عمل میں اس نیت کا کوئی اثر سامنے نہیں آیا۔ اسی طرح اگر کوئی مسافر کسی اجنبی شہر میں طویل عرصے تک قیام کرتا ہے۔ تو وہ مقیم شمار نہیں ہوگا بلکہ مسافر ہی شمار ہوگا' لیکن اگر وہ اقامت کی نیت کر لے تو مقیم شمار ہوگا۔

شریعت مطہرہ میں اس نوعیت کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے' ہر عمل کے آغاز میں نیک نیت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

پانچویں فصل: کتاب کے نام کا مقصد

میں نے جو یہ کہا ہے' میں نے اس کتاب کا نام ''کشف المحجوب'' تجویز کیا ہے' تو اس کا مقصد یہ ہے' کتاب کا عنوان ہی

*المعجم الکبیر للطبرانی' من اسمه سهل' روایة البصریین عن ابی حازم' یحیی بن قیس الکندی ' حدیث:5806 مسند الشهاب القضاعی' نیة المؤمن ابلغ من عمله' حدیث: 141 شعب الایمان للبیهقی' التاسع والثلاثون من شعب الایمان' الخامس والاربعون من شعب الایمان وهو باب فی اخلاص العمل لله' حدیث: 6579

اس کے اندر ذکر کیے جانے والے مضامین کی نشاندہی کر دے' اہلِ بصیرت جب اس نام کو سنیں گے' تو وہ جان لیں گے' اس کے اندر کیا کچھ ہو سکتا ہے؟

یہ بات ذہن نشین کر لیں: اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کی بارگاہ کے مقرب افراد کے علاوہ' باقی تمام جہان اللہ تعالیٰ (کی معرفت) کو حقیقت کے اعتبار سے حاصل کرنے کے حوالے سے حجاب میں ہے' کیونکہ اس کتاب میں حق کے راستے کا ذکر کیا گیا ہے اور کلمات کی تشریح کی گئی ہے' بشریت کے حجابات ہٹانے کی گفتگو کی گئی ہے' تو پھر اس نام کے علاوہ دوسرا کوئی نام مناسب نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے' پردہ ہٹا دینے سے پردے کے پیچھے موجود چیز ہلاک ہو جاتی ہے (یعنی اس کا پردہ ختم ہو جاتا ہے) اسی طرح پردہ موجود ہو' تو کشف نصیب نہیں ہو سکتا (یعنی اس کو ہٹایا نہیں جا سکتا) یعنی جس طرح قرب' دوری کو برداشت نہیں کر سکتا' بالکل اسی طرح دوری بھی قرب کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔

جیسے ''سرکے'' میں پیدا ہونے والا کیڑا' اگر کسی دوسری چیز میں ڈالا جائے تو وہ مرجائے گا' اسی طرح دوسرے کسی کیڑے کو اگر ''سرکے'' میں ڈالا جائے تو وہ بھی مر جائے گا۔ حقیقت کے راستے کو اختیار کرنا بہت مشکل ہے' ماسوائے ان لوگوں کے' جنہیں پیدا ہی اس کے لیے کیا گیا ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ'' *

''ہر شخص کے لیے وہ چیز آسان کر دی جاتی ہے' جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہو''۔

---

*صحیح البخاری' کتاب تفسیر القرآن' سورة البقرة' باب فسنیسره للعسری' حدیث:4670صحیح مسلم' کتاب القدر' باب کیفیة خلق الآدمی فی بطن امه وکتابة رزقه واجله وعمله' حدیث:4894سنن ابن ماجه' المقدمة' باب فی القدر' حدیث:77جامع ترمذی' الذبائح' ابواب القدر عن رسول الله صلی الله علیه وسلم' باب ما جاء فی الشقاء والسعادة' حدیث:2113کتاب الآثار للامام ابی یوسف یعقوب بن ابراهیم ' باب الصید' حدیث:572مسند احمد بن حنبل' مسند العشرة المبشرین بالجنة' مسند الخلفاء الراشدین' مسند علی بن ابی طالب رضی الله عنه' حدیث:612مسند احمد بن حنبل' مسند العشرة المبشرین بالجنة' مسند الخلفاء الراشدین' مسند علی بن ابی طالب رضی الله عنه' حدیث:1316مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بنی هاشم' مسند جابر بن عبد الله رضی الله عنه' حدیث:13997مسند احمد بن حنبل' مسند المدنیین' حدیث ذی اللحیة الکلابی' حدیث:16336مسند احمد بن حنبل' مسند المدنیین' حدیث ذی اللحیة الکلابی' حدیث:16337مسند الطیالسی' عمران بن حصین' حدیث:872البحر الزخار مسند البزار' ما روی عبد الرحمن بن ابی بکر ' حدیث:20البحر الزخار مسند البزار' ما روی محمد بن ابی بکر ' حدیث:105البحر الزخار مسند البزار' ومما روی عاصم بن عبید الله ' حدیث:136البحر الزخار مسند البزار' ومما روی مسلم البطین ' حدیث:530البحر الزخار مسند البزار' ومما روی سعد بن عبیدة ' حدیث:535المعجم الکبیر للطبرانی' باب الذال' ذو اللحیة الکلابی بن عمرو بن قرط بن ابی بکر بن' حدیث:4113المعجم الکبیر للطبرانی' باب الذال' ذو اللحیة الکلابی بن عمرو بن قرط بن ابی بکر بن' حدیث:4114المعجم الکبیر للطبرانی' من اسمه سراقة' سراقة بن مالک بن جعشم المدلجی کان ینزل فی ناحیة المدینة' جابر بن عبد الله عن سراقة بن مالک' حدیث:6418مسند الشهاب القضاعی' روحوا القلوب ساعة بساعة' حدیث:631شعب الایمان للبیهقی' الخامس من شعب الایمان ' حدیث:184

تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو کسی مخصوص کام کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ اس شخص کے لیے وہ کام آسان کر دیتا ہے۔

حجابات کی اقسام

(i) جہاں تک حجابات کا تعلق ہے' تو وہ دو قسم کے ہوتے ہیں:

(ii) ایک حجابِ رینی (ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں) یہ ختم نہیں ہوتا۔

ایک حجاب غینی ہے' یہ آخر کار ختم ہو جاتا ہے۔

اس کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے' کوئی شخص ایسا ہوتا ہے' اس کی ذات' حقیقت کے لیے حجاب ہوتی ہے' اُس کے نزدیک حق اور باطل ایک سی حیثیت رکھتے ہیں۔

کوئی شخص ایسا ہوتا ہے' اس کی صفت' حق کے لیے حجاب کا باعث ہوتی ہے' لیکن وہ اپنی فطرت اور باطن کے حوالے سے حق کا طلب گار رہتا ہے اور باطل سے بچنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

ذات سے تعلق رکھنے والا حجاب ''رینی'' ہوتا ہے' جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

(قرآن میں استعمال ہونے والے الفاظ: رین' ختم' طبع کا مطلب یہی ہے)

یہی وجہ ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ'' (المطففین:۱۴)

''بلکہ ان کے دلوں پر رینی حجاب واقع ہو گیا ہے' اس وجہ سے جو انہوں نے عمل کیے ہیں''۔

اس (حجابِ رینی) کے حکم کو ظاہر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ'' (البقرہ:۶)

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا' ان کے لیے برابر ہے خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں' وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

''خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ'' (البقرہ:۷)

''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے''۔

صفت سے متعلق حجاب ''غینی'' ہوتا ہے' اور ایسا ہو سکتا ہے' وہ کسی ایک وقت میں موجود ہو اور دوسرے وقت میں ختم ہو جائے' اس کی وجہ یہ ہے' ذات میں تبدیلی انتہائی نادر ہوتی ہے' جو بہت کم پائی جاتی ہے۔ البتہ صفت میں تبدیلی ممکن ہوتی ہے۔

جہاں تک صفت میں تبدیلی کا تعلق ہے' تو وہ درست ہے (یعنی پائی جاسکتی ہے)۔

مشائخ نے اس بارے میں ''رین'' اور ''غین'' کے مفہوم کی وضاحت کے لیے لطیف نکات بیان کیے ہیں۔

مستقل اور عارضی کیفیت میں فرق

جیسا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلرَّیْنُ مِنْ جُمْلَةِ الْوَطَنَاتِ وَالْغَیْنُ مِنْ جُمْلَةِ الْخَطَرَاتِ

''رین مستقل کیفیات میں سے ہے جبکہ غین عارضی کیفیات میں سے ہے''۔

''وطن'' پائیدار ہوتا ہے اور ''کیفیت'' طاری ہوا کرتی ہے' چنانچہ کسی بھی پتھر کو آئینہ نہیں بنایا جا سکتا' اگر چہ بہت سے آئینہ بنانے والے لوگ اکٹھے ہو کر (ایسا کرنے کی کوشش کریں) لیکن اگر کسی آئینے کو زنگ لگ جائے تو مخصوص طریقے کے ذریعے اسے صاف کیا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' پتھر میں تاریکی اصل کے اعتبار سے ہے' جبکہ آئینے میں روشنی اپنی اصل کے اعتبار سے ہے' تو جو چیز اصل ہو' وہ پائیدار ہوتی ہے اور جو صفت عارضی ہو' اسے بقاء نہیں ہوتی۔ چنانچہ میں نے یہ کتاب ان لوگوں کے لیے تصنیف کی ہے' تا کہ یہ ان کے دل کے زنگ کو دور کر کے انہیں چمکا دے جو تاریکی کے پردے میں موجود ہیں' لیکن ان لوگوں کی ذات کے اندر حق کا نور موجود ہے (ایسا اس لیے کہا ہے) کہ اس کتاب کے مطالعے کی برکت کی وجہ سے ان کے ذہنوں سے تاریکی کا حجاب اُٹھ جائے اور وہ حقیقت تک رسائی حاصل کر لیں' لیکن جن لوگوں کے وجود کا خمیر حق کے انکار اور باطل کے ارتکاب کی بنیاد پر اُٹھا ہے' وہ حق کے شواہد تک پہنچنے کے قابل ہی نہیں ہیں اور یہ کتاب ایسے لوگوں کو کوئی بھی فائدہ نہیں دے سکے گی۔

چھٹی فصل: کتاب کی مختلف ابواب میں تقسیم

میں نے یہ کہا تھا' تمہارا مقصد معلوم ہو چکا ہے اور تمہاری جو غرض ہے اس کے بارے میں کلام اس کتاب میں مختلف ابواب میں تقسیم کر کے دیا گیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' جس شخص سے سوال پوچھا گیا ہو' اسے جب تک سوال کرنے والے کے مقصد کے بارے میں علم نہ ہو سکے تو اس وقت تک سوال کرنے والے کی مراد پوری نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے' سوال ہمیشہ کسی مشکل چیز کے بارے میں ہوتا ہے' اور اگر جواب کے ذریعے وہ مشکل حل نہ ہو رہی ہو' تو پھر اس جواب کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا' مشکل کو اسی وقت حل کیا جا سکتا ہے' جب اس مشکل کی معرفت حاصل ہو جائے۔

میں نے جو یہ کہا ہے' تمہارے مطلب کی بات کو کئی اجزاء میں تقسیم کی گیا ہے' تو اس کی وجہ یہ ہے' جب سوال کئی پہلوؤں پر مشتمل ہو' تو جواب میں بھی کئی پہلو پائے جائیں گے۔ تو جب سوال کرنے والا شخص اپنے سوال کے تمام تر درجات اور اس سے متعلق تمام تر مباحث سے آگاہ ہو گا (اور ویسے بھی) عام مبتدی شخص کو بھی اس تفصیل کی حدود کی تقسیم اور وضاحت کی ضرورت ہو گی' پھر تمہاری اپنے سوال کے ذریعے بھی غرض یہی ہے کہ میں اس کی تفصیلات بیان کروں اور کتاب تحریر کروں (اللہ تعالیٰ تمہیں سعادت نصیب کرے) باقی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی (تمام کام سرانجام دیئے جا سکتے ہیں)۔

ساتویں فصل: توفیق کی حقیقت

میں نے جو یہ کہا' میں اللہ تعالیٰ سے توفیق اور مدد کا طلب گار ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے' انسان کا مددگار صرف اللہ تعالیٰ ہے' اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے' وہی بھلائی کے کاموں میں آدمی کی مدد کرتا ہے اور مزید توفیق عطاء کرتا ہے۔

توفیق کی حقیقت یہ ہے' بندے کے فعل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید شامل ہو جائے' ان اعمال میں جو درست ہوتے ہیں۔

کتاب وسنت سے توفیق کا درست ہونا ثابت ہے اور اُمت کا اس بات پر اتفاق بھی ہے' البتہ دو گروہوں معتزلہ اور قدریہ نے اس کا انکار کیا ہے' ان کے نزدیک ایسی کوئی بات نہیں ہوتی۔

مشائخ طریقت نے یہ بات بیان کی ہے:

''عمل کو بجالانے کے وقت فرمانبرداری پر قدرت حاصل کرنا ''توفیق'' ہے۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہوگا' تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے زیادہ قوت اور طاقت مل جائے گی۔ ہر حالت میں خواہ وہ حرکت سے تعلق رکھتی ہو یا سکون سے تعلق رکھتی ہو' انسان کے تمام اعمال کی اصل' اللہ تعالیٰ کا فعل اور اس کی تخلیق ہے' لہٰذا جس قوت کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے' اسے ''توفیق'' کہا جاتا ہے۔ یہاں' ہمیں اس مسئلے پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے' ہمارا مقصد تو دوسرا ہے' تو میں تمہارے مقصود کی طرف متوجہ ہوتا ہوں' لیکن اپنا جواب شروع کرنے سے پہلے میں تمہارے سوال کو بھی بعینہٖ نقل کروں گا اور اسی سوال سے اپنی کتاب کا آغاز کروں گا۔ باقی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔

شیخ ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا سوال

سوال کی صورت یہ ہے' سائل جو شیخ ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہیں' انہوں نے یہ کہا' آپ تحقیقی طور پر میرے سامنے یہ بات بیان کریں' طریقت اور تصوف (کیا ہیں؟) ان کے مقامات کی کیفیت (کیا ہے؟) اس کے بارے میں (صوفیاء کے) مذاہب کیا ہیں؟ اقوال کیا ہیں' ان کے رموز اور اشارات کیا ہیں؟ یہ بھی بتائیں کہ اہلِ طریقت اور اہلِ تصوف' اللہ تعالیٰ سے کس طرح محبت کرتے ہیں اور ان کے قلوب پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے اظہار کی کیفیت کیا ہوتی ہے اور یہ بھی بتائیں کہ اس حقیقت کو سمجھنے کے حوالے سے عقلول حجاب میں کیوں ہیں؟ نفس اس حقیقت سے روگرداں کیوں ہے؟ صفائی کے ہمراہ روح کو اس سے آرام کیسے ملتا ہے' اس کا اس کے ساتھ تعلق کیسا ہے اور اس کے معاملات کیا ہیں؟

روح تصوف کا خاتمہ

مسئول (جس سے سوال کیا گیا ہے) یہ حضرت علی بن عثمان (داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہیں) یہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ اسے توفیق نصیب کرے! یہ بات ذہن نشین کر لیں: حقیقت یہ ہے' ہمارے اس زمانے میں تصوف کا علم ختم ہو چکا ہے' خاص طور پر اس خطے میں سب لوگ نفسانی خواہشات کی پیروی میں لگ چکے ہیں (اور اللہ تعالیٰ کی) رضامندی کے طریقے سے روگرداں ہیں'

اس وقت کے علماء اور طریقت کے دعویدار لوگ اب دوسرے راستے پر چل چکے ہیں۔اس لیے تم نے اسے حاصل کرنے کے لیے ہمت سے کام لینا ہوگا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے چند ایک مخصوص بندوں کے علاوہ کسی کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ پا رہا ہے' جو لوگ خود کو اہلِ مراد سمجھتے ہیں' ان کا ارادت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں رہا اور جو لوگ خود کو اہلِ معرفت سمجھتے ہیں' ان کو معرفت سے دور کر دیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ کے چند مخصوص بندوں کے علاوہ تمام خواص اور عوام نے صرف عبارت (لفظی جمع خرچ) کو کافی سمجھ لیا ہے اور جان و دل کے ساتھ اس حجاب کے خریدار بن چکے ہیں۔اب صورتِ حال تحقیق سے نکل کے تقلید (یعنی ظاہر پرستی) کی طرف چلی گئی ہے اور تحقیق نے اپنا چہرہ ان سب لوگوں سے چھپا لیا ہے' ایسی صورتِ حال میں عام لوگ یہی سمجھتے ہیں' ہم حق کو بھی پہچانتے ہیں اور خواص اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں' ان کے دل میں اس کی تمنا موجود ہے' ان کے نفس میں اس کا احساس ہے اور دل میں اس کے لیے رغبت موجود ہے' وہ دل خوش کرنے کے لیے یہ کہہ دیتے ہیں' یہ دیدار کا شوق ہے اور محبت کا سوز ہے' لیکن اس بات کے دعویدار کسی بھی حد تک حقیقت تک نہیں پہنچ سکے' ارادت رکھنے والے لوگ (یعنی علم طریقت کے طلب گاروں نے) مجاہدے سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور انہوں نے اپنے فاسد گمان کو مشاہدے کا نام دے دیا ہے۔

لوگوں کی روایت پسندی

میں نے اس سے پہلے بھی اس بارے میں کچھ کتابیں تصنیف کی ہیں لیکن وہ سب ضائع ہو گئیں' بعض جھوٹے دعویداروں نے ان کتابوں میں سے بعض باتیں لوگوں کو پھانسنے کے لیے چن لیں اور باقی باتوں کو ضائع کر دیا' ایسی فطرت کے مالک لوگوں کا سرمایہ' حسد اور اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمت کا انکار ہوتا ہے۔کچھ دیگر لوگ وہ تھے جنہوں نے ان اقوال کو نقل کیا' لیکن وہ اسے سمجھ نہیں سکے' کچھ ایسے لوگ تھے جنہوں نے ان کو پڑھا لیکن اس کے معنی اور مطالب سے آشنا نہیں ہو سکے' انہوں نے صرف الفاظ اور عبارت کو پسند کیا' وہ ان الفاظ کو ہی لکھتے رہے اور انہیں یاد کرتے رہے' کہنے کو وہ یہ کہتے ہیں' ہم تصوف اور معرفت کی باتیں کر رہے ہیں' حالانکہ یہ لوگ انتہائی بدنصیبی اور محرومی کا شکار ہیں۔اس ساری صورتِ حال کی وجہ یہ ہے' معرفت کا علم ''کبریت احمر'' ہے اور یہ بہت کم پائی جاتی ہے' جب یہ مل جائے تو یہ کیمیاء اثر ہوتی ہے' جس کی ایک چٹکی بہت سارے تانبے کو خالص سونے میں تبدیل کر دیتی ہے۔

مختصر یہ کہ ہر شخص ایسی دوا کا طلب گار ہوتا ہے' جو اس کے درد کے موافق ہو' وہ اس کے علاوہ اور کسی چیز کا طلب گار نہیں ہوتا' کسی بزرگ نے یہ کہا ہے: (شعر)

كُلُّ مَنْ فِيْ فُؤَادِهٖ وَجْعٌ　　يَطْلُبُ شَيْئًا يُوَافِقُ الْوَجْعَا

''جس شخص کے دل میں تکلیف ہوتی ہے' وہ ایسی چیز کا طلب گار ہوتا ہے' جو اس کی تکلیف کے موافق ہو''۔

جب کسی شخص کی بیماری کی دوا کوئی عام سی چیز ہو' تو وہ شخص موتیوں اور مرجان کو تلاش نہیں کرے گا اور معجون یا دواء المسک تیار نہیں کرے گا۔

تو تصوف تو اس سے بھی زیادہ نادر چیز ہے' تو ہر شخص کو اس میں سے حصہ کیسے مل سکتا ہے' اس سے پہلے بھی اس فن سے ناواقف لوگوں نے مشائخ کی کتابوں کے ساتھ یہی سلوک کیا' جب اسرارِ الٰہی (سے متعلق نکات) کے خزانے ان لوگوں کے ہاتھ لگے تو انہیں ان کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا تو انہوں نے وہ کتابیں کلاہ بنانے والوں اور جلد سازوں کے ہاتھوں میں دے دیں تاکہ وہ ان سے کلاہ کا استر بنا دیں یا ابونواس کے اشعار کے دیوان یا جاحظ کی تصانیف کی جلد سازی کر دیں۔

لازمی سی بات ہے' جب ''بادشاہ کا باز'' کسی بوڑھی عورت کی دیوار پر آ کر بیٹھ جائے گا' تو اس کے بال و پر کاٹ دیئے جائیں گے۔

زمانے کا عام چلن

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے زمانے میں پیدا کر دیا ہے' جب لوگوں نے نفسانی خواہشات کی پیروی کو ''شریعت'' کا نام دے دیا ہے' تکبر' جاہ و مرتبے کے حصول کو ''علم'' اور عزت کا نام دے دیا ہے۔ مخلوق کے ساتھ رِیا کاری کو ''اللہ تعالیٰ کا خوف'' قرار دیا ہے۔ کینہ توزی کو ''بردباری'' کا نام دیا ہے' فضول جھگڑے کو ''مناظرہ'' باہمی جھگڑے اور نادانی کو ''بزرگی'' کا نام دیا ہے۔ منافقت کو ''زُہد'' کہا جاتا ہے' جھوٹی آرزو کو ''ارادت'' کا نام دیا جاتا ہے۔ طبیعت کے ہذیان کو ''معرفت'' کہا جاتا ہے۔ صرف اپنے خیالات اور نفسانی وسوسے کو ''محبت الٰہی'' کیا جاتا ہے۔ کجروی اختیار کرنے کو ''فقر'' کا نام دیا گیا ہے' حق کے انکار کو ''برگزیدگی'' قرار دیا گیا ہے۔ بے دینی کو ''فنا'' کا نام دیا گیا ہے۔ شریعت ترک کرنے کو ''طریقت'' اور اہلِ زمانہ کی آفت کو ''مجاہدے'' کا نام دیا گیا ہے (اور صورتِ حال یہ ہوگئی) اللہ تعالیٰ (کی ذات و صفات) کے اسرار کی معرفت رکھنے والے لوگ اس دنیا سے لاتعلق ہو گئے اور (اس طرح کے دنیا دار لوگ) غالب آ گئے۔

اسلام پہلی مرتبہ اس وقت ابتری سے دوچار ہوا' جب مروان کی اولاد نے' نبی اکرم ﷺ کے اہلِ بیت پر غلبہ حاصل کر لیا۔

اہلِ حقائق کے سردار' طریقت اور تصوف پر گہری نظر رکھنے والے' شیخ ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

اُبْتُلِيْنَا بِزَمَانٍ لَيْسَ فِيْهِ آدَابُ الْإِسْلَامِ وَلَا اَخْلَاقُ الْجَاهِلِيَّةِ وَلَا اَحْكَامُ ذِی الْمَرُوَةِ .

''ہم ایک ایسے زمانے میں (زندہ رہنے) کی آزمائش میں مبتلا کیے گئے ہیں' جس میں نہ تو اسلام کے آداب ہیں' نہ زمانۂ جاہلیت کے اخلاق ہیں' اور نہ ہی عام انسانی اقدار پائی جاتی ہیں''۔

اسی طرح شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے:

نَجَا اللهِ فِی الدُّنْيَا مُنَاخًا لِّرَاكِبٍ فَكُلُّ بَعِيْدِ الْهَمِّ فِيْهَا مُعَذَّبُ

''اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو اونٹنی کے سوار کے لیے (تھوڑی دیر کے لیے اپنے جانور کو) بٹھانے کی جگہ بنایا ہے' تو جس شخص نے دوردراز جانا ہو' وہ یہاں تکلیف اور بے آرامی محسوس کرے گا''۔

آٹھویں فصل

اسرارِ الٰہی اور اُن کے حجاب

کائنات اسرارِ الٰہی کا محل ہے

یہ بات جان لیں! اللہ تعالیٰ تمہیں قوت نصیب کرے! میں نے اس کائنات کو اللہ تعالیٰ کے اسرار کا مقام پایا ہے' ان موجودات میں اس نے اپنی امانتیں رکھی ہیں اور تمام مخلوقات کو اپنے لطیف رازوں کا محل بنایا ہے' لیکن یہ سب اس کے دوستوں کے لیے ہے' تمام تر جواہر' اعراض' عناصر' اجرام' اجسام اور طبائع یہ سب ان اسرار کے لیے حجاب کی حیثیت رکھتے ہیں اور توحید کے مرتبے میں ان میں سے ہر ایک چیز کا اثبات شرک شمار ہوگا۔

انسان کا حجاب

تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو حجاب کی کیفیت میں رکھا ہے' یہاں تک ہر شخص کی طبیعت نے اس کے حکم کے تحت اپنے مخصوص عالم میں سکون حاصل کیا اور وہ اپنے وجود کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے حوالے سے حجاب کا شکار ہو گیا اور تمام تر ارواح اس صورتِ حال کی وجہ سے اس دنیا میں آ کر اجسام سے مل گئیں تو وہ اخلاص کے مقام سے لاتعلق ہو گئیں اور پھر انسان کی عقل اللہ تعالیٰ کے اسرار سے عاجز ہو گئی اور اس کی روح حق کے قرب سے محجوب ہو گئی' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آدمی خود اپنے وجود کی وجہ سے غفلت کی تاریکی میں ڈوب گیا اور اپنے وجود کے تاریک پردے کی وجہ سے خود عیب میں مبتلا ہو گیا' اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (العصر:۱'۲) "زمانے کی قسم! بے شک انسان خسارے میں ہے"۔

ایک اور مقام پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔ (الاحزاب:۷۲) "بے شک انسان ظالم اور جاہل ہے"۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فِیْ ظُلْمَةٍ ثُمَّ اَلْقٰی عَلَیْهِ نُوْرًا

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا' پھر اس نے ان پر نور کو القاء کیا"۔

"حجاب" انسانی فطرت کا حصہ ہے

تو اپنی اس فطرت کی وجہ سے اور عقل کے تصرف کی وجہ سے حجاب انسان کی فطرت کا حصہ بن گیا' اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جہالت میں مبتلاء ہو گیا' اس نے پوری رضامندی کے ساتھ اپنے اس حجاب کو حق تعالیٰ سے خرید لیا۔ تو جو شخص کشف کی خوبی سے بے خبر ہے اور اسرارِ الٰہی کو پا نہیں سکتا' وہ حیوانات کے مقام پر موجود ہے' وہ نجات کے مقام سے راہِ فرار اختیار کیے

ہوئے ہے اس نے توحید کے بارے میں کچھ نہیں جانا اور جمال احدیت کو دیکھا ہی نہیں ہے توحید کا ذائقہ چکھا ہی نہیں ہے اور اپنی اس ترکیب کی وجہ سے تحقیق کے ساتھ مشاہدے سے محروم ہو گیا ہے پھر دنیاوی حرص اور لالچ میں مبتلا ہو کر وہ حق کی طرف رجوع کرنے سے بھی بے بہرہ ہو گیا ہے صرف اس کے حیوانی نفس نے جو حقیقی زندگی کے علاوہ ہے اسے اس بات پر مجبور کیا کہ اس کی تمام تر حرکات اور خواہشات صرف نفس کی تابع ہو کر رہ گئی ہیں اور پھر اس کی یہ کیفیت ہو گئی کہ اسے کھانے پینے سونے اور نفسانی خواہشات کے علاوہ اور کسی بھی چیز کا خیال نہیں رہا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو ان چیزوں سے بچنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۔ (الحجر:۳)

''ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو! وہ کھاتے پیتے رہیں مزے کرتے رہیں اور ان کی آرزوئیں انہیں غفلت کا شکار رکھیں عنقریب وہ لوگ جان لیں گے''۔

اس کی وجہ یہ ہے ان لوگوں کی فطرت میں یہ بات شامل ہے حق کے اسرار ان سے مخفی رہیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے محروم رہ کر ہمیشہ ذلیل و خوار رہیں یہاں تک کہ یہ لوگ اس نفسِ امارہ کے فرماں بردار بن جائیں جو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے یہ بات ذہن نشین کر لیں: یہ بات بہت بڑا حجاب ہے اور تمام تر ''شر'' کا سرچشمہ یہی (نفس امارہ) ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (یوسف:۵۳)

''بے شک نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے''۔

اس تمہید اور نصیحت کے بعد اب میں تمہارے سوال کے جواب کا آغاز کرتا ہوں اور جو چیزیں مجوب ہیں انہیں لطیف بیان کے ذریعے ظاہر کروں گا۔ پہلے معرفت کی عبارات کی تشریح کے ساتھ مشائخ کے اقوال شامل کروں گا اس بارے میں عمدہ حکایات بیان کروں گا تاکہ اصل بات کو سمجھنے میں تمہاری مدد ہو اور تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے اور جو لوگ ظاہری علم سے تعلق رکھتے ہیں انہیں اس بات کا پتہ چل جائے تصوف کی اصل مضبوط ہے اور اس کی شاخیں پھل دار ہیں تاکہ وہ لوگ اس حقیقت سے روشناس ہو جائیں کہ طریقت سے تعلق رکھنے والے تمام مشائخ صاحبانِ علم تھے اور صاحبانِ معرفت تھے وہ اپنے مریدین کو اس علم کے حصول کی ترغیب دیا کرتے تھے اس پر قائم رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے انہوں نے کسی بھی صورت میں لہو و لعب کی پیروی نہیں کی اور کبھی فضول گوئی سے کام نہیں لیا۔

بہت سے مشائخ طریقت نے تصوف کے موضوع پر کتابیں تحریر کی ہیں اور اس کے اسرار کو دلائل کے ساتھ لطیف عبارات میں ثابت کیا ہے باقی توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا باب:

علم کا اثبات

پہلی فصل: علم کی فضیلت

علماء کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓءُ (الفاطر:۲۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں' جو علم رکھتے ہیں''۔

نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ

''ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے''۔[۱]

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّیْنَ

''علم حاصل کرو خواہ اس کے لیے تمہیں چین جانا پڑے''۔[۲]

یہ بات ذہن نشین کرلیں: علوم بہت زیادہ ہیں اور انسان کی زندگی بہت تھوڑی ہے' اس لیے نجوم' ریاضی' طب' علم معانی و بیان وغیرہ کو سیکھنا انسان پر فرض نہیں ہے' ان علوم میں سے صرف اتنا علم سیکھنا فرض ہے' جس کے ذریعے شریعت سے متعلق ضروری احکام کا پتا چل سکے' جیسے علم نجوم کو اتنا سیکھنا لازم ہے' جس کے ذریعے وقت کا اندازہ ہو سکے' طب کو اتنا سیکھنا چاہیے جس کے ذریعے بیماری سے بچا جا سکے' حساب کو اتنا سیکھا جائے جس کے ذریعے وراثت وغیرہ کے احکام سے واقفیت ہو سکے

۱۔ ابن ماجۃ (افتتاح الکتاب فی الإیمان وفضائل الصحابۃ والعلم) (17) باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم 224 ' المعجم الکبیر عبد اللہ بن مسعود الھذلی 10439 195;ظ10' المعجم الاوسط 71' 1/9 ' المعجم الصغیر باب الألف 1/22'36 'ابی یعلی محمد بن سیرین عن أنس 2837 'البزار ما روی محمد بن أبی بکر عن أبیہ أبی بکر 94 'مسند الشھاب 174 ' مجمع الزوائد 2'. کتاب العلم 1'. باب فی طلب العلم 472 ' کنز العمال کتاب العلم الباب الأول فی الترغیب فیہ 28651

۲۔ شعب الأیمان السابع عشر من شعب الأیمان و ھو باب فی طلب العلم 1663 '

کنز العمال کتاب العلم الباب الأول فی الترغیب فیہ 28697

اور حیض وغیرہ کی مدت کا پتا چل سکے تو صرف اتنا علم سیکھنا فرض ہے جس کے ذریعے عمل درست ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے جو بے فائدہ علوم سیکھتے ہیں۔ (ارشادِ باری تعالیٰ ہے:)

وَيَتَعَلَّمُونَ مَايَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ (البقرہ:۱۰۲)

''اور وہ لوگ ایسا علم سیکھتے تھے جو انہیں نقصان دیتا تھا' انہیں فائدہ نہیں دیتا تھا''۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جو نفع بخش نہ ہو' آپ نے فرمایا ہے:

اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ *

''(اے اللہ!) میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے''۔

یہ بات جان لیں' تھوڑے علم کے لیے زیادہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے اور علم کے ساتھ عمل بھی ہونا چاہیے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْمُتَعَبِّدُ بِلَا فِقْهٍ كَالْحِمَارِ فِيْ طَاحُوْنَةٍ **

''جاہل عبادت گزار اس گدھے کی طرح ہے جو (چکی چلانے کے) کام آتا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) چکی کے ساتھ بندھا ہوا گدھا اگرچہ چلتا پھرتا ہے لیکن اپنے محور کے گرد ہی گھومتا رہتا ہے وہ کوئی مسافت طے نہیں کرتا۔

*مسلم 48 'كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار 18 'باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر ما لم يعمل 2722 'ابوداؤد كتاب سجود القرآن 367 'ت ، 32 م باب في الاستعاذة 1548 'ترمذى' كتاب الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم 3482 'نسائى (50 كتاب الاستعاذة) 5442 'ابن ماجة (افتتاح الكتاب في الايمان وفضائل الصحابة والعلم) (23) باب الانتفاع بالعلم والعمل به 250 'مسند احمد (مسند ابى هريرة رضى الله عنه) 8469 'ابن حبان 4 'كتاب العلم باب الزجر عن كتبة المرء السنن مخافة ان يتكل عليها دون الحفظ لها 82 'المستدرك على الصحيحين كتاب العلم 354 'مسند ابى داؤد طيالسى (1 ما روى عنه قتادة رضى الله عنه) 2007 ' المعجم الكبير 5085 -- 201ظ5 'المعجم الاوسط 662 '206-ظ1 'ابى يعلى قتادة عن انس 2845 'عبد الرزاق (كتاب اهل الكتابين) (باب الدعاء) 19635 'ابن ابى شيبة (كتاب الدعاء) 29126 'شعب الايمان الثامن عشر من شعب الايمان و هو باب فى نشر العلم 1779 'سنن النسائى الكبرى (74 كتاب الاستعاذة) (3 الاستعاذة من علم لا ينفع) 7867 'مسند اسحاق بن راهوية 426 'مسند عبد بن حميد 267 'مجمع الزوائد 38 '. كتاب الاذكار 3 '. باب ما يستعاذ منه 17171 'كنز العمال الفصل السادس فى جوامع الادعية 3609

** نوٹ: حلیۃ الاولیاء کے مصنف نے اس روایت کو درج ذیل سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

حدثنا ابو غانم سهل بن اسماعيل الواسطى قال : ثنا محمود بن محمد ، ثنا محمد بن ابراهيم ، ثنا بقية ، عن ثور بن يزيد ، عن خالد بن معدان ، عن واثلة بن الاسقع قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "المتعبد بغير فقه كالحمار فى الطاحونة " غريب من حديث خالد ، وثور لم نكتبه الا من حديث بقية *حلية الاولياء' خالد بن معدان حديث: 7181

علم اور عمل میں فضیلت کی بحث

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو علم کو عمل پر فضیلت دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو عمل کو علم پر ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں گروہوں کا نظریہ غلط ہے کیونکہ علم کے بغیر عمل درحقیقت عمل نہیں ہوتا عمل اسی وقت عمل شمار ہوگا جب اس کے ساتھ علم بھی موجود ہوگا جس کی بدولت انسان ثواب کا مستحق بنتا ہے جیسے نماز کے حوالے سے انسان کو طہارت کے ارکان اور پاک صاف پانی کے بارے میں اگر پتا نہ ہو قبلہ کے بارے میں علم نہ ہو نیت کا طریقہ اور نماز کے ارکان کے بارے میں پتا نہ ہو تو اس کی نماز ہوتی ہی نہیں ہے تو جب درحقیقت عمل علم ہی کے ذریعے ہوسکتا ہے تو کوئی جاہل شخص عمل کو کس طرح علم سے الگ کرسکتا ہے؟

جو لوگ علم کو عمل پر فضیلت دیتے ہیں ان کی رائے بھی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ عمل کے بغیر علم بھی درحقیقت علم نہیں ہوتا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (البقرہ:۱۰۱)

''جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان میں سے ایک فریق نے اسے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں تھے''۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں بے عمل عالم کا نام عالموں (کی فہرست) سے نکال دیا ہے۔ اس لیے علم کو سیکھنا اسے یاد کرنا یہ سب چیزیں عمل میں شامل ہوں گی اور انسان کو اسی وجہ سے ثواب ملے گا اگر کسی عالم کا علم اس کے قول و فعل سے وابستہ نہ ہو تو اسے اس علم کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

قال اور حال کا فلسفہ

اس حوالے سے لوگوں کے دو گروہ ہیں ایک وہ ہے جو لوگوں کو علم کے باعث بلند مرتبے کا حامل سمجھتا ہے اور اعمال کو کوئی اہمیت نہیں دیتا یہ لوگ علم کی تہہ تک پہنچے بغیر عمل کو اس سے الگ تصور کرتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہی یہ لوگ عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ ایک جاہل یہ کہتا ہے:

''قال نہیں ہونا چاہیے حال ہونا چاہیے''۔

دوسرا یہ کہتا ہے:

''علم ہونا چاہیے عمل کی خیر ہے''۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے راستے میں ایک پتھر پڑا ہوا

دیکھا' جس پر یہ تحریر تھا: مجھے اُلٹا کر (دیکھو اور جو لکھا ہوا ہے) پڑھو۔

وہ فرماتے ہیں: میں نے اُلٹا کر دیکھا تو یہ تحریر تھا:

"اَنْتَ لَاتَعْمَلُ بِمَا تَعْلَمُ فَكَيْفَ تَطْلُبُ مَالَا تَعْلَمُ"

"تم جس چیز کا علم رکھتے ہو اس پر عمل نہیں کرتے تو پھر جس چیز کے بارے میں علم نہیں ہے' تو اس علم کی طلب کیوں کرتے ہو"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' جب تم اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تو یہ بات ناممکن ہے' تم ایسی چیز کا علم طلب کرو جس سے تم واقف نہیں ہو۔

یعنی سب سے پہلے تمہیں جس چیز کا علم ہے' تم اس پر عمل کرو تاکہ اس کی برکت کی وجہ سے اس چیز کا بھی علم حاصل کرلو جو ابھی تمہاری معلومات کے دائرے سے باہر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

هِمَّةُ الْعُلَمَاءِ الدِّرَايَةُ وَ هِمَّةُ الْفُقَهَاءِ الرِّوَايَةُ

"علماء کا کام غور و فکر کرنا ہے اور بے وقوفوں کا کام صرف روایت کرنا ہے"۔

اس کی وجہ یہ ہے' جہالت کے لوازمات علماء میں نہیں پائے جاتے ہیں اور جو لوگ اپنے دنیاوی علم کے ذریعے مرتبہ و مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں' وہ درحقیقت عالم نہیں ہوتے ہیں مرتبہ و مقام جہالت کے لوازمات میں سے ہے اور کوئی بھی درجہ علم کے درجے سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا کیونکہ اگر انسان کے پاس علم نہ ہو' تو وہ کبھی بھی کسی بھی لطیفۂ خداوندی سے شناسا نہیں ہوسکتا اور جب علم موجود ہوگا' تو وہ تمام مقامات' مشاہدات اور مراتب کا مستحق بن جائے گا۔

فصل دوم: علم کی اقسام

یہ بات جان لیں! علم کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ علم ہے' جو خداوند تعالیٰ کا ہے اور دوسرا وہ علم ہے' جو مخلوق کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں بندے کا علم یوں ہے جیسے وہ ہے ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کا علم اس کی صفت ہے' جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کی تمام تر صفات کی کوئی انتہاء نہیں ہے' جبکہ ہمارا علم ہماری صفت ہے' وہ ہمارے وجود کے ساتھ قائم ہے اور ہماری صفات محدود ہیں' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلاً (بنی اسرائیل:۸۵)

''اور تمہیں بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے''۔

مختصر یہ کہ علم ان صفات میں سے ہے جن کی تعریف کی جاتی ہے علم کی تعریف یہ ہے:

اِحَاطَۃُ الْمَعْلُوْم

''معلوم چیز کا احاطہ کر لینا''۔

تَبْیِیْنُ الْمَعْلُوْم

''معلوم چیز کو واضح کر دینا''۔

اس کی سب سے بہترین تعریف یہ ہے.

اَلعِلْمُ صِفَۃٌ یَصِیْرُ الْحَیُّ بِھَا عَالِمًا

''علم ایک ایسی صفت ہے جس کے ذریعے آدمی عالم بن جاتا ہے''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَاللّٰہُ مُحِیْطٌ بِالْکٰفِرِیْنَ'' (البقرہ:١٩) ''اللہ تعالیٰ نے کافروں کا احاطہ کیا ہوا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

''وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ'' (البقرہ:٢٨٢) ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے''۔

علم الٰہی کا بیان

اللہ تعالیٰ کا علم ایسا ہے جس کے ذریعے وہ تمام موجود چیزوں اور معدوم چیزوں سے واقف ہے اور مخلوق کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کو اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا' یہ علم اس کی ذات سے جدا نہیں ہو سکتا' اس کے علم کی دلیل اس کے فعل کی ترتیب ہے' کیونکہ محکم فعل' سرانجام دینے والے سے علم کا تقاضا کرتا ہے' لہٰذا اس کا علم تمام اُمور پر حاوی ہو گا' خواہ وہ پوشیدہ حالت میں ہوں یا ظاہر حالت میں ہوں' اس لیے حق کے طلب گار شخص کو تمام اعمال اسی طریقے کے ساتھ سرانجام دینے چاہئیں کہ گویا اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے افعال کو دیکھ رہا ہے' یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے انسان اس بات سے واقف ہوتا ہے' اس کے افعال اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

ایک امیر آدمی کا واقعہ

یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ بصرہ کا ایک امیر آدمی اپنے باغ میں گیا' اس نے باغبان کی خوبصورت بیوی کو دیکھا تو اس باغبان کو کسی کام سے بھیج دیا اور اس عورت سے بولا: تم دروازے کو بند کر لو۔ اس عورت نے جواب دیا: میں نے ایک دروازے کے علاوہ باقی تمام دروازے بند کر لیے ہیں لیکن وہ ایک دروازہ میں بند نہیں کر سکتی۔ اس امیر نے دریافت کیا: وہ کون سا دروازہ ہے؟ تو عورت نے جواب دیا: یہ وہ دروازہ ہے' جو ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے' اس بات پر وہ شخص

بہت شرمندہ ہوا اور اس نے اپنے اس ارادے سے توبہ کی۔

حاتم اصم کی تحقیق

شیخ حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: میں نے چار چیزوں کا علم حاصل کیا اور اس کے ذریعے مجھے (دنیا کی) تمام پریشانیوں سے نجات مل گئی۔ لوگوں نے دریافت کیا: وہ کون سے علم ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ایک یہ کہ میں نے اس بات کو جان لیا' اللہ تعالیٰ کا مجھ پہ حق ہے اور اس حق کو میرے علاوہ اور کوئی بھی ادا نہیں کرسکتا' تو میں اس حق کو ادا کرنے میں مصروف ہوگیا۔ دوسری بات یہ کہ مجھے اس بات کا پتہ چل گیا' میری قسمت میں رزق کی ایک طے شدہ مقدار لکھ دی گئی ہے' لالچ کے ذریعے اس میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا' اس لیے مجھے (یہ بات جان لینے کے بعد) مزید رزق طلب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ تیسری بات یہ ہے' مجھے یہ پتا چل گیا کہ کوئی چیز میرے پیچھے لگی ہوئی ہے یعنی موت اور میں اس سے بھاگ نہیں سکتا' اس لیے میں نے اس کے ساتھ مطابقت کرلی ہے (یعنی اس کا سامنا کرنے کی تیاری میں مصروف ہوگیا)۔

چوتھی بات یہ ہے' مجھے یہ پتا چل گیا کہ میرا پروردگار میرے حالات سے باخبر ہے' تو مجھے اس بات سے شرمندگی محسوس ہوئی اور میں نے اپنا ہاتھ غلط کام سے کھینچ لیا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جب انسان کو یہ پتا ہو' اللہ تعالیٰ اس پر نظر رکھے ہوئے ہے' تو اسے ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیے' جس کے نتیجے میں اسے قیامت کے دن شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔

فصل سوم: ضروری علم کا بیان

انسان کا علم اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی معرفت کے بارے میں ہونا چاہیے۔

ضروری علم حاصل کرنا انسان پر فرض ہے' یعنی وہ علم جو ضرورت کے وقت انسان کے ظاہر اور باطن کے لیے کام آئے' اس کی دو قسمیں ہیں:

علم اصول اور علم فروع۔

علم اصول کا ظاہر یہ ہے' انسان کلمۂ شہادت پڑھے (یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی زبانی طور پر گواہی دے) اور اس کا باطن یہ ہے' انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول کے لیے جدوجہد کرے۔

علم فروع کا ظاہر یہ ہے' انسان معاملات میں عمل کو سرانجام دے اور اس کا باطن یہ ہے' اس حوالے سے اس کی نیت ٹھیک ہونی چاہیے۔

ان میں سے علم کی ہر ایک شاخ دوسری کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔

حقیقت کا ظاہری حصہ باطن کے بغیر منافقت شمار ہوگا اور ظاہر کے بغیر باطنی حصہ بے دینی شمار ہوگا۔

باطن کے بغیر شریعت کا ظاہری حصہ نقص ہوگا اور ظاہر کے بغیر (باطنی حصہ) ہوس ہوگا۔

علمِ حقیقت کے ارکان

علم حقیقت کے تین ارکان ہیں:

(i) اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی وحدانیت اور کسی چیز کے اس کے مشابہ ہونے کی نفی کا علم

(ii) اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے احکام کا علم

(iii) اللہ تعالیٰ کے افعال اور ان کی حکمت کا علم

اسی طرح علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں:

کتاب' سنت' اجماع۔

ذات' صفات اور افعال کا اثبات

اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی صفات اور اس کے افعال کے اثبات کے علم کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ (محمد:۱۹) ''تم یہ بات جان لو' اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے''۔

اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ مَوْلٰـكُمْ (الانفال:۴۰) ''تم لوگ یہ بات جان لو' اللہ تعالیٰ ہی تمہارا آقا ہے''۔

اس نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ (الفرقان:۴۵)

''کیا تم نے اپنے پروردگار کے بارے میں غور نہیں کیا کہ اس نے کس طرح سے سائے کو پھیلایا ہے''۔

اسی طرح اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (الغاشیہ:۱۷)

''کیا وہ لوگ اونٹ کا جائزہ نہیں لیتے کہ اسے کیسے پیدا کیا گیا ہے''۔

اسی طرح کی دیگر بہت سی آیات ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے افعال کے بارے میں غور وفکر کرنے کی طرف راہنمائی کرتی ہیں تا کہ ان کی مدد سے انسان فاعل حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی صفات کو جان لے۔

ایمان' جہنم سے نجات کا باعث ہے

نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

مَنْ عَلِمَ اَنَّ اللهَ رَبُّهٗ وَاَنِّيْ نَبِيُّهٗ حَرَّمَ اللهُ تَعَالٰى لَحْمَهٗ وَدَمَهٗ عَلَى النَّارِ

نوٹ: معمولی سے لفظی اختلاف کے ساتھ یہ روایت امام طبرانی نے نقل کی ہے' جس کا حوالہ درج ذیل ہے:

المعجم الکبیر باب العین عمران بن حصین 253 'المجلد 18' صفحة 124

''جو شخص یہ بات جان لے کہ اللہ تعالیٰ اس کا پروردگار ہے اور میں اللہ کا نبی ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے گوشت اور خون (یعنی اس کے وجود) کو جہنم پر حرام قرار دیدے گا''۔

ذات پر ایمان کی وضاحت

اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں علم کے لیے یہ بات شرط ہے' عاقل و بالغ انسان یہ بات جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ ہمیشہ سے موجود ہے' اس کی کوئی حد اور کوئی حدود نہیں ہیں' وہ مکان اور جہت سے پاک ہے (وہ اپنی شان کے لائق) عیب سے پاک ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی مانند نہیں ہے' اس کے بیوی بچے نہیں ہیں' جس بھی چیز کا تصور آپ کے ذہن میں آ سکتا ہے وہ ان سب کو پیدا کرنے والا ہے' انہیں برقرار رکھنے والا ہے اور ان کا پروردگار ہے۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَّهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۔(الشوریٰ:۱۱)

''اس کی مانند کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے''۔

صفات کا علم

اس کی صفات کا علم یہ ہے' آپ یہ بات جان لیں! اس کی صفات' اس کی ذات کی وجہ سے موجود ہیں' وہ اس کی ذات کا حصہ نہیں ہیں اور اس کی ذات جز نہیں ہیں' وہ صفات اس کے وجود سے قائم ہیں اور ذات خود قائم و دائم ہے جیسے علم' قدرت' ارادہ' سمع' بصر' کلام بقاء۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (الزمر:۷) ''وہ ان چیزوں کا علم رکھتا ہے' جو سینوں میں ہیں''۔

اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (آل عمران:۲۹) ''اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے''۔

اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (المؤمن) ''وہ حی ہے اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے''۔

اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (الشوریٰ:۱۱) ''وہ سمیع و بصیر ہے''۔

اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (البروج:۱۶) ''جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے''۔

اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ (الانعام:۷۳)

''اس کا فرمان حق ہے اور بادشاہی اسی کے لئے مخصوص ہے''۔

اس کے فعل کے اثبات کے بارے میں علم سے مراد یہ ہے' آپ یہ بات جان لیں! اسی نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ ان کے افعال کا بھی خالق ہے' ایک وقت تھا' یہ جہان موجود نہیں تھا' پھر یہ اس کے فعل کے نتیجے میں وجود میں آیا' اس نے بھلائی اور بُرائی کو مقرر کیا ہے' وہ نفع اور نقصان کا خالق ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

اَللّٰہُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر:۶۲) ''اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے''۔

شریعت کے احکام پر اثبات کی دلیل سے مراد یہ ہے' آپ یہ بات جان لیں! اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس رسول تشریف لے آئے اور معجزوں کے ہمراہ آئے جو کہ عام عادت کے خلاف تھے اور ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ سچے ہیں۔ انہیں بہت سے معجزات ملے ہیں' انہوں نے غیب اور ظاہر کے بارے میں جن چیزوں کے بارے میں بتایا ہے' وہ سب سچی ہیں۔

شرعی احکام کا ماخذ

شریعت (کے احکام) کا سب سے پہلا رکن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فِيهِ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ (آل عمران:۷)

''اس میں بعض محکم آیات ہیں''۔

دوسرا رکن سنت ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷)

''رسول تمہیں جو دیں اسے حاصل کرلو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز آجاؤ''۔

اس کا تیسرا رکن اُمت کا اجماع ہے۔ اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

لَاتَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَى الضَّلَالَةِ عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ *

''میری اُمت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی' تم بڑی جماعت کے ساتھ رہنا''۔

مختصر یہ کہ حقیقت سے متعلق احکام زیادہ ہیں' اگر کوئی شخص ان احکام کو جمع کرنا چاہے' تو وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کے لطائف کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔

* "المستدرك على الصحيحين للحاكم' كتاب العلم' ومنهم يحيى بن ابى المطاع القرشي' حديث:355سنن ابن ماجه' كتاب الفتن' باب السواد الاعظم' حديث: 3948مصنف ابن ابى شيبة' كتاب الجمل وصفين والخوارج' ما ذكر في الخوارج' حديث:37205مسند عبد بن حميد' مسند انس بن مالك' حديث:1223

فصل چہارم: سوفسطائی مکتبہ فکر

یہ بات جان لیں، بے دین لوگوں کا ایک گروہ (اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت کرے!) جنہیں سوفسطائیہ کہا جاتا ہے، ان کا نظریہ ہے، کسی بھی چیز کا درست علم نہیں ہو سکتا کیونکہ علم بذاتِ خود کوئی چیز نہیں ہے۔

ہم ان سے یہ کہتے ہیں: تمہیں جو اس بات کا پتہ چلا ہے، کسی بھی چیز کا علم درست نہیں ہوتا، یہ سوچ درست ہے یا درست نہیں ہے؟ اگر وہ یہ کہتے ہیں، درست ہے، تو وہ علم کا اثبات کر دیتے ہیں اور اگر وہ یہ کہتے ہیں، درست نہیں ہے، تو جو بات درست نہ ہو، اسے دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا اور ایسے کسی شخص کے ساتھ گفتگو کرنا عقل مندی شمار نہیں ہوگا۔

بے دین لوگوں کا ایک اور گروہ جو اسی طریقے پر کاربند ہے، وہ یہ کہتے ہیں: کسی بھی چیز کے بارے میں ہمارا علم درست نہیں ہوتا، اس لیے اپنے علم کے اثبات کے مقابلے میں اسے ترک کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا نقد و تبصرہ

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ بھی اس گروہ کی لاعلمی اور حماقت ہے، کیونکہ علم کو ترک کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

یہ ترک کرنا علم کے اعتبار سے ہوگا، یا لاعلمی کی وجہ سے ہوگا۔

اگر علم کی وجہ سے ہوگا، تو ایک علم دوسرے کی نفی نہیں کرتا اور ایک علم دوسرے علم سے متضاد نہیں ہوتا (کیونکہ علم کا متضاد جہالت ہے) تو علم ہونے کے باوجود علم کو ترک کرنا ممکن نہیں رہے گا کیونکہ علم کی نفی جہالت ہے اور اسے ترک کرنا بھی جہالت ہے، جو ہر صورت میں قابل مذمت قرار دی جائے گی، کیونکہ جہالت کفر اور باطل کی علامت ہوتی ہے اور جو چیز حق ہو اس کا اس چیز کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا جو باطل ہوتی ہے۔ جہالت اور علم کو ترک کرنا تمام بزرگانِ دین کے نظریے کے خلاف ہے۔

جب بعض افراد نے اس قول کو سنا اور اس پر عمل کیا تو انہوں نے یہ کہہ دیا، تمام اہل تصوف بھی اس بات کے قائل ہیں اور صوفیاء کا طریقۂ کار بھی یہی ہے، ایسا انہوں نے اس لیے کیا تاکہ ان حضرات کے بارے میں اعتراض شک و شبہے کا شکار ہو جائے اور لوگ حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنے کے قابل نہ رہیں، ہم اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں، تاکہ اس طرح کے لوگ اپنی گمراہی میں مبتلا رہیں، اگر دین ان کا احتساب کر لیتا تو ان کا عمل بہتر ہو جاتا اور وہ دینی معاملات میں احتیاط کو ترک نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقرب افراد کو اس طرح ناپسند نہ کرتے بلکہ خود اپنی حالت کو بہتر کرنے کی کوشش کرتے۔

اگر ملحد لوگوں کے ایک گروہ نے خود کو صوفیاء سے متعلق ظاہر کیا تاکہ ان کے جمال کی وجہ اپنی ذات سے نجات پا لیں اور ان حضرات کی عزت کے سائے میں اپنا مقام پیدا کریں تو یہ ہرگز مناسب نہیں ہوگا کہ صوفیاء کو بھی انہیں ملحد لوگوں کے ساتھ قیاس کیا جائے اور ان کے بارے میں فضول جھگڑا کیا جائے اور ان صوفیاء کی قدر و منزلت کو پامال کیا جائے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ ایک عالم کے ساتھ میری بحث ہوگئی جو خود پسندی کا شکار تھا اور اسی چیز کو اس نے علم کی عزت کا نام دیا تھا' نفسانی خواہشات کی پیروی کو اس نے سنت رسول ﷺ قرار دیا تھا اور شیطان کی موافقت کو سیرتِ ائمہ کا نام دیا تھا۔ بحث کے دوران اس نے کہا' ملحد لوگوں کے بارہ گروہ ہیں' جن میں سے ایک صوفیاء بھی ہیں' تو میں نے کہا: اگر ایک گروہ ان حضرات میں سے ہے' تو بقیہ گیارہ گروہ تم لوگوں میں سے (یعنی علماء ظاہر) میں سے ہوں گے اور اہلِ تصوف۔ اگرچہ صرف ایک گروہ ہیں لیکن وہ جس طرح سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں' تمہارے گیارہ گروہ اس طرح اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔

یہ ساری کی ساری صورتِ حال لوگوں کی دین سے لاتعلقی' سستی اور ان آفات کا نتیجہ ہیں' جو اس وقت نازل ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو ایسے لوگوں کے درمیان پوشیدہ رکھا ہے اور عام لوگوں کو ان اولیاء سے دور رکھا ہے۔

شیخ صیرفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

پیروں کے پیر اور مریدوں کے لیے (یعنی ان کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے) آفتاب (کی حیثیت رکھنے والے) شیخ علی بن بندار صیرفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَسَادُ الْقُلُوْبِ عَلٰی حَسْبِ فَسَادِ الزَّمَانِ وَاَهْلِهٖ

''زمانہ اور اہلِ زمانہ کی خرابی کی نسبت کے اعتبار سے ہی دلوں میں فساد آتا ہے''۔

اب ہم یہاں ایک فصل میں صوفیاء کے اقوال ذکر کریں گے' تا کہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے' صوفیاء کے منکرین کے گروہ کے مقابلے میں صوفیاء کے گروہ پر اللہ تعالیٰ کی عنایت کی وجہ سے ان حضرات کا طریقہ کار سچا ہے' باقی توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

فصل پنجم: علم کی اقسام

شیخ بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علم کی اقسام

شیخ محمد بن فضیل بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْعُلُوْمُ ثَلَاثَۃٌ عِلْمٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ عِلْمٌ مَعَ اللّٰهِ وَ عِلْمٌ بِاللّٰهِ

''علم کی تین قسمیں ہیں: وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے' وہ علم جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ہو''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں علم سے مراد اس کی معرفت ہے' تمام انبیاء اور تمام

اولیاء نے اللہ تعالیٰ کو اسی معرفت کے ذریعے پہچانا ہے' جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں توفیق نہیں ہوئی تھی' اس وقت تک انہوں نے اس کی ذات کو نہیں پہچانا تھا۔ اس لیے علم کے حصول کے تمام تر اسباب' اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور انسان صرف اپنے علم کے ذریعے' اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول کا بنیادی سبب بھی یہی ہے' اللہ تعالیٰ بندے کی راہنمائی کرے اور اسے اپنی ذات کے بارے میں آگاہی نصیب کرے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے علم سے مراد شریعت کا علم ہے' یہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے' اس میں ہمیں نیک اعمال کا حکم دیا گیا ہے' تو ایسے اعمال پر عمل کرنا ضروری ہے۔

وہ علم جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو' اس سے مراد حق کے راستے' اللہ تعالیٰ کے قرب کے مقامات اور اولیاء کے درجات کا علم ہے۔

شیخ ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

تو اللہ تعالیٰ کی معرفت' شریعت کو قبول کیے بغیر درست نہیں ہو سکتی' اس لیے شریعت پہ عمل کرنا بھی ضروری ہوگا۔

شیخ بوعلی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْعِلْمُ حَیٰوۃُ الْقَلْبِ مِنَ الْجَھْلِ وَنُوْرُ الْعَیْنِ مِنَ الظُّلْمَةِ

''علم' جہالت کے مقابلے میں دل کی زندگی اور تاریکی کے مقابلے میں آنکھ کی روشنی کا نام ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم حاصل نہیں کرتا' اس کا دل جہالت کی علّت کا شکار ہوتا ہے' تو اس حوالے سے کفار کے دل مردہ شمار کیے جاتے ہیں' کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات سے لاعلم ہوتے ہیں اور غافل شخص کا دل بیمار شمار ہوتا ہے' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے خبر شمار ہوتا ہے۔

شیخ وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ ابوبکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنِ اکْتَفٰی بِالْکَلَامِ مِنَ الْعِلْمِ دُوْنَ الزُّھْدِ تَزَنْدَقَ وَمَنِ اکْتَفٰی بِالْفِقْهِ دُوْنَ الْوَرْعِ تَفَسَّقَ

''جو شخص زہد اختیار نہ کرے بلکہ صرف علم کلام پر اکتفاء کرے' وہ بے دین ہو جاتا ہے اور جو شخص صرف علم فقہ پر اکتفاء کرے' پرہیزگاری اختیار نہ کرے وہ فاسق بن جاتا ہے''۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

اس کا مفہوم یہ ہے' عمل اور مجاہدے کے بغیر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنا صرف زبردستی اقرار ہے' حقیقی مؤحد شخص

کلام کے اعتبار سے ''جبری'' ہوتا ہے اور فعل کے اعتبار سے ''قدری'' ہوتا ہے۔

کلام کے اعتبار جبری ہونے کا مطلب یہ ہے' انسان زبان سے یہ کہتا ہے: وہ یہ سب کچھ کر سکتا ہے' جو اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ اور فعل میں ''قدری'' ہونے کا مطلب یہ ہے' انسان کا طرزِ عمل ''جبر'' اور ''قدر'' کے درمیان میں ہونا چاہیے۔

شیخ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ کے اس درج ذیل قول کی یہی حقیقت ہے:

''اَلتَّوْحِیْدُ دُوْنَ الْجَبْرِ وَفَوْقَ الْقَدْرِ'' ''توحید جبر سے کچھ نیچے ہے اور قدر سے کچھ اوپر ہے''۔

عبارات پر اکتفاء کا نتیجہ

تو جو شخص علم توحید پر عمل نہیں کرتا بلکہ صرف اس کی عبارات پر اکتفاء کرتا ہے' وہ مخالفانہ اُمور سے روگردانی نہیں کرتا تو ایسا شخص آخر کار بے دین ہو جایا کرتا ہے' اسی طرح پرہیز اور احتیاط فقہ کے لیے ضروری شرط ہے' جو شخص تقویٰ اختیار کیے بغیر علم فقہ سیکھتا ہے' وہ دینی اُمور میں اجازت' تاویل اور شبہات کی پیروی کے حوالے سے (آفت میں) مبتلا ہو جاتا ہے' باقاعدہ مسلک اختیار نہیں کرتا بلکہ سہولت کے حصول کے لیے مختلف مجتہدین کے پیچھے جاتا ہے' ایسا شخص آخر کار فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ ساری صورتِ حال غفلت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔

شیخ یحییٰ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوبصورت بات کہی ہے:

اِجْتَنِبْ صُحْبَۃَ ثَلٰثَۃِ اَصْنَافٍ مِّنَ النَّاسِ ' اَلْعُلَمَآءِ الْغَافِلِیْنَ وَالْفُقَرَآءِ الْمُدَاھِنِیْنَ وَالْمُتَصَوِّفَۃِ الْجَاھِلِیْنَ

''تین طرح کے لوگوں کی ہم نشینی اختیار کرنے سے اجتناب کرو: غافل علماء' خوشامدی فقراء اور کاہل صوفی''۔

غافل علماء کون ہیں؟

غافل علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے اور وہ شرعی احکام میں آسان چیزوں کو اختیار کرتے ہیں اور ظالم بادشاہوں کے حکم کی پیروی کو اپنا شعار سمجھتے ہیں' ان بادشاہوں کے دربار کا طواف اپنا وطیرہ بنا چکے ہیں' جنہوں نے لوگوں کے دنیاوی جاہ و مرتبہ کو محراب سمجھ لیا ہے اور اپنی اس چالاکی پر خود ہی فریفتہ ہو چکے ہیں اور اپنی باتوں کی باریکیوں میں مشغول ہیں' ان حضرات نے اساتذہ اور ائمہ کی شان میں زبانِ طعن دراز کی ہے۔ بزرگان کی تحقیر کرتے ہوئے زیادتی اور مبالغے سے کام لیتے ہیں' ان کی یہ کیفیت ہے' اگر ان کے ترازو کے پلڑے میں دونوں جہانوں کو بھی رکھ دیا جائے تو ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے' ان لوگوں نے کینہ اور حسد کو اختیار کر لیا ہے' یہ لوگ حقیقت میں عالم نہیں ہیں' کیونکہ علم ایک ایسی خوبی ہے' جس کے نتیجے میں جاہل شخص سے جہالت کی بات دور ہو جاتی ہے (اور ان لوگوں میں ایسی کوئی صورتِ

حال نہیں پائی جاتی)۔

خوشامدی فقیر کون ہیں؟

خوشامدی فقیر وہ لوگ ہوتے ہیں' جو ہر ایسے شخص کی مدح کرتے ہیں' جو ان کی خواہش کے مطابق کام کرتا ہے' خواہ وہ کام (شرعی احکام کے اعتبار سے) باطل ہی کیوں نہ ہو اور جب کوئی شخص کوئی ایسا کام کرتا ہے' جو ان لوگوں کی خواہش کے خلاف ہوتا ہے' تو وہ کام اگرچہ حق کے مطابق ہی کیوں نہ ہو' لیکن یہ لوگ اُس کے اس فعل کی مذمت کرتے ہیں' یہ لوگ اپنے اس عمل کی وجہ سے دنیاوی جاہ و مرتبے کا لالچ رکھتے ہیں اور مخلوقِ خدا کو باطل چیزوں کی تلقین کیا کرتے ہیں۔

جاہل صوفیاء کون ہیں؟

جاہل صوفیاء سے مراد وہ لوگ ہیں' جو کسی مرشد کی صحبت میں نہ رہے ہوں' انہوں نے کسی بھی بزرگ سے ادب نہ سیکھا ہو اور زمانے سے بھی کچھ نہ سیکھا ہو' ان کا باطن تاریک ہوتا ہے' وہ صرف نیلا لباس پہن کر لوگوں کے درمیان آ جاتے ہیں اور لوگوں کے درمیان رہ کر اپنی بے عزتی پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں' گویا ان لوگوں کی حماقت نے انہیں اس بات کی ترغیب دی' وہ سب لوگوں کو اپنے جیسا سمجھ لیتے ہیں' اس لیے حق اور باطن کے درمیان امتیاز کرنے کی صلاحیت ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔

تو ایسے تین گروہوں کے بارے میں شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ جیسے برگزیدہ شیخ نے جو کچھ کہا ہے اور اپنے مریدین کو اس طرح کے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کا حکم دیا ہے' اس کا مفہوم یہی ہے' ان تینوں گروہوں سے تعلق رکھنے والے افراد اپنے دعوؤں میں جھوٹے ہوتے ہیں اور اپنے طریقے کے اعتبار سے ناقص ہوتے ہیں۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عَمِلْتُ فِي الْمُجَاهَدَةِ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ شَيْئًا اَشَدُّ عَلَيَّ مِنَ الْعِلْمِ وَ مُتَابَعَتِهٖ

''میں نے تیس سال تک مجاہدہ کیا ہے' تو میں نے سب سے زیادہ مشکل یہ چیز پائی ہے' علم (حاصل کیا جائے اور پھر) اس کی پیروی کی جائے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) مختصر یہ کہ انسانی فطرت کے مطابق آگ پر پاؤں رکھ لینا' علم پر عمل کرنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے' ایک جاہل شخص کے لیے پل صراط سے ہزار مرتبہ گزر جانا ایک علمی مسئلہ سیکھنے سے کہیں زیادہ آسان ہوتا ہے اور کسی فاسق شخص کے لیے دوزخ میں رہ جانا' علم کے ایک مسئلے پر عمل کرنے سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس لیے تمہارے لیے ضروری ہے' تم علم سیکھو اور اس میں کمال حاصل کرو (اور اس پر عمل کرو)۔

علم الٰہی کے مقابلے میں انسان کی بے مائیگی

اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں انسان کا علم کامل طور پر جہالت ہوتا ہے' اس لیے تمہیں صرف اسی قدر جاننا چاہیے' کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے اور اس کا مطلب یہ ہے' بندہ' بندگی سے متعلق علوم کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانتا اور یہ بندگی خدا اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے۔

اسی بارے میں کسی بزرگ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْعِجزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ وَالْوَقْفُ فِیْ طُرُقِ الْاَخْیَارِ اِشْرَاكٌ

''ادراک حاصل کرنے سے خود کو عاجز مان لینا ہی حقیقی ادراک ہے اور اخیار کے راستے میں ٹھہر جانا شرک ہے''۔

اس کی وجہ یہ ہے' جو شخص کچھ سیکھتا نہیں ہے اور اپنی جہالت پر اصرار کرتا ہے وہ مشرک ہوتا ہے اور جو شخص کچھ سیکھ لیتا ہے اور اسے کامل علم حاصل ہو جائے تو حق اس کے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے' جس کے نتیجے میں غرور اس سے رخصت ہو جاتا ہے اور وہ شخص یہ بات جان لیتا ہے' اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حوالے سے اس کا علم صرف عاجزی ہے' اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کے وہم پر مبنی تمام تر معلومات کا معرفت کے حقائق کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے' یہ عاجزی ہے' جس کا علم ''حقیقی علم'' ہوتا ہے' باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے!

تیسرا باب:

فقر کا بیان

پہلی فصل: درویشی کی فضیلت

یہ بات جان لیں! حق کی راہ میں درویشی کا مرتبہ بہت عظیم ہے اور درویشوں کا رتبہ بلند ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (البقرہ:۲۷۳)

''بے شک صدقات ان غریب لوگوں کے لیے ہیں، جنہیں اللہ کی راہ میں (سفر کرنے سے) روک دیا گیا، یہ لوگ زمین میں سفر کرنے کے قابل نہیں ہیں اور ناواقف شخص، ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے، انہیں خوشحال تصور کرتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ (النحل:۷۵)

''اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے غلام کی مثال بیان کی ہے جو کسی کی ملکیت ہے، وہ خود کسی چیز پر قادر نہیں ہے''۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (السجدہ:۱۶)

''ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں اور وہ خوف اور اُمید کے عالم میں اپنے پروردگار سے دعا مانگتے ہیں (یا اس کی عبادت کرتے ہیں)''۔

نبی اکرم ﷺ کا فقر کے لیے دعا کرنا

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) نبی اکرم ﷺ نے بھی فقر کو اختیار کیا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ

''اے اللہ! مجھے مسکینی کے عالم میں زندہ رکھنا اور مسکینی کے عالم میں موت دینا اور قیامت کے دن مجھے مسکین

لوگوں کے ہمراہ زندہ کرنا''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ یہ بات ارشاد فرمائے گا:

اُدْنُوْا مِنِّیْ اَحِبَّائِیْ فَیَقُوْلُ الْمَلَائِکَۃُ مَنْ اَحِبَّائُکَ فَیَقُوْلُ: فُقَرَاءُ الْمُسْلِمِیْنَ*

میرے محبوب بندوں کو میرے قریب کردو! تو فرشتے عرض کریں گے: تیرے محبوب بندے کون ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: غریب مسلمان''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایسی آیات اور احادیث بے شمار ہیں' جو مشہور ہیں' تو فقر کے دلائل کے لیے انہیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اصحابِ صفہ کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں بھی بہت سارے فقیر مہاجرین تھے' جو مسجد نبوی میں نبی اکرم ﷺ کی پیروی اور آپ کی محبت کے لیے رہا کرتے تھے' ان حضرات نے تمام تر دنیاوی کام چھوڑ دیئے تھے اور ہر طرح کی اُلجھنوں سے چھٹکارا حاصل کرلیا تھا۔ اپنے رزق کے لیے انہوں نے ذاتِ باری تعالیٰ پر مستحکم بھروسہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے' نبی اکرم ﷺ کو ان کے ساتھ رہنے اور ان کے حق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدَاۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَهٗ (الانعام:۵۲)

''اور تم ان لوگوں کو پرے نہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں' وہ اس کی رضا چاہتے ہیں''۔

(ایک اور مقام پر) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَعْدُ عَیْنَاکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (الکہف:۲۸)

''تم اپنی آنکھیں ان سے نہ پھیرو کیا تم دنیاوی آرائش و زیبائش چاہتے ہو''۔

(احادیث میں یہ بات مذکور ہے') نبی اکرم ﷺ جب ان حضرات میں سے کسی کو دیکھا کرتے تو فرماتے:

''میرے ماں باپ ان پر قربان ہوں' یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے شدید تاکید کی ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تو اللہ تعالیٰ نے فقر کو بڑا رتبہ عطاء کیا ہے اور اس مقام کے لیے فقراء کو مخصوص کیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' ان حضرات نے دنیا کے تمام تر ظاہری اور باطنی اسباب ترک کردیئے اور اپنی توجہ اسباب پیدا کرنے والی

*نوٹ: امام سیوطی نے اپنی تصنیف الجامع الکبیر' جسے جمع الجوامع بھی کہا جاتا ہے' میں اس روایت کو ابوشیخ نامی مصنف کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

ذکرہ السیوطی فی الجامع الکبیر عن (ابی الشیخ عن انس) 11582

ذات کی طرف مبذول کرلی ہے' یہاں تک کہ ان کا یہ فقر ان کے لیے فخر کا ذریعہ بن گیا۔ یہ لوگ فقر باقی نہ رہنے پر افسوس کا شکار ہو جاتے تھے اور فقر آ جانے پر خوش ہوا کرتے تھے' اسے ساتھ لگا لیا کرتے تھے۔ ان حضرات نے فقر کے لوازمات کے علاوہ باقی ہر چیز کو حقیر سمجھ لیا تھا۔

ظاہری فقر کی مذمت

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) لیکن ایک بات یاد رکھیں' فقر کی ایک ظاہری رسم ہے اور ایک باطنی حقیقت ہے' اس کی ظاہری شکل وصورت یہ ہے' آدمی مفلس ہو' اس کی ضروریات ہوں اور اس کی حقیقت یہ ہے' انسان ذاتِ حق کی طرف متوجہ ہو جائے اور اسے معرفت نصیب ہو' جو لوگ فقر کی ظاہری رسم پر اکتفاء کرتے ہیں جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے تو حقیقت سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں اور جو لوگ حقیقت کو پا لیتے ہیں' وہ تمام تر موجودات سے اپنا منہ موڑ لیتے ہیں اور مکمل رغبت میں خود کو فنا کر لیتے ہیں اور کلی بقاء کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں پر یہ قول صادق آتا ہے:

مَن لَّمْ یَعْرِفْ سَوٰی رَسْمِهٖ لَمْ یَسْمَعْ سِوٰی اِسْمِهٖ

''جو شخص فقر کی ظاہری شکل کے علاوہ اور کسی چیز کو نہیں پہچانتا' اس نے صرف فقر کا نام ہی سنا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تو فقیر درحقیقت وہ شخص ہوتا ہے' جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور کوئی چیز اس پر اثر انداز نہ ہو' وہ اسباب کے ہونے سے بے نیاز نہ ہو اور نہ ہونے سے محتاج نہ ہو۔ فقر کی بارگاہ میں اسباب کا ہونا یا نہ ہونا' ایک سی حیثیت رکھتے ہیں' تاہم اگر وہ اسباب کے میسر نہ ہونے سے خوش ہوتا ہے' تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

تنگ دست فقیر کی باطنی کیفیت

مشائخ نے بہت خوبصورت بات بیان کی ہے:

''فقیر جتنا بھی زیادہ تنگ دست ہوگا' اس کا باطنی حال اتنا ہی زیادہ خوشحال ہوگا''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' اسباب کا ہونا درویش کے حق میں بہت بُرا ہوتا ہے' یہاں تک کہ وہ کسی چیز کو جتنی دیر تک اپنے پاس روک کر رکھتا ہے' وہ اتنا ہی زیادہ مقید اور پابند ہوتا ہے' اس لیے اولیاء کرام کی زندگی مخفی عنایات اور اللہ تعالیٰ کے اسرار کے ساتھ قربت حق میں زیادہ بہتر ہوتی ہے' بہ نسبت اس کے کہ وہ دنیا کے اسباب کے ساتھ مشغول ہوں۔ یہ دنیا بے وفاؤں اور بدکار لوگوں کا گھر ہے اور دنیاوی اسباب رضاء الٰہی کے حصول میں رکاوٹ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بادشاہ اور درویش کا واقعہ

یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ ایک بادشاہ کی کسی درویش کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے اسے کہا' اگر تمہیں کوئی

ضرورت ہو تو اسے بیان کرو (تاکہ میں اسے پورا کروں)' اس درویش نے جواب دیا: میں اپنے غلاموں کے غلام سے کوئی چیز نہیں مانگ سکتا۔ بادشاہ نے دریافت کیا: وہ کس طرح؟ تو درویش نے جواب دیا: میرے دو غلام ہیں اور وہ دونوں تمہارے آقا ہیں' ایک لالچ اور دوسرا (لمبی زندگی کی) اُمید۔

فقر' اہلِ فقر کے لیے باعثِ عزت ہے

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''اَلْفَقْرُ عِزٌّ لِاَ هْلِهٖ '' ''فقر' اہل فقر کے لیے عزت کا باعث ہے''۔

اس لیے جو چیز اس کے اہل کے لیے عزت کا باعث ہوتی ہے' وہی چیز اس کے نا اہل کے لیے ذلت کا باعث بن جاتی ہے۔

فقیر کی عزت اس بات میں ہوتی ہے' وہ خود کو ذلیل حرکتوں سے بچائے اور اپنی حالت کو خرابی سے محفوظ رکھے' اس کا جسم گناہ اور لغزش کا شکار نہ ہو اور اس کا حال خرابی اور خلل سے دوچار نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے' اس کا ظاہری حال ظاہری نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے جبکہ اس کا باطن (باطنی) نعمتوں کا سرچشمہ ہوا کرتا ہے' یہاں تک کہ اس کا نفس روحانی ہو جاتا ہے اور دل ''ربانی'' ہو جاتا ہے کائنات کے ساتھ اس کا کوئی واسطہ نہیں رہتا اور انسانوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ اس لیے وہ مخلوق کے ساتھ تعلق اور لگاؤ کی وجہ سے درویش نہیں بنتا ہے' وہ دنیا جہان کے تمام مال و اسباب سے بے نیاز ہو جاتا ہے بلکہ دونوں جہان اس کی درویشی کے ترازو کے پلڑے میں ایک مچھر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے اور اس کی ایک سانس دونوں جہانوں میں نہیں سما سکتی ہے۔

دوسری فصل: فقر اور غناء کے درمیان افضلیت کی بحث

مشائخ نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے' مخلوق کی دو صفات فقر اور غناء میں سے کون سی صفت زیادہ فضیلت رکھتی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے' حقیقی معنی کے اعتبار سے غنی ہونا' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور تمام صفات میں کامل ہونا بھی اسی کی خصوصیت ہے' اس لیے متقدمین مشائخ میں سے شیخ یحیٰی بن معاذ رازی' شیخ احمد بن خوارزمی' شیخ ابوالعباس بن عطاء' شیخ حارث محاسبی' شیخ رویم بن محمد' شیخ ابوالحسن بن شمعون اور متاخرین میں سے شیخ المشائخ ابوسعید فضل اللہ بن محمد میہنی (رحمۃ اللہ علیہم) کا مذہب یہی ہے' فقر سے غناء زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

اس مؤقف کے قائلین کی دلیل

ان تمام حضرات نے دلیل کے طور پر یہ بات پیش کی ہے' ''غنی ہونا'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ''فقر'' کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جائز نہیں ہے' اس لیے کسی ولی میں کسی ایسی صفت کا پایا جانا' جو مخلوق اور خدا میں مشترک ہوتی ہے' وہ صفت اس صفت سے زیادہ کامل ہوگی' جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر نہ کیا جا سکتا ہو۔

اس دلیل کا جواب

(سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں' یہاں اشتراک صرف لفظی اعتبار سے ہے اور نام کے اعتبار سے ہے' معنوی اور حقیقی اعتبار سے نہیں ہے۔ حالانکہ ضروری یہ ہوتا ہے' معنوی اعتبار سے بھی مماثلت اور اشتراک ہونا چاہیے' لیکن یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور مخلوق کی صفات حادث ہیں۔ اس لیے یہ استدلال درست شمار نہیں ہوگا۔

سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا محاکمہ

میں علی بن عثمان جلابی یہ کہتا ہوں: غناء کا نام صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق ہے۔ مخلوق اس نام کی حق دار نہیں ہے۔ جبکہ لفظ ''فقر'' مخلوق کے لائق ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا اطلاق درست نہیں ہے' اگر مجازی طور پر کسی کو غنی کہہ دیا جاتا ہے' تو وہ درحقیقت غنی جیسا ہو نہیں جایا کرتا۔

اس سے بھی زیادہ واضح دلیل یہ ہے' ہمارا غنا اسباب کے وجود پر مبنی ہوتا ہے اور ہم ان اسباب کو قبول کرنے کے پابند ہوتے ہیں' جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان اسباب کو پیدا کرنے والی ہے' اس کا غناء اسباب پر موقوف نہیں ہوتا ہے' اس لیے مخلوق اور خالق کے درمیان صفت غناء میں اشتراک مکمل طور پر باطل شمار ہوگا۔

تو جب اللہ تعالیٰ کی ذات کے اندر شرکت جائز نہیں ہے' تو کسی صفت میں اشتراک کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ تو جب صفت میں اشتراک جائز نہیں ہوگا' تو نام کا اطلاق بھی درست نہیں ہونا چاہیے۔ جہاں تک نام رکھنے کا تعلق ہے' تو یہ ایک نشان ہوتا ہے' جس کا مفہوم بڑا محدود ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے سے مراد کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے سے مراد یہ ہے' اسے کسی بھی چیز کی کوئی ضرورت نہیں ہے' وہ جو چاہتا ہے ویسے کر لیتا ہے' اس کی جو مراد ہے اسے کوئی ختم نہیں کر سکتا۔ اس کی قدرت میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے' موجودات کو تبدیل کر دے یا ان کی اضداد پیدا کر دے' وہ غناء کی صفت سے ازل سے متصف ہے اور اَبد تک متصف رہے گا۔

اس کے برعکس مخلوق کا غنی ہونا زندگی کے اسباب حاصل ہونے' کوئی خوشی میسر آنے' کسی آفت سے نجات پا لینے یا کسی چیز کو دیکھ کر سکون محسوس کرنے پر مبنی ہوتا ہے اور یہ سب چیزیں حادث ہیں اور متغیر ہیں۔ اور یہ سب جستجو اور حیرت کا سرمایہ ہیں اور عاجزی اور خواری کی جگہ ہیں۔ اس لیے بندے پر لفظ ''غنی'' کا اطلاق مجازی طور پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر حقیقی طور پر ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (الفاطر:۱۵)

''اے لوگو! تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ تعالیٰ غنی ہے اور لائق حمد ہے''۔

خوشحالی کو غربت پر فضیلت دینا

بعض لوگ یہ کہتے ہیں' ہم خوشحال شخص کو غریب پر فضیلت دیتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ نے خوشحال شخص کو دونوں جہانوں میں سعادت مند پیدا کیا ہے اور اس پر یہ احسان کیا ہے' اسے خوش حال رکھا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک خوش حالی سے مراد دنیا کا زیادہ ہونا' بشری خواہشات کا پورا ہونا اور شہوت کا پورا ہونا ہے۔

یہ لوگ اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے خوشحالی پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے' جبکہ غربت پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔ صبر' مصیبت پر کیا جاتا ہے اور شکر' نعمت پر کیا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے' نعمت' مصیبت سے افضل ہوتی ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں: نعمت پر شکر کا حکم نعمت میں اضافے کا باعث بن جاتا ہے' لیکن فقر پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب میں اضافہ ہوتا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ:۱۵۲) ''بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے شکر کو نعمت میں اضافے کا سبب قرار دیتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم:۷) ''اگر تم شکر کرو گے' تو میں تمہیں مزید عطاء کروں گا''۔

کیونکہ نعمت کی اصل غفلت ہے' اس لیے جو شخص نعمت کا شکر ادا کرتا ہے' ہم اس کی غفلت میں اضافہ کر دیتے ہیں' جبکہ فقر کی اصل آزمائش ہے اور جو شخص آزمائش پر صبر کرتا ہے' ہم اُس کے قرب کو بڑھا دیا کرتے ہیں۔

تاہم صوفیاء نے جس خوشحالی کو افضل قرار دیا ہے' اس سے مراد نعمتوں کا حصول نہیں ہے بلکہ نعمت عطاء کرنے والی ذات کی معرفت کا حصول ہے' اس لیے نعمت عطاء کرنے والی ذات کو پانے اور غفلت کو پانے کے درمیان بہت فرق ہے' خواص کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں واصل ہو جانا ہی درحقیقت غناء (خوشحالی) ہے۔

شیخ ابوسعید رضی اللہ عنہ کے قول کی وضاحت

شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''فقر یہی ہے' (انسان کا ذہن) اللہ کے ساتھ غنی ہو''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد اَبدی کشف ہے' جسے مشاہدۂ حق کہا جاتا ہے۔

تاہم کشف میں بھی حجاب کا پہلو پایا جاتا ہے' تو اس لیے اگر مشاہدہ کرنے والا شخص محجوب ہو جائے تو وہ مشاہدے کا محتاج ہو جائے گا اور اگر وہ یہ کہتا ہے' وہ محتاج نہیں ہے' تو یہ بات ناممکن ہوگی۔

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے' یہ ناممکن ہوگا' تو ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے' جب احتیاج کی صورت پیدا ہو جاتی ہے' تو ایسی کیفیت میں ''غنی'' ہونے کا مفہوم ساقط ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے غنی وہ شخص ہوا کرتا ہے جس کی صفت قائم ہو اور اُس کی مراد ثابت ہو' جبکہ بشریت میں مراد قائم نہیں ہو سکتی اور صفات ثابت نہیں ہو سکتی ہیں' اس لیے بشریت کی کیفیت میں غناء بھی صحیح نہیں ہوگا' اس کی وجہ یہ ہے' اپنی فطرت کے اعتبار سے بشری وجودِ غناء کے لائق ہی نہیں ہے' یہی وجہ ہے' یہ کہا جاتا ہے:

''اَلْغَنِيُّ مَنْ اَغْنَاهُ اللهُ'' ''غنی وہ شخص ہوتا ہے' جسے اللہ تعالیٰ غنی کر دے''۔

تو اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے غنی کرنے کی وجہ سے یہ نتیجہ برآمد ہوا' (انسان غناء کے مرتبے پر فائز ہوا) اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے' جو شخص اپنی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے' تو یہ بشری صفت ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے قائم کرنے سے قائم ہوتا ہے' تو اس کی ذاتی صفت فنا ہو جایا کرتی ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا محاکمہ

میں علی بن عثمان جلابی یہ کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ مجھے درست بات کہنے کی توفیق عنایت کرے! پہلی صورت میں جب انسان اپنی صفت کے ساتھ قائم ہوتا ہے' اس وقت اس پر غناء حقیقی کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا' اس کی وجہ یہ ہے' اس کی بشری صفت کا باقی ہونا علّت کا محل ہے اور آفت کے حصول کا ذریعہ ہے اور دلائل کے ذریعے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے' جب اپنی صفت فنا ہو جاتی ہے' تو غناء بھی باقی نہیں رہتا' چونکہ جو چیز موجود ہی نہیں رہتی اس کا نام بھی باقی نہیں رہتا۔ اس لیے اگر صفت کے فانی ہونے کا نام غنا رکھا جائے تو جب صفت خود فانی ہے' تو نام رکھنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہے گی' اس لیے ایسے شخص پر نہ تو لفظ ''فقیر'' صادق آئے گا اور نہ ہی لفظ ''غنی'' صادق آئے گا' اس لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کے لیے بھی لفظ غناء استعمال نہیں کیا جائے گا اور ''فقیر'' ہونا بندے کی صفت ہے۔

تیسری فصل:

مشائخ کے مختلف اقوال

تمام مشائخ طریقت اور اکثر عوام ''فقر'' کو ''غناء'' سے افضل سمجھتے ہیں' کیونکہ کتاب وسنت' فقر کی فضیلت بیان کرتے ہیں اور اکثر اُمت کا اس بات پر اتفاق بھی ہے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ کی بحث

میں نے حکایات میں یہ بات پائی ہے' ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اس مسئلے پر بحث ہوگئی تو شیخ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: خوشحال لوگ اس حوالے سے فضیلت رکھتے ہیں' قیامت کے دن ان سے نعمتوں کا حساب لیا جائے گا اور حساب دینے کے لیے کسی واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کا موقع ملے گا جو کسی واسطے کے بغیر ایک دوست کا دوسرے پر عتاب کرنے کے مترادف ہوگا' تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا' اگر خوشحال لوگوں سے حساب لیا جائے گا' تو درویش لوگوں سے عذر طلب کیا جائے گا اور عذر لینا' حساب لینے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی نکتہ رسی

یہاں ایک لطیف نقطہ بھی موجود ہے' جو بہت حیران کن ہے' ہم یہ کہتے ہیں: دوستی میں عذر طلب کرنا' بیگانگی شمار ہوتا ہے' جبکہ عتاب کرنا مخالفت شمار ہوتا ہے' کیونکہ دوست تو ایک ایسے مقام پر فائز ہوتا ہے' یہ دونوں چیزیں دوستانہ تعلق کے لیے آفت اور مصیبت بن جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے' عذر کسی ایسی کوتاہی پر لیا جاتا ہے' جو دوست کے حکم کی تعمیل کے دوران سرزد ہو جاتی ہے' اس وقت جب دوست اپنا حق طلب کرتا ہے' تو وہ اس کے سامنے عذر پیش کر دیتا ہے' جبکہ عتاب اس غلطی کی وجہ سے کیا جاتا ہے' جس کا مرتکب انسان دوست کا فرمان بجالانے کے دوران ہوتا ہے۔ اس وقت دوست انسان کے اس قصور پر اس پر عتاب کرتا ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں یہاں ناممکن ہیں۔

مختصر یہ کہ ان دونوں سے دونوں چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے' فقراء سے صبر کا مطالبہ کیا جائے گا اور خوشحال لوگوں سے شکر کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

دوستی میں کوئی بھی دوست اپنے دوست سے کچھ طلب نہیں کرتا اور کوئی بھی دوست اپنے دوست کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتا ہے۔

کسی نے کہا ہے:

ظَلَمَ مَنْ سَمّٰی اِبْنَ اٰدَمَ اَمِیْرًا وَقَدْ سَمَّاهُ رَبُّهٗ فَقِیْرًا

''اس شخص نے زیادتی کی ہے' جس نے آدم کے بیٹے کا نام ''امیر'' رکھا ہے حالانکہ اس کے پروردگار نے تو اس کا نام ''فقیر'' رکھا ہے''۔

یعنی ایسا شخص جس کا نام اللہ تعالیٰ نے فقیر مقرر کیا ہو' وہ اگر ظاہری طور پر امیر بھی ہو' تو بھی فقیر ہی شمار ہوگا۔ وہ شخص ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے جو اپنے بارے میں یہ سمجھ لیتا ہے' وہ امیر ہے' اگر چہ وہ شخص تخت پر ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے' امیر اور خوشحال لوگ صدقہ کرنے والے ہوتے ہیں' جبکہ غریب لوگوں کا تعلق صدق سے ہوتا ہے اور جس شخص کا مقام صدق ہو' وہ اُس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جس کا مقام صدقہ ہے (بلکہ صدق کے مقام کو زیادہ فضیلت حاصل ہوتی ہے) اس لیے حقیقت کے اعتبار سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا فقر بھی اُن کی خوشحالی کی مانند ہوگا اور یہی وجہ ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کی شدت کی وجہ سے ان کے بارے میں یہ فرمایا تھا:

''نِعْمَ الْعَبْدُ'' (ص:۴۴) (وہ بہترین بندہ ہے)

جبکہ حکومت کے حوالے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کارکردگی پر یہ فرمایا تھا:

''نِعْمَ الْعَبْدُ'' (ص:۳۰) (وہ بہترین بندہ ہے)

اس لیے جب رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کی رضا حاصل ہو جاتی ہے' تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا فقر اُن کی خوشحالی کی مانند ہو جاتا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے' وہ فرماتے ہیں: لوگوں نے فقر اور غناء کے بارے میں گفتگو کی ہے اور ہر ایک نے اپنی پسند کے مطابق بات بیان کی ہے' لیکن میں یہ کہتا ہوں: جس چیز کو اللہ تعالیٰ میرے لیے پسند کرے اور اس حالت میں مجھے (نفسانی خامیوں سے) محفوظ رکھے (وہی چیز زیادہ فضیلت رکھتی ہے)۔ اگر وہ مجھے دولت عطاء کرتا ہے اور میں اس دوران غافل نہیں ہوتا' یا وہ مجھے فقیر بنا دیتا ہے' تو میں اس دوران حریص نہیں بنتا (تو یہی نعمت ہے) اس لیے غناء نعمت ہے اور اس میں غفلت آفت ہے' اسی طرح فقر بھی نعمت ہے' لیکن اس میں حرص ہلاکت ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

فقر اور غناء کے بارے میں یہ تمام باتیں ظاہری اختلاف کے باوجود اچھی ہیں' لیکن سلوک اور روش کے اعتبار سے معاملہ مختلف ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک سے دل کو فارغ رکھنے کا نام فقر ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی ایک چیز کی طرف متوجہ ہونے کا نام غناء ہے' جب دل فارغ ہو' تو ایسی کیفیت میں فقر' غناء سے افضل شمار ہوگا' ورنہ دوسری صورت میں غناء' فقر سے افضل شمار ہوگا' غناء سے مراد ساز و سامان کا زیادہ ہونا نہیں ہے' اور نہ ہی ساز و سامان نہ ہونے کا نام فقر ہے

کیونکہ یہ تو خدا کی طرف سے ہوتا ہے' تو جب طالب شخص ساز وسامان کی ملکیت سے جدا ہو جاتا ہے' تو شرکت ختم ہو جاتی ہے اور وہ دونوں ناموں سے لاتعلق ہو جاتا ہے' اب نہ اُس پر فقر کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی غناء کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

مشائخ طریقت کے اقوالِ زرّیں

مشائخ طریقت نے فقر اور غناء کے بارے میں چند باریک نکات کی نشاندہی کی ہے' جن میں سے چند ایک اقوال میں یہاں درج کروں گا۔

ایک بزرگ کا قول

متاخرین مشائخ میں سے ایک بزرگ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

لَيْسَ الْفَقِيْرُ مَنْ خَلَا مِنَ الزَّادِ اِنَّمَا الْفَقِيْرُ مَنْ خَلَا مِنَ الْمُرَادِ

''فقیر وہ نہیں ہوتا جس کے پاس ساز وسامان نہ ہو' بلکہ فقیر وہ ہوتا ہے' جس کا دل آرزو اور تمنا سے خالی ہو''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اگر اللہ تعالیٰ اُسے مال و دولت عطاء کر دیتا ہے اور وہ اس مال کی حفاظت کی خواہش رکھتا ہے' تو بھی وہ غنی کہلائے گا اور اگر وہ اس مال کو ترک کرنے کی خواہش رکھتا ہو' تو بھی غنی کہلائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے' یہ دونوں حالتیں ایسی ہیں' جو دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنے کے مترادف ہیں' حالانکہ تصرف کو ترک کرنے کا نام فقر ہے۔

یحییٰ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

عَلَامَةُ الْفَقْرِ خَوْفُ زَوَالِ الْفَقْرِ

فقر کی علامت یہ ہے' آدمی فقر کے حوالے سے ہمیشہ خوفزدہ رہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) فقر کے درست ہونے کی علامت یہ ہے' انسان ولایت کا کامل مشاہدہ باقی رہنے' فنائے صفت میں زوال اور اس کیفیت کے ختم ہو جانے سے ڈرتا رہے اور اُس کی یہ حالت کمال کی اس حد تک پہنچ جائے' کہ وہ اس کے منقطع ہونے سے بھی خوفزدہ ہو۔

شیخ رویم رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ رویم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مِنْ نَّعْتِ الْفَقِيْرِ حِفْظُ سِرِّهٖ وَصِيَانَةُ نَفْسِهٖ وَاَدَاءُ فَرَائِضِهٖ

''فقیر کی خوبی یہ ہے' وہ اپنے راز کی حفاظت کرے' اپنے نفس کو نافرمانی سے بچائے اور اپنے ذمے عائد فرض کو ادا کرے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' فقیر اپنے باطنی اسرار کو دنیاوی اغراض سے بچائے اور اپنے نفس کو حرص اور لالچ کی آفت سے محفوظ رکھے اور اس پر شریعت کے احکام اور فرائض کو جاری کرے' یعنی جو اسرار اسے دیکھنے کو ملتے ہیں انہیں ظاہر کرنے میں مشغول نہ ہو جائے اور جو اس کی کیفیت اظہار کے حوالے سے ہوتی ہے اُسے اسرار کے مرتبے میں لے جانے کی کوشش نہ کرے اور ان احوال کے غلبے کے وقت اوامر اور منہیات کی ادائیگی میں کوتاہی کا شکار نہ ہو۔ یہ علامت بشری صفات کے زائل ہونے کے نتیجے میں سامنے آتی ہے اور بندہ مکمل طور پر ذاتِ حق (کی معرفت تک) واصل ہو جاتا ہے اور یہ معنی بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتے ہیں۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اَفْضَلُ الْمَقَامَاتِ اِعْتِقَادُ الصَّبْرِ عَلَى الْفَقْرِ اِلَى الْقَبْرِ''

''سب سے زیادہ فضیلت والا مقام یہ ہے' انسان قبر میں جانے تک فقر پر صبر کا اعتقاد رکھے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی سب سے افضل مقام یہ ہے' فقر پر صبر کو مضبوطی سے تھامے رکھے' فقر پر صبر و اعتقاد رکھنا بندے کے مقامات میں سے سب سے زیادہ فضیلت والا مقام ہے اور فقر اس بات کا نام ہے' مقامات فنا ہو جائیں گے' فقر پر صبر اور اعتقاد اختیار کرنے کی علامت یہ ہے' درویش اپنے اعمال' افعال اور اوصاف میں فنا کے پہلو کو ملحوظ رکھے۔

تاہم اس قول میں ظاہری مفہوم یہ ہے' وہ اس بات کا اعتقاد رکھے کہ فقر کو غناء پر فضیلت حاصل ہے' یعنی وہ کسی بھی حالت میں فقر سے منہ موڑنے کی کوشش نہ کرے۔

ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْفَقِيْرُ لَا يَسْتَغْنِيْ بِشَيْءٍ دُوْنَ اللّٰهِ

''فقیر وہ ہوتا ہے' جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی بھی چیز کے ساتھ غنی نہ ہو''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' فقیر کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی بھی چیز سے آرام نہیں آتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اس کا مطلوب اور مقصود اور کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی ہے۔

ان الفاظ کا ظاہری مفہوم یہ ہے' انسان اُس کی ذات کے علاوہ کسی اور سے بھی تونگری حاصل نہیں کر سکتا' جب انسان خدا کو پالیتا ہے' تو وہ خوشحال ہو جاتا ہے' اس اعتبار سے تمہارا وجود کیونکہ اس کا حجاب ہے' اس لیے یہ ''غناء'' غیر کو ترک کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس حوالے سے غنا' حجاب بن جاتا ہے' جب تم اس راستے پر چل پڑتے ہو' تو پھر تم خوشحال کیسے رہ سکتے ہو؟

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ مفہوم بہت لطیف اور بہت عمیق ہے۔

اہل حقیقت کے نزدیک مذکورہ بالا جملے کے مفہوم یہ ہے:

اَلْفَقِیْرُ لَا یَسْتَغْنِیْ عَنْہُ

''فقیر وہ ہے' جو اس سے کبھی بے نیاز نہ ہو''۔

شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

اسی مفہوم کی وضاحت حضرت شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کی ہے:

''ہمارا غم ہمیشہ رہنے والا ہے' کیونکہ ہم کسی بھی صورت میں اپنی ہمت کے ساتھ اپنا مقصود حاصل نہیں کر سکتے اور دنیا اور آخرت میں مکمل طور پر ہماری بشریت ختم نہیں ہوسکتی۔ اُس کی وجہ یہ ہے' جب آپ کسی چیز کو پانا چاہتے ہیں' تو اس کی جنس ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بشریت کی ہم جنس نہیں ہے' جبکہ اُس کے ذکر سے روگردانی اختیار کرنا غفلت ہے۔ اور درویش شخص کبھی غفلت کا شکار نہیں ہوتا۔ اس اعتبار سے انسان کو جو راستہ درپیش ہوتا ہے' وہ مشکل ہوتا ہے اور دشوار ہوتا ہے اور وہ دوست ایسا ہے' ریاضت اور مجاہدے کے ذریعے اس کا دیدار حاصل نہیں کیا جا سکتا' اور اس کا وصال مخلوق کے مقدور سے خارج ہے' کیونکہ جو چیز فانی (یعنی مخلوق) ہے اُس کی حقیقت تو تبدیل نہیں ہوسکتی اور جو چیز باقی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات) اس میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی' کوئی فانی چیز باقی نہیں بن سکتی کہ اس کا وصال میسر آ جائے اور باقی' فانی نہیں ہوسکتا' اس کا قرب میسر ہو۔ اس لیے اس کے دوست ہمیشہ مشکل کا شکار رہتے ہیں' انہوں نے اپنے دل کو بہلانے کے لیے حسین عبارات بنا لی ہیں اور اپنی روح کی تسکین کے لیے مقامات' منازل اور طریقے ظاہر کر دیئے ہیں۔ لیکن اُن کی بیان کردہ عبادات صرف اپنے وجود کے حوالے سے آراستہ ہیں اور ان کے بیان کردہ مقامات اپنی جنسیت میں ہی کھوئے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات' مخلوق کے تمام اوصاف اور تمام احوال سے پاک ہے۔

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نَعْتُ الْفَقِیْرِ اَلسُّکُوْنُ عِنْدَ الْعَدَمِ وَالْبَذْلُ عِنْدَ الْوُجُوْدِ

''فقیر کی تعریف یہ ہے' جب اس کے پاس کچھ نہ وہ تو ہو پُرسکون رہے اور جب اُس کے پاس کچھ ہو' تو اُسے خرچ کر دے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' جب اس کے پاس مال نہ ہو' تو وہ خاموش رہے اور جب اس کا پاس مال ہو' تو وہ دوسرے شخص کو اپنے سے بہتر تصور کر کے اس پر خرچ کر دے' ایسا شخص جسے ایک لقمے کی ضرورت ہوتی ہے جب تک اُس کی ضرورت پوری نہ ہو' تو اس کا دل پُرسکون رہتا ہے اور جب وہ لقمہ اسے مل جاتا ہے' تو اُس وقت دوسرے کو وہ

اپنے سے بہتر تصور کر کے اُسے دے دیتا ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس قول میں دو مفہوم پائے جاتے ہیں' جب فقیر کے پاس کچھ نہ ہو' تو وہ پرسکون رہے اور راضی رہے اور جب اُس کے پاس کچھ موجود ہو' تو وہ اسے خرچ کر دے اور وہ اس صورت کو پسند کرے تو جو شخص راضی ہونے کے مقام پر ہوتا ہے وہ خلعت کا سزاوار ہوتا ہے اور خلعت میں قربت کا نشان موجود ہوا کرتا ہے' لیکن محبت کرنے والا شخص خلعت کو ترک کر دیتا ہے' کیونکہ خلعت کے اندر جدائی کا نشان ہوتا ہے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے' سکون کی حالت میں یعنی جب اُس کے پاس کچھ موجود نہیں ہوتا' ایسی حالت میں وہ کسی چیز کے ملنے کا انتظار کرتا ہے اور پرسکون رہتا ہے' پھر جب اس کے پاس موجود ہوتا ہے' تو کیونکہ وہ چیز خدا کا غیر ہوتی ہے اور اس شخص کو خدا کے غیر سے راحت نصیب نہیں ہو سکتی' اس لیے وہ اسے اپنے آپ سے جدا کر دیتا ہے۔

شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ المشائخ ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا یہی مطلب ہے:

اَلْفَقْرُ خُلُوُّ الْقَلْبِ عَنِ الْاِشْكَال

''فقیر کا مطلب یہ ہے' دل کو اشکال سے خالی کر دیا جائے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی جب وہ مشکل کے اندیشوں سے خالی ہوگا' تو اُس وقت مشکل کے وسوسوں کو دل سے نکالے بغیر کوئی چارا باقی نہیں رہے گا۔

شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اَلْفَقْرُ بَحْرُ الْبَلَاءِ وَبَلَاؤُهٗ كُلُّهٗ عِزٌّ''

''فقر آزمائش کا سمندر ہے اور اس کی آزمائش' عزت کے حصول کا ذریعہ ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) فقیر کے نصیب میں عزت ہی ہوتی ہے' کیونکہ وہی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے' تو اسے غیر کے بارے میں کیا پتہ چل سکتا ہے' یہی وجہ ہے' جب وہ اُس آزمائش سے توجہ ہٹا کر اُس ذات کی طرف توجہ کرتا ہے' جس نے اُسے آزمائش میں مبتلا کیا ہے' تو اُس وقت وہ آزمائش اُس فقیر کے لیے عزت کا باعث بن جاتی ہے' اس کی تمام تر عزت قربتِ الٰہی بن جاتی ہے اور اس کی تربیت' محبت الٰہی کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ اس کی محبت مشاہدہ بن جایا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ طالب کا ذہن خیال کی بجائے دیدار کا مقام بن جایا کرتا ہے اور اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے' وہ کان کے بغیر سن سکتا ہے' اس لیے معزز وہ شخص ہوتا ہے' جو دوست کی طرف سے آنے والی آزمائش کا بوجھ اُٹھاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے' اپنی اصل

کے اعتبار سے آزمائش عزت ہوتی ہے اور نعمت ذلت ہوا کرتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے' عزت وہ چیز ہوتی ہے' جو انسان کو حق کے حضور میں حاضر کر دے اور ہر وہ چیز ذلت ہوتی ہے' جو حق کے حضور سے دور کر دے' اس لیے فقر کی آزمائش حق کی بارگاہ میں حاضری کی نشانی ہے' جبکہ خوشحالی کا سکون اس سے دور ہونے کی علامت ہے' اس لیے حق کی بارگاہ میں حاضری عزت ہے اور اس سے دوری ذلت ہے اور وہ آزمائش جس کا انجام مشاہدہ اور دیدار ہو' وہ ہر حال میں غنیمت شمار ہوگی۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ اِنَّكُمْ اِنَّمَا تُعْرَفُوْنَ بِاللّٰهِ وَتُكْرَمُوْنَ لِلّٰهِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَكُوْنُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِذَا خَلَوْتُمْ بِهٖ

''اے فقراء کے گروہ! تم لوگ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے پہچانے جاتے ہو' اور اللہ تعالیٰ کی وجہ سے تمہاری عزت کی جاتی ہے' تو تم اس بات کا جائزہ لو' جب تم خلوت میں ہوتے ہو' تو اُس وقت تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کیا ہوتا ہے؟''

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' جب مخلوق تمہیں درویش سمجھتی ہے اور وہ تمہارے حقوق کو ادا کرتی ہے' تو تم درویشی کے مسلک کا حق کس طرح ادا کرتے ہو؟

اگر لوگ تمہیں تمہارے دعوے کے برخلاف کسی اور نام سے پکاریں' تو تم اس بات کا بُرا نہ مناؤ' بلکہ تم بھی اپنے دعوے کے ساتھ انصاف سے کام لو' کیونکہ لوگوں کے درمیان وہ شخص انتہائی پست اور ذلیل شمار ہوتا ہے' جسے لوگ درویش سمجھتے ہوں حالانکہ وہ ایسا نہ ہو' اور وہ شخص بہت اچھا ہے' جسے لوگ درویش سمجھتے ہوں اور وہ واقعی درویش ہوں۔

اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے' ایک شخص طبیب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور بیماروں کا علاج بھی کرتا ہے لیکن جب وہ خود بیمار ہوتا ہے' تو اُس وقت وہ کسی دوسرے طبیب کا محتاج ہوتا ہے' جس شخص کو لوگ اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ سمجھتے ہوں اور وہ ایسا ہی ہو تو اُس کی مثال اُس شخص کی طرح ہوگی جو طبیب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے' بیماروں کا علاج کرتا ہے' جب وہ خود بیمار ہوتا ہے' تو اُسے کسی دوسرے طبیب کی ضرورت نہیں ہوتی' وہ اپنا علاج خود کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اللہ تعالیٰ کا حقیقی بندہ ہو' لیکن لوگ اسے ایسا نہ سمجھتے ہوں تو اس کی مثال ایسے شخص کی طرح ہوگی جو طبیب ہوتا ہے' لیکن لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا' ایسا شخص لوگوں کے علاج پر توجہ نہیں دیتا' لیکن موافق غذا' فرحت بخش شربت اور معتدل آب و ہوا کے ذریعے وہ خود کو صحت مند اور ٹھیک رکھتا ہے اور بیماری کا شکار نہیں ہوتا' لیکن لوگوں کے حال کی طرف اس کی کوئی توجہ نہیں ہوتی۔

متاخرین کی بیان کردہ تعریف

بعض متاخرین مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے:

''اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلَا وُجُوْدٍ'' . وجود کے بغیر عدم کا نام ہی فقر ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ عبارت ناتمام ہے اس کا مفہوم لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا' کیونکہ جو چیز معدوم ہو' اُسے شے نہیں کہا جاسکتا اور تشریح اور تعبیر کسی ایسی چیز کی ہی کی جاسکتی ہے' جو شے ہو (یعنی موجود بھی ہو) تو یہ کہنا کہ فقر کوئی چیز نہیں ہے' یعنی تمام اولیاء اللہ کی بیان کردہ تعبیرات اور ان کا اتفاق کسی ایسی چیز کے بارے میں نہیں ہے' جس کی کوئی اصل حقیقت ہو' کیونکہ فقر اپنی ذات کے حوالے سے فانی اور معدوم ہے۔

یہاں یہ ہوسکتا ہے' اس عبارت میں فی نفسہٖ فقر کا معدوم ہونا مراد نہ ہو' بلکہ فقر کی آفت کا معدوم ہونا مراد ہو اور انسان کے تمام اوصاف اُس کے لیے آفت کا باعث ہوتے ہیں' جب آفت کی نفی ہوتی ہے' تو صفت فنا ہو جاتی ہے' جب صفت فنا ہو جاتی ہے' تو یہ خدا تک پہنچنے کا وسیلہ بن جاتی ہے اور یہ وسیلہ اُن کی نارسائی کو ختم کر دیتا ہے' لیکن جو لوگ ان کی روش پر نہیں چلتے ہیں' انہیں اس جملے سے فقر کی نفی محسوس ہوتی ہے اور یہ چیز اُنہیں ہلاکت کا شکار کر دیتی ہے۔

میں نے بعض متکلمین کو دیکھا' وہ اس عبارت کا مفہوم نہیں سمجھ سکے تو اس کا مذاق اُڑانے لگے' اُن کا یہ کہنا تھا' یہ بات عقل کے خلاف ہے۔

اسی طرح میں نے تصوف کے بعض دعویداروں کو دیکھا کہ اُنہوں نے نامعقول بات کو قبول کیا اور اُسے درست سمجھنے لگے' انہیں اصل حقیقت معلوم نہیں تھی۔

اُن کا یہ کہنا تھا:

''اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلَا وُجُوْدٍ'' ''فقر ایسا عدم ہے' جس کا کوئی وجود نہیں ہے''۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا محاکمہ

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) لیکن یہ دونوں گروہ غلطی پر ہیں' ان میں سے ایک اپنی جہالت کی وجہ سے حق کا انکار کرتا ہے جبکہ دوسرے فریق نے جہالت کو اپنے اوپر طاری کرلیا ہے اور خود کو اسی حالت میں ظاہر کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے' صوفیاء نے جو عدم اور فناء کی بحث چھیڑی ہے' اُس کے ذریعے اُن کی مراد اچھی اور عمدہ صفات کے حصول کے لیے تمام بُرے اسباب اور بُری صفات سے کنارہ کش ہو جانا ہے' جبکہ طلب کا ذریعہ موجود ہو' یہاں معدوم سے مراد محض معدوم نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ حقیقی فقیر' فقر کے تمام معنی سے خالی ہوتا ہے اور دنیا کے تمام تر اسباب سے لاتعلق ہوتا ہے' جہاں تک اس بات کا تعلق ہے' ربانی اسرار میں سیر کرنا اُس سے اپنے معاملات کو حاصل کرنا' اپنے سے اُس کو منسلک کرنا اور معانی اور مقاصد کی اس کی طرف نسبت کرنا تو جب انسان کے اُمور اس کے ذاتی کسب کی بندش سے رہائی پا جائیں گے' اس وقت فعل کی نسبت انسان کے ساتھ باقی نہیں رہے گی' اس وقت اس پر جو بھی حالت گزرے گی' وہ اُس کے اپنے ارادے کے تحت نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ اس کے ارادے کے تحت ختم ہوگی۔ ایسی حالت میں انسان اپنے اوپر کوئی چیز طاری نہیں کر سکے گا

اور کسی حالت کو اپنے آپ سے پرے نہیں کر سکے گا' بلکہ اُس کی تمام حالتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں گی۔

بعض افراد کی کوتاہ بینی

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) علم لسانیات میں مہارت کے دعویدار بعض ایسے افراد بھی ہم نے دیکھے ہیں' جو اس مسئلے کی حقیقت کو سمجھ نہیں پائے تو انہوں نے اس کے وجود ہی کی نفی کر دی' یہ بذاتِ خود بہت بڑی غلطی ہے' ہم نے دیکھا یہ لوگ فقر کی حقیقت کے بارے میں اپنی مراد کی نفی کرتے ہوئے' فقر کی حقیقت میں اس کی صفت کی نفی کرتے ہیں۔

ہم نے یہ بھی دیکھا ہے یہ لوگ طلب حق اور حقیقت کی نفی کرنے کو فقر اور صفوت کا نام دیتے ہیں یہ لوگ اپنی نفسانی خواہش کے اثبات کو "ہر چیز کی نفی" قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک شخص فقر کے حجابات میں سے کسی نہ کسی ایک درجے پر ٹھہرا ہوا ہے' ان لوگوں کے نزدیک یہ موقف ولایت میں کمال کی علامت ہے' اور اس موقف سے محبت کرنا' اسے اپنا مقصود قرار دینا ہی اصل عنایت ہے' اور ان معانی کی حقیقت سے محبت کرنا' کامل ہونے کا ذریعہ ہے۔

علم طریقت کے طالب علم کے لیے یہ بات بہت ضروری ہے' وہ اس راستے پر چلے' ان مقامات کو طے کرے' ان کی تعبیرات کو سمجھے' تاکہ خصوصیت کے اس مقام پر وہ عام حیثیت کا مالک نہ رہے' کیونکہ عام طور پر ہوتا یہی ہے' اصول ہمیشہ اصولوں کی روشنی میں سمجھ آتے ہیں اور فروع ہمیشہ دیگر فروع کی وجہ سے درست ہوتی ہیں۔ جس شخص کا فروع کے ساتھ ہی واسطہ نہیں ہوگا اسے اصول کے ساتھ کیا نسبت حاصل ہوگی اور جب کوئی شخص اصول سے شناسائی ہی حاصل نہیں کر سکے گا تو (علمِ طریقت میں) اُسے کوئی حیثیت حاصل نہیں ہو سکے گی۔

میں نے یہ سب نکات اس لیے بیان کیے ہیں تاکہ تم ان حقائق کو اچھی طرح سمجھ لو اور ان کی شرائط کے مطابق اس راستے کو طے کرو اور اس کا حق ادا کرنے میں مشغول ہو جاؤ۔

اب میں اس تصوف کے بارے میں بعض صوفیاء کرام کے کچھ اصول اور بیانات نقل کروں گا' جو انہوں نے اس بارے میں ارشاد فرمائے ہیں: اس کے بعد میں صوفیاء کے اسماء اور مشائخ کے طریقت کے مذاہب کے حوالے سے اختلاف کا تذکرہ کروں گا' اس کے بعد حقائق و معارف اور شرعی احکام بیان کر کے ان کے مخصوص مقامات کے مخصوص آداب کو' جہاں تک ممکن ہو سکا' بیان کرنے کی کوشش کروں گا' تاکہ تمہارے لیے اور ہر اس شخص کے لیے' جو اس کتاب کا مطالعہ کرے' حقیقت واضح ہو جائے۔ باقی توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

چوتھا باب:

تصوف کا بیان

پہلی فصل: صوفی کی وجہ تسمیہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا (الفرقان:٦٣)

''اور رحمان کے بندے وہ ہیں' جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ انہیں مخاطب کرتے ہیں' تو وہ کہہ دیتے ہیں سلام ہو''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا يُؤْمِنُ عَلٰى دُعَائِهِمْ كُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْغَافِلِيْنَ

''جو شخص اہلِ تصوف کی آواز سنے اور اُن کی پکار پر یقین نہ کرے' تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ شخص غافل شمار ہوتا ہے''۔

اہلِ علم نے لفظ ''تصوف'' کی تحقیق میں بہت کچھ بیان کیا ہے' اس حوالے سے کتابیں تصنیف کی ہیں۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے' صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے' کیونکہ وہ صوف (سے بنا ہوا لباس) پہنتا ہے۔

بعض حضرات نے یہ بات بیان کی ہے' انہیں صوفی کا نام اس لیے دیا جاتا ہے' وہ پہلی صف میں شامل ہوتا ہے۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے' صوفی کا نام دینے کی وجہ یہ ہے' یہ اصحابِ صفہ سے محبت کرتے ہیں۔

بعض حضرات کے نزدیک لفظ صوفی' لفظ صفہ سے مشتق ہے۔

مختصر یہ کہ تصوف کے معنی کے بارے میں اہلِ علم نے یہ باریک نکات بیان کیے ہیں' لیکن ان سب کا تعلق لفظی تحقیق سے ہے' جس کا تصوف کی حقیقت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ ''صفا'' ہر حالت میں قابلِ تعریف ہے' اس کی ضد کدر (کسی چیز کا گدلا ہونا) ہے۔

دنیا کی کثافت

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنْيَا وَبَقِيَ كَدِرُهَا''* ''دنیا کی صفائی رخصت ہوگئی اور کدورت باقی رہ گئی''۔

کسی بھی چیز کی لطافت کا نام صفا ہوتا ہے اور اُس کی کثافت کا نام کدورت ہوتا ہے۔

جب صوفیاء نے اپنے معاملات اور اپنے اخلاق کی ترتیب وتہذیب کی' انہیں بنایا سنوارا اور انہوں نے اپنی طبیعت کو فطری بُرائیوں سے دور رکھا' تو انہیں ''صوفی'' کا نام دیا گیا۔ یہ نام اس گروہ کے لیے مخصوص علامتی نشان ہے۔ ان حضرات کو یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ ان لوگوں کا مرتبہ اس نام سے کہیں زیادہ ہے اور ان کے معاملات کو پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ اس لیے ان کا مخصوص علامتی نشان بھی کسی ایسے ہی مادے سے مشتق ہونا چاہیے۔

ہمارے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اس مسلک کو اور اس مسلک کے اہل حضرات کو پردے میں رکھا ہوا ہے۔ جن کے حال کی لطافت ان لوگوں کے ذہنوں سے پوشیدہ ہے' یہی وجہ ہے' ایک گروہ یہ سمجھتا ہے' تصوف ایک بے حقیقت چیز ہے' اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ صرف ایک نقل ہے۔ یہی وجہ ہے' (تصوف کے جھوٹے دعویدار) بے ہودہ افراد کو دیکھ کر ظاہر بین علماء نے تصوف کی اہمیت کا انکار کر دیا اور وہ اس صورتِ حال کے حجاب سے خوش ہو گئے۔ عوام نے بھی اُن کی پیروی کی اور ان لوگوں نے باطنی صفائی کا خیال اپنے ذہن سے محو کر دیا اور اس حوالے سے صحابہ کرام اور اسلاف کے مسلک کو نظر انداز کر دیا۔

صفائی سے مراد کیا ہے؟

اِنَّ الصَّفَاءَ صِفَةُ الصِّدِّيْقِ اِنْ اَرَدْتَ صُوْفِيًا عَلَى التَّحْقِيْقِ

صفائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفت ہے' اگر تم حقیقی طور پر صوفی بننا چاہتے ہو۔

باطنی صفائی کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔

اس کی اصل یہ ہے' انسان غیر کے خیال کو دل سے لاتعلق کرے۔

اور اس کی فرع یہ ہے' انسان بے وفا دنیا کی محبت سے اپنے دل کو خالی کر لے۔

یہ دونوں کیفیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصی صفت ہیں۔ یہی وجہ ہے' انہیں اہلِ طریقت کا امام سمجھا جاتا ہے۔ ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کے غیر سے اس طرح منقطع ہو گیا تھا' جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا) تو تمام صحابہ کرام شکستہ دل تھے' یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار نکال لی اور یہ کہا: جو شخص یہ کہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئے ہیں' تو میں اُس کا سر قلم کر دوں گا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے بلند آواز میں یہ کہا:

---

*نوٹ: امام بخاری کے استاد امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت ''موقوف'' روایت کے طور پر یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول کے طور پر نقل کی ہے' جس کا حوالہ درج ذیل ہے:

مصنف ابن ابی شیبۃ' کتاب الزهد' ما ذکر فی زهد الانبیاء وکلامهم علیهم السلام' کلام ابن مسعود رضی اللہ عنہ' حدیث:33847

اَلَا مَنْ كَانَ عَبَدَ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ عَبَدَ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَإِنَّهُ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ *

''خبردار! جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو حضرت محمد ﷺ انتقال کر گئے ہیں اور جو شخص حضرت محمد ﷺ کے پروردگار کی عبادت کرتا تھا تو وہ پروردگار زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی''۔

اُس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران:۱۴۴)

''محمد صرف رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں' اگر وہ فوت ہو جاتے ہیں یا قتل ہو جاتے ہیں' تو کیا تم ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے''۔

اس کا مطلب یہ ہے' اگر کوئی شخص یہ سمجھتا تھا' نبی اکرم ﷺ معبود ہیں' تو وہ اس بات کو جان لے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو چکا ہے۔ اگر وہ نبی اکرم ﷺ کے پروردگار کی عبادت کرتا تھا تو وہ پروردگار زندہ ہے جسے کبھی موت نہیں آئے گی' اس کا مطلب یہ ہے' جس شخص کا دل فانی سے پیوستہ ہوتا تھا تو وہ فانی فنا ہو جاتا ہے' جس سے آدمی کو دُکھ ہوتا ہے' اس کے برعکس جو شخص اپنے آپ کو باقی رہ جانے والی ہستی کے سپرد کر دیتا ہے' تو جب اُس کا ظاہری جسم فنا ہو جاتا ہے' اس وقت وہ باقی رہنے والی ہستی کے ساتھ بقاء حاصل کر لیتا ہے' تو جو شخص نبی اکرم ﷺ کو ظاہری آنکھ کے ساتھ دیکھتا ہے' جب آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو آپ ﷺ کی تعظیم اُس شخص کے ذہن سے ختم ہو جائے گی۔ لیکن جو شخص نبی اکرم ﷺ کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھے گا' تو اُس کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کا اس دنیا میں تشریف فرما رہنا' یا اس دنیا سے رخصت ہو جانا'

*صحیح البخاری 'كتاب المناقب باب قول النبي صلى الله عليه وسلم : "لو كنت' حديث:3488'

المستدرك على الصحيحين للحاكم 'كتاب التفسير ومن سورة آل عمران' حديث:3094

سنن ابن ماجه 'كتاب الجنائز باب ذكر وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم' حديث:1622

الآثار لابي يوسف 'باب الغزو والجيش حديث:943

مصنف عبد الرزاق الصنعاني 'كتاب المغازي بدء مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم' حديث:9464

السنن الكبرى للبيهقي 'كتاب القسامة كتاب قتال اهل البغي' باب الائمة من قريش حديث:15385

سند اسحاق بن راهويه 'بقية احاديث عن مشيخة حديث:1534

مسند احمد بن حنبل' مسند الانصار الملحق المستدرك من مسند الانصار' حديث السيدة عائشة رضى الله عنها حديث:25304

مسند الشاميين للطبراني 'ما انتهى الينا من مسند بشر بن العلاء اخى عبد الله روايته عن المدنيين' شعيب حديث:2948

سنن ابن ماجه 'كتاب الجنائز باب ذكر وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم' حديث:1622

الطبقات الكبرى لابن سعد 'ذكر كلام الناس حين شكوا فى وفاة رسول الله صلى الله حديث:2021

دلائل النبوة للبيهقي 'جماع ابواب غزوة تبوك جماع ابواب مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم ووفاته ,' باب ما يؤثر عنه صلى الله عليه وسلم من الفاظه فى حديث:3144

دونوں برابر کی حیثیت رکھتے ہیں' کیونکہ ایسا شخص نبی اکرم ﷺ کی بقاء کو اللہ تعالیٰ کے واسطے سے اور آپ کی ظاہری فنا کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے۔ اور وہ ظاہری تبدیل شدہ کیفیت سے توجہ ہٹا کر اُس ظاہری کیفیت کو تبدیل کرنے والی ذات کی طرف توجہ کر لیتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' اُس کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کرتا ہے۔ ایسا شخص نہ مخلوق سے دل لگاتا ہے اور نہ ہی مخلوق کی طرف توجہ کرتا ہے۔ جیسا کہ یہ بات کہی گئی ہے'

مَنْ نَّظَرَ اِلَى الْخَلْقِ هَلَكَ وَمَنْ رَجَعَ اِلَى الْحَقِّ مَلَكَ

''جو شخص مخلوق کی طرف دیکھتا ہے وہ ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے اور جو شخص حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے' وہ فرشتہ بن جاتا ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہے' مخلوق کی طرف توجہ کرنا ہلاکت کی نشانی ہے اور حق کی طرف رجوع کرنا فرشتہ ہونے کی علامت ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دل دنیا سے اس طرح خالی تھا' کہ اُن کے پاس جو مال' اسباب اور غلام وغیرہ موجود تھے' انہوں نے وہ سب خدا کی راہ میں دیدیئے اور خود ایک گدڑی پہن کر نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے' نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا:

مَاخَلَّفْتَ لِعَيَالِكَ فَقَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ*

''تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ تو انہوں نے عرض کی: اللہ اور اُس کا رسول''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مطلب یہ تھا' ان کے پاس یہ دو ایسے خزانے ہیں جن کی کوئی حد نہیں ہے' کوئی انتہاء نہیں ہے۔ جب میرا دل دنیا کی ''صفا'' اور پاکیزگی کے ساتھ تعلق سے آزاد ہو گیا تو اب میں اُس کی کدورت سے بھی اسے خالی کرنا چاہتا ہوں۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک سچے صوفی کی خوبی یہی ہوا کرتی ہے' اس کا انکار حق تعالیٰ کا انکار ہے اور ایک حوالے سے اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کی کوشش ہے۔

میں نے یہ بات پہلے کہی ہے' صفا' کدورت کی ضد ہے اور کدورت ایک انسانی صفت ہے۔ درحقیقت صوفی وہ شخص ہوتا

*المستدرك على الصحيحين للحاكم' كتاب الزكاة' واما حديث محمد بن ابى حفصة' حديث:1443سنن الدارمى' كتاب الصلاة' باب الرجل يتصدق بجميع ما عنده' حديث:1664سنن ابى داود' كتاب الزكاة' باب فى الرخصة فى ذلك' حديث:1442جامع ترمذى' الذبائح' ابواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم' حديث:3693السنن الكبرى للبيهقى' كتاب الجنائز' جماع ابواب صدقة التطوع .' باب ما يستدل به على ان قوله صلى الله عليه وسلم' حديث:7317مسند عبد بن حميد' مسند عمر بن الخطاب رضى الله عنه' حديث:14البحر الزخار مسند البزار' ما روى عبد الله بن عمر ' حديث:169

ہے، جو کدورت سے گزر جاتا ہے۔ جیسے مصری خواتین نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو آپ کے حُسن و جمال کی خوبیوں میں اس طرح محو ہو گئیں کہ اُن کی بشریت اُن پر غالب آ گئی۔ لیکن جب بشریت کے عکس کی وجہ سے غلبے کی یہ کیفیت اپنے کمال تک پہنچی تو اُن کی نگاہ بشریت سے گزر کر بشریت کے فنا ہونے تک پہنچ گئی اور انہوں نے یہ کہا: ''یہ تو انسان ہی نہیں ہے'' تو انہوں نے بظاہر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تھا' لیکن ان الفاظ کے ذریعے اپنی کیفیت کا اظہار کیا تھا۔ یہی وجہ ہے' مشائخ طریقت نے یہ بات بیان کی ہے:

لَیْسَ الصَّفَاءُ مِنْ صِفَاتِ الْبَشَرِ لِاَنَّ الْبَشَرَ مَدَرٌ لَا یَخْلُوْ مِنَ الْکَدَرِ

''صفا'' بشری صفات میں سے نہیں ہے' کیونکہ بشر مٹی سے بنتا ہے اور مٹی کدورت سے خالی نہیں ہوتی۔

اس سے مراد یہ ہے' ''صفا'' خاکی جسم کی صفت نہیں ہے' کیونکہ خاک کا دارومدار کدورت پر ہوتا ہے' اس لیے انسان کدورت سے باہر نہیں نکلتا۔ اس لیے افعال کے حوالے سے ''صفا'' کی مثال بیان نہیں کی جاسکتی اور ریاضت اور مشاہدے کے ذریعے بشریت ختم نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ ''صفا'' کی خصوصیت کو انسان کے ظاہری احوال اور ظاہری حالت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ اسی طرح لفظ ''صفا'' کا ظاہری اسماء اور ظاہری الفاظ کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔

(کہا جاتا ہے:)

اَلصَّفَاصِفَةُ الْاَحْبَابِ وَهُمْ شُمُوْسٌ بِلَا سَحَابٍ

''صفا'' اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی صفت ہے اور یہ لوگ ایسے سورج ہیں جن کے آگے بادل نہیں آ سکتا''۔

کیونکہ ''صفا'' اولیاء اللہ کی خصوصیت ہے' اس لیے جو بھی شخص اپنی ذاتی خصوصیت سے فانی ہو اور دوست کی خصوصیت سے باقی ہو' تو حقیقت میں وہی دوست ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے ایسے اولیاء کے حالات اہلِ حقیقت کے نزدیک آفتاب کی طرح روشن ہیں۔

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

یہ بات مذکور ہے' ایک مرتبہ صحابہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ بِالْاِیْمَانِ''

''وہ ایک ایسا بندہ ہے' جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ذریعے نورانی کر دیا ہے''۔

یہاں تک کہ اس کے نور کی وجہ سے اُن کا چہرا چاند کی طرح روشن ہو گیا تھا اور وہ خود اللہ تعالیٰ کے انوار کی تصویر بن گئے تھے۔

کہا جاتا ہے:

ضِیَـاءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ اِذَا اشْتَرَکَا
نَمُوذَجٌ مِّنْ صَفَاءِ الْحُبِّ وَالتَّوْحِیْدِ اِذَا اشْتَبَکَا

''جب سورج اور چاند کی روشنی مل جائے تو یہ محبت اور توحید کی صفائی کے مل جانے کا نمونہ بن جائے''۔

تو جس جگہ پر اللہ تعالیٰ کی محبت ہو اور توحید کا نور ہو' اُسکے سامنے سورج اور چاند کے نور کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس کے ساتھ کیا نسبت ہوسکتی ہے؟ کیونکہ دنیا میں کوئی بھی نور ان کے انوار سے زیادہ روشن نہیں ہے۔

اور ان کا نور آنکھوں کی روشنی ہے' سورج اور چاند کو روشنی کی وجہ سے ہم آسمان دیکھ لیتے ہیں۔

اسی طرح صوفی محبت اور توحید کے نور سے عرش تک دیکھ لیتا ہے اور دنیا میں موجود رہتے ہوئے بھی آخرت سے آگاہ ہوجاتا ہے۔

تمام مشائخ طریقت کا اس بات سے اتفاق پایا جاتا ہے' اس وقت انسان مقامات کی کیفیت سے رہائی حاصل کر لیتا ہے اور ماحول کی کدورت سے فانی ہوجاتا ہے۔ تغیر اور تبدیلی کے محل سے آزاد ہوجاتا ہے۔

اور تمام قابلِ تعریف احوال سے آراستہ ہوجاتا ہے' تو اُس وقت اُسے چاہیے' وہ خدا کے اوصاف یعنی کسی بھی اچھی صفت کے ساتھ خود کو متصف نہ کرے اور اُس کی طرف توجہ نہ کرے' اس پر مغرور نہ ہو' اُس کی حالت عقل کے ادراک سے گرفت میں نہ آئے۔ اُس کے اوقات شکوک و شبہات کے تصرف سے بَری ہوجائیں۔ اُس وقت وہ ہر وقت بارگاہِ رب العزت میں حاضر رہتا ہے اور اُس کے ظاہری وجود کو اسباب کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے' ''صفا'' ایسی حاضری ہے' جو ختم نہیں ہوتی ہے۔ اور ایک ایسا وجود ہے' جو اسباب کے بغیر ہوتا ہے۔

دائمی حضوری کی کیفیت

یعنی ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسا ہوجاتا ہے' کہ وہاں سے کبھی غائب نہیں ہوتا۔ وہ وہاں اس طرح موجود ہوتا ہے' اُس کا وجود اسباب پر منحصر نہیں ہوتا' وہ ایسا عارف بن جاتا ہے' جس کا عرفان اسباب پر موقوف نہیں ہوتا ہے' کیونکہ جو شخص غیر حاضر ہوجائے گا وہ عارف نہیں ہوسکتا۔ اور جس شخص کے عرفان کا باعث کوئی ظاہری سبب ہوگا۔ وہ بھی درحقیقت عارف نہیں ہوگا' جب انسان اس مقام کو پالیتا ہے' تو دنیا اور آخرت میں فانی ہوجاتا ہے اور انسانیت کے روپ میں ربانی ہو جاتا ہے۔

اُس کے نزدیک سونے کی ڈلی اور مٹی کا ڈھیلہ ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں' ایسی صورتِ حال میں شرعی احکام کی حفاظت اور اُن کی پیروی اُس شخص کے لیے آسان ہوجاتی ہے' جبکہ یہی پیروی دوسرے لوگوں کے لیے مشکل ہوا کرتی ہے۔

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

روایات میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' نبی

اکرم ﷺ نے دریافت کیا:

كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ قَالَ اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ يَا حَارِثَةُ اِنَّ لِكُلِّ حَقٍّ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ اِيْمَانِكَ فَقَالَ عَزَلْتُ نَفْسِيْ عَنِ الدُّنْيَا ، فَاسْتَوٰى عِنْدِيْ حَجَرُهَا وَذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَمَدَرُهَا فَاسْهَرْتُ لَيْلِيْ وَاَظْمَأْتُ نِهَارِيْ حَتّٰى صِرْتُ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى عَرْشِ رَبِّيْ بَارِزًا كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَصَارَعُوْنَ فِيْهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ يَتَغَامَزُوْنَ فِيْهَا .*

اے حارثہ! صبح کے وقت تمہاری کیفیت کیسی تھی؟ انہوں نے عرض کی: صبح کے وقت میری کیفیت یہ تھی' میں اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان رکھتا تھا' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے حارثہ! اس بات کا تم جائزہ لو تم کیا کہہ رہے ہو! ہر چیز کی کوئی حقیقت ہوتی ہے' تمہارے ایمان کیا حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: میں نے اپنے آپ کو الگ تھلگ کرلیا ہے اور اُسے دنیا سے پھیر دیا ہے' اس لیے میرے نزدیک دنیا کا پتھر اور سونا ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں۔ چاندی اور مٹی ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں رات بھر جاگتا رہا' دن بھر پیاسا رہا (یعنی رات کو عبادت کرتا رہا اور دن کو روزے رکھتا رہا) یہاں تک کہ مجھے یہ محسوس ہوا' گویا میرے پروردگار کا عرش میرے سامنے ظاہر ہو گیا ہے اور میں اہلِ جنت کو دیکھ رہا ہوں' جو ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں اور اہلِ جہنم کو دیکھ رہا ہوں جو آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔

تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَرَفْتَ فَالْزِمْ قَالَهَا ثَلَاثًا**

---

*مسند عبد بن حمید' الحارث بن مالك الانصاری' حدیث:446المعجم الکبیر للطبرانی' من اسمه الحارث' الحارث بن مالك الانصاری' حدیث:3287شعب الایمان للبیهقی' التاسع والثلاثون من شعب الایمان' فصل فیما یقول العاطس فی جواب التشمیت' الحادی والسبعون من شعب الایمان وهو باب فی الزهد وقصر الامل' حدیث:10164 .

**مصنف ابن ابی شیبة' کتاب الایمان والرؤیا' باب' حدیث:29812 ' حدثنا ابن نمیر قال : حدثنا مالك بن مغول , عن زبید قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : کیف اصبحت یا حارث بن مالك ؟ قال : اصبحت مؤمنا حقا , قال: "ان لکل قول حقیقة فما حقیقة ذلك ؟ " قال : اصبحت عزفت نفسی عن الدنیا واسهرت لیلی واظمات نهاری ; وکانی انظر الی عرش ربی قد ابرز للحساب , وکانی انظر الی اهل الجنة یتزاورون فی الجنة , وکانی اسمع عواء اهل النار , قال : فقال له: "عبد نور الایمان فی قلبه , ان عرفت فالزم " *مصنف ابن ابی شیبة' کتاب الایمان والرؤیا' باب' حدیث:29812مسند عبد بن حمید' الحارث بن مالك الانصاری' حدیث:446المعجم الکبیر للطبرانی' من اسمه الحارث' الحارث بن مالك الانصاری' حدیث:3287شعب الایمان للبیهقی' التاسع والثلاثون من شعب الایمان' فصل فیما یقول العاطس فی جواب التشمیت' الحادی والسبعون من شعب الایمان وهو باب فی الزهد وقصر الامل' حدیث:10165

تم نے معرفت حاصل کر لی ہے اب اسے اپنے ساتھ لازم رکھنا (راوی کہتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے تین مرتبہ یہ بات ارشاد فرمائی)۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) صوفی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ولایت میں کمال کے مرتبے تک پہنچ جاتے ہیں۔ حقیقت شناس لوگ ان حضرات کو اسی نام سے پکارا کرتے ہیں۔

کسی صوفی بزرگ نے یہ بات بیان کی ہے:

مَنْ صَافَاهُ الْحُبُّ فَهُوَ صَافٍ وَمَنْ صَافَاهُ الْحَبِيْبُ فَهُوَ صُوْفِيٌّ .

''جسے محبت صاف کرتی ہے اُسے صافی کہا جاتا ہے اور جسے محبوب صفائی عطاء کرتا ہے اُسے صوفی کہا جاتا ہے''۔

اس سے مراد یہ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے پاک ہوتا ہے اُسے صافی کہا جاتا ہے اور جو شخص دوست میں (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے انوار میں) مستغرق ہو جاتا ہے اور دوست کے علاوہ ہر چیز سے بَری ہو جاتا ہے وہ صوفی ہوتا ہے۔

لفظ تصوف کی لغوی بحث

لغوی اعتبار سے لفظ تصوف کا اشتقاق کسی بھی حوالے سے درست نہیں ہے۔

کیونکہ اس کے معنی کا یہ پہلو اس سے بڑھ کر ہے کہ اس کا کوئی مادہ ہو جس سے یہ مادہ مشتق ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے اشتقاق میں مشتق منہ اور مشتق ایک ہی مادے سے تعلق رکھتے ہیں جو چیز بظاہر موجود ہے وہ درحقیقت صفا کی ضد ہوتی ہے۔ اس لیے کسی بھی چیز کو اس کی ضد سے مشتق قرار نہیں دیا جا سکتا' لہٰذا صوفیا کے نزدیک اُس کے معنی روزِ روشن کی طرح عیاں ہوں گے۔

اور اس کے لیے کسی تعبیر کی ضرورت نہیں ہوگی'

''لِاَنَّ الصُّوْفِيَّ مَمْنُوْعٌ عَنِ الْعِبَارَةِ وَالْاِشَارَةِ''

''اس کی وجہ یہ ہے صوفی ہونا عبارت یا الفاظ کے ذریعے بیان نہیں کیا جا سکتا''۔

جب صوفی کی حقیقت کو عبارات کے ذریعے جاننا ممکن نہیں ہے اور سارا جہان اُس کی تعبیر کرنے سے عاجز ہے اس کا معنی جاننے کے باوجود اُس کی حقیقت نہیں سمجھ سکتا' تو اس سے اس کی رسم کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ بہر حال مختصر یہ کہ اس طرح کے لوگوں کو اہلِ علم صوفی کہتے ہیں اور جو لوگ علم سے متعلق ہوتے ہیں انہیں متصوف کہا جاتا ہے۔

لفظ تصوف باب تَفَعُّلْ سے تعلق رکھتا ہے اور اس باب کی ایک خصوصیت تکلف (یعنی بناوٹی طور پر بننا) ہے اور یہ اصل کی ایک شاخ ہے۔ لغت اور معنی کے اعتبار سے ان دونوں کے درمیان فرق واضح ہے۔

اَلصَّفَاوِلَايَةٌ وَلَهَا آيَةٌ وَالتَّصَوُّفُ حِكَايَةٌ لِلصَّفَا بِلَاشَكَايَةٍ ☐

''صفا'' ولایت ہے' جس کی ایک نشانی ہے اور ایک روایت ہے۔

لِاَنَّ الصَّفَا حُضُوْرٌ بِلَا ذِهَابٍ وَوَجُوْدٌ بِلَا اَسْبَابِ

جبکہ تصوف کسی شکایت کے بغیر صفا کی حکایت ہے۔

صفا کے معنی روشن اور واضح ہیں اور انہیں معنی کے حقائق کا نام تصوف ہے۔

اس حوالے سے صوفیاء کہلانے والے افراد کے تین درجے ہوں گے:

صوفی' متصوف اور مقصوف

صوفی' متصوف اور مستصوف۔

صوفی وہ شخص ہوتا ہے' جو اپنی ذات سے فانی ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی ہوتا ہے۔ وہ فطری تقاضوں سے نجات پا کر حقائق کی حقیقت سے جڑ جاتا ہے۔

متصوف وہ شخص ہوتا ہے جو مجاہدے سے اُس درجے کو پانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی جستجو میں صوفیاء کے طریقہ کار کی پیروی کرتا ہے۔

مستصوف وہ شخص ہوتا ہے' جو دنیاوی فوائد اور مال و دولت کے لیے خود کو صوفی ظاہر کرتا ہے۔

حالانکہ اُسے ان دونوں یعنی صوفی اور متصوف کے بارے میں کچھ بھی پتا نہیں ہوتا۔

بزرگ صوفیاء نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''اَلْمُسْتَصوِفُ عِنْدَا الصُّوْفِيَةِ كَالذِّبَابِ وَعِنْدَ غَيْرِهِمْ كَالذِّيَابِ''

''مستصوف صوفیاء کے نزدیک مکھی کی مانند ہوتا ہے' جبکہ ان کے علاوہ (عام لوگوں کے لیے) بھیڑیے کی مانند ہوتا ہے''۔

اس سے مراد یہ ہے' وہ جو کچھ بھی کرتا ہے' اس کے نزدیک وہ ہوس ہوتی ہے اور دوسروں کے نزدیک وہ ایک خون خوار بھیڑیا ہے۔

جس کی ساری جدوجہد صرف اس لیے ہوتی ہے' وہ کسی کو پھاڑ کھائے یا مردار کو کھالے۔

تو صوفی حق کے وصال سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

متصوف اصولوں کی پیروی کرنے والا ہوتا ہے اور مستصوف بالکل بے بہرا شخص ہوتا ہے۔

جس شخص کو وصال نصیب ہو جاتا ہے' اُس کے دل میں دوست کے علاوہ اور کسی چیز کی تمنا باقی نہیں رہتی ہے۔

جو شخص اصول کی پیروی کرتا ہے' جو شخص طریقت کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے آگے بڑھ رہتا ہے' اور بلند مقامات کی طرف اُس کا سفر جاری رہتا ہے۔ لیکن جو شخص مستصوف ہوتا ہے (یعنی خود کو صوفی ظاہر کرتا ہے) وہ ہر چیز سے محروم رہتا

ہے' وہ صرف صوفیاء کی ظاہری رسوم پر اکتفاء کرتا ہے' اس لیے وہ دوست سے مہجور ہو جاتا ہے اور وصل سے دور ہو جاتا ہے۔
مشائخ طریقت نے اس موضوع سے متعلق بہت سے باریک نکات بیان کیے ہیں' جن کی تفصیل بیان کرنا تو ممکن نہیں ہے۔ تاہم اُن میں سے بعض اُمور کو ہم یہاں ذکر کریں گے' تا کہ تمہیں اس حوالے سے مکمل فائدہ حاصل ہو۔

دوسری فصل: صوفیاء کے نزدیک صوفی کی تعریف

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلصُّوفِیُ اِذَا نَطَقَ بَانَ نُطْقُهٗ ، عَنِ الْحَقَائِقِ وَاِنْ سَکَتَ نَطَقَتْ عَنْهُ الْجَوَارِحُ بِقَطْعِ الْعَلَائِقِ"

"صوفی وہ ہوتا ہے جب وہ کچھ کہتا ہے' تو حقائق کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور جب خاموش ہوتا ہے تو اُس کے اعضاء دنیا سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو اُس کے اندر موجود نہیں ہوتی اور جب وہ خاموش ہوتا ہے' تو اُس کا معاملہ اور اُس کا طرزِ عمل اُس کی حالت کو ظاہر کرتا ہے اور دنیا سے اُس کی لاتعلقی کا اظہار کرتا ہے۔

یعنی اُس کی گفتگو صحیح اصولوں پر مبنی ہوتی ہے اور اُس کا عملی کردار دنیا سے لاتعلقی کو ظاہر کرتا ہے' جب وہ کوئی بات کہتا ہے' تو وہ بات بالکل ٹھیک ہوتی ہے اور جب وہ خاموش ہوتا ہے' تو اُس کا طرزِ عمل فکر ہوتا ہے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اور اس کی وضاحت

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلتَّصَوُّفُ نَعْتٌ اُقِیْمَ الْعَبْدُ فِیْهِ قِیْلَ نَعْتٌ لِلْعَبْدِ اَمْ نَعْتٌ لِّلْحَقِّ فَقَالَ نَعْتٌ لِّلْحَقِّ حَقِیْقَتُهٗ وَنَعْتُ الْعَبْدِ رَسْمًا"

"تصوف ایسی صفت ہے جس میں بندے کو قائم کیا گیا ہے' کسی نے دریافت کیا: یہ حق کی صفت ہے یا بندے کی صفت ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: حقیقت میں یہ حق کی صفت ہے' تاہم اس کی ظاہری رسم اور ظاہری حالت بندے کی صفت شمار ہوتی ہے"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی حقیقت یہ ہے' بندے کی حقیقت فنا ہو جائے' اور بندے کی صفت جب فنا ہوتی ہے' تو حق کے ساتھ بقاء کی صفت سامنے آ جاتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ حق کی صفت ہے۔ اور ظاہری رسم اور ظاہری حالت کے اعتبار سے یہ انسان کی دائمی ریاضت اور مجاہدے کا تقاضا کرتی ہے اور دائمی مجاہدہ بندے کی صفت ہے۔

اگر آپ کسی دوسرے پہلو کے حوالے سے دیکھنا چاہیں تو یوں سمجھ سکتے ہیں' توحید کی صفت کسی بندے کی صفت میں درست نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے' بندے کی صفات میں دوام موجود نہیں ہوتا اور مخلوق کی کوئی بھی صفت صرف ظاہری

تعریف کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتی۔

اس کی وجہ یہ ہے‘ مخلوق کی کسی بھی صفت میں بقاء نہیں ہوتی‘ بلکہ مخلوق کی وہ صفت درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے‘ لہٰذا ان صفات کی حقیقت کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہوگا۔

آپ اس مفہوم کو اس طرح سے سمجھ سکتے ہیں‘ اللہ تعالیٰ نے بندے کو روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے‘ تو روزہ رکھنے کی وجہ سے انسان روزہ دار کہلاتا ہے۔

تو اب روزہ دار ہونا ظاہری اعتبار سے بندے کی صفت میں شمار ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے‘ روزے کی حقیقت کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے‘ یہی وجہ ہے‘ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کی زبانی ہمیں یہ بات بتائی ہے‘

’’اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ‘‘* ’’روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا‘‘۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے‘ روزہ میری وجہ سے ہے اور انسان جو بھی اعمال سرانجام دیتا ہے۔ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتے ہیں۔ اور اُسی کی ملکیت ہوتے ہیں۔ لوگ جو اُن افعال کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ رسمی اور مجازی اعتبار سے ہوتا ہے‘ حقیقی اعتبار سے نہیں ہوتا۔

شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اور اس کی وضاحت

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

*صحیح البخاری‘ کتاب التوحید‘ باب قول اللہ تعالی : یریدون ان یبدلوا کلام اللہ‘ حدیث:7076صحیح البخاری‘ کتاب التوحید‘ باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وروایتہ عن ربہ‘ حدیث:7122صحیح مسلم‘ کتاب الصیام‘ باب فضل الصیام‘ حدیث:2016صحیح ابن خزیمۃ‘ کتاب الصیام‘ جماع ابواب فضائل شھر رمضان وصیامہ‘ باب ذکر فرح الصائم یوم القیامۃ باعطاء الرب ایاہ ثواب صومہ‘ حدیث:1783مستخرج ابی عوانۃ‘ مبتدا کتاب الصیام‘ وما فیہ‘ حدیث:2159مستخرج ابی عوانۃ‘ مبتدا کتاب الصیام‘ وما فیہ‘ حدیث:2160جامع ترمذی‘ ابواب الجمعۃ‘ ابواب الصوم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم‘ باب ما جاء فی فضل الصوم‘ حدیث: 7 2 8مصنف ابن ابی شیبۃ‘ کتاب الصیام‘ ما ذکر فی فضل الصیام‘ حدیث:8751السنن الکبری للنسائی‘ کتاب الصیام‘ الحث علی السحور‘ فضل الصیام وذکر الاختلاف علی ابی اسحاق فی حدیث علی بن‘ حدیث:2489مشکل الآثار للطحاوی‘ باب بیان مشکل ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ‘ حدیث:2507السنن الکبری للبیھقی‘ کتاب الصیام‘ باب من اغمی علیہ فی ایام من شھر رمضان فلا یجزء‘ حدیث:7624مسند احمد بن حنبل‘ ومن مسند بنی ھاشم‘ مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ‘ حدیث:4117مسند عبد بن حمید‘ من مسند ابی سعید الخدری‘ حدیث:923البحر الزخار مسند البزار‘ ومما روی عبد اللہ بن الحارث ‘ حدیث:820مسند ابی یعلی الموصلی‘ من مسند ابی سعید الخدری‘ حدیث:969المعجم الأوسط للطبرانی‘ باب الالف‘ من اسمہ احمد‘ حدیث:958المعجم الکبیر للطبرانی‘ باب الباء‘ باب من اسمہ بشیر‘ بشیر بن الخصاصیۃ السدوسی‘ حدیث:1222شعب الایمان‘ البیھقی‘ فضائل الصوم‘ حدیث:3418

''اَلتَّصَوُّفُ تَرْكُ كُلِّ حَظِّ النَّفْسِ'' ''تمام نفسانی خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا نام تصوف ہے''۔
(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک رسم یعنی مجازی اعتبار سے اور دوسری حقیقی اعتبار سے۔
اس کا مفہوم یہ ہے' انسان اگر نفسانی لذتوں کو چھوڑ دیتا ہے' تو لذت کو ترک کرنا بھی ایک قسم کی لذت ہے۔ اسی کو رسمی اور مجازی ترک کہا جاتا ہے۔ اور اگر وہ اس کو بھی ترک کر دیتا ہے' تو یہ لذت کا فنا ہونا ہوگا۔
اور معنی کا تعلق حقیقت اور مشاہدے کے ساتھ ہوگا۔ اس لیے لطف اندوز ہونے اور لذت کو ترک کرنے کا فعل بندے کا ہوگا اور جبکہ لذت کا فنا ہو جانا' اللہ تعالیٰ کا فعل ہوگا' تو بندے کے فعل کو مجاز کہا جائے گا اور حق تعالیٰ کے فعل کو حقیقت کہا جائے گا' تو اس کے ذریعے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی واضح ہو جاتا ہے' جو اس سے پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں۔
شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات پھر ارشاد فرمائی ہے:
'' اَلصُّوْفِيَةُ هُمُ الَّذِيْنَ صَفَتْ اَرْوَاحُهُمْ فَصَارُوْا فِي الصَّفِ الْاَوَّلِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَقِّ''
''صوفیاء وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ارواح صاف ہو جاتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہلی صف میں شامل ہو جاتے ہیں''۔
انہوں نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:
''اَلصُّوْفِيُّ لَايَمْلِكُ وَلَا يُمْلَكُ''
''صوفی نہ تو کسی چیز کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کی ملکیت میں آتا ہے''۔
(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ عبارت عین فناء کے بارے میں ہے' یعنی جس کی صفت فانی ہو چکی ہو' وہ نہ ہی کسی چیز کا مالک بنتا ہے اور نہ ہی کسی کی ملکیت میں آتا ہے۔ کیونکہ ملکیت کا درست ہونا اُن چیزوں پر صادق آتا ہے' جو موجود ہوں۔
اس عظیم قول کا مطلب یہ ہے' صوفی دنیاوی ساز وسامان اور آخرت کی زیب وزینت میں سے کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ وہ اپنے نفس کی ملکیت میں بھی نہیں آتا۔ اور ارادے کے تسلط کو غیر سے لاتعلق کر لیتا ہے' تاکہ غیر اُس سے فرمانبرداری کی اُمید کو ختم کر دے۔ یہ بہت باریک نکتہ ہے۔
جو لوگ مکمل طور پر فناء کے قائل ہیں' ہم اُن کے مؤقف کے غلط ہونے کو اس کتاب میں بیان کریں گے' تاکہ آپ کو اس حوالے سے معلومات حاصل ہو جائیں۔
اللہ تعالیٰ آپ کو نیکی کی توفیق دے!

شیخ ابن الجلاء رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اور اس کی وضاحت

شیخ ابن الجلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
''اَلتَّصَوُّفُ حَقِيْقَةٌ لَا رَسْمَ لَهٗ'' ''تصوف ایک ایسی حقیقت کا نام ہے' جس کی کوئی تعریف نہیں کی جا سکتی''۔

اس کی وجہ یہ ہے رسم (یعنی تعریف) کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ تصوف کی حقیقت کا تعلق حق تعالیٰ کی حقیقت کے ساتھ ہے۔ تو جب تصوف کا مطلب یہ ہے انسان مخلوق سے منہ موڑ لے تو لازمی طور پر یہ بات سامنے آتی ہے اس کی کوئی تعریف نہیں کی جاسکتی۔

شیخ ابوعمرو دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اور اس کی وضاحت

شیخ ابوعمرو دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اَلتَّصَوُّفُ رُؤْيَةُ الْكَوْنِ بَعَيْنِ النَّقْصِ بَلْ غَضُّ الطَّرْفِ عَنِ الْكَوْنِ''

''تصوف یہ ہے آپ کائنات کو نقص کی آنکھ کے ساتھ دیکھیں بلکہ تصوف یہ ہے آپ کائنات سے آنکھیں پھیر لیں''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) موجودات کو نقص کی آنکھ سے دیکھنا صفت کے باقی ہونے کی دلیل ہے۔ جبکہ موجودات سے آنکھیں بند کر لینا یہ صفت کے فانی ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ نظر تو صرف اُس چیز پر ڈالی جاسکتی ہے جو موجود ہو جب کوئی چیز موجود ہی نہیں ہوگی تو نظر بھی نہیں پڑے گی موجودات سے آنکھیں بند کر لینا بصیرتِ ربانی کی بقاء کے مترادف ہے۔ یعنی جو شخص اپنے آپ کو نہیں دیکھتا ہے وہ حق تعالیٰ کو دیکھ لیتا ہے۔ کسی بھی موجود کا طالب درحقیقت اپنا طالب ہوتا ہے اور اس کا کام اسی سے متعلق ہوتا ہے۔ اُسے اپنی ذات سے باہر کوئی راستہ نہیں ملتا ہے لہٰذا ایک شخص اپنے آپ کو دیکھتا ہے لیکن نقص کی نظر کے ساتھ دیکھتا ہے جبکہ دوسرا شخص اپنی ذات سے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور اُسے کچھ بھی نظر نہیں آتا تو اب جو شخص دیکھتا ہے اُس کی نظر اُس کے لیے نقص ہے لیکن اُس کی آنکھ اُس کے لیے حجاب بن جاتی ہے۔ اگرچہ وہ دیکھ بھی رہا ہے لیکن نقص بینائی کی وجہ سے حجاب کی حالت میں ہوتا ہے لیکن جو شخص اپنی ذات کو دیکھ ہی نہیں رہا وہ بینائی کی وجہ سے حجاب میں نہیں رہتا۔

علمِ طریقت کے ماہرین کے نزدیک یہ ایک مستحکم اصول ہے لیکن یہاں اس کی تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی۔

شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اور اس کی وضاحت

شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اَلتَّصَوُّفُ شِرْكٌ لِاَنَّهُ صِيَانَةُ الْقَلْبِ عَنْ رُؤْيَةِ الْغَيْرِ وَلَا غَيْرَ''

''تصوف شرک ہے اس کی وجہ یہ ہے یہ دل کو غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے بچاتا ہے جبکہ ''غیر'' کوئی ہے ہی نہیں''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی توحید کے اثبات میں کسی دوسرے کو دیکھنا شرک شمار ہوتا ہے تو جب دل کے اندر کسی دوسرے کی قدر و قیمت نہیں ہوگی تو اُس دوسرے کے ذکر سے دل کو محفوظ رکھنا کیسے ممکن ہوگا؟

شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اور اس کی وضاحت

شیخ ابوالحسن حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلتَّصَوُّفُ صَفَاءُ السِّرِّ مِنْ کُدُوْرَۃِ الْمُخَالَفَۃِ"

"تصوف باطن کو مخالفت کی کدورت سے پاک کرنے کا نام ہے"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' انسان اپنے باطن کو حق کی مخالفت سے محفوظ رکھے۔

اس کی وجہ یہ ہے' دوستی موافقت کا نام ہے اور یہ مخالفت کی ضد ہوا کرتی ہے۔ کسی بھی دوست کو اپنے دوست کی فرمانبرداری کے علاوہ کوئی کام نہیں ہوتا۔ دونوں مراد اگر ایک ہوگئی تو پھر درمیان میں مخالفت کہاں سے آسکتی ہے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کی تعریف اور اس کی وضاحت

امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلتَّصَوُّفُ خُلُقٌ فَمَنْ زَادَ عَلَیْکَ فِی الْخُلُقِ زَادَ عَلَیْکَ فِی التَّصَوُّفِ"

"تصوف اخلاق کا نام ہے' جس شخص کے اخلاق تم سے زیادہ اچھے ہوں گے وہ تصوف میں تم سے آگے ہوگا"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اخلاق کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ اخلاق جن کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسرے وہ اخلاق جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھے اخلاق کا مطلب یہ ہے' انسان اُس کی مقرر کردہ تقدیر پر راضی رہے۔

جبکہ مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق کا مطلب یہ ہے' انسان اللہ تعالیٰ کی خاطر مخلوق کے ساتھ اپنے معاملات کا سلسلہ برقرار رکھے۔

یہ دونوں صورتیں طالب راہ سے متعلق ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ تو طالب کی رضا اور ناراضگی دونوں سے بے نیاز ہے۔ اور یہ دونوں مقامات اُس کی وحدانیت کے نظارے سے تعلق رکھتے ہیں۔

شیخ مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اور اس کی وضاحت

شیخ مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلصُّوْفِیُّ لَایَسْبِقُ ھِمَّتُہٗ خَطْوَتَہٗ اَلْبَتَّۃَ" "صوفی وہ ہوتا ہے' جس کا قصد اُس کے قدم سے آگے نہ بڑھے"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' اُس کا قصد' اُس کا خیال اور ارادہ ایک جیسی حیثیت کے حامل ہوں' یعنی جس جگہ پر اُس کا دل موجود ہو۔ اُس کا جسم بھی وہیں موجود ہو۔ اور جس جگہ پر اُس کا جسم موجود ہو' اُس کا دل بھی وہیں موجود ہو۔ جہاں اُس کا قدم موجود ہو اور اُس کا قول بھی وہی ہو اور جہاں اس کا قول ہو اُس کا قدم بھی وہیں ہو۔ یہ (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) حضوری کا علامتی نشان ہے۔ ایسی حضوری جس میں غائب ہونے کی صورت میں نہیں پائی جاتی۔

یہ بات اُن لوگوں کے خلاف ہے، جو یہ کہتے ہیں، وہ اپنی ذات سے غائب ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ بات درست نہیں ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے، انسان اپنی ذات کے ساتھ بھی حاضر ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی حاضر ہو، یہی حقیقی ''جمع الجمع'' کا مقام ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے، انسان جب تک اپنے آپ کو دیکھتا رہتا ہے اُس وقت تک وہ اپنی ذات سے غائب ہونے کی کیفیت میں نہیں ہوتا۔ اور جب وہ اپنی ذات پر نظر ڈالنا چھوڑ دیتا ہے، تو وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو جاتا ہے، تو لازمی طور پر وہ حاضری حاصل ہو جاتی ہے، جس میں غائب ہونے کی صورت نہیں پائی جاتی۔

شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں اس بات کی تعریف کی ہے:

اَلصُّوفِیُّ لَا یَرٰی فِی الدَّارَیْنِ مَعَ اللّٰهِ غَیْرَ اللّٰهِ

''صوفی دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھتا''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلے میں انسان کو اپنی ہستی بھی ''غیر اللہ'' کے حکم میں شامل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا، جب صوفی ''غیر اللہ'' کو نہیں دیکھتا، تو وہ اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھتا۔ اور وہ نفی و اثبات میں اپنے آپ سے مکمل طور پر فارغ ہو جاتا ہے۔

تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلتَّصَوُّفُ مَبْنِیٌّ عَلٰی ثَمَانِ خِصَالِ اَلسَّخَاءُ وَالرِّضَاءُ وَالصَّبْرُ وَالْاِشَارَةُ وَالْغُرْبَةُ وَلُبْسُ الصُّوْفِ وَالسِّیَاحَةُ وَالْفَقْرُ اَمَّا السَّخَاءُ فَلِاِبْرَاهِیْمَ وَاَمَّا الرِّضَاءُ فَلِاِسْمَاعِیْلَ وَاَمَّا الصَّبْرُ فَلِاَیُّوْبَ وَاَمَّا الْاِشَارَةُ فَلِزَکَرِیَّا وَاَمَّا الْغُرْبَةُ فَلِیَحْیٰی وَاَمَّا لُبْسُ الصُّوْفِ فَلِمُوْسٰی وَاَمَّا السِّیَاحَةُ فَلِعِیْسٰی وَاَمَّا الْفَقْرُ فَلِمُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِمْ)

''تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔ سخاوت، تقدیر پر رضا، صبر، اشارہ، غریب الوطنی، اونی لباس پہننا، سیر و سیاحت کرنا، فقر''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جہاں تک سخاوت کا تعلق ہے، تو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے، انہوں نے اپنے پروردگار کی رضا کے حصول کے لیے اپنے بیٹے کی قربانی دی۔ جہاں تک رضا کا تعلق ہے، تو وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی جان قربان کر دی۔ جہاں تک صبر کا تعلق ہے، تو وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے، جنہوں نے بیماری کی مصیبت پر صبر کیا، جہاں تک اشارے کا تعلق ہے، تو وہ حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

"اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا" (آل عمران:۴۱)

"تم نے تین دن تک لوگوں کے ساتھ صرف اشارے کے ذریعے کلام کرنا ہے"۔

اور ایسی صورت میں اُس نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے'

"اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا" (مریم:۳) "جب اُس نے اپنے پروردگار کو پست آواز میں پکارا"۔

جہاں تک غریب الوطنی کا تعلق ہے' تو وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیروی میں ہوگی جو اپنے وطن میں رہتے ہوئے غریب الوطن رہے' اور اپنے رشتے داروں سے لاتعلق رہے۔ جہاں تک سیر و سیاحت کا تعلق ہے' تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ متعلق ہوگی کہ وہ ساری عمر تبلیغ کے سلسلے میں سفر کرتے رہے۔ اُن کے پاس کوئی ساز و سامان نہیں تھا۔ صرف ایک پیالہ اور کنگھی تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک شخص کو دونوں ہاتھوں کے ذریعے پانی پیتے دیکھا تھا تو انہوں نے پیالے کو بھی رکھ دیا' پھر ایک مرتبہ انگلیوں کے ذریعے بال سیدھے کرتے دیکھا تو کنگھی بھی رکھ دی (یعنی کسی کو دے دی)' جہاں تک اونی لباس پہننے کا تعلق ہے' تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء میں ہے' کیونکہ وہ ہمیشہ پشمینہ کا لباس پہنتے تھے۔ اور جہاں تک فقر کا تعلق ہے' تو یہ نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں عطاء کر دی تھیں۔ اور یہ ارشاد فرمایا تھا' تم زحمت برداشت مت کرو اور شان و شوکت کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ لیکن آپ نے عرض کی تھی کہ میں یہ نہیں چاہتا (اے میرے پروردگار! میں یہ چاہتا ہوں) تو ایک دن مجھے کھانے کے لیے دے اور دو دن بھوکا رکھے۔

تصوف میں یہ ایک بہترین اصول اور طریقۂ کار ہے۔

شیخ ابوالحسن حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلصُّوْفِيُّ يُوْجَدُ بَعْدَ عَدَمٍ وَلَا يَعْدِمُ بَعْدَ وُجُوْدِهٖ"

"صوفی وہ ہوتا ہے' جب وہ معدوم ہو' تو پایا نہ جائے اور جب موجود ہو تو معدوم نہ ہو"۔

یا اس سے مراد یہ ہے' وہ جس چیز کو پالیتا ہے' اُسے گم نہیں کرتا اور جس چیز کو گم کر دیتا ہے اُسے دوبارہ نہیں پاتا۔

اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے' اُس کا پانا کھونا نہیں ہوتا اور اُس کا کھونا پانے کا امکان نہیں رکھتا۔

لیکن اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے' اثبات ایسا ہے' جو نفی کے بغیر ہو اور نفی ایسی ہے' جو اثبات کے بغیر ہو۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ان سب باتوں کا مطلب یہ ہے' بشریت کی حالت اُس سے ساقط ہو جاتی ہے اور اُس کے جسمانی شواہد ختم ہو جاتے ہیں۔ موجودات کے ساتھ اُس کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' بشریت کا راز اُسی شخص پر کھلتا ہے' جو اپنے تمام منتشر خیالات سے نجات حاصل کر لے اور وہ اپنی ہی ذات کے ساتھ قیام حاصل کرے۔

یہ خصوصیت دو پیغمبروں میں ظاہر ہوئی تھی۔

ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام سے' اُن کے وجود میں عدم نہیں تھا اور انہوں نے یہ عرض کی تھی:

"رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ" (طٰہٰ:۲۵)

"اے میرے پروردگار! تو میرے لیے میرے سینے کو کشادہ کردے اور میرے معاملے کو آسان کردے"۔

دوسرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اُن کے عدم میں وجود نہیں تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الانشراح:۱) "ہم نے تمہارے لیے تمہارے سینے کو کشادہ نہیں کردیا؟"

ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے انہوں نے آرائش وزینت کو طلب کیا تھا اور دوسرے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ انہیں کسی درخواست کے بغیر اس سے آراستہ کردیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے خود اُن کے بارے میں چاہا (کہ ایسا ہو جائے)۔

شیخ صیرفی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تصوف کی تعریف

شیخ علی بن بندار صیرفی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلتَّصَوُّفُ اِسْقَاطُ الرُّؤْيَةِ لِلْحَقِّ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا"

"تصوف یہ ہے' انسان اپنے ظاہر اور باطن کو حق تعالیٰ کی خاطر نہ دیکھے (یعنی اس کی توجہ صرف حق تعالیٰ کی طرف مبذول ہو)"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' انسان دیکھے تو حق تعالیٰ ہی کو دیکھے کیونکہ اگر وہ ظاہر کو دیکھے گا' تو اُسے ظاہر میں اللہ تعالیٰ کی توفیق کی نشانیاں نظر آئیں گی اور جب وہ غور کرے گا' تو اس کے ظاہری معاملات کی حیثیت توفیق الٰہی کے مقابلے میں مچھر کے پَر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتی ہوگی' تو ایسی صورت میں وہ ظاہر کے معاملات کو ترک کردے اور جب آدمی باطن کی طرف توجہ کرے گا' تو باطن پر اللہ تعالیٰ کی تائید کے نشان کو پائے گا اور جب غور سے دیکھے گا' تو اُسے پتہ چلے گا کہ باطن کے معاملات تائید الٰہی کے مقابلے میں ایک ذرّے کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے ہیں' تو وہ شخص باطن کو بھی ترک کردے گا' تو جب اس کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف مبذول ہوگی' تو اس وقت وہ اپنی ذات کی طرف نہیں دیکھ سکے گا۔

شیخ مقری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تصوف کی تعریف

شیخ محمد بن احمد مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلتَّصَوُّفُ اِسْتِقَامَةُ الْاَحْوَالِ مَعَ الْحَقِّ"

"تصوف یہ ہے' آدمی کی حالت حق تعالیٰ کے ساتھ استقامت کی شکل میں ہو"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' کسی بھی طرح کی صورتِ حال صوفی کو اصل حالت سے پھیر نہیں سکتی' اور ٹیڑھے راستے پر نہیں ڈال سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے' جس شخص کا دل احوال کو پھیرنے والی ذات (اللہ تعالیٰ) کے قبضے میں ہو' حالات کی تبدیلی اُسے استقامت کے مرتبے سے ہٹا نہیں سکتی اور حق کے قرب سے محروم نہیں کرسکتی۔

تیسری فصل

تصوف کے معاملات

تصوف آداب کا نام ہے

معاملات کے بارے میں شیخ ابوحفص نیشاپوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ کُلُّہٗ آدَابٌ لِکُلِّ وَقْتٍ اَدَبٌ وَلِکُلِّ مَقَامٍ اَدَبٌ وَلِکُلِّ حَالٍ اَدَبٌ فَمَنْ لَزِمَ الْآدَابَ الْاَوْقَاتِ بَلَغَ مَبْلِغَ الرِّجَالِ وَمَنْ ضَیَّعَ الْاٰدَابَ فَھُوَ بَعِیْدٌ مِنْ حَیْثُ یُظَنُّ الْقُرْبُ وَمَرْدُوْدٌ مِنْ حَیْثُ یُظَنُّ الْقُبُوْلُ

''تصوف مکمل طور پر آداب کا نام ہے' ہر وقت کے لیے مخصوص آداب ہیں' ہر مقام کے لیے مخصوص آداب ہیں' ہر حالت کے لیے مخصوص آداب ہیں' تو جو شخص اوقات کے حساب سے ان آداب کو لازم کر لیتا ہے وہ کاملین کے مرتبے تک پہنچ جاتا ہے اور جو شخص ان آداب کا خیال نہیں رکھتا تو وہ قرب حاصل کرنے کے گمان سے بھی دور ہو جاتا ہے اور مقبول ہونے کے گمان سے بھی (دور ہو کے) مردود ہو جاتا ہے''۔

تصوف رسومات کا نام نہیں ہے

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لَیْسَ التَّصَوُّفُ رُسُوْمًا وَلَا عُلُوْمًا وَلٰکِنَّہٗ اَخْلَاقٌ''

''تصوف رسم ورواج یا علوم کا نام نہیں ہے' بلکہ یہ اخلاق کا نام ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' اگر تصوف رسوم کا نام ہوتا تو اُسے مجاہدے کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا اور اگر یہ محض علم ہوتا تو سیکھنے اور پڑھنے سے حاصل ہو جاتا' لیکن یہ تو فاضل اخلاق کا نام ہے' جب تک انہیں اپنے اندر پیدا نہ کیا جائے اور ان کے ذریعے اپنی ذات کی اصلاح نہ کی جائے' اُس وقت تک تصوف حاصل نہیں ہوگا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) رسوم اور اخلاق کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے' رسوم اُن افعال کو کہا جاتا ہے' جو تکلف کے ساتھ اور اسباب کے تحت ادا ہوتے ہیں۔

اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے' کوئی انسان بظاہر ایک کام کر رہا ہو لیکن اُس کا باطن اس کے ساتھ مطابقت نہ رکھتا ہو۔

اسی طرح رسم ایک ایسا فعل ہے' جو معانی سے خالی ہوتا ہے۔

جبکہ اخلاق اُس فعل کو کہتے ہیں' جو لائق تعریف ہوتا ہے اور کسی محنت اور تکلف کے بغیر انسان سے صادر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں انسان کا ظاہر اس کے باطن سے موافق ہوتا ہے اور اس میں کسی بھی قسم کا دعویٰ نہیں ہوتا۔

شیخ مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلتَّصَوُّفُ حُسْنُ الْخُلُقِ" "تصوف اچھے اخلاق کا نام ہے"۔

اس کی تین صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ انسان ریا کاری کے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرے۔

دوسرا یہ کہ انسان مخلوق میں سے بڑوں کا احترام کرے، چھوٹوں پر شفقت کرے اور اپنے ہم مرتبہ لوگوں کے ساتھ مساوات اور انصاف کے سلوک کرے اور اپنے اس حسن سلوک کے بدلے میں کسی شخص سے کسی بدلے یا معاوضے کا طلب گار نہ ہو۔

تیسری چیز یہ ہے، انسان شیطان اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرے۔

جو شخص ان چیزوں سے اپنے آپ کو آراستہ کرے گا، اس کا شمار نیک لوگوں میں ہونے لگا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے جو یہ بیان کیا ہے، یہ اُس حدیث کے مطابق ہے، جس میں یہ بات منقول ہے: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا: ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں کچھ بتائیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: تم قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ لو:

" خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ" (الاعراف:۱۹۹)

"تم معاف کرنے کو اختیار کرو، بھلائی کا حکم دو اور جاہل لوگوں سے اعراض کرو"۔

شیخ مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"هٰذَا مَذْهَبٌ كُلُّهُ جِدٌّ فَلَا تُخَالِطُوْهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الْهَزْلِ"

"یہ طریقہ کار مکمل طور پر سنجیدگی کا نام ہے، تم اس میں کسی ہنسی مذاق کو شامل نہ کرو"۔

اس سے مراد یہ ہے، تم لوگ اسے رسم پرست لوگوں کے ساتھ نہ ملاؤ اور ان کی تقلید کرنے سے گریز کرو۔

جب لوگوں نے اہل زمانہ کو اور ان صوفیوں کو دیکھا کہ وہ ناچتے گاتے ہیں، بادشاہوں کے دربار تک آتے جاتے ہیں، روٹی کے ٹکڑوں اور لباس کے چیتھڑوں کی خاطر لڑتے جھگڑتے ہیں، تو وہ سب صوفیاء سے بدگمان ہو گئے، انہوں نے یہ سوچا کہ شاید تصوف اور طریقت کی حقیقت یہی کچھ ہے، اور شاید پہلے زمانے کے بزرگ بھی اسی طرح کے ہوا کرتے تھے، اُن لوگوں نے یہ غور نہیں کیا کہ یہ زمانہ سستی اور آزمائش کا زمانہ ہے، لالچ نے اس زمانے میں بادشاہوں کو ظلم میں مبتلا کر دیا ہے، نفسانی خواہشات نے علماء کو فسق میں مبتلا کر دیا ہے۔

ریا کاری نے زاہدوں کو نفاق میں مبتلا کر دیا ہے اور شیطانی خواہشات نے صوفیوں کو رقص میں مبتلا کر دیا ہے۔

تصوف کے اصول خراب نہیں ہو سکتے

یہ بات ذہن نشین رکھیں' طریقت کے ساتھ تعلق (کے دعویدار) لوگ تو تباہ ہو سکتے ہیں لیکن طریقت کے اصول خراب نہیں ہو سکتے' اسی طرح یہ بات بھی ہمیشہ ذہن میں رکھیں' کچھ بے ہودہ لوگ سنجیدہ لوگوں کی آڑ میں اپنی بے ہودگی کو چھپانے کی کوشش کریں تو اس سے سنجیدہ لوگوں کی معقول روش کو بے ہودہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

شیخ بوعلی قزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اَلتَّصَوُّفُ هُوَ الْاَخْلَاقُ الرَّضِيَّةُ'' ''تصوف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' تصوف پسندیدہ اخلاق اور اعلیٰ کردار کا نام ہے اور اعلیٰ کردار یہ ہے' ہر لحاظ سے اچھے کردار کا مظاہرہ کرے' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی پسند کے مطابق زندگی بسر کرے' اس کی تقدیر پر راضی ہو۔

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ هُوَحُرِيَّةٌ وَالْفَتوَةُ وَترکُ التَّكَلُّفِ وَالسَّخَا''

''تصوف' آزادی' جواں مردی' تکلف ترک کرنے' سخاوت کرنے کا نام ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) آزادی سے مراد یہ ہے' تصوف ایک ایسی آزادی ہے' جس کے ذریعے انسان خواہشِ نفس اور لالچ کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ تصوف ایسی جواں مردی ہے' جس کی مدد سے انسان شہوانی طاقت پر قابو حاصل کر لیتا ہے۔ یہ ایک ایسا ترکِ تکلف ہے' جس کے نتیجے میں انسان اپنے نصیب اور متعلقات سے بے فکر ہو جایا کرتا ہے اور یہ ایک ایسی سخاوت ہے' جس کے نتیجے میں انسان دنیا کو اہلِ دنیا کے حوالے کر دیتا ہے۔

اب صرف تصوف کا نام باقی رہ گیا ہے

شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اَلتَّصَوُّفُ الْيَوْمَ اِسْمٌ بِلَا حَقِيْقَةٌ وَقَدْ كَانَ مِنْ قَبْلُ حَقِيْقَةً بِلَا اِسْمٍ''

''آج کل تصوف کا نام رہ گیا ہے' اس کی حقیقت نہیں ہے' پہلے زمانے میں حقیقت ہوا کرتی تھی اور نام کوئی نہیں تھا''۔

اس سے مراد یہ ہے' صحابہ کرام اور صالحین کے زمانے میں صوفی کا نام استعمال نہیں ہوتا تھا' لیکن اس کی حقیقت ہر شخص میں موجود تھی اور اب صرف اس کا نام باقی رہ گیا ہے' لیکن اس کا معنی موجود نہیں رہا ہے۔ پہلے زمانے سے تعلق رکھنے والے صوفیاء کے معاملات کو سب جانتے تھے' لیکن کوئی بھی شخص صوفی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا کرتا تھا' لیکن اب آپ کو تصوف کا دعویٰ کرنے والے عام مل جائیں گے' لیکن ان میں سے کسی کو بھی تصوف کے معاملات کے بارے میں پتہ نہیں ہوتا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے اپنی اس کتاب میں مشائخ کے اقوال کی تحقیق اور تفصیل کو شامل کر دیا ہے تا کہ

تمہارے سامنے طریقت کا راستہ پوری طرح سے واضح ہو جائے اور تم تصوف کا انکار کرنے والوں سے یہ دریافت کر سکو، تصوف کے انکار سے تمہاری مراد کیا ہے؟ اگر وہ صرف نام کا انکار کرتے ہیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ہر نام اپنے مسمّٰی سے الگ ہوتا ہے اور اگر وہ تصوف کے اصل معنی اور حقیقت کا انکار کرتے ہیں، تو گویا وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی شریعت اور آپ ﷺ کے پسندیدہ مبارک خصائل کا انکار کرتے ہیں۔

میں تمہیں اس کتاب میں اس بات کی وصیت کرتا ہوں! تم نے اس کا پورا خیال رکھنا ہے اور اس بارے میں انصاف سے کام لینا ہے، تصوف کا دعویٰ نہیں کرنا اور صوفیاء کے ساتھ حسن اعتقاد رکھنا ہے۔

باقی توفیق، اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

پانچواں باب:

گدڑی پہننا

پہلی فصل: گدڑی صوفیاء کا علامتی نشان ہے

صوفیاء کی مخصوص علامت گدڑی پہننا ہے اور وہ سنت کی پیروی میں ایسا کرتے ہیں' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"عَلَيْكُمْ بِلُبْسِ الصُّوْفِ تَجِدُوْنَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ فِيْ قُلُوْبِكُم"*

"تم اُونی لباس پہنا کرو' تمہیں اپنے دلوں میں ایمان کی حلاوت محسوس ہوگی"۔

ایک صحابی نے یہ بات بیان کی ہے:

كَانَ النَّبِيُّ يَلْبَسُ الصُّوْفَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ**

"نبی اکرم ﷺ اُونی لباس پہن لیا کرتے تھے اور گدھے پر سواری کرلیا کرتے تھے"۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا تھا:

"لَا تُضَيِّعِي الثَّوْبَ حَتّٰى تُرَقِّعِيْهِ"***

"تم اپنے کپڑے کو اس وقت تک ضائع نہ کرو جب تک اُس پر پیوند نہ لگالو"۔

*المستدرك على الصحيحين للحاكم' كتاب الايمان' واما حديث معمر' حديث:76 شعب الايمان للبيهقي' التاسع والثلاثون من شعب الايمان' فصل فيمن اختار التواضع في اللباس' حديث:5866

**المستدرك على الصحيحين للحاكم' كتاب الايمان' واما حديث سمرة بن جندب' حديث:188 السنن الكبرى للبيهقي' كتاب الصلاة' جماع ابواب الصلاة بالنجاسة وموضع الصلاة من مسجد وغيره' باب ما يصلى عليه وفيه من صوف او شعر' حديث:3899 مسند الطيالسي' احاديث النساء' وما اسند انس بن مالك الانصاري' الافراد' حديث:2248 البحر الزخار مسند البزار' اول حديث ابى موسى' حديث:2677 شعب الايمان للبيهقي' التاسع والثلاثون من شعب الايمان' فصل فيمن اختار التواضع في اللباس' حديث:5867

***المستدرك على الصحيحين للحاكم' كتاب الرقاق' حديث:7938 جامع ترمذي' الذبائح' ابواب اللباس' باب ما جاء في ترقيع الثوب' حديث:1748 المعجم الاوسط للطبراني' باب العين' باب الميم من اسمه : محمد' حديث:7138 شعب الايمان للبيهقي' التاسع والثلاثون من شعب الايمان' فصل فيمن اختار التواضع في اللباس' حديث:5894

لباس کے بارے میں سلف صالحین کا طرزِ عمل

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' آپ نے ایک بار ایسا لباس پہنا ہوا تھا جس پر تیس پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

''بہترین لباس وہ ہے' جو پہننے والے کو کم تکلیف دے''۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں یہ بات منقول ہے' آپ ایسا لباس پہنا کرتے تھے جس کی آستینیں انگلیوں تک ہوتی تھیں اور اگر کبھی آپ کے پاس پہننے کے لیے ایسا لباس آیا جس کی آستینیں لمبی ہوں تو آپ آستین کے زائد حصے کو کاٹ دیا کرتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت متوسط درجے کا کپڑا استعمال کیا کرتے تھے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ'' (المدثر:۴) ''اور تم اپنے کپڑے کو پاک کرو''۔

اَیْ فَقَصِّرْ اس سے مراد یہ ہے' اگر وہ لمبا ہو' تو اسے کاٹ دو۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بیان کی ہے' میں نے غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے ستر صحابہ کرام کی زیارت کی ہے' جو اُونی لباس پہنا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی عام استعمال میں اُونی لباس پہنا کرتے تھے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بھی بیان کی ہے: میں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اُونی لباس پہنے ہوئے دیکھا ہے' جس پر بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضرت عمر' حضرت علی رضی اللہ عنہما' حضرت ہرم بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ان حضرات نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو پیوند لگا ہوا اُونی لباس پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

حسن بصری' مالک بن دینار اور سفیان (رحمۃ اللہ علیہم) یہ تمام حضرات گدڑی پہنا کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بات منقول ہے۔

اس روایت کو شیخ ابوعبداللہ محمد بن علی ترمذی نے اپنی کتاب ''تاریخ المشائخ'' میں نقل کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آغاز میں اُونی لباس پہنا کرتے تھے اور گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے تھے' ایک مرتبہ انہیں خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوحنیفہ! گوشہ نشینی اختیار نہ کرو' تمہارا لوگوں کے درمیان

رہنا ضروری ہے' اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے میرے طریقے اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔

اُس کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے گوشہ نشینی کے ارادے کو ترک کیا' تاہم اس کے بعد انہوں نے کوئی قیمتی لباس نہیں پہنا۔

داؤد طائی کے بارے میں یہ بات منقول ہے' وہ ہمیشہ اُونی لباس پہنا کرتے تھے اور ان کا شمار حقیقت تک پہنچ جانے والے صوفیاء میں کیا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو خراجِ تحسین

ایک مرتبہ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' اس وقت انہوں نے گدڑی پہنی ہوئی تھی' وہاں موجود لوگوں نے ان کی طرف حقارت سے دیکھا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ ابراہیم بن ادھم ہیں' جو ہمارے سردار ہیں' تو حاضرین نے ایک دوسرے سے کہا: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ سچ بات کہتے ہیں' تو ابراہیم بن ادھم سردار کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور وہ اس مرتبے پر کس طرح فائز ہوئے' تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ابراہیم بن ادھم نے اپنے پروردگار کو ہمیشہ یاد رکھا' اس کی برکت کی وجہ سے اُنہیں یہ مقام ملا ہے' جبکہ ہم صرف اپنے کاموں میں مصروف ہیں' اس لیے وہ ہمارے سردار بن گئے ہیں۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اگر ہمارے موجودہ زمانے میں دنیادار لوگ محض گدڑی پہن کر عوام میں عزت حاصل کرنا چاہیں اور حقیقت میں اُن کا دل ان کے لباس کے ساتھ موافقت نہ رکھتا ہو' تو بھی ٹھیک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' لشکر میں دشمن کو للکارنے والا جنگ کا فاتح ایک ہی شخص ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح ہر گروہ میں محققین کم ہوتے ہیں' کیونکہ ان سب کی نسبت ایک ہی چیز کی طرف ہوتی ہے اور وہ سب لوگ اسی ایک چیز کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اور اگر کسی ایک حکم میں بھی انسان محققین کی پیروی کر لیتا ہے' تو وہ اُن میں شمار ہو جاتا ہے' کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" *

* سنن ابی داود' کتاب اللباس' باب فی لبس الشهرة' حدیث:3530سنن سعید بن منصور' کتاب الجهاد' باب من قال الجهاد ماض' حدیث:2193مصنف ابن ابی شیبة' کتاب فضل الجهاد' ما ذکر فی فضل الجهاد والحث علیه' حدیث:19006مشکل الآثار للطحاوی' باب بیان مشکل ما روی عن رسول الله علیه السلام فی حدیث:198مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بنی هاشم' مسند عبد الله بن عمر رضی الله عنهما' حدیث:4964مسند عبد بن حمید' احادیث ابن عمر' حدیث:849البحر الزخار مسند البزار' ابو عبیدة بن حذیفة عن ابیه' حدیث:2568المعجم الاوسط للطبرانی' باب العین' من بقیة من اول اسمه میم من اسمه موسی حدیث:8490مسند الشهاب القضاعی' من تشبه بقوم فهو منهم' حدیث:372شعب الایمان للبیهقی' الثالث عشر من شعب الایمان' حدیث:1199

''جو شخص کسی گروہ کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا' وہ اُن میں سے ایک شمار ہوگا''۔

لیکن ایک گروہ ان لوگوں کی رسوم اور ظاہری معاملات کی طرف دیکھتا ہے' جبکہ دوسرا گروہ ان کی باطنی صفائی کی طرف توجہ کرتا ہے۔

صوفیاء کے ساتھ کی چار صورتیں

مختصر یہ ہے' جب لوگ صوفیاء کے ساتھ رہنے کا ارادہ کرتے ہیں' تو ان کی چار صورتیں ہوتی ہیں۔

ایک گروہ ایسا ہوتا ہے' جو اُن کی باطنی صفائی' ظاہر کی روشنی' طبیعت کی لطافت' مزاج کے اعتدال اور جسمانی صحت کے ساتھ ان کے باطنی اسرار کو بھی پیش نظر رکھتا ہے' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن صوفیاء کے قرب اور ان کی عظمت شان کو دیکھتے ہیں' اور اس حد تک اُن کے مرید ہو جاتے ہیں' بصیرت کی بنیاد پر اُن کے ساتھ وابستگی پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کی کیفیت آغاز میں احوال کے کشف اور نفسانی خواہشات سے دور رہنے کی ہوتی ہے۔

لوگوں کا دوسرا گروہ' وہ ہے' جنہیں جسم کی درستگی' دل کی پاکیزگی اور ذہن کا سکون صوفیاء کے ظاہر میں نظر آتا ہے' یہ لوگ شریعت کی مسلسل پیروی کرتے رہتے ہیں۔ اسلام کے آداب کی حفاظت کرتے ہیں' صوفیاء کے معاملات کی خوبی کو دیکھتے ہیں' تو ان کے ساتھ رہنے کا ارادہ کرتے ہیں اور اپنے احوال کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں' ان لوگوں کے اعمال کا آغاز مجاہدے کے ساتھ اور معاملات کی بہتری کے ساتھ ہوتا ہے۔

تیسرا گروہ وہ ہے' جن میں انسانی مروّت' ہم نشینی اور حسن سیرت صوفیاء کی وجہ سے پیدا ہوا کرتا ہے' یہ لوگ صوفیاء کی ظاہری زندگی کو دیکھتے ہیں' وہ کس طرح حوصلے اور مروّت سے آراستہ ہوتے ہیں' بزرگوں کا احترام کرتے ہیں' چھوٹوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں' اپنے ہم عصر لوگوں کے ساتھ بہترین روّیہ اختیار کرتے ہیں' یہ لوگ زیادہ نعمتوں کے حصول کی خواہش سے لاتعلق ہوتے ہیں' تو لوگوں کا یہ گروہ قناعت کے ساتھ صوفیاء کے ساتھ رہنے کا قصد کرتا ہے' یہ لوگ جدوجہد کرنے اور دنیا کی طلب کرنے کی زحمت کو اپنے اوپر آسان کر لیتے ہیں اور آسانی کے ساتھ خود کو ان لوگوں کے گروہ میں شامل کر لیتے ہیں۔

چوتھا گروہ وہ تھا جس کی فطرت میں کاہلی اور نفس میں سرکشی پائی جاتی تھی' وہ کسی بھی وسیلے اور ذریعے کے بغیر دنیا میں سرداری حاصل کرنا چاہتے تھے' وہ کسی فضیلت کے بغیر صدر نشین بننا چاہتے تھے اور علم نہ ہونے کے باوجود خاص اور ممتاز بننا چاہتے تھے۔

اس مقصد کے لیے انہوں نے جب صوفیاء کے احوال کی طرف توجہ دی' تو وہ یہ سمجھے کہ تصوف میں صرف ظاہری حالت ہی ہوا کرتی ہے' اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے' اسی خیال کے تحت انہوں نے اولیاء کی صحبت اختیار کی۔ اولیاء کرام نے ان لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق' کرم نوازی اور نرمی کا برتاؤ کیا اور ان کے ساتھ درگزر کرتے رہے' ان کے ساتھ زندگی گزارتے

رہے۔

وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں' کیونکہ اس گروہ کا دل حق اور صداقت سے بے بہرہ ہوتا ہے' ان کے جسم طریقت کی طلب میں جدوجہد کے آثار سے محروم ہوتے ہیں' لیکن ان کی خواہش یہ ہوتی ہے' دوسرے لوگ ان کا اُسی طرح احترام کریں جیسے اہل طریقت کا کیا کرتے ہیں' اُن سے اسی طرح مرعوب رہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں سے مرعوب رہتے ہیں' یہ لوگ یہ چاہتے تھے' ان صوفیاء کے ساتھ رہ کر اپنی بُرائیوں کو ان صوفیاء کی اچھائیوں میں ہی چھپالیں۔ ان کا لباس پہنیں' لیکن اُن کا بے عملی کا یہ لباس ان کے اس جھوٹ پر فریاد کرتا ہے اور قیامت کے دن یہ دھوکے کا لباس شمار ہوگا اور غرور کی پوشاک شمار ہوگا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الجمعہ:۵)

''وہ لوگ جن پر تورات (پر عمل کرنے) کا بوجھ ڈالا گیا اور پھر وہ اُسے نہیں اُٹھا سکے' ان کی مثال اُس گدھے کی طرح ہے' جو کتابیں اُٹھائے ہوئے ہوتا ہے' ان لوگوں کی مثال بہت بُری ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا' اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ہمارے آج کے زمانے میں اس طرح کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہے' اس لیے اُن پر یہ لازم ہے' جو چیز تمہاری ملکیت نہ ہو' تم اُس کا قصد نہ کرو' کیونکہ اگر تم طریقت کو قبول کرنے کا ایک ہزار مرتبہ بھی ارادہ کرو گے' تو طریقت تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی قبول نہیں کرے گی' طریقت کا مطلب صرف گدڑی پہننا نہیں ہوتا' اس کے لیے سینے میں سوز ہونا ضروری ہے' جب کوئی شخص طریقت سے آشنا ہو جایا کرتا ہے' تو اس کا امیرانہ لباس بھی گدڑی بن جایا کرتا ہے اور جب کوئی شخص طریقت سے بیگانہ ہوتا ہے' تو اس کی گدڑی بھی قیامت کے دن اس کی بدبختی کا لباس ہو گی اور بدقسمتی کا فرمان ہوگی۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک بزرگ سے لوگوں نے دریافت کیا:

''لِمَ لَا تَلْبَسِ الْمُرَقَّعَةَ قَالَ مِنَ النِّفَاقِ اَنْ تَلْبَسَ لِبَاسُ الْفِتْيَانِ وَلَا تَدْخُلُ فِيْ حَمْلِ اَثْقَالِ الْفُتُوَّةِ''

''آپ گدڑی کیوں نہیں پہنتے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ بات منافقت ہے' آپ جواں مردوں کا سا لباس پہن لیں لیکن جواں مردی کا بوجھ اُٹھانے کے لیے تیار نہ ہوں''۔

اس لیے اگر تم یہ لباس اس لیے پہنتے ہو' اللہ تعالیٰ تمہیں پہچان لے کہ تم اس کے خاص بندے ہو' تو اللہ تعالیٰ اس لباس

کے بغیر بھی پہچان سکتا ہے اور اگر تم یہ لباس اس لیے پہنتے ہو' تا کہ تم لوگوں کے سامنے یہ بات ظاہر کر دو کہ تم اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہو' تو اگر تم واقعی اللہ کے خاص بندے ہو' تو یہ چیز ریاکاری ہوگی اور درحقیقت اگر تم اللہ کے خاص بندے نہیں ہو' تو پھر یہ بہت بڑی منافقت ہوگی۔ اس لیے یہ راستہ بہت دشوار اور خطرناک ہے' جو لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں' وہ لوگ مرتبہ و مقام کی شہرت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ (کہا جاتا ہے)

"اَلصَّفَا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اِنْعَامٌ وَ اِکْرَامٌ وَالصُّوْفُ مِنْ لِبَاسِ الْاَنْعَامِ"

"باطن کی صفائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہوتی ہے' جبکہ اُونی لباس جانوروں کا لباس ہے"۔

ظاہرداری کی مذمت

یعنی ظاہری حلیہ اختیار کرنا ایک اعتبار سے حیلہ اور فریب دینے کے مترادف ہے' کچھ لوگ ظاہری صورت کی آرائش کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے کی ایک تدبیر کی کوشش قرار دیتے ہیں اور وہ اس لیے صوفیاء کا لباس پہن لیتے ہیں' اپنے ظاہر کو آراستہ کر لیتے ہیں' تا کہ انہیں بھی بزرگوں میں شمار کیا جائے' اس طریقے کے مشائخ نے اپنے مریدوں کو یہ حکم دیا ہے' وہ گدڑی پہنا کریں' انہوں نے خود بھی ایسا کیا ہے تا کہ لوگوں کے درمیان اُن کی شناخت ہو جائے اور لوگ اُن کے پاسبان بن جائیں۔ تا کہ ان میں سے کوئی ایک شخص اگر کوئی ایک قدم بھی شریعت کے خلاف اُٹھائے' تو لوگ انہیں طعنے دیں اور اگر وہ یہ لباس پہن کر کسی بُرائی کا ارتکاب کرنا چاہیں' تو لوگوں کی شرم کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکیں۔

مختصر یہ کہ گدڑی خدائے بزرگ و برتر کے اولیاء کی زینت ہے' عوام کو اس کے ذریعے عزت حاصل ہوتی ہے' جبکہ خواص اس کے ذریعے ظاہری طور پر ذلیل ہو جاتے ہیں۔

عوام کی عزت یوں ہوتی ہے' جب وہ اس طرح کا لباس پہن لیں تو دوسرے لوگ ان کا احترام کرنے لگتے ہیں اور خواص کو ایک اعتبار سے ذلت یوں ہوتی ہے' جب وہ یہ لباس پہن لیتے ہیں' تو لوگ انہیں عوام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور انہیں اس بات پر ملامت کرتے ہیں۔

اَلنِّعَمُ لِلْعَوَامِ وَجُوْشِنَ الْبَلَاءِ لِلْخَوَاصِ

"اس لیے یہ عوام کے لیے نعمت کا لباس ہے اور خواص کے لیے مصیبت میں بچاؤ کا ذریعہ (یعنی زرہ) ہے"۔

عوام اس کے لیے اسی وجہ سے بے قرار ہوتے ہیں' جب اُن کی رسائی کسی اور کام تک نہیں پہنچ سکتی تو دنیاوی مرتبہ و مقام کے حصول کے لیے انہیں کوئی اور وسیلہ سمجھ نہیں آتا' جس کے ذریعے وہ سرداری حاصل کر سکیں اور دنیا کی نعمتیں اکٹھی کرنے کا سبب بنا سکیں' جبکہ خواص سرداری کو ترک کر دیتے ہیں' وہ عزت کی جگہ ظاہری ذلت کو اختیار کر لیتے ہیں' اس لیے گدڑی اُن کے لیے مصیبت ہوتی ہے' جبکہ عوام کے لیے یہ نعمت ہوتی ہے۔

(مقولہ ہے:)

اَلْمُرَقَّعَةُ قَمِيْصُ الْوَفَاءِ لِاَهْلِ الصَّفَاءِ وَسِرْبَالُ السُّرُوْرِ لِاَهْلِ الْغُرُوْرِ

''گدڑی اہل صفا کے لیے وفا کی قمیص ہے اور دھوکے بازوں کے لیے خوشی کا لباس ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی اہل صفا گدڑی پہن کر دونوں جہانوں سے لاتعلق ہو جاتے ہیں' اپنی پسندیدہ چیزوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں' جبکہ دھوکے باز لوگ گدڑی پہننے کے نتیجے میں حق سے حجاب میں آ جاتے ہیں اور اپنی اصلاحِ احوال سے باز رہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ گدڑی سب کے لیے بہتری اور کامیابی کا علامتی نشان ہے' اس کے ذریعے سب کی مرادیں پوری ہو جاتی ہیں' ایک گروہ کو اس کے ذریعے صفاءِ باطن نصیب ہوتی ہے' دوسرے کو نعمت مل جاتی ہے' ایک حجاب میں رہتا ہے' دوسرے کو راحت وصول کرنے کا بچھونا مل جاتا ہے' ویسے مجھے ذاتی طور پر یہ اُمید ہے' اچھے روّیے اور باہمی محبت کی وجہ سے یہ سب لوگ نجات پا لیں گے۔

نیک نیّتی سے ظاہری مشابہت اختیار کرنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مَعَهُمْ'' ''جو شخص کسی قوم کے ساتھ محبت رکھتا ہے' وہ ان کے ساتھ ہوگا''۔

لیکن اس کے لیے یہ بات بہت ضروری ہے' آپ کا باطن حق کی تلاش میں ہو' رسوم سے منہ نہ موڑیں' کیونکہ جو شخص صرف ظاہر پر اکتفاء کرتا ہے وہ کبھی حق کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ بات بھی آپ جان لیں! بشریت کا وجود ربوبیت کے لیے حجاب ہوتا ہے' انسان بشر بنے بغیر اپنے پروردگار تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہ حجاب حالات کی گردش اور تصوف کے مقامات میں ترقی کے بغیر ختم نہیں ہو سکتا۔ باطن کی صفائی کا مطلب یہ ہے' دوسری صفات فنا ہو جائیں اور جو شخص فنا ہو جاتا ہے' اس کے لیے صفت کا اختیار کرنا ممکن نہیں رہتا' تکلف کے ساتھ خود کو آراستہ کر لینا کوئی کمال نہیں ہوتا' تو جس شخص کی صفات کا فانی ہو جانا ظاہر ہو جائے اور اس کی فطرت جسمانی خرابی اور آفت سے دور ہو جائے تو اب آپ اُسے صوفی کہیں یا نہ کہیں' اس کے لیے یہ دونوں چیزیں برابر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

دوسری فصل: خرقہ پوشی کی شرائط

گدڑی پہننے کے لیے یہ شرط ہے' اسے ہلکا ہونا چاہیے' جس میں آسانی اور فراغت کے پہلو کو پیش نظر رکھا جائے۔ گدڑی کی اصل باقی ہونی چاہیے' اس کے بعد اگر وہ کہیں سے پھٹ جاتی ہے' تو اس پر پیوند لگایا جا سکتا ہے۔

اکابر صوفیاء نے اس بارے میں دو نکتے بیان کیے ہیں' بعض حضرات کا کہنا ہے' پیوند لگاتے ہوئے کسی بھی ترتیب کا خیال رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ جہاں سے بھی سوئی کی نوک باہر نکلتی ہو' اسے باہر نکال لیں' اس میں کسی تکلف سے کام نہ لیا جائے۔

جبکہ دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے' گدڑی سینے میں ترتیب کا خیال رکھنا اور سیدھے طریقے سے سینا ضروری ہے' گدڑی سینے میں ترتیب کا خیال رکھنا اور اسے سیدھے طریقے سے سینا تکلف کے ساتھ سیدھا سینا' فقر کے معاملات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور معاملات کا درست ہونا ہی ان کی اصلیت کی دلیل ہے۔

ایک طوسی بزرگ کا قول اور سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے طوس میں ایک عظیم بزرگ شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: درویش کے پاس سب سے کم کیا چیز ہونی چاہیے جس کی بنیاد پر یہ مناسب ہو' کہ اسے فقیر کا نام دیا جا سکے؟ تو انہوں نے فرمایا: درویش کے پاس تین چیزیں ہونی چاہئیں اس سے کم ہونا مناسب نہیں ہے: ایک یہ کہ اسے سیدھا پیوند لگانا آتا ہو' دوسرا یہ کہ وہ سچی بات سن سکتا ہو اور تیسرا یہ کہ وہ پاؤں سیدھے اور صحیح انداز میں رکھتا ہو۔

اس وقت ان کے پاس دوسرے درویش بھی موجود تھے' جب ہم لوگ وہاں سے اُٹھ کر دروازے تک آئے تو وہ لوگ شیخ کے اس جواب کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ ان میں بعض ناواقف لوگوں نے اس کی تشریح کرتے ہوئے یہ بات بیان کی: فقر سے اصل مراد یہی ہے' ظاہری طور پر آدمی پیوند درست لگا سکتا ہو' اور زمین پر پاؤں درست طریقے سے رکھے' اور ہر بندہ یہی سمجھتا ہے' وہ سچی بات سننا جانتا ہے۔ میں کیونکہ دل سے اُس بزرگ کا احترام کرتا تھا' اس لیے میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کے جواب کو یوں خاک میں ملا دیا جائے۔ میں نے اُن دوسرے درویشوں سے کہا' آؤ! ہم سب اس بارے میں اپنے اپنے مؤقف کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن سب نے اپنی' اپنی وضاحت کی' جب میری باری آئی تو میں نے یہ کہا' درست پیوند لگانے سے مراد یہ ہے' جسے فقر کے حوالے سے سیا جائے۔ زینت کے لیے نہ سیا جائے۔ اگر آدمی فقر کے حوالے سے سیتا ہے' تو سلائی درست ہوگی۔ سچی بات کو سننے کا مقصد یہ ہے' آدمی اُسے زبانی طور پر نہ سنے بلکہ حال کے ساتھ سنے اور اُس میں تصرف کرنے کے لیے حالات اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرے' بے ہودگی کے ساتھ ایسا نہ کرے۔ بات کو دل سے سمجھے صرف عقل کے ساتھ نہ سمجھے اور پاؤں درست رکھنے کا مقصد یہ ہے' لہو ولعب کے طور پر زمین پر پاؤں نہ مارے بلکہ وجد کی حالت میں مارے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میری یہ بات کسی نے اُس بزرگ تک پہنچا دی تو انہوں نے فرمایا:

"اَصَابَ عَلِیٌّ' خَیَّرَہُ اللّٰہُ" "علی" نے ٹھیک کہا ہے' اللہ تعالیٰ اُسے بھلائی نصیب کرے!

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) صوفیاء اس لباس کو اس لیے اختیار کرتے ہیں' دنیا میں محنت اور تکلیف کا سامنا کریں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچے فقر کا اظہار کریں۔

روایات میں یہ بات مذکور ہے جب وہ وقت آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر لے جایا گیا' اُس وقت انہوں نے اُونی لباس پہنا ہوا تھا۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں' میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے وہی گدڑی پہنی ہوئی تھی اور اُس کے ہر ایک پیوند میں سے نور چمک رہا تھا۔ میں نے اُن کی خدمت میں عرض کی: اے حضرت عیسیٰ علیہ السلام! آپ کے لباس میں سے یہ نور کیسا نکل رہا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ میرے مجبور ہو جانے کا نور ہے۔ میں نے ہر مرتبہ کسی ضرورت کے تحت اسے پیوند لگایا تھا۔ تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو جو رنج پہنچا' اللہ تعالیٰ نے اُسے نور میں تبدیل کر دیا۔

مختلف بزرگوں کے واقعات

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے ماوراء النہر کے ایک عمر رسیدہ شخص کو دیکھا جو ملامتی صوفیوں کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اُس چیز کو نہیں کھاتا تھا جو لوگوں کے حصّے میں آیا کرتی تھی۔ اسی طرح لباس کے معاملے میں بھی وہ اسی طرح کا طرزِ عمل اختیار کرتا تھا۔ اسی طرح وہ دھجیوں کے ذریعے اپنے لباس کا کپڑا بنایا کرتا تھا اور وہ اُن دھجیوں کو راستے میں سے چنتا تھا۔ پھر اُنہیں دھو کر صاف کرتا تھا اور ان کے ذریعے گدڑی بنالیتا تھا۔

اسی طرح میں نے سنا ہے' مروالروذ میں ایک بزرگ تھا' جو آخری دور کے اہلِ طریقت میں قوی حال کا مالک تھا۔ اُس کی سیرت نیک تھی۔ اس نے اپنی جائے نماز میں اور اپنی ٹوپی میں کسی تکلف کے بغیر پیوند لگائے ہوئے تھے۔ اور ان پیوندوں کے اندر بچھوؤں نے بچے دیدیئے تھے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) خود میرے مرشد 56 برس تک ایک ہی لباس پہنتے رہے اور کسی تکلف کے بغیر اُس میں پیوند لگاتے رہے۔

ایک مرتبہ عراق کے مشائخ کے حالات پڑھتے ہوئے میں نے یہ واقعہ پڑھا کہ وہاں دو درویش تھے' جن میں سے ایک صاحبِ مشاہدہ تھے اور ایک صاحبِ مجاہدہ تھے۔ جو صاحبِ مشاہدہ تھے اُن کا یہ معمول تھا' انہوں نے ساری عمر وہی لباس پہنا جو سماع کے دوران وجد کی حالت میں پھٹ جاتا ہے' اس کے علاوہ انہوں نے کوئی لباس نہیں پہنا جبکہ جو بزرگ صاحبِ مجاہدہ تھے اُنہوں نے اُن کپڑوں سے بنا ہوا لباس پہنا جنہیں لوگ استغفار کے دوران (گریہ زاری کرتے ہوئے پھاڑ دیتے تھے)۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کا ظاہر اُن کے باطن کے مطابق ہوتا تھا اور یہ لوگ اپنی حالت کی نگہداشت اور احتیاط کیا کرتے تھے۔

شیخ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ کی چلہ کشی

شیخ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے: وہ بیس سال تک سخت ٹاٹ کا لباس پہنا کرتے تھے اور وہ ہر سال میں چار چلّے کیا کرتے تھے اور ہر ایک چلّے کے دوران انہوں نے حقیقت کے عنوان کے حقائق اور باریک نکات کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی۔

اُنہی کے زمانے سے تعلق رکھنے والے علمِ طریقت کے ایک اور بزرگ' جو ایران کے رہنے والے تھے اور ان کا نام محمد بن زکریا تھا' انہوں نے کبھی گدڑی نہیں پہنی۔

شیخ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے دریافت کیا: گدڑی پہننے کے لیے کیا بات شرط ہے اور کس شخص کے لیے یہ گدڑی پہننا درست ہے؟ تو اس بزرگ نے جواب دیا: گدڑی پہننے کے لیے وہی چیز ضروری ہے' جو محمد بن زکریا سفید لباس پہن کر سرانجام دے رہا ہے اور ایسے شخص کے لیے ہی اُسے پہننا مناسب ہے۔

تیسری فصل: گدڑی ترک کرنے کی وجوہات

اب جو اکثر مشائخ نے گدڑی پہننا ترک کر دیا ہے' تو اس کی وجہ یہ ہے' یہ طریقت کی شرائط میں سے کوئی ایک شرط نہیں ہے۔

بلکہ ہمارے زمانے میں جو گدڑی پہننے کو ترک کیا گیا ہے' اس کی دو وجہ ہیں' ایک یہ کہ پشم (جس کے ذریعے یہ بنائی جاتی ہے) وہ مشکوک ہوگئی ہے' اس کی وجہ یہ ہے' عام طور پر جانوروں کو چوری چکاری میں لوٹ مار کر کے حاصل کیا جاتا ہے اور پھر آگے فروخت کر دیا جاتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے' ہمارے زمانے میں بعض بدعتیوں نے اس لباس کو اپنا علامتی نشان بنا لیا ہے اور اہلِ بدعت کے مخصوص نشان کی خلاف ورزی کرنا بہترین ہے۔ لیکن اُس کے لیے یہ بات شرط ہے' وہ سنت کے خلاف نہ ہو۔ صوفیاء پیوند لگانے میں تکلف کو اس لیے درست سمجھتے ہیں' کیونکہ عام لوگوں کے درمیان ان کا مرتبہ بلند ہے۔ اور ہر شخص نے ان کی مانند ظاہر کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ لوگ بظاہر گدڑی پہن لیتے ہیں' مگر انتہائی نامناسب اعمال سرانجام دیتے ہیں۔ تو صوفیاء کو ان حرکتوں کی وجہ سے اتنا افسوس ہوا' وہ اپنا مخصوص لباس اس طرح سے مخصوص انداز میں استعمال کرنے لگے' کہ کوئی دوسرا اس لباس کو ان کی طرح سے استعمال نہ کر سکے۔ اور انہوں نے آپس میں اپنے لیے یہ مخصوص علامت اور نشانی مقرر کر لی۔ اور اس حد تک اسے اپنا مخصوص شعار بنا لیا کہ ایک مرتبہ ایک درویش ایک شخص کے پاس گیا' اُس نے جو گدڑی پہنی ہوئی تھی اُس پر چوڑے بخیے لگے ہوئے تھے تو اس شیخ نے اس شخص کو اپنی محفل سے نکال دیا۔

اس سے مراد یہ ہے' صفا کی حقیقت طبیعت کا نرم ہونا اور مزاج کا لطیف ہونا ہے۔ جس شخص کا دل نیک ہوتا ہے اور طبیعت صاف ہوتی ہے اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہوتا۔ یہ بالکل اُسی طرح ہے جیسے کوئی طبیعت ناموزوں شعر پسند نہیں کرتی' یا کوئی بھی نامناسب کام طبیعت کو اچھا نہیں لگتا۔ اس کے برعکس بعض لوگوں نے لباس کے معاملے میں کبھی کسی تکلف سے کام نہیں لیا۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں گدڑی عطاء کر دے تو وہ اسے پہن لیتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں قباء عطاء کر دے تو وہ اسے پہن لیتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ انہیں برہنہ رکھتا ہے' تو وہ اسی طرح گزارہ کر لیتے ہیں۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں علی بن عثمان بھی ایسے طریقے کو پسند کرتا ہوں اور سفر کے دوران اسی پر عمل پیرا ہوتا

ہوں۔

یہ بات منقول ہے ایک دفعہ احمد بن خضرویہ حضرت بایزید کی زیارت کرنے کے لیے آئے تو وہ عبا پہنے ہوئے تھے۔

اسی طرح شاہ شجاع شیخ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لیے آئے تو انہوں نے قباء پہنی ہوئی تھی۔

کوئی چیز عادت بنانے سے گریز کرنا

مختصر یہ کہ صوفیاء کا ایک مقرر کردہ لباس نہیں تھا کبھی وہ گدڑی پہن لیتے تھے بعض اوقات دوسرا لباس پہن لیتے تھے بعض اوقات سفید لباس پہن لیتے تھے انہیں جو بھی لباس میسر آتا تھا اُسے پہن لیا کرتے تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے انسان بہت جلد کسی چیز کو عادت بنالیتا ہے۔ انسان کو اپنی عادت (یعنی معمول کے ساتھ) بہت جلدی انس محسوس ہوتا ہے اور یہ عادت اُس کی طبیعت بن جاتی ہے۔ اور جو چیز طبیعت بن جاتی ہے وہ حجاب کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

یہی وجہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''خَیْرُ الصِّیَامِ صَوْمُ اَخِیْ دَاوٗدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ'' *

''روزہ رکھنے کا سب سے بہترین طریقہ میرے بھائی داؤد کا ہے''۔

صحابہ کرام نے دریافت کیا: وہ کیا طریقہ ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ ایک دن روزہ رکھا کرتے تھے اور ایک دن چھوڑ دیا کرتے تھے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا نفس عادی نہ بن جائے کیونکہ آدمی اپنی اس عادت کی وجہ سے محجوب ہو جاتا ہے۔ اس رویے کا بہترین مظاہرہ ہمیں شیخ ابوحمد مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ملتا ہے۔ اُن کے مریدین اُنہیں جو لباس پہناتے تھے وہ پہن لیتے تھے۔ جب کسی شخص کو اُن کے لباس کی ضرورت ہوتی اور وہ اُن سے اُتروا لیتا تو وہ اُتار بھی دیا کرتے تھے۔ وہ لباس پہنانے والے سے یہ نہیں پوچھتے تھے تم اسے کیوں پہنا رہے ہو اور اُتروانے والے سے یہ نہیں دریافت کرتے تھے تم اسے کیوں اُتروا رہے ہو۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ہمارے اس زمانے میں غزنی میں بھی ایک بزرگ رہتے ہیں جن کا لقب ''مؤید'' ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی حفاظت میں رکھے! لباس کے معاملے میں انہیں بھی کوئی اختیار نہیں ہے اور وہ اس کا کوئی اہتمام نہیں کرتے اور اسی اصول پر کاربند ہیں۔

* نوٹ: حضرت داؤد علیہ السلام کے روزہ رکھنے کے طریقے کی فضیلت کے بارے میں بہت سی روایات منقول ہیں جن میں لفظی اختلاف پایا جاتا ہے۔ سید ہجویر نے اس روایت کے جو الفاظ نقل کیے ہیں امام ابن ابی الدنیا نے یہ الفاظ اپنی تصنیف ''التهجد وقيام الليل'' میں نقل کیے ہیں:

جس کے باب کا حوالہ یہ ہے: باب جامع من التهجد وقيام الليل حديث:428

صوفیاء کا نیلا لباس پہننا

بہت سے صوفیاء نیلا لباس بھی پہنتے ہیں' طریقت کی بنیاد سیر اور سفر پر رکھی گئی ہے۔ اور سفید لباس سفر کے دوران جلدی میلا ہو جاتا ہے' اس لیے اسے دھونا خاصا مشکل کام ہوتا ہے۔

ویسے بھی سفید لباس پہننے کی ہر کسی کو خواہش ہوتی ہے' کیونکہ یہ عمدہ لباس سمجھا جاتا ہے۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے' نیلا لباس ماتم اور مصیبت کا علامتی نشان ہوتا ہے۔ یہ درحقیقت غمگین اور پریشان لوگوں کا علامتی نشان ہے اور دنیا کیونکہ غم' محنت اور مصیبت کی جگہ ہے۔ یہ مصائب اور فراق کا گہوارہ ہے' آزمائش اور تکلیف کا ٹھکانہ ہے۔

اس لیے حقیقت کی راہ پر چلنے والا سالک جب اس دنیا سے اپنا اصل مقصد حاصل نہیں کر پاتا تو وہ سوگ کے لباس کے طور پر نیلا لباس پہن لیتا ہے۔

اسی لیے بعض حضرات نے جب دیکھا کہ دنیا میں افسوس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے' اس کا ہر معاملہ نقصان اور خسارے کا پیش خیمہ ہے۔ تو ان حضرات نے یہ دیکھا کہ یہاں صرف ضائع ہونا اور فنا ہونا ہے۔ تو انہوں نے اس غم میں نیلا لباس پہن لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے' کسی چیز کا ضائع ہو جانا مر جانے سے بھی زیادہ تکلیف دِہ ہوتا ہے۔ تو ایک شخص نے اپنے کسی عزیز کے انتقال پر ماتمی لباس پہنا اور دوسرے نے اپنے مقصد کے فوت ہو جانے پر ماتمی لباس پہنا۔

ایک شخص جو اپنے آپ کو بہت علامہ سمجھتا تھا' ایک دفعہ اُس نے ایک درویش سے دریافت کیا: تم نے یہ نیلا لباس کیوں پہن رکھا ہے؟ تو درویش نے جواب دیا: نبی اکرم ﷺ نے تین چیزیں چھوڑی تھیں: فقر' علم اور تلوار۔ تلوار تو بادشاہوں نے حاصل کر لی لیکن اُسے غیر مناسب جگہ پر استعمال کیا' علم کو علماء نے حاصل کیا لیکن ظاہری طور پر صرف پڑھنے پڑھانے کا ذریعہ بنایا' فقر کو فقراء نے اختیار کر لیا لیکن انہوں نے اسے دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا' تو میں نے اسی غم میں یہ ماتمی لباس پہن لیا۔

شیخ مرتعش کا واقعہ

شیخ مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ وہ بغداد کے ایک محلے سے گزر رہے تھے' انہوں نے ایک بڑے گھر سے پانی مانگا تو ایک لڑکی کسی برتن میں پانی لے کر آئی اور اُنہیں پانی پینے کو دیا' پانی پینے کے بعد اُنہیں یہ محسوس ہوا' پانی پلانے والی لڑکی کے حسن و جمال کے وہ اسیر ہو چکے ہیں۔

تو وہ وہیں بیٹھ گئے اور اسی دوران گھر کا مالک بھی وہاں آ گیا تو شیخ نے اُس سے کہا' مجھے پیاس محسوس ہو رہی تھی' تمہارے گھر سے مجھے پانی کا گلاس دیا گیا' لیکن اس کے ساتھ ہی میرا دل بھی یہاں قید ہو گیا۔ تو وہ شخص بولا: جس لڑکی نے آپ کو پانی پلایا تھا وہ میری صاحبزادی ہے' میں آپ کی شادی اُس کے ساتھ کر دیتا ہوں۔ تو شیخ مرتعش رحمۃ اللہ علیہ دل کے ہاتھوں

مجبور ہو کر اُس کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہوئے' انہوں نے اُس لڑکی کے ساتھ نکاح کر لیا' وہ شخص بغداد کے صاحب حیثیت لوگوں میں سے تھا۔ اُس نے شیخ مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کو حمام بھجوایا' انہیں خوبصورت لباس پہنایا اور ان کے جسم سے درویشوں والا لباس اُتروالیا۔ جب رات ہوئی تو شیخ مرتعش رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھنے کے لیے اُٹھے تو انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ پہلے میں نماز ادا کر لوں اور اپنے اَوراد و وظائف پڑھ لوں تو اسی دوران (اُن پر یہ کیفیت طاری ہوئی) اور وہ چیختے ہوئے بولے: میری گدڑی لے کر آؤ! میری گدڑی لے کر آؤ! اُن کی اہلیہ نے دریافت کیا: کیا ہوا ہے؟ تو وہ بولے: مجھے غیب کی طرف سے یہ آواز آئی ہے' تم نے ہماری مرضی کے خلاف ایک نگاہ اُٹھائی تھی تو ہم نے تمہارے ظاہری جسم سے صلاح وصفوت کا لباس اور اپنی دوستی کا خرقہ اتار لیا' اگر اب تم نے دوسری مرتبہ اُس طرف نظر کی' تو ہم تمہارے باطن سے بھی اپنی آشنائی کے لباس کو اُتروالیں گے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) وہ لباس جو قربِ خداوندی اور اولیاء اللہ کی اتباع میں پہنا جاتا ہے' وہ مبارک ہوتا ہے اگر انسان اس لباس کے حقوق کا خیال رکھے تو اُسے پہن لے۔ ورنہ اپنے دین کی حفاظت کرنا ہی کافی ہے۔ اور اولیاء کے مخصوص لباس میں خیانت کرنا کسی بھی حوالے درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' کسی بھی قسم کے دعویٰ کے بغیر سچا مسلمان رہنا ولایت کا جھوٹا دعویٰ کرنے سے بہتر ہے۔

صوفیاء کا تربیت کا انداز

گدڑی کا پہننا دو طرح کے لوگوں کے لیے درست ہے' ایک وہ جو دنیا سے لاتعلقی اختیار کر لیں اور دوسرے وہ جو عاشقِ الٰہی ہوں۔

مشائخ کا معمول ہے' جب کوئی شخص برکت کے حصول کے لیے ان کے ساتھ تعلق قائم کرتا ہے' تو وہ تین سال تک تین اُمور کے بارے میں اس کی تربیت کرتے ہیں۔ اگر وہ شخص ان باتوں کی پابندی کر لیتا ہے' تو ٹھیک ہے ورنہ اُسے یہ بتا دیا جاتا ہے' طریقت اُسے قبول نہیں کر سکے گی۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں:

پہلا سال مخلوق کی خدمت کرنے میں صرف کرنا'

دوسرا سال حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے میں صرف کرنا'

اور تیسرا سال اپنے دل (یعنی خیالات) کی نگرانی کرنا۔

مخلوق کی خدمت انسان اُس وقت کر سکتا ہے جب وہ خود کو خادم سمجھے اور تمام مخلوق کو مخدوم کے مرتبے میں سمجھے' یعنی کسی امتیاز کے بغیر سب کی خدمت کرے اور اُن سب کو اپنے آپ سے بہتر سمجھے' بلکہ اُن سب کی خدمت کرنے کو اپنے اوپر واجب سمجھے اور اس خدمت کو فضیلت نہ سمجھے کیونکہ یہ سمجھنا ایک واضح خسارہ' ایک عیب ہے۔ ہمارے زمانے میں ایک یہ بھی بڑی آفت ہے۔ اور یہ ایک ایسی آزمائش ہے' جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

مرید اللہ تعالیٰ کی خدمت اُس وقت کر سکتا ہے جب وہ دنیا اور آخرت کی تمام لذتوں سے بالکل لاتعلق ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کے حصول کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ جب انسان یہ کام کرتا ہے' تو وہ گناہوں کے کفارے اور درجات کی بلندی سے بے نیاز ہو جاتا ہے' کیونکہ جب انسان گناہ کے کفارے یا درجات کے حصول کے لیے عبادت کرتا ہے' تو وہ درحقیقت عبادت نہیں کر رہا ہوتا۔ جب عبادت کا یہ معاملہ ہے' تو دنیاوی معاملات کا وہاں کیا ذکر ہو سکتا ہے۔

دل کی نگہداشت اور اُس کو پاسبانی اُسی وقت ممکن ہوتی ہے جب طبیعت میں یکسوئی موجود ہو' مختلف قسم کے ارادے اور خواہشات انسان کے دل سے ختم ہو چکے ہوں اور محبت کے مقام میں کسی بھی نوعیت کی لاپرواہی اور غفلت ظاہر نہ ہو۔ اگر کسی شخص میں یہ تینوں شرائط پائی جاتی ہیں' تو اب گدڑی پہننا اُس کا حق بنتا ہے۔ محض تقلید کے طور پر اسے پہننا درست نہیں ہو گا۔

اس طرح جو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہناتا ہے' اُس کی حالت کا مستقیم ہونا ضروری ہے۔ اُسے طریقت کے جملہ نشیب و فراز سے واقفیت حاصل ہونی چاہیے۔ طریقت کے احوال کا ذائقہ وہ چکھ چکا ہو۔ شریعت کے اعمال کے گھاٹ سے گزر چکا ہو۔ جلالِ الٰہی کے قہر اور جمالِ الٰہی کے لطف سے بھی وہ گزر چکا ہو' دوچار ہو چکا ہو۔ اس کے ساتھ وہ اپنے مرید کے حالات سے بھی اچھی طرح واقف ہو' کہ وہ مرید آخر کار یہاں تک پہنچ سکے گا' وہ واپس لوٹ جائے گا۔ یا کسی جگہ پر قیام کرے گا یا منزل تک پہنچے گا اور اگر مرشد کو یہ پتا چل جائے' مرید طریقت کے راستے میں سے واپس آ جائے گا' تو وہ اُس کا آغاز ہی نہ کرے۔ اور اگر یہ پتا چل جائے' وہ درمیان میں ہی کسی مقام پر ٹھہر جائے گا' تو وہ اُس کی رہنمائی کرتا رہے اور اگر یہ امید ہو' وہ منزل تک پہنچ جائے گا' تو پھر وہ اس کی بھرپور نگرانی اور تربیت کرے۔

مشائخ دلوں کے طبیب ہوتے ہیں

مشائخ طریقت دلوں کے طبیب ہوتے ہیں' اگر طبیب کو بیماری کے بارے میں پتہ ہی نہ ہو' تو اس کا علاج کیا کرے گا' بلکہ اُس کو اُلٹا ہلاک کر دے گا' کیونکہ اُسے مریض کے لیے مخصوص غذا اور دوا کے بارے میں پتا ہی نہیں ہو گا۔ اور یہ بھی پتا نہیں ہو گا کہ اُسے کون سی چیزوں سے پرہیز کروانا چاہیے۔ تو ایسا ہو سکتا ہے' وہ مریض کو ایسی دوائیں اور مشروبات پلاتا رہے' جو اُس کی بیماری میں اضافہ کا باعث بنے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمایا ہے:

''اَلشَّيْخُ فِيْ قَوْمِهٖ كَالنَّبِيِّ فِيْ اُمَّتِهٖ''

''شیخ اپنے گروہ میں اسی طرح ہوتا ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں ہوتا ہے''۔

انبیاء نے مخلوق کو توحید کی دعوت دی تھی تو وہ انتہائی بصیرت کی بنیاد پر تھی' انہوں نے ہر شخص کو اپنے مخصوص مقام تک رکھا تھا۔ اسی طرح شیخ کو بھی اپنی اس دعوت میں بصیرت پیدا کرنی چاہیے اور ہر شخص کو وہی غذا دینی چاہیے جس کے ذریعے اُس کی

دعوت کا مقصد اور مراد پوری ہو جائے۔ تو جس وقت کوئی کامل شیخ اپنے مرید کی ریاضت کے بعد اُس کی تین سال تک تربیت کرنے کے بعد اُسے خرقہ پہناتا ہے' تو اب اُس کے لیے ایسا کرنا درست اور روا ہو گا۔

گدڑی پہننے کی ایک اہم شرط

گدڑی پہننے کے لیے یہ بات بھی شرط ہے' طالب اُسے ایسا کفن سمجھ لے کہ جسے پہن لینے کے بعد وہ زندگی کی تمام لذتوں اور اُمیدوں سے لاتعلق ہو گیا ہے اور زندگی کی تمام خوشیوں سے آزاد ہو گیا ہے۔

اب اُس کی پوری زندگی حق کی فرمانبرداری کے لیے وقف ہو گئی ہے اور اُس نے اپنی تمام ذاتی خواہشات سے مکمل طور پر لاتعلقی اختیار کر لی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنانے کی خواہش ظاہر کرتا ہے اور وہ دل سے چاہتا ہے' وہ مرید کو گدڑی پہنائے۔ تو مرید کو چاہیے' وہ اپنے آپ کو اس کے لیے وقف کر دے اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے لیے پوری طرح سے جدوجہد کرے۔ اور اپنی ذاتی خواہش اور ذاتی مراد کو حرام قرار دیدے۔

شیخ ابو معمر اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک کتاب تحریر کی ہے۔ صوفی کہلانے والے اکثر حضرات اس بارے میں مبالغے سے کام لیتے ہیں' جبکہ ہمارا مقصد یہ ہے' ہم اس حوالے سے حقائق کو واضح کریں' ہمارا مقصد صرف اقوال نقل کرنا نہیں ہے۔

گدڑی کی بہترین وضاحت

صوفیاء کی گدڑی کے بارے میں سب سے بہترین وضاحت یہ ہے' اس کا اوپر والا حصہ صبر کا ہو اور اُس کی دونوں آستینیں خوف اور اُمید کی ہوں' اس کا آگے اور پیچھے کا دامن قبض اور بسط سے بنا ہو۔ گریبان کا وہ حصہ جہاں کمر بند باندھتے ہیں وہ نفس کی مخالفت کے ساتھ ہو' اس کی دونوں کلائیاں صحت اور یقین کی ہوں' اس کی مغزی اخلاص کی ہو۔

اس سے بھی زیادہ بہتر تفسیر یہ ہے' اُس گدڑی کا اوپر والا حصہ فنا کے رنگ کے ساتھ رنگا جائے' اُس کی دونوں آستینیں نفس کی حفاظت اور گناہوں سے بچاؤ کی ہوں' اس کا آگے اور پیچھے کا دامن فقر اور صعوبت سے بنا ہو اور گریبان کا وہ حصہ جہاں کمر بند باندھا جاتا ہے۔ وہ مشاہدۂ جمال کے لیے مضبوط اور قائم ہو' اُس کی کلیاں ایسے امن کی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرتے ہوئے' وہ سکون کی حالت میں ہوں' کہ اُس کی مغزی' وصل کے مقام میں قرار حاصل کرنے پر مشتمل ہو' جو اُسے اضطراب کا شکار نہ ہونے دیں۔

جب کوئی شخص اپنے باطن کے لیے ایسی گدڑی تیار کر لیتا ہے' تو اب اُسے اپنے ظاہر کے لیے بھی گدڑی بنا لینی چاہیے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تصنیف کا ذکر

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ہم نے اس موضوع کے بارے میں ایک کتاب تحریر کی ہے' جس کا نام ''اسرار الخرق والمؤنات'' ہے' یہ کتاب ہر مرید کے پاس ہونی چاہیے۔

جو شخص یہ گدڑی پہن لینے کے بعد کسی مخصوص حال یا کیفیت کے غلبے کی وجہ سے اُسے چاک کر دیتا ہے' تو اُسے معذور سمجھنا چاہیے لیکن اگر کوئی شخص اپنے اختیار اور ہوش وحواس میں اسے چاک کر دیتا ہے' تو اہلِ طریقت کے نزدیک اُس شخص کے لیے دوبارہ گدڑی پہننا جائز نہیں ہے۔

اگر وہ دوبارہ اُسے پہن لیتا ہے' تو اُس کی مثال ان دنیادار افراد کی طرح ہوگی جو باطن کو آراستہ کیے بغیر ظاہر داری کو پسند کرتے ہوئے گدڑی کو پہن لیتے ہیں۔ کپڑے کو پھاڑنے کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے' اُس وقت صوفی ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہو رہا ہوتا ہے۔ جب وہ نئے لباس کو پہنتا ہے' تو شکرانے کے طور پر پہلے والے لباس کو بھی اُتار کر پھینک دیتا ہے۔ گدڑی کے مقابلے میں دوسرے کپڑے صرف ایک مقام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن گدڑی میں تمام مقامات طریقت' مقاماتِ فقر اور مقاماتِ صفوت اکٹھے ہو جاتے ہیں' اور گدڑی کو اُتار دینا ان تمام مقامات سے بیزاری ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔ یہ مقام اس مسئلے کی وضاحت کی جگہ نہیں ہے۔ ہم سماع سے متعلق حجاب کے باب میں اس موضوع پر گفتگو کریں گے' تاہم ہم نے اس حوالے سے کچھ اشارے بیان کر دیئے ہیں۔ اس کی تفصیلات اپنے مخصوص مقام پر آئیں گی۔

یہ بات بھی بیان کی گئی ہے' گدڑی پہننے والا شخص طریقت کے میدان میں اتنی قوت کا مالک ہونا چاہیے' ایک ہی نگاہ کے ذریعے بیگانے کو آشنا کر دے۔ اگر وہ اپنی گدڑی گناہ گار شخص کو پہنا دیتا ہے' تو وہ ولی بن جائے۔

دنیادار صوفیوں کی مذمت

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ میں اپنے شیخ کے ہمراہ آذربائیجان سے گزر رہا تھا' میں نے یہ دیکھا کہ وہاں وہ تین فقراء نے گدڑی پہن رکھی تھی۔ وہ گندم کے ایک کھیت کے پاس اپنی گدڑی کا دامن پھیلائے کھڑے ہوئے تھے۔ تاکہ کسان اُس میں گندم ڈال دے۔ میرے شیخ کی نگاہ اُن پر پڑی تو انہوں نے یہ آیت پڑھی:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ (البقرہ:۱۶)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید لی ہے' پس ان کے سودے نے انہیں فائدہ نہیں دیا اور یہ لوگ ہدایت یافتہ نہیں ہیں''۔

میں نے دریافت کیا: شیخ! یہ لوگ اس مصیبت میں کیوں گرفتار ہوئے ہیں؟ اور مخلوق کے سامنے اس طرح ذلیل کیوں ہیں؟ تو شیخ نے جواب دیا' پیروں کو یہ لالچ ہوتا ہے' مرید زیادہ ہو جائیں۔ ان لوگوں کو یہ لالچ ہے' یہ دنیاوی ساز وسامان جمع کر لیں۔ لالچ کوئی بھی ہو' وہ دوسرے لالچ سے بہتر نہیں ہوتا اور جس دعویٰ کے اندر کوئی حقیقت نہ ہو' وہ ہوس کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' وہ فرماتے ہیں' ایک مرتبہ میں نے بابِ الطاق میں ایک خوبصورت غیر مسلم کو دیکھا تو میں نے دعا کی: یااللہ! تو نے اس نوجوان کو اتنا حسن دیا ہے' اسے میرے کام کے لائق بنا دے (یعنی اسے معرفت نصیب کردے)! ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: آپ مجھے کلمہ پڑھا دیں۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر دیا۔ اور چند ہی دنوں میں وہ ولایت کے مرتبے پر فائز ہو گیا۔

شیخ ابوعلی شاہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا: گدڑی پہننے کا حق دار کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا' جسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اتنا مرتبہ اور مقام حاصل ہو' کہ اُس دن سے متعلق احکام اور احوال میں سے' جو بھی چیز نازل ہو رہی ہو' اُس شخص کو اُس کا علم ہونا چاہیے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) گدڑی صالحین کا علامتی نشان ہے' نیک لوگوں کی شناخت ہے۔ فقراء اور صوفیاء کا لباس ہے۔

فقر اور صفوت کی حقیقت کے بارے میں' اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اگر کوئی شخص اولیاء کے مخصوص لباس کو دنیاوی فوائد کے حصول کا ذریعہ بناتا ہے' تو وہ شخص اپنی ذات کی خرابی کو اختیار کرتا ہے۔

اس طرح سے وہ حقیقی صوفیاء اور اللہ تعالیٰ کے حقیقی اولیاء کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا' باقی توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

چھٹا باب:

فقر اور صفوت کے بارے میں صوفیاء کا اختلاف

فقر اور صفوت میں فضیلت کی بحث

فقر اور صفوت کے درمیان فضیلت کے بارے میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک فقر، صفوت سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ جبکہ دیگر حضرات کے نزدیک صفوت کو فقر پر فضیلت حاصل ہے۔

جو لوگ فقر کی فضیلت کے قائل ہیں، ان کا یہ کہنا ہے، فقر کسی چیز کا فنا ہو جانا ہے اور اسرار کا منقطع ہو جانا ہے اور صفوت فقر کے مقامات میں سے ایک مقام ہے اور جب فنا حاصل ہو جاتی ہے، تو تمام مقامات، معدوم ہو جایا کرتے ہیں۔

تو اس حوالے سے یہ مسئلہ فقر اور غناء کی باہمی فضیلت کی طرف لوٹ جائے گا۔ اس موضوع کے حوالے سے اور بھی نکات بیان کیے گئے ہیں۔

جن اہلِ علم نے صفوت کو مقدم قرار دیا ہے۔ اُن کا یہ کہنا ہے، فقر ایک ایسی چیز ہے، جس کا کوئی بھی نام رکھا جا سکتا ہے۔ جبکہ صفوت سے مراد تمام تر موجودات سے تعلق کو ختم کر دینا ہے۔ صفوت، عینِ فنا ہے اور فقر، عینِ بقاء ہے۔ لہٰذا فقر ایک مقام کا نام ہوگا اور صفوت کمال کا نام ہوگا۔

ہمارے زمانے میں یہ بحث کافی طوالت اختیار کر چکی ہے۔ لوگوں نے اس حوالے سے بہت ہی عجیب و غریب نکات بیان کیے ہیں، دلائل پیش کیے ہیں۔

فقر اور صفوت کے درمیان فضیلت اور ان کی تقدیم و تاخیر کے حوالے سے خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔

تاہم اس بارے میں سب کا اتفاق ہے، محض زبانی عبارات اور لفظی جمع خرچ نہ تو فقر ہے اور نہ صفوت ہے۔

لوگوں نے ظاہری عبارات کی بنیاد پر اپنے، اپنے مسلک قائم کر لیے ہیں، وہ حقیقتِ حال کے قریب نہیں جا سکے۔

اسی لیے اصل حقیقت پیچھے رہ گئی ہے۔ انہوں نے خواہشات کی نفی کو عین نفی کا نام دے دیا ہے۔ اور اپنی مراد کے حصول کو اثباتِ عین کا نام دیا ہے۔ یہ لوگ اپنے نفس کی موجودگی اور نفسانی خواہش کی روشنی میں موجود اور معدوم، منفی اور مثبت سب کچھ خود ہیں، جبکہ طریقت اس طرح کے لوگوں کی لغویات سے پاک ہے۔

اولیاء کا مقام

اللہ تعالیٰ کے ولی ایسے مقام پر قائم ہوتے ہیں جہاں پر کوئی دوسرا مقام نہیں ہوتا۔ وہاں پہنچ کر تمام درجات اور مقام ختم

ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ منزل ہے جسے عبارت میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہاں نہ شراب باقی رہتی ہے اور نہ اُس کا ذائقہ رہتا ہے۔ نہ قمع باقی رہتا ہے نہ قہر باقی رہتا ہے۔

نہ صحو باقی رہتا ہے نہ محو رہتا ہے' تو ایسے مقام پر انہیں ایسے نام کی ضرورت ہے' جس کے ذریعے وہ اُس مقام کو واضح کر سکیں' جو کسی قسم کا مسمیٰ نہیں بن سکتا۔

جس کی کوئی تعریف بیان نہیں کی جا سکتی۔ تو وہ اپنے ذہن کے مطابق حقیقت تک رسائی کے لیے کوئی بھی مناسب سا نام مقرر کر لیتے ہیں۔ اور وہ اُس نام کے ذریعے اُس حقیقت کو مراد لیتے ہیں۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اس بات کی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ اس حوالے سے مقدم اور مؤخر کی بحث غیر ضروری ہے' کیونکہ یہ کہنا کہ یہ مقام مقدم ہے' یا وہ مقدم ہے' اس سے اصل حقائق کو مؤخر یا مقدم مراد لینا لازم ہے۔

کچھ لوگوں کو فقر زیادہ قابلِ قدر نظر آیا۔ ان کے ذہن نے فقر کی عظمت کو محسوس کیا' کیونکہ انہیں اس حالت میں گداز اور تواضع محسوس ہوئے اور کچھ لوگوں نے صفوت کو ترجیح دی' کیونکہ اس میں کثافت اور میل کو چھوڑنے اور دنیا سے لاتعلقی اختیار کرنے کا پہلو پایا جاتا ہے۔

تو ان ناموں سے ان حضرات کی مراد یہ تھی کہ انہیں نشان کے طور پر اپنایا جائے گا تاکہ ان کے ذریعے اُس مفہوم کا پتا چل جائے جسے عبارت میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

البتہ صوفیاء کرام اپنی گفتگو میں یہی معنی سمجھتے ہیں اور یہی مقصد مراد لیتے ہیں۔

صوفیاء کے نزدیک ان کی حقیقت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا' خواہ وہ فقر ہو یا صفوت ہو۔

اس کے برعکس جو لوگ حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں' وہ صرف لفظی عبارات میں مشغول رہتے ہیں۔

اور وہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دے دیا کرتے ہیں۔ جبکہ اہلِ طریقت اصل حقیقت کی جستجو میں لگ جاتے ہیں۔ اور اہل زبان صرف لفظی ہیرا پھیری کے اندر گم ہو جاتے ہیں۔ مختصر یہ ہے' جب کسی شخص پر حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ تو وہ اسے اپنے دل کا کعبہ بنا لیتا ہے۔ اب ہم اُسے صوفی کہیں یا فقیر کہیں' یہ دونوں نام اُس معنی اور حقیقت کے لیے مجبوری کے وقت استعمال کیے جاتے ہیں۔ جو حقیقت کسی لفظ کو قبول ہی نہیں کرتی ہے۔

شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

یہ اختلاف شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے چلا آ رہا ہے' جب وہ کشف کی ایسی حالت میں ہوتے ہیں جن کا تعلق بقاء سے ہوتا ہے۔ تو اُس وقت وہ فقر کو صفوت پر ترجیح دیتے ہیں اور جب وہ کسی ایسے مقام پر ہوتے جس کا تعلق فناء سے ہوتا' اُس صفوت کو فقر پر مقدم قرار دیتے ہیں۔

اس زمانے سے تعلق رکھنے والے بعض اہلِ حقیقت نے اُن سے دریافت کیا۔ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے

جواب دیا: میری حالت ایک سی نہیں رہتی ہے میری حالت فناء اور عاجزی کی کیفیت میں جس طرح پُر جوش اور درجہ کمال تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ مقامِ بقاء میں بھی اُس کی یہی حالت ہوتی ہے' اس لیے جب میں اُس مقام پر فائز ہوتا ہوں' جس کا تعلق فنا سے ہوتا ہے' تو میں ایسی حالت میں صفوت کو فقر پر ترجیح دیتا ہوں' اور جب میں ایسے مقام پر ہوتا ہوں' جس کا تعلق بقاء سے ہوتا ہے' تو اُس وقت میں فقر کو صفوت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کیونکہ فقر فنا کا نام ہے اور صفوت بقاء کا نام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے تاکہ میں بقاء کی حالت میں اپنی بقاء سے آگے نکل جاؤں۔ اسی طرح جب میں فناء کے مقام میں ہوں' تو مجھے فناء کے بارے میں کوئی خبر نہ رہے۔

یہاں تک کہ میری طبیعت فنا ہونے کے حوالے سے بھی فنا ہو جائے اور بقاء کے حوالے سے بھی فنا ہو جائے۔

یہ بہت خوبصورت عبارت ہے' لیکن حقیقت یہ ہے' نہ تو فنا کو فنا لاحق ہوتی ہے۔ اور نہ ہی بقاء کو بقاء لاحق ہوتی ہے' کیونکہ جو باقی' فناء پذیر ہو' تو وہ فانی ہوتا ہے۔

اور جو فانی باقی رہنے والا ہو وہ خود باقی ہوتا ہے۔ اور فناء ایک ایسا اسم ہے' جس میں مبالغے کا مفہوم پایا جانا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اگر کوئی کہتا ہے' فناء' فناء ہوگئی تو اس سے مراد فناء کے مبالغے سے فناء کا اظہار ہے۔ کیونکہ جب تک فناء میں کوئی اثر باقی رہتا ہے' تو اس وقت تک وہ فنا مکمل نہیں ہوتی۔ جب مکمل فنا ہو جاتی ہے' تو فنا کی فنا ایک مکمل عبارت بن جاتی ہے۔

یہ عبارت اہل لغت کے نزدیک ایک فضول بحث ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اگرچہ ہم بھی فناء اور بقاء کے بارے میں ایک کتاب لکھ چکے ہیں' لیکن یہ اُس زمانے کی تصنیف ہے' جب طبیعت میں جوش اور تیزی پائی جاتی تھی' اب جب محتاط ہونے کی عمر آ گئی ہے۔ دوبارہ اس بارے میں لکھتے ہوئے میں کچھ نہیں لکھوں گا۔

فقر اور صفوت میں معنوی اعتبار سے یہی فرق ہے۔ لیکن دنیا کو ترک کرنے اور دنیا سے ہاتھ کھینچنے کے حوالے سے فقر اور صفوت ایک مختلف چیز ہے۔ اس کی حقیقت اُس کا تعلق فقر اور مسکینی سے ہے۔

فقر اور مسکینی میں افضلیت کی بحث

بعض مشائخ کے نزدیک فقیر' مسکین سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (البقرہ:۲۷۳)

''صدقات ان فقراء کا حق ہے جنہیں اللہ کی راہ میں روک دیا گیا''۔

اس کی وجہ یہ ہے' مسکین وہ شخص ہوتا ہے' جس کے پاس کچھ نہ کچھ موجود ہوتا ہے' لیکن فقیر اُسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا' فقر عزت کا باعث ہوتا ہے اور مسکینی ذلت کا باعث ہوتی ہے۔ جس شخص کے پاس کچھ نہ کچھ موجود ہو' اُسے طریقت کی نظر میں کمتر سمجھا جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ وَتَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيْصَةِ وَالْقَطِيْفَةِ*

''درہم کا بندہ برباد ہوگیا' دینار کا بندہ برباد ہوگیا' کپڑے اور چادروں کا بندہ برباد ہوگیا''۔

لیکن جس شخص کے پاس کچھ بھی نہ ہو' اُس کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے' کیونکہ جس شخص کے پاس کوئی چیز موجود ہوتی ہے' وہ اس چیز پر اعتماد کرتا ہے اور جس کے پاس کوئی بھی چیز موجود نہیں ہوتی' وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتا ہے۔ جس کے پاس کوئی چیز ہوتی ہے جب اُسے ضرورت پیش آتی ہے' تو وہ اپنے مال کی طرف رجوع کرتا ہے۔

لیکن جس کے پاس کوئی چیز موجود نہیں ہوتی اور اُس کو جب ضرورت پیش آتی ہے' تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں' مسکین شخص فقیر سے افضل ہوتا ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مِسْكِيْنًا وَاَمِتْنِیْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِی فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ**

''اے اللہ! مجھے مسکین ہونے کی حالت میں زندہ رکھنا اور مسکین ہونے کی حالت میں موت دینا اور (قیامت کے دن) مجھے مسکین لوگوں میں زندہ کرنا''۔

مسکینی کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا کی تھی' لیکن جب آپ نے فقر کا ذکر کیا تو یہ ارشاد فرمایا:

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا*** ''فقر انسان کو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے''۔

فقیر اور مسکین میں فرق کی وضاحت

فقیر وہ شخص ہوتا ہے' جس کا کسی نہ کسی حد تک اسباب سے تعلق ہوتا ہے اور مسکین اُسے کہا جاتا ہے جس کے تمام اسباب

*صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب الحراسة فی الغزو فی سبیل الله' حدیث: 2751صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب الحراسة فی الغزو فی سبیل الله' حدیث: 2752صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب ما یتقی من فتنة المال' حدیث:6080صحیح ابن حبان' کتاب الزکاة' باب جمع المال من حله وما یتعلق بذلك' ذکر الزجر عن ان یکون المرء عبد الدینار والدرهم' حدیث:3277سنن ابن ماجه' کتاب الزهد' باب فی المکثرین' حدیث:4133جامع ترمذی' الذبائح' ابواب الزهد عن رسول الله صلی الله علیه وسلم' باب' حدیث:2354السنن الکبری للبیهقی' کتاب السیر' جماع ابواب السیر' باب فی فضل الجهاد فی سبیل الله' حدیث:17206معجم ابی یعلی الموصلی' باب الحاء ' حدیث:131المعجم الاوسط للطبرانی' باب الالف' باب من اسمه ابراهیم' حدیث:2646شعب الایمان للبیهقی' وهو باب فی المرابطة فی سبیل الله عز وجل' حدیث:4108

**سنن ابن ماجه' کتاب الزهد' باب مجالسة الفقراء' حدیث: 4124المستدرك علی الصحیحین للحاکم' کتاب الرقاق' حدیث:7986

***مسند الشهاب القضاعی' کاد الفقر ان یکون کفرا ' حدیث:555شعب الایمان للبیهقی' التاسع والثلاثون من شعب الایمان' الثالث والاربعون من شعب الایمان وهو باب فی الحث علی ترك' حدیث:6319

ختم ہو جاتے ہیں۔ علمِ شریعت کے معنی میں بعض حضرات کے نزدیک فقیر وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ زادِ راہ موجود ہوتا ہے۔ جبکہ مسکین وہ شخص ہوتا ہے‘ جس کے پاس زادِ راہ کے طور پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔

دیگر افراد کے نزدیک مسکین وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس ساز و سامان ہوتا ہے۔

صوفیاء مسکین کو صوفی کہتے ہیں۔

اُن کا یہ اختلاف فقراء کے اختلاف کی طرح ہے‘ لہٰذا جن حضرات کے نزدیک فقیر وہ شخص ہوتا ہے‘ جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ شخص ہوتا ہے‘ جس کے پاس کچھ ہو‘ تو وہ فقر کو صفوت پر ترجیح دیتے ہیں اور جن حضرات کے نزدیک مسکین وہ شخص ہوتا ہے‘ جس کے پاس کچھ نہ ہو اور فقیر وہ ہوتا ہے‘ جس کے پاس کچھ ہو۔ تو وہ لوگ صفوت کو فقر پر ترجیح دیتے ہیں۔

فقر اور صفوت کے بارے میں مختلف صوفیاء کرام کے نظریات کا یہ معمولی سا بیان تھا‘ جسے اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے!

ساتواں باب:

ملامت کا بیان

پہلی فصل

مشائخ طریقت کے ایک گروہ نے ملامت کے ایک طریقے کو اختیار کیا ہے' محبت کے اخلاص میں ملامت کو بڑی تاثیر حاصل ہوتی ہے' دنیا میں تمام اہلِ حق کا مخلوق کی ملامت کے ساتھ خاص تعلق رہا ہے' بطورِ خاص اس اُمت کے بزرگوں (نے ملامت برداشت کی ہے) اللہ تعالیٰ ان کی تعداد میں اضافہ کرے!

نبی اکرم ﷺ جو اہلِ حق کے پیشوا' امام' اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کے پیشوا تھے' جب تک آپ نے اللہ تعالیٰ کی برہان کو ظاہر نہیں کیا تھا اور آپ ﷺ پر وحی کے نزول کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا' آپ تمام لوگوں کے نزدیک نیک نام اور معزز تھے لیکن جیسے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ سے دوستی کی خلعت کا اظہار کیا تو لوگوں نے آپ کی ملامت شروع کر دی اور آپ کی شان میں زبان درازی کا آغاز کر دیا۔ کسی نے کہا: آپ (نعوذ باللہ) شاعر ہیں' کسی نے کہا: (نعوذ اللہ) آپ جھوٹ بولتے ہیں' کسی نے کہا: آپ (نعوذ اللہ) دیوانے ہیں' اور اسی طرح کی باتیں کہی گئیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''وہ ملامت کرنے والوں کی ملامت سے ڈرتے نہیں ہیں''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (المائدہ:۵۴)

''اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہیں رکھتے' یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطاء کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا (اور) علم والا ہے''۔

سنتِ الٰہیہ

دنیا میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے' جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا مقرب ہوتا ہے' تو اُسے ملامت کا نشانہ بنایا جاتا ہے' تاہم اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اس ملامت کی وجہ سے (ذہنی طور پر) پریشان ہونے سے محفوظ رکھتا ہے' یہ ایک حوالے سے اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معاملہ ہے' وہ اپنے مخصوص دوستوں کو دوسروں کی نظر سے بچائے رکھتا ہے تاکہ اُن کے باطنی احوال کے حسن و جمال پر کسی شخص کی توجہ مرکوز نہ ہو سکے اور ہوتا یہ ہے' یہ لوگ خود بھی اپنی ذاتی خوبیوں اور حسن کو نہیں دیکھ سکتے ہیں' تاکہ اس کی وجہ

سے یہ خود پسندی اور تکبر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ مخلوق کو اس بات پر مامور کر دیتا ہے وہ ان کی ملامت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نفس لوامہ بھی رکھا ہے وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں ان کا نفس لوامہ انہیں ملامت کرتا رہتا ہے اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس کوتاہی پر ملامت کرتا ہے اور اگر وہ کسی نیکی کو سرانجام دیں تو اس میں کمی رہ جانے پر انہیں ملامت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ کا بنیادی طریقہ اور اصول یہی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے اس راستے میں خود پسندی اور اپنی ذات پر غرور سے بڑھ کر کوئی حجاب آفت اور مشکل مقام نہیں ہے۔

غرور کے اسباب

غرور دو چیزوں سے پیدا ہوا کرتا ہے: ایک مخلوق میں مرتبہ و مقام کے حصول کی خواہش اور لوگوں کا تعریف کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کوئی انسان جب اپنی کسی چیز کو دوسرے لوگوں کے درمیان پسندیدہ دیکھتا ہے تو خود کو افضل سمجھنے لگتا ہے اور وہ خود اپنی تعریف بیان کرتا ہے اور اسی وجہ سے وہ خود پسندی اور غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

دوسرا یہ کہ انسان خود کسی دوسرے کے کردار کی کوئی بات پسند نہیں کرتا اور خود کو اس حوالے سے اہل سمجھتا ہے تو اس وجہ سے بھی وہ مغرور ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل کے تحت اپنے مقرب دوستوں کے لیے اس کا راستہ بند کر دیا ہے اور ہوتا یہ ہے وہ لوگ نیک اعمال بھی کر رہے ہوں تو لوگوں کو پھر بھی اچھا نہیں لگتا اگرچہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے لوگ حقیقت کی نگاہ کے ساتھ انہیں نہیں دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے حقیقت کے راستے میں بہت سے مجاہدات اور ریاضتیں کرتے ہیں لیکن وہ کبھی بھی انہیں اپنی ذاتی قوت اور صلاحیت کا نتیجہ قرار نہیں دیتے اور وہ ان مجاہدات کی وجہ سے کسی قسم کی خود پسندی اور غرور میں مبتلا نہیں ہوتے اسی وجہ سے وہ خود پسندی اور تکبر سے محفوظ رہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو پسند کر لیتا ہے عام طور پر لوگ (اس کی ظاہری دنیاوی زندگی میں) اُسے پسند نہیں کرتے اور جو شخص اپنے آپ کو پسند کرنے لگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا ہے جیسے ابلیس کو لوگوں نے پسند کیا فرشتوں نے اُسے پسند کیا اور وہ خود بھی خود پسندی کا شکار ہوا لیکن وہ حق تعالیٰ کو پسند نہیں تھا۔

اس لیے (لوگوں اور فرشتوں) کی پسند کے باوجود وہ لعنت کا مستحق قرار پایا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے پسند نہیں کیا کیونکہ انہوں نے تو یہ کہا تھا:

"اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ" (البقرہ:۳۰)

"کیا تو اس کو زمین میں اپنا نائب بنائے گا جو وہاں فساد کرے گا اور خون بہائے گا"۔

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام نے بھی خود کو پسند نہیں کیا یہاں تک کہ انہوں نے عرض کی:

"رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا" (الاعراف:۲۳) "اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے"۔

لیکن کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ تھے اس لیے ان سے یہ فرمایا:

"فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا" (طٰہٰ:۱۱۵)

"اُس سے بھول ہوگئی تھی ہم نے اس کا پختہ ارادہ نہیں پایا"۔

اپنے آپ کو پسند نہ کرنے اور مخلوق کے نزدیک ناپسندیدہ ہونے کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا پھل ملا تا کہ مخلوق کو اس بات کا پتہ چل جائے' میرا مقبول بندہ وہی ہوتا ہے' جو مخلوق کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا ہے اور مخلوق جسے پسند کرنے لگتی ہے' وہ میرا ناپسندیدہ ہو جاتا ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) مخلوق کی ملامت کا نشانہ بننا' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقرب لوگوں کی رضا ہے اور ان حضرات کے قرب اور مقبولیت کا علامتی نشان ہے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء کا مخصوص طریقہ اور مشرب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' یہ قرب کی علامت ہے' تو جس طرح مخلوق' لوگوں میں اپنی مقبولیت اور پسندیدگی سے خوش ہوتی ہے' اسی طرح یہ حضرات مخلوق کی طرف سے مسترد ہو جانے میں خوش ہوتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اَوْلِيَائِيْ تَحْتَ قَبَائِيْ لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِيْ اِلَّا اَوْلِيَائِيْ"

"میرے اولیاء میری قباء کے نیچے ہیں' انہیں صرف میں اور میرے اولیاء ہی پہچان سکتے ہیں"۔

دوسری فصل:

ملامت کی صورتیں

ملامت کی تین صورتیں ہیں:

(i) درست راستہ اختیار کرنا'

(ii) درست قصد کرنا'

(iii) ترک کرنا۔

درست راستہ اختیار کرنے کے حوالے سے ملامت کا طریقہ یہ ہے' کوئی شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے' شرعی معاملات میں احکامِ شریعت کی پیروی کرتا ہے' تو لوگ اسے اس حوالے سے ملامت کرتے ہیں۔

اس کے بارے میں مخلوق کا طرزِ عمل یہی ہے' لیکن وہ سب سے بے تعلق ہوتا ہے' ان کی طرف توجہ نہیں دیتا۔

قصد میں ملامت

قصد میں ملامت کی صورت یہ ہے' ایک شخص لوگوں کے درمیان عزت' مرتبہ و مقام حاصل کر لیتا ہے اور اُس کا ذہن اس

مرتبہ و مقام کا دیوانہ ہو جاتا ہے' اس کی طبیعت لوگوں کے ساتھ تعلقات کی طرف مائل ہو جاتی ہے' اب اگر وہ یہ چاہتا ہے' دل کو ان علائق سے لاتعلق کر کے حق کی طرف مائل ہو جاؤں تو وہ تکلف کے ساتھ مخلوق کی طرف سے ملامت ہونے کا راستہ اختیار کرتا ہے' اس طریقے میں وہ شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی بھی نہیں کرتا' لیکن لوگ اس سے نفرت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لوگوں کا یہ طرزِ عمل ہوتا ہے اور وہ اس سے بے تعلق ہو جاتے ہیں۔

شریعت ترک کرنے پر ملامت سے مراد یہ ہے' کسی شخص کو اُس کا کفر اس کی فطری گمراہی لاحق ہو جائے اور وہ اس وجہ سے شریعت کے حکم کی پیروی ترک کر دے اور یہ کہے' یہ تو ملامت کا طریقہ ہے' جسے میں نے اختیار کیا ہے' تو یہ اُس کا ذاتی فعل ہو گا۔

جو شخص راست روی کے حوالے سے ملامت کا طریقہ اختیار کرتا ہے' وہ نفاق اور ریاکاری سے دور ہوتا ہے' اسے لوگوں کی ملامت کا کوئی خوف نہیں ہوتا' وہ ہر حال میں اپنے آپ میں مست رہتا ہے' اُس کو جس نام سے بھی پکارا جائے' اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

شیخ ابو طاہر حرمی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ شیخ ابو طاہر حرمی رحمۃ اللہ علیہ گدھے پر سوار جا رہے تھے' آپ کے کسی مرید نے گدھے کی لگام تھامی ہوئی تھی' جب آپ بازار سے گزرے تو کسی شخص نے بلند آواز میں کہا: وہ بے دین پیر آ گیا ہے' آپ کا مرید یہ بات سنتے ہی جوش اور غصے کی وجہ سے اُس شخص کی پٹائی کرنے کے لیے آگے ہوا۔ بازار والے بھی غصے میں اُٹھ کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنے مرید سے فرمایا: اگر تم اس موقع پر خاموش رہو تو میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاؤں گا جس کے نتیجے میں تم اس قسم کی مصیبت سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ تو اس مرید نے اپنے آپ پر قابو پا لیا' جب وہ واپس خانقاہ پہنچے تو آپ نے اس مرید سے فرمایا: میرا صندوق لے کر آؤ! جب اُن کا صندوق لایا گیا تو شیخ نے ان میں سے خطوط کی ایک تھیلی نکال کر مرید کے سامنے رکھی اور فرمایا: انہیں پڑھو! مختلف لوگوں نے یہ خطوط میرے نام لکھے ہیں۔ ان میں سے کسی نے مجھے ''شیخ الاسلام'' کا لقب دیا ہے' کسی نے مجھے ''شیخ پاک'' کہا ہے' کوئی مجھے ''شیخ زاہد'' کے نام سے یاد کر رہا ہے' کسی نے مجھے ''شیخ الحرمین'' کہا ہے' تو ہر شخص نے الگ' الگ القابات سے مخاطب کیا ہے' ان میں سے کسی نے بھی میرا نام نہیں لیا اور حقیقت یہ ہے' میں ان القابات میں سے کسی ایک کا بھی مستحق نہیں ہوں' لیکن ہر شخص نے اپنی عقیدت کے مطابق بات کی ہے اور میرا کوئی نہ کوئی لقب مقرر کر دیا ہے' تو اگر اس بازار والے شخص نے بھی اپنے خیال کے مطابق مجھے کوئی لقب دے دیا ہے' تو اس میں لڑنے والی کون سی بات ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

جو شخص جان بوجھ کر قصد کے ساتھ ملامت کے راستے کو اختیار کرتا ہے' یا وہ مرتبے کو چھوڑ دیتا ہے' لوگوں کے ساتھ میل

جول کوترک کر دیتا ہے تو اس کا ثبوت امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہے:

ایک مرتبہ آپ اپنے عہد خلافت کے دوران کھجوروں کے باغ میں سے لکڑیوں کا ایک گٹھا سر پر اُٹھا کر تشریف لا رہے تھے حالانکہ اس وقت آپ کے پاس چار سو غلام تھے لوگوں نے دریافت کیا: امیر المؤمنین! یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: "اُرِیْدُ اَنْ اُجَرِّبَ نَفْسِیْ" میں اپنے نفس کو آزمانا چاہ رہا تھا اگر چہ میرے غلام بھی یہ کام کر سکتے تھے مگر میں اپنے نفس کا تجربہ کرنا چاہتا تھا لوگوں کے درمیان مرتبہ و مقام مجھے اس کام سے روکتا تو نہیں ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ملامت کے اس باب میں یہ بالکل واضح واقعہ ہے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا، جس کا تذکرہ ان کے حالات کے ضمن میں اس کتاب میں کیا جائے گا۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اسی طرح بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے ایک مرتبہ وہ حجازِ مقدس سے واپس آ رہے تھے کسی شہر میں اعلان ہوا بایزید تشریف لا رہے ہیں سارا شہر اُن کے استقبال کے لیے باہر آ گیا۔ انہیں انتہائی اعزاز و احترام کے ساتھ شہر میں لایا گیا، جب وہ لوگوں سے ملنے جلنے کے آداب اور تکلفات میں مبتلا ہوئے تو ان کی توجہ ہٹ گئی اور خیالات پریشان ہو گئے اس لیے وہ جیسے ہی بازار میں داخل ہوئے انہوں نے اپنے لفافے میں سے روٹی کا ٹکڑا نکالا اور اُسے کھانا شروع کر دیا۔ اس وقت رمضان کا مہینہ تھا، یہ دیکھ کر سب لوگ انہیں چھوڑ کر چلے گئے اور وہ تنہا رہ گئے تو بایزید نے اپنے ایک ساتھی سے فرمایا: تم نے دیکھا کہ میں نے شریعت کے ایک حکم پر عمل کیا ہے اور لوگ مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی نکتہ رسی

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں علی بن عثمان جلابی یہ کہتا ہوں: پہلے زمانے میں یہ ہوا کرتا تھا ملامت کسی ایسے فعل پر کی جاتی تھی جو قابلِ نفرت ہوتا تھا یا بظاہر شرعی حکم کے خلاف ہوتا تھا، لیکن اب اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو لوگ اسے ملامت کریں تو وہ دو طویل رکعت نفل ادا کرے یا دین کے احکام پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونا شروع کر دے، تو لوگ اسے منافق اور ریا کار کہنا شروع کر دیں گے۔

جو شخص شریعت کے احکام ترک کرنے کا طریقہ اختیار کرتا ہے شریعت کے خلاف فعل کا ارتکاب کرتا ہے پھر یہ کہتا ہے میں نے ملامت کا طریقہ اختیار کیا ہے تو یہ واضح گمراہی بڑی خرابی اور خالص ہوس ہے آج کل کے زمانے میں اس طرح کے لوگ بہت زیادہ ہیں لوگوں کے ہاتھوں مسترد ہونے سے ان کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے وہ لوگوں کے درمیان مقبولیت حاصل کریں۔ کیونکہ لوگوں کی طرف سے مسترد ہونے سے پہلے یہ بات ضروری ہے اُسے مقبولیت حاصل ہو گی تا کہ انہیں مسترد کرنے اور انہیں انکار کرنے کا ارادہ کیا جائے تو اس کے لیے وہ ایسے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ

انہیں مسترد کر دیں۔

جھوٹا ملامتی

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ مجھے ایک جھوٹے دعویدار کے ساتھ رہنے کا موقع ملا' ایک دن اس سے کوئی غلط کام سرزد ہو گیا تو اس نے ملامت کا عذر تراش لیا' تو ایک شخص نے اس سے کہا: یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تو میں نے دیکھا کہ یہ شخص اسی بات پر ناراض ہو گیا' میں نے اس سے کہا: اے زاہد! اگر تم ملامت کے دعویدار ہو' تو تمہارا یہ دعویٰ درست ہونا چاہیے کیونکہ اس شخص نے جب تمہارے فعل کا انکار کیا ہے' تو اس سے تمہارے طرزِ عمل کی تائید ہو جاتی ہے' (کیونکہ اس نے تمہیں ملامت کر دی ہے) تو جب وہ تمہارے ساتھ اس حوالے سے متفق ہے' تو پھر تم لڑ کیوں رہے ہو اور اس سے غصے کس بات پر ہو رہے ہو؟ لیکن تمہارا اصل مقصد ملامت کی بجائے دعوت ہے۔ جو شخص لوگوں کو حق بات کی دعوت دیتا ہے' اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی دلیل سنت کی حفاظت ہے اور جب میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک فرض کو علانیہ طور پر ترک کر رہے ہو۔ اور لوگوں کو اس کی دعوت بھی دے رہے ہو' تو تمہارا یہ طرزِ عمل اسلامی احکام کے خلاف ہو گا۔

تیسری فصل: شیخ ابوحمدون اور ملامت

یہاں یہ بات یاد رکھیں' طریقت کے راستے میں ملامت کا طرزِ عمل اختیار کرنے کو اپنے زمانے کے شیخ ابوحمدون قصار نے فروغ دیا' انہوں نے ملامت کی حقیقت کے بارے میں بہت سے نکات اور لطیف اسرار بیان کیے ہیں۔

انہوں نے ارشاد فرمایا ہے:

"اَلْمَلَامَةُ تَرْكُ السَّلَامَةِ" "سلامتی ترک کرنے کو ملامت کہتے ہیں"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی جب کوئی شخص سلامتی کو ترک کر کے مصائب اور آفات کو قبول کرتا ہے' تو ایسا شخص تمام پسندیدہ اور آرام دہ چیزوں سے بری ہو جاتا ہے' وہ مال کی ہوس سے لاتعلق ہو جاتا ہے اور جلال کے ظہور کی اُمید کے حوالے سے کمربستہ ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے' مخلوق کی طرف سے مسترد ہو جانے کے نتیجے میں وہ مخلوق سے نا اُمید ہو جاتا ہے اور لوگوں سے محبت اس کی طبیعت سے نکل جاتی ہے' تو جیسے' جیسے وہ لوگوں کے ساتھ اپنا تعلق توڑتا جاتا ہے' اُس کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے' تو لوگ جس چیز کی طرف توجہ کرتے ہیں اور جس چیز سے انہیں آرام محسوس ہوتا ہے' ملامت کرنے والا شخص اس سے منہ پھیر لیتا ہے تاکہ ان کا مقصد اہل دنیا کے مقصد سے بالکل برعکس ہو' کیونکہ اپنی صفات کے حوالے سے وہ منفرد ہوتے ہیں۔

ملامت کسے کہتے ہیں؟

احمد بن فاتک نے شیخ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات نقل کی ہے' انہوں نے شیخ حسین بن منصور

حلاج رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: صوفی کون ہوتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

''وَاجِدُوْنَ الذَّاتَ'' ''جو ذات کی معرفت حاصل کر چکا ہو''۔

شیخ ابوحمدون سے ملامت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

''ملامت کا راستہ مخلوق کے لیے بہت مشکل ہے بلکہ یہ اُن کے لیے بند ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تاہم میں اس بارے میں کچھ بیان کرتا ہوں:

''رَجَاءُ الْمُرْجِئَةِ وَخَوْفُ الْقَدْرِيَةِ''

مرجئہ (فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں) کی طرح کی اُمید اور قدریہ (فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں) کی طرح کا خوف ملامت کی صفات ہیں۔

اس میں ایک لطیف اشارہ موجود ہے اور وہ یہ ہے' ملامتی شخص کی طبیعت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے علاوہ اور کسی چیز کی طرف راغب نہیں ہوتی ہے' اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے جتنا اُسے لاتعلقی حاصل ہوتی ہے' اتنی کسی اور کو نہیں ہوتی' ایسا شخص دنیاوی مرتبہ و مقام سے متنفر رہتا ہے' اس کے برخلاف عام لوگ اپنے لیے دنیاوی مرتبہ و مقام ضروری خیال کرتے ہیں' یعنی یہ بات کہ لوگ ان کو پسند کریں' اُن کی تعریف کریں' بلکہ اپنی تعریف کے لیے وہ جان و دل دینے پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں اور اپنی اسی تعریف کی خواہش میں وہ اپنے پروردگار سے جدا ہو جاتے ہیں۔

تو خوف زدہ شخص ہمیشہ اس خوف کا شکار رہتا ہے' وہ کسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار نہ ہو جائے' اس لیے وہ کسی بھی خطرناک مقام سے بچنے کی کوشش کرتا ہے' اس کوشش کے دوران طالب کو دو طرح کے خطرات پیش آتے ہیں۔

ایک مخلوق کے حجاب کا خوف' دوسرا ایسا فعل سرانجام نہ دینا جس کی وجہ سے لوگ اس کے ساتھ اس کے فعل پر بھی گنہگار ہوں اور عام لوگ اس پر ملامت کرنا شروع کر دیں۔

یعنی اسے یہ بھی منظور نہیں ہوتا کہ لوگ اُس کی عزت کر کے آرام سے رہیں اور یہ بھی گوارا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی وجہ سے کسی کو گنہگار کرے۔

اس لیے بطور خاص ملامتی شخص کے لیے یہ بات ضروری ہے' لوگوں کے ساتھ دنیا اور آخرت کی دشمنی کے رشتے کو ختم کر دے بلکہ اُسے اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایسا کام کرنا چاہیے جو نہ تو کبیرہ گناہ ہو اور نہ ہی صغیرہ گناہ ہو' تاکہ اس وجہ سے لوگ اسے مسترد نہ کریں' یہاں تک کہ شرعی معاملات میں اس کا خوف قدریہ فرقے کے لوگوں کی طرح ہو۔ اور ملامت کرنے والے لوگوں کے حوالے سے اُسے وہ اُمید ہو جو مرجئہ فرقہ کے لوگوں کو ہوتی ہے۔

دوستی میں ملامت

حقیقت یہ ہے' دوستی میں ملامت سے زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں لگتی' کیونکہ دوست کی وجہ سے ہونے والی ملامت انسان پر

اثر انداز نہیں ہوتی کیونکہ دوست اپنے دوست کی گلی کے علاوہ اور کہیں سے گزر نہیں سکتا' اور دوست کے دل میں کسی غیر کا خیال بھی نہیں آتا۔ کسی سچے عاشق نے اپنے محبوب کو یہ کہا ہے:

لِاَنَّ الْمَلَامَۃَ رَوْضَۃُ الْعَاشِقِیْنَ وَنُزْھَۃُ الْمُحِبِّیْنَ وَ رَاحَۃُ الْمُشْتَاقِیْنَ وَ سُرُوْرُ الْمُرِیْدِیْنَ

''میں محبت میں ملامت کو لذیذ محسوس کرتا ہوں کیونکہ یہ عاشق لوگوں کی سیر گاہ ہے' محبت کرنے والوں کا باغ ہے' مشتاق لوگوں کے لیے راحت کا باعث ہے اور مریدین کے لیے سرور (خوشی) کا باعث ہے''۔

جنات اور انسانوں میں صرف یہی ایک گروہ ہے' جو اپنے دل کی سلامتی کے لیے ظاہری ملامت کو بطور خاص اختیار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقرب لوگوں' بلند مقام فرشتوں اور روحانی لوگوں میں سے کسی طبقے کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔

سابقہ اُمتوں کے عبادت گزاروں' زاہدوں اور سرداروں کو بھی یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوا' صرف ان ملامتی لوگوں کو یہ مرتبہ ملا ہے' جو دل کے راستے کو قطع کر دینے والے سالک ہیں۔

لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ملامت صرف ریاکاری ہے اور ریا صرف منافقت ہے۔

ریاکار شخص کوشش کر کے ایسے راستے پر چلتا ہے' جس کے نتیجے میں لوگ اسے پسند کرنے لگیں اور ملامت کرنے والا شخص کوشش کر کے ایسے راستے پر چلتا ہے' جس کی وجہ سے لوگ اسے مسترد کریں لیکن یہ دونوں گروہ لوگوں میں ہی پھنس کے رہ گئے ہیں' لوگوں سے باہر نکلنا ان کے بس کی بات نہیں ہے' ان میں سے ایک نے اس عمل کو اختیار کیا اور دوسرے نے دوسرے عمل کو اختیار کر لیا' لیکن جو حقیقی درویش ہوتا ہے' اُس کے ذہن میں حدیث حق کے علاوہ اور کسی بات کا گزر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہی ہے' وہ لوگوں سے اپنے تعلق کو ختم کر لیتا ہے۔ اس لیے وہ دونوں معنی سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور اس پر کسی بھی چیز کی پابندی عائد نہیں ہوتی۔

ایک ملامتی سے ملاقات

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ ''ماوراء النہر'' میں مجھے ایک ملامتی صوفی کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا' جب وہ مجھے پسند آنے لگا تو میں نے اُس سے کہا: اے برادر! یہ جو تم حرکتیں کرتے ہو' ان کے ذریعے تمہارا مقصد کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا: خود کو مخلوق سے پوشیدہ رکھنا' میں نے کہا: لوگ تو بہت زیادہ ہیں اور تمہاری عمر بہت کم ہے' تو تم لوگوں سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے' تو تم خود اُنہیں کیوں نہیں چھوڑ دیتے تاکہ تم اس مصیبت سے آزاد ہو جاؤ۔ کچھ لوگ' لوگوں میں ہی مشغول ہوتے ہیں حالانکہ وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں' لوگ ان کی طرف مشغول ہیں' تو تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ تم اپنے آپ کو دیکھو ہی نہیں' اس طرح کوئی بھی تمہیں نہیں دیکھے گا۔

جب زمانے سے محبت کی آزمائش کو تم نے دیکھ لیا ہے' تو پھر تمہارا غیر سے کیا کام ہو سکتا ہے' جس کو کوئی دوا کھائے بغیر

شفاء مل سکتی ہے' اُسے دوا کھانے کی کیا ضرورت ہے' ایسا آدمی ٹھیک نہیں ہوتا۔

بعض لوگ اپنے نفس کی ریاضت کے لیے خود کو ملامتی بنا لیتے ہیں تاکہ لوگ اُن کو ذلیل و رسوا کریں اور اس ذلت و رسوائی کے نتیجے میں اُن کا نفس ادب سیکھ لے' وہ لوگ اس بات سے خوش ہوتے ہیں' اُن کا نفس ذلت و رسوائی کا مزہ چکھے۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' کسی نے اُن سے دریافت کیا: کیا آپ کو اپنی مراد حاصل ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! دو مرتبہ ملی ہے۔

ایک مرتبہ میں کشتی میں جا رہا تھا' وہاں کوئی بھی شخص مجھ سے واقف نہیں تھا' میں نے میلے سے کپڑے پہن رکھے تھے' سر کے بال لمبے ہو چکے تھے' اسی حالت میں' میں کشتی میں سفر کر رہا تھا تو ان میں سے بعض لوگ مجھے حقارت کے ساتھ دیکھنے لگے اور میرا مذاق اُڑانے لگے تو ان میں ایک شخص ایسا تھا جو میرا مذاق اُڑاتے ہوئے میرے سر کے بال نوچنے لگا' وہ لوگ میرے بارے میں ہنسی مذاق کرتے ہوئے میرا مذاق اُڑانے میں مشغول تھے اور میں دلی طور پر خوش ہو رہا تھا' مجھے اپنی مراد مل گئی اور میری یہ خوشی اُس وقت انتہاء تک پہنچ گئی جب اُن مذاق اُڑانے والوں میں سے ایک نے اُٹھ کر مجھ پر پیشاب کر دیا۔

دوسری مرتبہ جب مجھے مراد نصیب ہوئی تو اُس کا واقعہ یوں ہے' تیز بارش ہو رہی تھی' میں سفر کرتے ہوئے ایک گاؤں میں پہنچا' سردی کے موسم کی وجہ سے مجھے بہت شدید سردی محسوس ہو رہی تھی' میرا لباس پانی سے بھیگ چکا تھا' پھر ایک مسجد میں گیا تو اُن لوگوں نے مجھے وہاں رہنے نہیں دیا' پھر میں دوسری مسجد میں گیا پھر میں تیسری مسجد میں گیا (لیکن کسی نے بھی مجھے رہنے نہیں دیا) میں اسی طرح عاجز آ گیا اور میرا جسم سردی کی لپیٹ میں آ گیا تو میں حمام کی بھٹی میں گھس گیا اور اپنا دامن اس آگ پر تان دیا' اس کا دھواں میرے نیچے سے ہو کر اوپر سے نکل آیا تو میرے کپڑے اور میرا چہرہ سیاہ ہو گیا' اُس وقت بھی مجھے اپنی مراد حاصل ہو گئی۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں علی بن عثمان جلابی یہ کہتا ہوں: میرے ساتھ بھی اس طرح کا ایک واقعہ پیش آیا' مجھے ایک مسئلہ درپیش تھا' میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ مسئلہ حل ہو جائے لیکن وہ حل نہیں ہوا' اس سے پہلے بھی میں اس طرح کی صورتِ حال سے دوچار ہوا تھا۔ میں شیخ بایزید بسطامی کے مزار پر خادم کے طور پر اس وقت تک رہا تھا جب تک وہ مسئلہ حل نہیں ہو گیا تھا۔

اس مرتبہ بھی میں نے شیخ بایزید بسطامی کے مزار کا قصد کیا اور تین دن تک اُن کے مزار پر چلّہ کرتا رہا' لیکن مسئلہ حل نہیں ہوا' میں روزانہ تین مرتبہ غسل کرتا تھا اور روزانہ تین مرتبہ وضو کرتا تھا اور اس اُمید پر رہا کہ کشف کے ذریعے مسئلہ حل ہو جائے لیکن کوئی کشف حاصل نہیں ہوا' پھر میں وہاں سے اُٹھا اور خراسان کی طرف روانہ ہو گیا' سفر کے دوران میں نے ''کمش''

نامی گاؤں میں خانقاہ میں پڑاؤ کیا' وہاں کچھ نام نہاد صوفی ٹھہرے ہوئے تھے' میں نے ایک بڑی اور کھردری سی گدڑی پہن رکھی تھی' صوفیاء کے مخصوص سامان میں سے میرے پاس صرف ایک لاٹھی اور ایک لوٹا تھا' اُن صوفیوں نے مجھے بہت حقیر سمجھا' ان میں سے کوئی مجھ سے واقف نہیں تھا' انہوں نے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کہا' یہ شخص ہمارے طبقے سے تعلق نہیں رکھتا' اور یہ بات حقیقت تھی کہ میں ان میں سے نہیں تھا لیکن میری مجبوری یہ تھی کہ میں نے رات وہیں گزارنی تھی' مجھے انہوں نے ایک بالا خانہ میں ٹھہرا دیا اور خود اوپر والے بالا خانے میں ٹھہر گئے' انہوں نے میری طرف کھانے کے لیے جو روٹی پھینکی اُس پر پھپھوندی لگی ہوئی تھی' لیکن وہ خود جو کھانا کھا رہے تھے اُس کی خوشبو مجھ تک پہنچ رہی تھی۔ وہ اس دوران میرے بارے میں طنزیہ گفتگو کرتے رہے' کھانے سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے خربوزے کھانے شروع کر دیئے اور اس کے چھلکے میری طرف پھینکنے شروع کر دیئے' اُنکے اس توہین اور تحقیر آمیز رویے اور اپنی طبیعت کی بشاشت پر میں مطمئن وخوش تھا۔ میں نے عرض کی: اے میرے معبود! اگر ان لوگوں نے تیری دوستی کا لباس نہ پہنا ہوا ہوتا تو میں یہ چیز برداشت نہ کر پاتا۔

وہ لوگ جیسے' جیسے مجھ پر طعنہ زنی کرتے گئے' میرا دل اندر سے خوش ہوتا چلا گیا' یہاں تک کہ اس بوجھ کو برداشت کرنے کے نتیجے میں میرا وہ مسئلہ حل ہو گیا' اس وقت مجھے اندازہ ہوا' مشائخ اپنے ساتھ جہلاء کو کیوں برداشت کرتے ہیں؟

یہ ملامت سے متعلق احکام تھے' جو پوری تحقیق سے میں نے بیان کر دیئے ہیں' باقی توفیق' اللہ تعالیٰ کی مدد سے حاصل ہوتی ہے۔

آٹھواں باب:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ائمہ طریقت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صوفیاء کے پیشوا

ہم اب صحابہ کرام میں سے صوفیاء کے پیشواؤں کے کچھ حالات بیان کریں گے' جو انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صوفیاء کے پیشوا ہیں' عارفانہ معاملات میں ان کے قائد ہیں' احوال میں ان کے رہنما ہیں۔ ان میں سبقت کرنے والے پہلے لوگ یعنی مہاجرین وانصار شامل ہیں' اس کا بنیادی مقصد یہ ہے' اگر اللہ کو منظور ہو' تو تمہاری مراد پختہ ہو جائے۔

*حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' یہ شیخ الاسلام تھے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین فرد تھے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور نائب تھے' دنیا ترک کرنے والوں کے سردار تھے' خلوت اور تنہائی اختیار کرنے والوں کے پیشوا تھے۔ نفسانی خرابیوں سے بہت دور تھے' آپ حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ ہیں' دینی معاملات اور شرعی حقائق میں ان کی کرامات' ان کے دلائل اور ان کی نشانیاں مشہور ہیں' تصوف کے بارے میں ان کے کچھ معمولات ذکر کیے گئے ہیں' صوفیاء مشاہدہ کرنے والوں میں انہیں سب سے مقدم سمجھتے ہیں' البتہ ان کے بارے میں روایات کم ہیں۔ دینی معاملات میں شدت پسندی اور سختی کے حوالے سے صوفیاء کرام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشاہدہ کرنے والوں کا پیشوا سمجھتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشاہدے کی کیفیت

مستند روایات میں یہ بات منقول ہے' اور اہل علم کے درمیان یہ بات مشہور ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب رات کے وقت نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو پست آواز میں قرآن کی تلاوت کرتے تھے' جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تھے تو بلند آواز میں قرأت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: تم پست آواز میں قرآن کی تلاوت کیوں کرتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کی: ''اُسۡمِعُ مَنۡ اُنَاجِیۡهِ '' میں اس ذات کو سناتا ہوں' جس سے میں سرگوشی میں بات کر رہا ہوں' اور میں یہ بات جانتا ہوں' وہ مجھ سے دور نہیں ہے۔ میرا آہستہ پڑھنا یا بلند آواز

*طبقات ابن سعد (169/3) طبقات خلیفة (ص 17) التاریخ الصغیر للبخاری (57/1) الثقات للعجلی (ص 491) الجرح والتعدیل (111/5) معجم الصحابة للبغوی (ق 168/ب) المستدرك (61/3) معرفة الصحابة لابی نعیم (159/1) اسد الغابة (205/3) تجرید اسماء الصحابة (323/1) تذکرة الحفاظ (2/1) الکاشف (97/2) الاصابة (101/4) التہذیب (315/5) التقریب (ص/313) الریاض المستطابة (ص 140)

سے پڑھنا میرے لیے برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: تم بلند آواز میں کیوں پڑھتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کی: ''اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ اَیِ النَّائِمَ وَاَطْرُدُ الشَّیْطَانَ'' میں (اپنی تلاوت کے ذریعے) سوئے ہوئے شخص کو بیدار کرتا ہوں' اور شیطان کو بھگا دیتا ہوں۔ *

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب ان کے مجاہدہ کو بیان کرتا ہے' اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب ان کے مشاہدے کی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔ مشاہدے کے مقابلے میں مجاہدے کی وہی حیثیت ہے' جو سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے' نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی:

''هَلْ اَنْتَ اِلَّا حَسَنَةٌ مِّنْ حَسَنَاتِ اَبِیْ بَكْرٍ'' ''اے عمر! تمہاری حیثیت ابوبکر کی ایک نیکی کے جتنی ہے''۔

حالانکہ اسلام کی عزت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے تھی' تو اب آپ یہ غور کر سکتے ہیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے تمام اہل دنیا کی کیا حیثیت ہوگی؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا گیا:

'' دَارُنَا فَانِیَةٌ وَاَحْوَالُنَا عَارِیَةٌ وَاَنْفَاسُنَا مَعْدُوْدَةٌ وَكَسَلُنَا مَوْجُوْدَةٌ''

''ہمارا گھر (دنیا) فانی ہے' ہماری حالت عارضی ہے' ہماری سانسیں گنی چنی ہیں' اور ہمارے اندر کاہلی موجود ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) فنا ہو جانے والے گھر کو آباد کرنا جہالت ہے' عارضی احوال پر اعتبار کرنا بے وقوفی ہے' گنتی کی سانسوں کے ساتھ دل لگا لینا غفلت شمار ہوگا' اور دین کے معاملے میں سستی کرنا سستی نہیں خسارہ ہوگا' جو چیز ادھار لی جاتی ہے اسے واپس کرنا ہوتا ہے اور جو چیز گزرنے والی ہو وہ باقی نہیں رہتی اور جس کی گنتی کی جا سکتی ہو وہ ختم ہو جاتی ہے' اور کاہلی کا کوئی علاج نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بات بتا دی ہے' دنیا اور اس میں موجود چیزیں ایسی نہیں ہیں' جن کے ساتھ دل لگایا جا سکے۔ جب تم فانی چیز کے ساتھ مشغول ہو جاؤ گے' تو باقی ذات سے لاتعلق ہو جاؤ گے' کیونکہ نفس اور دنیا' اللہ تعالیٰ کے طلبگار کے لیے حجاب کی حیثیت رکھتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ کے دوست ان دونوں چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں' اس وقت جب وہ یہ جان لیتے ہیں کہ یہ سب عارضی طور پر لی ہوئی چیزیں ہیں' جو حقیقت میں دوسرے کی ملکیت ہیں۔ اس لیے انہوں نے دوسرے کی ملکیت چیز سے اپنے تصرف کے ہاتھ کو پیچھے کر لیا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے (انہوں نے دعا کی):

*مصنف عبد الرزاق الصنعانی' کتاب الصلاۃ' باب قراءۃ اللیل' حدیث:4072

"اَللّٰهُمَّ ابْسُطْ لِيَ الدُّنْيَا وَزَهِّدْنِيْ فِيْهَا"

''اے اللہ! میرے لیے دنیا کو کشادہ کر دے اور مجھے دنیا میں زاہد بنا دے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے' پہلے مجھے دنیا میں فراخی عطا کر! تاکہ میں اس بات پر تیرا شکر ادا کرسکوں اور پھر تو مجھے اس بات کی توفیق عطا کر کہ میں دنیا سے لاتعلق ہو جاؤں اور اس سے منہ موڑ لوں' تاکہ میں شکر کے مقام پر بھی فائز ہو جاؤں اور صبر کے مقام پر بھی فائز ہو جاؤں' یعنی فقر مجھے مجبوری کے عالم میں نہ ملے' بلکہ اختیار کی وجہ سے ملے۔

اس قول کے ذریعے اس شخص کا موقف ردّ ہو جاتا ہے' جو اس بات کا قائل ہے' مجبوری کے عالم میں ملنے والا فقر اپنی مرضی سے حاصل ہونے والے فقر سے بہتر ہوتا ہے' کیونکہ مجبوری کے عالم میں اگر فقر ملتا ہے' تو آدمی فقر کے تابع ہوتا ہے' اور اگر اختیار کے عالم میں فقر ملتا ہے' تو فقر' آدمی کے تابع ہوتا ہے' پہلی صورت میں فقر کی حیثیت ذاتی ہوتی ہے' اور مستقل ہوتی ہے' جبکہ دوسری صورت میں فقر کی حیثیت عارضی ہوتی ہے' تو کیونکہ پہلی صورت میں فقر کے حصول میں انسان کی کوشش کا کوئی دخل نہیں ہوتا' اس لیے ایسا شخص اس شخص سے بہتر قرار دیا جائے گا جو تکلیف اور کوشش کے ساتھ فقر کے مرتبے تک پہنچتا ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں' فقر کی صفت اس وقت زیادہ اچھے طریقے سے ظاہر ہوتی ہے' جب غنا کی حالت میں فقر کی طلب انسان کے ذہن پر غالب آ جائے' اور انسان پر اس طرح اثر انداز ہو' اس کو بنی نوع انسان کی محبوب ترین چیز سے ہٹا دے اور وہ چیز دنیا ہے۔ فقر کی حالت میں غنا کی خواہش انسان کے ذہن پر غلبہ پالے اور اس پر یوں اثر انداز ہو' اس کے درہم و دینار لینے کے لیے ظالم لوگوں اور بادشاہوں کے دربار تک نہ جانا پڑے۔ فقر وہ عمل ہے' جس کی وجہ سے انسان غنا کو چھوڑ کر فقر کو اختیار کر لیتا ہے' اس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ فقر میں دنیا کی سرداری کو طلب کرے' یہی وجہ ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہیں' کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ قدم ان سے آگے بڑھائے' جب انہوں نے اختیاری فقر کو اضطراری فقر پر ترجیح دی ہے' تو باقی لوگ بھی اس کو ماننے کے پابند ہوں گے اور تمام مشائخ اس بات پر کاربند بھی ہیں' صرف اس ایک شخص کا قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نظریے سے مختلف ہے' جیسے ہم نے دلائل کے ساتھ غلط ثابت کر دیا ہے' اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے موقف کی تائید میں دلائل نقل کر دیئے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطبہ

زہری روایت کرتے ہیں: جب لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت کر لی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور انہوں نے خطبے کے دوران یہ بات ارشاد فرمائی:

وَاللهِ مَا كُنْتُ حَرِيْصًا عَلَى الْإِمَارَةِ يَوْمًا وَّلَا لَيْلَةً قَطُّ وَلَا كُنْتُ فِيْهَا رَاغِبًا وَلَا سَأَلْتُهَا اللهَ قَطُّ فِيْ سِرٍّ وَّلَا عَلَانِيَةٍ وَمَا لِيْ فِي الْاَمَارَةِ مِنْ رَّاحَةٍ

''اللہ کی قسم! میں کبھی بھی حکومت کا طلب گار نہیں رہا' نہ مجھے اس کی خواہش ہے' نہ میں نے یہ اللہ تعالیٰ سے مانگی

تھی نہ تنہائی میں اور نہ علانیہ طور پر اور مجھے اس حکومت سے راحت حاصل نہیں ہوتی''۔

(سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جب اللہ تعالیٰ بندے کو صدق کی انتہاء تک پہنچا دیتا ہے اور عزت کے اس مقام پر فائز کر دیتا ہے تو اب وہ امر الٰہی کے سامنے آنے کا منتظر ہوتا ہے وہ امر الٰہی کس طرح سامنے آتا ہے اور وہ اس امر کی پیروی کرتے ہوئے اس کے مطابق ہو جاتا ہے اگر امر الٰہی یہ ہو تم فقیر بن جاؤ تو انسان فقیر بن جاتا ہے اگر امر الٰہی یہ ہو تم امیر بن جاؤ تو وہ انسان اس میں بھی ذاتی تصرف واختیار کو استعمال نہیں کرتا کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آغاز سے لے کر انتہا تک اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے آگے سر جھکانے والے تھے اس لیے انہوں نے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے دنیا ترک کرنے حرص ولالچ کو چھوڑنے اور ریاست کو ترک کرنے میں صوفیاء حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کے پیشوا ہیں اور بطور خاص اہل تحقیق کے پیشوا ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

ان حضرات میں سے ایک حضرت ابوحفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں جو اہل ایمان کے لشکر کے سپہ سالار ہیں اور آسان کرنے والوں کے درویش ہیں اہل تحقیق کے پیشوا ہیں اور دریائے محبت میں غرق ہیں آپ کی بہت سی کرامات اور بہت سے اقوال منقول ہیں آپ کی خصوصیات میں دینی اُمور میں فہم وفراست سے کام لینا اور سختی کے ساتھ اس کی پابندی کرنا شامل ہے۔

طریقت کے بارے میں آپ سے بہت سے بہترین اقوال منقول ہیں جن میں باریک نکات پائے جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

آپ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ''* ''حق عمر کی زبان پر کلام کرتا ہے''۔

*نوٹ: علم حدیث کی متداول کتابوں میں یہ روایت دیگر الفاظ کے ساتھ منقول ہے جن میں یہ الفاظ بھی ہیں:" ان اللّٰه جعل الحق علی لسان عمر صحیح ابن حبان' کتاب اخبارہ صلی اللّٰه علیه وسلم عن مناقب الصحابة ' ذکر اثبات اللّٰه جل وعلا الحق علی قلب عمر ولسانه' حدیث:6999المستدرك علی الصحیحین للحاکم' کتاب معرفة الصحابة رضی اللّٰه عنهم' ومن مناقب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه' حدیث:4450سنن ابی داود' کتاب الخراج والامارة والفیء باب فی تدوین العطاء' حدیث:2587سنن ابن ماجه' المقدمة' باب فی فضائل اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم' فضل عمر رضی اللّٰه عنه' حدیث:107جامع ترمذی' الذبائح' ابواب المناقب عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم' باب' حدیث:3700مصنف ابن ابی شیبة' کتاب الفضائل' ما ذکر فی فضل عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه' حدیث:31327السنن الکبری للبیهقی' کتاب قسم الفیء والغنیمة' باب وجوب الخمس فی الغنیمة والفیء' حدیث:11906مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بنی هاشم' مسند عبد اللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنهما' حدیث:4994مسند عبد بن حمید' احادیث ابن عمر' حدیث:759البحر الزخار مسند البزار' غضیف بن الحارث ' حدیث:3427المعجم الاوسط للطبرانی' باب الالف' من اسمه احمد' حدیث:289المعجم الکبیر للطبرانی' باب الباء ' بلال بن رباح مؤذن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم' غضیف بن الحارث ' حدیث:1069

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

"قَدْ كَانَ فِي الْأُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَإِنْ يَّكُ فِيْ أُمَّتِيْ فَعُمَرُ" *

"پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہوا' تو "عمر" ہوگا"۔

طریقت کے بارے میں آپ کے بہت سے لطیف نکات منقول ہیں' اس کتاب میں ان سب کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"اَلْعُزْلَةُ رَاحَةٌ مِنْ خُلَفَاءِ السُّوْءِ"

"بُرے ہم نشین کے مقابلے میں تنہائی زیادہ باعثِ راحت ہے"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تنہائی دو قسم کی ہوتی ہے' ایک تنہائی یہ ہے' انسان لوگوں سے منہ موڑ لے اور دوسری تنہائی یہ ہے' انسان خود سے تعلق ختم کر لے۔ لوگوں سے منہ موڑنے کا مطلب یہ ہے' انسان خالی جگہ کو اختیار کرے' اور اپنے جیسے دوسرے لوگوں کے ساتھ رہنے سے کنارہ کش ہو جائے۔ اپنے اعمال کے عیوب کو دیکھ کر سکون پائے' لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے اجتناب کرے' اور اپنی خرابی سے لوگوں کو محفوظ رکھے' لیکن لوگوں سے تعلق توڑنے کا تعلق دل سے ہے' اور دل کی کیفیت کا مخلوق کے ظاہر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا' جب کوئی شخص دلی طور پر مخلوق سے لاتعلق ہو جاتا ہے' تو اسے مخلوق کے ساتھ رہنے کی کوئی خبر نہیں ہوتی' جب کسی شخص کا دل لوگوں سے لاتعلق ہو جاتا ہے' تو اسے مخلوق کی طرف سے کسی سے بھی کوئی اندیشہ نہیں رہتا اور اسے اس بات کا خطرہ نہیں رہتا کہ کوئی اس کے دل پر غلبہ پا سکتا ہے' ایسی حالت میں انسان لوگوں کے

*صحيح البخاری' كتاب احاديث الانبياء ' باب حديث الغار' حديث:3300صحيح البخاری' كتاب المناقب' باب مناقب عمر بن الخطاب ابی حفص القرشی العدوی رضی الله' حديث:3507صحيح مسلم' كتاب فضائل الصحابة رضی الله تعالی عنهم' باب من فضائل عمر رضی الله تعالی عنه' حديث:4516صحيح ابن حبان' كتاب اخباره صلی الله عليه وسلم عن مناقب الصحابة ذكر الخبر الدال علی ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه' حديث:7004المستدرك علی الصحيحين للحاكم' كتاب معرفة الصحابة رضی الله عنهم' ومن مناقب امير المؤمنين عمر بن الخطاب رضی الله عنه' حديث:4448سنن ابی داود' كتاب السنة' باب لزوم السنة' حديث:4017جامع ترمذی' الذبائح' ابواب المناقب عن رسول الله صلی الله عليه وسلم' باب' حديث:3711السنن الكبری للنسائی' كتاب المناقب' مناقب اصحاب رسول الله صلی الله عليه وسلم من المهاجرين والانصار' فضل ابی بكر وعمر رضی الله عنهما' حديث: 7855مشكل الآثار للطحاوی' باب بيان مشكل ما روی عن رسول الله صلی الله عليه' حديث:1425مسند احمد بن حنبل' مسند الانصار' الملحق المستدرك من مسند الانصار' حديث السيدة عائشة رضی الله عنها حديث:23758مسند الحميدی' احاديث عائشة ام المؤمنين رضی الله عنها عن رسول الله ' حديث:248سند اسحاق بن راهويه' ما يروی عن ابی سلمة بن عبد الرحمن عن عائشة' حديث:935شعب الايمان للبيهقی' التاسع والثلاثون من شعب الايمان الفصل الثانی فی ذم كثرة الاكل' حديث:5478

درمیان موجود ہوتے ہوئے بھی لوگوں سے جدا ہوتا ہے' اور انسان کا ارادہ بھی لوگوں سے لاتعلق ہوتا ہے' یہ بہت بلند مقام ہے' اور بہت دوری پر واقع ہے۔ اس کیفیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحیح راہبر تھے' انہوں نے عزلت (تنہائی) کو راحت قرار دیا ہے' حالانکہ وہ بظاہر مسلمانوں کے امیر اور ان کے خلیفہ تھے' لیکن حقیقت میں ان کا دل تنہائی میں سکون حاصل کرتا تھا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے' اہل باطن بظاہر لوگوں سے میل ملاپ رکھتے ہیں' لیکن ان کا دل درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے' اور وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' اور وہ لوگوں سے بظاہر جو میل ملاپ رکھتے ہیں' اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے لیے ایک آفت سمجھتے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہنے میں اس طرح سمجھتے ہیں' مخلوق کے ساتھ رہنے کو اس طرح نہیں سمجھتے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے دنیا کبھی بھی صفائی کا باعث نہیں ہو سکتی اور خوشگواری کا باعث نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"دَارٌ اُسِسَتْ عَلَى الْبَلْوٰى بِلَا بَلْوٰى مَحَالٌ"

"جس گھر کی بنیاد آزمائش پر رکھی گئی ہو اس کا آزمائش سے خالی ہونا ناممکن ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک تھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے تمام اعمال پسندیدہ تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا' تو حضرت جبرائیل علیہ السلام' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"یَامُحَمَّدُ قَدِ اسْتَبْشَرَ اَهْلُ السَّمَاءِ الْيَوْمَ بِاِسْلَامِ عُمَرَ" *

"اے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! عمر کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اہل آسمان نے خوشی کا اظہار کیا ہے"۔

صوفیاء کرام گدڑی پہننے اور دینی معاملات میں سختی کرنے کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہی پیروی کرتے ہیں' اور ان تمام اُمور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام امت کے پیشوا کی حیثیت رکھتے ہیں۔

* صحیح ابن حبان' کتاب اخباره صلی الله علیه وسلم عن مناقب الصحابة ' ذکر استبشار اهل السماء باسلام عمر بن الخطاب رضی الله عنه' حدیث:6993المستدرك علی الصحیحین للحاکم' کتاب معرفة الصحابة رضی الله عنهم' ومن مناقب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی الله عنه' حدیث:4440سنن ابن ماجه' المقدمة' باب فی فضائل اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فضل عمر رضی الله عنه' حدیث:102المعجم الکبیر للطبرا[illegible] عبد الله' وما [illegible] عبد الله بن عباس رضی الله عنهم' مجاهد' حدیث:10904

*حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے) مشائخ طریقت میں سے ایک حضرت ابوعمرو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں، جو حیا کے خزانے کا گوہر ہیں، اور درگاہِ رضا سے وابستہ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر ثابت قدمی سے چلنے اور پیروی کرنے سے آراستہ تھے۔ ان کے فضائل ومناقب ہر لحاظ سے واضح ہیں، اور ظاہر بھی ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت

عبداللہ بن رباح اور ابوقتادہ نے یہ بات بیان کی ہے، جب بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر پر حملہ کیا، تو اس وقت ہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، جب وہ بلوائی اور شرپسند لوگ حضرت عثمان کے گھر کے باہر جمع ہو گئے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے ان کے مقابلے میں ہتھیار اُٹھائے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ بات ارشاد فرمائی:

''جو ان کے مقابلے میں ہتھیار نہیں اُٹھائے گا وہ میری طرف سے آزاد ہے''۔

راوی بیان کرتے ہیں: خوف کے عالم میں ہم ان کے گھر سے باہر آئے تو راستے میں ہماری ملاقات حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ہوئی، ہم ان کے ہمراہ دوبارہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اس بات کا جائزہ لیں! یہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو کیا جواب دیتے ہیں۔ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے، تو انہوں نے پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سلام کیا اور پھر ان شرپسندوں کی حرکت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے یہ گزارش کی: اے امیر المؤمنین! میں آپ کے حکم کے بغیر ان کے خلاف تلوار نہیں اُٹھا سکتا، آپ خلیفہ برحق ہیں آپ مجھے حکم دیجیے کہ میں ان شرپسندوں کو آپ سے دور کر دوں، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا:

يَا ابْنَ اَخِيْ اِرْجِعْ وَاجْلِسْ فِيْ بَيْتِكَ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ فَلَاحَاجَةَ لَنَافِيْ اِهْرَاقِ الدِّمَاءِ

''اے میرے بھتیجے! تم واپس جاؤ اور اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے، ہمیں خون بہانے کی ضرورت نہیں ہے''۔

یہ دوستی کے مخصوص مقام پر مصیبت کے وقت (دوست کی مرضی) تسلیم کرنے کے موافق ہے، جیسے اس وقت ہوا تھا جب نمرود نے آگ جلائی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق پر بٹھایا تھا، اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کے پاس آئے تھے اور دریافت کیا تھا: '' هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ '' کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا تھا: ''

*تہذیب التہذیب (4/91-92) والتقریب (ص 385) وتہذیب تہذیب الکمال (2/219) وطبقات ابن سعد (2/78) والاصابة (4/223-224) والمؤتلف والمختلف (ص 81) والاباطیل والمناکیر (1/36) والزهد لوکیع (ص 521) والتبصرة والتذكرة (1/131) وبقی بن مخلد (ص 28) وتاریخ الدوری (2/394) وفضائل الصحابة (1/448) والتاریخ الصغیر (1/58) والتاریخ الکبیر (6/208) وثقات العجلی (ص 37) والقضاة لوکیع (1/110) ووفیات ابن زبر (ص 12) والاستیعاب (3/155-165)

اَمَّـا اِلَیْكَ فَلاَ'' مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے گزارش کی: پھر آپ خدا سے کہیے' تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ''حَسْبِیْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ'' میں جس سے سوال کرنا چاہتا ہوں اس کا میری حالت کے بارے میں علم میرے لیے کافی ہے' یعنی وہ ذات یہ بات اچھی طرح جانتی ہے' میں اس وقت کس مصیبت میں مبتلا ہوں' اور وہ میری حالت سے بخوبی واقف ہے' اور اسے زیادہ بہتر معلوم ہے' میرے لیے کیا صورتِ حال بہتر ہے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حالت کی مثال

تو اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہی حالت تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس وقت تھی جب انہیں آگ میں ڈالا گیا تھا' اور ان شرپسندوں کا اجتماع نمرود کی جلائی ہوئی آگ کی حیثیت رکھتا تھا جبکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اس صورتِ حال میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے قائم مقام تھے' لیکن ان دونوں واقعات میں بنیادی فرق یہ ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آزمائش میں نجات مل گئی تھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس آزمائش میں جامِ شہادت نوش کیا تھا' اس کی وجہ یہ ہے' نجات کا تعلق بقاء سے ہے' اور ہلاکت کا تعلق فنا سے ہے' اس کے بارے میں ہم پہلے بھی یہ بات بیان کر چکے ہیں۔

اپنے مال اور اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے اور عبادت میں خلوص اختیار کرنے کے حوالے سے اولیاء' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے ہیں' شریعت اور حقیقت میں آپ امام برحق ہیں' اور طریقت میں آپ کا راستہ واضح ہے۔

*حضرت علی رضی اللہ عنہ

ان ائمہ میں سے ایک ابوالحسن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ ہیں' جو نبی اکرم کے چچا زاد ہیں' اور ظاہری آزمائش کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں' آپ اولیاء اور صوفیاء کے پیشوا ہیں۔ حقیقت میں ان کی شان عظیم ہے' اور ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ طریقت کے حقائق کے اصولوں کو عبارات میں واضح کرنا انہیں پوری طرح آتا تھا۔

* تہذیب التہذیب (4/211-213) والتقریب (ص 402)وتذهیب تہذیب الکمال (2/250) والاصابة (4/269-271) وطبقات ابن سعد (2/5'54' 4/296)والتاریخ الکبیر (6/359) والاستیعاب (3/197-225) والاستبصار (ص 390) والریاض المستطابة (ص163) وتاریخ بغداد (1/133) وازمنة التاریخ الاسلامی (1/773) والبدایة والنہایة (7/223-224) وتذکرة (1/10) والتاریخ لابن معین (2/49) ومروج الذهب (2/358) والتبصرة والتذکرة (1/26) والشذرات (1/49) والزهد لوکیع (1014) وطبقات الشیرازی (ص41) والتحفة اللطیفة (3/226) والعبر (ص524) والریاض النضرة (1/201) وتاریخ الخلفاء (6/191)وتجرید اسماء الصحابة (1/392) والتاریخ الصغیر (5/435) والجرح والتعدیل (6/191) وتاریخ الاسلام (3/8) وبقی بن مخلد (105) وتنقیح فهوم الاثر (ص 110'367) وصفة الصفوة (1/308) وغایة النہایة (1/546) ومعرفة القراء الکبار (1/30) والاعلام (4/295) وحلیة الاولیاء (2/971) وطبقات الحفاظ (ص4)

حضرت علی رضی اللہ عنہ صوفیاء کے پیشوا

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"شَیْخُنَا فِی الْاُصُوْلِ وَالْبَلَاءِ عَلِیٌّ الْمُرْتَضٰی"

''معرفت کے اصولوں اور آزمائش کی صورت میں طرزِ عمل کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے مرشد ہیں''۔

یعنی طریقت کے معاملات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے امام ہیں' کیونکہ صوفیاء کرام علم طریقت کو علم اصول کہتے ہیں' اور طریقت کے معاملات میں آزمائش کو جھیلنا اور بلاؤں پر صبر کرنا شامل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نصیحت

یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا' تو اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ مجھے کوئی نصیحت کیجئے' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَجْعَلَنَّ اَکْبَرَ شُغْلِكَ بِاَهْلِكَ وَوَلَدِكَ فَاِنْ یَّكُنْ اَهْلُكَ وَوَلَدُكَ مِنْ اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَوْلِیَائَهٗ وَاِنْ كَانُوْا اَعْدَاءَ اللّٰهِ فَمَاهَمُّكَ وَشُغْلُكَ لِاَعْدَاءِ اللّٰهِ

''تم بیوی بچوں میں مشغول ہونے کو اپنا سب سے بڑا مشغلہ نہ بنالینا۔ اس کی وجہ یہ ہے' اگر تمہارے بیوی بچے اللہ تعالیٰ کے دوست ہوں گے' تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہوں گے' تو تمہارا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ کیا واسطہ اور تمہارا ان کے بارے میں افسوس کا شکار ہونا یا ان میں مشغول ہونا کسی بھی طرح درست نہیں ہوگا''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس مسئلے کا تعلق اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام مخلوق سے دل کو لاتعلق کرنے سے ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو جیسا چاہتا ہے ویسا رکھتا ہے' لیکن اس کے لیے یہ بات شرط ہے' انسان کا یقین سچا ہونا چاہیے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ کو' جو حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں' انہیں مشکل ترین حالات میں تنہا چھوڑ کر خدا کے سپرد کر دیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سیّدہ ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ایک ویران آبادی میں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تھا اور خود ان کے ساتھ مشغول نہیں ہوئے تھے' اس کی وجہ یہ ہے' انہوں نے اپنے دل کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا اور اپنے تمام تر معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیئے تھے۔ یہی وجہ ہے' بظاہر بے مراد ہونے کے باوجود انہیں دونوں جہانوں کی تمام مرادیں حاصل ہوگئی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک پاکیزہ ترین عمل

یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک اور قول سے بھی ثابت ہوتی ہے: انہوں نے کسی سوال کرنے والے کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا۔

کسی نے آپ سے سوال کیا: سب سے پاکیزہ عمل کون سا ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''غِنَاءُ الْقَلْبِ بِاللّٰہِ تَعَالٰی'' ''دل کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنی ہونا''۔

یعنی دنیا کا نہ ہونا اسے پریشان نہ کرے اور دنیا کا ہونا اسے خوش نہ کرے۔

حقیقت میں یہ فقر اور صفوت کی طرف لطیف اشارہ ہے' جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے' اس لیے اہل طریقت کو یہ چاہیے' وہ عبارات کے حقائق اور اشارات کے دقائق دنیا اور آخرت کے مال سے ترک تعلق اور تقدیر الٰہی کے مشاہدے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کریں' اس موضوع پر آپ کے بہت سے لطیف اقوال منقول ہیں' لیکن ہم نے یہاں اختصار کے طریقے کو اختیار کیا ہے' باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نوواں باب

ائمہ اہلِ بیت کا تذکرہ

نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت میں وہ لوگ شامل ہیں' جو اصلی طہارت کے ساتھ مخصوص ہیں' جن میں سے ہر ایک فرد طریقت کے امور پر مکمل عبور رکھتا ہے' خاص و عام تمام صوفیاء کے لیے یہ سب حضرات پیشوا ہیں' ان میں سے چند ایک کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

ان میں سے ایک نبی اکرم ﷺ کے محبوب' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل کے پھول' سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کی ٹھنڈک' حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ کو علم طریقت پر بھرپور دسترس حاصل تھی اور اس علم کے باریک اور دقیق مسائل کے حل میں آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت

آپ نے اپنی وصیت میں یہ بات فرمائی تھی:

عَلَيْكُمْ بِحِفْظِ السَّرَائِرِ فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى مُطَّلِعٌ عَلَى الضَّمَائِرِ

''اپنے دلوں (خیالات) کی حفاظت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے واقف ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' جس طرح بندہ اس بات کا پابند ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے دل کی حفاظت کرے' اسی طرح وہ اس کے حفاظت کرنے کا بھی پابند ہوگا' تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کچھ نہ کرے' اس کی حفاظت یہ ہوگی کہ انسان غیر کی طرف توجہ نہ رکھے اور اسرار کی حفاظت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہ کرے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کے نام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا خط

یہ بات منقول ہے' جب قدریہ فرقے کے ماننے والوں کی کثرت ہوئی اور معتزلہ فرقے کے ماننے والے بھی بڑھ گئے تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو خط لکھا' جس کا مضمون یہ تھا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ وَقُرَّةَ عَيْنَيْهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اَمَّا

بَعْدُ! فَاِنَّكُمْ مَعَاشِرَ بَنِیْ هَاشِمٍ كَالْفُلْكِ الْجَارِيَةِ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ وَمَصَابِيْحُ الدُّجٰى وَاَعْلَامُ الْهُدٰى وَالْاَئِمَّةُ الْقَادَةُ الَّذِيْنَ مَنْ تَبِعَهُمْ نَجٰى كَسَفِيْنَةِ نُوْحِ الْمَشْحُوْنَةِ الَّتِیْ يَؤُلُ اِلَيْهَا الْمُؤْمِنُوْنَ وَيَنْجُوْ فِيْهَا الْمُتَمَسِّكُوْنَ فَمَا قَوْلُكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ حَيْرَتِنَا فِی الْقَدْرِ وَاخْتِلَافِنَا فِی الْاِسْتِطَاعَةِ لِتُعَلِّمَنَا بِمَا تَاكَّدَ عَلَيْهِ رَايُكَ فَاِنَّكُمْ ذُرِّيَّةٌ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ بِعِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمْتُمْ وَهُوَ الشَّاهِدُ عَلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ

''اے اللہ کے رسول کے صاحبزادے! اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک! آپ پر سلام ہو! اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں! امابعد! آپ حضرات یعنی بنو ہاشم کے حضرات تاریک سمندر میں چلتی ہوئی کشتی کی مانند ہیں' آپ ہدایت کے چراغ ہیں' اور اس کی نشانی ہیں' آپ پیشوا اور قائد ہیں' جن کی پیروی کرنے والا نجات پا جاتا ہے' آپ کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے' وہ اہل ایمان کی پناہ گاہ بنی تھی اور اس میں آ کر پناہ لینے والے لوگوں نے نجات پائی تھی' اے اللہ کے رسول کے فرزند! آپ کا اس بارے میں کیا موقف ہے؟ جو ہمیں تقدیر کے بارے میں حیرانگی ہے' اور مسئلہ جبر و قدر کے بارے میں ہمارے درمیان (امت کے درمیان) اختلاف پایا جاتا ہے۔ آپ ہمیں واضح طور پر بتائیے کہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے' اور اس نے آپ کو خاص علم عطا کیا ہے' اور اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ بھی ہے' جبکہ آپ حضرات (خاندانِ بنو ہاشم کے افراد) تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں''۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کا جواب

امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں یہ تحریر کیا تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَمَّا بَعْدُ! فَقَدِ انْتَهٰى اِلَیَّ كِتَابُكَ عِنْدَ حَيْرَتِكَ وَحِيْرَةِ مَنْ زَعَمْتَ مِنْ اُمَّتِنَا' وَالَّذِیْ عَلَيْهِ رَاْیِ اِنَّ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ حَمَلَ الْمَعَاصِیَ عَلَى اللّٰهِ فَقَدْ فَجَرَ' اِنَّ اللّٰهَ لَا يُطَاعُ بِاِكْرَاهٍ وَلَا يُعْصٰى بِغَلَبَةٍ وَلَا يُمْهِلُ الْعِبَادَ فِیْ مُلْكِهٖ لٰكِنَّهُ الْمَالِكُ لَمَّا يَمْلِكُهُمْ وَالْقَادِرُ عَلٰى مَا غَلَبَهٗ قُدْرَتُهُمْ عَلَيْهِ قَدَرَهُمْ فَاِنْ اِيْتَمَرُوْا بِالطَّاعَةِ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ صَادًّا وَّلَا لَهُمْ عَنْهَا مُسْتَنْبِطًا' وَاِنْ اَتَوْا بِالْمَعْصِيَةِ وَشَاءَ اَنْ يَّمُنَّ عَلَيْهِمْ فَيَحُوْلُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهَا فِعْلٌ وَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ هُوَ حَمَلَهُمْ عَلَيْهَا اِجْبَارًا وَلَا اَلْزَمَهُمْ اِكْرَاهًا اِيَّاهَا بِاحْتِجَاجِهٖ عَلَيْهِمْ اِنْ عَرَفَهُمْ وَمَكَّنَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمُ السَّبِيْلَ خُذُوْ مَادَعَاهُمْ اِلَيْهِ وَاتْرُكُوْا مَانَهَاهُمْ عَنْهُ وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ وَالسَّلَامُ

''اللہ تعالیٰ کے نام سے آغاز کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے!

امابعد! مجھے آپ کا خط ملا جس میں آپ نے اپنی اور اُمت کی دیگر پریشانیوں کا ذکر کیا تھا' میں اس بارے میں یہ سمجھتا ہوں' جو شخص تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر یقین نہیں رکھتا' خواہ وہ تقدیر اچھی ہو یا بُری ہو' وہ شخص کافر ہے' اور جو شخص اپنے گناہوں کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ کو ٹھہرا دیتا ہے وہ شخص بے ایمان ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کسی پابندی کے بغیر کھلا نہیں چھوڑ دیا ہے' اور نہ ہی اللہ تعالیٰ جبراً ان سے اطاعت کرواتا ہے' نہ ہی انہیں گناہ کرنے پر مجبور کرتا ہے' البتہ بندے کو جتنے بھی اختیارات اور قوت و طاقت حاصل ہے' اس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے' اگر بندوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا جاتا تو ان کے لیے کوئی اختیار باقی نہ رہتا اور ان کے لیے اطاعت کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہوتا' لیکن اگر بندے معصیت کا ارتکاب کرنا چاہتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ ان پر فضل کرنا چاہے تو اس وقت وہ ان بندوں اور ان کی معصیت کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل کر دیتا ہے' لیکن اگر وہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرتے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے لیے مجبور کیا ہے' اور نہ ہی یہ مطلب ہوگا کہ وہ مجبوری کے عالم میں اس کے پابند ہیں' یہ ان لوگوں کے خلاف دلیل اور حجت کے طور پر ہے' اگر وہ اس بارے میں عذر پیش کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راہ ہدایت مقرر کر دی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے جس کام کو کرنے کا حکم دیا ہے آپ لوگ اسے بجا لائیں اور اللہ تعالیٰ نے جس کام سے منع کیا ہے' اس سے اجتناب کریں اور واضح حجت اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے' اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو جتنی بھی توفیق عطا کرتا ہے' بندہ اسی اعتبار سے عمل کرنے کا اختیار رکھتا ہے' ہمارا نظریہ صبر اور جبر کے درمیان کا ہے' اگرچہ ہمارا بنیادی مقصد اس پورے خط کا ایک جملہ تھا' لیکن اس کی ضخامت اور بلاغت کے پیش نظر ہم نے پورا خط یہاں نقل کر دیا ہے' تاکہ آپ کو یہ اندازہ ہو سکے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ علمِ حقائق و اصول پر کتنی مہارت رکھتے تھے اور ان کے علم و فضل کے سامنے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے تمام تر علم و فضل کے باوجود دسویں مرتبے کے ہیں۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی بردباری

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے تحمل اور بردباری کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے' ایک مرتبہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کوفہ میں اپنے گھر کے دروازے پر موجود تھے' ایک بدوی آیا اس نے آپ کے سامنے کھڑے ہو کر آپ کو اور آپ کے والدین کو بُرا کہنا شروع کیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا: تمہیں بھوک لگی ہوئی ہے' پیاسے ہو یا تمہیں کوئی پریشانی درپیش ہے؟ اس آدمی نے پھر یہ کہا' آپ یہ ہیں' اور آپ کے والدین وہ ہیں' تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم سے فرمایا: چاندی کا طشت بھر کر لا کر اسے دے دو' آپ نے اس بدوی کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہمیں اس بارے میں معذور سمجھنا کیونکہ گھر میں صرف یہی موجود تھا' اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا' کچھ اور ہوتا تو اسے دینے میں بھی ہمیں کوئی

تأمل نہ ہوتا۔ جب اس دیہاتی نے آپ کا یہ صبر وتحمل دیکھا' تو وہ یہ بولا: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں واقعی آپ آل رسول ہیں۔

صوفیاء اور مشائخ میں تحمل اور بردباری کی یہ صفت آپ کی ہی پیروی سے ہے' اس کی وجہ یہ ہے' صوفیاء کے نزدیک بھی لوگوں کا بُرا کہنا یا بھلا کہنا ایک جیسی حیثیت رکھتا ہے' صوفیاء الزام تراشی اور لوگوں کی زیادتی اور بُرا کہنے کا کوئی اثر نہیں لیتے (یعنی ذاتی طور پر بُرا نہیں مانتے)۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

اہل بیت کے ائمہ میں سے ایک نبی اکرم ﷺ کی آل کی شمع' تمام دنیاوی علائق سے پاک وصاف' اپنے زمانے کے پیشوا اور آقا حضرت ابوعبداللہ امام حسین بن علی ہیں۔ آپ آزمائش میں مبتلا کیے جانے والے افراد کے رہنما اور پیشوا ہیں۔ آپ کو دشتِ کربلا میں شہید کیا گیا' آپ کے حال کی درستگی پر تمام صوفیاء کا اتفاق ہے یعنی جب تک حق ظاہر اور غالب رہا' آپ نے اس کی فرمانبرداری کی اور جب حق مغلوب ہونے لگا اس وقت آپ نے تلوار نکالی اور میدان میں نکل آئے اور اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھے جب تک اپنی جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان نہ کر دی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میں نبی اکرم ﷺ کی بہت سی نشانیاں موجود تھیں جن سے آپ آراستہ تھے۔ روایات میں آتا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت نبی اکرم ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی پشت پر سوار کیا ہوا تھا' حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس وقت بچے تھے اور نبی اکرم ﷺ ان کا گھوڑا بنے ہوئے تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ڈوری کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا اور ڈوری کا دوسرا سرا نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ کو چلاتے تھے تو نبی اکرم ﷺ چلنے لگتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب میں نے یہ دیکھا' تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُكَ يَا اَبَا عَبْدِاللهِ" "اے ابوعبداللہ! آپ کی سواری کتنی اچھی ہے"۔

تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"نِعْمَ الرَّاكِبُ يَا عُمَرُ" "اے عمر! سوار بھی کتنا اچھا ہے"۔

نوٹ: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حالات میں نقل کی ہے جبکہ علم حدیث کی متداول کتابوں میں یہ بات مذکور ہے' یہ واقعہ حضرت امام حسن کا ہے۔ اس واقعہ کے حوالہ جات درج ذیل ہیں:

جامع ترمذی' الذبائح' ابواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم' حديث:3800 المستدرك على الصحيحين للحاكم' كتاب معرفة الصحابة رضي الله عنهم' ومن فضائل الحسن بن علي بن ابي طالب رضي الله عنه' حديث:4742

امام حسین رضی اللہ عنہ کا قول

طریقت (کے اصول کے بارے) میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بہت سے لطیف نکات منقول ہیں۔امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اَشْفَقُ الْاَخْوَانِ عَلَيْكَ دِيْنُكَ" "تمہارا سب سے مہربان بھائی تمہارا دین ہے"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے انسان کی نجات دین کی پیروی میں ہے اور دین کی مخالفت میں انسان کی ہلاکت ہے عقل مند شخص وہی ہوگا جو مہربان شخص کے حکم کی پابندی کرے گا اور اس کی مشقت کا خیال رکھے گا اور کسی بھی حالت میں اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کرے گا کیونکہ مہربان بھائی وہی ہوتا ہے جو آدمی کی خیر خواہی کرتا ہے اور شفقت اور مہربانی کا دروازہ آدمی کے لیے بند نہیں کرتا ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان جود وسخا

ایک مرتبہ ایک شخص امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: اے فرزند رسول! میں ایک غریب شخص ہوں اور صاحب عیال بھی ہوں مجھے رات کے کھانے کے لیے کچھ عنایت کر دیجیے۔حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: تم بیٹھو ہمارا رزق ابھی راستے میں ہے اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دیناروں کی پانچ تھیلیاں آئیں جن میں سے ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار موجود تھے انہیں لانے والوں نے عرض کی: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے معذرت کی ہے اور یہ گزارش کی ہے آپ انہیں اپنے خادمین پر خرچ کریں (کچھ عرصے بعد) مزید پیش کر دیے جائیں گے۔حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حکم کے تحت وہ پانچوں تھیلیاں اس نادار شخص کو دی گئیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے معذرت کر کے اس سے کہا: تمہیں بہت دیر انتظار کرنا پڑا تمہیں دینے کے لیے ہمارے پاس اتنا ہی ہے اگر مجھے پہلے پتہ ہوتا کہ اتنی کم مقدار ہے تو میں تمہیں انتظار کی زحمت نہ دیتا تم اس بارے میں مجھے معذور سمجھنا ہم تو آزمائش میں مبتلا لوگ ہیں ہم نے دنیاوی ضروریات کو چھوڑ دیا ہے اور دوسروں کی بھلائی کے لیے اپنی آسائش وآرام کو دفن کر دیا ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل اور مناقب مشہور ہیں اور کوئی بھی شخص ان سے ناواقف نہیں ہے۔

*حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

ان ائمہ اہل بیت میں سے ایک (نبی اکرم ﷺ کے علوم کے وارث) اس اُمت کے چراغ، مظلوم سیّد، عبادت گزاروں کے زینت، نیک لوگوں کی شمع، حضرت شیخ ابوالحسن علی بن حسین ہیں۔ وہ ''زین العابدین'' کے نام سے معروف ہیں، آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عبادت گزار شخص تھے، حقائق واضح کرنے اور باریک نکات بیان کرنے کے حوالے سے آپ مشہور ہیں۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا زرّیں قول

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے سوال کیا: دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ نیک بخت کون ہے؟ تو امام زین العابدین نے جواب دیا:

"مَنْ اِذَارَضِیَ لَمْ یَحْمِلْهُ رِضَاهُ عَلَی الْبَاطِلِ وَاِذَا سَخَطَ لَمْ یُخْرِجْهُ سَخَطٌ مِّنَ الْحَقِّ"

''وہ شخص جب وہ راضی ہو، تو اس کا راضی ہونا اسے باطل پر آمادہ نہ کرے، اور جب وہ ناراض ہو، تو اس کی ناراضگی اسے حق سے دور نہ کرے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ صفت سچے لوگوں کے کامل اوصاف میں سے ہے، اس کی وجہ یہ ہے، مؤمن کی یہ شان نہیں ہے، وہ خود کو باطل میں مبتلا کرے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ، یزید کے دربار میں

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات بھی منقول ہے، جب امام حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کے رفقاء سمیت کربلا میں شہید کر دیا گیا اور خواتین کا محافظ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہ رہا، اس وقت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بیمار تھے، آپ کو دیگر خواتین کے ہمراہ اونٹوں کی برہنہ پشت پر سوار کر کے دمشق لے جایا گیا۔ یزید کے دربار میں کسی نے آپ سے دریافت کیا:

* حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

طبقات ابن سعد 5 / 211، طبقات خلیفة ت 2044، تاریخ البخاری 6 / 266، المعارف 214، المعرفة والتاریخ 1 / 360 و 544، الجرح والتعدیل القسم الاول من المجلد الثالث 178، الحلیة 3 / 133، طبقات الفقهاء للشیرازی 63، تاریخ ابن عساکر 12 / 15 ب، تهذیب الأسماء واللغات القسم الاول من الجزء الاول 343، وفیات الاعیان 3 / 266، تهذیب الکمال ص 965، تاریخ الاسلام 4 / 34، تذکرة الحفاظ 1 / 70، العبر 1 / 111، تذهیب التهذیب 3 / 57 آ، البدایة والنهایة 9 / 103، غایة النهایة ت 2206، تهذیب التهذیب 7 / 304، النجوم الزاهرة 1 / 229، طبقات الحفاظ للسیوطی ص 30، خلاصة تذهیب التهذیب 272.

"کَیْفَ اَصْبَحْتَ یَاعَلِیُّ وَیَااَهْلَ بَیْتِ الرَّحْمَةِ"

اے علی! اے رحمت کے گھر والو! آپ لوگوں کا کیا حال ہے؟

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"قَالَ اَصْبَحْنَا مِنْ قَوْمِنَا بِمَنْزِلَةِ قَوْمِ مُوْسٰی مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ یَذْبَحُوْنَ اَبْنَائَهُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَائَهُمْ فَلَا نَدْرِیْ صَبَاحَنَا مِنْ مَّسَاءِ نَامِنْ حَقِیْقَةِ بَلَائِنَا

"ہماری حالت اپنی قوم کے ہاتھوں اس طرح ہوگئی ہے' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی آل فرعون کے ہاتھوں ہوئی تھی آلِ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بیٹوں کو ذبح کر دیا تھا اور ان کی خواتین کو زندہ رکھا تھا' تو اب ہمیں اس آزمائش کی شدت کی وجہ سے صبح وشام میں فرق محسوس نہیں ہوتا (ہر وقت غم کی وجہ سے ہماری ایک ہی حیثیت رہتی ہے)"۔

(فارسی متن میں یہ الفاظ اضافی ہیں:)

"اس کے باوجود ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر بجالاتے ہیں' اور اس نے جن مصائب میں مبتلا کیا ہے ان پر صبر سے کام لیتے ہیں"۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی شان میں قصیدہ

ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک حج کرنے کے لیے آیا' خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اس نے حجر اسود کو بوسہ دینا چاہا' لیکن ہجوم کی کثرت کی وجہ سے وہ حجر اسود تک نہ پہنچ سکا' وہ منبر پر بیٹھ گیا' اسی دوران حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں اس طرح داخل ہوئے کہ آپ کا چہرہ مبارک چمک رہا تھا اور لباس سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ حریم کا طواف کرتے ہوئے جب آپ حجر اسود کے قریب پہنچے تو آپ کی تعظیم کے پیش نظر حجر اسود کے پاس موجود تمام لوگ ایک طرف ہٹ گئے (اور آپ کو راستہ دیا) تا کہ آپ حجر اسود کو کسی رکاوٹ کے بغیر بوسہ دے سکیں۔ اہل شام نے جب آپ کی یہ شان وشوکت دیکھی تو وہ (کیونکہ آپ سے واقف نہیں تھے) انہوں نے ہشام سے دریافت کیا: اے امیر المؤمنین! لوگوں نے آپ کو حجر اسود کو بوسہ دینے کا موقع نہیں دیا حالانکہ آپ اہل ایمان کے امیر ہیں' لیکن یہ صاحب جیسے ہی آئے' لوگ حجر اسود کے پاس سے ہٹ گئے' انہیں راستہ دے دیا (یہ کون صاحب ہیں؟)' تو ہشام ان سے واقف تھا' لیکن اس نے ناواقفیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: مجھے نہیں معلوم یہ کون صاحب ہیں۔ ہشام کا مقصد یہ تھا' کہیں اہل شام ان سے واقف ہو کر ان کے پیروکار نہ بن جائیں' جس کی وجہ سے اس کی اپنی حکومت خطرے میں پڑ جائے۔ اس وقت عربی کا شاعر فرزدق وہاں موجود تھا۔ ہشام کے اس توہین آمیز جواب پر اس کی غیرتِ ایمان جوش میں آئی اور اس نے بلند آواز میں کہا: میں ان سے بخوبی واقف ہوں' اہل شام نے دریافت کیا: اے ابوفراس! تم بتاؤ کہ یہ کون صاحب ہیں؟ ہم نے ان جیسا بارعب اور پُر وقار شخص اور کوئی نہیں دیکھا'

تو فرزدق نے کہا: سنو! میں ان کی صفات بیان کرتا ہوں، اور ان کا نسب بیان کرتا ہوں، اس کے بعد فرزدق نے یہ قصیدہ پڑھا:

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْاَتَهٗ	وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ
هٰذَا ابْنُ خَیْرِ الْعِبَادِ كُلِّهِمْ	هٰذَا التَّقِیُّ النَّقِیُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ
هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَا اِنْ كُنْتَ جَاهِلَهٗ	بِجَدِّهٖ اَنْبِیَاءُ اللّٰهِ قَدْ خَتَمَ
یُبِیْنُ نُوْرَ الدُّجٰی عَنْ نُوْرِ طَلْعَتِهٖ	كَالشَّمْسِ یَنْجَابُ عَنْ اَشْرَاقِهَا الظُّلَمُ
یُغْضِیْ حَیَاءً وَّیُغْضٰی مَهَابَةً	فَمَا یُكَلِّمُ اِلَّا حِیْنَ یَبْتَسِمُ
اِذَا رَاَتْهُ قُرَیْشٌ قَالَ قَائِلُهَا	اِلٰی مَكَارِمِ هٰذَا یَنْتَهِی الْكَرَمُ
یَنْمِیْ اِلٰی ذُرْوَةِ الْعِزِّ الَّتِیْ قَصُرَتْ	عَنْ نَیْلِهَا عَرَبُ الْاِسْلَامِ وَالْعَجَمُ
مَنْ جَدُّهٗ دَانَ فَضْلُ الْاَنْبِیَاءِ لَهٗ	وَفَضْلُ اُمَّتِهٖ دَانَتْ لَهُ الْاُمَمُ
یَكَادُ یُمْسِكُهٗ عِرْفَانَ رَاحَتِهٖ	رُكْنُ الْحَطِیْمِ اِذَا مَا جَاءَ یَسْتَلِمُ
فِیْ كَفِّهٖ خَیْزُرَانٌ رِیْحُهٗ عَبَقٌ	مِنْ كَفِّ اَرْوَعَ فِیْ عِرْنِیْنِهٖ شَمَمُ
سَهْلُ الْخَلِیْقَةِ لَا یَخْفٰی بَوَادِرُهٗ	یَزِیْنُهُ اثْنَانِ حُسْنُ الْخُلْقِ وَالشِّیَمُ
مُشْتَقَّةٌ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ بِنَبْعَتِهٖ	طَابَتْ عَنَاصِرُهٗ وَالْخِیْمُ وَالشِّیَمُ
فَلَیْسَ قَوْلُكَ مَنْ هٰذَا بِضَائِرِهٖ	اَلْعَرَبُ تَعْرِفُ مَنْ اَنْكَرْتَ وَالْعَجَمُ
كِلْتَا یَدَیْهِ غِیَاثٌ عَمَّ نَفْعُهُمَا	تَسْتَوْكِفَانِ وَلَا یَعْرُوْهُمَا الْعَدَمُ
عَمَّ الْبَرِیَّةَ بِالْاِحْسَانِ فَانْقَشَعَتْ	عَنْهَا الْغِیَابَةُ وَالْاِمْلَاقُ وَالظُّلَمُ
لَا یَسْتَطِیْعُ جَوَادٌ بَعْدَ غَایَتِهِمْ	وَلَا یُدَانِیْهِمْ قَوْمٌ وَّاِنْ كَرَمُ
هُمُ الْغُیُوْثُ اِذَا مَا اَزْمَةٌ اَزَمَتْ	وَالْاُسْدُ اُسْدُ الشَّرٰی وَالنَّاسُ مُخْتَدِمُ
مِنْ مَّعْشَرٍ حُبُّهُمْ دِیْنٌ وَّبُغْضُهُمْ	كُفْرٌ وَّقُرْبُهُمْ مَنْجًا وَّمُعْتَصَمُ
اِنْ عُدَّ اَهْلُ التُّقٰی كَانُوْا اَئِمَّتَهُمْ	وَقِیْلَ مَنْ خَیْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ قِیْلَ هُمُ
سِیَّانِ ذَالِكَ اِنْ اَثْرُوْا وَاِنْ عَدِمُوْا	لَا یَنْقُصُ الْعُسْرُ بَسْطًا مِّنْ اَكُفِّهِمُ
اَللّٰهُ فَضَّلَهٗ كَرَمًا وَشَرَّفَهٗ	جَرٰی بِذٰلِكَ لَهٗ فِی اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ
مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللّٰهِ ذِكْرُهُمْ	فِیْ كُلِّ بَدْءٍ وَّمَخْتُوْمٌ بِهِ الْكَلِمُ
اَیُّ الْقَبَائِلِ لَیْسَتْ فِیْ رِقَابِهِمْ	اِمَّا لِاَبَائِهٖ هٰذَا اَوْلَهٗ نِعَمُ
مَنْ یَعْرِفِ اللّٰهَ یَعْرِفْ اَوَّلِیَّتَهٗ	وَالدِّیْنُ مِنْ بَیْتِ هٰذَا نَالَهُ الْاُمَمُ

''یہ وہ صاحب ہیں جنہیں وادی بطحاء پہچانتی ہے' اوران کے نشانِ قدم کو بھی پہچانتی ہے' بیت اللہ انہیں جانتا ہے' حل اور حرم کا علاقہ (وہاں کے رہنے والے) انہیں جانتے ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بہترین بندے کے صاحبزادے ہیں' یہ پرہیزگار ہیں' پاک وصاف ہیں اور بلند شان کے مالک ہیں' یہ حضرت فاطمہ زہرہ کے صاحبزادے ہیں' اگر تمہیں نہیں معلوم (تو جان لو) کہ ان کے نانا پر انبیاء کا سلسلہ ختم ہوگیا'

ان کی نور پیشانی سے ہدایت کا نور اس طرح واضح ہوتا ہے جیسے سورج اپنی کرنوں کے ذریعے تاریکی کو دور کر دیتا ہے' یہ حیا کی وجہ سے اپنی نگاہیں جھکا کر رکھتے ہیں' اوران کی ہیبت کی وجہ سے لوگوں کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوتی ہیں' ان کے ساتھ بات اس وقت کی جاتی ہے' جب یہ مسکراتے ہیں'

جب قریش نے انہیں دیکھا' تو کسی شخص نے کہا' ان پر آ کر تمام خوبیاں ختم ہوگئی ہیں' یہ قدرومنزلت کی ایسی بلندی پر فائز ہیں: کوئی بھی عربی یا عجمی مسلمان اس مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا' ان کے دادا وہ ہیں جو تمام انبیاء سے افضل ہیں' اوران کی امت تمام امتوں سے افضل ہے' اور تم بھی ان کی امت کے ایک فرد ہو' جب یہ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے قریب ہوتے ہیں' تو ممکن ہے' حجر اسود ان کی انگلیوں کی راحت کو پہچان کر انہیں تھام لے'

ان کے ہاتھ میں چھڑی ہے' ان کی خوشبو بہترین ہے' اوران کی ہتھیلی کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی ہے' یہ نرم طبیعت کے مالک ہیں' ان کی ناراضگی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے اور ان کے دو ساتھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں: اچھے خلاق اور پاکیزہ فطرت'

انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اوصاف حاصل کیے ہیں' ان کے عناصر اوران کی خوبو پاکیزہ ہے' تمہارا یہ کہنا کہ یہ کون ہے؟ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ تم جن کا انکار کر رہے ہو عرب بھی انہیں جانتے ہیں' اور اہل عجم بھی انہیں جانتے ہیں'

ان کے دونوں ہاتھ ایسے ہیں جیسے بارش ہوتی ہے' جس کا فائدہ عام ہوتا ہے' اوران کی بخشش ہر وقت جاری رہتی ہے' یہ اس وقت بھی ختم نہیں ہوتی جب ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا'

تمام مخلوق پر ان کا احسان عام ہے' اور اس احسان کی وجہ سے گمراہی' تنگ دستی اور زیادتی برباد ہوگئے ہیں' کسی بھی سخی کی سخاوت ان کی بخشش تک نہیں پہنچ سکتی اور کوئی بھی قوم ان کی ہم پلہ نہیں ہوسکتی خواہ وہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو'

قحط سالی کے زمانے میں یہ بارش کی طرح سیراب کرتے ہیں' اور جب جنگ ہوتی ہے' تو اس وقت یہ شیر کی طرح ہوتے ہیں' یہ اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن سے محبت کرنا دین ہے' اور جن سے بغض رکھنا کفر ہے' کیونکہ ان کی قربت نجات کے حصول کا ذریعہ ہے' اور پناہ گاہ ہے'

اگر اہل تقویٰ کا شمار کیا جائے‘ تو یہ ان کے پیشوا ہوں گے اور اگر یہ پوچھا جائے‘ روئے زمین کا سب سے بہتر شخص کون ہے؟ تو یہی جواب دیا جائے گا کہ یہی ہیں‘

ان کے لیے (مال واسباب) پاس ہونا یا نہ ہونا برابر ہیں‘ تنگ دستی ان کے ہاتھوں کی فراخی کو کم نہیں کرتی ہے‘

اللہ تعالیٰ نے انہیں فضیلت عطا کی ہے‘ اور انہیں شرف عطا کیا ہے‘ اور یہ حکم لوحِ قلم میں لکھا جا چکا ہے‘

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر سب سے پہلے ہوتا ہے‘ اور ہر میدان میں ان کے کلمات ثابت ہیں‘

کون سا قبیلہ ایسا ہے جن پر ان کے اور ان کے آباء واجداد کا احسان نہیں ہے‘ جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے وہ ان کی برتری کو جان لے گا کیونکہ انہی کے گھرانے سے دین اسلام لوگوں تک پہنچا ہے“۔

فرزدق کی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے عقیدت

فرزدق شاعر نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی تعریف میں یہ اشعار کہے اور اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی تعریف میں بھی کچھ اشعار کہے‘ جس کی وجہ سے ہشام بن عبدالملک ناراض ہو گیا اور اس کے حکم کے تحت فرزدق کو گرفتار کر کے ”عسفان“ کی جیل میں قید کر دیا گیا‘ یہ جگہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے۔

جب امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو انہوں نے فرزدق کی جرأت کی تعریف کی اور اس کی حوصلہ افزائی کے لیے بارہ ہزار درہم بھجوائے‘ ساتھ میں یہ پیغام بھی بھجوایا کہ ہمیں معذور سمجھنا کہ اگر ہمارے پاس اس سے زیادہ رقم ہوتی تو ہم اسے بھجوانے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ فرزدق نے وہ مال واپس بھیجتے ہوئے گزارش کی: اے فرزند رسول! میں نے بہت سے امراء اور حکمرانوں کی شان میں قصیدے کہے ہیں‘ اگر ان کے کفارے کے طور پر میں نے نبی اکرم کی آل کی محبت میں کچھ اشعار کہہ دیئے ہیں‘ تو اس میں کمال کی کیا بات ہے؟ میں نے اپنی ایمانی غیرت کا ثبوت دیا ہے‘ میں نے کسی مال کے حصول کے لیے یہ اشعار نہیں کہے ہیں‘ بلکہ میں اللہ تعالیٰ سے اس کے اجر کا طلبگار ہوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت کے تعلق کا طلب گار ہوں۔

جب امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو فرزدق کا یہ پیغام ملا تو آپ نے وہ رقم اسے واپس بھجوا دی اور یہ بات ارشاد فرمائی:

”اے ابوفراس! اگر تم واقعی ہم سے محبت کرتے ہو‘ تو ہم نے جو کچھ بھیجا ہے اسے قبول کر لو! کیونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسے اپنی ملکیت میں سے نکال کر تمہاری ملکیت میں دیا ہے“۔

امام زین العابدین علیہ السلام کا یہ پیغام سن کے فرزدق نے وہ عطیہ قبول کر لیا اور احسان مندی کا اظہار کیا۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف اس سے کہیں زیادہ ہے‘ اور اتنی زیادہ ہے‘ جتنی بھی کی جائے کم

*امام باقر رضی اللہ عنہ

ان ائمہ اہل بیت میں سے ایک امام ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم ہیں' جو ''امام باقر'' کے لقب سے معروف ہیں' آپ طریقت میں دلیل و حجت کی حیثیت رکھتے ہیں' اور اربابِ مشاہدہ کے لیے برہان کی حیثیت رکھتے ہیں' آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے پیشوا ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے برگزیدہ افراد میں سے ایک ہیں' بعض حضرات نے آپ کی کنیت ''ابوعبداللہ'' نقل کی ہے۔

علوم کی باریکیاں بیان کرنے اور کتابِ الٰہی کے رموز و اشارات اور اس کے لطیف نکات بیان کرنے پر آپ کو بھرپور دسترس حاصل تھی' آپ کی کرامات واضح ہیں' آپ کے دلائل روشن ہیں' اور ہر شخص ان سے آگاہ ہے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کی کرامت

ایک مرتبہ حاکم وقت نے آپ کو شہید کرنے کے ارادے کے تحت آپ کو اپنے دربار میں بلوایا' جب آپ اس کے پاس آئے تو اس نے (آپ کو شہید کرنے کا حکم دینے کی بجائے) آپ سے معذرت کی اور آپ کی خدمت میں چند تحائف پیش کر کے آپ کو عزت اور احترام کے ساتھ رخصت کر دیا' جب آپ واپس تشریف لے گئے تو اس کے درباریوں نے اس بات پر حیرانگی کا اظہار کیا کہ تم نے تو انہیں شہید کرنے کے لیے بلایا تھا' لیکن اس کے برعکس کیوں کیا ہے؟ تو حکمران نے جواب دیا: جب وہ میرے قریب آئے تو اس وقت میں نے دیکھا کہ ان کے دائیں اور بائیں طرف دو شیر کھڑے ہیں' اور وہ یہ کہہ رہے ہیں: اگر تم نے امام کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو ہم تمہیں مار ڈالیں گے۔

طاغوت کی تعریف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ'' (البقرہ:۲۵۶)

''جو شخص طاغوت کا انکار کرے' اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے''۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے امام باقر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے:

---

*حضرتِ امام باقر رضی اللہ عنہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

طبقات ابن سعد 5 / 320، طبقات خلیفة ت 2233، تاريخ البخاري 1 / 183، المعارف 215، المعرفة والتاريخ 1 / 360، الجرح والتعديل القسم الاول من المجلد الرابع 26، ذيل المذيل 641، الحلية 3 / 180، طبقات الفقهاء للشيرازي 64، تاريخ ابن عساكر 15 / 350 ب، تهذيب الاسماء واللغات القسم الاول من الجزء الاول 87، تهذيب الكمال ص 1244 و 1597، تذكرة الحفاظ 1 / 117، العبر 1 / 142 و 148، تاريخ الاسلام 4 / 299، البداية والنهاية 9 / 309، تهذيب التهذيب 9 / 350، طبقات الحفاظ للسيوطي ص 49، خلاصة تذهيب التهذيب 352، طبقات المفسرين 2 / 537، شذرات الذهب 1 / 149.

"مَنْ شَغَلَكَ عَنْ مُطَالَعَةِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوْتُكَ"

"جو شخص تمہیں اللہ تعالیٰ سے لاتعلق کر دے وہ تمہارا طاغوت ہے"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی تم اس بات کا جائزہ لو' کس چیز کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو رہے ہو؟ یہ بات جان لیں' جس چیز کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ سے دور ہو' وہ تمہارے لیے حجاب کی حیثیت رکھتی ہے' اور اس حجاب کو ترک کرنے کی وجہ سے تم کشف حاصل کر لو گے۔ جو شخص حجاب کی حالت میں ہوتا ہے وہ رکاوٹ میں ہوتا ہے' اور رکاوٹ والے کسی بھی شخص کے لیے یہ درست نہیں ہے' وہ قربت کا دعویٰ کرے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کی مناجات

ان کے ایک قریبی ساتھی روایت کرتے ہیں: جب رات ہو جاتی اور آپ اپنے اوراد و وظائف سے فارغ ہو جاتے تو بلند آواز میں یہ مناجات کرنا شروع کرتے:

"اے میرے معبود! اے میرے آقا! رات آ گئی ہے' اور حکمرانوں کا تصرف ختم ہو گیا' ستارے آسمان پر نمودار ہو چکے ہیں' اور ساری مخلوق سو چکی ہے اور ناپید ہو چکی ہے' اور لوگوں کی آوازیں ختم ہو چکی ہیں' اور ان کی آنکھیں بند ہو چکی ہیں' بنو امیہ آرام سے سو رہے ہیں انہوں نے اپنے خزانوں پر تالے ڈال کر پہرے دار کھڑے کر دیئے ہیں' ان سے لالچ رکھنے والے لوگ بھی دور ہو چکے ہیں' اے میرے معبود! تو زندہ ہے اور ہمیشہ رہے گا' تو دیکھنے والا ہے جاننے والا ہے' تیرے لیے جاگنا اور سونا یکساں حیثیت رکھتے ہیں' جو تیرے بارے میں یہ بات نہ مانے وہ کسی نعمت کا مستحق نہیں ہے' اے میرے معبود! کوئی چیز تجھے کسی کام سے نہیں روک سکتی' رات اور دن (وقت کا گزرنا) تیری بقاء پر اثر انداز نہیں ہو سکتے' تیری رحمت کے دروازے دعا کرنے والوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں' اور تیرے خزانے ان لوگوں کے لیے وقف ہیں' جو تیری حمد بیان کرتے ہیں' تو حقیقی مالک ہے' جو کسی سوال کرنے والے کو محروم نہیں رکھتا اور یہ تیری شایانِ شان بھی نہیں ہے' تو ہر ایمان رکھنے والے کی دعا کو قبول کر لیتا ہے' اور کسی کی بھی دعا کو مسترد نہیں کرتا ہے' اور زمین و آسمان میں کسی بھی مانگنے والے کو محروم نہیں رکھتا ہے' اے میرے معبود! جب میں موت' قبر' حساب' کتاب کو یاد کرتا ہوں تو دنیا میں یہ دل کسی بھی طرح چین و قرار نہیں پاتا' لہٰذا مجھے جو بھی حاجت درپیش ہو گی میں تیری ہی بارگاہ میں عرض کرتا ہوں اور تجھے اپنا فریاد رس سمجھ کر تجھ سے مانگتا ہوں' میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں' موت کے وقت مجھے عذاب سے محفوظ رکھنا اور حساب کے وقت مجھے ایسی راحت عطا کرنا جس کے ساتھ عقاب نہ ہو"۔

آپ کا یہ معمول تھا' آپ اسی طرح گریہ زاری کے عالم میں مناجات کرتے ہوئے تمام رات گزار دیتے تھے اور مسلسل مناجات مشغول رہتے تھے' ایک دن میں نے عرض کی: میرے اور میرے آباؤ اجداد کے آقا! یہ گریہ زاری کا سلسلہ کب تک

جاری رہے گا؟ تو آپ نے جواب دیا: اے میرے دوست! حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک صاحبزادے حضرت یوسف علیہ السلام ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوئے تھے اس وجہ سے وہ اتنا روئے تھے ان کی آنکھوں کی بینائی رخصت ہوگئی تھی اور ان کی آنکھیں سفید ہوگئی تھیں' جبکہ میں نے اپنے خاندان کے اٹھارہ افراد کو اپنے والد سمیت کربلا میں گم کردیا ہے' تو کیا میں ان کی جدائی میں رو رو کر اپنی آنکھیں سفید نہ کرلوں۔

یہ مناجات عربی زبان میں ہیں' اور بہت فصیح ہیں' میں نے طوالت کے خوف سے انہیں نقل نہیں کیا اور آخر میں (ان کا ترجمہ) نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے تاکہ اس میں تکرار نہ آجائے' اگر اللہ نے چاہا تو میں انہیں دوسرے کسی مقام پر نقل کروں گا۔

*امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

ان ائمہ اہل بیت میں سے ایک سنت کے یوسف' حقیقت کے جمال' معرفت کی تعبیر بیان کرنے والے' صفوت سے آراستہ امام ابومحمد جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ آپ نہایت بلند حال کے مالک تھے' آپ کی سیرت نیک تھی' آپ کا ظاہر آراستہ تھا اور باطن آباد تھا' جملہ علوم وفنون کے بارے میں آپ نے بہت سے باریک نکات بیان کیے ہیں' اپنے کلام کی دقت اور معانی کے ادراک کے اعتبار سے آپ صوفیاء میں مشہور ومعروف ہیں' طریقت سے متعلق اُمور کے بیان میں آپ کی تصانیف بھی ہیں۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قولِ زرّیں

آپ کا یہ قول منقول ہے:

"مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ اَعْرَضَ عَمَّا سِوَاهُ"

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرلیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے منہ پھیر لیتا ہے"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی معرفت دراصل نام ہی اس چیز کا ہے' اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے' اس کے غیر سے تعلق کو ختم کرلیا جائے' اور اسی علیحدگی کی وجہ سے انسان کو معرفت حاصل ہوتی ہے' کیونکہ جب تک انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کی طرف متوجہ رہتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب نہیں ہوتی' یہی وجہ ہے' اللہ تعالیٰ کا عارف مخلوق کی طرف سے بے نیاز ہوجاتا ہے' اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے الگ ہوکر اللہ تعالیٰ سے مل جاتا ہے'

* حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

تاريخ خليفة 424)، طبقات خليفة 269))، تاريخ البخاري: 2 / 198، التاريخ الصغير 2 / 91، الطبري حوادث سنة 145))، الجرح والتعديل 2 / 487، مشاهير علماء الامصار 127))، حلية الاولياء 3 / 192، وفيات الاعيان 1 / 327، 328، الكامل في التاريخ حوادث سنة 145))، تهذيب الكمال: 202))، تذهيب التهذيب 1 / 109 / 1، تاريخ الاسلام 6 / 45، ميزان الاعتدال 1 / 414، 415، تذكرة الحفاظ 1 / 166، تهذيب التهذيب 2 / 103، 105، خلاصة تذهيب الكمال 63))، شذرات الذهب 1 / 20

اور اس عارف کے دل میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں رہتی' وہ کسی بھی حالت میں ان کی طرف توجہ نہیں کرتا اور کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

توبہ کی اہمیت

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

"لَا تَصِحُّ الْعِبَادَةُ اِلَّا بِالتَّوْبَةِ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدَّمَ التَّوْبَةَ عَلَى الْعِبَادَةِ

"عبادت اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی جب تک توبہ موجود نہ ہو'اس کی دلیل یہ ہے' اللہ تعالیٰ نے توبہ کا ذکر عبادت سے پہلے کیا ہے"۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ" (التوبہ:۱۱۲)

"توبہ کرنے والے عبادت گزار لوگ"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' توبہ مقامات کا آغاز ہے' اور عبادت اس کی انتہاء ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کا ذکر کیا' تو پہلے انہیں توبہ کرنے کی ہدایت کی اور ارشاد فرمایا:

تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ (النور:۳۱)

"تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو' اے ایمان والو!"۔

لیکن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بندگی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى (النجم:۱۰)

"تو اس نے اپنے خاص بندے کی طرف وحی کی جو بھی اس نے وحی کی"۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

ایک مرتبہ داؤد طائی' امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے فرزند رسول! آپ مجھے کوئی نصیحت کیجئے! میرا دل سیاہ ہو چکا ہے' امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوسلیمان! تم تو اپنے زمانے کے بڑے مشہور عبادت گزار اور نیک شخص ہو' تمہیں میری نصیحت کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ انہوں نے عرض کی: اے فرزند رسول! آپ کو تمام مخلوق پر فضیلت حاصل ہے' اس لیے سب کے لیے نصیحت کرنا آپ پر لازم ہے' امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوسلیمان! مجھے تو ہمیشہ اس بات کا اندیشہ رہتا ہے' کہیں کل قیامت کے دن میرے جد امجد اس بات پر میری گرفت نہ کریں' تم نے میری پیروی کا حق ادا کیوں نہیں کیا؟ اس کی وجہ یہ ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا تعلق نسب کے ساتھ یا (خاندانی) نسبت کے ساتھ نہیں ہے' بلکہ اس کا تعلق پیروی کرنے سے ہے' یہ سن کر داؤد طائی رونے لگے اور عرض کی: اے

میرے معبود! جس شخص کا خمیر نبوت کی خاک سے اٹھا ہو اور جس نے اپنے جد امجد نبی اکرم ﷺ کی برہان اور حجت کے اصول میں نشوونما پائی ہے' جس کی والدہ سیّدہ فاطمہ زہراء ہیں جب وہ اس حیرانی اور پریشانی میں مبتلا ہیں' تو داؤد کس گنتی میں ہوگا' وہ اپنے زُہد اور پرہیزگاری پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہے؟

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی عاجزی

ایک مرتبہ آپ اپنے غلاموں کے ساتھ موجود تھے' آپ نے ان سے فرمایا: آؤ! ہم سب مل کر یہ عہد کریں' ہم میں سے جس شخص کی بھی بخشش ہوگی وہ قیامت کے دن دوسرے ساتھیوں کی شفاعت کرے گا' تمام غلاموں نے عرض کی: اے فرزند رسول! آپ کو ہماری شفاعت کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ آپ کے جد امجد خود تمام مخلوق کے شفیع ہوں گے' تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے پروردگار کے سامنے شرمسار ہوں' قیامت کے دن میں اپنے جد امجد کے ساتھ کھڑے ہونے کی ہمت نہیں رکھتا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت اپنے نفس کی عیب گیری پر مبنی تھی' اس کی وجہ یہ ہے' اس عادت کا تعلق کامل اوصاف سے ہے' اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کے تمام مقبول بندوں میں پائی جاتی ہے جن میں انبیاء' اولیاء سب لوگ شامل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے' نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہٖ خَیْرًا اَبْصَرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ

''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے بارے میں بھلائی کا ارادہ کرے تو اسے اس کی ذات کے عیوب سے آگاہ کر دیتا ہے''۔

---

*امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ

امام قدوہ سید ابوالحسن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی اسلامی تاریخ میں ''امام موسیٰ کاظم'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ہندو پاک میں ''کاظمی'' کا اسمِ منسوب استعمال کرنے والے افراد انہی کی نسبت سے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ آپ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں اور امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ ماجد ہیں۔ آپ عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے عہدِ خلافت میں مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لے آئے تھے۔ امام ذہبی نے یہ بات نقل کی ہے: امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے ان کے حوالے سے احادیث روایت کی ہیں۔ امام ابوحاتم نے ان کا شمار صدوق میں کیا ہے اور انہیں امام المسلمین قرار دیا ہے۔ تصوف کا مشہور سلسلہ ''سلسلۂ عالیہ قادریہ'' ان کی نسبت سے' ان کے آباؤ اجداد سے ہوتا ہوا نبی اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال 179 ہجری میں بغداد میں ہوا۔ اور آپ کو بغداد میں ہی سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ کا مزار مبارک ''کاظمین'' کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں آپ کے ہمراہ آپ کے عالی وقار پوتے' اور امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے امام محمد الجواد التقی بھی آسودۂ خاک ہیں۔

امام موسیٰ کاظم کے حالات درج ذیل ماخذ سے معلوم کیے جا سکتے ہیں:

الجرح والتعدیل 8 / 139، تاریخ بغداد 13 / 27، صفوۃ الصفوۃ 2 / 103، منہاج السنۃ 2 / 115'124، وفیات الاعیان 5 / 308'310، تہذیب الکمال 1383))، تذہیب التہذیب 4 / 76 / 2، میزان الاعتدال 4 / 201'202، عبر الذہبی 1 / 287، تاریخ ابن خلدون 4 / 115، تہذیب التہذیب 10 / 339'340، خلاصۃ تذہیب الکمال 390))، شذرات الذہب 1 / 304.

جو بھی بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی اور انکساری کے ساتھ سر جھکاتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو دونوں جہانوں میں سربلندی عطا کرتا ہے۔

اگر ہم اہل بیت سے تعلق رکھنے کیلیے تمام افراد کا اسی طرح سے ذکر کرنا شروع کریں اور ان کے فضائل ومناقب بیان کرنا شروع کریں تو یہ کتاب اس طوالت کی متحمل نہیں ہو سکے گی' اس لیے ہم یہاں اسی قدر پر اکتفاء کرتے ہیں۔*

امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ

امام شیخ علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب۔ اسلامی تاریخ میں ''امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ'' کے نام سے معروف ہیں۔ آپ امام موسیٰ کاظم کے صاحبزادے اور امام محمد الجواد التقی کے والد ماجد ہیں۔ مشہور صوفی بزرگ ''معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ'' آپ ہی کے تربیت یافتہ ہیں۔ تصوف کا مشہور طریقہ ''سلسلہ عالیہ قادریہ'' شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے' امام رضا رحمۃ اللہ علیہ' امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ' امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ' امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ' امام زین العابدین رضی اللہ عنہ' امام حسین رضی اللہ عنہ' امام علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال عباسی خلیفہ مامون الرشید کے عہدِ حکومت میں ہوا۔ آپ کا مزار مبارک ایران کے شہر ''مشہد'' میں ہے۔

امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل ماخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

.(1) * تاریخ الطبری 8 / 554، 568، کتاب المجروحين والضعفاء 2 / 106، الكامل لابن الاثير 6 / 326، 351، وفيات الاعيان 3 / 269، تهذيب الكمال: 994، تذهيب التهذيب 3 / 75 / 1، ميزان الاعتدال 3 / 158، العبر 1 / 340، دول الاسلام 1 / 126، الكاشف 2 / 296، البداية والنهاية 10 / 250، تهذيب التهذيب 7 / 387، خلاصة تذهيب الكمال: 278، شذرات الذهب 2 / 602.

نوٹ: سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیاء کے تذکرے میں مشہور صوفی بزرگ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے' لیکن ائمۂ اہل بیت کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آنے والے ائمہ کا تذکرہ نہیں کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انہوں نے امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی میں ان حضرات کا تذکرہ نہ کیا ہو۔ اس لئے ہم نے معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ طریقت امام رضا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے والد ماجد امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تذکرہ یہاں کر دیا ہے۔ یاد رہے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں ''پروردۂ علی بن موسیٰ الرضا'' یعنی امام رضا کا ''تربیت یافتہ'' تحریر کیا ہے۔

دسواں باب

اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم

خلفاء راشدین اور اہل بیت اطہار سے تعلق رکھنے والے چند ائمہ کے ذکر کے بعد ہم یہاں دربارِ نبوی کے اصحابِ صفہ کا اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے۔ اگرچہ ہم اس سے پہلے اپنی تصنیف ''منہاج الدین'' میں ہر ایک کا الگ الگ تفصیل بیان کر چکے ہیں۔ لیکن یہاں ہم ان حضرات کے اسماء اور ان کی کنیت کا ذکر کریں گے اور مختصر طور پر ان کے بارے میں بتائیں گے تاکہ مقصد کے حصول کے لیے یہ بات معاون ثابت ہو جائے۔

یہ بات ذہن نشین کر لیں! تمام اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے' نبی اکرم ﷺ کے بعض صحابہ کرام ہر وقت مسجد نبوی میں مصروفِ عبادت رہتے تھے' یہ حضرات کھانے کمانے سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کو ان حضرات پر خاص توجہ دینے کا حکم دیا تھا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (الانعام:۵۲)

''اور تم ان لوگوں کو مت چھوڑو جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہتے ہیں' اور وہ صرف اس کی رضا چاہتے ہیں''۔

اصحابِ صفہ کے فضائل کے بارے میں بہت سی آیات اور بہت سی احادیث منقول ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر ہم یہاں کریں گے۔

اصحابِ صفہ کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ اصحابِ صفہ کے پاس تشریف لائے' آپ نے جب ملاحظہ کیا کہ وہ فقر اور مجاہدے کے باوجود انتہائی خوش و خرم ہیں' تو آپ نے ان سے فرمایا: اے اصحابِ صفہ! تمہیں اور میری امت کے ہر اس فرد کو جو تمہاری طرح اس فقر پر خوشدلی سے قائم رہتا ہے' اس بات کی بشارت ہے' تم لوگ جنت میں میرے ساتھی ہو گے۔

اصحابِ صفہ کا تعارف

1- اصحابِ صفہ میں سے ایک شخصیت صحابی رسول حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی ہے' جو بارگاہِ جبروت کے منادی یعنی

معزز ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی پسندیدہ شخصیت ہیں۔

2- دوسرے حضرت ابوعبداللہ سلمان فارسی ہیں' نبی اکرم ﷺ کے محبوب اور آپ کے اسرار کے خاص محرم ہیں۔

3- تیسری شخصیت حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح ہیں' وہ مہاجرین و انصار کے سپہ سالار تھے' وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب گار رہتے تھے۔

4- چوتھی شخصیت حضرت ابوالیقظان عمار بن یاسر ہیں' جو انتہائی برگزیدہ اور محبوبانِ خدا کی زینت تھے۔

5- پانچویں شخصیت حضرت ابومسعود عبداللہ بن مسعود حضرمی ہیں' وہ علم اور بردباری کا مسکن تھے۔

6- چھٹی شخصیت حضرت عتبہ بن مسعود ہیں' جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے بھائی ہیں' یہ پاک طینت تھے اور بارگاہ حرمت سے وابستہ تھے۔

7- ساتویں شخصیت حضرت مقداد بن اسود ہیں' جو تنہائی کی راہ کے سالک تھے اور ہر عیب و ذلت سے کنارہ کشی اختیار کرنے والے تھے۔

8- آٹھویں شخصیت حضرت خباب بن ارت کی ہے' جو تقویٰ کے مقام کی طرف دعوت دینے والے تھے اور آزمائش پر راضی رہنے والے تھے۔

9- نویں شخصیت حضرت صہیب بن سنان کی ہے' جو درگاہِ رضا کے پیغام رساں تھے اور فنا میں بقاء پانے والی بارگاہ کے طلب گار تھے۔

10- دسویں شخصیت حضرت عتبہ بن غزوان کی ہے' جو سعادت کے موتی تھے اور قناعت کے سمندر کے شناور تھے۔

11- گیارہویں شخصیت حضرت زید بن خطاب کی ہے' جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے' انہوں نے دونوں جہانوں اور جملہ مخلوق سے منہ موڑ لیا اور صرف خدا کے ہو کر رہ گئے۔

12- بارہویں شخصیت حضرت ابوکبشہ کی ہے' جو نبی اکرم ﷺ کے محرم راز تھے اور مشاہدات کی طلب میں مشقت جھیلنے والے تھے۔

13- تیرہویں شخصیت حضرت ابومرشد کنانہ بن الحصین غنوی کی ہے' جو عزت والے تھے' توبہ کرنے والے تھے' مخلوق کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

14- چودھویں شخصیت حضرت سالم کی ہے' جو حضرت حذیفہ یمانی کے غلام تھے' آپ عجز اور انکسار کے راستے کو آباد کرنے والے تھے اور قطعی حجت کے راستے کو طے کرنے والے تھے۔

15- پندرہویں شخصیت حضرت عکاشہ بن محصن' جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے تھے اور گمراہی سے دور رہنے والے تھے۔

16- سولہویں شخصیت حضرت مسعود بن ربیع القاری کی ہے' جو قبیلہ بنو قارہ کے سردار تھے اور مہاجرین و انصار کی زینت تھے۔

17- سترہویں شخصیت حضرت ابوذر (جندب) بن جُنادہ غفاری کی ہے' جن کا زُہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زُہد کی مانند تھا اور جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح شوق (دیدار) حاصل تھا۔

18- اٹھارہویں شخصیت حضرت عبداللہ بن عمر کی ہے' جو تمام اقوال اور افعال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ تھے اور ہر خوبی سے متصف تھے۔

19- انیسویں شخصیت حضرت صفوان بن بیضا کی ہے' جو دین میں استقامت کے حوالے سے بلند مقام پر فائز تھے اور شریعت کی پیروی پر گامزن تھے۔

20- بیسویں شخصیت حضرت ابودرداء عویمر بن عامر کی ہے' جو صاحب ہمت تھے اور ہر الزام سے مبرا تھے اور پاک تھے۔

21- اکیسویں شخصیت حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر کی ہے' جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ صحابی تھے اور بارگاہ رجاء سے تعلق رکھنے والی شخصیت تھے۔

22- بائیسویں شخصیت حضرت عبداللہ بن بدر جہنی کی ہے' جو شرف کے سمندر کے تیراک تھے اور توکل کے صدف کے موتی تھے۔

اگر تمام اصحابِ صفہ کے نام ذکر کیے جائیں تو یہ کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔

شیخ ابوعبدالرحمان محمد بن حسین سلمی' جو مشائخ کے کلام اور ان کے اقوال کو جمع کرنے کے حوالے سے معروف ہیں' انہوں نے بطور خاص اہل صفہ کے تعارف میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے' جس میں اصحابِ صفہ سے تعلق رکھنے والے ہر ایک فرد کا تعارف' اس کے فضائل و مناقب' ان کے اسماء' ان کی کنیت الگ' الگ بیان کیے ہیں۔

23- لیکن سلمی نے اپنی کتاب میں حضرت مسطح[1] بن ثابت بن عباد کو بھی اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے' لیکن مجھے ان کے بارے میں کچھ الجھن ہے' کیونکہ انہوں نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹا الزام لگانے کا آغاز کیا تھا۔

---

[1] نوٹ: سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان محلِ نظر ہے' حضرت مسطح بن اثاثہ کا تعلق خانوادۂ قریش سے ہے' یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قریبی عزیز تھے' انہیں غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف حاصل ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں واقعہ افک سے متعلق روایت میں یہ بات مذکور ہے کہ حضرت مسطح کی والدہ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے تعس مسطح (مسطح برباد ہو جائے) کے الفاظ استعمال کیے تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے یہی کہا: ''کیا تم ایک بدری صحابی کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کر رہی ہو؟''

تاہم یہ بات درست ہے کہ واقعہ افک میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائے جانے والے الزام کو پھیلانے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا تھا' لیکن انہیں اس کی سزا مل گئی تھی۔ اب ہم کسی بدری صحابی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کے حالات کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے: طبقات ابن سعد: 3/1/36، نسب قریش: 95، طبقات خلیفہ: 9، المعارف 328، الجرح والتعدیل: 8/425، مشاہیر علماء الامصار: 33، حلیۃ الاولیاء: 2/20، الاستیعاب: 10/248' 249، اسد الغابۃ: 5/156، تہذیب الاسماء واللغات: 2/89، العبر: 1/35، العقد الثمین: 6/443' 445 و 7/179، الاصابۃ: 9/182' 183.

24- حضرت ابو ہریرہ
25- حضرت ثوبان
26- حضرت معاذ بن حارث
27- حضرت سائب بن خلاد
29- حضرت ثابت بن ودیعہ
30- حضرت ابو عبس عویم بن ساعد
32- حضرت سالم بن عمیر بن ثابت
34- حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو
35- حضرت وہب بن معقل
36- حضرت عبداللہ بن انیس
37- حضرت حجاج بن عمرو اسلمی۔

ان حضرات کو بھی اصحابِ صفہ میں شمار کیا جاتا ہے (جن کے آگے ہم نے تعارفی الفاظ تحریر نہیں کیے ہیں) یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے درمیان میں اپنے متعلقین کی طرف بھی توجہ کی تھی (اور معاشرتی زندگی گزاری)۔

صحابہ کا زمانہ سب سے بہتر زمانہ تھا

مرتبہ صحابیت پر فائز ہونے کے اعتبار سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک جیسی حیثیت کے مالک ہیں' اوران کا زمانہ ہر زمانے سے بہتر ہے' کیونکہ انہی کا زمانہ سب سے بہترین زمانہ ہے' اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے سرفراز کیا تھا اوران کے قلوب کو ہر طرح کے عیب سے محفوظ رکھا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ" *

* نوٹ: عام طور پر یہ روایت خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ کے الفاظ کے ساتھ نقل کی جاتی ہے تاہم امام احمد بن حنبل' امام حاکم' امام ابن حبان سمیت دیگر محدثین نے اسے ان ہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے' جن الفاظ کے ساتھ سید ہجویری نے یہ روایت یہاں نقل کی ہے تاہم ہم نے ذیل میں تخریج کرتے ہوئے جن حوالوں کی نشاندہی کی ہے' ان میں الفاظ کا اختلاف ہوگا۔

صحيح البخاري' كتاب الشهادات' باب : لا يشهد على شهادة جور اذا اشهد' حديث:2529صحيح البخاري' كتاب المناقب' باب فضائل اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم' حديث:3471صحيح البخاري' كتاب الرقاق' باب ما يحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها' حديث:6073صحيح البخاري' كتاب الايمان والنذور' باب اثم من لا يفي بالنذر' حديث:6328صحيح مسلم' كتاب فضائل الصحابة رضى الله تعالى عنهم' باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم' حديث:4708مستخرج ابي عوانة' مبتدا كتاب الاحكام' بيان الترغيب في اقامة الشهادة' حديث:5163صحيح ابن حبان' كتاب التاريخ' (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

''سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے' اور پھر اس کے بعد والوں کا زمانہ ہے''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (التوبہ:۱۰۰)

''سبقت کرنے والے (پہلے اسلام لانے والے) مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ جنہوں نے احسان کے ہمراہ ان لوگوں کی پیروی کی''۔

(بقیہ حاشیہ)ذکر الاخبار بظهور السمن فی هذه الامة عند ظهور الكذب وعدم' حديث:6837صحيح ابن حبان' كتاب اخباره صلى الله عليه وسلم عن مناقب الصحابة ' ذكر البيان بان خير الناس بعد اتباع التابعين تبع الاتباع' حديث:7336المستدرك على الصحيحين للحاكم' كتاب معرفة الصحابة رضى الله عنهم' ذكر مناقب عمران بن الحصين الخزاعى رضى الله عنه' حديث:5985سنن ابى داود' كتاب السنة' باب فى فضل اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم' حديث:4059جامع ترمذى' الذبائح' ابواب الفتن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم' باب ما جاء فى القرن الثالث' حديث:2198مصنف ابن ابى شيبة' كتاب الفضائل' ما ذكر فى الكف عن اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم' حديث:31770السنن الكبرى للنسائى' كتاب النذور' الوفاء بالنذر' حديث:4616شرح معانى الآثار للطحاوى' كتاب القضاء والشهادات' باب الرجل يكون عنده الشهادة للرجل هل يجب عليه ان يخبره' حديث:4034السنن الكبرى للبيهقى' كتاب النذور' باب الوفاء بالنذر' حديث:18682مسند احمد بن حنبل' اول مسند البصريين' حديث عمران بن حصين' حديث:19390مسند الطيالسى' عمران بن حصين' حديث:882البحر الزخار مسند البزار' اول حديث عمران بن حصين' حديث:2973المعجم الاوسط للطبرانى' باب العين' باب الميم من اسمه محمد' حديث:5630المعجم الكبير للطبرانى' من اسمه عبد الله' من اسمه عفيف' زرارة بن اوفى حديث:15341

گیارہواں باب

تابعین میں سے صوفیاء کے پیشوا

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ

ان میں سے ایک اُمت کے آفتاب' ملت کی شمع' حضرت اویس بن عامر قرنی ہیں' جو اکابر صوفیاء میں سے ایک ہیں' جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا' لیکن دو وجہ سے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل نہ کر سکے' ایک اپنے حال کے غلبے کی وجہ سے اور دوسرا اپنی والدہ کے حق کی وجہ سے' وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بات ارشاد فرمائی تھی: ''قرن'' کا رہنے والا ایک شخص اویس ہے' جو قیامت کے دن ربیعہ اور مضر قبیلے کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر تعداد میں میری اُمت کے افراد کی شفاعت کرے گا''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے یہ ارشاد فرمایا: تم اس شخص سے ضرور ملو گے' وہ درمیانے قد اور لمبے بالوں کا آدمی ہوگا' اس کے بائیں پہلو پر ایک درم جتنا سفید داغ ہوگا' اور یہ سفید داغ پھلبہری کا نہیں ہوگا' اس طرح کا ایک داغ اس کی ہتھیلی پر بھی ہوگا' وہ ربیعہ اور مضر قبیلے کی بھیڑوں کی تعداد میں میری اُمت کے افراد کی شفاعت کرے گا' جب تمہاری اس سے ملاقات ہو تو اسے میرا سلام کہنا اور اسے میری اُمت کے لیے دعا کرنے کے لیے کہنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ تشریف لائے' حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہمراہ تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے اہل نجد! کھڑے ہو جاؤ! اہل نجد اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تمہارے درمیان ''قرن'' کا کوئی شخص ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! پھر انہوں نے کچھ لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں دریافت کیا: تو ان لوگوں نے بتایا: اویس نام کا ایک دیوانہ موجود ہے' لیکن وہ آبادیوں میں نہیں آتا اور کسی سے بات چیت بھی نہیں کرتا' اس کی خوراک بھی لوگوں سے مختلف ہے' اسے غم اور خوشی کا احساس نہیں ہوتا' جب لوگ ہنس رہے ہوتے ہیں' تو وہ روتا ہے' جب لوگ رو رہے ہوتے

ہیں' تو وہ ہنسنے لگ پڑتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمائش کی: میں اس سے ملنا چاہتا ہوں' لوگوں نے بتایا: وہ باہر کھلی آبادی میں ہمارے اونٹوں کے پاس موجود ہے' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے تو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے' دونوں حضرات بیٹھ گئے' جب حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے' تو ان دونوں حضرات نے انہیں سلام کیا' پھر حضرت اویس نے اپنی ہتھیلی اور پہلو پر موجود مخصوص نشان انہیں دکھایا تو یہ دونوں حضرات انہیں پہچان گئے' پھر ان دونوں حضرات نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو دعا کرنے کے لیے کہا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام انہیں پہنچایا اور اُمت کے لیے دعا کرنے کا پیغام پہنچایا۔ یہ دونوں حضرات کچھ دیر حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہے' تو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا: آپ دونوں حضرات کو بہت زحمت ہوئی' اب آپ واپس تشریف لے جائیں کیونکہ قیامت قریب ہے' اور وہاں ایسا دیدار ہوگا' جو کبھی ختم نہیں ہوگا' تو میں قیامت کے دن کے لیے اپنا زادِراہ تیار کرنا چاہتا ہوں۔*

جب قرن کے رہنے والے لوگ واپس گئے تو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے درمیان بڑی اہمیت حاصل ہوگئی (کیونکہ خلیفہ وقت خود ان سے ملنے کے لیے آئے تھے)' اس وجہ سے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ وہ جگہ چھوڑ کر کوفہ آ گئے' کوفہ میں ایک مرتبہ حضرت ہرم بن حیان رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی ملاقات ہوئی' اس کے بعد فتنے کے زمانے میں کسی نے انہیں نہیں دیکھا' (مشہور روایات کے مطابق) انہوں نے جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا'

''عَاشَ حَمِيْدًا وَمَاتَ شَهِيْدًا'' انہوں نے پسندیدہ زندگی گزاری اور شہادت کی موت پائی۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا قولِ زرّیں

ان کا یہ فرمان منقول ہے:

''تنہائی میں سلامتی ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' جس شخص کا دل تنہا ہوتا ہے' وہ غیر کے خیال سے الگ ہوتا ہے' اور اپنے تمام احوال میں مخلوق سے لاتعلق ہو جاتا ہے' اور اس وجہ سے تمام آفات سے محفوظ رہتا ہے' وہ جب سب لوگوں سے منہ موڑ لیتا ہے' تو اگر کوئی یہ سمجھے کہ تنہا زندگی گزارنا بہت مشکل ہے' تو اسے یہ سمجھ لینا چاہیے' اس کے ذہن پر شیطان کا قبضہ ہے' اور

* نوٹ: حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات کا واقعہ کئی محدثین نے' الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم' کتاب فضائل الصحابة رضی اللہ تعالی عنهم' باب من فضائل اویس القرنی رضی اللہ عنه' حدیث:4717 المستدرك علی الصحیحین للحاکم' کتاب معرفة الصحابة رضی اللہ عنهم' ذکر مناقب اویس بن عامر القرنی رضی اللہ عنه' حدیث:5706 مصنف ابن ابی شیبة' کتاب الفضائل' ما ذکر فی اویس القرنی رضی اللہ عنه' حدیث:31704 مسند احمد بن حنبل' مسند العشرة المبشرین بالجنة' مسند الخلفاء الراشدین' اول مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه' حدیث:269 البحر الزخار مسند البزار' ومما روی اسیر بن جابر' حدیث:334

اس کے باطن پر نفس کا غلبہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے، جب تک آدمی کے دل پر دنیا اور آخرت کی فکر رہتی ہے اور مخلوق کی طرف سے اندیشہ موجود رہتا ہے تو اس وقت تک وہ شخص تنہائی کے ساتھ نہیں رہ سکتا اس کی وجہ یہ ہے جب آدمی کسی چیز سے راحت حاصل کرتا ہے اور اس کی فکر رکھتا ہے تو ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہوگا، جو شخص تنہا رہنے کا عادی ہو جائے گا وہ اگر مجلس میں بھی بیٹھا ہوگا تو اس کی تنہائی میں کوئی خلل نہیں آتا اور جو شخص کسی دوسرے کے خیال میں ڈوبا ہوا ہوگا اگر وہ تنہا بھی بیٹھا ہوگا تو اس کا مطلب ہے، وہ تنہا نہیں ہے، لہٰذا لوگوں کے ساتھ قطع تعلق اس وقت تک ممکن نہیں ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے دل میں جاں گزیں نہ ہو، جس شخص کو واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی لوگوں کے ساتھ ظاہری طور پر ملنا جلنا اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، اور جس شخص کو لوگوں کے ساتھ محبت ہوگی اس کے دل پر محبتِ الٰہی کا کوئی گزر نہیں ہوگا، اور نہ ہی اسے محبت کی کوئی خبر ہو سکے گی، اس کی وجہ یہ ہے، تنہائی ایک ایسے انسان کی صفت ہے، جس کا باطن صاف ہو، جو اللہ تعالیٰ کا فرمان سن چکا ہو (اور اس پر یقین رکھتا ہو)۔

"اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ" (الزمر:۳۶) "کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے"۔

حضرت ہرم بن حیان

آپ کا شمار تابعین میں کیا گیا ہے، آپ صفاء کی شمع تھے اور وفا کی کان تھے، آپ اکابر بزرگوں میں سے ایک ہیں، اعمال سے پوری طرح بہرہ یاب تھے، انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہے۔

اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات

ایک مرتبہ یہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرنے کے لیے گئے تھے، جب "قرن" پہنچے تو پتہ چلا، حضرت اویس وہاں سے تشریف لے جا چکے ہیں، یہ وہاں سے نا اُمید ہو کر واپس آ گئے، جب یہ مکہ پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ آج کل کوفہ میں قیام پذیر ہیں، یہ کوفہ آ گئے، لیکن وہاں بھی ان کی ملاقات حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے نہ ہو سکی، یہ کافی عرصہ کوفہ میں مقیم رہے، پھر ایک مرتبہ یہ بصرہ جا رہے تھے تو ان کی ملاقات حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہو گئی۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت دریا کے کنارے وضو کر رہے تھے اور انہوں نے ایک گدڑی پہن رکھی تھی، حضرت ہرم نے انہیں پہچان لیا، جب حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ دریا کے کنارے سے فارغ ہوئے، تو اپنی داڑھی میں کنگھی کر رہے تھے، اس وقت حضرت ہرم نے سامنے آ کر انہیں سلام کیا، تو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ہرم بن حیان تمہیں بھی سلام ہو! ہرم نے دریافت کیا: آپ نے یہ بات کیسے جان لی کہ میرا نام ہرم ہے، تو حضرت اویس قرنی نے جواب دیا:

"عَرَفَتْ رُوْحِي رُوْحَكَ" "میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا ہے، پھر کچھ دیر یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے رہے اور اس کے بعد حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں رخصت کر دیا۔

ہرم بیان کرتے ہیں: حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے دو حضرات کے بارے میں بتایا (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے اپنی ملاقات کے بارے میں بتایا) اور یہ بتایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی تھی:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَّانَوىٰ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ *

''اعمال کی جزاء کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق (اجر) ملے گا تو جس شخص کی ہجرت اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت''۔ (الحدیث)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی نصیحت

اس کے بعد حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نصیحت کی:

عَلَيْكَ بِقَلْبِكَ ''تم اپنے دل کی حفاظت کرنا''۔

اس بات کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں' ایک مفہوم یہ ہوگا: اپنے دل کو مجاہدے کے ذریعے حق کا تابع کر لینا اور دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے' مشاہدے کے ذریعے خود کو دل کا تابع کر لو' یہ دونوں اصول بہت مضبوط ہیں۔

دل کو حق کا تابع کر دینا ان ارادت مندوں کا کام ہے' جو اپنے دل کو شہوت کے غلبے اور نفس کی خواہش کی محبت سے خالی کر دیتے ہیں۔

جبکہ خود کو دل کا تابع کر لینا کاملین کا کام ہے' یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ اپنے جمال سے روشن کر دیتا ہے' اور انہیں تمام اسباب اور علم سے رہائی عطا کر دیتا ہے' اور پھر انہیں بلند مرتبے تک پہنچا کر اپنے قرب کی خلعت انہیں عطا کر دیتا

* صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب : ما جاء ان الاعمال بالنیة والحسبة' حدیث:54صحیح البخاری' کتاب العتق' باب الخطا والنسیان فی العتاقة والطلاق ونحوه' حدیث:2412صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه الی المدینة' حدیث: 3707صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب من هاجر او عمل خیرا لتزویج امراة فله ما نوی' حدیث:4785صحیح البخاری' کتاب الایمان والنذور' باب النیة فی الایمان' حدیث:6322صحیح البخاری' کتاب الحیل' باب فی ترك الحیل' حدیث:6570صحیح مسلم' کتاب الامارة' باب قوله صلی الله علیه وسلم " انما الاعمال بالنیة' حدیث:3621صحیح ابن خزیمة' کتاب الوضوء ' جماع ابواب الوضوء وسننه' باب ایجاب إحداث النیة للوضوء والغسل' حدیث:143صحیح ابن خزیمة' کتاب الوضوء ' جماع ابواب الوضوء وسننه' باب ایجاب احداث النیة للوضوء والغسل' حدیث:144مستخرج ابی عوانة' مبتدا کتاب الجهاد' باب الخبر الدال علی ان من قاتل للمغنم' حدیث:5995صحیح ابن حبان' کتاب البر والاحسان' باب الاخلاص واعمال السر' حدیث:389سنن ابی داود' کتاب الطلاق' ابواب تفریع ابواب الطلاق' باب فیما عنی به الطلاق والنیات' حدیث:1895سنن ابن ماجه' کتاب الزهد' باب النیة' حدیث:4225جامع ترمذی' الذبائح' ابواب فضائل الجهاد' باب ما جاء فیمن یقاتل ریاء وللدنیا' حدیث:1614السنن الکبری للنسائی' کتاب الطهارة' النیة فی الوضوء' حدیث:76شرح معانی الآثار للطحاوی' کتاب الطلاق' باب طلاق المکره' حدیث:3002مشکل الآثار للطحاوی' باب بیان مشکل ما روی عن رسول الله صلی الله علیه' حدیث:4466سنن الدارقطنی' کتاب الطهارة' باب النیة' حدیث:109

ہے' اور اپنے لطف و کرم کے ذریعے ان پر تجلی کر کے ان پر اپنے قرب اور مشاہدے کے ذریعے محبت کی نظر ڈالتا ہے' تو اس وقت ان کا جسم اُن کے دل کے مواقف ہو جاتا ہے۔

پہلے طبقے کے لوگ اصحابِ قلوب ہوتے ہیں' اور دوسرے طبقے کے لوگ مغلوب القلوب ہوتے ہیں۔ اصحاب قلوب اپنے ذہن کے مالک ہوتے ہیں' اور صفت کے اعتبار سے باقی ہوتے ہیں' جبکہ مغلوب القلوب لوگ صفت کے اعتبار سے فانی ہو جاتے ہیں۔

یہ مسئلہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے تعلق رکھتا ہے:

اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ (ص:۸۳) ''تیرے مخلص بندوں کے علاوہ (میں سب کو گمراہ کر دوں گا)''۔

اس لفظ کو دو طرح پڑھا جا سکتا ہے''ل'' پر زبر پڑھیں یا ''ل'' پر زیر پڑھیں۔

پہلی صورت میں یہ فاعل کا صیغہ ہو گا' اور اس صورت میں صفت باقی ہو گی' یعنی وہ شخص جو اخلاص والا ہو۔ دوسری صورت میں یعنی جب زبر پڑھی جائے' تو اس صورت میں یہ مفعول کا صیغہ ہو گا' اور اس صورت میں صفت فانی ہو جائے گی' یعنی وہ شخص جسے خالص کر دیا گیا ہو۔

یہ مسئلہ انشاء اللہ کسی دوسرے مقام پر زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

درحقیقت جو لوگ صفت کے اعتبار سے فانی ہو جاتے ہیں' وہ زیادہ فضیلت رکھتے ہیں' اپنے جسم کو اپنے ذہن کے مطابق کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے' ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوتا ہے' اور وہ ہر وقت اس کے مشاہدے میں مصروف ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کی صفت باقی ہوتی ہے وہ لوگ تکلف اور کوشش کے ذریعے خود کو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند کرتے ہیں' بہر حال اس مسئلے کی بنیاد صحو اور سکر' مشاہدے اور مجاہدے پر ہے' باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

*حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا تعلق بھی تابعین سے ہے' آپ اپنے زمانے کے امام تھے اور اپنے زمانے کی بے نظیر شخصیت تھے' آپ کا اسم گرامی ابو سعید حسن بن ابو حسن یسار بصری ہے۔ بعضحضرات نے آپ کی کنیت ابو محمد اور بعض نے ابو سعید بیان کی ہے۔ صوفیاء کے نزدیک آپ بڑی قدر و منزلت کے مالک تھے اور دینی معاملات میں آپ سے بہت سے لطیف نکات منقول ہیں۔

* حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

طبقات ابن سعد 7 / 156، طبقات خليفة ت 1726، الزهد لاحمد 258، تاريخ البخاری 2 / 289، المعارف 440، المعرفة والتاريخ 2 / 32 و 3 / 338، اخبار القضاة 2 / 3، ذيل المذيل 636، الجرح والتعديل القسم الثانی من المجلد الاول 40، الحلية 2 / 131، ذكر اخبار اصبهان 1 / 254، فهرست ابن النديم 202، طبقات الفقهاء للشيرازی 87،

صبر کی اقسام

ایک حکایت میں یہ بات منقول ہے' ایک دیہاتی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور ان سے صبر کے بارے میں دریافت کیا: تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: صبر دو طرح کا ہوتا ہے: ایک صبر کا تعلق مصیبت اور آزمائش پر صبر کرنے سے ہے' جبکہ دوسری قسم کا تعلق ان چیزوں پر صبر کرنے سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا ہے۔

اُس دیہاتی نے کہا:

"اَنْتَ زَاهِدٌ مَارَاَيْتُ اَزْهَدَ مِنْكَ"

"آپ واقعی زاہد آدمی ہیں' میں نے آپ سے بڑا زاہد اور کوئی نہیں دیکھا"۔

تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا: اے دیہاتی! میرا زُہد رغبت ہے' اور میرا صبر بے قراری ہے۔

دیہاتی نے کہا: آپ اس بات کی وضاحت کیجئے کیونکہ میرا اعتقاد متزلزل ہو گیا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مصیبت یا فرمانبرداری کے عالم میں جب میں صبر سے کام لیتا ہوں تو یہ اصل میں دوزخ کی آگ کے خوف کی وجہ سے ہوتا ہے' اور یہ حالت بے قراری کی ہے' اور اگر میں دنیا میں رہ کر آخرت کی طرف راغب ہوتے ہوئے زُہد اختیار کرتا ہوں تو میرا یہ زُہد رغبت ہے' وہ شخص خوش نصیب ہوتا ہے' جو درمیان میں سے اپنا حصہ اٹھا لیتا ہے' یعنی اس کا صبر صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو' جہنم سے بچنے کے لیے نہ ہو اور اس کا زُہد محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہو' جنت میں جانے کے لیے نہ ہو' یہ بات اخلاص کے صحیح ہونے کی علامت ہے۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قولِ زرّیں

ایک روایت میں یہ بات منقول ہے' حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

"اِنَّ صُحْبَةَ الْاَشْرَارِ تُوْرِثُ سُوْءَ الظَّنِّ بِالْاَخْيَارِ"

"بُرے لوگوں کا ساتھ' نیک لوگوں کے بارے میں بدگمانی پیدا کرتا ہے"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس بات پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے' یہ بات اس زمانے کے لوگوں کے حال کے ساتھ بالکل مطابقت رکھتی ہے' یہ وہ لوگ ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کا انکار کرتے ہیں' یہ اس وقت ہوتا ہے' جب یہ لوگ جعلی صوفیوں کے ساتھ رہتے ہیں' اور ان نام نہاد صوفیوں سے خیانت' نفسانی خواہشات کی پیروی' شہوت پسندی' حرام اور مشکوک مال جمع کرنے کا لالچ' ان میں دیکھتے ہیں' تو یہ لوگ یہی سمجھتے ہیں: یہ پرانے صوفیاء بھی اسی طرح کے ہوں گے اور تمام صوفیاء کا مسلک بھی ایسا ہی ہو گا حالانکہ ایسا نہیں ہے' بلکہ صوفیاء تو فرمانبردار ہوتے ہیں' ان کی زبان پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہوتا ہے' ان کے کان شرعی احکام سننے میں مصروف ہوتے ہیں' ان کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرنے میں مصروف ہوتی ہیں' ان کی ہمت اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مقام اور محل ہے۔ اب اگر کچھ ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں' جو صوفیاء اور ان

کی سیرت میں خیانت کرتے ہیں' تو اس کا وبال ان لوگوں کے سر پر ہوگا' دنیا کے آزاد لوگ اور زمانے کے سردار (صوفیاء) کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا' اب اگر کوئی شخص ان شریر لوگوں کے ساتھ اپنا تعلق رکھتا ہے' تو وہ خود اس کا ذمے دار ہے' اگر ایسے شخص میں کوئی بھلائی موجود ہوتی تو وہ خود نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرتا' لیکن مشہور مقولہ ہے:

''کند ہم جنس با جنس پرواز'' (ہر شخص اپنے ہم جنس کی طرف مائل ہوتا ہے)

تو ایسے شخص کو اپنے پر ملامت کرنا چاہیے' وہ ایک نااہل اور بے جوڑ آدمی کے ساتھ رہا ہے' اور صوفیاء کرام کا انکار کرنے والا شخص سب سے شریر اور کمینہ ہوتا ہے' تو اس کے ساتھ رہنے والے لوگ بھی شریر اور کمینے ہوں گے' کیونکہ جب ان کے نفس کی خواہش پوری نہیں ہوئی تو انہوں نے صوفیاء کا ہی انکار کر دیا اور ان شریر لوگوں کی پیروی کر کے خود بھی ہلاکت کا شکار ہو گئے۔ اس کے برعکس جو نیک اور صحیح صوفیاء کو رضامندی کی آنکھ سے دیکھ کر ان کے ساتھ دل و جان سے رہے اور دنیا میں ان بزرگوں کے طریقے کو اختیار کرے' اس نے دونوں جہاں کی برکتوں کو پا لیا اور ہر چیز سے تعلق توڑ لیا۔

اسی موضوع سے متعلق کسی شاعر کا یہ قول ہے:

فَلَا تَحْقِرَنَّ نَفْسِيْ وَاَنْتَ حَبِيْبُهَا
فَكُلُّ امْرِئٍ يَّصْبُوْا اِلٰى مَنْ يُّجَانِسُ

''تم میرے نفس کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ تم بھی اس کے محبوب ہو اور ہر شخص اپنے ہم جنس کا مشتاق ہوتا ہے''۔

*سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ

تابعین کے ائمہ میں سے ایک حضرت ابومحمد سعید بن مسیب ہیں۔ آپ اہل علم کے سردار اور فقہاء کے پیشوا ہیں' آپ بڑی بلند شان کے مالک اور نہایت قدر و منزلت کے مالک تھے' آپ کے فرامین قابل احترام ہیں' مختلف علوم فنون میں' جن میں علمِ فقہ' علمِ حقائق' علمِ توحید' علمِ تفسیر' علمِ شعر' علم لغت شامل ہیں' ان کے بارے میں آپ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔

آپ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے' وہ دیکھنے میں ہوشیار' طبیعت میں نیک سیرت تھے اور یہ خوبی تمام مشائخ کے نزدیک قابل تعریف ہے۔

---

* حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

طبقات ابن سعد 5 / 119، طبقات خليفة ت 2096، تاريخ البخاری 3 / 510، المعارف 437، المعرفة والتاريخ 1 / 468، الجرح والتعديل القسم الاول المجلد الثانی 59، الحلية 2 / 161، طبقات الفقهاء للشيرازی 57، تهذيب الاسماء واللغات القسم الاول من الجزء الاول 219، وفيات الاعيان 2 / 375، تهذيب الكمال ص 505، تاريخ الاسلام 4 / 4 و 188، تذكرة الحفاظ 1 / 51، العبر 1 / 110، تذهيب التهذيب 2 / 28 آ، البداية والنهاية 9 / 99، غاية النهاية ت 1354، تهذيب التهذيب 4 / 84، النجوم الزاهرة 1 / 228، طبقات الحفاظ للسيوطی 17، خلاصة تذهيب التهذيب 143، شذرات الذهب 1 / 102.

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ زرّیں

آپ کا یہ قول ہے:

"اِرْضِ بِالْیَسِیْرِ مِنَ الدُّنْیَا مَعَ سَلَامَةِ دِیْنِكَ كَمَا رَضِیَ قَوْمٌ بِكَثِیْرٍ هَا مَعَ ذِهَابِ دِیْنِهِمْ"

''اپنے دین کی سلامتی کے ہمراہ، تھوڑی سی دنیا پر راضی رہو اسی طرح جیسے کچھ لوگ دین کی رخصتی کے ہمراہ، زیادہ دنیا پر راضی رہتے ہیں''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اگر فقر کی حالت میں دین سلامت رہتا ہے، تو یہ اس خوشحالی سے بہتر ہے، جس میں غفلت موجود ہوتی ہے، اور دین رخصت ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے، ایمان کی سلامتی کے ہمراہ اگر وہ شخص اپنے دل کی طرف توجہ کرتا ہے، تو اسے دنیا کے مال سے خالی پاتا ہے، اور اُسے جو بھی چیز میسر آتی ہے اس پر قناعت کر لیتا ہے، اس کے برعکس جب کوئی خوشحال شخص اپنے دل کی طرف توجہ کرتا ہے، تو اسے ہر وقت مال کے لالچ اور اس میں اضافے کے حوالے سے فکرمند پاتا ہے، اور دنیا کے حصول کے لیے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی خدائی پر کسی غفلت کے بغیر راضی رہنا، غافل لوگوں کے دنیا پر راضی دینے سے زیادہ بہتر ہے، اور مصیبت پر حسرت اور ندامت کے بغیر زندگی گزارنا اس نعمت سے کہیں زیادہ بہتر ہے، جس کے ساتھ ذلت اور گناہ موجود ہوتا ہے، یہی وجہ ہے، جب مصیبت آتی ہے، تو پھر غافل لوگ یہ کہتے ہیں: اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے جسم پر یہ آفت نہیں آئی، جبکہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے یہ کہتے ہیں: اللہ کا شکر ہے، یہ مصیبت ہمارے دین پر نہیں آئی، کیونکہ اگر جسم پر مصیبت آ جائے، اور دل میں لقاء ہو تو یہ مصیبت جسم کے لیے خوشی کا باعث بنتی ہے، لیکن جب دل پر غفلت طاری ہو، تو خواہ جسم ناز و نعمت کے اندر موجود ہو، لیکن پھر بھی وہ نعمت آدمی کے لیے عذاب بن جاتی ہے، اور حقیقت میں تھوڑی دنیا پر راضی ہونا، زیادہ دنیا پر راضی ہونا، دونوں کی حیثیت ایک جیسی ہے، کیونکہ دنیا خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال و حرام کا معیار

آپ کے بارے میں یہ بات منقول ہے، ایک مرتبہ آپ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے، ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے عرض کی: مجھے ایسی حلال چیزوں کے بارے میں بتائیں، جس میں کوئی حرام نہ ہو اور ایسی حرام چیزوں کے بارے میں بتائیں جس میں کوئی حلال نہ ہو، تو آپ نے جواب دیا:

"ذِكْرُ اللهِ حَلَالٌ لَيْسَ فِيْهِ حَرَامٌ وَذِكْرُ غَيْرِهٖ حَرَامٌ لَيْسَ فِيْهِ حَلَالٌ"

''اللہ کا ذکر وہ حلال چیز ہے، جس میں کوئی حرام چیز نہیں ہے، اور اللہ کے غیر کا ذکر وہ حرام چیز ہے، جس میں کوئی حلال چیز نہیں ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر میں نجات ہے، اور اللہ کے غیر کے ذکر میں ہلاکت ہے، باقی توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

باب بارہواں

اگلے ادوار کے صوفیاء کا تذکرہ

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ

ان حضرات میں سے ایک شیخ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں' آپ طریقت کے دلاور' شریعت میں مضبوط قدم کے مالک تھے' آپ کی ہمت بلند تھی اور آپ قدر و منزلت کے مالک تھے' اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں آپ کا بڑا مقام و مرتبہ ہے۔

حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ

آپ کو حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر توبہ کرنے کا موقع ملا' اس سے پہلے آپ سود کا لین دین کیا کرتے تھے اور ہر طرح کی بُرائی میں مبتلا تھے' لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی مہربانی سے سچی توبہ کرنے کی توفیق دی اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف لوٹ آئے' انہوں نے علم اور عمل میں جو کچھ بھی سیکھا ہے وہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا ہے' ان کی زبان عجمی تھی اور وہ عربی زبان پر زیادہ مہارت نہیں رکھتے تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی کرامات سے نوازا اور وہ اس بلند مرتبے تک پہنچے۔

ایک مرتبہ شام کے وقت حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ان کی عبادت گاہ کے دروازے کے پاس سے گزرے تو حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ مغرب کی نماز کے لیے اقامت کہہ چکے تھے اور نماز کے لیے کھڑے تھے' حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اندر آئے تو انہوں نے حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں نماز ادا نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی' وہ عربی زبان میں قرآن صحیح نہیں پڑھتے تھے' جب رات کے وقت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سوئے تو انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا' انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا: اے میرے معبود! تیری رضا کس بات میں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے حسن! تم نے ہماری رضا کو پالیا تھا' لیکن تم نے اس کی قدر نہیں کی۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا: اے میرے معبود! وہ کس طرح؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اگر تم حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے نماز پڑھ لیتے کیونکہ اس کی نیت درست تھی تو قرأت کی غلطی کی وجہ سے تم اس کے انکار سے محفوظ رہتے تو تمہیں میری رضا حاصل ہو جاتی۔

حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی سچائی

مشائخ میں یہ بات مشہور ہے' جب حجاج بن یوسف کے آدمیوں سے بچتے ہوئے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ' حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت گاہ میں آئے تو حجاج کے سپاہی ان کے پاس آئے اور ان سے کہا: اے حبیب! کیا آپ نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے؟ تو حبیب نے جواب دیا: جی ہاں! انہوں نے دریافت کیا: وہ کہاں؟ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا' وہ میری عبادت گاہ کے اندر ہیں' لیکن جب وہ سپاہی عبادت گاہ کے اندر آئے تو انہیں وہاں کوئی بھی شخص نظر نہ آیا' وہ یہ سمجھے کہ شاید حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ساتھ مذاق کیا ہے' انہوں نے سختی کے ساتھ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کو ڈانٹا اور کہا' تم سچ نہیں بول رہے

ہو تو حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے قسم اٹھا کر یہ بات کہی کہ میں سچ کہہ رہا ہوں' وہ ابھی میری عبادت گاہ میں تھے' جب وہ دوسری مرتبہ اندر گئے تو انہیں کوئی نظر نہ آیا' پھر تیسری مرتبہ وہ اندر گئے تو انہیں کوئی نظر نہ آیا' آخر کار وہ تھک ہار کر واپس چلے گئے' اس کے بعد حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ عبادت گاہ سے باہر آئے تو انہوں نے کہا: اے حبیب! مجھے یہ بات معلوم ہے' تمہاری برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان ظالم لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کیا' لیکن تم نے ان کے سامنے یہ کیونکہ کہا: وہ یہاں اندر موجود ہیں' تو حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اے استادِ محترم! آپ ان لوگوں کے سامنے جو ظاہر نہیں ہوئے اس میں میری کوئی برکت نہیں ہے' بلکہ یہ سچ کی برکت ہے' جس کی وجہ سے آپ ان لوگوں کو نظر نہیں آئے' اگر میں جھوٹ بول دیتا تو وہ مجھے اور آپ دونوں کو ذلیل کرتے۔

اللہ کی رضا کس چیز میں ہے؟

شیخ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی اور بھی بہت سی کرامات موجود ہیں' ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے شیخ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: اللہ کی رضا کس چیز میں ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

''فِیْ قَلْبٍ لَیْسَ فِیْهِ غُبَارُ النِّفَاقِ'' ''ایک ایسے دل میں جس میں نفاق کا غبار نہ ہو''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' منافقت' موافقت کا ذریعہ اور رضامندی' موافقت کا عین ہے' اور محبت کا نفاق کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا کیونکہ محبت کا محل رضا ہوتی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونا اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی صفت ہے اور منافق ہونا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی صفت ہے۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے' اسے دوسرے مقام پر بیان کیا جائے گا' باقی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں ہے' اور مدد بھی اسی سے مل سکتی ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

ان میں سے ایک شیخ ابویحییٰ مالک بن دینار ہیں' جو اہل محبت کے نقیب تھے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مصاحب خاص تھے' یہ طریقت کے اکابر بزرگوں میں سے ایک ہیں' ان کی کرامات مشہور ہیں' ریاضت اور مجاہدے میں ان کا ذکر عام ہے' ان کے والد دینار ایک غلام تھے اور مالک بن دینار جب پیدا ہوئے' اس وقت ان کے والد غلام ہی تھے۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ

انہوں نے توبہ اس طرح کی جس رات کی صبح اللہ تعالیٰ کا کرم ان پر ہونا تھا' وہ اس رات اپنے دوستوں کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف تھے' جب سب لوگ سو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے نصیب کو بیدار کیا اور جو ساز وہ بجا رہے تھے اس میں سے یہ آواز آئی:

''یَا مَالِکُ مَالَکَ اَنْ تَتُوْبَ'' ''اے مالک! کیا وجہ ہے' تم توبہ کیوں نہیں کر لیتے؟''

تو مالک بن دینار نے ان تمام چیزوں سے ہاتھ اُٹھالیا اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے‘ انہوں نے توبہ کے راستے پر پاؤں رکھا اور اس منزل تک پہنچ گئے۔ ایک مرتبہ وہ کشتی میں جا رہے تھے‘ اس کشتی میں سے ایک موتی غائب ہو گیا کیونکہ آپ سے سب لوگ ناواقف تھے‘ اس لیے سب نے آپ پر الزام لگایا کہ تم نے اسے چوری کر لیا ہے‘ مالک بن دینار نے اس وقت آسمان کی طرف سر اٹھایا (دعا کی) دریا میں موجود مچھلیاں پانی کی سطح پر نمودار ہوئیں اور ان میں سے ہر ایک کے منہ میں ایک موتی موجود تھا۔ شیخ مالک بن دینار نے ان میں سے ایک موتی لیا اور اس شخص کو دیا جس کا موتی گم ہوا تھا‘ اور خود پانی پر چلتے ہوئے دریا کے کنارے تک آ گئے۔

آپ کا یہ فرمان منقول ہے:

”اَحَبُّ الْاَعْمَالِ عَلَیَّ الْاِخْلَاصُ فِی الْاَعْمَالِ“ ”میرے نزدیک عمل میں اخلاق سب سے پسندیدہ عمل ہے“۔

اس کی وجہ یہ ہے‘ عمل اخلاص سے بنتا ہے‘ اخلاص عمل کے لیے روح کی حیثیت رکھتا ہے‘ جس طرح روح کے بغیر جسم کی حیثیت پتھر کی سی ہوتی ہے‘ اسی طرح اخلاص کے بغیر عمل کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ باطنی اعمال میں اخلاص اور ظاہری اعمال میں عبادت کامل ہوتے ہیں‘ ظاہری اعمال باطنی اعمال سے کمال حاصل کرتے ہیں‘ اور باطنی اعمال ظاہری اعمال سے قدر و قیمت حاصل کرتے ہیں‘ اگر کوئی شخص ایک ہزار سال تک دل میں اخلاص رکھے رہے‘ لیکن وہ اس اخلاص کے ساتھ عمل کو شامل نہ کرے تو آپ اس کو ”مخلص“ قرار نہیں دے سکتے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایک ہزار سال تک عمل کرتا رہے‘ جب تک اس میں اس کا اخلاص شامل نہیں ہوگا اس کا عمل صحیح معنی میں عمل شمار نہیں ہوگا۔

شیخ حبیب بن سلیم راعی رحمۃ اللہ علیہ

ان حضرات میں سے ایک شیخ ابوحلیم حبیب بن سلیم راعی ہیں‘ جو بہت بڑے بزرگ تھے اور اپنے زمانے کے سب مشائخ کے پیشوا تھے‘ مشائخ کے درمیان انہیں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی‘ ان کی نشانیاں روشن اور ان کے دلائل بہت زیادہ ہیں‘ آپ زیادہ تر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہے ہیں۔

انہوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے:

”نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ“* ”مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے“۔

شیخ حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

شیخ حبیب راعی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے اور دریائے فرات کے کنارے رہتے تھے‘ انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کی

* المعجم الکبیر للطبرانی‘ من اسمہ سھل‘ روایۃ البصریین عن ابی حازم‘ یحیی بن قیس الکندی‘ حدیث:5806مسند الشھاب القضاعی‘ نیۃ المؤمن ابلغ من عملہ‘ حدیث:141 شعب الایمان للبیھقی‘ التاسع والثلاثون من شعب الایمان‘ الخامس والاربعون من شعب الایمان وھو باب فی اخلاص العمل للہ‘ حدیث:6579

ہوئی تھی۔ ایک بزرگ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میرا ان کے پاس سے گزر ہوا' تو میں نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا' اس دوران ایک بھیڑیا ان کی بکریوں کی حفاظت کر رہا تھا' میں نے سوچا: ایسے شیخ کی زیارت کرنی چاہیے کیونکہ مجھے ان کی بڑی کرامت نظر آئی ہے' میں کچھ دیر وہاں کھڑا رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے' تو میں نے انہیں سلام کیا' انہوں نے مجھ سے دریافت کیا: بیٹا! تم کس کام سے آئے ہو؟ میں نے انہیں جواب دیا' میں آپ کی زیارت کے لیے آیا ہوں' تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کی ہدایت دے! پھر میں نے کہا: جناب! میں نے دیکھا ہے' بھیڑیا' بھیڑوں کے ساتھ موجود تھا (یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے)' تو انہوں نے جواب دیا: اس کی وجہ یہ ہے' بھیڑوں کا چرواہا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول تھا' یہ بات کہنے کے بعد انہوں نے لکڑی کا پیالہ ایک پتھر کے نیچے رکھ دیا تو پتھر میں سے دو چشمے نکلے جن میں سے ایک دودھ کا تھا اور دوسرا شہد کا چشمہ تھا' میں نے ان سے دریافت کیا: جناب! آپ کو یہ رتبہ کیسے ملا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: نبی اکرم ﷺ کی پیروی کی وجہ سے۔

پھر انہوں نے فرمایا: اے میرے بیٹے! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اگرچہ بظاہر اپنے نبی کی مخالفت کر رہی تھی' لیکن اس کے باوجود ان کے لیے پتھر میں سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ حضرت محمد ﷺ کے برابر تو نہیں ہے' اس لیے جب میں نے نبی اکرم ﷺ کی پیروی کی تو مجھے دودھ اور شہد ملنے لگ گئے' اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔

حبیب رائی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

وہ بزرگ کہتے ہیں: میں نے ان سے گزارش کی: آپ مجھے کوئی نصیحت کیجئے! تو انہوں نے فرمایا:

"لَا تَجْعَلْ قَلْبَكَ صَنْدُوْقَ الْحِرْصِ وَبَطْنَكَ وِعَاءَ الْحَرَامِ"

"تم اپنے دل کو لالچ کا صندوق اور اپنے پیٹ کو حرام کی گٹھڑی نہ بنانا"۔

(سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' لوگ زیادہ تر انہی دو چیزوں کی وجہ سے ہلاکت کا شکار ہوتے ہیں' اور آدمی کو نجات اس وقت مل سکتی ہے' جب وہ ان دو چیزوں (یعنی دل اور پیٹ) کی حفاظت کرے۔

میرے شیخ طریقت (شیخ ابوالفضل ختلی) نے آپ سے کئی روایات نقل کی ہیں' لیکن یہاں اس سے زیادہ نقل کرنا ممکن نہیں ہے' کیونکہ میری کتابیں غزنی (اللہ تعالیٰ اس شہر کی حفاظت کرے) میں ہیں' اور میں "لاہور" نام کے شہر میں مقیم ہوں "ملتان" کے مضافات میں ہے' اور میں یہاں ایسے لوگوں میں موجود ہوں جو (مزاج کے اعتبار سے) ہم جنس نہیں ہیں' بہرحال آرام حاصل ہو یا تکلیف ہو' ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

شیخ ابو حازم مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک شیخ ابو حازم مدنی ہیں' جو بڑے نیک بزرگ تھے اور مشائخ کے پیشوا تھے۔ طریقت کے معاملات پر انہیں بھرپور دسترس حاصل تھی اور بلند مقام حاصل تھا' فقر میں ان کا قدم مضبوط تھا اور مجاہدے میں ان کی روش قابل تعریف تھی۔

شیخ عمرو بن عثمان مکی آپ کے احکام کے پابند تھے' ان کا کلام بہت مقبول ہوا' اور کئی کتابوں میں درج ہے۔

شیخ عمرو بن عثمان مکی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ لوگوں نے شیخ ابو حازم مدنی سے دریافت کیا:

''آپ کا مال کیا ہے؟ تو شیخ نے جواب دیا:

''قَالَ اَلرِّضَاعَنِ اللّٰہِ وَالْغِنٰی عَنِ النَّاسِ''

''(میرا مال یہ ہے)' اللہ تعالیٰ سے راضی رہوں اور لوگوں سے بے نیازی اختیار کروں''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس میں کوئی شبہ نہیں ہے' جو شخص اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگا وہ لوگوں سے بے نیاز ہو جائے گا' کیونکہ کسی بھی کامل شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑے خزانے کی حیثیت رکھتی ہے' اور اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنی ہونے کا اشارہ موجود ہے' یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنی ہوتا ہے وہ غیر سے بے نیاز ہو جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کی راہ کے علاوہ اور کسی راستے سے واقف نہیں ہوتا' وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو نہیں پہچانتا اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو نہیں پکارتا' وہ یہ یقین رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ ہی عزت اور ذلت عطا کرنے والا ہے۔

ماں کی خدمت کی عظمت

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں: میں ایک دفعہ شیخ ابو حازم کے ہاں گیا تو انہیں سوتے ہوئے پایا' میں نے کچھ دیر ان کے جاگنے کا انتظار کیا جب وہ بیدار ہوئے' تو انہوں نے بتایا: میں نے ابھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لیے مجھے یہ پیغام دیا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے:

''ماں کے حق کا خیال کرنا' حج کرنے سے زیادہ بہتر ہے' اس لیے تم واپس چلے جاؤ اور ماں کی رضامندی حاصل کرو''۔

وہ بزرگ بیان کرتے ہیں: میں وہیں سے واپس چلا گیا اور مکہ مکرمہ (حج کرنے کے لیے) نہیں گیا۔

شیخ محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک شیخ محمد بن واسع ازدی ہیں۔ آپ مجاہدے کی دعوت دینے والے اور مجاہدے کے قدم میں پختہ حیثیت کے مالک تھے' آپ کے زمانے میں کسی بھی بزرگ کو آپ کا ہم پلہ نہیں سمجھا گیا' آپ نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے استفادہ کیا ہے' اور بہت سے مشائخ کی زیارت کی ہے' انہیں طریقت میں بھرپور دسترس حاصل تھی' طریقت

کے حقائق بیان کرنے میں ان کے اقوال بہت بلند حیثیت رکھتے ہیں' اور ان کے بیان کردہ اشارے بہت لطیف ہیں۔

شیخ محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کا قول زرّیں

آپ کا یہ فرمان منقول ہے:

"مَارَأَيْتُ شَيْئًا اِلَّا وَرَأَيْتُ اللهَ فِيْهِ"

"میں نے جو بھی چیز دیکھی اس میں اللہ تعالیٰ (کی قدرت) کو موجود دیکھا ہے"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام مشاہدہ

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ مشاہدے کا مقام ہے' جب بندہ تعلق کے غلبے کی وجہ سے ایک مرتبے تک پہنچ جاتا ہے' تو جب بھی کسی فعل کا مشاہدہ کرتا ہے' تو اسے اس فعل میں فاعل نظر آتا ہے' بالکل اسی طرح جیسے آدمی کوئی تصویر دیکھے تو اسے مصور نظر آتا ہے' اور اس بات کی حقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی طرف لوٹ جاتی ہے' جب انہوں نے چاند' سورج' ستاروں کو دیکھا تھا تو یہ کہا تھا:

"یہ میرا پروردگار ہے"۔

یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے غلبے کی وجہ سے تھا' وہ جو چیز بھی دیکھتے تھے' اسے محبوب کی صفت میں دیکھتے تھے' یہی وجہ ہے' اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اس جہان کو اللہ تعالیٰ کے قہر سے مغلوب اور اس کے دبدبے اور قدرت کا ماتحت پاتے ہیں' اور فاعل حقیقی کی قدرت کے مقابلے میں تمام تر موجودات کو معدوم سمجھتے ہیں' اور پیدائش کے اعتبار سے ممکن کو معدوم سمجھتے ہیں' جب وہ محبت کی نگاہ اس پر ڈالتے ہیں' تو وہ مغلوب کو نہیں' بلکہ غالب کو دیکھتے ہیں' مفعول کو نہیں بلکہ فاعل کو دیکھتے ہیں' مخلوق کو نہیں' بلکہ خالق کو دیکھتے ہیں' ہم اس موضوع پر مشاہدے کے بارے میں بحث کریں گے۔

یہاں پر کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے' وہ یہ کہتے ہیں: آپ کا یہ فرمان:

"میں نے اس میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا"

یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان' اس کے اجزاء اور اس کے حلول کو ثابت کرتے ہیں' اور یہ بات کفر ہے' اس کی وجہ یہ ہے' مکان اور مکان میں جو چیز موجود ہو ان کی جنس ایک ہوتی ہے' اگر کوئی شخص یہ فرض کرے' مکان مخلوق ہے' تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مکان میں جو چیز موجود ہے وہ بھی مخلوق ہو اور اگر یہ فرض کر لیا جائے' مکان قدیم ہے' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مکان میں جو چیز ہے وہ بھی قدیم ہوگی' حالانکہ یہ دونوں نظریات غلط ہیں' آپ مخلوق کو قدیم کہیں یا خالق کو حادث کہیں دونوں باتیں کفر ہوں گی۔

لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے' بلکہ آپ کا اشیاء میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور اس کے دلائل کو دیکھنا ہے' اور ہم یہ بات پہلے ہی بیان کر چکے ہیں' اس بارے میں چند مزید لطیف نکات ہیں جنہیں ہم اپنی جگہ پر بیان کریں گے۔

*حضرت امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ

ان حضرات میں ایک اماموں کے امام، لوگوں کے پیشوا، فقہاء کے لیے عزت کا باعث، علماء کے لیے بزرگی کا باعث، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو عبادت اور مجاہدے میں درست قدم رکھتے تھے اور طریقت کے اصولوں کے بارے میں ان کی شان بہت عظیم ہے۔

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خلوت نشینی

آغاز میں انہوں نے گوشہ نشینی کا ارادہ کیا تھا، یعنی وہ لوگوں سے کنارہ کش ہو کر الگ تھلگ رہنا چاہتے تھے اور انہوں نے اپنے ذہن کو لوگوں کا سردار اور پیشوا بننے سے بے نیاز کر لیا تھا، انہوں نے اپنے دل کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے آراستہ کر لیا تھا، لیکن ایک مرتبہ رات کے وقت انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے آپ کی ہڈیاں اکٹھی کر رہے ہیں، اور ان میں سے بعض ہڈیوں کو چن رہے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ خواب دیکھ کر بیدار ہو گئے، اور بہت پریشان ہوئے، انہوں نے شیخ محمد بن سیرین کے ایک ساتھی سے اس خواب کی تعبیر کے بارے میں دریافت کیا: تو ان صاحب نے بتایا: آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حفاظت کے حوالے سے بڑے مرتبے تک پہنچیں گے اور آپ کو اس بارے میں اتنا عبور حاصل ہو جائے گا کہ آپ مستند اور غیر مستند کو ایک دوسرے سے الگ کر سکیں گے۔

اسی طرح ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے ابوحنیفہ! تم میری سنت کو زندہ کرنے کا باعث بنو گے، اس لیے گوشہ نشینی کا ارادہ نہ کرو''۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بہت سے اکابر مشائخ کے استاد ہیں، ان مشائخ میں ابراہیم بن ادھم، فضیل بن عیاض، داؤد طائی، بشر حافی اور دیگر بہت سے مشائخ شامل ہیں۔

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت

یہ بات نقل کی گئی ہے، ایک مرتبہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے زمانۂ حکومت میں یہ کوشش کی گئی، چار افراد میں سے کسی ایک کو قاضی مقرر کر دیا جائے، ان چار افراد میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے، جبکہ باقی تین حضرات سفیان ثوری، مسعر بن کدام

* حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

طبقات خلیفة 167)'327)، تاریخ البخاری: 8 / 81، التاریخ الصغیر: 2 / 43، الجرح والتعدیل 8 / 449'450، کتاب المجروحین 3 / 61، تاریخ بغداد 13 / 323، 424، الکامل فی التاریخ 5 / 585، 549، وفیات الاعیان 5 / 415'423، تهذیب الکمال 1414، 1417، تذهیب التهذیب 4 / 98 / 1، تذکرة الحفاظ 1 / 168، میزان الاعتدال 4 / 265، العبر 1 / 314، مرآة الجنان 1 / 309، البدایة والنهایة 10 / 107، تهذیب التهذیب 10 / 449'452، النجوم الزاهرة 2 / 12، الجواهر المضیئة 1 / 26'32، خلاصة تذهیب الکمال 401، شذرات الذهب 1 / 227 229

اور شریح تھے۔ جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دربار کی طرف جارہے تھے تو راستے میں فرمایا: میں اپنے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر ایک بات کہتا ہوں‘ دیگر حضرات نے کہا: ٹھیک ہے آپ بتائیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں کوئی بہانہ بنا کر خود کو قاضی کے عہدے سے الگ کرلوں گا‘ سفیان فرار کا راستہ اختیار کرے گا‘ مسعر خود کو دیوانہ ظاہر کرے گا‘ اور شریح قاضی کا عہدہ قبول کرلیں گے‘ تو سفیان راستے میں کہیں بھاگ جائے‘ اور کشتی میں بیٹھ گئے اور بولے: یا تو مجھے چھپالو یا پھر میرا سر کاٹ دو۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے:

”مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ“*

”جس شخص کو قاضی بنایا گیا اسے چھری کے بغیر ذبح کرلیا گیا“۔

(دربار میں پہنچ کر) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں عرب نہیں ہوں‘ بلکہ میں تو ایک عجمی ہوں‘ عربوں کے سردار میرے فیصلے پر راضی نہیں ہوں گے‘ خلیفہ نے کہا: اس کام کا نسب کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے‘ بلکہ اس کام کے لیے آدمی کو علم ہونا چاہیے اور تم اس زمانے کے اکابر علماء میں سے ایک ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں اس علم کا اہل نہیں ہوں‘ میں نے اپنی اہلیت کے بارے میں یہ جو بات کہی ہے‘ اس میں دو احتمال ہیں‘ اگر یہ بات سچ ہے‘ تو میں واقعی اس بات کا اہل نہیں ہوں‘ اور اگر میں نے یہ بات غلط کہی ہے‘ تو کسی جھوٹے شخص کو قاضی بنا کر مسلمانوں کی جان و مال کے بارے میں اس پر اعتماد کرے۔ یہ کہہ کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود کو قاضی کے عہدے سے بچالیا۔ اس کے بعد مسعر کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا‘ انہوں نے آتے ہی خلیفہ کے ساتھ زبردستی مصافحہ کرتے ہوئے کہا: آپ کا کیا حال ہے؟ آپ کے بچے کیسے ہیں؟ جانوروں کا کیا حال ہے؟ خلیفہ نے طیش میں آ کر حکم دیا: اسے باہر نکال دو یہ تو پاگل ہے۔ پھر خلیفہ نے قاضی شریح سے کہا: تمہیں قاضی بن جانا چاہیے‘ قاضی شریح نے جواب دیا: میرے مزاج میں سوداویت ہے‘ اور میرا دماغ کمزور ہے‘ خلیفہ نے کہا: آپ پھل کھائیں‘ خوشبودار‘ پختہ نبیذ پیا کریں تاکہ آپ کا دماغ مضبوط ہو جائے‘ تو خلیفہ نے قضاء کا عہدہ قاضی شریح کے حوالے کردیا۔

---

* سنن ابی داود‘ کتاب الاقضية‘ باب فی طلب القضاء‘ حديث:3117سنن ابن ماجه‘ كتاب الاحكام‘ باب ذكر القضاة‘ حديث:2305جامع ترمذی‘ ابواب الجنائز عن رسول الله صلى الله عليه وسلم‘ ابواب الاحكام عن رسول الله صلى الله عليه وسلم‘ باب ما جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فی‘ حديث:1284مصنف ابن ابی شيبة‘ كتاب البيوع والاقضية‘ فی القضاء وما جاء فيه‘ حديث:22500السنن الكبرى للنسائی‘ كتاب القضاء ‘ التغليظ فی الحكم‘ حديث:5751سنن الدارقطنی‘ كتاب فی الاقضية والاحكام وغير ذلك‘ حديث:3905السنن الكبرى للبيهقی‘ كتاب آداب القاضی‘ باب كراهية الامارة , وكراهية تولی اعمالها لمن رای من نفسه‘ حديث:18802مسند احمد بن حنبل‘ ومن مسند بنی هاشم‘ مسند ابی هريرة رضی الله عنه‘ حديث:6986مسند ابی يعلى الموصلی‘ شهر بن حوشب ‘ حديث:6476المعجم الاوسط للطبرانی‘ باب الالف‘ باب من اسمه ابراهيم‘ حديث:2730المعجم الصغير للطبرانی‘ من اسمه سليمان‘ حديث:492مسند الشهاب القضاعی‘ من جعل قاضيا فقد ذبح بغير سكين‘ حديث:377

(قاضی شریح کے اس عہدے کو قبول کرنے کے بعد) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے لاتعلقی اختیار کی اور کبھی ان سے بات چیت نہیں کی۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ دو اُمور ہیں' جوان کے کامل ہونے کی نشانی ہیں' ایک یہ ہے' ہر ایک کے معاملے میں ان کی فراست بالکل ٹھیک ثابت ہوئی' دوسرا یہ ہے' انہوں نے درستی اور سلامتی کا راستہ اختیار کیا اور مخلوق کی حلاوت کو خود سے دور رکھا اور جاہ و مرتبہ کے دھوکے میں نہیں آئے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے' لوگوں سے لاتعلق ہونا' آدمی کی سلامتی کے لیے بہت ضروری ہے' جبکہ ہمارے آج کے زمانے کے علماء اس بات کے منکر ہیں' وہ نفسانی خواہشات کے اسیر ہو چکے ہیں' اور حق کے راستے کو چھوڑ چکے ہیں' انہوں نے حکمرانوں کے درباروں کو اپنا قبلہ اور ظالموں کی بارگاہوں کو اپنے لیے بیت المعمور بنالیا ہے۔

وہ ان جابر حکمرانوں کے فرش کو قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى جتنا مقدس سمجھتے ہیں' اور ہر وہ چیز جو ان کی خواہش نفس کے خلاف ہو' یہ اس کا انکار کر دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ غزنی میں (اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے) علم اور امامت کے ایک دعویدار شخص نے یہ بات بیان کی: گدڑی پہننا بدعت ہے' میں نے (داتا صاحب نے) اس سے کہا: ریشمی لباس مردوں کے لیے پہننا جائز نہیں ہے' اور پھر وہ ریشمی لباس ظالموں کی منتیں کر کے حرام مال میں سے حاصل کرنا تو اور زیادہ حرام ہے' کیونکہ بذاتِ خود وہ حرام مال ہے' لیکن تم اسے لے کر بغیر کسی تکلف کے اسے پہن لیتے ہو' اسے بدعت نہیں کہتے' اور ایک حلال کپڑا جو حلال رقم سے خریدا گیا ہے' اسے پہننے کو بدعت کہتے ہو' یہ کیسے بدعت ہو سکتا ہے' اگر تمہارے اوپر نفس کی گمراہی اور طبیعت کی سرکشی غالب نہ ہوتی' تو تم ٹھیک بات کہتے' (شرعی حکم تو یہ ہے) ریشمی کپڑا پہننا صرف خواتین کے لیے جائز ہے' مردوں کے لیے اسے پہننا حرام ہے' اگر تم ان دونوں باتوں کا اقرار کرتے ہو' تو معذور رہو' اور ایسی ناانصافی سے اللہ کی پناہ ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خواب

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: جب نوفل بن حیان کا انتقال ہوا' تو میں نے خواب میں دیکھا: قیامت قائم ہو گئی ہے' اور ساری مخلوق اپنے اعمال کا حساب دے رہی ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر کے پاس کھڑے ہوئے ہیں' آپ کے دائیں بائیں بہت سے مشائخ کھڑے ہیں' میں نے ان میں سے ایک بڑے خوبصورت عمر رسیدہ بزرگ کو دیکھا جن کے سر پر سفید بال تھے اور انہوں نے اپنا رخسار مبارک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک کے ساتھ ملایا ہوا تھا اور ان کے ساتھ نوفل بن حیان کھڑے ہوئے تھے' جب انہوں نے میری طرف دیکھا' تو میری طرف آئے اور مجھے سلام کیا' میں نے ان سے کہا: آپ مجھے بھی پینے کے لیے پانی دیجیے' تو انہوں نے فرمایا: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اجازت لے لوں' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی کے ذریعہ اشارہ کیا اور مجھے پانی دے دیا گیا' میں نے وہ پانی پیا' اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا' لیکن اس کے باوجود پیالی پیالے

میں سے کم نہیں ہوا' پھر میں نے پوچھا: اے نوفل! نبی اکرم ﷺ کے دائیں طرف یہ عمر رسیدہ بزرگ کون ہیں؟ تو نوفل نے جواب دیا: وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں' اور ان کے ساتھ جو دوسرے والے بزرگ ہیں وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:) میں اسی طرح وہاں موجود بزرگوں کے بارے میں دریافت کرتا رہا اور اپنی انگلی پر ان کا شمار کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے وہاں موجود 17 بزرگوں کے بارے میں نوفل بن حیان سے دریافت کیا' اسی دوران میری آنکھ کھل گئی تو میری انگلی 17 کے عدد پر تھی۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا خواب

یحییٰ بن معاذ رازی بیان کرتے ہیں: میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اور آپ کی خدمت میں عرض کی:

''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیْنَ اَطْلُبُکَ''

''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟''

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عِنْدَ عِلْمِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ'' ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم کے پاس۔

(یہاں اگر ''ع'' پر ''زبر'' پڑھی جائے' تو اس کا مطلب جھنڈا ہوگا)

پرہیزگاری کے حوالے سے آپ کی بہت سی باتیں ہیں اور آپ کے فضائل ومناقب مشہور ہیں' اور ان سب کا یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا خواب

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں علی بن عثمان یہ بیان کرتا ہوں (اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے) ایک مرتبہ میں شام کے شہر دمشق میں موجود تھا' اور نبی اکرم ﷺ کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس سویا ہوا تھا' میں نے خواب میں خود کو مکہ میں پایا۔ نبی اکرم ﷺ باب بنوشیبہ سے اندر تشریف لائے' آپ نے ایک عمر رسیدہ شخص کو گود میں ایسے اٹھایا ہوا تھا جیسے بچوں کو اٹھایا جاتا ہے' میں بھاگ کر آگے آیا اور نبی اکرم ﷺ کے دست بوسی اور قدم بوسی کی' میں بہت حیران ہوا' یہ کیا صورتِ حال ہے اور یہ کون صاحب ہیں؟ نبی اکرم ﷺ کو میرے اس خیال کا پتہ چل گیا' آپ نے مجھ سے فرمایا: یہ تمہارا اور تمہارے ملک کا امام ہے۔

تو اس خواب کی وجہ سے مجھے اور میرے ملک والوں کو بڑی اُمید پیدا ہوگئی ہے' اس خواب سے یہ بھی ثابت ہوگیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات میں شامل ہیں' جو اپنے طبعی اوصاف سے فانی ہو کر شرعی احکام کے ساتھ باقی ہیں' اور ان کے ساتھ ہیں' اور نبی اکرم ﷺ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے طبعی اوصاف سے باہر نکالا ہے' کیونکہ اگر وہ خود اپنے طبعی اوصاف سے باہر نکلتے تو ان کی صفت باقی ہوتی اور جس کی صفت باقی ہو وہ شخص یا فیصلے میں غلطی کرتا ہے' یا وہ فیصلہ صحیح کرتا ہے' لیکن کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے طبعی اوصاف سے باہر نکالا ہے' اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صفت کے اعتبار سے فانی ہیں' جبکہ نبی اکرم ﷺ کی صفت بقاء ہے' اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس صفت کے اعتبار سے باقی ہیں' کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے

کوئی خطا نہیں ہو سکتی تو جو شخص نبی اکرم کے ساتھ قائم اور وابستہ ہوگا اس سے خطا کا سرزد ہونا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

عمل کی اہمیت

یہ بات منقول ہے، جب داؤد طائی علم کے حصول سے فارغ ہوئے اور اپنے زمانے کے سردار اور پیشوا بن گئے تو ایک مرتبہ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے دریافت کیا: مجھے کیا کرنا چاہیے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"عَلَيْكَ بِالْعَمَلِ فَإِنَّ الْعِلْمَ بِلاَ عَمَلٍ كَالْجَسَدِ بِلاَ رُوْحٍ"

"تم عمل کرو کیونکہ عمل کے بغیر علم اسی طرح ہے جیسے روح کے بغیر جسم ہوتا ہے"۔

یعنی جب تک علم، عمل کے ساتھ شامل نہیں ہوگا اس وقت تک صاف نہیں ہوگا' اور زندگی (کے معاملات) میں اخلاص نہیں ہوتا' جو شخص علم پر قناعت کرتا ہے وہ درحقیقت عالم نہیں ہوتا کیونکہ عالم شخص محض علم پر قناعت نہیں کرتا' اس کی وجہ یہ ہے' اصل علم تو عمل کا تقاضا کرتا ہے' یہ بالکل اسی طرح ہے' جس طرح مشاہدہ مجاہدے کے بغیر ممکن نہیں ہوتا' اسی طرح علم، عمل کے بغیر بے فائدہ ہوگا' علم عمل کا وارث ہے' علم کی وسعت اور علم کا نفع اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے' جب ساتھ عمل بھی موجود ہو' یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے روشنی کو سورج سے الگ نہیں کیا جا سکتا' علم کو بھی عمل سے دور نہیں کیا جا سکتا۔

اس کتاب کے آغاز میں ہم علم کے بارے میں مختصر بیان کر چکے ہیں' باقی توفیق اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔*

---

*حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوعبداللہ مالک بن انس اصبحی کو "امام دار الہجرہ" یعنی مدینہ منورہ کا امام' بھی کہا جاتا ہے۔ آپ علم فقہ میں اہلسنت کے چار بڑے ائمہ میں سے ایک ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے وابستگان کی صف میں شامل ہیں۔ آپ کا مرتب کردہ مجموعہ "موطا امام مالک" علم حدیث کے قدیم اور مستند مآخذ میں سے ایک ہے۔ آپ بہت سے فضائل و کمالات کے مالک تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جس کا مفہوم یہ ہے: عنقریب لوگ علم کی تلاش میں طویل سفر کریں گے لیکن اس وقت انہیں مدینہ کے عالم سے بڑا عالم کوئی نہیں ملے گا۔ محدثین نے یہ صراحت کی ہے کہ اس روایت میں حضرت امام مالک کی طرف اشارہ موجود ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے دیگر تینوں آئمہ فقہ کا ذکر کیا لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ نہیں کیا' اس لئے ہم نے یہ چند سطور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تحریر کر دی ہیں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

جماع العلم للشافعي: 242))، تاريخ خليفة بن خياط: 1 / 432، 2 / 719، طبقات خليفة: 275، المعارف لابن قتيبة: 498‘499، المنتخب من كتاب ذيل المذيل للطبري: 106، 107، مشاهير علماء الامصار: ت 1110))، الحلية: 6 / 316، الفهرست لابن النديم مع تراجم اصحابه: 280‘284، انساب العرب لابن حزم: 1 / 435 436، الفهرست للطوسي: ت 740))، الانتقاء في فضائل الثلاثة الفقهاء: 9‘63، طبقات الشيرازي: 67، ترتيب المدارك: 1 / 102‘254، المبهمات في الحديث للنووي: 34 / 2، جزء فيه الاحاديث التي خولف فيها مالك بن انس: تخريج الدارقطني 255 / 1 269 / 2، تذكرة الحفاظ لابن عبد الهادي: 49 / 2، صفة الصفوة: 2 / 177‘180، الكامل لابن الاثير، 6 / 147، تهذيب الاسماء واللغات للنووي: 2 / 75‘79، وفيات الاعيان 4 / 135‘139، تهذيب الكمال: 1297، تذكرة الحفاظ: 1 / 207‘213، العبر للذهبي 1: / 272،

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ مروزی کا تعلق ان حضرات سے ہے' آپ زاہد لوگوں کے سردار تھے اور بزرگانِ طریقت کے پیشوا تھے' صوفیاء کے درمیان آپ بلند حیثیت اور مقام کے مالک ہیں' آپ طریقت کے تمام اقوال اور اسباب سے آگاہ تھے اور اپنے وقت کے امام تھے' آپ نے بہت سے بزرگ مشائخ کا زمانہ پایا ہے' اور ان کی صحبت میں رہے ہیں' آپ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وابستہ دامن رہے ہیں' اور ان سے علم حاصل کیا ہے' علم کے ہر فن کے بارے میں ان کی تصانیف کا ذکر ملتا ہے' اور ان کی کرامات مشہور ہیں۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے' آپ ایک حسین کنیز پر عاشق تھے' آپ ایک رات اپنے دوستوں کے ساتھ محفلِ نا ؤ نوش میں موجود تھے' وہاں ایک دوست کو ساتھ لے کر اُٹھے اور محبوب کی دیوار کے نیچے کھڑے ہو گئے' وہ کنیز چھت پر آئی اور یہ اسے دیکھتے رہے' ان کے کان میں اذان کی آواز آئی تو یہ سمجھے کہ عشاء کی اذان ہوئی ہے' لیکن جب تھوڑی دیر بعد روشنی پھیلنا شروع ہوئی تو انہیں پتہ چلا کہ ساری رات اس کے دیدار کے لیے کھڑے رہے ہیں' اس بات پر انہیں ندامت ہوئی اور انہوں نے خود سے یہ کہا: اے مبارک کے بیٹے! تم اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کے لیے ساری رات کھڑے رہے ہو اور تمہیں کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی' لیکن اگر امام کا نماز میں تھوڑی سی لمبی سورت کی قرأت کر لے تو تم دیوانے ہو جاتے ہو' تو اب اس دعوے کے مقابلے میں تمہارے ایمان کی کیا حیثیت ہے؟

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت توبہ کی اور علم کے حصول میں مشغول ہو گئے' اور زُہد کا راستہ اختیار کیا اور اس مرتبے پر فائز ہوئے کہ ایک مرتبہ ان کی والدہ ان سے ملنے کے لیے باغ میں گئیں تو انہوں نے دیکھا' یہ وہاں سوئے ہوئے تھے اور ایک بڑا سا سانپ اپنے منہ میں پودا لے کر ان سے مکھیاں اُڑا رہا تھا۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ''مرو'' کے رہنے والے تھے' پھر ''مرو'' سے روانہ ہو کر بغداد چلے گئے' اور وہ وہاں بہت سے مشائخ کی خدمت میں رہے' بعد میں مکہ شریف چلے گئے' اور وہاں بھی کچھ عرصہ مقیم رہے' پھر وہاں سے واپس ''مرو'' آ گئے' ''مرو'' شہر کے لوگوں نے آپ سے بہت عقیدت مندی ظاہر کی اور آپ کے لیے محفل درس اور محفلِ وعظ کا انتظام کیا۔ اس وقت ''مرو'' کی نصف آبادی محدثین کے طریقے پر عمل پیرا تھی (یعنی درسِ حدیث میں اہتمام کے ساتھ شریک ہوتی تھی) اور نصف آبادی صوفیاء کے ساتھ متعلق تھی (یعنی وہ وعظ و نصیحت کی محافل میں زیادہ شریک ہوتے تھے) اور اب تک ایسا ہی ہے؛

لیکن حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو ''رَضِیَ الْفَرِیْقَیْنِ'' دونوں فریقوں کو راضی کرنے والا قرار دیا جاتا تھا' اس کی وجہ یہ ہے' دونون فریقوں میں سے ہر ایک ان کے ساتھ موافقت رکھتا تھا' اور دونوں فریق یہی دعویٰ کرتے تھے' ان کا ہمارے ساتھ تعلق ہے' خود حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ''مرو'' میں دو مکان بنوائے تھے جن میں سے ایک محدثین کے لیے تھا' یعنی علم الحدیث کے طلب گاروں کے لیے تھا اور دوسرا صوفیاء کے لیے' یعنی علم طریقت (کے درس و تدریس) کے لیے تھا' اور یہ دونوں مقامات آج بھی وہاں موجود ہیں۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ حجاز تشریف لے گئے' اور انہوں نے خاصا عرصہ حجاز میں قیام کیا۔

ایک راہب کی نصیحت

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے ان سے دریافت کیا: آپ نے کون سی حیران کن چیز دیکھی؟ تو انہوں نے جواب دیا: میں نے ایک راہب شخص کو دیکھا جو مجاہدہ کرنے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو چکا تھا اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اس کی کمر دُہری ہو چکی تھی' میں نے اس سے دریافت کیا: اے راہب! اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا:

''لَوْ عَرَفْتَ اللّٰہَ لَعَرَفْتَ الطَّرِیْقَ اِلَیْہِ''

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر و گے' تو اس تک پہنچنے کے راستے کو بھی جان لو گے''۔

پھر وہ راہب بولا: میں اس ذات کی عبادت کرتا ہوں جسے میں پہچانتا نہیں ہوں' اور تم اس ذات کی نافرمانی کرتے ہو جسے تم جانتے ہو۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی معرفت خوف کا تقاضا کرتی ہے' اور میں تمہیں خوف سے محفوظ دیکھ رہا ہوں' جبکہ کفر اور جہل امن کا تقاضا کرتے ہیں' اور میں خود کو خوف زدہ محسوس کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے لیے یہ بات نصیحت بن گئی اور اس کی وجہ سے میں بہت سے ایسے کاموں سے محفوظ رہا' جو کرنے کے قابل نہیں تھے۔

آپ کا یہ فرمان منقول ہے:

''اَلسُّکُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ اَوْلِیَائِہٖ'' ''اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے دل پر سکون حرام ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کے دوست جب طلب کی حالت میں ہوتے ہیں' تو اس وقت بے قرار ہوتے ہیں' اور جب وہ آخرت میں ہوں گے اور خوشی کی حالت میں ہوں گے' تو اس وقت بھی بے قرار ہوں گے' اس کی وجہ یہ ہے' دنیا میں وہ اللہ تعالیٰ کی دوری کی وجہ سے آرام کی حالت میں نہیں ہوتے اور آخرت میں حضوری کی وجہ سے اور دیدار کی تجلی کی وجہ سے ان کے لیے آرام جائز نہیں ہوگا' تو دنیا ان کے لیے آخرت کی طرح ہوگی اور آخرت ان کے لیے دنیا کی مانند ہوگی۔

اس کی وجہ یہ ہے' دلی سکون دو چیزوں کا تقاضا کرتا ہے' یہ کہ آدمی مراد کو پالے یا پھر یہ کہ آدمی اپنی مراد سے غافل ہو جائے' تو اللہ تعالیٰ کو پالینا دنیا اور آخرت میں جائز نہیں ہے' اس کی محبت میں سکون آ جائے' اور اس سے غافل ہونا اس کے دوستوں کے لیے حرام ہے' کہ ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی طلب میں حرکت کرنے کے حوالے سے مطمئن ہو جائے۔

اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ ایک بڑا بنیادی اصول ہے۔

*فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

ان میں سے ایک بزرگ' جو اہلِ طریقت کے بادشاہ ہیں' اور بارگاہِ وصال سے متعلق تھے' آپ کا نام ابوعلی فضیل بن عیاض ہے' آپ اکابر مشائخ میں سے ایک ہیں۔

اعمال اور طریقت سے پوری طرح بہرہ مند تھے اور اس میں بڑا حصہ رکھتے تھے' طریقت میں آپ کو بہت شہرت حاصل ہوئی' آپ کو لوگ بہت پسند کرتے تھے' ان کے احوال صدق اور اخلاص سے معمور تھے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ

پہلے یہ ڈاکو تھے اور مرو اور باورد کے علاقے میں ڈاکے ڈالا کرتے تھے' لیکن اس کے باوجود ان کے اندر بھلائی کا جذبہ پایا جاتا تھا اور ہمت و جوانمردی ہمیشہ ان کی طبیعت کا حصہ رہی' یہی وجہ ہے' قافلے میں جہاں عورت ہوتی تھی یہ اس کے پاس نہیں جاتے تھے' جس شخص کے پاس تھوڑا سا مال ہوتا تھا اس سے کچھ نہیں چھینتے تھے اور جس کے پاس زیادہ ہوتا تھا اس سے مال چھیننے کے باوجود کچھ مال اس کے پاس رہنے دیتے (تاکہ وہ اپنی منزل تک پہنچ سکے)۔

ایک دفعہ ایک سوداگر مرو کی طرف جانا چاہتا تھا' لوگوں نے اس سے کہا: اپنے ساتھ کسی شخص کو رکھ لو کیونکہ راستے میں فضیل کے ڈاکہ ڈالنے کا امکان ہے' اس سوداگر شخص نے جو ایک نیک آدمی تھا' ایک قاری کو معاوضے پر حاصل کر لیا اور اپنے ساتھ رکھ لیا۔ وہ قاری رات دن تلاوت کرتا تھا جب یہ قافلہ اس مقام پر پہنچا جہاں حضرت فضیل بن عیاض اس قافلے کی گھات میں تھے تو اتفاق سے قاری اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا:

* حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

التاریخ الکبیر: 7 / 123، التاریخ الصغیر: 2 / 241، المعارف: 511، = *)المعرفة والتاریخ للفسوی: 1 / 179، الجرح والتعدیل: 7 / 73، طبقات الصوفیة للسلمی6: / 14، حلیة الاولیاء : 8 / 84، تاریخ ابن عساکر: 14 / 129 / اس، صفوة الصفوة: 2 / 134، التوابون: للمقدسی: 27، وفیات الاعیان: 4 / 47'50، تهذیب الکمال: 1104،، تذهیب التهذیب: 3 / 141 / 2، تذکرة الحفاظ: 1 / 245، العبر: 1 / 298، میزان الاعتدال: 3 / 361، روض الریاحین للیافعی: 41، تهذیب التهذیب: 8 / 294، النجوم الزاهرة: 2 / 121، 143، البصائر والذخائر: 4 / 188، خلاصة تذهیب الکمال: 310، الجواهر المضیة: 1 / 409، شذرات الذهب: 1 /. 361.

"اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَانَزَلَ مِنَ الْحَقِّ" (الحدید:۱۶)

''کیا اہل ایمان کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا جب ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور حق کی طرف سے جو نازل ہوا ہے' اس کے لیے جھک جائیں''۔

یہ آیت سن کر فضیل بن عیاض پر رقت طاری ہوگئی' اللہ تعالیٰ نے ان پر خاص کرم کیا اور انہوں نے اس کام سے توبہ کر لی اور جن لوگوں کا مال انہوں نے لوٹا تھا ان سب کو خط لکھ کر خود سے راضی کیا اور پھر مکہ تشریف لے گئے' اور ایک طویل عرصے تک وہاں رہے' وہاں آپ نے کئی اولیاء سے ملاقات کی' اس کے بعد کوفہ تشریف لے آئے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ ایک عرصے تک ان کے ساتھ رہ کر ان سے علم حاصل کیا' ان کی روایات بہت بلند ہیں' اور علم حدیث کے ماہرین انہیں بہت پسند کرتے تھے' تصوف اور معرفت کے بارے میں بھی ان کا کلام بہت بلند ہے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ زرّیں

انہوں نے ارشاد فرمایا ہے:

"مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ حَقَّ مَعْرِفَتِہٖ عَبَدَہٗ بِکُلِّ طَاقَتِہٖ"

''جو شخص واقعی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے وہ پوری طاقت کے ساتھ اس کی بندگی کرتا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' جو شخص اس کی معرفت حاصل کرتا ہے وہ انعام و احسان' مہربانی اور رحمت کو پہچان لیتا ہے' اور جب وہ اس چیز کو پہچان لیتا ہے' تو اسے اپنا دوست بنا لیتا ہے' جب وہ دوست بنا لیتا ہے' تو اپنی پوری طاقت کے ذریعے اس کی بندگی کرتا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کا جتنا بڑا دوست ہوگا' اس کی عبادت کی خواہش اتنی ہی زیادہ ہوگی' کیونکہ معرفت کی حقیقت دوستی کا زیادہ ہونا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ بندگی

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت بستر سے اُٹھے اور میرے حجرے سے باہر تشریف لے گئے' میں یہ سمجھی کہ شاید آپ کسی دوسری زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں' سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں بھی اُٹھی اور آپ کے پیچھے گئی' میں نے آپ کو نماز کی حالت میں پایا' آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے (آپ رات بھر عبادت کرتے رہے) 'پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے' انہوں نے فجر کی نماز کے لیے بلایا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے' آپ نے فجر کی نماز ادا کی اور اس کے بعد واپس تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں پاؤں سوجے ہوئے ہیں' اور آپ کی انگلیوں کی پوروں سے زرد پانی رس رہا تھا۔ میں نے روتے ہوئے عرض کی: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے آئندہ اور گزشتہ ذنب کی مغفرت کر دی ہے' تو آپ اتنی تکلیف کیوں برداشت کرتے

ہیں' یہ کام تو اس شخص کو کرنا چاہیے جس کی آخرت محفوظ نہیں ہوتی ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے' اور اس کی نعمت ہے" اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا " * کیا میں اس کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا کرم کیا ہے' اور تو کیا مجھے بندگی کے راستے میں اپنی طاقت کے مطابق شکر کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

معراج کی رات جب نبی اکرم ﷺ پر پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں تو آپ نے اسے قبول کر لیا تھا اور اس میں آپ کوئی مشکل محسوس نہیں ہوئی تھی' لیکن آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر دوبارہ اس میں تخفیف کروانے کے لیے گئے تھے اور پانچ نمازوں کا حکم لے کر آئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے بذاتِ خود اس فرمان پر دوبارہ نظرِ ثانی کے لیے نہیں کہا تھا کیونکہ آپ کی طبیعت میں یہ بات شامل تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم سے کوئی اختلاف نہیں کر سکتے تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے (مقولہ ہے):

"اَنَّ الْمَحَبَّةَ هِيَ الْمُوَافِقَةُ" "محبت' موافقت کرنے کا نام ہے"۔

دنیا بیماری کا گھر ہے

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان منقول ہے:

"اَلدُّنْيَا دَارُ الْمَرْضٰى وَالنَّاسُ فِيْهَا مَجَانِيْنُ' وَلِلْمَجَانِيْنِ فِيْ دَارِ الْمَرْضٰى اَلْغَلُّ وَالْقَيْدُ"

"یہ دنیا بیماری کا گھر ہے' اور لوگ اس میں پاگل ہیں' اور پاگل شخص کو پاگل خانے میں زنجیروں اور قید کی حالت میں رکھا جاتا ہے"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' ہماری خواہشات ہماری زنجیریں ہیں' اور ہمارے گناہ ہماری بیڑیاں ہیں۔

---

* البخاری 25' ابواب التهجد 6' باب قيام النبي صلى الله عليه وسلم حتى ترم قدماه 1078

مسلم 50' كتاب صفات المنافقين واحكامهم 18' باب اكثار الاعمال والاجتهاد في العبادة 2820

ترمذی ابواب الصلاة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم 304' باب ما جاء في الاجتهاد في الصلاة 412

نسائي (20 كتاب قيام الليل وتطوع النهار) (17 الاختلاف على عائشة في احياء الليل) 1644

ابن ماجة 5' كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها (200) باب ما جاء في طول القيام في الصلوات 1420

مسند احمد (حديث السيدة عائشة رضي الله عنها) 24888

ابن حبان 6' كتاب البر والاحسان باب ما جاء في الطاعات وثوابها 311

صحيح ابن خزيمة كتاب الصلاة باب استحباب الصلاة وكثرتها 1182

سنن النسائي الكبرى (12 كتاب قيام الليل وتطوع النهار) (21 ذكر صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالليل واختلاف الفاظ الناقلين لذلك) 1325

ہارون الرشید کا واقعہ

فضل بن ربیع بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ میں خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ مکہ گیا' حج کرنے کے بعد ہارون الرشید نے مجھ سے کہا: یہاں پر اللہ کا کوئی ایسا نیک بندہ موجود ہے' جس کی میں زیارت کرسکوں' تو میں نے خلیفہ صاحب کو بتایا: یہاں پر بڑے (مشہور محدث) عبدالرزاق صنعانی موجود ہیں' خلیفہ نے فرمایا: مجھے ان کے پاس لے چلو۔ راوی بیان کرتے ہیں: جب ہم ان کے پاس گئے تو ان کے ساتھ کچھ دیر بات چیت کرتے رہے' ہارون نے مجھے یہ اشارہ کیا کہ میں یہ دریافت کروں: ان کے ذمے کوئی قرض تو نہیں ہے؟ جب میں نے ان سے دریافت کیا: تو انہوں نے کہا: میرے ذمے کچھ قرض ہے' پھر خلیفہ نے حکم دیا: ان کا قرض اتار دیا جائے۔ ہم وہاں سے باہر نکلے تو خلیفہ نے مجھ سے کہا: اے فضل بن ربیع! میں اس سے بھی بڑے بزرگ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں' میں نے خلیفہ سے کہا: یہاں پر سفیان بن عیینہ بھی موجود ہیں' خلیفہ نے کہا: تم مجھے ان کے پاس لے جاؤ' ہم ان کے پاس گئے' ان کے ساتھ کچھ دیر بات چیت کرتے رہے' جب واپس جانے لگے تو خلیفہ نے مجھے اشارہ کیا کہ ان سے دریافت کروں' ان کے ذمے کوئی قرض تو نہیں ہے' میں نے ان سے دریافت کیا: تو انہوں نے کہا' ان کے ذمہ کچھ قرض ہے' تو خلیفہ کے حکم کے تحت انہیں رقم عطا کر دی گئی جس سے وہ اپنا قرض ادا کر لیتے۔ ہم وہاں سے باہر آئے تو خلیفہ نے مجھ سے کہا: اے فضل! ابھی میرا مقصد باقی ہے (مجھے کسی اور بزرگ کی تلاش ہے)۔ راوی بیان کرتے ہیں: مجھے حضرت فضیل بن عیاض کا خیال آیا' میں خلیفہ کو ساتھ لے کر حضرت فضیل بن عیاض کے پاس گیا' وہ اس وقت اپنے حجرے میں موجود تھے اور قرآن کی تلاوت کر رہے تھے' ہم نے دروازہ کھٹکھٹایا تو انہوں نے اندر سے دریافت کیا: کون ہے؟ میں نے جواب دیا: امیر المؤمنین ہیں' انہوں نے اندر سے فرمایا:

''مَالِیْ وَلاَ مِیرِ الْمُؤْمِنِیْنَ'' ''میرا امیر المؤمنین کے ساتھ کیا واسطہ؟

میں نے انہیں جواب دیا: سبحان اللہ! کیا نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا:

لَیْسَ لِلْعَبْدِ اَنْ یَّذُلَّ نَفْسَهٗ فِیْ طَاعَةِ اللهِ

''بندے کو یہ حق حاصل نہیں: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی حالت میں خود کو ذلیل کرے''۔

تو حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے! لیکن جہاں تک رضامندی کا تعلق ہے' تو وہ ان لوگوں کے نزدیک عزت کا باعث ہوتی ہے' جو اس کے اہل ہوتے ہیں' تم میری ذلت کو دیکھ رہے ہو اور میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی عزت کو دیکھ رہا ہوں' بہر حال پھر وہ تشریف لائے' دروازہ کھولا اور چراغ بجھا دیا اور خود ایک کونے میں کھڑے ہو گئے' انہوں نے ٹٹول کر انہیں ڈھونڈا' ان کا ہاتھ خلیفہ کے ہاتھ پر پڑا تو انہوں نے خلیفہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: میں نے اس سے زیادہ نرم ہاتھ اور کوئی نہیں دیکھا' بڑی حیرانگی کی بات ہوگی اگر خلیفہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات مل جائے گی' یہ سن کر ہارون رونے لگا اور اتنا رویا' اس پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی' جب اس کی طبیعت کچھ سنبھلی تو اس نے کہا: اے فضیل!

آپ مجھے کوئی نصیحت کیجئے' تو فضیل نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کے جد امجد نبی اکرم ﷺ کے چچا تھے' ایک مرتبہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی' مجھے کسی قسم کا امیر بنا دیں تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

''اے چچا! میں آپ کو آپ کی اپنی ذات کا امیر بنا تا ہوں''۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی میں تمہارا ایک سانس لینا مکروہ کام کرنے میں ہزار سال گزارنے سے بہتر ہے۔

''لِاَنَّ الْاَمَارَةَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَلنَّدَامَةُ''

اس کی وجہ یہ ہے' قیامت کے دن یہ حکومت انسان کے لیے شرمندگی کا باعث ہوگی۔

فضیل رحمۃ اللہ علیہ کی ہارون کو نصیحت

ہارون نے کہا: اب مزید مجھے کوئی نصیحت کیجئے' تو حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا: جب عمر بن العزیز کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے سالم بن عبداللہ' رجاء بن حیوۃ اور محمد بن کعب قرظی کو بلوایا اور کہا: میں اس آزمائش میں گرفتار ہو گیا ہوں' مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ کیا چیز ہے؟ کیونکہ میں اسے آزمائش سمجھتا ہوں' اور لوگ اسے نعمت قرار دیتے ہیں۔

تو ان حضرات میں سے ایک نے جواب دیا' اگر آپ یہ چاہتے ہیں: کل قیامت کے دن آپ کو عذاب نہ ہو' تو آپ عمر رسیدہ لوگوں کو اپنے باپ کی جگہ سمجھیں' جوان لوگوں کو اپنے بھائی کی طرح سمجھیں اور کم عمر لڑکوں کو اپنے بیٹوں کی طرح سمجھیں' ان کے ساتھ وہی رویہ اختیار کریں جو اپنے باپ' بیٹے یا بھائی کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے' اور پوری اسلامی مملکت کو اپنا گھر سمجھیں اور اس میں رہنے والے افراد کو اپنے خاندان کا فرد سمجھیں۔

اس لیے آپ بھی اپنے والد کا خیال رکھیں' اپنے بھائی کا خیال رکھیں اور اپنی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کریں' یعنی اپنی رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

اس کے بعد حضرت فضیل بن عیاض نے کہا: اے امیر المؤمنین! مجھے اس بات کا اندیشہ ہے' آپ کا خوبصورت چہرہ کہیں جہنم کی آگ میں نہ جلے' اس لیے آپ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اس کا حق بہتر طریقے سے ادا کریں۔

اس کے بعد ہارون نے ان سے دریافت کیا: آپ کے ذمے کوئی قرض ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہاں! مجھ پر اللہ تعالیٰ کا قرض ہے کہ میں اس کی اطاعت و فرمانبرداری کروں' خلیفہ نے کہا: اے فضیل! میں لوگوں کے قرض کی بات کر رہا ہوں' تو حضرت فضیل نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کے لیے ہر طرح کی حمد مخصوص ہے' اس نے مجھے بہت سی ایسی نعمتوں سے نوازا ہے' میرا اللہ کے بندوں کے ساتھ کوئی ایسا تعلق نہیں ہے۔ اس کے بعد ہارون نے انہیں ایک ہزار دینار کی تھیلی پیش کی اور بولا: آپ اس رقم کو اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کیجئے' تو فضیل نے کہا: اے امیر المؤمنین! میری کی ہوئی تمام نصیحتیں آپ کے کسی کام نہیں آ سکی ہیں' آپ نے یہاں زیادتی کی ہے' انہوں نے دریافت کیا: میں نے کیا زیادتی کی ہے؟ تو فضیل بن عیاض نے جواب دیا: میں آپ کو نجات دلوانے کی کوشش کر رہا ہوں' اور آپ مجھے ہلاکت کا شکار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں' کیا یہ زیادتی نہیں

ہے' یہ سن کر ہارون پھر رونے لگا اور وہاں سے نکل کر باہر آ گیا اور بولا: اے فضل بن ربیع! حقیقی بادشاہ فضیل بن عیاض ہیں' اور یہ سب ان کے دبدبے کی دلیل ہے' جو دنیا میں اور اہل دنیا میں انہیں حاصل ہے' کیونکہ دنیا کی تمام تر زینت ان کی نظر میں حقیر ہے' اور کوئی وقعت نہیں رکھتی اور یہی وجہ ہے' انہوں نے دنیاداروں کی خاطر تواضع کرنا بھی ترک کر دیا ہے۔

آپ کے فضائل و مناقب اس سے کہیں زیادہ ہیں' جتنے یہاں بیان کیے گئے ہیں' باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

*حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

ان ائمہ میں سے ایک ابوالفیض ذوالنون بن ابراہیم مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جو تحقیق اور کرامت کا سفینہ تھے اور ولایت کے شرف کی تلوار تھے۔ نسل کے اعتبار سے آپ نوبی ہیں' جبکہ ان کا نام ثوبان تھا' وہ انتہائی محتاط صوفیاء میں سے ایک ہیں' اور انتہائی بزرگ تھے' مصائب کا راستہ انہوں نے طے کیا اور ملامت کے راستے پر چلتے رہے' مصر کے رہنے والے لوگ ان کی ولایت کے منکر تھے اور ان کے انتقال تک اہل مصر میں سے کسی نے بھی ان کی قدر شناسی نہیں کی' جس رات ان کا انتقال ہوا' اس رات 70 افراد نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا' آپ نے یہ فرمایا: خدا کا دوست آ رہا ہے' اور میں اس کے استقبال کے لیے آیا ہوں۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال

جب حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا' تو اس وقت ان کی پیشانی پر یہ جملہ لکھا ہوا تھا:

"هٰذَا حَبِيْبُ اللّٰهِ مَاتَ فِيْ حُبِّ اللّٰهِ قَتِيْلُ اللّٰهِ"

''یہ اللہ کا دوست ہے' جو اللہ کی محبت میں انتقال کر گیا اور یہ اللہ کا شہید ہے''۔

جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو فضاء میں موجود پرندوں نے جمع ہو کر اپنے پَروں کے ذریعے اس پر سایہ کر لیا' (ان سب باتوں سے) اہل مصر بہت شرمسار ہوئے اور انہوں نے اپنی کی ہوئی زیادتیوں پر توبہ کی' جو انہوں نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ روا رکھی تھیں۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ زرّیں

طریقت کے معارف بیان کرنے کے حوالے سے ان کے کلمات بہت زیادہ ہیں اور بہت زبردست ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

* حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

حلیة الاولیاء 9 / 331، 391 و 10 / 3، 4، تاریخ بغداد 8 / 393، الانساب 1 / 135، اللباب 1 / 35، وفیات الاعیان 1 / 315، 318، العبر 1 / 444، البدایة والنهایة 10 / 347، النجوم الزاهرة 2 / 320، 321، طبقات الاولیاء : 218، 223، طبقات الصوفیة: 15، 26، طبقات الشعرانی 1 / 81، 84، الرسالة القشیریة: 211.

"اَلْعَارِفُ کُلَّ یَوْمٍ اَخْشَعُ لِاَنَّهٗ فِیْ کُلِّ سَاعَةٍ اَقْرَبُ"

"عارف شخص کے خشوع میں روزانہ اضافہ ہوتا رہتا ہے' کیونکہ وہ ہر گھڑی اپنے پروردگار سے زیادہ قریب ہوتا چلا جاتا ہے"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' عارف شخص زیادہ ڈرتا ہے اور زیادہ خشوع وخضوع کا اظہار کرتا ہے' کیونکہ ہر لمحے میں وہ اپنے پروردگار کے زیادہ قریب ہوتا چلا جاتا ہے' تو اس کے نتیجے میں لازمی طور پر اس کی حیرت اور خشوع وخضوع میں اضافہ ہو جاتا ہے' کیونکہ وہ جتنا اللہ تعالیٰ کی عظمت سے آگاہ ہوگا' اللہ تعالیٰ کی ذات کا جلال اتنا اس کے دل پر غالب آتا چلا جائے گا' جب وہ خود کو اس بارگاہ سے دور دیکھے گا' اور اُسے وصل کی کوئی صورت نظر نہیں آئے گی' تو اس کے خشوع وخضوع میں اضافہ ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے' ایک مرتبہ آپ نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کی:

"یَارَبِّ اَیْنَ اَطْلُبُكَ قَالَ عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ"

"اے میرے پروردگار! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: کیا میرے دل سے بھی زیادہ ٹوٹا ہوا کوئی دل ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں وہیں ہوں جہاں تم ہو (یعنی تمہارے دل کے پاس)۔

خشوع وخضوع کے بغیر معرفت کا دعویٰ کرنے والا شخص صوفی نہیں ہوتا' جاہل ہوتا ہے' ارادت کی سچائی معرفت کی حقیقت کی علامت ہے' اور ارادت کی سچائی اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر چیز سے انسان کے تعلق کو ختم کر دیتی ہے' اور ہر نسبت کو فنا کر دیتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلصِّدْقُ سَیْفُ اللّٰهِ فِیْ اَرْضِهٖ مَاوُضِعَ عَلٰی شَیْءٍ اِلَّاقَطَعَهٗ"

"اللہ کی زمین میں' سچائی اللہ کی تلوار ہے' یہ جس چیز پر رکھی جاتی ہے اسے کاٹ دیتی ہے"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) سچائی یہ ہے' انسان سبب پیدا کرنے والی ذات کی طرف دیکھے' عالمِ اسباب کی طرف نہ دیکھے' جب انسان کی توجہ سبب کی طرف ہو جائے گی' تو وہاں سے سچائی کا حکم ختم ہو جائے گا۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی مخلوق پر شفقت

ایک مرتبہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک کشتی میں سفر کر رہے تھے' سامنے سے ایک کشتی

آ رہی تھی' دور سے محسوس ہوا' اس کشتی کے لوگ لہو ولعب میں مشغول ہیں' اور مستیاں کر رہے ہیں۔ یہ بات حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین کو بہت ناگوار گزری' انہوں نے حضرت ذوالنون سے درخواست کی: شیخ آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو غرق کر دے تاکہ ان کی نحوست ختم ہو جائے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی: اے میرے معبود! ان لوگوں کو تو نے دنیا میں' اچھی زندگی دی ہے' تو انہیں آخرت میں بھی اچھی زندگی عطا فرما!

آپ کی یہ دعا سن کر آپ کے مریدین بہت حیران ہوئے' جب وہ کشتی کچھ قریب آ گئی اور اس کشتی کے لوگوں نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا' تو ان پر رقت طاری ہوگئی اور وہ رونے لگے اور انہوں نے اپنے موسیقی کے آلات توڑ دیئے اور توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف رجوع کیا' یہ دیکھ کر آپ نے اپنے مریدین سے فرمایا: آخرت میں اچھی زندگی اس وقت ملتی ہے' جب دنیا میں توبہ نصیب ہو جائے' تم نے دیکھا تمہارا مقصد بھی حاصل ہو گیا اور ان لوگوں کا بھی فائدہ ہو گیا اور کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

یہ بات حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی (مخلوق پر) انتہائی شفقت پر دلالت کرتی ہے' اس بارے میں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے بہت سی زیادتیوں کا سامنا کرنا پڑا' لیکن اس کے باوجود آپ کبھی رنجیدہ اور خفا نہیں ہوئے' بلکہ آپ یہی ارشاد فرماتے رہے:

"اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ"

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا کر دے کیونکہ وہ لوگ جانتے نہیں ہیں"۔

ایک بوڑھی عورت سے ملاقات

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں بیت المقدس سے مصر آ رہا تھا' راستے میں' میں نے کسی کو دور سے آتے دیکھا' میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ کوئی سوال کرنا چاہیے' جب وہ شخص قریب آیا تو وہ ایک بوڑھی عورت تھی جس نے اونی جبہ پہنا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا' میں نے اس سے دریافت کیا: کہاں سے آ رہی ہو؟ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے' میں نے دریافت کیا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کی طرف۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے پاس کچھ دینار تھے میں نے نکال کر اسے دینا چاہے' تو اس نے میری طرف ہاتھ کے اشارے سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اے ذوالنون! تمہارے ذہن میں جو خیال آیا ہے یہ تمہاری عقل کی کمزوری کی وجہ سے ہے' میں خدا کے لیے کام کرتی ہوں' اس کے علاوہ اور کسی سے کچھ نہیں لیتی' اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں کرتی۔

یہ بات کہہ کر وہ بوڑھی عورت مجھ سے جدا ہو گئی۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس حکایت میں یہ لطیف نکتہ موجود ہے' اس بوڑھی خاتون نے یہ کہا تھا: میں اس کے لیے

یہ کام کرتی ہوں۔ اس کی یہ بات اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی سچی محبت کی دلیل ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) معاملات میں لوگوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

کچھ لوگ ایسے ہیں' جو عمل کرتے ہیں' اور یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں: وہ خدا کے لیے یہ عمل کر رہے ہیں' حالانکہ درحقیقت وہ عمل اپنے لیے کر رہے ہوتے ہیں' ان کی نفسانی خواہش اگرچہ اس عمل سے تعلق نہیں رکھتی' لیکن انہیں آخرت کے ثواب کا لالچ ضرور ہوتا ہے' کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا آخرت کے عذاب وثواب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور دنیا کی نمود ونمائش کے ساتھ بھی ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا' وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لیے کرتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے حکم کی تعمیل میں اپنی غرض کو چھوڑنے کا تقاضا کرتی ہے۔

پہلے طبقے کے لوگ یہ سمجھتے ہیں: جو کچھ آخرت کے لیے وہ کر رہے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کر رہے ہیں' اور انہیں اس بات کا علم ہے' اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے کے نتیجے میں انسان کو اجر وثواب حاصل ہوتا ہے' جو گناہ کا ارتکاب کرنے والے شخص کو حاصل نہیں ہوگا' اس کی وجہ یہ ہے' گناہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والی لذت عارضی ہوتی ہے' اور فرمانبرداری کے نتیجے میں جو خوشی آدمی کو حاصل ہوگی' وہ دائمی ہوگی۔

(لیکن یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ) اللہ تعالیٰ مخلوق کے مجاہدے سے بے نیاز ہے' اگر مخلوق اس کی عبادت نہیں کرتی تو اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا' اگر ساری دنیا کے لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جتنے عبادت گزار ہو جائیں تو اس کا ان لوگوں کو فائدہ ہوگا' اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا' اور اگر ساری دنیا کے لوگ فرعون کی طرح خدا کا انکار کر دیں تو اس کا نقصان ان کی اپنی ذات کو ہوگا' اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا" (بنی اسرائیل:۷)

"اگر تم اچھائی کرو گے' تو تم اپنے لیے اچھائی کرو گے اور اگر تم بُرائی کرو گے' تو یہ بھی تمہارے لیے ہوگی"۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ" (العنکبوت:۶)

"اور جو شخص مجاہدہ کرتا ہے' تو وہ اپنی ذات کے لیے مجاہدہ کرتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے"۔

تو بعض لوگ عافیت کے لیے اطاعت کرتے ہیں' اور وہ سمجھتے یہ ہیں: خدا کے لیے ایسا کر رہے ہیں' لیکن محبوب کے راستے پر چلنا اور چیز ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی نگاہ کسی اور چیز کی طرف نہیں اُٹھتی ہے' باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

ان حضرات میں سے ایک طریقت کے پیشوا' بزرگ' امیروں کے امیر' (بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے راستے کے) سالک حضرت شیخ ابواسحاق ابراہیم بن ادہم بن منصور ہیں' آپ اپنے زمانے کی منفرد شخصیت ہیں' آپ اپنے معاصرین کے سردار ہیں' آپ کو حضرت خضر علیہ السلام سے ارادت کا شرف حاصل ہے' آپ نے بہت سے قدیم مشائخ کی صحبت پائی' آپ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ علم میں حاضر ہو کر ان سے استفادہ کیا۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ

پہلے آپ بلخ کے امیر تھے' ایک مرتبہ آپ شکار کے لیے گئے ہوئے تھے' آپ ہرن کے تعاقب میں جاتے ہوئے اپنے لشکر سے جدا ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے اس ہرن کو قوتِ گویائی عطا کی اور اس ہرن نے آپ کو مخاطب کر کے کہا:

''اَلِهٰذَا خُلِقْتَ اَمْ بِهٰذَا اُمِرْتَ''

''کیا اس کام کے لیے تمہیں پیدا کیا گیا ہے' یا اس کام کا تمہیں حکم دیا گیا ہے''۔

یہ واقعہ آپ کے توبہ کرنے کا باعث بنا' آپ نے اسی وقت دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی اور زُہد و تقویٰ کے راستے کو اختیار کیا' آپ حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت سفیان بن ثوری کی خدمت میں حاضر ہوئے' ان کے ساتھ رہے' توبہ کر لینے کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ کے ذریعے کام کر کے کمایا اور اس آمدن سے کھایا۔ طریقت اور معرفت کے بارے میں آپ کے اشارے ظاہر ہیں' اور آپ کی کرامات بھی مشہور ہیں۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا خراجِ تحسین

تصوف کے حقائق کے حوالے سے آپ نے بہت سے لطیف نکات بیان کیے ہیں' یہی وجہ ہے' حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا:

''مَفَاتِيحُ الْعُلُوْمِ اِبْرَاهِيْمُ'' ''(طریقت کے) علوم کی کنجی ابراہیم (بن ادہم) ہیں''۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ زرّیں

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اِتَّخِذِ اللّٰهَ صَاحِبًا وَذَرِ النَّاسَ جَانِبًا'' ''اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست بناؤ اور لوگوں کو ایک طرف کر دو''۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' بندے کا جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ٹھیک ہو جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں انسان کو خلوص نصیب ہو جاتا ہے' تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہر صحیح تعلق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ

انسان مخلوق سے علیحدگی اختیار کرلے'اس کی وجہ یہ ہے' اگر انسان مخلوق کے ساتھ رہے گا' تو خالق سے الگ ہو جائے گا' اور اللہ تعالیٰ کا ساتھ اسی وقت ممکن ہے' جب اخلاص کے ساتھ اس کے احکام کی پیروی کی جائے' اور احکام کی پیروی میں اخلاص اس وقت نصیب ہوسکتا ہے' جب اللہ تعالیٰ کی محبت میں اخلاص نصیب ہو' اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اخلاص اس وقت نصیب ہو سکتا ہے' جب انسان اپنی نفسانی خواہشات کا دشمن بن جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے' جو شخص نفسانی خواہشات کا پیروکار ہوگا' وہ اللہ تعالیٰ سے جدا ہوگا' اور جو شخص نفسانی خواہشات کو ترک کردے گا' وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے فیض حاصل کرے گا۔

گویا تمہارا اپنا وجود ہی پوری مخلوق کی مانند ہے' تم اپنی ذات سے منہ موڑ لو گے' تو گویا تم نے ساری مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرلی' لیکن جو شخص مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرلیتا ہے' لیکن اپنی نفسانی خواہشات کا پیرو رہتا ہے' تو یہ ظلم ہوگا' اس کی وجہ یہ ہے' باقی ساری مخلوق جس حالت میں ہے وہ تو تقدیر کے حکم کے مطابق ہے' تمہارا واسطہ تو تمہاری اپنی ذات کے ساتھ ہے۔

باطنی استقامت

حق کے طلب گار شخص کو ظاہری اور باطنی استقامت دو اعتبار سے حاصل ہوتی ہے:

ایک استقامت کے تعلق علم سے ہے' اور دوسری کا تعلق عمل سے ہے۔

جس استقامت کا تعلق علم سے ہے' اس سے مراد یہ ہے' انسان اس بات کا یقین رکھے کہ ہر تقدیر خواہ وہ اچھی ہو یا بُری ہو (وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے)' کوئی شخص کسی متحرک چیز کو ساکن نہیں کرسکتا اور کسی ساکن چیز کو متحرک نہیں کرسکتا کیونکہ ہر چیز میں حرکت یا سکون پیدا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

عمل سے متعلق استقامت یہ ہے' انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرے' اپنے معاملات درست رکھے' فرائض و واجبات با قاعدگی سے ادا کرے۔

ہر وہ حالت جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر سے متعلق ہو' اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک کرنے کے لیے حجت نہیں بنایا جا سکتا' اس لیے مخلوق سے کنارہ کشی اس وقت تک درست شمار نہیں ہوگی جب تک انسان اپنی ذات سے کنارہ کش نہیں ہو جاتا۔ جب انسان اپنی ذات سے کنارہ کش ہو جائے گا' تو اس کا مطلب یہ ہے' اب وہ مخلوق سے بھی کنارہ کش ہو چکا ہے' اور پھر انسان کو اپنی مراد حاصل ہوگی۔

جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ محبت ہو جائے گی' تو اب اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی میں ثابت قدمی اسے نصیب ہو جائے گی' اب آپ مخلوق سے سکون حاصل نہیں کرسکیں گے' کیونکہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور چیز سے سکون حاصل کرنا چاہیں تو غیر سے سکون حاصل کرنا توحید کے منافی ہوگا' اور اپنی ذات سے نجات پانا تو بدرجہ اولیٰ غلط ہو گا۔

یہی وجہ ہے' شیخ ابوالحسن ثعلبی اپنے مریدین سے یہ فرمایا کرتے تھے: بلی کی پیروی کر لینا اپنی ذات کی پیروی کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' کسی دوسرے کو آدمی اللہ تعالیٰ کی خاطر ساتھ رکھ سکتا ہے' لیکن اپنے نفس کے ساتھ کسی حالت میں نہیں رہ سکتا' اس موضوع کے ذکر کتاب میں اپنی مخصوص جگہ پر آئے گا' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی ریاضت

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں جنگل میں پہنچا تو ایک بوڑھا سامنے سے آیا' اس نے مجھ سے کہا: اے ابراہیم! تم جانتے ہو' یہ کون سی جگہ ہے؟ جہاں تم کسی زادِراہ اور کسی سواری کے بغیر جا رہے ہو' حضرت ابراہیم بن ادہم کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ یہ شیطان ہو گا' وہ فرماتے ہیں: میرے پاس چاندی کے چار سکے تھے' جو ایک زنبیل بُن کر حاصل کیے تھے' میں نے انہیں بھی پھینک دیا اور پھر یہ نذر مانی کہ میں اس (بے آب و گیاہ وادی میں جہاں سواری بھی پاس نہیں ہے) ہر ایک میل کے بعد چار سو رکعت ادا کروں گا (اگرچہ اس وادی کو پار کرنے میں مجھے کتنا ہی عرصہ کیوں نہ لگ جائے)۔ حضرت ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں: میں نے چار سال اس جنگل میں گزار دیئے اور اس دوران اللہ تعالیٰ مجھے روزی عطا کرتا رہا' اس وقت پھر مجھے حضرت خضر علیہ السلام کا ساتھ نصیب ہوا' اور انہوں نے مجھے اسمِ اعظم کی تعلیم دی' جس کے نتیجے میں میرے دل سے غیر کا خیال بالکل ختم ہو گیا۔

حضرت ابراہیم بن ادہم کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ

معرفت اور عمل کے تاج حضرت شیخ ابونصر بشر بن حافی رحمۃ اللہ علیہ ہیں' یہ مجاہدے میں بڑی بلند حیثیت کے مالک تھے اور عمل کے اعتبار سے پوری طرح بہرہ مند تھے' انہوں نے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی' آپ اپنے ماموں علی بن خشرم کے مرید ہیں' آپ اصول و فروع کے عالم تھے۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ

ان کی توبہ کا واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے' ایک مرتبہ یہ شراب کے نشے میں دھت جا رہے تھے' راستے میں انہیں ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا' انہوں نے اسے اٹھایا تو اس پر ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' لکھا ہوا تھا' انہوں نے تعظیم سے اسے اُٹھا کر اسے خوشبو لگا کر ایک جگہ پر رکھ دیا' اس رات انہیں خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''يَا بَشَرُ طَيَّبْتَ اِسْمِيْ فَبِعِزَّتِيْ لَاُطَيِّبَنَّ اِسْمَكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ''

''اے بشر! تم نے میرے نام کو خوشبو میں بسایا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم ہے! میں دنیا اور آخرت میں تمہارے نام کو خوشبو میں بسا دوں گا''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی جو شخص بھی تمہارا نام لے گا یا سنے گا اس کے دل کو راحت محسوس ہو گی' اس کے بعد بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے توبہ کی اور مضبوطی کے ساتھ طریقت کے راستے پر گامزن ہو گئے۔ حق تعالیٰ کے مشاہدے کا ان کی طبیعت پر اتنا زیادہ اثر ہوا' وہ ہمیشہ ننگے پاؤں رہنے لگے' ایک مرتبہ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی: وہ پاؤں میں جوتا کیوں نہیں پہنتے؟ تو انہوں نے جواب دیا' یہ زمین اللہ تعالیٰ کا فرش ہے اور مجھے یہ بات پسند نہیں ہے' جب میں چلوں تو میرے اور زمین کے درمیان رکاوٹ حائل ہو۔

یہ آپ کی معرفت کا عجیب پہلو ہے' آپ کو جوتا بھی حجاب محسوس ہوا تھا۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ زرّیں

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّکُوْنَ عَزِیْزًا فِی الدُّنْیَا وَشَرِیْفًا فِی الْاٰخِرَۃِ فَلْیَجْتَنِبْ ثَلَاثًا لَا یَسْأَلُ اَحَدًا حَاجَۃً وَّلَا یَذْکُرُ اَحَدًا بِسُوْءٍ وَّلَا یُجِیْبُ اَحَدًا اِلَی الطَّعَامِ''

''جو شخص یہ چاہتا ہو' وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہو' تو اسے تین چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے' کسی سے اپنی حاجت طلب نہ کرے' کسی شخص کا ذکر بُرائی کے ساتھ نہ کرے' کسی شخص کی دعوت قبول نہ کرے''۔

اس کی وجہ یہ ہے' جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے گی' اسے مخلوق کی ضرورت نہیں ہو گی' اس کی وجہ یہ ہے' جب آدمی کو مخلوق کی ضرورت محسوس ہو' تو اس کی وجہ یہ ہے' اسے معرفت نصیب نہیں ہوئی۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کو قاضی الحاجات سمجھتا ہو' تو وہ کسی دوسرے سے اپنی حاجت پوری کروانے کی کوشش نہیں کرے گا'

''لِاَنَّ اِسْتِعَانَۃَ الْمَخْلُوْقِ اِلَی الْمَخْلُوْقِ کَاِسْتِعَانَۃِ الْمَسْجُوْنِ اِلَی الْمَسْجُوْنِ''

اس کی وجہ یہ ہے' جب ایک مخلوق دوسری مخلوق سے مدد مانگتی ہے' تو ایک قیدی کے دوسرے قیدی سے مانگنے کے مترادف ہے۔

کسی کا ذکر بُرائی کے ساتھ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے' انسان ایسی صورت میں خدا کے حکم میں تصرف کرتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' وہ دوسرا شخص اور اس کا بُرا فعل دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں' اور اس مخلوق کا ذکر بُرائی سے کرنے کا مطلب یہ ہے' آپ خدا کا ذکر بُرائی سے کر رہے ہیں۔ کیونکہ فعل پر اعتراض کرنا فاعل پر اعتراض کرنے کے مترادف ہے (اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے' آپ پھر کفار کو کبھی بُرا نہ کہیں تو اس کا جواب یہ ہے) اللہ تعالیٰ نے جس کا ذکر بُرائی کے ساتھ کیا ہو' تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پیروی میں اس کا ذکر بُرائی کے ساتھ کیا جائے گا' جیسے فاسق و فاجر اور کفار وغیرہ۔

کھانے کی دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے' روزی پہنچانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے' اگر وہ مخلوق کے ذریعے تمہیں روزی پہنچاتا ہے' تو تم مخلوق کی طرف توجہ نہ کرو' بلکہ یہ دیکھو کہ وہ رزق ہے' جو اللہ تعالیٰ نے تم تک پہنچایا ہے' اگر وہ رزق

پہنچانے والا بندہ یہ سمجھتا ہے' یہ اس بندے کی طرف سے ہے' اور وہ تم پر احسان جتانا چاہتا ہے' تو پھر تم اسے قبول نہ کرو' اس کی وجہ یہ ہے' رزق کے معاملے میں کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا۔

اہل سنت کے نزدیک رزق ایک غذا ہے' جبکہ معتزلہ کے نزدیک رزق غذا نہیں ہے' بلکہ اشیاء میں شامل ہے' تو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق سے پرورش پانی چاہیے نہ کہ مخلوق کی غذا سے پرورش پانی چاہیے' اس بحث کے بعض دیگر پہلو بھی ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

ان ائمہ میں سے ایک شیخ ابویزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی' جو معرفت کا آسمان ہیں' اور صحبتِ الٰہی کی کشتی ہیں' ان کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے' ان کا حال بلند تھا اور شان اونچی کی تھی۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا خراجِ تحسین

ان کے بارے میں جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے:

"اَبُوْيَزِيْدَ مِنَّا بِمَنْزِلَةِ جَبْرِيْلَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ"

"(صوفیاء) کے درمیان بایزید کو وہی حیثیت حاصل ہے' جو فرشتوں کے درمیان حضرت جبرائیل کو حاصل ہے"۔

بایزید بسطامی کے آباء واجداد مجوسی تھے' ان کے والد بسطام کے رہنے والے تھے' بایزید سے پہلے تصوف کے حقائق پر اتنا زیادہ عبور کسی کو حاصل نہیں ہوا' انہوں نے ہر حالت میں علم سے محبت کی اور شریعت کا احترام کیا' اس کے برخلاف کچھ لوگ ایسے ہیں جو الحاد کی وجہ سے خود کو مصنوعی طور پر ان سے وابستہ قرار دیتے ہیں' آغاز میں بایزید بسطامی کا زیادہ وقت مجاہدے اور ریاضت میں گزرتا تھا۔

سب سے مشکل مجاہدہ

آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"عَمِلْتُ فِي الْمُجَاهَدَةِ ثَلٰثِيْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ شَيْئًا اَشَدَّ عَلَيَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابِعَتِهٖ وَلَوْ لَا اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ لَبَقِيْتُ وَاِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ اِلَّافِيْ تَجْرِيْدِ التَّوْحِيْدِ"

"میں نے تین سال مجاہدہ کیا ہے' اور اس دوران علم (حاصل کرنے) اور اس کی پیروی کرنے سے زیادہ مشکل اور کوئی چیز محسوس نہیں کی' اگر علماء کے درمیان اختلاف نہ ہوتا تو مجھے کچھ بھی حاصل نہ ہوتا۔ خالص توحید کے علاوہ ہر معاملے میں علماء کا اختلاف رحمت ہے"۔

(سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) حقیقت میں ایسا ہی ہے' اس کی وجہ یہ ہے' انسان کی طبیعت فطری طور پر علم کی بجائے جہل کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہے' کیونکہ جہالت کی وجہ سے بہت سے کام کسی زحمت کے بغیر سرانجام دیئے جا سکتے ہیں'

جبکہ جب علم موجود ہو تو کوئی ایک مقصد بھی محنت کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا' اس دنیا میں طریقت کا راستہ' آخرت میں پل صراط سے زیادہ باریک اور پُرخطر ہے' اس لیے انسان کو ہر حالت میں اس طرح ہونا چاہیے' اگر انسان کسی بلند حالت اور بڑے مقام کے حصول میں ناکام ہو' تو بھی شریعت کے میدان سے باہر نہ جا سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے' اگر ہر چیز انسان کے ہاتھ سے نکل جائے' تو بھی وہ شریعت کے دائرے میں موجود رہے گا۔

مرید کے لیے سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے' وہ طریقت کے معاملات کو چھوڑ دے اور جھوٹے دعویداروں کے تمام تر دعوے شریعت کی وجہ سے منتشر ہو جاتے ہیں' اور شریعت کے مقابلے میں ان سب کی زبانیں گونگی اور خاموش ہو جاتی ہیں۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلْجَنَّةُ لَاخَطَرَلَهَا لِاَهْلِ الْمَحَبَّةِ وَاَهْلَ الْمَحَبَّةِ يَحْجُوْبُوْنَ بِمَحَبَّتِهِمْ"

"اہل محبت کے نزدیک جنت کی کوئی حیثیت نہیں ہے' کیونکہ وہ لوگ اپنی محبت کی وجہ سے حجاب کی حالت میں ہیں"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت کے علاوہ کوئی چیز ان اہل محبت کے پاس نہیں آ سکتی' یعنی اگرچہ جنت کا مقام بہت بلند ہے' لیکن بہرحال وہ مخلوق ہے' اور اللہ تعالیٰ کی محبت مخلوق نہیں ہے' تو جو شخص ایک ایسی چیز کو چھوڑ دے جو مخلوق نہیں ہے' اور اس چیز کی طرف چلا جائے جو مخلوق ہے' تو اس کی حیثیت کم ہو گی' اس لیے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے نزدیک مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے دوست اس محبت کی وجہ سے (اس جنت میں) حجاب کی حالت میں ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی محبت دوئی کا تقاضا کرتی ہے' اور خالص توحید میں کسی دوسرے کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا راستہ وحدانیت سے چل کر وحدانیت تک جاتا ہے' اور یہ بات محبت کے راستے میں خرابی کی حیثیت رکھتی ہے' دوستی میں ایک مرید ہو اور دوسرا مراد ہو' خواہ آپ اللہ تعالیٰ کو مرید قرار دیں خواہ آپ اللہ تعالیٰ کو مراد قرار دیں' خواہ آپ بندے کو مرید قرار دیں' خواہ آپ بندے کو مراد قرار دیں۔ اس کی وجہ یہ ہے' جب آپ اللہ تعالیٰ کو مرید قرار دیں گے' تو بھی اس کے نتیجے میں بندے کی ہستی ثابت ہو رہی ہو گی اور اگر آپ بندے کو مرید قرار دیں اور اللہ تعالیٰ کو مراد قرار دیں تو مخلوق اپنی طلب اور ارادے کی وجہ سے اس کو نہیں پا سکتی ہے' اس مقام پر محبت کرنے والے شخص کے وجود کی آفت دونوں صورتوں میں برقرار رہے گی' جبکہ محبت کرنے والے شخص کی بقاء اسی میں ہے کہ وہ محبت میں فنا ہو جائے' اور یہ اس سے بہتر ہے' محبت کی بقاء کی وجہ سے انسان کو فنا کی حیثیت حاصل ہو۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا مشاہدہ

بایزید بسطامی بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں مکہ مکرمہ گیا' مجھے وہاں خانہ کعبہ نظر آیا تو میں نے یہ سوچا کہ شاید میرا حج مقبول نہیں ہوا کیونکہ اس طرح کی پتھر کی بنی ہوئی عمارات تو میں نے اور بھی دیکھ رکھی ہیں' جب میں دوسری مرتبہ حج کرنے

کے لیے گیا تو مجھے خانہ کعبہ بھی نظر آیا اور خانہ کعبہ کا مالک بھی نظر آیا تو میں نے یہ سوچا کہ ابھی بھی مجھے توحید کی حقیقت نظر نہیں آ سکی ہے' جب میں تیسری مرتبہ گیا تو مجھے صرف خانہ کعبہ کا مالک نظر آیا' خانہ کعبہ نظر نہیں آیا (میں یہ سمجھا کہ شاید اب توحید کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے)' لیکن غیب سے آواز آئی:

''بایزید! اگر تم سارے جہان کو دیکھو اور اپنی ذات کو نہ دیکھو تو تم مشرک نہیں ہو گے اور اگر تمہیں سارا جہان نظر نہ آئے اور اپنی ذات نظر آ رہی ہو' تو تم مشرک ہو گے''۔

بایزید بسطامی بیان کرتے ہیں: میں نے توبہ کی اور اپنے آپ کی طرف دیکھنے سے بھی توبہ کی۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ حکایت ان کے حال کی درستگی پر دلالت کرتی ہے اور ارباب حال کی اچھی نشانی ہے۔

حضرت حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ

ان ائمہ میں سے ایک شیخ ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جو مختلف علوم وفنون کے پیشوا اور باطنی کیفیات کی تحقیق کرنے والی شخصیت تھے' آپ اصول و فروع کے عالم تھے' تمام اہل علم آپ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے اور ان کے زمانے کے لوگ ان کی پیروی کیا کرتے تھے' انہوں نے علمِ تصوف کے بارے میں ایک کتاب بھی تحریر کی ہے' جس کا نام ''رغائب'' ہے' اس کے علاوہ ان کی اور بھی بہت سی تصانیف ہیں' یہ بلند حال اور بزرگ شخصیت کے مالک تھے' اپنے زمانے میں بغداد کے سب سے بڑے شیخ سمجھے جاتے تھے۔

یہ ارشاد فرماتے ہیں:

''اَلْعِلْمُ بِحَرَكَاتِ الْقُلُوْبِ فِيْ مُطَالَعَةِ الْغُيُوْبِ اَشْرَفُ مِنَ الْعَمَلِ بِحَرَكَاتِ الْجَوَارِحِ''

''غیوب کا جائزہ لینے کے لیے ذہن کی حرکت کا علم حاصل کرنا' اعضاء کو حرکت دے کر عمل کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' علم کمال کا محل اور مقام ہے' جبکہ جہالت طلب کا محل ہے' علم گھر کے اندر لے جاتا ہے اور جہالت دروازے تک رہتی ہے' اور علم کا گھر کے اندر موجود ہونا جہالت کے دروازے پر رکے رہنے سے زیادہ بہتر ہے' اس کی وجہ یہ ہے' انسان کو درجہ کمال تک علم پہنچاتا ہے' لیکن جہالت اسے دروازے سے آگے نہیں بڑھنے دیتی۔

حقیقت میں علم' عمل سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی معرفت علم کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے' عمل کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتی' اس کی وجہ یہ ہے' اگر علم کے بغیر محض عمل کے ذریعے اس تک پہنچنا ممکن ہوتا تو عیسائیوں اور ان کے راہبوں کو اپنی شدید عبادت اور ریاضت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نصیب ہو جاتا' جبکہ دوسری طرف عام

مؤمن شخص (جو عمل سے محروم ہوتا ہے) اسے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نصیب نہ ہوتا۔

عمل' بندے کی صفت ہے' اور علم' خدا کی صفت ہے۔

بعض راویوں نے شیخ محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرتے ہوئے غلطی کی اور انہوں نے یہ الفاظ نقل کر دیئے:

''دل کی حرکت کے بارے میں عمل کرنا اعضاء کی حرکت کے ذریعے عمل کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے''۔

اس کی وجہ یہ ہے' یہ بات ناممکن ہے' کیونکہ بندے کا عمل صرف دل کی حرکت کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا' البتہ اگر دل کے ذریعے غور و فکر کرنا ہو اور باطن کے احوال کا جائزہ لینا ہو تو پھر یہ بات حیران کن نہیں ہوگی۔

اس کی وجہ یہ ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً

''گھڑی بھر کے لیے غور و فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے''۔

اس اعتبار سے حقیقت میں دل کے اعمال' اعضاء کے اعمال سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں' اور حقیقت میں باطل کے احوال اور باطل کے اعمال' ظاہر کے احوال اور ظاہر کے اعمال سے زیادہ کامل ہوتے ہیں۔

اس لیے یہ بات بیان کی گئی ہے:

''نَوْمُ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ وَسِهْرُ الْجَاهِلِ مَعْصِيَةٌ'' ''عالم کا سونا عبادت ہے' اور جاہل کا جاگنا گناہ ہے''۔

اس کی وجہ یہ ہے' سونے اور جاگنے ہر حالت میں عالم کا دل مغلوب ہوتا ہے اور جب دل مغلوب ہو جائے' تو جسم بھی مغلوب ہو جاتا ہے' کیونکہ دل کا حق سے غلبے کی وجہ سے مغلوب ہونا' مجاہدے کی وجہ سے ظاہری حرکات پر نفس کے غلبے سے زیادہ بہتر ہے۔

محاسبی کی تلقین

شیخ محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ انہوں نے ایک صوفی سے یہ کہا:

''كُنْ لِلّٰهِ اِلَّا فَلَا تَكُنْ'' ''تم اللہ کے ہو جاؤ! ورنہ کچھ بھی نہ بنو''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ باقی رہو یا پھر اپنے وجود کو بھی فانی کر دو' اس کا مطلب یہ ہے' قلب کی صفات کے ساتھ اپنے ذہن کو مشغول رکھو یا فقر اختیار کر کے اپنے دل کو پریشان رکھو' یعنی اپنی ذات کو فنا کر کے حق کے ساتھ باقی رہو یا پھر اس صفت پر قائم رہو' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (البقرہ:۳۴) ''آدم کو سجدہ کرو''۔

یا پھر تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق کر دو:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (الدھر:۱)

''کیا انسان پر ایک ایسا وقت نہیں آیا تھا جب وہ قابل ذکر چیز نہیں تھا''۔

اس لیے اگر تم اپنے اختیار سے حق کے ساتھ ہو جاؤ گے' تو تمہارا قیام بذاتِ خود ہوگا اور اگر تم اپنے اختیار سے خدا کے ساتھ نہیں ہو گے' تو تمہارا قیام' حق تعالیٰ کے (فضل خاص کے) ہمراہ ہوگا' اور یہ بہت لطیف معنی ہے۔

*حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک حضرت ابوسلیمان داؤد بن نصیر طائی رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جنہوں نے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور مخلوق سے دور رہے' ان کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے' اپنے زمانے کے بے مثل صوفی تھے' انہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے' یہ فضیل بن عیاض اور ابراہیم بن ادہم کے معاصرین میں سے ہیں' طریقت میں یہ شیخ حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے' انہیں تمام علوم پر دسترس حاصل تھی اور بالخصوص فقہ میں انہیں فقہاء کا سردار کہا جاتا تھا' آپ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے' انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی' دنیا سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور زُہد و تقویٰ کے راستے پر چل پڑے تھے۔

ان کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں' معاملات کو جاننے اور حقائق پر دسترس حاصل کرنے میں انہیں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

ان کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ انہوں نے اپنے مرید سے یہ کہا:

اِنْ اَرَدْتَ السَّلَامَةَ سَلِّمْ عَلَى الدُّنْيَا وَاِنْ اَرَدْتَ الْكَرَامَةَ كَبِّرْ عَلَى الْاٰخِرَةِ۔

''اگر تم سلامتی چاہتے ہو' تو دنیا کو سلام کر دو اور اگر تم بزرگی چاہتے ہو' تو آخرت پر تکبیر پڑھ لو''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی دنیا اور آخرت دونوں حجاب کا محل ہیں' اور ساری فراغت انہی دو چیزوں کے ساتھ وابستہ ہے' تو جو شخص جسم سے فارغ ہونا چاہتا ہو' اسے کہا جائے' وہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرے' اور جو شخص دل سے فارغ ہونا چاہتا ہو' تو اسے یہ کہا جائے' وہ آخرت کا ارادہ بھی دل سے نکال دے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

* طبقات ابن سعد: 6 / 367، التاريخ الكبير: 3 / 240، التاريخ الصغير: 2 / 136'137، المعارف: 515، مشاهير علماء الامصار: 168'169، حلية الاولياء: 7 / 335'367، تاريخ بغداد: 8 / 347'355، الكامل لابن الاثير: 6 / 50، وفيات الاعيان: 2 / 259'263، تهذيب الكمال: خ: 394'395، تذهيب التهذيب: خ: 1 / 208'210، عبر الذهبي: 1 / 238، طبقات الاوليا: 200'203، تهذيب التهذيب: 3 / 203، خلاصة تهذيب الكمال 111، شذرات الذهب: 1 / 256.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق خاطر

ان کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ان کا (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص) امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت قریبی تعلق تھا' جبکہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے بڑے شاگرد قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے تھے' ان سے سوال کیا گیا: یہ دونوں حضرات اکابر اہل علم میں سے ہیں' تو آپ ان میں سے ایک کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں' اور دوسرے کو پاس بھی نہیں آنے دیتے (اس کی وجہ کیا ہے)؟ تو انہوں نے جواب دیا: محمد بن حسن نے دنیا کی تمام تر نعمتوں کو چھوڑا اور اس علم کی وادی میں داخل ہوئے' اس لیے ان کا علم ان کے دین کے لیے عزت اور دنیا کے لیے ذلت کا باعث ہے' جبکہ قاضی ابو یوسف نے درویشی کو چھوڑا اور پھر علم میں داخل ہوئے اور اس علم کے ذریعے انہوں نے دنیاوی مرتبے اور عزت کو حاصل کیا' اس لیے محمد بن حسن اور قاضی ابو یوسف کے درمیان فرق ہوگا۔

معروف کرخی کے بارے میں یہ بات منقول ہے' وہ فرماتے ہیں: میں نے داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کسی کو صفا (تصوف) کو سمجھنے والا نہیں پایا' وہ دنیا اور اہلِ دنیا کو حقیر سمجھتے تھے اور فقہاء کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

ان حضرات میں سے ایک شیخ ابوالحسن سری بن مغلس سقطی ہیں' جو اہل حقائق کے استاد ہیں اور دنیاداری سے لاتعلق رہنے والے ہیں' آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے اور تمام علوم کے عالم تھے' تصوف میں بلند حیثیت کے مالک ہیں' یہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے باطنی مقامات کی ترتیب اور احوال کی وضاحت کے حوالے سے کام کیا۔

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف

عراق کے بہت سے مشائخ آپ کے مرید تھے' جبکہ آپ نے حضرت شیخ حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی' ان کے ساتھ رہے' لیکن شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں' ان کی بغداد کے بازار میں کباڑیے کی دکان تھے' ایک مرتبہ بازار میں آگ لگ گئی' لوگوں نے انہیں بتایا: آپ کی دکان بھی جل گئی ہے' تو انہوں نے کہا: چلو! اچھا ہے میرے ذہن سے دکان کی فکر تو ختم ہوئی' لیکن بعد میں جا کر جب لوگوں نے جائزہ لیا' تو ان کی دکان نہیں جلی تھی' بلکہ ان کے آس پاس کی دکانیں جلی تھیں' جب انہیں اس صورتِ حال کے بارے میں بتایا گیا تو دکان میں جو کچھ موجود تھا' انہوں نے سب درویشوں میں بانٹ دیا اور خود تصوف کا راستہ اختیار کیا۔

حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات

ایک دفعہ کسی نے آپ سے دریافت کیا: آغاز میں آپ کی حالت کیا تھی (یعنی آپ کس طرح تصوف کی طرف راغب ہوئے؟) تو انہوں نے جواب دیا: ایک مرتبہ حضرت شیخ حبیب راعی' میری دکان کے پاس سے گزرے میں نے انہیں کچھ

روٹیاں دیں تاکہ وہ درویشوں میں تقسیم کر دیں تو انہوں نے مجھے دعا دی:

''خَیَّرَکَ اللّٰہُ'' ''اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے!''

تو جب سے میں نے ان کی دعا سُنی' دنیا کا خیال میرے ذہن سے رخصت ہو گیا۔

حجاب سے پناہ مانگنا

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' انہوں نے دعا کی:

''اَللّٰھُمَّ مَھْمَا عَذَّبْتَنِیْ بِہٖ مِنْ بِشَیْءٍ فَلَا تُعَذِّبْنِیْ بِذِلِّ الْحِجَابِ''

''اے اللہ! اگر تو نے مجھے کسی چیز کے ذریعے بھی عذاب دینا ہو' تو مجھے حجاب کی ذلت کے ذریعے عذاب نہ دینا''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' اگر میں حجاب کی حالت میں نہیں ہوں گا' تو عذاب اور آزمائش میرے ذکر اور میرے مشاہدے کی وجہ سے میرے لیے آسان ہو جائے گی' لیکن اگر میں حجاب کی حالت میں ہوا' تو حجاب کی ذلت کی وجہ سے اپنی نعمتیں میرے لیے ہلاکت کا باعث بن جائیں گی' اس کی وجہ یہ ہے' جو شخص آزمائش کی حالت میں آزمائش میں مبتلا کرنے والی ذات کے مشاہدے میں مشغول ہوتا ہے' اس شخص کے لیے وہ آزمائش' آزمائش نہیں ہوتی' بلکہ نعمت ہوتی ہے' اور جہنم میں حجاب سے زیادہ سخت اور تکلیف دِہ عذاب اور کوئی نہیں ہوگا' اگر جہنمیوں کو جہنم میں اللہ تعالیٰ کا کشف حاصل ہو جائے' تو جہنم میں رہنے والے گناہ گار مسلمانوں کو جنت میں رہنے کا خیال کبھی بھی نہ آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کا دیدار انسان کی جان کو اتنی مسرت عطا کر دے گا کہ اس کے وجود سے عذاب اور جسم پر آنے والی آزمائش کا خیال بھی نہیں آئے گا' بلکہ پتہ بھی نہیں چلے گا۔

اسی طرح جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑی نعمت اور کوئی نہیں ہوگی' اگر کسی کو جنت کی تمام تر نعمتیں' بلکہ اس سے دوگنی بھی مل جائیں' لیکن اسے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب نہ ہو' تو اس شخص کا دل اور جان ہلاکت کا شکار ہو جائیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے' وہ ہر حالت میں اپنے دوستوں کی توجہ اپنی ذات کی طرف رکھتا ہے تاکہ اس کے دوست مشقت' محنت اور مصائب کو برداشت کر سکیں اور اس حالت میں ان دوستوں کی دعا یہی ہوتی ہے' اے خدا! تیرے حجاب کے مقابلے میں ہر طرح کا عذاب ہمیں پسند ہے' کیونکہ جب ہمارے دل پر تیرے جمال کا کشف موجود ہو گا' تو پھر ہمیں کسی آزمائش کے بارے میں کوئی اندیشہ نہیں ہو گا۔

حضرت شقیق بن ابراہیم ازدی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک ابوشقیق بن ابراہیم ازدی ہیں' جو اہل بلاو مصیبت کے سپہ سالار تھے اور زُہدوتقویٰ کا سرمایہ تھے۔ آپ اپنی قوم کے معزز شخص تھے اور پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے' شریعت کے تمام علوم اور طریقت وحقیقت کے معاملات کے عالم تھے' ان علوم کے بارے میں ان کی تصانیف بھی ہیں' انہوں نے حضرت ابراہیم بن ادہم اور دیگر بہت سے مشائخ سے ملاقات کی اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں:

جَعَلَ اللّٰهُ اَهْلَ طَاعَتِهٖ اَحْيَاءً فِيْ مَمَاتِهِمْ وَاَهْلَ الْمَعَاصِيْ اَمْوَاتًا فِيْ حَيٰوتِهِمْ

''اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو ان کے مرنے کے بعد بھی زندہ رکھا اور گناہ گار لوگوں کو ان کی ظاہری زندگی میں ہی موت سے ہمکنار کر دیا''۔

یعنی اگر کوئی اطاعت گزار شخص مر بھی جائے' تو وہ زندہ ہوتا ہے' کیونکہ فرشتے اس کی بندگی کی وجہ سے قیامت تک اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں' اور اس شخص کو ثواب حاصل ہوتا رہتا ہے' تو وہ ظاہری طور پر مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بقاء سے باقی رہ جاتا ہے۔

بوڑھے کی توبہ

شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ ایک بوڑھا ان کے پاس آیا اور بولا: اے شیخ! میں نے بہت سے گناہ کیے ہیں' میں توبہ کرنا چاہتا ہوں' شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم بہت دیر سے آئے ہو' بوڑھے نے جواب دیا: میں تو جلدی آ گیا ہوں' شقیق نے دریافت کیا: وہ کیسے؟ بوڑھے نے جواب دیا: جو شخص مرنے سے پہلے آ جائے' وہ کتنی ہی دیر سے کیوں نہ آیا ہو' حقیقت میں وہ جلدی ہی آیا ہوتا ہے۔

ایک غلام کا اعتماد

یہ بات بیان کی گئی ہے' شروع میں ان کی حالت یہ تھی' ایک مرتبہ بلخ میں قحط پڑ گیا اور یہ حالت ہوئی' لوگ انسانوں تک کو کھانے لگ گئے۔ لوگ اس بارے میں بہت پریشان تھے' ایک مرتبہ لوگوں نے ایک غلام کو دیکھا' وہ بڑا خوش وخرم بازار سے گزر رہا تھا' لوگوں نے اس سے کہا: تمہیں شرم نہیں آئی! تم ہنس رہے ہو' بلخ کے سارے لوگ پریشانی میں مبتلا ہیں' اور تم ہو کہ خوشی کا اظہار کر رہے ہو' اس غلام نے جواب دیا: مجھے کوئی فکر نہیں ہے کیونکہ میں جس شخص کا غلام ہوں' ایک پورا گاؤں اس کی ملکیت ہے' اس لیے (ہمارے گھر میں اناج ہے)' مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ یہ بات سن کر حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اے میرے معبود! یہ غلام اپنے آقا کی وجہ سے اتنا خوش ہے' ایک ایسا آقا جو صرف ایک گاؤں کا مالک ہے' جبکہ تو تمام جہانوں کا

مالک ہے اور تو نے ہمیں رزق عطا کرنے کا وعدہ بھی کیا ہوا ہے تو پھر ہم کیوں پریشان رہیں۔

اس کے بعد حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کے تمام معاملات سے کنارہ کشی اختیار کی اور حق کے راستے پر چل پڑے اس کے بعد انہوں نے کبھی رزق کے بارے میں پریشانی کا اظہار نہیں کیا' وہ ہمیشہ یہی کہتے رہتے: میں تو ایک غلام کا شاگرد ہوں' میں نے جو کچھ بھی پایا ہے اسی غلام کی وجہ سے پایا ہے۔

یہ ان کی تواضع اور انکساری تھی' ان کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔

*حضرت عبدالرحمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوسلیمان عبدالرحمان بن عطیہ دارانی ان مشائخ میں سے ایک ہیں' جو اپنے وقت کے شیخ تھے' حق کے راستے کے مسافر تھے' اپنی قوم میں معزز سمجھے جاتے تھے' آپ سخت ریاضت اور مجاہدے کے حوالے سے خصوصی حیثیت رکھتے تھے' اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے' نفس کی خرابیوں سے آگاہ تھے اور اس کے پوشیدہ کمین گاہوں سے واقف تھے' طریقت کے معاملات' دلوں کی حفاظت اور اعضاء کا خیال رکھنے کے حوالے سے ان کا کلام بہترین ہے۔

دارانی کا قولِ زرّیں

آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِذَا غَلَبَ الرِّجَاءُ عَلَی الْخَوْفِ فَسَدَ الْوَقْتُ

''جب اُمید خوف پر غالب آ جاتی ہے' تو حالت خراب ہو جاتی ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ان کی عبارت میں ''وقت'' سے مراد حالت کا خیال رکھنا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' جب تک انسان کے ذہن پر خوف غالب رہتا ہے' اس وقت تک انسان اپنی حالت کا خیال رکھتا ہے' لیکن جب اس کے دل سے خوف ختم ہو جاتا ہے' پھر اس وقت وہ حالت کا خیال رکھنا ترک کر دیتا ہے' پھر اس کے نتیجے میں اس کی حالت میں بگاڑ بے زار آ جاتا ہے' اگر خوف اُمید پر غالب آ جائے' تو اس کے نتیجے میں توحید باطن ہو جاتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے' جب خوف غالب آ جاتا ہے' تو اس کے نتیجے میں نا اُمیدی پیدا ہوتی ہے' اور حق کے بارے میں نا اُمیدی شرک ہے' اس لیے توحید کی حفاظت کے لیے

* حضرت عبدالرحمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل ماخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

الجرح والتعدیل 5 / 214، تاریخ داریا للقاضی عبد الجبار الخولانی: ص 51، طبقات الصوفیۃ: 75'82، حلیۃ الاولیاء 9 / 254'280، تاریخ بغداد 10 / 248'250، نتائج الافکار القدسیۃ شرح الرسالۃ القشیریۃ 1 / 113، الانساب للسمعانی 5 / 243، صفۃ الصفوۃ 4 / 223'234، معجم البلدان 2 / 431، اللباب 1 / 482، وفیات الاعیان 3 / 131، العبر 1 / 347، فوات الوفیات 2 / 265، عیون التواریخ 7 / لوحۃ 186، مرآۃ الجنان 2 / 29، البدایۃ والنہایۃ 10 / 255، طبقات الاولیاء: 386'397۔

یہ بات ضروری ہے' انسان کی اُمید ٹھیک ہونی چاہیے اور حالت کی حفاظت کے لیے یہ بات ضروری ہے' اس کا خوف ٹھیک ہونا چاہیے' یہ دونوں چیزیں ٹھیک ہوں گی' تو توحید اور حالت اپنی جگہ ٹھیک ہوں گے۔ انسان اپنی توحید کی حفاظت کی وجہ سے مومن رہے گا' اور اپنی حالت کی وجہ سے فرمانبردار رہے گا۔ اُمید کا تعلق صرف مشاہدے کے ساتھ ہوتا ہے' کیونکہ اس میں سارا اعتماد پایا جاتا ہے' جبکہ خوف کا تعلق مجاہدے کے ساتھ ہوتا ہے' کیونکہ مشاہدے میں سارا اضطراب ہوتا ہے اور مشاہدے کے نتیجے میں انسان کو مجاہدہ نصیب ہوتا ہے' اس کا مطلب یہ ہے' تمام اُمیدیں' نا اُمیدی سے پیدا ہوتی ہیں' جو شخص اپنے کردار کی وجہ سے اپنی اصلاح سے مایوس ہو جائے' اس کی یہ نا اُمیدی ہی اس کے لیے کامیابی کے حصول کا باعث بنتی ہے' جس کے نتیجے میں فلاح حاصل ہوتی ہے' اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے راستے کی طرف چل پڑتا ہے' اور اس کے چہرے پر خوشی کا دروازہ کھل جاتا ہے' اور اس کا دل آفات سے پاک ہو جاتا ہے' اور اس پر اللہ تعالیٰ کے اسرار منکشف ہونے لگتے ہیں۔

نماز میں لذت کا حصول

شیخ احمد ابوحواری فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں رات کے وقت تنہائی میں نماز پڑھ رہا تھا' مجھے بڑا مزہ آیا' اگلے دن میں نے اپنی اس کیفیت کا تذکرہ شیخ ابوسلیمان دارانی سے کیا' انہوں نے فرمایا: تم ایک کمزور شخص ہو کیونکہ ابھی تک مخلوق تمہارے سامنے موجود ہے' کیونکہ تنہائی میں تمہاری حالت اور ہوتی ہے' اور لوگوں کی موجودگی میں تمہاری حالت مختلف ہوتی ہے' حالانکہ دونوں حالتوں میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے' جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے روکنے کا باعث بن سکے۔

دولہا کو سارے مجمع کو دکھایا جاتا ہے تاکہ ہر شخص اس کو دیکھ لے اور اس کو دکھانے کا مقصد یہ ہوتا ہے' دولہا کی عزت افزائی ہو' تو عارف شخص کی بھی حالت یہی ہوتی ہے' عارف شخص کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ اپنے حقیقی مقصود کے علاوہ کسی اور کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھے کیونکہ مقصود کے علاوہ کسی اور کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنا اس کے لیے ذلت کا باعث ہوگا' اس لیے ساری مخلوق اس فرمانبردار عارف شخص کی کیفیت کو دیکھ لے تو بھی اس کی عزت میں کوئی فرق نہیں آئے گا' لیکن اگر وہ عارف شخص خود اپنی عزت کی طرف نظر ڈالے اور اپنے وجود کو دیکھنے لگے تو اس کے نتیجے میں وہ ہلاک ہو جائے گا' اس سے اللہ کی پناہ ہے۔

*حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک (اللہ تعالیٰ کی) رضا کی درگاہ سے متعلق' امام علی رضا کے تربیت یافتہ ابو محفوظ معروف کرخی ہیں'

* حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

طبقات الصوفية 83'90، حلية الاولياء 8 / 360، 368، تاريخ بغداد 13 / 199، 209، الرسالة القشيرية 1 / 79. طبقات الحنابلة 1 / 381، 389، صفة الصفوة 2 / 79'83، اللباب 3 / 91، وفيات الاعيان 5 / 231، العبر 1 / 335، دول الاسلام 1 / 126، مرآة الجنان 1 / 460، 463، طبقات الاولياء : 280، 285، شذرات الذهب 1 / 360.

جو اکابر مشائخ میں سے ایک ہیں، جن کی انکساری و پرہیزگاری اور جوانمردی سے ہر کوئی آگاہ ہے۔

قشیری رحمۃ اللہ علیہ اور سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ان کا ذکر (اصولی طور پر) پہلے آنا چاہیے تھے، لیکن میں نے دو مشائخ کی پیروی کرتے ہوئے ان کا یہاں ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک شیخ صاحبِ نقل ہیں، اور دوسرے صاحبِ تصرف ہیں، ان میں سے ایک شیخ ابوعبدالرحمان سلمی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب (طبقات الصوفیہ) میں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اس ترتیب سے کیا ہے، جبکہ دوسرے استاد ابوالقاسم قشیری ہیں جنہوں نے اپنی کتاب (رسالہ قشیریہ) میں امام کرخی کا تذکرہ اس مقام پر کیا ہے، تو میں نے ان دونوں حضرات کی پیروی کرتے ہوئے اس ترتیب کو یہاں برقرار رکھا ہے۔

کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف

حضرت معروف کرخی، شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں، اور حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں، حضرت معروف کرخی پہلے مسلمان نہیں تھے، انہوں نے امام علی رضا رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، امام علی رضا رضی اللہ عنہ ان سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی بہت تعریف کرتے تھے، حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف معاملات کے بارے میں بہت سے لطیف نکات ارشاد فرمائے ہیں۔

جواں مردی کی تین نشانیاں

آپ کا یہ ارشاد ہے:

لِلْفِتْيَانِ ثَلٰثُ عَلَامَاتٍ وَفَاءٌ بِلَا خَوْفٍ وَمَدْحٌ بِلَا جُوْدٍ وَعَطَاءٌ بِلَا سُوَالٍ

''جوانمردوں کی تین نشانیاں ہیں: وعدہ خلافی کیے بغیر وعدہ پورا کرتے ہیں، کسی لالچ کے بغیر تعریف کرتے ہیں، اور کسی کے مانگے بغیر دے دیتے ہیں''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) وعدہ پورا کرنے کا مقصد یہ ہے، بندہ اپنی بندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت نہ کرے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو اپنے اوپر حرام کرلے، کسی لالچ کے بغیر تعریف کرنے کا مقصد یہ ہے، جس شخص میں کوئی بھلائی نہ دیکھی ہو، پھر بھی اس کی تعریف کرے، اور مانگے بغیر دے دینے کا مطلب یہ ہے، جب انسان کے پاس مال ہو، تو اسے تقسیم کرنے میں کوتاہی نہ کرے، کسی کا ضرورت مند ہونا پتہ چلے تو اس کے سوال کرنے سے پہلے اسے دے۔

اگرچہ یہ تینوں خوبیاں ہر مسلمان میں ہونی چاہیے، لیکن بہت سے لوگ ان سے ناآشنا اور لاتعلق ہیں۔ یہ تینوں صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں، اور وہ اپنے بندوں کے لیے یہی رویہ اختیار کرتا ہے، اور اس کی ذات میں یہ صفات اس کے حقیقی مفہوم میں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے ساتھ وفا میں کوئی کمی نہیں کرتا، خواہ بندہ بندگی وفا کرنے میں کتنا ہی کوتاہ کیوں نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی وفا کی علامت یہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ازل میں اپنے بندوں کے کوئی عمل خیر کرنے سے پہلے انہیں مخاطب کیا اور

انہیں یاد کیا اور آج دنیا میں ان کی وفا کے باوجود نظر انداز نہیں کرتا' اسی طرح کسی لالچ کے بغیر تعریف کرنا' اللہ تعالیٰ کے علاوہ تو کوئی کر ہی نہیں سکتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کے کسی بھی فعل کا محتاج نہیں ہے' لیکن اس کے باوجود اگر بندہ تھوڑی سی حمد و ثناء بھی کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی بہت تعریف کرتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ مانگے بغیر عطا کر دیتا ہے' اس کے سوا کوئی حقیقی طور پر ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ وہ مہربان ہے' ہر شخص کے حال سے واقف ہے' ہر شخص کی مراد مانگے بغیر پوری کر دیتا ہے' جب وہ کسی بندے کو عزت و تکریم عطا کرنا چاہتا ہے' تو اسے بزرگی عطا کر دیتا ہے' اور اپنا خاص قرب نصیب کرتا ہے' اور یہ تینوں صفات اس میں پیدا کر دیتا ہے' پھر جب بندہ اپنی حیثیت کے مطابق ان صفات اور اخلاق کو استعمال کرتا ہے' تو اس چیز کو صوفیاء کی اصطلاح میں ''فتوت'' یعنی جوانمردی کہا جاتا ہے' اور پھر ایسے شخص کا نام جوانمردوں کی فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ یہ تینوں صفات حضرت ابراہیم علیہ السلام میں بدرجۂ اتم موجود تھیں' جس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

حضرت حاتم بن اصم رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک عبادت گزاروں کی زینت اور اطاعت کا جمال ابو عبدالرحمان حاتم بن عنوان اصم ہیں' آپ بلخ کے برگزیدہ اور خراسان کے اکابر مشائخ میں سے ایک ہیں' حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے' جبکہ احمد بن خضرویہ آپ کے شاگرد ہیں' انہوں نے آغاز سے لے کر اختتام تک کبھی بھی کوئی قدم صدق اور طریقت کے خلاف نہیں رکھا۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا خراجِ تحسین

ان کی تعریف کرتے ہوئے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات فرمائی ہے:

''صَدِيْقُ زَمَانِنَا حَاتِمُ الْاَصَمُّ'' ''حاتم اصم ہمارے زمانے کے صدیق ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کے دیدار' نفس کی آفات' طبیعت کی سرکشی کے باریک پہلوؤں کے حوالے سے آپ کا کلام بہت بلند ہے' علم تصوف کے بارے میں آپ نے بہت کچھ لکھا ہے۔

شہوت کی تین اقسام

آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلشَّهْوَةُ ثَلَاثَةٌ شَهْوَةٌ فِي الْاَكْلِ' وَشَهْوَةٌ فِي الْكَلَامِ' وَشَهْوَةٌ فِي النَّظْرِ' فَاحْفَظِ الْاَكْلَ بِالثِّقَةِ وَاللِّسَانَ بِالصِّدْقِ وَالنَّظْرَ بِالْعِبْرَةِ۔

''شہوت تین طرح کی ہوتی ہے: ایک وہ شہوت جس کا تعلق کھانے کے ساتھ ہو' دوسری وہ شہوت جس کا تعلق کلام کرنے کے ساتھ ہو اور تیسری وہ شہوت جس کا تعلق دیکھنے کے ساتھ ہو' تو تم حلال رزق کے ذریعے کھانے کی حفاظت کرو' سچ بولنے کے ذریعے زبان کی حفاظت کرو اور عبرت حاصل کرنے کے ذریعے دیکھنے کی حفاظت کرو''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جو شخص کھانے کے معاملے میں توکل کرے گا' وہ کھانے کے حوالے سے شہوت وہ ذات کے ذمے سے محفوظ رہے گا' جو شخص زبان کو سچ کا عادی بنالے گا' وہ زبان کی آزمائش سے محفوظ رہے گا' اور جو شخص آنکھ سے درست کام لے گا وہ نظر کی آزمائش سے محفوظ رہے گا' توکل کی اصل اور اس کی حقیقت' اخلاص ہے' اس کی وجہ یہ ہے' جب انسان ہر معاملے میں توکل اور اخلاص سے کام لے گا' تو وہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت پر اعتماد رکھے گا کہ روزی پہنچانا اس کے ذمے ہے' اس طرح وہ زبان کو عبادت میں مشغول رکھے گا' اور اپنی نظر کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول میں مشغول رکھے گا' تو انسان جو کھائے پیئے گا وہ درست ہوگا' جو بات کرے گا وہ بھلائی کی بات ہوگی' جب وہ خدا کو سچا مان لے گا' تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی زبان پر جاری ہو جائے گا' جب وہ دیکھے گا' تو سچ ہی کو دیکھے گا' اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کھانا حلال نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ کسی اور کا ذکر زبان پر لانا سچائی نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ کے جمال کے علاوہ موجودات میں سے کسی بھی چیز پر نگاہ ڈالنا جائز نہیں ہے' تو جب انسان اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو اس کی اجازت کے ساتھ کھائے گا' تو اس میں اس کی اپنی نفسانی خواہش کا قتل نہیں ہوگا' لیکن جب وہ اپنی خواہش نفس سے کھائے گا' تو وہ چیز اگرچہ حلال ہی کیوں نہ ہو' شہوت کہلائے گی' اسی طرح جب وہ اپنی خواہشِ نفس سے بولے گا' تو اگرچہ وہ اسی کا ذکر کر رہا ہے' لیکن یہ بات پھر بھی شہوت کہلائے گی' اسی طرح جب وہ اپنی خواہشِ نفس سے دیکھے گا' تو خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں غور و فکر کر رہا ہو' یہ چیز بھی اس کے لیے شہوت ہوگی۔

*امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک امام مطلبی حضرت ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی ہیں' جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے تعلق

* حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

"التاریخ الكبیر 1 / 42، التأريخ الصغير 2 / 302، الجرح والتعديل 7 / 201، حلية الاولياء 9 / 63'161، الفهرست 263، مناقب الشافعي للبيهقي، الانتقاء: 65'121، تاريخ بغداد 2 / 56'73، طبقات الفقهاء للشيرازي: 48'50، طبقات الحنابلة 1 / 280، ترتيب المدارك 2 / 382، الانساب 7 / 251'254، تاريخ ابن عساكر 14 / 395'418 و 15 / 1'25، صفة الصفوة 2 / 95، مناقب الشافعي للرازي، معجم الادباء 17 / 281'327، تهذيب الاسماء واللغات 1 / 44'67، وفيات الاعيان 4 / 163'169، المختصر في اخبار البشر 2 / 28'29، تهذيب الكمال لوحة 1160، تذهيب التهذيب 3 / لوحة 180 / 2، تاريخ الاسلام 11 / 29 ب' 39 ا، تذكرة الحفاظ 1 / 361'363، الكاشف 3 / 17، عيون التواريخ 7 / لوحة 172'183، الوافي بالوفيات 2 / 171'181، مرآة الجنان 2 / 13'28، طبقات الشافعية للسبكي: انظر الجزء الاول، البداية والنهاية 10 / 251'254، الديباج المذهب 2 / 156'161، غاية النهاية 2 / 95، طبقات النحاة لابن قاضي شهبة 1 / 21، تهذيب التهذيب 9 / 25، توالي التاسيس بمعالي ابن ادريس، النجوم الزاهرة 2 / 176، 177، طبقات الحفاظ: 152، حسن المحاضرة 1 / 303'304، خلاصة تذهيب الكمال: 326، طبقات المفسرين 2 / 98، مفتاح السعادة 2 / 88'94، تاريخ الخميس 2 / 335، طبقات الشافعية لابن هداية الله: 11'14، شذرات الذهب 2 / 9'11، شرح احياء علوم الدين 1 / 191'201، الرسالة المستطرفة: 17.

رکھتے ہیں' آپ اپنے زمانے کے اکابر مشائخ میں سے ایک تھے' تمام علوم وفنون کے ماہر تھے' تقویٰ اور پرہیزگاری میں آپ کے فضائل مشہور ہیں' اور آپ کا کلام بلند ہے۔

شافعی کا تعارف

مدینہ منورہ میں آپ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے مستفید ہوئے' اس کے بعد عراق آئے اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کی' آپ کی طبیعت ہمیشہ گوشہ نشینی کی طرف مائل رہی اور آپ طریقت کے حقائق کی جستجو میں رہے' یہاں تک کہ لوگ آپ کے گرد اکٹھے ہوگئے' اور انہوں نے آپ سے اخذ واستفادہ شروع کیا' جن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں' ہر حالت میں آپ کے فضائل قابل تعریف رہے ہیں' آغاز میں صوفیاء کے بارے میں ان کے مزاج میں کچھ سختی تھی' لیکن جب ان کی ملاقات حضرت حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی اور انہوں نے حضرت حبیب راعی کی صحبت اختیار کی تو پھر اس کے بعد جہاں کہیں بھی رہے حق کے طلب گار رہے۔

سہولت پسند علماء کی مذمت

آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اِذَا رَأَیْتَ الْعَالِمَ یَشْتَغِلُ بِالرُّخَصِ وَالتَّاوِیْلِ فَلَیْسَ یَجِیْئُ مِنْهُ بِشَیْئٍ

''جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ رخصت تلاش کر رہا ہے اور تاویل تلاش کر رہا ہے' تو پھر یہ سمجھ لو' اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' علماء کیونکہ عام لوگوں کے پیشوا ہوتے ہیں' اس لیے انہیں عزیمت کا راستہ اختیار کرنا چاہیے (اگر عالم عزیمت کا راستہ اختیار نہیں کرے گا' اور غیر عالم کرے گا' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ غیر عالم' عالم سے آگے بڑھ گیا ہے) حالانکہ کسی غیر عالم کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے' عالم سے آگے بڑھ جائے' چاہے کسی بھی حوالے سے ہو۔

حق کے راستے کا بنیادی اصول یہ ہے' احتیاط اور مجاہدے میں مبالغے سے کام لیا جائے' اور عالم میں رخصت یہ ہے' وہ ایسا کام کرے جس میں آسانی ہو اور مجاہدے سے فرار کا راستہ مل سکتا ہو' تو یہ رخصت تلاش کرنا تو عوام کا درجہ ہے تاکہ وہ شریعت کے دائرے سے باہر نہ نکلیں' لیکن اگر خواص یعنی علماء عوام کے درجے میں آجائیں اور رخصت پر عمل کرنے لگیں تو پھر ان سے کیا حاصل ہوگا' پھر اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے' رخصت تلاش کرنے کا مقصد یہ ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو کم سمجھ رہے ہیں حالانکہ اہل علم اللہ تعالیٰ کے دوست ہوتے ہیں' اور کوئی بھی دوست اپنے دوست کے حکم کو کمتر نہیں سمجھ سکتا' اسے ہلکا نہیں کر سکتا' اسی طرح علماءِ حق عوام کے درجے میں نہیں آسکتے تو وہ ہر حال میں احتیاط اور عزیمت کے راستے کو اختیار کرتے ہیں۔

شافعی اوتاد میں سے ہیں

ایک بزرگ نے یہ بات بیان کی ہے' ایک مرتبہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی ہے اور عرض کی: یارسول اللہ! مجھے یہ بات پتہ چلی ہے' آپ نے ارشاد فرمایا ہے: زمین میں کچھ اوتاد ہوتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ان میں سے کسی ایک کی بیعت کر سکتا ہوں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: محمد بن ادریس (شافعی) ان میں سے ایک ہے۔

*امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک اہل سنت کے پیشوا اور اہل بدعت پر قہر کرنے والے امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جو تقویٰ اور پرہیز گاری کے حوالے سے بطور خاص مشہور ہیں' نبی اکرم ﷺ کی احادیث کے حافظ تھے' انہوں نے حضرت ذوالنون مصری' حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت سری سقطی' حضرت معروف کرخی (رحمۃ اللہ علیہم) جیسے اکابر مشائخ کی زیارت کی ہے' اور ان سے فیض حاصل کیا' ان کی کرامات ظاہر ہیں' اور ان کی فراست بالکل درست تھی' آج کل ہمارے زمانے میں بعض لوگ جو مشبہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں' وہ خود کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کی طرف خود ساختہ کی باتیں منسوب کرتے ہیں' حالانکہ دین کے بنیادی اصول کے بارے میں آپ کے نظریات درست تھے اور یہ بات تمام علماء کے نزدیک پسندیدہ تھی

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور معتزلہ

کیونکہ بغداد میں معتزلہ فرقے کے لوگوں کو غلبہ حاصل تھا۔ انہوں نے آپ کو اس بات کے لیے مجبور کیا کہ آپ بھی ان کے نظریے کے مطابق قرآن کو مخلوق تسلیم کریں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ اس وقت بوڑھے ہو چکے تھے اور بہت کمزور تھے' لیکن اس کے باوجود ان کے ہاتھ پشت پر باندھ کر انہیں ایک ہزار کوڑے مارے گئے' لیکن اس کے باوجود امام احمد بن

---

* امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے ملیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

طبقات ابن سعد 7 / 354، 355، مقدمة كتابه " الزهد "، التاريخ الكبير 2 / 5، = التاريخ الصغير 2 / 375، تاريخ الفسوى 1 / 212، الجرح والتعديل 1 / 292'313 و 2 / 68، 70، حلية الاولياء 9 / 161، 233، الفهرست: 285، تاريخ بغداد 4 / 412، 423، طبقات الحنابلة 1 / 4، 20، تهذيب الاسماء واللغات 1 / 110، 112، وفيات الاعيان 1 / 63، 65، تهذيب الكمال، ورقة: 36، تذكرة الحفاظ 2 / 431، العبر 1 / 435، تذهيب التهذيب 1 / 22، الوافي بالوفيات 6 / 363، 369، مرآة الجنان 2 / 132، طبقات الشافعية للسبكي 2 / 27، 37، البداية والنهاية 10 / 325، 343، غاية النهاية في طبقات القراء 1 / 112، النجوم الزاهرة 2 / 304، 306، طبقات الحفاظ: 186، مناقب الامام احمد، خلاصة تذهيب الكمال: 11، 12، طبقات المفسرين 1 / 70، الرسالة المستطرفة: 18، شذرات الذهب 2 / 96، 98

حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کو مخلوق نہیں کہا' اس دوران آپ کا تہبند کھل گیا' لیکن آپ کے ہاتھ کیونکہ بندھے ہوئے تھے اور آپ خود اسے بند نہیں کر سکتے تھے تو غیب سے دو ہاتھ نمودار ہوئے اور انہوں نے (آپ کے پردے کو) برقرار رکھا' زیادتی کرنے والوں نے جب اس کرامت کو دیکھا' تو انہوں نے امام صاحب کو چھوڑ دیا' لیکن بعد میں انہی زخموں کی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا' جب آپ کا آخری وقت قریب آیا تو کچھ لوگ آپ کے پاس موجود تھے' انہوں نے آپ سے دریافت کیا: ان لوگوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جنہوں نے آپ کو کوڑے مارے ہیں؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وجہ سے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے' کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے' میں حق پر نہیں ہوں تو میں محض ان زخموں کی بناء پر قیامت کے دن ان سے جھگڑا نہیں کروں گا۔

دین کے مسائل کے بارے میں ان کا کلام بہت بلند ہے' آپ کا یہ معمول تھا' جب آپ سے کوئی سوال کیا جاتا اگر وہ اعمال سے متعلق ہوتا تو خود جواب دیتے' اگر طریقت کے حقائق سے متعلق سوال ہوتا تو شیخ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھنے کی ہدایت کرتے۔

اخلاق' توکل اور محبت

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا: اخلاق سے مراد کیا ہے؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

'اخلاق یہ ہے' انسان' اعمال کی آفات سے خلاصی اختیار کرے''۔

یعنی تمہارا عمل ریاکاری اور نقصان سے خالی ہونا چاہیے۔

اس شخص نے دریافت کیا: توکل سے کیا مراد ہے؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

''اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا''۔

اس شخص نے سوال کیا: محبت سے کیا مراد ہے؟ تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ سوال حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے کرو کیونکہ جب تک وہ زندہ ہیں' میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا' زندگی میں انہیں معتزلہ نے اذیتیں پہنچائیں اور ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے ان کی طرف غلط باتیں منسوب کیں' یہاں تک کہ اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھنے والے بعض افراد نے ان کی حالت کی طرف توجہ نہیں کی اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیں جو شرعی احکام کے خلاف تھیں۔

حضرت احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ

یہ اپنے وقت کے چراغ تھے اور آزمائشوں کا سامنا کرنے والے تھے' آپ کا نام ابوالحسن احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ ہے' یہ شام کے جلیل القدر مشائخ میں سے ایک ہیں' اکابر صوفیاء ان کے متعدد معترف ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

''احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ شام کے مہکتے پھول ہیں''۔

ان کا کلام بلند ہے' طریقت کے علوم کے بارے میں ان کے بیان کردہ اشارات بہت لطیف ہیں۔

انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث روایت کی ہیں' وہ سب مستند سمجھی جاتی ہیں۔ طریقت میں ان کا درجہ اتنا بلند تھا' ان کے زمانے کے صوفیاء سے اپنے مسائل کے بارے میں انہی کی طرف رجوع کرتے تھے' آپ حضرت شیخ ابوسلیمان دارانی کے مرید تھے' جبکہ سفیان بن عیینہ اور مروان بن معاویہ فزاری سے انہوں نے استفادہ کیا۔

دنیا کوڑے کا ڈھیر ہے

ایک روایت کے مطابق انہوں نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلدُّنْیَا مَزْبَلَةٌ وَمَجْمَعُ الْكِلَابِ، وَاَقَلُّ مِنَ الْكِلَابِ مَنْ عَكَفَ عَلَيْهَا فَاِنَّ الْكَلْبَ يَاْخُذُ مِنْهَا حَاجَةً وَيَنْصَرِفُ وَالْمُحِبُّ لَهَا لَا يَزُوْلُ عَنْهَا وَلَا يَتْرُكُهَا مَجَالً۔

''دنیا کوڑے کا ڈھیر ہے اور کتوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے' اور جو شخص دنیا میں ہی مبتلا رہے وہ کتے سے بھی بدتر ہے' کیونکہ کتا بھی اس ڈھیر میں سے اپنی ضرورت پوری کر کے آگے چلا جاتا ہے' لیکن دنیا سے محبت کرنے والا اس سے الگ نہیں ہوتا اور اسے کسی حال میں نہیں چھوڑتا''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس عظیم بزرگ کے نزدیک دنیا اتنی حقیر تھی کہ انہوں نے دنیا کو کوڑے کے ڈھیر کی مانند قرار دیا ہے' اور دنیاداروں کو کتوں سے بھی بدتر قرار دیا ہے' اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے' کتا کوڑے کے ڈھیر سے اپنی ضرورت کو پوری کر لیتا ہے' تو اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے' لیکن دنیادار لوگ دنیا کو جمع کرنے میں ہمیشہ مگن رہتے ہیں' وہ دنیا کی محبت کو نہیں چھوڑتے اور اُسے جمع کرنے سے باز نہیں آتے' یہ بات اہل دنیا اور دنیا کے معاملات سے آپ کی لاتعلقی پر دلالت کرتی ہے۔ اہل دنیا سے ان کا منہ موڑ لینا' ایک نہایت شاندار اور ایک تروتازہ باغ کی طرح ہے۔

شیخ نے ابتدائی عمر میں علم کی گفتگو کی اور آخرکار اپنے وقت کے ائمہ کے درجے تک پہنچ گئے' اس وقت انہوں نے اپنی کتابوں کو اٹھایا اور دریا برد کر دیا۔ اور یہ بات ارشاد فرمائی:

نِعَمَ الدَّلِيْلُ اَنْتَ وَاَمَّا الْاِشْتِغَالُ بَالدَّلِيْلِ بَعْدَ الْوُصُوْلِ اِلَى الْمَدْلُوْلِ مَحَالٌ

''(اے میرے معبود!) سب سے بہترین دلیل تیری اپنی ذات ہے' منزل تک پہنچ جانے کے بعد دلیل میں مشغول رہنا ناممکن ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' دلیل کی ضرورت اس وقت تک برقرار رہتی ہے' جب تک مرید راستے میں ہوتا ہے' لیکن جب اس کے سامنے منزل آ جاتی ہے' تو پھر اسے دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے' شیخ سے یہ بات سکر کی حالت میں سرزد ہوئی تھی۔

کیونکہ جو شخص یہ کہے' مجھے وصال نصیب ہو گیا' وہ شخص دراصل حق سے جدا ہو چکا ہوتا ہے' جب منزل پر پہنچا نہیں جا سکتا' تو مشغولیت' مشغولیت ہوگی اور فراغت' فراغت ہوگی' جبکہ وصل' وصل ہوگا۔ مشغولیت اور فراغت کے درمیان ایک نسبت (تعلق) ہے' کہ یہ دونوں بندے کی صفات ہیں جبکہ وصل (نصیب کرنا) حق تعالیٰ کی عنایت ہے' جو اس کے ازلی ارادے کے تحت بندے کو نصیب ہوتا ہے' یہ بندے کی مشغولیت یا فراغت کے دوران (یعنی ان کی وجہ سے) نصیب نہیں ہوتا' اس لیے (حق تعالیٰ کی بارگاہ تک) پہنچنے کا کوئی اصول نہیں ہے۔ اس کا قرب' ملازمت یا مجاورت بھی ممکن نہیں ہے۔ اس (کی بارگاہ تک) پہنچنا بندے کے لیے عزت افزائی کا باعث ہے اور اس (کی بارگاہ) سے دور ہونا بندے کے لیے اہانت کا باعث ہے' جبکہ (حق تعالیٰ کی) صفات پر تغیر وارد نہیں ہو سکتا۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

میں علی بن عثمان جلابی یہ کہتا ہوں: یہاں اس بات کا احتمال موجود ہے' اس بزرگ نے لفظ ''وصول'' کے ذریعے حق کے راستے تک پہنچنا مراد لیا ہو' کیونکہ کتابوں میں یہ بات منقول ہے' جب حق کا راستہ بھاری ہو جاتا ہے' تو عبارت یعنی دلیل منقطع ہو جاتی ہے' کیونکہ اب یہاں دلیل اور عبارت کی ضرورت باقی نہیں رہتی' عبارت کی ضرورت اس وقت تک باقی رہتی ہے' جب تک مقصود مخفی ہوتا ہے' اور سامنے نہیں آتا' جب مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے اس وقت عبارت اور دلیل کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے' کیونکہ معرفت کو صحیح طور پر بیان کرنے میں زبان گونگی ہو جاتی ہے' تو کتاب کی عبارت وہاں کیا کر سکتی ہے۔

یہ بات دوسرے مشائخ نے بھی بیان کی ہے: جیسے شیخ ابوسعید بن فضل اللہ میہنی نے بھی اپنی کتابوں کو پانی میں ڈبو دیا تھا۔ بعض نام نہاد صوفیوں نے اپنی جہالت کے باوجود ان آزاد لوگوں کی تقلید کرتے ہوئے اپنی کتابیں دریا برد کی ہیں' جبکہ ان اکابر مشائخ کا مقصد یہ تھا' وہ غیر اللہ سے اپنے دل کو فارغ کر دیں اور دنیا سے لاتعلقی اختیار کر کے اس سے توجہ ہٹا دیں اور ان کی اس کیفیت کا تعلق سکر کے ساتھ تھا' مبتدی اور نوآموز شخص ایسا نہیں کر سکتا' کیونکہ جب کوئی شخص کسی مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے' تو پھر اس کے لیے دونوں جہان حجاب نہیں بن سکتے' کاغذ کے چند ٹکڑوں کی کیا حیثیت ہے' کیونکہ جب دل سے علائق جدا ہو جاتے ہیں تو کاغذ کے ٹکڑے کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہ جاتی۔

کتاب دھو ڈالنے کا جو ذکر کیا گیا ہے' اس سے مراد یہ ہے' مقصود حاصل ہو جانے کے بعد الفاظ اور عبارت کی ضرورت باقی نہیں رہتی' جیسا کہ ہم پہلے اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں' تو اس صورت میں بہتر یہ ہوگا کہ عبارت بھی زبان سے دور ہو جائے' اس کی وجہ یہ ہے' کتاب میں جو عبارت لکھی گئی ہوتی ہے' یہ وہی عبارت ہوتی ہے' جو زبان پر جاری ہوتی ہے' تو یہ بات طے ہے' ان دونوں میں سے کوئی ایک عبارت دوسری سے بہتر نہیں ہو سکتی ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے' شیخ احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے حال کے غلبے کے دوران ایسا شخص نہ ملا ہو جو ان کے کلام کو سن کر

اسے سمجھ سکتا ہو تو انہوں نے اپنی حالت کی تفصیل کو کاغذ پر تحریر کر دیا ہو اور جب بہت سے ایسے کاغذ جمع ہو گئے اور کوئی ایسا قابل شخص نہ ملا جو ان کو سمجھ سکتا ہو تو انہوں نے ان سب کاغذات کو پانی میں بہا دیا اور یہ کہا' یہ بہترین دلیل ہے' مجھے میری مراد حاصل ہو گئی ہے' تو اب ان کاغذات میں مشغول ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے' یہاں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے' ان کے پاس بہت سی کتابیں جمع ہو گئیں ہوں' یہ کتابیں ان کے مخصوص اوراد و وظائف اور طریقت کے معاملات سے روکتی ہوں' اس لیے انہوں نے اس شغل کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا ہو' یعنی مقصود کی طرف توجہ دینے کے لیے دل کو فارغ کر دیا ہو اور اس طلب میں عبارات کو ترک کر دیا ہو۔

شیخ احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک طریقت کے راستے پر چلنے والوں کے پیشوا' خراسان کے آفتاب' شیخ احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جو اپنی حالت کی بلندی اور اپنے شرف و مجد کے اعتبار سے معروف تھے' وہ اپنے زمانے میں جملہ مشائخ طریقت کے پیشوا تھے اور عوام و خواص ان کی پیروی کرتے تھے' آپ کا طریقہ ملامت کا طریقہ تھا' آپ سپاہیانہ لباس پہنا کرتے تھے' آپ کی اہلیہ فاطمہ کو بھی طریقت میں بڑا بلند مقام حاصل تھا' وہ بلخ کے امیر کی صاحبزادی تھیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی توفیق دی تو انہوں نے احمد بن خضرویہ کو یہ پیغام بھجوایا' میرے ساتھ شادی کے لیے میرے والد کو پیغام بھجوائیں' آپ نے اس پیغام پر غور نہیں کیا' تو اس خاتون نے دوبارہ انہیں پیغام بھجوایا کہ اے احمد! میں آپ کو ایسا شخص نہیں سمجھی تھی جو حق کے راستے کو بند کر دے' اس لیے آپ حق کے راستے کے رہبر بنیں' حق کے راستے میں رکاوٹ نہ ڈالیں' تو حضرت احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے بلخ کے امیر کے پاس شادی کا پیغام بھجوایا تو اس نے اس نسبت کو مبارک سمجھتے ہوئے اس پیغام کو قبول کر لیا (اور اپنی صاحبزادی فاطمہ کی شادی احمد بن خضرویہ کے ساتھ کر دی) تو فاطمہ نے اس دنیا کو ترک کیا اور شیخ احمد بن خضرویہ کے ساتھ گوشہ نشینی اور خلوت اختیار کر لی۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات

ایک مرتبہ حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ' حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو اس سفر میں فاطمہ بھی ان کے ساتھ تھی' جب یہ بایزید کی خدمت میں پہنچے تو فاطمہ نے نقاب اُلٹ دیا اور کسی تکلف کے بغیر بایزید سے گفتگو شروع کر دی۔ شیخ احمد بن خضرویہ اس بات پر بہت حیران ہوئے' انہیں بہت غصہ آیا' انہوں نے فاطمہ سے فرمایا: اے فاطمہ! بایزید کے ساتھ تم کس طرح کا گستاخانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہو' تو فاطمہ نے جواب دیا: آپ میری طبیعت کے محرم ہیں' اور بایزید میری طریقت کے محرم ہیں' آپ کے ساتھ میرے دنیاوی تعلقات ہیں اور بایزید کے ساتھ میرا اللہ تعالیٰ کے راستے کا واسطہ ہے' اس کی دلیل یہ ہے' بایزید کو میرے ساتھ کی ضرورت نہیں ہے' لیکن آپ کو میرے ساتھ کی ضرورت

ہے۔ مختصر یہ کہ وہ کسی تکلف کے بغیر بایزید کے ساتھ بات چیت کرتی رہیں' اس دوران بایزید کی نظر فاطمہ کے ہاتھوں پر پڑی تو اس پر مہندی لگی ہوئی دیکھی۔ انہوں نے فاطمہ سے دریافت کیا: تم نے یہ مہندی کیسی لگائی ہوئی ہے؟ تو فاطمہ نے جواب دیا: جب تک آپ کی نظر میرے ہاتھ اور مہندی پر نہیں پڑی تھی' اس وقت تک میں آپ کے ساتھ بغیر کسی تکلف کے بات چیت کرسکتی تھی' لیکن جب آپ کی نظر میرے ہاتھ پر پڑ چکی ہے' تو آپ کے ساتھ رہنا میرے لیے حرام ہے۔

اس کے بعد یہ دونوں میاں بیوی یہاں سے روانہ ہوئے اور نیشا پور پہنچے اور وہیں رہائش اختیار کی' نیشا پور کے لوگوں کو ان سے بڑی عقیدت ہوگئی۔

شیخ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت

جب شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ جانے کے ارادے سے نیشا پور تشریف لائے تو شیخ احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی دعوت کی' اس سلسلے میں انہوں نے اپنی اہلیہ فاطمہ سے مشورہ کیا کہ یحییٰ کی دعوت میں کیا ہونا چاہیے' تو فاطمہ نے جواب دیا: اتنی گائیں' اتنی بھیڑیں' اتنی ضروری چیزیں' مصالحہ جات' شمعیں' عطر' یہ سامان اور اس کے علاوہ بیس گدھے بھی ہونے چاہئیں۔ شیخ احمد بن خضرویہ نے دریافت کیا: گدھے کس وجہ سے ہونے چاہئیں؟ تو فاطمہ نے جواب دیا: جب کوئی معزز شخص کسی دوسرے معزز شخص کا مہمان بنتا ہے' تو محلے میں رہنے والے کتوں کا بھی حق ہوتا ہے' ان کے لیے بھی کچھ ہونا چاہیے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مَنْ اَرَادَاَن يَّنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ مِّنَ الرِّجَالِ مُخْتَوٍ تَحْتَ لِبَاسِ النِّسْوَانِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى فَاطِمَةَ"

"جو شخص عورتوں کے جسم میں کسی مردِ خدا کو دیکھنا چاہے وہ فاطمہ کو دیکھ لے"۔

شیخ ابوحفص حداد بیان کرتے ہیں:

"لَوْلَا اَحْمَدُ بْنُ خِضْرَوَيْهِ مَاظَهَرَتِ الْفُتُوَّةُ" "اگر احمد بن خضرویہ نہ ہوتے تو مردانگی نمودار نہ ہوتی"۔

شیخ احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بلند افکار پر مشتمل اور الفاظ پاکیزہ ہیں' معاملات' ادب اور دیگر علوم وفنون میں ان کی تحریریں معروف ہیں' اور حقائق ومعرفت سے بھرپور ہیں' جن میں انتہائی باریک نکات پائے جاتے ہیں۔

شیخ احمد بن خضرویہ کا یہ قول ہے:

اَلطَّرِيْقُ وَاضِحٌ وَالْحَقُّ لَايِحٌ وَالدَّاعِيُ قَدْاَسْمَعَ فَمَا التَّحَيُّرُ بَعْدَهَا اِلَّامِنَ الْعَمٰى

"راستہ واضح ہے' حق آشکار ہے' دعوت دینے والا اپنی بات پہنچا چکا ہے' اب اس کے بعد اندھاپن نہیں تو اور کیا ہے"۔

یعنی اب راستے کی تلاش کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ حق کا آفتاب چمک رہا ہے' تو اپنے آپ کو تلاش کرو تم کہاں ہو' یعنی جب تم خود کو پالو گے' تو راستہ بھی مل جائے گا' اس کی وجہ یہ ہے' حق اتنا روشن اور واضح ہے' اسے کسی طالب کی طلب کی

بھی ضرورت نہیں ہے۔

فقر کو پوشیدہ رکھنے کی تلقین

شیخ احمد بن خضرویہ کا یہ قول بھی منقول ہے:

اِسْتَرْ عِزَّ فَقْرِكَ عَنِ الْخَلْقِ "اپنے فقر کی عزت کو مخلوق پوشیدہ رکھو"۔

یعنی لوگوں سے یہ نہ کہتے پھرو کہ میں درویش ہوں' تا کہ تمہارا راز ظاہر نہ ہو' اس کی وجہ یہ ہے' فقر در حقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ انعام واکرام ہوتا ہے۔

شیخ احمد بن خضرویہ فرماتے ہیں: ایک درویش نے رمضان کے مہینے میں ایک مالدار شخص کی دعوت کی' اس وقت اتفاق سے میزبان کے گھر میں خشک روٹی کے علاوہ کچھ نہیں تھا' وہ مالدار شخص واپس چلا گیا اور اس نے اس فقیر کو اشرفیوں کی تھیلی بھجوائی' لیکن فقیر نے اسے قبول نہیں کیا اور بولا: یہ اس شخص کی سزا ہے' جو اپنا حال تم جیسے لوگوں کے سامنے ظاہر کرتا ہے۔

یہ بات شیخ احمد بن خضرویہ کے فقر کی صداقت کی دلیل تھی' باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

شیخ عسکر بن حصین نخبشی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک توکل کرنے والوں کے امام' برگزیدہ لوگوں کے پیشوا' ابوتراب عسکر بن حصین نسفی ہیں' آپ خراسان کے اکابر مشائخ اور مشہور جوانمردوں میں سے ایک ہیں' آپ کا زُہد وتقویٰ معروف تھا' آبادی اور صحرا ہر جگہ پر آپ سے کرامات کا صدور ہوا اور آپ سے بہت عجائب دیکھے گئے' آپ صوفیاء میں بہت دانشور سمجھے جاتے تھے' آپ نے زیادہ تر جنگلوں میں رہائش اختیار کی' یہاں تک کہ آپ کا انتقال بصرہ کے قریب ایک جنگل میں ہوا۔

چند برس کے بعد کچھ لوگوں کا گزر وہاں سے ہوا' اور انہوں نے دیکھا کہ قبلہ رخ وہاں کھڑے ہوئے ہیں' لیکن آپ کی روح جسم سے پرواز کر چکی ہے' اور ان کا جسم سوکھ کر خشک ہو چکا تھا' پانی کا مشکیزہ سامنے پڑا ہوا تھا اور وہ اپنے عصاء کے سہارے کھڑے ہوئے تھے' اس دوران جنگل کے درندے آپ کے جسم کے قریب بھی نہیں آئے تھے۔

درویش کی غذا

آپ کا یہ فرمان منقول ہے:

اَلْفَقِيْرُ قُوْتُهٗ مَا وَجَدَ' وَلِبَاسُهٗ مَاسَتَرَ وَمَسْكَنُهٗ حَيْثُ نَزَلَ

"درویش کی غذا وہی ہوتی ہے' جو اسے مل جائے' اس کا لباس وہی ہوتا ہے' جو اس کے جسم کو ڈھانپ دے اور اس کی رہائش وہی ہوتی ہے جہاں وہ ٹھہر جائے"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' غذا' لباس اور رہائش میں' درویش کی اپنی پسند کوئی نہیں ہوتی اور

کیونکہ اپنی پسند کے ساتھ ان چیزوں میں تصرف کرنے کا مطلب یہ ہے' درویش اس میں مشغول ہو گیا ہے' اور دنیا جہان کی تمام آزمائشیں ان چیزوں میں پوشیدہ ہیں' جب انسان اپنی خواہش کے ساتھ ان میں تصرف کرتا ہے' لیکن یہ اس صورت میں ہے' جب اس کا تعلق معاملے کے ساتھ ہو' ورنہ تحقیق کے اعتبار سے درویش کی غذا وجد ہے' اس کا لباس تقویٰ ہے' اور اس کی رہائش غیب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا (الجن:۱۶)

''اگر وہ طریقت پر استقامت رکھیں تو ہم انہیں صاف ستھرا پانی پلائیں گے''۔

دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ''اور تقویٰ کا لباس ہی زیادہ بہتر ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْفَقْرُ وَطَنُ الْغَيْبِ ''فقر' غیب کا وطن ہے''۔

یہ بات پتہ چل گئی کہ درویش کی خوراک غربت کی شراب ہوتی ہے' ان کا لباس تقویٰ اور مجاہدے کا ہوتا ہے' اور اس کا وطن غیب اور وصل کا انتظار ہوتا ہے' اس لیے طریقت کا راستہ واضح ہے' اس کا معاملہ روشن ہے' یہی کمال کا درجہ ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک محبت وفا کے ترجمان' طریقت اور ولایت کی زینت ابوزکریا یحییٰ بن معاذ رازی ہیں' جو بلند حال' بلند خصلت کے مالک تھے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے پُراُمید ہونے پر مکمل طور پر ثابت قدم تھے۔

حضرت حضرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے دو یحییٰ پیدا کیے ہیں' ایک انبیاء میں سے ہیں' جو حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام ہیں' اور دوسرے اولیاء میں سے ہیں' جو حضرت یحییٰ بن معاذ رازی ہیں''۔

حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خوف کی راہ پر اس طریقے سے گامزن تھے' کہ خوف کے دعویدار تمام لوگ نجات سے نااُمید ہو گئے' جبکہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی اللہ تعالیٰ سے پُراُمید ہونے کی کیفیت پر اس طرح قائم تھے' کہ تمام پُراُمید لوگ ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے رہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت حضرمی سے دریافت کیا: حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا حال تو پتہ ہے' لیکن حضرت یحییٰ بن معاذ رازی کی کیفیت کا کیسے پتہ چلا' تو حضرت حضرمی نے جواب دیا: مجھے اس بات کا علم ہے' یحییٰ بن معاذ رازی کسی بھی

حالت میں اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں رہے اور انہوں نے کبھی کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔

مقام اور کیفیت میں فرق

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی طریقت کے معاملات میں اور مجاہدے میں اتنے کامل تھے' ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا گیا: جناب! آپ کا مقام تو اُمید کا مقام ہے' جبکہ آپ کا طرزِ عمل خوف زدہ لوگوں کی طرح ہے' تو انہوں نے جواب دیا: اے میرے بیٹے! یہ بات جان لو! بندگی کو چھوڑ دینا گمراہی ہے' جبکہ خوف اور اُمید' ایمان کے دو ستون ہیں' تو یہ بات ممکن ہو گی کہ کوئی شخص اپنے مجاہدے کے دوران ایمان کے کسی رکن کو (چھوڑ کر) گمراہی کا شکار ہو جائے' جو شخص خوف کی کیفیت میں ہوتا ہے وہ اپنے خوف کو ختم کرنے کے لیے عبادت اور بندگی کرتا ہے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پُر امید ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وصال کا امیدوار ہوتا ہے (اور بندگی کرتا رہتا ہے)' تو جب تک عبادت نہیں ہو گی' خوف کی کیفیت درست شمار کی جائے گی اور نہ اُمید کی کیفیت درست شمار کی جائے گی' جب عبادت موجود ہو گی' تو اس کے ساتھ دونوں کیفیات عبادت بن جائیں گی اور جہاں صرف عبادت ہو (کوئی خوف یا اُمید نہ ہو) وہ درحقیقت عبادت نہیں ہو گی۔

آپ کی بہت سی تصانیف ہیں' جن میں لطیف اور باریک نکات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) خلفائے راشدین کے بعد صوفیاء میں سے آپ وہ شخص ہیں جنہوں نے فقر پر وعظ و نصیحت کرنے کا معمول اختیار کیا۔

مجھے ان کا کلام بہت پسند ہے' کیونکہ وہ طبیعت میں رقت اور سماعت میں لذت پیدا کر دیتا ہے' جو اپنی اصل کے اعتبار سے مشکل ہوتا ہے' اور عبارت کے اعتبار سے فائدہ مند ہوتا ہے۔

دنیا اور آخرت کی حقیقت

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی ارشاد فرماتے ہیں:

اَلدُّنْیَا دَارُ الْاَشْتِغَالِ وَالْاٰخِرَۃُ دَارُ الْاَھْوَالِ وَلَا یَزَالُ الْعَبْدُ بَیْنَ الْاَشْغَالِ وَالْاَھْوَالِ حَتّٰی یَسْتَقِرَّبِہٖ الْقَرَارُ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ

''دنیا مشغول ہونے کا مقام ہے' اور آخرت ہولناکی کا مقام ہے' تو بندہ اس مشغولیت اور اس ہولناکی کے درمیان ہی رہتا ہے' یہاں تک کہ بندے کو قرار حاصل ہو جاتا ہے' جو یا جنت میں جا کر حاصل ہوتا ہے' یا اس کا ٹھکانہ جہنم بن جاتا ہے''۔

خوشی اور مسرت کے مقام میں وہ دل ہوتا ہے' جو دنیا میں مشغول ہونے اور آخرت میں ہولناکی سے بچا رہے اور دونوں جہانوں سے اپنی توجہ ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں واصل ہو جائے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی خوشحالی کو غربت پر ترجیح دیتے تھے۔

''رے'' (تہران) میں قیام کے دوران آپ پر بہت زیادہ قرض ہوگیا تو آپ خراسان تشریف لے گئے' جب آپ بلخ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کو روک لیا اور کہا' ہمیں بھی کچھ وعظ و نصیحت کریں (آپ نے انہیں وعظ و نصیحت کی)' انہوں نے ایک لاکھ دینار نذر کے طور پر پیش کیے تو آپ نے انہیں وصول کیا اور قرض واپس کرنے کے لیے رے (تہران) واپس تشریف لے آئے' اس سفر کے دوران ڈاکوؤں نے ڈاکا ڈال کر ان سے وہ تمام رقم چھین لی' پھر آپ خالی ہاتھ نیشاپور تشریف لے گئے' وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ ہر حالت میں صاحب عزت قابل احترام اور باوقار تھے' باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

عمر بن سالم حداد نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک خراسان کے شیخ مشائخ' اپنے زمانے کی بے مثل شخصیت ابوحفص عمر بن سالم حداد ہیں' جو صوفیاء کے پیشوا تھے اور تمام مشائخ کے نزدیک قابل تعریف تھے' حضرت شیخ ابوعبداللہ ابیوردی کے فیض یافتہ تھے اور شیخ احمد خضرویہ کے رفیق تھے' شاہ شجاع کرمانی' کرمان سے آپ کی زیارت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے' جب شیخ عمر بن سالم بغداد کے مشائخ سے ملاقات کرنے کے لیے بغداد تشریف لائے تو عربی زبان سے ناواقف تھے' اس لیے آپ نے اپنے ایک مرید کو ترجمان مقرر کیا' لیکن پھر یہ خیال آیا کہ یہ بڑی حیرانگی کی بات ہوگی کہ خراسان کے شیخ مشائخ کو ترجمان کی ضرورت ہو' جب آپ (بغداد) کی مسجد شونیز میں تشریف لائے اور بغداد کے مشائخ ملاقات کے لیے آئے تو آپ نے ان سے فصیح عربی میں گفتگو کی' یہاں تک کہ تمام مشائخ آپ کی فصاحت پر حیران رہ گئے۔

جواں مردی کی تعریف

بغداد کے مشائخ نے آپ سے دریافت کیا:

''جوان مردی'' کسے کہتے ہیں؟ عمر بن سالم حداد نے جواب دیا: بہتر یہ ہوگا کہ آپ حضرات میں سے کوئی پہلے اپنی رائے کا اظہار کرے' تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بیان کی:

اَلْفَتُوَّةُ عِنْدِیْ تَرْكُ الرُّؤْيَةِ وَاِسْقَاطُ النِّسْبَةِ

''میرے نزدیک جوان مردی یہ ہے' (اپنے) عمل کی طرف نہ دیکھا جائے' اور (عمل کی) نسبت اپنی طرف نہ کی جائے''۔

تو حضرت عمر بن سالم نے ارشاد فرمایا:

مَا اَحْسَنَ مَاقَالَ الشَّيْخُ وَلٰكِنَّ الْفَتُوَّةَ عِنْدِیْ اَدَاءُ الْاِنْصَافِ وَتَرْكُ مُطَالَبَةِ الْاِنْصَافِ۔

''شیخ نے کتنی اچھی بات بیان کی ہے' لیکن میرے نزدیک جوان مردی یہ ہے' انسان خود دوسروں کے ساتھ انصاف کرے' لیکن دوسروں سے انصاف کا مطالبہ نہ کرے''۔

یہ بات سن کر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''قُوْمُوْا یَا اَصْحَابَنَا فَقَدْ زَادَ اَبُوْ حَفْصٍ عَلٰی آدَمَ وَ ذُرِّیَّتِہٖ''

''میرے ساتھیو! اُٹھ جاؤ! کیونکہ شیخ ابوحفص' آدم کی تمام اولاد پر بازی لے گئے ہیں''۔

شیخ ابوحفص کی توبہ کا واقعہ

ان کی توبہ کا واقعہ بہت عجیب ہے' یہ جوانی میں ایک کنیز پر عاشق ہو گئے تھے' انہوں نے اسے منانے کی بہت کوشش کی' لیکن کامیاب نہیں ہو سکے' ایک مرتبہ لوگوں نے انہیں بتایا: نیشاپور میں ایک یہودی رہتا ہے' جو جادو کا عمل کرتا ہے وہ اس کام کو کر سکتا ہے' یہ ان کے پاس پہنچے' اسے اپنا حال بیان کیا' اس یہودی نے کہا: تمہیں چالیس دن تک نماز چھوڑنی ہو گی' اس دوران اللہ تعالیٰ کا نام اپنی زبان پر نہیں لانا اور کوئی نیکی نہیں کرنی' اگر اس شرط پر تیار ہو' تو میں جادو کر دیتا ہوں تاکہ تمہارا مقصد حاصل ہو جائے' انہوں نے یہودی کی اس شرط کو مان لیا اور چالیس دن اسی طرح گزر گئے' یہودی نے اپنا جادو کا عمل کیا' لیکن ان کا مقصد حاصل نہ ہوا' تو یہودی نے انہیں کہا' غالباً تم نے کوئی شرط پوری نہیں کی ہے' ضرور کوئی خلاف ورزی کی گئی ہے' ضرور کوئی نیکی کا کام کیا گیا ہے' سوچ کر مجھے بتاؤ تم نے کیا نیکی کی تھی؟ تو انہوں نے اس سے کہا: میں نے کوئی نیکی نہیں کی' ظاہر اور باطن میں کوئی بھلائی کا کام نہیں کیا' صرف ایک مرتبہ میں جا رہا تھا' راستے میں پتھر پڑا ہوا تھا' میں نے اس خیال سے اسے پاؤں کے ذریعے ہٹا دیا' کسی کو اس سے ٹھوکر نہ لگ جائے' یہ بات سن کر یہودی نے کہا: تم پر افسوس ہے' تم نے چالیس دن تک خدا کے حکم کی نافرمانی کی اور اسے فراموش کیے رکھا' لیکن پھر بھی خدا نے تمہارے ایک عمل کو بھی ضائع نہیں ہونے دیا۔ یہ بات سن کر حضرت شیخ ابوحفص نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے سچے دل سے توبہ کی اور وہ یہودی بھی مسلمان ہو گیا۔

شیخ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیات

پیشے کے اعتبار سے حضرت شیخ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ آہن گر تھے' جب یہ بیاورد پہنچے تو حضرت شیخ ابوعبداللہ بیاوردی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کر لی' جب نیشاپور واپس تشریف لائے تو ایک دن یہ بازار میں بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے ایک نابینا شخص کو قرآن پاک پڑھتے ہوئے سنا' یہ اس دکان میں بیٹھے رہے اور قرأت سنتے رہے اور اس دوران ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بے خودی کے عالم میں نے انہوں نے ہاتھ بچانے کا دستانہ پہنے بغیر گرم اور سرخ لوہا ہاتھ کے ذریعے بھٹی سے باہر نکال لیا (لیکن آپ کے ہاتھ پر کوئی اثر نہیں ہوا)' شاگردوں نے اپنے شیخ کی یہ حالت اور اضطراب دیکھا' تو بہت پریشان ہوئے' جب ان کا یہ اضطراب ختم ہوا' تو آپ نے اس پیشے کو چھوڑ دیا اور دوبارہ اس دکان پر کبھی تشریف نہیں لے گئے۔

آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

تَرَكْتُ الْعَمَلَ ثُمَّ رَجَعْتُ اِلَيْهِ ثُمَّ تَرَكَنِیَ الْعَمَلُ فَلَمْ اَرْجِعُ اِلَيْهِ

''پہلے میں نے یہ کام چھوڑا پھر میں واپس اس کی طرف آیا' پھر اس کام نے مجھے چھوڑ دیا' اب میں اس طرف نہیں جاؤں گا''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) انسان ہنر اور محنت کے ساتھ جو چیز سیکھتا ہے اسے کرنے سے یہ زیادہ بہتر ہے' اسے چھوڑ دیا جائے کیونکہ اکتساب آفت کا محل ہوتا ہے' اور قابل قدر وہ چیز ہوتی ہے' جو غیب سے کسی تکلف کے بغیر آ جاتی ہے' جس بھی مقام پر انسان کا دخل اور اختیار شامل ہو جائے وہاں سے حقیقت کے لطائف زائل ہو جاتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے' بندہ کسی بھی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں خود کوئی اختیار نہیں رکھتا کیونکہ کوئی چیز عطا ہونا یا کسی چیز کا زائل ہو جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' اور اس کی مقرر کردہ تقدیر کے مطابق ہے' جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے' تو واپس لینا بھی اس کی طرف سے ہوتا ہے اور جب کوئی چیز زائل ہو جاتی ہے' تو اسے ترک کرنا بھی اس کی طرف سے ہوتا ہے' تو جب ایسی کیفیت ہوگی اس وقت اس چیز کی قدر و قیمت بھی ہوتی ہے' کیونکہ کسی چیز کو لینے یا نہ لینے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کی نسبت سے ہوتا ہے۔ بندہ اپنی کوشش سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا اور کسی نقصان کو پرے نہیں کر سکتا۔ اس سے یہ بات پتہ چل جاتی ہے' اگر کوئی مرید ایک ہزار سال تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہونے کی کوشش کرے تو یہ ممکن نہیں ہوگا کہ ایک لمحے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ اپنی قبولیت کا شرف اسے عطا کر دے' اس کی وجہ یہ ہے' یہ قبولیت تو ازل میں مقرر ہے' اور دائمی مسرت پہلے سے شامل ہے' انسان کے لیے تو صرف اتنی سی بات ہے' وہ خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلتا رہے' اس لیے درحقیقت وہی شخص قابل احترام ہوتا ہے' جو عالم اسباب کی تمام امور سے منہ موڑ کر اسباب پیدا کرنے والی ذات کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرے۔

شیخ حمدون القصار رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک طبقہ ملامتیہ کے سردار' آزمائش و ملامت میں گرفتار' حضرت شیخ ابوصالح حمدون بن احمد القصار ہیں' جو متقدمین مشائخ میں شمار ہوتے ہیں' آپ انتہائی پرہیزگار تھے' علم فقہ کے بہت بڑے ماہر تھے' علم فقہ میں یہ حضرت سفیان ثوری کے پیروکار تھے اور علم طریقت میں شیخ ابوتراب نخشبی کے مرید تھے' آپ علی نصرآبادی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے' علم طریقت کے ہر معاملے میں آپ کے بیان کردہ اشارے اور مجاہدے کی تمام اقسام کے بارے میں آپ کے بیان کردہ نکات موجود ہیں' کیونکہ آپ کا علمی مرتبہ بہت بلند تھا' اس لیے نیشاپور کے رہنے والے تمام اکابرین اس بات کے منتظر تھے' آپ ان کی رہنمائی کریں۔ آپ ہمیشہ یہی جواب دیتے رہے' ابھی میرا دل دنیا کی خواہش اور مرتبے کے حصول کی خواہش سے خالی نہیں ہوا' تو ایسی حالت میں میرا وعظ کہنا فائدہ مند نہیں ہوگا' اور دلوں پر اس کا اثر بھی نہیں ہوگا' تو جو بات دل پر اثر نہ کرے اسے بیان کرنے کا علم میں استخفاف اور شریعت کا استہزاء ہے' (دینی وعظ و نصیحت کی) بات کرنا اس شخص کو جائز

ہوتا ہے، جس کے خاموش رہنے کے نتیجے میں دینی کام میں خلل آ رہا ہو اور اس کے کلام کرنے کے نتیجے میں وہ خلل دور ہو جائے۔

ایک مرتبہ علماء نے دریافت کیا: ہمارے وعظ کے مقابلے میں اسلاف کا وعظ دلوں پر زیادہ اثر انداز ہوتا تھا' اس کی وجہ کیا ہے؟

شیخ نے جواب دیا:

"لِاَنَّهُمْ تَكَلَّمُوْا لِعِزِّ الْاِسْلَامِ وَنَجَاتِ النُّفُوْسِ وَرِضَاءِ الرَّحْمَانِ وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ لِعِزِّ النَّفْسِ وَطَلَبِ الدُّنْيَا وَقُبُوْلِ الْخَلْقِ"

"اس کی وجہ یہ ہے' اسلاف اسلام کی سربلندی کے لیے اور لوگوں کی نجات کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کے لیے بات کیا کرتے تھے' جبکہ ہم نفس کی عزت کے لیے' دنیا طلب کرنے کے لیے اور مخلوق میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے وعظ کرتے ہیں۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے بات کرتا ہے' تو اس کی زبان سے ہمیشہ حق بات نکلتی ہے' اور اس میں دبدبہ اور جلال موجود ہوتا ہے' شرپسند لوگوں کے دل بھی اس سے متاثر ہو جاتے ہیں' لیکن جو شخص اپنی ذات کو سامنے رکھتے ہوئے بات کرتا ہے' تو اس میں ذلت اور رسوائی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا' ایسی باتیں لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی ہیں' اور ایسی بات کو کہنے سے بہتر یہ ہے' آدمی نہ کہے کیونکہ وہ بات حقانیت سے خالی ہوتی ہے۔

حضرت شیخ منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک حضرت شیخ ابوسری منصور بن عمار ہیں' جو باوقار شیخ تھے' خیالات اور اسرار کا بہت خیال رکھتے تھے' مرتبہ و مقام کے اعتبار سے آپ کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے' آپ عراق کے اُن اکابرین میں سے ایک ہیں' جو اہل خراسان میں بہت مقبول ہوئے' ان کے بیان کردہ پند و نصائح میں کلام کی خوبی بھی پائی جاتی ہے' اور نکتہ رسی بھی پائی جاتی ہے' ہر علم اور فن کے بارے میں بات کیا کرتے تھے' روایت اور درایت دونوں کے عالم تھے' احکام اور معاملات کی گتھیاں سلجھانے والے تھے' بعض مشائخ نے آپ کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔

آپ کا یہ فرمان منقول ہے:

سُبْحَانَ مَنْ جَعَلَ قُلُوْبَ الْعَارِفِيْنَ اَوْعِيَةَ الذِّكْرِ وَقُلُوْبَ الزَّاهِدِيْنَ اَوْعِيَةَ التَّوَكُّلِ وَقُلُوْبَ الْمُتَوَكِّلِيْنَ اَوْعِيَةَ الرِّضَاءِ وَقُلُوْبَ الْفُقَرَاءِ اَوْعِيَةَ الْقَنَاعَةِ وَقُلُوْبَ اَهْلِ الدُّنْيَا اَوْعِيَةَ الطَّمْعِ

"پاک ہے وہ ذات جس نے عارفوں کے دلوں کو ذکر (وعظ و نصیحت حاصل کرنے) کی جگہ بنایا' زاہدوں کے

قلوب کو توکل کی جگہ بنایا، توکل کرنے والوں کے قلوب کو رضا کی جگہ بنایا اور فقراء کے قلوب کو قناعت کی جگہ بنایا اور اہل دنیا کے قلوب میں لالچ رکھ دیا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس ارشاد کا مطلب یہ ہے، جب اللہ تعالیٰ نے جس اور اعضاء کو پیدا کیا، تو اس میں مخصوص قسم کی طاقت اور توانائی رکھی، جیسے ہاتھ کو پکڑنے کا ذریعہ بنایا، پاؤں کو چلنے کی طاقت عطا کی، آنکھوں کی دیکھنے کی صلاحیت دی، کانوں کو سننے کی صلاحیت عطا کی، زبان کو بولنے کے لیے پیدا کیا، تو ان کی تخلیق اور ظہور میں زیادہ اختلاف نہیں رکھا، لیکن جب دل کو پیدا کیا، تو ہر دل کی مراد مختلف ہوتی ہے، ہر دل کا ارادہ مختلف ہوتا ہے، اور ہر دل کی خواہش مختلف ہوتی ہے، تو کسی کا دل معرفت کا مقام ہے، اور کسی کا دل گمراہی کی جگہ ہے، کسی کے دل میں قناعت پائی جاتی ہے، کسی کے دل میں حرص اور لالچ رکھ دیا گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے دل سے نرالی کوئی چیز پیدا نہیں کی۔

لوگوں کی دو اقسام

حضرت شیخ منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان بھی منقول ہے:

اَلنَّاسُ رَجُلَانِ عَارِفٌ بِنَفْسِہٖ فَشَغَلَہٗ فِی الْمَجَاھَدَاۃِ وَالرِّیَاضَۃِ وَعَارِفٌ بِرَبِّہٖ فَشَغَلَہٗ بِخِدْمَتِہٖ وَعِبَادَتِہٖ وَمَرْضَاتِہٖ

''لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں، یا وہ اپنے نفس کے عارف ہوتے ہیں، تو ان کا مشغلہ ریاضت و مجاہدہ ہوتا ہے، یا وہ حق تعالیٰ کے عارف ہوتے ہیں، تو ان کا مشغلہ عبادت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہوتا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی جو شخص اپنی ذات کا عارف ہوتا ہے، اس کی توجہ عبادت اور ریاضت کی طرف مبذول ہوتی ہے تاکہ اسے درجہ اور مقام حاصل ہو سکے، لیکن جو اپنے پروردگار کی معرفت حاصل کر لیتا ہے، اس کی توجہ ریاضت اور عبادت کی طرف مبذول نہیں ہوتی، بلکہ وہ عبادت اور ریاضت اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ بندگی کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کریں، ''فَشَتَّانَ مَابَیْنَ الرُّتْبَتَیْنِ'' تو ان دونوں مرتبوں کے درمیان بڑا فرق ہے، ایک بندہ مجاہدے میں قائم ہے، اور دوسرا مشاہدے میں قائم ہے، باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

حضرت شیخ منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان بھی منقول ہے:

اَلنَّاسُ رَجُلَانِ مُفْتَقِرٌ اِلَی اللہِ فَھُوَ فِیْ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ عَلٰی لِسَانِ الشَّرِیْعَۃِ وَالْاٰخَرُ لَایَرَی الْاِفْتِقَارَ لِمَا عَلِمَ مِنْ فَرَاغِ اللہِ مِنَ الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ وَالْاَجَلِ وَالْحَیَاتِ وَالسَّعَادَۃِ وَالشَّقَاوَۃِ وَھُوَ فِیْ اِفْتِقَارِہٖ اِلَیْہِ وَاسْتِغْنَائِہٖ بِہٖ عَنْ غَیْرِہٖ

''لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں، کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے محتاج ہوتے ہیں، تو یہ اعلیٰ درجات کے حصول کے لیے شرعی احکام کے پابند ہوتے ہیں، اور دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں، جو اپنے محتاج ہونے کی طرف

توجہ ہی نہیں کرتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں ہر مخلوق' اس کی زندگی کی آخری مدت' اس کی زندگی' اس کی سعادت یا بدبختی کو طے کر دیا ہے' تو ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیازمندی اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں (خواہ وہ ان کا اپنا ذاتی مرتبہ و مقام ہی کیوں نہ ہو)

تو پہلی قسم کا شخص اپنی محتاجی کے پردے میں محجوب ہے' اور دوسری قسم کا شخص محتاجی کی طرف توجہ نہ کرنے کی وجہ سے صاحبِ کشف ہے اور مرتبہ استغناء میں ہے' لہٰذا ایک نعمت کا طلب گار ہے' جبکہ دوسرا منعم کا طلب گار ہے' جو شخص نعمت کا طلب گار ہے وہ فقیر ہے' اگرچہ وہ بظاہر غنی ہو' جو شخص منعم کا طلب گار ہے' وہ اس کے دیدار کی لذت کی وجہ سے ہر چیز سے بے نیاز ہوگا' اگرچہ ظاہری طور پر وہ فقیر ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت شیخ ابو عبد اللہ احمد بن عاصم انطاکی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک اہل رضا کے پیشوا اور تمام اولیاء کرام کے نزدیک قابل تعریف شیخ احمد بن عاصم انطاکی جن کا شمار اہل معرفت کے اکابر مشائخ میں ہوتا ہے' آپ علم شریعت کے عالم تھے' اصول و فروع اور معاملات کے ماہر تھے' آپ نے طویل عمر پائی اور بہت سے اکابر مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے' آپ نے بہت سے تبع تابعین کی بھی زیارت کی ہے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے معاصرین میں سے ہیں' جبکہ آپ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں' انہیں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل ہے' اور یہ ان کی صحبت سے فیض یاب بھی ہوئے' جملہ مشائخ نے آپ کی تعریف کی ہے' علم طریقت اور اس کے مختلف فنون کے بارے میں ان کا کلام بہت بلند ہے' اور آپ کے بیان کردہ نکات اور اشارات انتہائی نفیس ہیں' آپ کے بارے میں یہ بات منقول ہے:

سب سے بہتر فقر

آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَنْفَعُ الْفَقْرِ مَا كُنْتَ بِهٖ مُتَجَمِّلًا وَّبِهٖ رَاضِيًا

"سب سے فائدہ مند فقر وہ ہے' جس سے تم آراستہ ہو اور تم اس پر راضی بھی ہو"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' مخلوق کے نزدیک عزت یہ ہوتی ہے' انہیں اسباب کی ملکیت حاصل ہو جائے' لیکن فقیر کے نزدیک حُسن و خوبی یہ ہوتی ہے' اس کے اسباب کی نفی ہو جائے اور سبب پیدا کرنے والی ذات موجود ہو اور اسی ذات کی طرف ہی اس کا رجوع ہو اور اس کے احکام پر عمل پیرا رہتے ہوئے رضا حاصل ہو جائے' اس کی وجہ یہ ہے' فقر کا مطلب یہ ہے' سبب موجود نہ ہو اور فنا کا مطلب یہ ہے' اسباب موجود ہوں' تو جس شخص کے ساتھ سبب موجود نہیں ہوتا وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے' لیکن جس شخص کے ساتھ سبب موجود ہوتا ہے وہ اپنے وجود کے ساتھ ہوتا ہے' کیونکہ سبب

حجاب کا محل ہے' اور سبب کو ترک کر دینا کشف کا مقام ہے' اور دونوں جہان کی دولت کشف اور رضا کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے' جبکہ تمام جہان کی ساری بُرائی حجاب کے اندر پائی جاتی ہے۔ یہ بیان غنا پر فقر کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔

حضرت شیخ عبداللہ بن خبیق رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' تقویٰ و پرہیزگاری کے راستے پر چلنے والے' نبی اکرم ﷺ کی امت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے زُہد کے طریقے پر عمل پیرا ہونے والے' شیخ ابومحمد عبداللہ بن خبیق ہیں' جو انتہائی زاہد اور پرہیزگار مشائخ میں سے ہیں۔ حدیث کی روایت میں آپ کا درجہ بلند ہے۔ علم فقہ' علم معاملات اور ان کے حقائق میں یہ حضرت سفیان ثوری کے مسلک پر عمل پیرا تھے۔ انہیں حضرت سفیان ثوری کے تلامذہ کی زیارت اور ان سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ طریقت اور تصوف کے بارے میں ان کا کلام انتہائی بلند ہے۔

لالچ کی مذمت

آپ کا یہ فرمان ہے۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ يَكُوْنَ حَيًّافِىْ حَيٰوتِهٖ فَلَا يَسْكُنِ الطَّمَعَ فِىْ قَلْبِهٖ

''جو شخص اپنی زندگی کے دوران زندہ رہنا چاہتا ہے اسے چاہیے' اپنے دل میں لالچ کو نہ آنے دے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی ہر چیز سے آزاد ہو جائے کیونکہ لالچ رکھنے والا شخص اپنی قید میں لالچ کی وجہ سے مردہ ہو جاتا ہے' اور لالچ دل پر لگنے والی ایک مہر ہے' اور یہ بات ظاہر ہے' جس دل پر مہر لگا دی گئی ہو وہ مردہ ہوتا ہے۔ وہ دل مبارک ہوتے ہیں' جو حق کے ساتھ زندہ رہتے ہیں' اور حق کے علاوہ ہر چیز کے حوالے سے مردہ ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ نے ذلت کو پیدا کیا ہے۔ لالچ ایک ذلت ہے' اور اس نے عزت کو بھی پیدا کیا ہے' اور ذکرِ الٰہی ایک عزت ہے۔

دل' ذکر کا مقام ہے

حضرت شیخ عبداللہ بن خبیق رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی منقول ہے۔

خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْقُلُوْبَ مَسَاكِنَ الذِّكْرِ فَصَارَتْ مَسَاكِنُ الشَّهْوَاتِ مِنَ الْقُلُوْبِ اِلَّا خَوْفٌ مُّزْعِجٌ اَوْ شَوْقٌ مُّغْلِقٌ

''اللہ تعالیٰ نے دلوں کو پیدا کیا اور انہیں ذکر کا مقام بنایا۔ پھر یہ شہوات کا مقام بن گئے تو یہ خواہشات دل سے اسی وقت دور ہو سکتی ہیں جب بے قرار کرنے والا خوف موجود ہو اور بے آرام کرنے والا شوق موجود ہو

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) خوف اور شوق ایمان کے دو ستون ہیں۔ دل ایمان کا محل ہوتا ہے' تو اس کے لیے مناسب یہ ہے' قناعت اور ذکر کی حالت میں ہو' نہ کہ لالچ اور غفلت کی حالت میں ہو' کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے' مومن شخص کا دل لالچی نہیں ہوتا اور انسانی خواہشات کا پیروکار نہیں ہوتا کیونکہ لالچ اور شہوت وحشت کا نتیجہ ہوتی ہیں' اور جو دل وحشت کا

شکار ہو وہ اللہ تعالیٰ اور ایمان دونوں سے بے گانہ ہوتا ہے' کیونکہ ایمان حق کے ساتھ مانوس ہوتا ہے' اور غیر حق سے اسے وحشت ہوتی ہے

جیسا کہ یہ کہا گیا ہے:

اَلطَّمَّاعُ مُسْتَوْحِشٌ مِنْهُ كُلُّ وَاحِدٍ "لالچی شخص سے ہر کسی کو وحشت ہوتی ہے"۔

*حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' طریقت کے شیخ المشائخ اور شریعت کے امام الائمہ' حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید قواریری ہیں' جو اہل ظاہر اور ارباب باطن کے نزدیک مقبول ترین شخصیت تھے۔ انہیں علم کے تمام فنون میں مکمل عبور حاصل تھا' سلوک اور معاملات کے اصول و فروع مسائل کے امام اور مفتی تھے۔ یہ فقیہہ ابوثور کے تلامذہ کے پیشوا سمجھے جاتے تھے۔ ان کا کلام نہایت بلند اور حال قابل تعریف تھا۔ تمام اہل طریقت آپ کی امامت پر متفق ہیں' اور کسی بھی دعویدار شخص کے لیے اس بارے میں اعتراض کرنے یا اس سے منہ موڑنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے تھے اور انہی کے مرید بھی تھے۔

ایک مرتبہ کسی نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: کیا کوئی مرید مرتبے میں اپنے پیر سے آگے بڑھ سکتا ہے؟

تو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ایسا ہو سکتا ہے' کیونکہ جنید کا مرتبہ مجھ سے بلند ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے تواضع اور انکساری کے طور پر یہ بات ارشاد فرمائی تھی' لیکن انہوں نے جو بات فرمائی' اس کا تعلق بصیرت کے ساتھ تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے' حقیقت یہ ہے' کوئی شخص اپنے سے بلند مرتبہ شخص کے درجے کو نہیں دیکھ سکتا۔ یہ دیکھنا صرف اس شخص سے متعلق ہوگا' جو نیچے کے درجے پر ہو' تو ان کا یہ فرمانا کہ میں نے جنید کو اپنے سے بلند مرتبے پر دیکھا ہے' اس کا لازمی مطلب یہ ہوگا' اگرچہ انہوں نے دیکھنے میں انہیں بلند محسوس کیا' لیکن درحقیقت وہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے نیچے کے مقام پر تھے۔

* حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

طبقات الصوفية: 163 155، حلية الاولياء: 10/ 287 255، تاريخ بغداد: 7/ 249 241، الرسالة القشيرية: 19 18، طبقات الحنابلة: 1/ 129 127، الانساب: 463/ ب، المنتظم: 6/ 106 105، صفة الصفوة: 2/ 424 416، وفيات الاعيان: 1/ 375 373، العبر: 2/ 111 110، دول الاسلام: 1/ 181، مرآة الجنان: 2/ 236 231، طبقات الشافعية للسبكي: 2/ 275 260، البداية والنهاية 11/ 115 113، طبقات الاولياء: 136 126، النجوم الزاهرة: 3/ 170 168، شذرات الذهب: 2/ 230 228، روضات الجنات: 165 .164

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی باخبری

یہ واقعہ مشہور ہے' ایک دفعہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں مریدین نے حضرت جنید سے درخواست کی' آپ ہمیں وعظ کیا کیجئے جس کے ذریعے ہمارے دلوں کو چین وقرار حاصل ہو' تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا' جب تک میرے شیخ حیات ہیں' میں وعظ نہیں کر سکتا۔[1] ایک مرتبہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سوئے تو آپ کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ حکم دیا' اے جنید! لوگوں کو وعظ کیا کرو تاکہ تمہارا کلام لوگوں کے لیے سکون اور راحت کا باعث بنے اور تمہارے کلام کے ذریعے اہل دنیا کو نجات نصیب ہو۔ جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بیدار ہوئے' تو انہوں نے یہ سوچا: شاید میرا مرتبہ میرے شیخ سے بڑھ گیا ہے' کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دعوت وتبلیغ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اسی دن صبح کے وقت حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو یہ ہدایت کی: جنید کے پاس جاؤ اور جب وہ نماز کے بعد سلام پھیر لے تو اسے کہنا' تم نے اپنے پیر بھائیوں کی بات نہیں مانی' بغداد کے مشائخ نے سفارش کی اسے قبول نہیں کیا۔ میں نے بھی تمہیں ہدایت کی تھی تم نے اس کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ اب تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دے دیا ہے اب تو تمہیں ماننا پڑے گا (جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ پیغام ملا) تو وہ یہ فرماتے ہیں: میرے ذہن سے یہ خیال نکل گیا کہ (میں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا ہم مرتبہ ہو سکتا ہوں) اور مجھے اس بات کا پتہ چل گیا' حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ میرے ظاہر اور باطن کے تمام احوال سے آگاہ ہیں' جبکہ مجھے ان کی حالت کے بارے میں کوئی پتہ نہیں ہے۔ اس وقت میں جناب سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور ان سے دریافت کیا: آپ کو یہ بات کیسے پتہ چلی؟ میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے' تو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: میں نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنید کے پاس بھیجا ہے تاکہ وہ اسے یہ ہدایت کریں' وہ وعظ ونصیحت کیا کرے' تاکہ اہل بغداد کی خواہش پوری ہو جائے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس واقعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے' شیخ ہر حالت میں مرید کے احوال سے آگاہ ہوتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بہت بلند اور باریک نکات پر مشتمل ہے۔

آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

كَلَامُ الْاَنْبِيَاءِ نَبَأٌ عَنِ الْحُضُوْرِ وَكَلَامُ الصِّدِّيْقِيْنَ اِشَارَةٌ عَنِ الْمُشَاهَدَاتِ۔

---

[1] سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ انہی الفاظ میں نقل کیا ہے جس کا ترجمہ ہم نے یہاں تحریر کیا ہے البتہ دیگر کتابوں میں یہ بات مذکور ہے' سب سے پہلے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائیوں نے وعظ کی درخواست کی تھی' جس کے جواب میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے معذرت کی' پھر علمائے بغداد نے ان سے فرمائش کی' انہوں نے پھر معذرت کر لی' پھر حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں وعظ کہنے کی ہدایت کی' لیکن انہوں نے اپنی کم علمی کا عذر پیش کیا' پھر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے نقل کردہ واقعے کے آخری حصے سے بھی اس کی تائید ہو جاتی ہے۔

”انبیاء کا کلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری سے متعلق ہوتا ہے‘ جبکہ صدیقین کا کلام مشاہدے کے بارے میں اشارات پر مشتمل ہوتا ہے“۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) خبر کی درستگی نظر (جائزہ لینے) پر مبنی ہوتی ہے‘ اور مشاہدے کی درستگی فکر پر مبنی ہوتی ہے۔ خبر ہمیشہ اصل چیز کے بارے میں دی جاتی ہے‘ اور اشارے کا تعلق غیر سے ہوتا ہے۔ اس لیے صدیقین کا جو کمال کا مرتبہ ہے‘ اور آخری درجہ ہے وہاں سے انبیاء کے حال کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے نبی اور ولی کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے‘ اور انبیاء کی اولیاء پر فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف ملحدین کے دو گروہ اس بات کے قائل ہیں: وہ اولیاء کو انبیاء پر فضیلت دیتے ہیں۔

شیطان سے ملاقات

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے۔ (وہ فرماتے ہیں)

ایک دفعہ مجھے شیطان دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ ایک دن میں مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دور سے ایک عمر رسیدہ شخص کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ جب وہ میرے سامنے واضح ہوا‘ تو مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ جب وہ میرے نزدیک آیا تو میں نے اس سے دریافت کیا: تم کون ہو؟ وحشت کی وجہ سے میری آنکھ تمہیں دیکھ نہیں سکتی اور ہیبت کی وجہ سے میرے ذہن میں تمہارا خیال بھی نہیں آ سکتا‘ تو اس نے جواب دیا: میں وہی ہوں جس کو دیکھنے کی آپ کو آرزو تھی‘ میں نے اس سے کہا: اے محروم! تم نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اس نے کہا: اے جنید! تمہارا کیا خیال ہے؟ میں غیر اللہ کو سجدہ کر لیتا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اس کی بات سن کر بہت حیران ہوا‘ تو مجھے غیب سے آواز آئی۔

”قُلْ لَهٗ كَذَبْتَ لَوْ كُنْتَ عَبْدًا مَّامُوْرًا لِمَا خَرَجْتَ مِنْ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ فَسَمِعَ النِّدَاءَ مِنْ قَلْبِيْ فَصَاحَ وَقَالَ اَحْرَقْتَنِيْ بِاللّٰهِ وَغَابَ“

”تم اسے جواب دو۔ تم جھوٹ بول رہے ہو! اگر تم واقعی بندے ہوتے تو اس کے حکم سے سرتابی نہ کرتے۔ شیطان نے میرے دل میں آنے والی یہ آواز سن لی اور چیخ مار کر بولا۔ خدا کی قسم! اے جنید! تم نے مجھے جلا دیا ہے یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ واقعہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی حفاظت کی دلیل ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو ہر حالت میں شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھتا ہے۔

ایک مرید کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید ان سے کسی بات پر ناراض ہو گیا۔ اس نے سمجھا کہ شاید میں بھی کسی مرتبے پر پہنچ گیا ہوں۔ اس لیے وہ آپ کے پاس آنا چھوڑ گیا۔ ایک دن وہ اس خیال سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا‘ میں

آپ کا امتحان لوں گا' تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی باطن کی نگاہ کے ذریعے اس کی سوچ پر مطلع ہو گئے۔ انہوں نے اس مرید سے دریافت کیا: تمہیں اپنا جواب عبارت میں چاہیے یا عملی طور پر چاہیے۔ اس نے جواب دیا: دونوں طرح سے چاہیے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم لفظوں میں اس کا جواب چاہتے ہو تو یہ ہے' میرا امتحان لینے سے پہلے اگر تم نے اپنا امتحان لے لیا ہوتا تو تمہیں میرا امتحان لینے کی ضرورت پیش نہ آتی اور اس کا عملی جواب یہ ہے' میں تمہیں ولایت کے منصب سے معزول کر رہا ہوں۔ یہ بات سنتے ہی اس مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور وہ چیخنے لگا اور بولا: میرے دل سے یقین کی راحت کم ہونا شروع ہو گئی ہے۔ پھر اس نے توبہ و استغفار شروع کر دی اور اپنے غلط خیالات کو ذہن سے نکال دیا تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ارشاد فرمائی: کیا تمہیں پتہ نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کے ولی صاحب اسرار ہوتے ہیں' اور تم ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ کہہ کر آپ نے اس کو دم کیا' تو وہ دوبارہ اپنی مراد پر فائز ہو گیا۔

اس کے بعد اس مرید نے مشائخ کے بارے میں بدگمانی کرنے سے توبہ کر لی۔

*ابوالحسن احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک صوفیاء کے پیشوا' تکلف کی آفت سے آزاد' شیخ حضرت الحسن احمد بن محمد نوری خراسانی ہیں۔ آپ کے معاملات بہت بہتر تھے۔ آپ کے کلمات نہایت واضح تھے اور ان کے مجاہدات بہت بلند تھے۔ تصوف میں ان کا ایک خاص مکتبہ فکر تھا اور صوفیاء کے اس گروہ کو "نوری مکتبہ فکر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' جو صوفیاء ان کی پیروی کیا کرتے تھے اور ان سے عقیدت رکھتے تھے۔

صوفیاء کے کل بارہ مکاتب فکر ہیں جن میں سے دو مردود ہیں' اور دس مقبول ہیں۔ ان (دس مقبول) مکاتب فکر کے اسماء یہ ہیں۔

۱-محاسبی مکتبہ فکر' ۲-قصاری مکتبہ فکر' ۳-طیفوری مکتبہ فکر' ۴-جنیدی مکتبہ فکر' ۵-نوری مکتبہ فکر' ۶-سہلی مکتبہ فکر' ۷-حکیمی مکتبہ فکر' ۸-خرازی مکتبہ فکر' ۹-خفیفی مکتبہ فکر' ۱۰-سیاری مکتبہ فکر۔

یہ دس مکاتب فکر وہ ہیں' جو اہل تحقیق ہیں' اور ان کا تعلق اہل سنت والجماعت کے ساتھ ہے البتہ دو مکاتب فکر مردود ہیں ان میں سے ایک حلولی مکتبہ فکر ہے' جو حلول و امتزاج کی طرف خود کو منسوب کرتے ہیں۔ سالمی اور مشبہہ انہی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں' جبکہ دوسرا گمراہ مکتبہ فکر "حلاجی" ہے' جو الحاج کے دعویدار ہیں' اور شریعت کو ترک کرتے ہیں۔ اباحتی اور فارسی مکتبہ

---

* ابوالحسن احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

طبقات الصوفية: 169 164، حلية الاولياء : 10 / 255 249، تاريخ بغداد: 5 / 136 130، الرسالة القشيرية: 20 الانساب: 570 / ب، صفة الصفوة: 2 / 440 439، المنتظم: 6 / 77، البداية والنهاية: 11 / 106، طبقات الاولياء : 70 62، النجوم الزاهرة: 3

فکر انہی سے متعلق ہیں۔ اس کتاب میں ایک مستقل باب میں ان مکاتب فکر کے فرق کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے جس میں اہل سنت کے دس مکاتب فکر کے اختلاف کی میں وضاحت کروں گا' تاکہ تمہیں مکمل فائدہ حاصل ہو جائے۔

حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اس اعتبار سے نہایت قابل تعریف ہے' وہ دین کے معاملات میں کاہلی ترک کرنے' چشم پوشی ترک کرنے پر زور دیتے ہیں۔ مسلسل جدوجہد کی ہدایت کرتے ہیں۔

ان کے بارے میں یہ بات منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ مسند ارشاد پر بیٹھے ہوئے ہیں (یعنی تقریر کر رہے ہیں)۔ میں نے ان سے کہا:

"یَا اَبَاالْقَاسِمِ غَشَیْتَهُمْ فَصَدَ رُوْكَ وَنَصَحْتُهُمْ فَرَمُوْنِیْ بِالْحِجَارَةِ"

"اے ابوالقاسم! آپ نے ان لوگوں سے حق کو چھپایا تو انہوں نے آپ کو مسند پر بٹھا دیا اور میں نے ان لوگوں کو نصیحت کی تو یہ مجھے پتھر مارنے لگ پڑے"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' دین میں سستی کرنا نفس کی خواہش کے ساتھ موافقت رکھنے کے مترادف ہے' اور نصیحت کو اپنے خلاف سمجھنے کے مترادف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' انسان اس چیز کا دشمن ہوتا ہے' جو اس کے نفس کی خواہش کے خلاف ہوتی ہے' اور اس چیز کو پسند کرتا ہے' جو اس کے نفس کی خواہش کے مطابق ہوتی ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ' حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق تھے اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ انہوں نے بہت سے مشائخ کی زیارت کی۔ ان کی صحبت سے فیض اٹھایا۔ انہوں نے شیخ احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی وقت گزارا ہے۔ طریقت اور تصوف کے بارے میں شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے نفیس اشارات' خوبصورت اقوال اور بہت بلند پایہ نکات بیان کیے ہیں۔

حق کے ساتھ وابستگی

حضرت شیخ احمد بن نوری ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلْجَمْعُ بِالْحَقِّ تَفْرِقَةٌ عَنْ غَیْرِهٖ وَالتَّفْرِقَةُ مِنْ غَیْرِهٖ جَمْعٌ بِالْحَقِّ"

"حق کے ساتھ وابستگی' حق کے غیر کے ساتھ علیحدگی کا نام ہے' اور حق کے غیر سے علیحدگی' حق کے ساتھ وابستگی کا نام ہے"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' جس شخص کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوگا وہ اس کے غیر سے الگ ہو جائے گا' اور جو شخص اس کے غیر سے الگ ہوگا اللہ تعالیٰ سے رابطہ میں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے' اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے رابطہ میں کرنا مخلوق کے خیال سے خود کو الگ کرنا ہے' تو جب انسان موجودات سے منہ موڑ لیتا ہے' تو حق کی طرف اس کی توجہ

درست ہو جاتی ہے' کیونکہ دو متضاد چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔

بلند آواز میں ذکر

حکایات میں یہ بات منقول ہے۔ایک مرتبہ حضرت احمد بن محمد نوری تین دن اور تین راتوں تک گھر میں ایک ہی جگہ پر کھڑے ہو کر بلند آواز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہے۔ جب لوگوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو اس بارے میں بتایا تو وہ حضرت نوری کے پاس تشریف لائے اور بولے: اے ابوالحسن! اگر آپ جانتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے سامنے شور و غوغا کرنا فائدہ مند ہے' تو مجھے بتائیں تا کہ میں بھی یہ کروں اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں: اس بلند آواز کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے' تو پھر آپ کو تسلیم و رضا کو اختیار کرنا چاہیے تا کہ آپ کا دل خوش اور مطمئن ہو جائے' تو حضرت احمد بن نوری نے بلند آواز میں ذکر کرنا چھوڑ دیا اور بولے: اے ابوالقاسم! آپ میرے لیے اچھے استاد ثابت ہوئے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَعَزُّ الْاَشْیَاءِ فِیْ زَمَانِنَا شَیْئَانِ عَالِمٌ یَعْمَلُ بِعِلْمِهٖ وَعَارِفٌ یَّنْطِقُ عَنِ الْحَقِیْقَةِ

''ہمارے زمانے میں دو چیزیں ایسی ہیں' جو سب سے زیادہ قابل احترام ہیں۔ایک وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل کرے' اور دوسرا وہ عارف جو اپنے حال کی حقیقت کے مطابق گفتگو کرے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' ہمارے زمانے میں علم اور معرفت دونوں قابل احترام ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے' عمل کے بغیر علم درحقیقت علم نہیں ہوتا۔اپنی ذات کی حقیقت کے بغیر معرفت' درحقیقت معرفت نہیں ہوتی۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس بزرگ نے اگرچہ اپنے زمانے کے مطابق یہ بات کہی تھی' لیکن یہ دونوں چیزیں ہر زمانے میں قابل احترام رہی ہیں' اور آج بھی اسی طرح قابل احترام ہیں۔ جب کوئی شخص کسی عالم' کسی عارف کی تلاش شروع کرے تو اس کا وقت برباد ہو جاتا ہے' لیکن اسے کوئی عارف یا عالم نہیں ملتا تو اسے اپنی ذات میں مشغول ہو جانا چاہیے' سارا جہاں اسے عالم نظر آئے گا۔ وہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے' اسے سارا جہاں عارف نظر آئے گا۔ جس چیز کا ادراک مشکل ہو اس کی تلاش کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ معرفت کو اپنی ذات سے طلب کرنا چاہیے' عمل اور حقیقت کو بھی اپنی ذات سے طلب کرنا چاہیے۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ عَلِمَ الْاَشْیَاءَ بِاللّٰهِ فَرُجُوْعُهٗ فِیْ كُلِّ شَیْئٍ اِلَی اللّٰهِ

''جو شخص یہ جان لیتا ہے' ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' تو ہر چیز میں اس شخص کا رجوع' اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوتا ہے''۔

(سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی پھر اس شخص کی توجہ چیزوں کی طرف باقی نہیں رہتی ہے' کیونکہ ملک اور ملک کا قیام مالک کی ذات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے' تو جب دل کو خالق کائنات سے تسکین ہوتی ہے' تو اس وقت کائنات کی طرف انسان کی توجہ نہیں ہوتی۔ اگر اشیاء کو افعال کی علت سمجھ لیا جائے' تو انسان ہمیشہ تکلیف کا شکار رہے۔ کسی بھی چیز کی طرف رجوع کرنا اس کے لیے شرک ہو جائے گا' لیکن جب وہ مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرے گا' تو وہ کسی دوسرے میں مشغول ہونے سے نجات پالے گا۔

حضرت سعید بن اسماعیل حیری رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک بزرگ اسلاف کو آگے کرنے والے' اپنے اسلاف کے (سچے) جانشین' حضرت شیخ ابوعثمان سعید بن اسماعیل حیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کا شمار قدیم اور جلیل القدر حضرات میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے زمانے کی منفرد شخصیت تھے۔ اولیاء کرام کے دلوں میں آپ کی بہت قدر و منزلت تھی۔ پہلے حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اس کے بعد ایک طویل عرصے تک حضرت شاہ شجاع کرمانی کی صحبت میں رہے۔ اس کے بعد شیخ ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نیشاپور آ گئے' اور بقیہ تمام زندگی وہیں ان کی صحبت میں گزار دی۔

شیخ حیری رحمۃ اللہ علیہ کا ابتدائی احوال

اپنے احوال کے بارے میں یہ خود بیان کرتے ہیں: بچپن ہی میں میرا دل حقیقت کی طلب میں مشغول تھا اور میرے ذہن کو اہل ظاہر سے الجھن ہوتی تھی۔ میں یہ سوچتا تھا' عام لوگ جس ظاہری حالت میں ہیں اس کے علاوہ کوئی اور باطنی حالت بھی ہوگی۔ یہاں تک کہ میں بالغ ہو گیا تو ایک دن میں حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں پہنچا۔ وہاں میں نے باطنی حقیقت اور اپنے مقصود کے چشمے کو بہتے ہوئے دیکھا۔ میں نے ان کی صحبت کو اختیار کر لیا۔ پھر کچھ لوگ حضرت شاہ شجاع کرمانی کی خدمت میں سے حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ جب میں نے ان لوگوں سے حضرت شاہ شجاع کرمانی کی باتیں سنیں تو میرے ذہن میں ان کی زیارت کا خیال آ گیا اور میں ''رے'' (تہران) سے روانہ ہو کر ''کرمان'' چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے بہت کوشش کی کہ حضرت شاہ شجاع کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں' لیکن انہوں نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دی اور اور ارشاد فرمایا: تم رجاء (امید) کے مقام سے تربیت یافتہ ہو۔ تم یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے ہو جن کا مخصوص مقام رجاء ہے۔ جس شخص کو رجاء کا مشرب حاصل ہو جائے' وہ طریقت کے راستے پر گامزن نہیں رہ سکتا کیونکہ رجاء کے نظریے کی تقلید کرنے کے نتیجے میں کاہلی اور سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ میں ان کی بہت منت و سماجت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بیس دن ان کی خانقاہ کے برآمدے میں پڑا رہا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دی۔ پھر میں ایک طویل عرصے تک ان کے ساتھ رہا۔ ان کے مزاج

میں غیرت کا عنصر زیادہ تھا۔ ایک مرتبہ وہ حضرت شیخ ابوحفص کی زیارت کرنے کے لیے نیشاپور جانے لگے تو میں بھی ان کے ہمراہ چل پڑا۔ جب ہم حضرت شیخ ابوحفص کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت شاہ شجاع کرمانی نے قیمتی قباء پہنی ہوئی تھی۔ جب حضرت شیخ ابوحفص نے انہیں دیکھا' تو ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور استقبال کے لیے تیزی سے آگے بڑھ کر ارشاد فرمایا:

"وَجَدتُّ فِی الْقَبَاءِ مَاطَلَبْتُ فِی الْعَبَاءِ"

"میں جس چیز کو عباء میں تلاش کر رہا تھا وہ مجھے قباء میں مل گئی ہے"۔

شاہ شجاع کرمانی کافی عرصے تک وہاں مقیم رہے۔ میری یہ خواہش ہوئی' میں شیخ ابوحفص سے استفادہ کروں' لیکن شاہ شجاع کرمانی کا رعب اور دبدبہ اس کے لیے رکاوٹ رہا۔ حضرت شیخ ابوحفص نے بھی میری اس خواہش کو ملاحظہ کر لیا۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگتا رہا کہ شیخ ابوحفص کا ساتھ میسر آ جائے' اور اس طرح آئے کہ حضرت شاہ شجاع کرمانی بھی ناراض نہ ہوں۔ جب حضرت شاہ شجاع کرمانی وہاں سے واپسی کے لیے روانہ ہونے لگے تو میں نے بھی سفر کی تیاری کر لی حالانکہ میرا دل حضرت شیخ ابوحفص کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ اس وقت حضرت شیخ ابوحفص نے حضرت شاہ شجاع کرمانی سے یہ فرمایا: آپ اپنی خوشی سے اس نوجوان کو یہاں چھوڑ دیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی' تو شاہ شجاع کرمانی نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: شیخ کی خواہش کو پورا کرو (یعنی تم یہیں ٹھہر جاؤ)۔

تو شاہ شجاع کرمانی وہاں سے تشریف لے گئے' اور میں وہیں قیام پذیر ہو گیا۔ میں نے حضرت شیخ ابوحفص کی خدمت میں بڑے عجائب وغرائب کا مشاہدہ کیا۔ وہ مجھ پر بہت زیادہ شفقت کیا کرتے تھے۔

شیخ حیری رحمۃ اللہ علیہ کی تین منازل

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کو تین بزرگوں کی صحبت کے ذریعے تین منازل سے گزارا اور یہ تینوں منازل اس بیان میں موجود ہیں۔ پہلی منزل "مقام رجاء" تھا جو حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں حاصل ہوا۔ دوسری منزل "مقام غیرت" تھا جو حضرت شاہ شجاع کرمانی کے ساتھ رہ کر حاصل ہوا' اور تیسری منزل "مقام شفقت" تھا جو حضرت شیخ ابوحفص کی خدمت میں رہ کر حاصل ہوا۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) طریقت میں یہ بات جائز ہے' کسی مرید کو پانچ' چھ یا اس سے زیادہ مشائخ کی صحبت میں رہ کر (ہر شیخ سے) کوئی مخصوص منزل حاصل ہو اور شیخ اپنی زیرِ نگرانی اسے کسی مخصوص مقام کا کشف کروا دے' لیکن سب سے بہتر طریقہ یہ ہے' مرید اپنے مقام کے حوالے سے کسی شیخ کو ملوث نہ کرے' اور اس مخصوص مقام کی حد تک شیخ کو محدود ظاہر نہ کرے' بلکہ وہ یہ سمجھے کہ ان کے ساتھ میں میرا حصہ اتنا ہی تھا۔ ان کا مرتبہ تو ان سے کہیں بلند ہے' لیکن میرے نصیب میں ان کا ساتھ اتنا ہی تھا جتنا مجھے مل گیا تھا۔ یہ طریقہ ادب کے مقام کے زیادہ نزدیک ہے' ویسے بھی حق کے راستے پر چلنے والوں کا

مقام اور احوال کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

جب حضرت ابو شیخ عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ نے نیشاپور اور خراسان میں تصوف کی ترویج و اشاعت شروع کی تو بعد انہیں حضرت جنید بغدادی' حضرت رویم بن احمد' حضرت یوسف بن حسین' حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہم کی خدمت میں بھی حاضر ہونے کا موقعہ ملا۔ جس طرح سے حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف مشائخ سے فائدہ اٹھایا۔ اس طرح کسی اور بزرگ نے مختلف مشائخ سے فائدہ نہیں اٹھایا ہوگا۔ اہل نیشاپور نے حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کو منبر پر بٹھا دیا تاکہ وہ لوگوں کو تصوف کے رموز و اسرار سمجھایا کریں۔ ان کی تحریریں بلند ہیں' اور علم طریقت کے علوم کے بارے میں ان کی روایات قابل قدر ہیں۔

صاحبِ معرفت گناہوں سے بچے

حضرت شیخ ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

حَقٌّ لِمَنْ عَزَّهُ اللّٰهُ بِالْمَعْرِفَةِ اَنْ لَّا يَذُلَّ لَهٗ بِالْمَعْصِيَةِ

''جس شخص کو اللہ تعالیٰ معرفت کے ذریعے عزت عطا کردے اس پر لازم ہے' وہ خود کو گناہ کے ذریعے ذلیل نہ کرے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس فرمان کا تعلق انسان کے کسب کے مجاہدے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مکمل پابندی سے ہے۔ اگر اس قول کا یہ مفہوم مراد لیا جائے' اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق یہی ہے' وہ کسی کو اپنی معرفت عطا کرتا ہے' تو پھر اس شخص کو گناہ کے ذریعے ذلیل نہ کرے تو یہ مفہوم بھی درست ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے' معرفت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہوتی ہے' اور معصیت بندے کا فعل ہوتا ہے' تو جب کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ معرفت کے ذریعے عزت نصیب ہوجائے' تو پھر یہ ممکن نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ اسے کسی فعل کے ذریعے ذلت کا شکار کرے۔ یہی وجہ ہے' جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی معرفت عطا کی تو اپنے کسی فعل کے ذریعے انہیں کمتر نہیں کیا۔

حضرت احمد بن یحییٰ بن الجلا رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' معرفت کے سہیل' محبت کے قطب شیخ ابو عبداللہ احمد بن یحییٰ بن الجلا ہیں' جو صوفیا کے اکابر مشائخ میں سے ایک ہیں' اور اپنے وقت کے سادات میں سے تھے۔ ان کا طریقہ نہایت عمدہ اور بہترین تھا۔ انہوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی۔ اس کے علاوہ حضرت ابو الحسن اور دیگر بہت سے اکابر مشائخ کی زیارت کی۔ ان کا کلام بہت بلند ہے' اور ان کے حقائق کے بارے میں بیان کردہ اشارات بہت لطیف ہیں۔ ان کا یہ فرمان منقول ہے۔

عارف کی توجہ

وہ فرماتے ہیں:

هِمَّةُ الْعَارِفِ اِلٰى مَوْلَاهُ وَلَمْ يَعْطِفْ عَلٰى شَيْءٍ سِوَاهُ

''عارف شخص کی مکمل توجہ اپنے مولا کی طرف ہوتی ہے۔ وہ اپنے مولا کے علاوہ کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوتا''۔

(سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' عارف شخص کے پاس معرفت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اس کے دل کا تمام تر سرمایہ معرفت ہوتی ہے۔ اس لیے اس کی توجہ صرف اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' وہم اور خیالات کا پریشان کرنا رنج اور غم کا باعث ہوتا ہے' اور یہ رنج اور غم انسان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہٹا دیتے ہیں۔

شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کی آزمائش

شیخ احمد بن یحییٰ بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ میں نے ایک خوبصورت مجوسی نوجوان کو دیکھا وہ بہت وجیہہ وشکیل تھا۔ میں اس کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوا۔ میں اسے دیکھ کر ٹھہر گیا اسی دوران حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے گزرے تو میں نے ان سے کہا: حضور! کیا اللہ تعالیٰ اس خوبصورت چہرے کو آگ میں جلا دے گا؟ تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''اے فرزند! یہ نفس کا کھیل ہے' جو تمہیں لاحق ہو گیا ہے۔ یہ عبرت حاصل کرنے کی صورت نہیں ہے' کیونکہ اگر تم عبرت کی نگاہ سے دیکھتے تو تمہیں اس کائنات کے ہر ذرے میں اس طرح کی عجیب وغریب چیزیں نظر آتیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی اس بے حرمتی کی وجہ سے تمہیں جلدی سزا ملے گی''۔

شیخ احمد بن یحییٰ بیان کرتے ہیں: اس کے بعد حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ منہ پھیر کر وہاں سے تشریف لے گئے' اور اسی وقت میرے حافظے میں سے قرآن مجید فراموش ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں نے ایک طویل عرصے تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی اور اس سے مدد مانگتا رہا تو اس کے بعد مجھے حفظ کی نعمت دوبارہ نصیب ہوئی۔ اب مجھ میں یہ جرأت نہیں ہے' کائنات میں کسی چیز کی طرف توجہ کروں' یا اپنا وقت کسی غیر کے نظارے میں برباد کر دوں۔

حضرت رویم بن احمد رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' اپنے زمانے کی نادر شخصیت' اپنے زمانے کے پیشوا' شیخ ابومحمد رویم بن احمد ہیں' جو اکابر مشائخ میں سے ایک ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مقرب وراز دار تھے۔ آپ تمام فقہاء کے پیشوا حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

کے ہم مشرب تھے۔ علم تفسیر اور علم قرأت میں مکمل مہارت حاصل تھی' دیگر تمام علوم وفنون میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے' کوئی شخص ان کا ہم پلہ نہیں تھا۔ ان کا حال بلند تھا اور مقام رفعت والا تھا۔ سیر وسیاحت میں مقام تجرید پر فائز تھے اور عبادت و ریاضت کے حوالے سے مقام تفرید کے مالک تھے۔ آخری دور میں انہوں نے خود کو اہل دنیا سے پوشیدہ رکھنے کے لیے قضاء کا منصب قبول کر لیا تھا' لیکن ان کا مرتبہ ومقام اتنا بلند تھا' وہ اس طرح بھی چھپ نہیں سکا۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا خراجِ تحسین

ان کے بارے میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان منقول ہے۔

''ہم بظاہر دنیا سے فارغ ہو کر بھی حقیقت میں اس میں پھنسے ہوئے ہیں' اور ''رویم'' بظاہر دنیا میں مشغول رہ کر بھی اس سے فارغ ہیں''۔

علم طریقت میں آپ نے تحریریں یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں بطور خاص سماع کے مسئلے پر آپ کی تصنیف ''غلط الواجدین'' مجھے بہت پسند ہے۔

شیخ رویم رحمۃ اللہ علیہ کی عاجزی وانکساری

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا: ''كَيْفَ حَالُكَ'' آپ کی حالت کیا ہے' تو انہوں نے جواب دیا:

''كَيْفَ حَالُ مَنْ دِيْنُهُ هَوَاهُ وَهِمَّتُهُ دُنْيَاهُ لَيْسَ هُوَ بِصَالِحٍ تَقِيٍّ وَلَا بِعَارِفٍ نَقِيٍّ''

''اس شخص کا حال کیا ہو سکتا ہے' جس کا دین اس کی خواہش نفس ہو۔ جس کا مقصد دنیا ہو' نہ وہ نیک پرہیز گار شخص ہو اور نہ ہی صاف ستھرا عارف ہو''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) انہوں نے اپنے نفس کے عیوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' نفس کے نزدیک دین صرف خواہشات کا نام ہے' اور نفس کے پیروکار لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کو دین قرار دے دیتے ہیں' اور اپنی خواہشات کی پیروی کو شریعت کی فرمانبرداری کا نام دے دیتے ہیں۔ جو شخص ان کے طریقے پر چلتا ہے اگر چہ وہ بدعتی ہی کیوں نہ ہو ان کے نزدیک وہ شخص دین دار ہوتا ہے' اور جو شخص ان لوگوں کے طریقے کے خلاف چلتا ہو وہ درحقیقت پرہیز گار ہی کیوں نہ ہو: اسے بے دین قرار دیا جاتا ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ہمارے زمانے میں یہ فتنہ بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ ہم اس طرح کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کرنے والے شخص کی توجہ اس زمانے کے حالات کی طرف مبذول کروائی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے' سوال کرنے والا شخص خود اس آفت میں مبتلا ہو' تو انہوں نے اس کی اصلاح کے لیے اس کیفیت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیا ہو اور یہ کسی کی اصلاح کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

حضرت یوسف بن حسین رازی رحمۃ اللہ علیہ

ان میں سے ایک اپنے زمانے کی ایک نادر شخصیت، بلند مرتبے کے مالک، ابویعقوب یوسف بن حسین رازی ہیں۔ آپ اکابر اور متقدمین مشائخ میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی بہت عمدگی کے ساتھ گزاری۔ یہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ انہیں بہت سے مشائخ کی صحبت میں رہنے اور ان کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

سب سے زیادہ ذلیل درویش

ان کا یہ فرمان منقول ہے:

اَذَلُّ النَّاسِ الْفَقِيْرُ الطَّمَاعُ وَاَعَزُّهُمُ الْمُحِبُّ لِمَحْبُوْبِهِ الصِّدِيْقِ

''سب سے زیادہ ذلیل شخص وہ درویش ہوتا ہے، جو لالچی ہو اور سب سے زیادہ معزز شخص وہ محبت کرنے والا شخص ہوتا ہے، جو اپنے محبوب کا سچا وفادار ہو''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے، لالچ درویش کو دونوں جہان میں رسوائی کا شکار کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے، درویش اہل دنیا کی نظر میں بظاہر حقیر اور ذلیل ہوتا ہے، تو جب اس کے بعد لالچ بھی اس میں شامل ہو جاتی ہے، تو وہ اور زیادہ ذلیل ہو جائے گا۔ عزت والا خوشحال شخص ذلیل درویش سے بہت اچھا ہوتا ہے، اور لالچ کی وجہ سے درویش صرف ایک فریبی اور جھوٹا شخص ہوتا ہے، جبکہ دوسری طرف محبت کرنے والا شخص خود کو اپنے محبوب کی نظر میں ساری دنیا سے زیادہ ذلیل سمجھتا ہے، اور اس کے ساتھ انکساری کے ساتھ پیش آتا ہے، تو یہ سب کچھ لالچ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب لالچ ختم ہو جائے، تو ساری ذلت عزت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے، جب حضرت یوسف علیہ السلام کے لالچ میں رہی تب تک پریشانی کا شکار رہیں، لیکن جب ان کے دل سے لالچ ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا حسن اور جوانی ان کو واپس کر دیا۔

ویسے بھی بنیادی اصول یہ ہے، محبت کرنے والا اپنے محبوب کی طرف جتنی زیادہ توجہ کرتا ہے وہ اتنی ہی بے توجہی سے پیش آتا ہے، لیکن اگر محبت کرنے والا صرف دوستی پر اکتفا کر لے اور دوستی پر قناعت کرتے ہوئے اپنے محبوب سے بے نیاز ہو جائے، اور صرف دوستی کے ذریعے قرار اور سکون حاصل کر لے تو محبوب خود بخود اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ درحقیقت میں محبت کرنے والے کی عزت اس وقت تک ہوتی ہے، جب تک اسے وصل کا لالچ نہیں ہوتا جس وقت محبت کرنے والے کو وصل کا لالچ ہو جائے، اور وہ پورا نہ ہو، تو اس کی ساری عزت خاک ہو جاتی ہے۔ جس محبت کرنے والے کو دوستی کا احساس، دوست کے وصال کے بعد فراق سے بے نیاز نہ کر دے تو اس محبت کرنے والے شخص کی محبت خود غرضی پر مبنی ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سمنون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک، محبت کے آسمان کے سورج، طریقت کے معاملات کے پیشوا، حضرت شیخ ابوالحسن سمنون بن حمزہ الخواص ہیں، جو اپنے زمانے کی بے مثل شخصیت تھے اور (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) محبت میں بلند شان کے مالک تھے۔

تمام مشائخ ان کا احترام کیا کرتے تھے اور انہیں "سمنون المحب" کہا کرتے تھے، لیکن وہ خود (انکساری کے طور پر) اپنے آپ کو سمنون الکذاب کہا کرتے تھے۔ انہوں نے غلام الخلیل سے بہت تکلیفیں اٹھائیں کیونکہ عباسی خلیفہ کے سامنے اس نے بہت سی جھوٹی گواہیاں دی تھیں جن کی وجہ سے مشائخ بہت پریشانی کا شکار ہوئے۔ یہ غلام الخلیل نامی شخص ایک ریاکار شخص تھا اور اس کو پارسا اور صوفی ہونے کا دعویٰ تھا۔ اس نے خلیفہ اور اس کے درباریوں کے سامنے اپنے آپ کو مکر اور شعبدہ بازی کے حوالے سے مشہور کر رکھا تھا۔ اس نے دنیا کے عوض میں اپنے دین کو فروخت کر دیا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس طرح کے لوگ "ہمارے زمانے" میں بھی بہت سے ہیں۔

غلام الخلیل کا یہ مشغلہ تھا، وہ دربار میں درویشوں کی برائیاں بیان کیا کرتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا، خلیفہ ان مشائخ سے دور رہے اور خلیفہ کو ان مشائخ کی برکت حاصل نہ ہو اور غلام الخلیل کا مرتبہ دربار میں برقرار رہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) حضرت سمنون المحب اور ان کے زمانے کے دیگر مشائخ خوش قسمت ہیں: ان کا ایک دشمن ایسا تھا جبکہ ہمارے زمانے میں اہل طریقت کے کئی مخالفین ایسے ہیں، جو غلام الخلیل کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے، مردار (دنیا) گِدھوں (دنیا دار نام نہاد صوفیوں) کے لائق ہوتی ہے۔

ایک بدباطن کی مخالفت

حضرت سمنون المحب کو جب بغداد میں بہت شہرت حاصل ہوئی اور ہر کوئی ان کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا تو غلام الخلیل کو اس سے بہت تکلیف ہوئی۔ اس نے آپ کو تکلیف دینے کے لیے مختلف طریقے سوچنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس نے ایک خاتون کو حضرت سمنون المحب کے پاس بھیجا۔ اس نے آپ سے نکاح کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ خاتون حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئی۔ ان سے درخواست کی کہ آپ حضرت سمنون المحب سے کہیں: وہ مجھ سے شادی کر لیں تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ڈانٹ دیا۔ وہ عورت غلام الخلیل کے پاس آئی اور جس طرح خواتین الزام لگاتی ہیں۔ اسی طرح اس نے سمنون المحب پر بھی الزام لگا دیا۔ غلام الخلیل نے اس عورت کے الزام کو سنا بالکل اسی طرح جیسے کوئی دشمن سنتا ہے، اور خلیفہ کے سامنے جا کر اس کو بیان کر کے اس کو بھڑکا دیا۔ خلیفہ وقت نے سمنون المحب کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ جلاد کو بلوایا گیا، خلیفہ اسے قتل کا حکم دینا چاہتا تھا، لیکن اس کی زبان بند ہو گئی (قتل کا فیصلہ مؤخر ہو گیا)۔ رات کے وقت خلیفہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص یہ کہہ رہا ہے اگر حضرت سمنون المحب کی جان چلی گئی تو تمہاری

حکومت بھی ختم ہو جائے گی' تو اگلے دن خلیفہ نے ان سے معافی مانگی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ان کا کلام بہت بلند مرتبہ ہے' اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کی حقیقت کے بارے میں ان کے بیان کردہ نکات بہت باریک ہیں۔

ایک مرتبہ یہ حجاز سے تشریف لا رہے تھے۔ ''فید'' نامی شہر کے لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ہمیں وعظ و نصیحت کریں۔ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بات کرنے لگے' لیکن سننے والوں نے توجہ نہ دی۔ انہوں نے قندیلوں کی طرف رُخ کر کے فرمایا: میں تم سے مخاطب ہوں' تو وہ تمام قندیلیں گر کر یہ کہہ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔

محبت کی تعبیر کیسے کی جائے؟

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

لَا يُعَبَّرُ عَنْ شَيْئٍ اِلَّابِمَا هُوَ اَرَقُّ مِنْهُ وَلَا شَيْئٍ اَرَقُّ مِنَ الْمَحَبَّةِ فَبِمَ يُعَبَّرُ عَنْهَا

''کسی بھی چیز کی تعبیر اس چیز کے ذریعے کی جا سکتی ہے' جو اس سے زیادہ نازک ہو اور محبت سے زیادہ نازک اور کوئی چیز نہیں ہوتی تو پھر اس کی تعبیر اس کے ذریعے کیسے کی جائے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' عبارت کا محبت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے' کیونکہ عبارت تعبیر کرنے والے کی صفت ہوتی ہے' اور محبت محبوب کی صفت ہوتی ہے۔ اس لیے عبارت کے ذریعے حقیقت کو نہیں سمجھا جا سکتا۔

شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' مشائخ کے بادشاہ' جن کے احوال میں تبدیلی منسوخ ہوئی' شیخ ابوالفوارس شاہ شجاع کرمانی ہیں' جو بادشاہوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے زمانے کی بے نظیر شخصیت تھے۔ انہوں نے شیخ ابوتراب نخشبی کی صحبت سے فیض اٹھایا اور بہت سے مشائخ کا زمانہ پایا ہے۔ شیخ ابوعثمان الحیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے ضمن میں ہم نے ان کے حالات بیان کئے ہیں۔ تصوف میں ان کے بیان کردہ نکات بہت مشہور ہیں۔ آپ نے ایک کتاب بھی تحریر کی تھی جس کا نام ''مرأة الحکماء'' ہے۔ ان کا کلام بہت بلند پایہ ہے۔

حقیقی فضیلت اور ولایت

آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

لِاَهْلِ الْفَضْلِ فَضْلٌ مَالَمْ يَرَوْهُ فَاِذَا رَاَوْهُ فَلَا فَضْلَ لَهُمْ وَلِاَهْلِ الْوِلَايَةِ وَلَايَةٌ مَالَمْ يَرَوْهَا فَاِذَا رَاَوْهَا فَلَا وِلَايَةَ لَهُمْ۔

''فضیلت والوں کی فضیلت اس وقت تک ہوتی ہے' جب تک وہ فضیلت کو نہ دیکھ لیں۔ ولایت والوں کی

ولادت اس وقت تک ہوتی ہے' جب تک اس ولایت کو نہ دیکھ لیں۔ جب وہ اسے دیکھ لیتے ہیں' تو ان کی ولایت باقی نہیں رہتی''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' جہاں فضل اور ولایت موجود ہوتے ہیں وہاں ان کی طرف دیکھنا ساقط ہو جاتا ہے' اور جب دیکھنے کی کیفیت حاصل ہو جائے' تو ان کا مفہوم ساقط ہو جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے' فضیلت ایک ایسی صفت ہے' جس میں فضیلت کو دیکھنا درست نہیں ہوگا کیونکہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے' میں فاضل ہوں یا ولی ہوں تو وہ شخص نہ فاضل رہتا ہے نہ ولی رہتا ہے۔ آپ کی تصنیف میں یہ بات تحریر ہے' آپ چالیس برس تک سوئے نہیں تھے۔ ایک مرتبہ جب سوئے تو خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا' تو عرض کیا: اے میرے معبود! میں تو تجھے رات کی بیداری میں ڈھونڈ رہا تھا (اور تو مجھے خواب میں مل گیا ہے) تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے شاہ! تم نے ان بیداریوں کی وجہ سے مجھے خواب میں پایا ہے' اگر تم ان راتوں میں سوئے ہوتے تو آج مجھے نہ پاتے۔

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک دلوں کا سرور' باطن کا نور حضرت ابوعبداللہ عمرو بن عثمان مکی ہیں' جو صوفیا کے اکابرین میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے علم تصوف کے حقائق کے بارے میں بہت سی تحریریں یادگار چھوڑی ہیں۔ وہ خود کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید بیان کرتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے شیخ ابوسعید خراز سے ملاقات کی اور شیخ نباجی کی صحبت میں بھی رہے۔ اپنے وقت میں طریقت کے اصولوں کے امام تھے۔

وجد کی کیفیت

انہوں نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

لَایَقَعُ عَلٰی کَیْفِیَۃِ الْوَجْدِ عِبَارَۃٌ لِاَنَّہٗ سِرُّاللّٰہِ عِنْدَ الْمُؤْمِنِیْنَ

''وجد کی کیفیت کو عبارت اور الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اہل ایمان کے پاس اللہ تعالیٰ کا بھید ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی جس عبارت کو بندہ بیان کر سکتا ہو وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا بھید نہیں ہو سکتی کیونکہ انسان کے تصرف کا اللہ تعالیٰ کے اسرار کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

ایک نوجوان کا واقعہ

یہ بات منقول ہے' جب شیخ عمرو بن عثمان اصفہان آئے تو ایک نوجوان ان کے معتقدین میں شامل ہو گیا۔ اس نوجوان کے والد نے اسے شیخ عمرو بن عثمان مکی کے پاس جانے سے منع کیا تو وہ شخص بیمار ہو گیا۔ اس کی بیماری میں کافی عرصہ گزر گیا۔ ایک دن شیخ اٹھے اور چند درویشوں کے ہمراہ اس نوجوان کی عیادت کے لیے گئے۔ اس بیمار نوجوان نے حضرت شیخ سے یہ کہا'

وہ قوال سے یہ اشعار پڑھنے کے لیے کہیں۔ حضرت شیخ عمرو بن عثمان نے قوال سے کہا: یہ پڑھو۔ قوال نے یہ شعر پڑھا۔

مَالِیْ مَرِضْتُ فَلَمْ یَعُدْنِیْ عَائِدٌ
مِنْکُمْ وَیَمْرَضُ عَبْدُکُمْ فَاَعُوْدُ

''کیا وجہ ہے' جب میں بیمار ہوتا ہوں تو تم میں سے کوئی بھی میری عیادت کے لیے نہیں آتا' جبکہ آپ کا غلام بھی بیمار ہو جائے' تو میں اس کی عیادت کے لیے چلا جاتا ہوں''۔

وہ بیمار شخص یہ شعر سن کر اٹھ بیٹھا اور اس کی بیماری ٹھیک ہو گئی اور وہ کہنے لگا: اے قوال! اب کوئی اور شعر سناؤ۔ قوال نے یہ شعر پڑھا:

وَاَشَدُّ مِنْ مَّرَضِیْ عَلٰی صُدُوْدِکُمْ
وَصُدُوْدُ عَبْدِکُمْ عَلَیَّ شَدِیْدُ

''تمہارا میرے پاس نہ آنا میرے نزدیک میری اس بیماری سے زیادہ سخت ہے' بلکہ تمہارے غلام کا نہ آنا میرے لیے دشوار ہوتا ہے''۔

یہ شعر سن کر تو وہ بیمار اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی بیماری مکمل طور پر ختم ہو گئی۔ یہ واقعہ دیکھنے کے بعد اس بیمار نوجوان کے والد نے اسے عمرو بن عثمان کی صحبت میں دے دیا اور اس کے دل میں جو کھٹک تھی وہ ختم ہو گئی اور اس نے توبہ کی۔ اس کے بعد وہ نوجوان آپ کی خدمت میں رہ کر طریقت کا ایک بڑا بزرگ بنا۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک قلوب کے مالک' عیوب کو مٹانے والے' شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جو اپنے وقت کے امام تھے اور ہر کوئی ان کی تعریف کرتا تھا۔ افعال کے عیوب کے بارے میں اور افعال میں اخلاص کے بارے میں ان کے بیان کردہ نکات بہت زیادہ ہیں۔ ان کے معاملات بہت عمدہ تھے اور ان کا کلام بہت لطیف تھا۔

شریعت اور حقیقت کا جامع

علماء ظاہر یہ بات بیان کرتے ہیں:

''هُوَ جَمْعٌ بَیْنَ الشَّرِیْعَةِ وَالْحَقِیْقَةِ'' ''انہوں نے شریعت اور حقیقت کو جمع کر دیا تھا''۔

کیونکہ شریعت' حقیقت کے علاوہ کچھ نہیں ہے' اور حقیقت' شریعت کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ ان بزرگ کی بیان کردہ عبارات سمجھنے میں آسان ہیں' اور ذہن آسانی سے اس کا مفہوم اخذ کر لیتا ہے۔ اس لیے ان لوگوں نے یہ بات کہی تھی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے شریعت اور حقیقت کو جمع کر دیا ہے' تو اولیاء کے لیے یہ بات ناممکن ہو گی کہ وہ ان کے درمیان

فرق کردیں اور جب ان کے درمیان فرق آجائے گا' تو ایک کو مسترد کرنے اور دوسرے کو قبول کرنے کی صورت لازم آئے گی' تو شریعت کو مسترد کرنا ''الحاد'' ہے' اور حقیقت کو مسترد کرنا ''شرک'' ہے۔

صوفیاء نے اپنے کلام میں جس فرق کی وضاحت کی ہے وہ حقیقت میں فرق نہیں ہے' بلکہ وہ تو شریعت کے ذریعے حقیقت کو ثابت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے صوفیاء یہ کہہ سکتے ہیں ''لا الٰہ الا اللہ'' حقیقت ہے' اور ''محمد رسول اللہ'' شریعت ہے۔ کوئی بھی شخص جس کا ایمان صحیح ہو وہ کبھی بھی شریعت اور حقیقت کو الگ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے' تو اس کی باطل ہوگی۔ شریعت کی اصل حقیقت ہے' اور حقیقت کی اصل شریعت ہے' تو اصول کی اصل اور شریعت کے فرمان کا قبول ضروری ہوگا۔ ظاہر پرست لوگ اس چیز کا انکار کرتے ہیں' جو ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے' اور حق کے راستے کے بنیادی اصول کا انکار کرنا خطرناک ہوتا ہے۔ ہر طرح کی ''حمد'' اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے' جس نے ہمیں ایمان کی نعمت عطا کی ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے یہ بات بیان کی ہے۔

مَاطَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰی اَهْلِ وَجْهِ الْاَرْضِ اِلَّا وَهُمْ جُهَّالٌ بِاللّٰهِ اِلَّا مَن يُّؤْثِرُ اللّٰهَ عَلٰی نَفْسِهٖ وَرُوْحِهٖ وَدُنْيَاهُ وَآخِرَتُهٗ .

''زمین والوں پر جب بھی سورج طلوع ہوا' اور جب بھی غروب ہوا' تو وہ ایسی حالت میں تھے' اللہ تعالیٰ کے بارے میں انہیں کوئی علم نہیں تھا۔ ماسوائے اس شخص کے جو اپنی جان' اپنی روح' اپنی دنیا اور اپنی آخرت پر اللہ تعالیٰ کو ترجیح دے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' جو شخص دنیا میں اپنی قسمت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے' اس کی کوشش کا مطلب یہ ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بالکل لاعلم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت اس بات کا تقاضا کرتی ہے' دنیا کی تدبیر اور اس بارے میں کوشش کو چھوڑ دے اور دنیا کی ہر شے کو چھوڑے رہنے کا مطلب یہ ہے' انسان نے اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ تدبیر کو ترک کرنا' تسلیم (یعنی تقدیر کے فیصلے کے آگے سر جھکانا) ہے جبکہ تدبیر کا اثبات' جہالت ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' اہل حرمین کے برگزیدہ' مشائخ کی آنکھوں کی ٹھنڈک' شیخ ابوعبداللہ محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے۔ عراق اور خراسان کے لوگ آپ کو بہت پسند کرتے تھے۔ آپ شیخ احمد بن خضرویہ کے مرید اور شیخ ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کی پسندیدہ شخصیت تھے۔

شیخ محمد بن فضل کو بعض متعصب لوگوں نے تصوف سے تعلق کی وجہ سے ''بلخ'' سے نکال دیا تھا۔ وہ ''سمرقند'' چلے گئے تھے اور انہوں نے اپنی بقیہ عمر وہیں گزاری۔

سب سے زیادہ معرفت کسے حاصل ہوتی ہے؟

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی:

اَعْرَفُ النَّاسِ بِاللّٰہِ اَشَدُّھُمْ مُجَاھَدَۃً فِیْ اَوَامِرِہٖ وَاَتْبَعُھُمْ بِسُنَّۃِ نَبِیِّہٖ

''اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ معرفت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے' جو اس کے حکم کی پیروی میں سب سے زیادہ مجاہدہ کرتا ہے' اور جو اس کے نبی کی سنت کی سب سے زیادہ پیروی کرتا ہے۔

جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہوگا وہ اس کے احکام کی فرمانبرداری کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے گا' اور جو کوئی اس کی بارگاہ سے دور ہوگا' وہ اس کے رسول ﷺ کی پیروی سے زیادہ دور ہوگا۔

انسان کا دل معرفت کا مرکز ہے

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''عَجِبْتُ مِمَّنْ یَقْطَعُ الْبَوَادِیْ وَالْقِفَارَ وَالْمَفَاوِزَ حَتّٰی یَصِلَ اِلٰی بَیْتِہٖ وَحَرَمِہٖ لِاَنَّ فِیْہِ اٰثَارُ اَنْبِیَائِہٖ کَیْفَ لَا یَقْطَعُ نَفْسَہٗ وَھَوَاہُ حَتّٰی یَصِلَ اِلٰی قَلْبِہٖ لِاَنَّ فِیْہِ آثَارَ مَوْلَاہُ''

''مجھے اس شخص پر حیرانگی ہوتی ہے' جو جنگل' صحرا اور ویرانے پار کر کے اللہ کے گھر اور اس کے حرم میں پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں انبیاء کے آثار پائے جاتے ہیں' تو وہ اپنے نفس اور اپنی خواہش نفس کو پار کیوں نہیں کرتا تاکہ اپنے دل تک پہنچ جائے کیونکہ اس کے دل میں تو اس کے مولا (اللہ تعالیٰ) کے آثار پائے جاتے ہیں''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی دل انسان کی معرفت کا محل ہے' تو وہ اس کعبہ سے زیادہ معزز ہوگا کیونکہ کعبہ ظاہری عبادت کا قبلہ ہے' اور بندے کی نظر ہمیشہ اس پر رہتی ہے' جبکہ دل کی نظر ہمیشہ حق کی طرف رہتی ہے۔ جہاں دل ہوگا وہاں دوست پایا جائے گا' اور جہاں اس کا حکم ہوگا وہاں میری مراد ہوگی' اور جہاں میرے انبیاء کے آثار ہیں وہ میرے دوستوں کا قبلہ وہیں ہوگا۔

شیخ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' صاحب دل بزرگ اور بشری صفات سے فانی بزرگ ہیں۔ یہ شیخ محمد بن علی ترمذی ہیں۔ آپ علوم وفنون میں مکمل دسترس رکھتے تھے اور پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے۔ مشائخ طریقت میں آپ کا شمار انتہائی برگزیدہ ہستی کے طور پر ہوتا تھا۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں جن کے ذریعے آپ کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض کتابیں یہ ہیں۔

(i) ختم الولایۃ (ii) کتاب النہج (iii) نوادر الاصول

ان کے علاوہ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ میرے نزدیک آپ انتہائی قابل احترام شخصیت تھے اور میں مکمل طور پر آپ کا معتقد ہوں۔

شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا خراجِ تحسین

میرے شیخ (ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے) مجھ سے یہ فرمایا تھا:

''شیخ ایک نادر موتی ہیں۔ ساری دنیا میں ان کی کوئی مثال نہیں ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) انہوں نے ظاہری علوم کے بارے میں بھی بعض تصانیف تحریر کی ہیں۔ احادیث میں ان کی اسناد بلند پایہ ہیں۔ انہوں نے ایک تفسیر بھی لکھی تھی جو دنیا میں بہت مقبول ہوئی۔ علم فقہ آپ نے شیخ محمد حکیم ترمذی سے سیکھا تھا جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور صوفیاء کا مشہور مکتبہ فکر ''حکیمی مکتبہ فکر'' انہی کی طرف منسوب ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام سے آپ کا تعلق

شیخ محمد بن علی ترمذی کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کے مرید خاص شیخ ابوبکر وراق ترمذی بیان کرتے ہیں، ہر اتوار کے دن حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ یہ دونوں حضرات آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

ادب کی اہمیت

شیخ محمد بن علی ترمذی ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ جَهِلَ اَوْصَافَ الْعُبُوْدِيَّةِ فَهُوَ بِنُعُوْتِ الرَّبَّانِيَّةِ اَجْهَلُ

''جو شخص بندگی کے آداب سے ناواقف ہوگا وہ حق تعالیٰ کی صفات سے اور بھی زیادہ لاعلم ہوگا''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) واقعی یہ ادب کے بغیر درست نہیں ہوتی۔ یہ بالکل اصل اور مفید بات ہے۔ اپنے مخصوص مقام پر اس کی وضاحت کی جائے گی۔

شیخ محمد بن عمر وراق رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' طریقت کے امام' زاہدوں کے لیے باعث شرف' صوفیاء کا تزکیہ کرنے والے' حضرت شیخ ابوبکر محمد بن عمر وراق ترمذی ہیں۔ یہ اکابر مشائخ اور پرہیزگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ بلخ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے شیخ احمد بن خضرویہ کی زیارت کی ہے' اور شیخ محمد بن علی ترمذی سے استفادہ کیا ہے۔

شریعت کے آداب اور طریقت کے معاملات میں ان کی کئی تصانیف ہیں۔ مشائخ انہیں ''مؤدب اولیاء'' (اولیاء کو ادب

سکھانے والا) قرار دیتے ہیں۔

ایک حیران کن واقعہ

ان کے بارے میں یہ بات منقول ہے' یہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میرے شیخ محمد بن علی ترمذی نے مجھے چند کاغذات دیئے اور یہ ہدایت کی کہ میں انہیں دریائے جیحون میں ڈال دوں۔ میرا ذہن اس کے لیے تیار نہ ہوا۔ میں نے ان اوراق کو جا کر اپنے گھر رکھ دیا۔ جب میں دوبارہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا' تو انہیں یہ بتایا: میں نے وہ اوراق دریا میں ڈال دیئے ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا: پھر تم نے کیا دیکھا۔ میں نے جواب دیا: میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا' تو انہوں نے فرمایا: اس کا مطلب ہے' تم نے ان اوراق کو دریا میں نہیں ڈالا۔ تم جاؤ اور جا کر انہیں دریا میں ڈال کر آؤ۔ میں واپس گیا۔ میرے ذہن میں بہت سے خیالات تھے' لیکن آخر کار میں نے ان اوراق کو دریا میں ڈال دیا۔ جیسے ہی میں نے اوراق دریا میں ڈالے' پانی چھٹ گیا۔ اس میں سے ایک صندوق نمودار ہوا جس کا ڈھکن کھلا ہوا تھا۔ وہ اوراق اس صندوق کے اندر چلے گئے۔ اس صندوق کا ڈھکن بند ہوا' اور پھر پانی کی سطح برابر ہو گئی اور صندوق غائب ہو گیا۔ میں نے واپس آ کر یہ واقعہ شیخ محمد بن علی ترمذی کو سنایا تو انہوں نے فرمایا، ہاں اب تم نے واقعی وہ اوراق دریا میں ڈال دیئے ہیں۔ میں نے دریافت کیا: اس واقعے کے اسرار کیا ہیں؟ آپ میرے سامنے بیان کیجئے۔ انہوں نے فرمایا: میں نے طریقت کے اصول کے بارے میں ایک کتاب لکھی تھی جس کو سمجھنا بہت مشکل تھا۔ میرے بھائی حضرت خضر علیہ السلام نے وہ مجھ سے مانگ لی تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو اس بات کا پابند کیا کہ وہ ان اوراق کو ان تک پہنچا دے۔

لوگوں کی تین اقسام

حضرت شیخ ابوبکر وراق ارشاد فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ ثَلٰثَةٌ اَلْعُلَمَاءُ وَالْاُمَرَاءُ وَالْفُقَرَاءُ فَاِذَا فَسَدَ الْعُلَمَاءُ فَسَدَ الطَّاعَةُ وَالشَّرِيْعَةُ وَاِذَا فَسَدَ الْاُمَرَاءُ فَسَدَ الْمَعَاشُ وَاِذَا فَسَدَ الْفُقَرَاءُ فَسَدَ الْاَخْلَاقُ

''لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ علماء' امراء' فقراء۔ جب علماء کے اندر فساد آ جاتا ہے' تو اطاعت و فرمانبرداری اور شریعت (کی پیروی) میں فساد آ جاتا ہے۔ جب امراء میں فساد آ جاتا ہے' تو معاشرے میں فساد آ جاتا ہے' اور جب فقراء میں فساد آ جاتا ہے' تو اخلاق خراب ہو جاتے ہیں''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' امراء اور حکمرانوں کی خرابی ظلم و ستم کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے' جبکہ علماء کی خرابی حسد اور لالچ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے' اور فقراء کی خرابی منصب اور مرتبے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

جب تک حکمران علماء سے منہ نہیں موڑتے وہ بربادی کا شکار نہیں ہوتے۔ جب تک علماء حکمرانوں کی صحبت سے اجتناب کرتے ہیں وہ بربادی کا شکار نہیں ہوتے۔ جب تک فقراء میں جاہ و منصب کی خواہش پیدا نہیں ہوتی تب تک وہ بربادی کا

شکار نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے' علم نہ ہونے کی وجہ سے حکمرانوں میں ظلم آ جاتا ہے' اور مرتبہ و مقام کی خواہش کی وجہ سے فقراء سے توکل رخصت ہو جاتا ہے۔ اس لیے بے علم' بددیانت عالم اور بے توکل فقیر بہت برے ہوتے ہیں' اور لوگوں کے اندر ظاہر ہونے والی تمام خرابیوں کی بنیاد یہی تین گروہ ہوتے ہیں۔

* شیخ ابوسعید بن احمد بن عیسیٰ خراز رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک شیخ ابوسعید بن احمد بن عیسیٰ خراز بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ توکل اور رضا کے سفینہ تھے اور فنا کے راستے کے سالک تھے۔ یہ مریدین کے احوال کی زبان تھے اور اوقات کے طلبگاروں کی برہان تھے۔ سب سے پہلے فنا و بقاء کے راستے کی لفظوں میں وضاحت انہوں نے ہی کی ہے۔ ان کے مناقب بے شمار ہیں۔ ان کی ریاضت بہت عمدہ تھی اور ان کے بیان کردہ نکات مشہور و معروف ہیں۔ آپ کا کلام اور آپ کے بیان کردہ رموز اور اشارات بلند ہیں۔ انہوں نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ' حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔

انہوں نے یہ بات بیان کی ہے۔

جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْهَا قَالَ وَ عَجَبًا لِمَنْ لَّمْ یَرَ مُحْسِنًا غَیْرَ اللّٰهِ کَیْفَ لَا یَمِیْلُ بِکُلِّیَّتِهٖ اِلَی اللّٰهِ

''فطری طور پر دل اس شخص سے محبت کرتا ہے' جس نے انسان کے ساتھ اچھائی کی ہو۔ اس شخص پر حیرت ہوتی ہے' جسے یہ پتہ ہے' اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی حقیقی محسن نہیں ہے' اور پھر بھی وہ شخص مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف مائل نہیں ہوتا''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) حقیقت یہ ہے' احسان وہی کر سکتا جو حقیقی مالک ہو اور احسان کی تعریف یہ ہے' کسی ضرورت مند شخص کے ساتھ اچھائی کی جائے' تو جو شخص (کوئی بھی مخلوق) خود دوسرے (اللہ تعالیٰ کا) احسان مند ہو وہ کسی دوسرے (کسی اور مخلوق) کے ساتھ احسان کیسے کر سکتا ہے' کیونکہ حقیقی ملکیت اور حقیقی بادشاہت تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے' اور صرف اسی کی ذات ایسی ہے' جو کسی دوسرے کے احسان سے بے نیاز ہے' تو جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس حقیقی انعام کرنے والے اور احسان کرنے والے کے انعام اور احسان کو اس اعتبار سے دیکھتے ہیں' تو پھر اس کے نتیجے میں ان کے قلوب مکمل طور پر اس کی محبت میں غرق ہو جاتے ہیں' اور وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

---

* شیخ ابوسعید بن احمد بن عیسیٰ خراز رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات معلوم کرنے کے لیے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

طبقات الصوفیة: 228'232، حلیة الاولیاء : 10 / 246'249، تاریخ بغداد: 4 / 276'278، شرح الرسالة القشیریة: 1 / 167'168، تاریخ ابن عساکر: خ: 2 / 31 ا 35 ب، المنتظم: 5 / 105، اللباب: 1 / 429، عبر المؤلف: 2 / 77، الوافی بالوفیات: 7 / 275، البدایة والنهایة: 11 / 58، طبقات الاولیاء : 40'45، شذرات الذهب: 2 / 192'193، تهذیب بدران: 1 / 427.

شیخ ابوالحسن علی بن محمد اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' اہل تحقیق کے بادشاہ' مریدین کے رہنما' شیخ ابوالحسن علی بن محمد اصفہانی ہیں' انہیں علی بن سہل بھی کہا جاتا ہے' جو اکابر مشائخ میں سے ایک تھے۔ ان کی حضرت جنید کے ساتھ خط و کتابت رہی جو بہترین ہے۔ حضرت شیخ عمرو بن عثمان مکی ان کی زیارت کے لیے اصفہان گئے تھے۔ یہ حضرت شیخ ابوتراب نخشبی کے مصاحب اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق حال تھے۔

مختصر یہ کہ آپ مشائخ کے نزدیک قابل تعریف تھے۔ رضا اور ریاضت سے آراستہ تھے۔ فتنہ و آفت سے محفوظ تھے۔ حقائق اور معاملات کے بارے میں ان کے بیان کردہ نکات بہت لطیف ہیں۔

حضوری اور یقین

آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْحُضُوْرُ اَفْضَلُ مِنَ الْیَقِیْنِ لِاَنَّ الْحُضُوْرَ وَطَنَاتٌ وَالْیَقِیْنُ خَطَرَاتٌ

''حضوری یقین سے افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' حضوری مستقل کیفیت ہوتی ہے' اور یقین کا تعلق خطرات سے ہوتا ہے (یعنی وہ ایسی کیفیت ہے' جو کبھی کبھار طاری ہوتی ہے)''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تو بارگاہِ الٰہی میں حضوری کی کیفیت رکھنے والے لوگ اس بارگاہ میں مقیم ہوتے ہیں' جبکہ اس کی ذات کا یقین رکھنے والے لوگ بارگاہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہم اس کتاب میں ایک مستقل باب اس بارے میں تحریر کریں گے۔

دل کی حقیقت کیا ہے؟

حضرت شیخ نصر آبادی اصفہانی نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

مِنْ وَقْتِ آدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ النَّاسُ یَقُوْلُوْنَ الْقَلْبَ الْقَلْبَ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَرٰی رَجُلًا یَصِفُ اَیْشَ الْقَلْبُ اَوْ کَیْفَ الْقَلْبُ فَلَا اَرٰی

''حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیامت قائم ہونے تک لوگ یہی کہتے رہیں گے ہائے میرا دل! ہائے میرا دل! حالانکہ میں یہ چاہتا ہوں' مجھے کوئی ایسا شخص نظر آئے جو یہ بتائے کہ دل کیا ہوتا ہے' اور اس کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ مجھے ابھی تک ایسا کوئی شخص نظر نہیں آیا''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) لوگ گوشت کے اس ٹکڑے کو دل کہتے ہیں جو دیوانوں میں' بچوں میں' مغلوب الحال لوگوں میں بھی ہوتا ہے' حالانکہ یہ سب لوگ بے دل ہوتے ہیں' تو پھر دل کیا چیز ہے' جس کے بارے میں صرف لفظ ہی

استعمال ہوا ہے۔ اگر عقل کو دل قرار دیا جائے' تو وہ دل نہیں ہے۔ اگر روح کو دل قرار دیا جائے' تو اسے بھی دل نہیں کہا جا سکتا۔ اگر علم کو دل قرار دیا جائے' تو وہ بھی دل نہیں ہوتا تو حق کے تمام مشاہدات کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ اس کو صرف لفظوں میں ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو کچھ سمجھا نہیں جا سکتا۔

حضرت ابوالحسن محمد بن اسماعیل خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک اہل تسلیم کے پیشوا' محبت کے راستے پر سیدھے چلنے والے' حضرت ابوالحسن محمد بن اسماعیل خیر النساج ہیں' جو اپنے زمانے کے اکابر مشائخ میں سے ایک تھے (باطن کے) معاملات کے بارے میں انہوں نے بہت عمدہ نکات بیان کیے ہیں' اور ان کی عبارات بہت شاندار ہیں۔ انہوں نے طویل عمر پائی تھی۔ حضرت شیخ ابوبکر شبلی اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی مجلس میں توبہ کی تھی۔ انہوں نے ابوبکر شبلی کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں' ان کی عزت افزائی کے لیے' بھیج دیا تھا۔

خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف

خیر النساج حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ یہ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر ہیں' جبکہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ انہیں ''خیر'' اس لیے کہا جاتا ہے' کیونکہ یہ اپنے آبائی گاؤں ''سامرہ'' سے حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ جب یہ کوفہ پہنچے تو وہاں شہر کی دیوار کے پاس ایک شخص نے انہیں پکڑ لیا اور بولا: تم میرے غلام ہو اور تمہارا نام تو ''خیر'' ہے۔ حضرت ''خیر النساج'' نے یہ سمجھا کہ یہ معاملہ تقدیر کی طرف سے ہے۔ اس لیے انہوں نے اس شخص کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا (اور اس کے ساتھ چل دیئے) کئی سال تک اس کا کام کرتے رہے۔ وہ جب بھی انہیں آواز دیتا تو یہ کہتے ہیں میں حاضر ہوں۔ یہاں تک کہ ایک وقت آیا جب وہ شخص اپنے کیے پر شرمسار ہوا' اور بولا! میں نے غلطی کی ہے۔ تم میرے غلام نہیں ہو تم جا سکتے ہو! تو یہ وہاں سے روانہ ہو کر مکہ مکرمہ آئے اور اس مقام تک پہنچے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''خیر' ہم میں سے سب سے بہتر ہیں''۔

حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو پسند کرتے تھے' لوگ انہیں ''خیر'' کہہ کر بلایا کریں۔ وہ یہ فرماتے تھے' یہ مناسب نہیں ہے' کسی مسلمان نے میرا نام رکھا ہو اور میں اسے تبدیل کر دوں۔

شیخ نساج رحمۃ اللہ علیہ کا وقتِ آخر

جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو شام کی نماز کا وقت ہونے والا تھا۔ ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی۔ اس وقت انہوں نے آنکھ کھول کر دروازے کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

قِفْ عَافَكَ اللهُ فَإِنَّمَا اَنْتَ عَبْدٌ مَامُوْرٌ وَاَنَا عَبْدٌ مَامُوْرٌ وَمَا اُمِرْتَ بِهٖ لَا يَفُوْتُكَ وَمَا اُمِرْتُ بِهٖ فَهُوَشَيْئٌ يَفُوْتُنِيْ فَدَعْنِيْ اَمْضِيْ فِيْمَا اُمِرْتُ بِهٖ ثُمَّ اَمْضِ بِمَا اُمِرْتَ

''(اے موت کے فرشتے)! آپ ٹھہر جائیں اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے۔ آپ بھی حکم کے پابند ہیں' اور میں بھی حکم کا پابند ہوں۔ جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اسے چھوڑیں گے نہیں' لیکن جس چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہ مجھ سے فوت ہو سکتی ہے' تو آپ مجھے موقع دیں' جس چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں اسے ادا کر لوں اور پھر آپ اس کو پورا کر دیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے''۔

اس کے بعد حضرت خیر النساج نے پانی منگوایا' وضو کیا اور نماز ادا کی۔ پھر جان اس کے سپرد کر دی۔ اس رات لوگوں نے خواب میں آپ کی زیارت کی اور آپ سے دریافت کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا:

''لَا تَسْاَلْنِيْ عَنْ هٰذَا وَلٰكِنِ اسْتَرَحْتُ مِنْ دُنْيَاكُمْ''

''تم مجھ سے اس بارے میں سوال نہ کرو' بہر حال مجھے تمہاری اس دنیا سے آرام مل گیا ہے''۔

خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ زرّیں

حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

شَرَحَ اللهُ صُدُوْرَ الْمُتَّقِيْنَ بِنُوْرِ الْيَقِيْنِ وَكَشَفَ بَصَائِرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِنُوْرِ حَقَائِقِ الْاِيْمَانِ۔

''پرہیزگاروں کے سینوں کو اللہ تعالیٰ نے یقین کے نور کے ذریعے کشادہ کیا ہے' اور اہل ایمان کی بصیرت کو ایمان کے حقائق کے نور کے ذریعے کشادہ کیا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' پرہیزگار لوگوں کے لیے یقین ہی کافی ہے' کیونکہ ان کا دل یقین کے نور کے ذریعے کھولا گیا ہے' اور مومن کے لیے یہ ضروری ہے' اسے ایمان کے حقائق کی معرفت ہو' تو ان کے ذہن کی بصیرت کو ایمان کے نور کے ذریعے منور کیا گیا ہے۔ اس لیے جہاں ایمان موجود ہوگا وہاں یقین بھی پایا جائے گا۔ جہاں یقین موجود ہوگا وہاں پرہیزگاری بھی ہوگی کیونکہ یہ ایک دوسرے کے قریب ہیں' اور ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔

حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک اپنے وقت کے بہت بڑے داعی اپنے زمانے کی نادر شخصیت حضرت ابوحمزہ خراسانی ہیں' جو خراسان کے اکابر مشائخ میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوتراب نخشبی کی صحبت پائی تھی اور حضرت خراز کی زیارت کی ہے۔ توکل پر انہیں مکمل اعتماد اور یقین حاصل تھا۔

شیخ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کا توکل

ان کے بارے میں یہ بات منقول ہے' یہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک کنویں میں گر گئے (اور تین دن کنویں میں رہے) تین دن کے بعد کچھ اولیاء وہاں سے گزرے۔ انہوں نے اس کنویں کے کنارے پر پڑاؤ کیا۔ شیخ خراسانی نے یہ سوچا کہ ان لوگوں کو مدد کے لیے پکاروں۔ پھر یہ خیال آیا کہ ان سے مدد مانگنا ٹھیک نہیں ہے' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے غیر سے مدد مانگنے کے مترادف ہوگا' اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرنے کے مترادف ہوگا یعنی اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ میں یہ کہہ رہا ہوں' مجھے اللہ تعالیٰ نے کنویں میں ڈالا ہے' اور اب تم لوگ آ کر مجھے یہاں سے نکالو۔ اس دوران وہ قافلے والے خود کنویں پر آئے۔ انہوں نے کنویں میں جھانک کر دیکھا اور بولے: یہ کنواں راستے میں ہے۔ اس کے کنارے پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اس کا کوئی منڈیر نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو' کوئی گزرنے والا شخص اس میں گر پڑے۔ ایسا کرتے ہیں: اس پر چھت ڈال کر اس کا منہ بند کر دیتے ہیں تاکہ کوئی اس میں گر نہ پڑے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا اجر و ثواب حاصل ہو۔

حضرت شیخ ابوحمزہ خراسانی فرماتے ہیں: یہ بات سن کر میں گھبرا گیا اور اپنی زندگی سے ناامید ہو گیا (لیکن میں نے انہیں آواز نہیں دی) ان قافلے والے نے اس کنویں پر چھت ڈال دی اور اس کا دہانہ بند کر کے زمین ہموار کی اور وہاں سے چلے گئے۔ میں نے خدا سے دعا مانگی۔ موت کے تصور سے مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی کیونکہ اب کسی بھی مخلوق کی مدد کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔ جب رات ہوئی تو اس چھت میں جنبش پیدا ہوئی۔ جب میں نے غور سے دیکھا' تو مجھے لگا کہ کوئی چیز اس کنویں کے منہ کو کھول رہی ہے۔ پھر اژدھے کی مانند ایک جانور نے اپنی دم لٹکائی۔ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ یہ میری امداد کا ذریعہ ہے' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ اس جانور کی دم کو میں نے پکڑ لیا اور اس نے مجھے باہر نکال دیا۔ اس وقت غیب سے آواز آئی۔

''اے ابوحمزہ! تمہاری نجات کتنی بہترین ہے' جو جان لینے والا ہے' اس کے ذریعے تمہاری جان بچائی گئی ہے''۔

اجنبی کی تعریف

ایک مرتبہ لوگوں نے ان سے دریافت کیا: اجنبی کون ہوتا ہے؟ انہوں نے ارشاد فرمایا:

''اَلْمُسْتَوْحِشُ مِنَ الْاَلْفِ'' وہ شخص جو الفت سے وحشت کا شکار ہو۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' درویش کا دنیا یا آخرت میں کوئی بھی وطن نہیں ہوتا اور جو اپنا وطن نہ ہو اس سے الفت کرنا وحشت کا سبب ہوتا ہے' تو جب درویش کی الفت مخلوق سے ختم ہو گی' تو وہ ہر ایک سے وحشت زدہ ہو گا' اور ان کی یہ حالت اجنبیت کہلائے گی اور یہ بہت بلند مرتبہ ہے۔

حضرت شیخ ابوالعباس احمد بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک، مریدین کی دعوت اور تربیت کرنے والے، حضرت شیخ ابوالعباس احمد بن مسروق ہیں، جو خراسان کے اکابر مشائخ میں سے ایک تھے۔ تمام اولیاء کرام اس بات پر متفق ہیں: آپ کا شمار ''اوتادالاض'' میں ہوتا ہے، اور آپ کو اپنے زمانے کے ''قطب مدار'' کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے پوچھا تھا، قطب مدار کون ہیں؟ تو انہوں نے اس کی وضاحت نہیں کی تھی، لیکن اشارے کے ذریعے یہ بتایا تھا، وہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

انہوں نے چالیس اکابر اولیاء کی خدمت کی اور ان سے استفادہ کیا۔ انہیں ظاہری اور باطنی علوم میں مکمل دسترس حاصل تھی۔

حق کے علاوہ سب کچھ فانی ہے

حضرت شیخ احمد بن مسروق ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ سُرُوْرُهٗ بِغَيْرِ الْحَقِّ فَسُرُوْرُهٗ يُوْرِثُ الْهَمَمَ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ اُنْسُهٗ فِيْ خِدْمَةِ رَبِّهٖ فَاُنْسُهٗ يُوْرِثُ الْوَحْشَةَ۔

''جو شخص حق کے علاوہ کسی اور چیز سے مسرور ہوگا اس کا یہ سرور پریشانیاں پیدا کرے گا، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی کی بجائے کسی اور چیز سے مانوس ہونے کی کوشش کرے گا اس کا یہ لگاؤ اس کے لئے وحشت پیدا کرے گا''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز فانی ہے، تو جو شخص فانی چیز کے ساتھ خوش ہو گا، تو جب وہ چیز فنا ہو جائے گی، تو اس شخص کے پاس غم اور حسرت کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہے گا، اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کی خدمت حقیر چیز ہے، تو جب اس کے سامنے مخلوق کا کم تر ہونا ظاہر ہوگا، تو اب اس کے لیے اپنی یہ محبت وحشت اور پریشانی کا باعث بن جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے، سارے جہاں کے تمام تر غم اور تمام تر پریشانیاں اسی وجہ سے ہوتی ہیں: جب انسان اللہ کے غیر کے ساتھ تعلق قائم کر لیتا ہے۔

حضرت شیخ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن اسماعیل مغربی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک توکل کرنے والوں کے استاد، تحقیق کرنے والوں کے شیخ 'ابوعبداللہ محمد بن احمد بن اسماعیل مغربی ہیں، جو اکابر مشائخ میں سے ایک تھے اور اپنے زمانے کے مقبول اساتذہ میں سے تھے۔ یہ مریدین کا خاص خیال رکھا

کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم شیبانی یہ دونوں حضرات ان کے مرید ہیں۔ حضرت شیخ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن اسماعیل مغربی کا کلام بہت بلند ہے اور ان کے براہین واضح ہیں خلوت نشینی میں انہیں کمال حاصل تھا۔

دنیا سب سے بڑی منصف ہے

انہوں نے ارشاد فرمایا ہے:

مَارَأَیْتُ اَنْصَفَ مِنَ الدُّنْیَا اِنْ خَدَمْتَهَا خَدَمَتْكَ وَاِنْ تَرَكْتَهَا تَرَكَتْكَ

"میں نے دنیا سے زیادہ انصاف پسند اور کسی کو نہیں دیکھا۔ اگر تم اس کی خدمت کرو گے تو یہ تمہاری خدمت کرے گی اور اگر تم اسے چھوڑ دو گے تو یہ بھی تمہیں چھوڑ دے گی"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے جب تک تم دنیا کی طلب میں لگے رہو گے تو وہ بھی تمہاری تلاش میں رہے گی اور جب تم اسے چھوڑ کر خدا کے بندے بن جاؤ گے تو وہ بھی تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دے گی اور تمہاری توجہ بھی اس کی طرف مبذول نہیں ہو گی۔ اس لیے جو شخص سچے دل کے ساتھ دنیا سے کنارہ کش ہوتا ہے وہ شخص دنیا کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ ابوعلی حسن بن علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک اپنے زمانے کے شیخ اپنے وقت کی بے مثل شخصیت شیخ ابوعلی حسن بن علی جرجانی ہیں جو اپنے زمانے کی بے مثال شخصیت تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں مختلف معاملات اور آفات کی علمی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ حضرت محمد بن علی ترمذی کے مرید تھے اور حضرت شیخ ابوبکر وراق کے معاصرین میں سے ہیں۔ حضرت شیخ ابراہیم سمرقندی ان کے مرید ہیں۔

نفس کی سرکشی

انہوں نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ فِیْ مَیَادِیْنَ الْغَفْلَةِ یَرْكُضُوْنَ وَعَلَى الظُّنُوْنِ یَعْتَمِدُوْنَ وَعِنْدَهُمْ اَنَّهُمْ فِی الْحَقِیْقَةِ یَنْقَلِبُوْنَ وَعَنِ الْمَكَاشَفَةِ یَنْطِقُوْنَ۔

"ساری مخلوق غفلت کے میدانوں میں صرف اپنے گمان پر اعتماد کر کے بھاگی چلی جا رہی ہے اور وہ سمجھتے یہ ہیں: دنیا میں صرف وہی لوگ ہیں جو حقیقت میں ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتے ہیں اور جو کشف کی بنیاد پر کلام کرتے ہیں"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ان کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے یہ سب کچھ طبیعت میں غرور کی وجہ سے اور نفس کی

سرکشی وجہ سے ہو رہا ہے' کیونکہ انسان جاہل ہونے کے باوجود ایسی جاہلیت پر مکمل یقین رکھتا ہے۔ بالخصوص جاہل صوفی ایسا کرتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کوئی عالم صوفی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے معزز ہوتا ہے۔ اس طرح جاہل صوفی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' اہل علم صوفیاء علم اور حقیقت کے راستے پر گامزن ہوتے ہیں۔ وہ محض ظن اور گمان کے راستے پر نہیں چلتے' جبکہ جاہل صوفی کا تمام تر اعتماد صرف گمان پر ہوتا ہے' اور اس کا یقین کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ وہ ذلت کے میدان میں بھاگا پھرتا ہے' اور یہ گمان کرتا ہے' وہ ولایت کے میدان میں دوڑ رہا ہے۔ اس کا اعتماد صرف اپنے ظن اور گمان پر ہوتا ہے' اور وہ یہ سمجھتا ہے' وہ یقین کی حالت میں ہے۔ وہ ظاہری راستوں پر عمل کرتا ہے' اور وہ یہ گمان کرتا ہے' وہ حقیقت کے راستے پر چل رہا ہے۔ وہ نفسانی خواہشات سے کلام کرتا ہے' اور گمان یہ کرتا ہے' وہ کشف کی حالت میں ہے۔ آدمی کے ذہن سے اس ظن اور گمان کا اخراج اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کا جلال' جمال' اس کا دیدار اسے حاصل نہ ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے' جب جمال کا اظہار ہوتا ہے' تو اسے سب کچھ اسی میں نظر آتا ہے۔ اس کا اپنا ذاتی ظن اور گمان فنا ہو جاتا ہے' اور جب جلال کا اظہار ہوتا ہے' تو پھر اسے اپنی ذات بھی نظر نہیں آتی اور اس کے گمان کا امکان بھی باقی نہیں رہ جاتا۔

حضرت شیخ ابومحمد بن احمد بن حسین جریری رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' علم کی وضاحت کرنے والے' طریقت کے طریقوں کو واضح کرنے والے' شیخ ابومحمد بن احمد بن حسین ہیں' جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مقرب خاص تھے۔ انہوں نے حضرت سہل بن عبداللہ تستری کی صحبت پائی ہے۔ تمام علوم کے عالم تھے اور فقہ میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ اصول میں مہارت رکھتے تھے اور تصوف کے طریقے میں انہیں یہ درجہ حاصل تھا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں یہ ہدایت کی تھی: تم میرے مریدین کی تربیت کرو۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد یہ ان کے جانشین مقرر ہوئے تھے۔

انہوں نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

دَوَامُ الْاِیْمَانِ وَقِوَامُ الْاَدْیَانِ وَصَلَاحُ الْاَبْدَانِ فِیْ ثَلٰثَةِ خِصَالِ الْاِکْتِفَاءُ وَالْاِتِّقَاءُ وَالْاِحْتِمَاءُ مَنِ اکْتَفٰی بِاللّٰهِ صَلُحَتْ سَرِیْرَتُهٗ وَمَنِ اتَّقٰی مَانَهَی اللّٰهُ عَنْهُ اِسْتَقَامَتْ سِیْرَتُهٗ وَمَنِ احْتَمَا لَمْ یُوَافِقْهُ اِرْتَاضَتْ طَبِیْعَتُهٗ فَثَمَرَةُ الْاِکْتِفَاءِ صَفْوَةُ الْمَعْرِفَةِ وَعَاقِبَةُ الْاِتِّقَاءِ حُسْنُ الْخَلِیْقَةِ وَغَایَةُ الْاِحْتِمَاءِ اِعْتِدَالُ الطَّبِیْعَةِ

''ایمان کا دوام اور دین کا قیام اور بدن کی اصلاح کا تعلق تین چیزوں سے ہے۔ قناعت' تقویٰ اور غذا کی حفاظت۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اکتفا کرے گا' اور اس پر قناعت کرے گا' اس کے باطنی اسرار ٹھیک ہو جائیں گے

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ممنوع قرار دی ہوئی چیزوں سے اجتناب کرے گا اس کی سیرت بہترین اور مضبوط ہو جائے گی اور جو شخص ناموافق غذا استعمال کرنے سے پرہیز کرے گا اس کی طبیعت ٹھیک رہے گی۔ اس لیے قناعت کا پھل معرفت کی صفائی ہے۔ تقویٰ کا نتیجہ پاکیزہ اخلاق سے آراستہ ہونا ہے اور غذا میں احتیاط کے نتیجے میں تندرستی حاصل ہوتی ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ پر اکتفاء کرتا ہے اس کی معرفت پاک اور خاص ہو جاتی ہے اور جو شخص معاملات میں تقویٰ کا دامن تھامے رکھتا ہے اس کے اخلاق دنیا اور آخرت میں بہترین ہو جاتے ہیں۔

دو احادیث مبارکہ

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''مَنْ كَثُرَ صَلٰوتُهٗ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ بِالنَّهَارِ''

''جو شخص رات کے وقت بکثرت نوافل ادا کرے گا دن کے وقت اس کا چہرہ روشن رہے گا''۔

ایک اور حدیث میں یہ بات منقول ہے۔

''وُجُوْهُهُمْ نُوْرٌ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ''

''(اہل تقویٰ قیامت کے دن اس حالت میں لائے جائیں گے) ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے''۔

جو شخص غذا میں احتیاط کرتا ہے اس کا جسم بیماری سے اور اس کا نفس خواہشات کی پیروی سے محفوظ رہتا ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اطاعت و فرمانبرداری کے حوالے سے یہ کلام بہت جامع ہے۔

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل ادمی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک اہل معاملہ کے شیخ اہل صفا کے پیشوا حضرت شیخ ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل ادمی ہیں جو اپنے زمانے کے اکابر مشائخ میں سے ایک تھے۔ انہیں علم تفسیر اور علم قرأت پر بہت عبور حاصل تھا۔ قرآن کی تفسیر کے ماہر تھے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر مریدین میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیم مارستانی کی صحبت پائی ہے۔ حضرت شیخ ابوسعید خراز ان کا بہت احترام کیا کرتے تھے اور تصوف میں ان کے علاوہ اور کسی کو معتبر نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت شیخ ادمی نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلسُّكُوْنُ اِلٰى مَالُوْفَاتِ الطَّبَائِعِ يَقْطَعُ صَاحِبَهَا عَنْ بُلُوْغِ دَرَجَاتِ الْحَقَائِقِ

''طبیعت کی پسندیدہ چیزوں سے سکون حاصل کرنے والا شخص حقائق کے درجات تک پہنچنے سے رہ جاتا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی جس شخص کو طبعی طور پر مرغوب چیزوں سے سکون حاصل ہوگا' اور وہ حقائق تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے' طبیعت نفس کا آلہ اور اوزار ہے' اور نفس حجاب کا مقام ہے' جبکہ حقیقت کشف کا مقام ہوتا ہے۔ مرید شخص محجوب ہوتا ہے' اور اسے اس شخص کی مانند چین اور راحت حاصل نہیں ہوتی جسے کشف حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے حقائق کا ادراک ان چیزوں سے منہ موڑے بغیر نہیں ہوسکتا جو طبیعت کو مرغوب ہوتی ہیں' اور طبیعت کو دو چیزوں کے ساتھ محبت ہوتی ہے ایک دنیا اور اس سے متعلق چیزوں کے ساتھ' دوسرا آخرت اور اس کے احوال کے ساتھ۔

انسان دنیا کا ہم جنس ہے' یعنی وہ دنیا میں پایا جاتا ہے' لیکن آخرت کے بارے میں صرف اس کا اپنا گمان ہوتا ہے کہ اسے آخرت سے محبت ہے' ورنہ درحقیقت اسے آخرت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے' کیونکہ اسے آخرت کی حقیقت کا ہی پتہ نہیں ہے' کیونکہ اگر وہ شخص واقعی آخرت کو اچھی طرح جان لیتا تو پھر وہ اپنا تعلق اس فانی دنیا سے توڑ لیتا تو جب اس کا یہ تعلق ختم ہوجاتا' تو طبیعت کا غالب ہونا بھی ختم ہوجاتا اور اس کے سامنے حقائق منکشف ہوجاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے' عالم آخرت کو طبیعت کے ساتھ صرف یہ تعلق ہے' طبیعت فنا ہوجائے' تو آخرت کی حقیقی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

لِاَنَّ فِیْهَا مَالَاخَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ

اس کی وجہ یہ ہے' آخرت کا یہ عالم ہے' اس کی جو نعمتیں ہیں ان کا خیال بھی کبھی کسی شخص کو نہیں آیا ہوگا۔

عالم آخرت کو خطرناک اس لیے قرار دیا گیا ہے' کیونکہ اس کا راستہ خطرناک ہے' اور جو چیز دل میں کھٹکتی ہو اس کی زیادہ وقعت نہیں ہوتی' تو مختصر یہ کہ جب آخرت کی حقیقت انسان کے وہم اور خیال میں بھی نہیں آسکتی تو طبیعت اس کی حقیقت کے ساتھ کسی طرح مانوس ہوسکتی ہے۔ صحیح بات یہ ہے' آخرت کے ساتھ طبیعت کا اُلفت رکھنا ایک غلط گمان ہوگا۔

شیخ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک حقیقت میں غرق ہونے کی وجہ سے بظاہر ہلاکت کا شکار ہونے والے' شیخ ابوالمغیث حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جو طریقت کے مست اور مشتاق تھے۔ ان کا حال طبعی تھا اور ہمت بلند تھی۔

منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشائخ کی آراء

ان کے بارے میں مشائخ کی آراء مختلف ہیں۔ بعض حضرات نے انہیں مردود قرار دیا ہے' اور بعض نے انہیں مقبول قرار دیا ہے۔

شیخ عمرو بن عثمان مکی' شیخ ابویعقوب نہرجوری' شیخ ابویعقوب اقطع اور شیخ علی بن سہل اصفہانی نے انہیں مردود قرار دیا ہے' جبکہ شیخ ابن عطاء' شیخ محمد بن خفیف' شیخ ابوالقاسم نصرآبادی اور تمام متأخرین مشائخ نے انہیں مقبول قرار دیا ہے۔

تیسرا طبقہ ایسا ہے جنہوں نے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔ ان میں حضرت جنید بغدادی' حضرت شبلی'

حضرت جریری اور حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہم جیسے اکابر مشائخ طریقت شامل ہیں۔

چوتھا طبقہ وہ ہے' جنہوں نے انہیں جادوگر قرار دیا ہے۔

ہمارے زمانے میں شیخ المشائخ شیخ ابوسعید' شیخ ابوالقاسم گرگانی' شیخ ابوالعباس شقانی اور دیگر مشائخ نے ان کی حالت کو باطنی اسرار پر محمول کیا ہے' اور انہیں بزرگ قرار دیا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

استاد ابوالقاسم القشیری فرماتے ہیں: اگر وہ اہل حقیقت و اہل معنی میں سے ہیں' تو لوگوں کے مسترد کرنے کی وجہ سے مردود نہیں بنیں گے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مردود ہیں' تو مخلوق کے قبول کرنے کی وجہ سے مقبول نہیں ہوں گے۔ اس لیے ہم ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں' اور ان میں حق کی جس قدر نشانیاں نظر آتی ہیں اتنا بزرگ انہیں سمجھتے ہیں۔

چند مشائخ کے علاوہ تمام مشائخ ان کے فضل و کمال' حالت کی صفائی اور بکثرت ریاضت و مجاہدہ کے قائل ہیں۔ ان کا ذکر اس کتاب میں نہ کرنا زیادتی ہوگی' کیونکہ کچھ لوگوں نے جو ظاہر پرست ہیں' انہوں نے ان کی تخفیف کی ہے' اور ان کا انکار کیا ہے' اور ان کی حالت کو عذر' حیلہ اور جادو سے منسوب کیا ہے۔

وہ یہ کہتے ہیں: یہ حسین بن حلاج بغدادی ملحد ہیں' جو محمد بن زکریا کے استاد تھے اور ابوسعید قرمطی کے ساتھی ہیں حالانکہ وہ شخص دوسرا فرد ہے۔ ہم جن حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کر رہے ہیں' اور جن کے بارے میں مشائخ میں اختلاف پایا جاتا ہے یہ فارس کے شہر ''بیضا'' کے رہنے والے تھے۔ جن مشائخ نے ان سے لاتعلقی ظاہر کی ہے' اور مسترد کیا ہے انہوں نے ان کے دین اور مذہب میں طعنہ زنی کی وجہ سے نہیں کیا ہے' بلکہ ان کے حال اور کیفیت کے اعتبار سے کیا ہے۔ اس کی وجہ ہے' یہ صاحب حضرت سہل بن عبداللہ تستری کے مرید ہوئے۔ پھر ان سے اجازت لیے بغیر انہیں چھوڑ دیا اور پھر شیخ عمرو بن عثمان مکی کی صحبت میں رہنے لگے۔ اس کے بعد ان سے بھی اجازت لیے بغیر انہیں چھوڑ دیا اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' لیکن حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں قبول نہیں کیا اور انہیں اپنے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دی۔ اسی لیے مشائخ نے ان سے لاتعلقی اختیار کی' تو یہ لاتعلقی معاملے کے اعتبار سے ہے۔ اصل طریقت کے اعتبار سے نہیں ہے۔

شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا خراجِ تحسین

آپ حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ انہوں نے یہ فرمایا:

اَنَا وَالْحَلَّاجُ شَیْءٌ وَّاحِدٌ فَخَلَّصَنِی جُنُوْنِی وَاَهْلَكَهٗ عَقْلُهٗ

''میں اور حلاج ایک ہی راستے کے مسافر ہیں۔ میری وارفتگی نے مجھے نجات دلا دی اور اس کی عقل نے اسے ہلاکت کا شکار کر دیا''۔

اگر شیخ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ واقعی مطعون اور مردود ہوتے تو ابوبکر شبلی یہ نہ کہتے:

''میں اور حلاج ایک ہی راستے کے مسافر ہیں''۔

حضرت محمد بن خفیف نے ان کے بارے میں یہ فرمایا ہے۔

''هُوَ عَالِمٌ رَبَّانِيٌّ'' ''وہ عالم ربانی تھے''۔

اس طرح اور بھی بہت سے اقوال ہیں جن سے یہ بات پتہ چلتی ہے' مشائخ طریقت کا ان سے ناخوش ہونا اور لاتعلقی اختیار کرنا طریقت میں ان کی کیفیت کے اعتبار سے تھا۔

حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی تصانیف منقول ہیں' اور اصول وفروع کے بارے میں ان کے بیان کردہ نکات اور کلام بہترین ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی رائے

(سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے بغداد اور اس کے نواحی علاقوں میں شیخ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی 50 کتابیں دیکھی ہیں' جبکہ کچھ کتابیں خوزستان کچھ خراسان میں ہیں۔ ان کتابوں میں وہ باتیں لکھی ہوئی ہیں' جو کسی نئے مرید سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ان میں سے کچھ باتیں مضبوط ہیں کچھ کمزور ہیں' کچھ آسان ہیں کچھ مشکل ہیں۔ جب کسی شخص پر حق تعالیٰ کی تجلی ظاہر ہوتی ہے وہ اپنی فہم کے مطابق اپنی حالت کو ظاہر کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا فضل اس کا محافظ اور مددگار بن جاتا ہے' لیکن بعض اوقات کیفیت کی بات کو واضح کرنا مشکل ہوتا ہے۔ بطور خاص اس وقت ایسا ضرور ہوتا ہے' جب بیان کرنے والا جلد بازی کا مظاہرہ کرتا ہے' تو پھر وہ جو چیز بیان کرتا ہے' اس کے سننے سے ذہن میں الجھن پیدا ہو جاتی ہے' اور عقل اسے سمجھنے سے قاصر ہو جاتی ہے' تو کچھ لوگ یہ کہتے ہیں: یہ بہت اونچی بات ہے' اور کچھ لوگ اپنی جاہلیت کی وجہ سے اس کا انکار کر دیتے ہیں' کچھ لوگ اپنی لاعلمی کا اقرار کر لیتے ہیں۔ اس طرح کا اقرار بھی ان کے انکار کی مانند ہوتا ہے' لیکن جب اہل تحقیق اور اہل بصیرت اس عبارت کو دیکھتے ہیں' تو وہ عبارت میں اٹکتے نہیں ہیں' اور حیرانگی کا اظہار نہیں کرتے۔ وہ تعریف و مذمت سے لاتعلق ہو کر انکار اور اقرار سے اپنا دامن بچا کر وہاں سے گزر جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے اس بزرگ کی حالت کو جادو کی طرف منسوب کیا ہے' تو یہ بالکل ناممکن سی بات ہے' کیونکہ اہل سنت کے عقیدے کے مطابق جادو اسی طرح حق ہے جیسے کرامت حق ہے لیکن کمال کی حالت میں سحر (جادو) کا اظہار کم تر ہوگا لیکن ایسی حالت میں کرامت کا اظہار معرفت شمار ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے' جادو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے' تو کرامت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی علامت ہے۔ اس مسئلے کو ہم کرامت کے اثبات کی بحث میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

اہل سنت اس بات پر متفق ہیں: کوئی بھی مسلمان جادوگر نہیں ہو سکتا اور کوئی بھی کافر صاحبِ کرامت نہیں ہو سکتا کیونکہ دو متضاد چیزوں کا جمع ہونا محال ہے۔

حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ جب تک زندہ رہے تب تک درست طریقے پر گامزن رہے عمدہ طریقے سے نماز ادا کرتے

رہے' بکثرت ذکر واذکار کرتے رہے' متواتر روزے رکھتے رہے' اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے رہے۔توحید کے بارے میں نکات بیان کرتے رہے۔ اگران کے افعال جادو ہوتے تو ان سے ان سب چیزوں کا صدور محال ہوتا ہے' اسی لیے صحیح یہ ہے' یہ سب چیزیں ان سے کرامت کے طور پر ثابت ہوئی تھیں اور کرامت صرف ولی سے ثابت ہوسکتی ہے۔

بعض اہل علم حضرات نے منصور کے الٰہیات کے بارے میں نظریات کو مسترد کیا ہے' اور ان کلمات پر اعتراض کیا ہے' جن سے امتزاج واتحاد کا مفہوم پیدا ہوتا ہے' تو اگرچہ تعبیر اور مزاحمت کے اعتبار سے یہ الفاظ غلط ہیں' اور مفہوم اور معنی کے اعتبار سے ان کے الفاظ اتنے غلط نہیں ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے' جس شخص کی حالت مغلوب ہوتی ہے وہ اپنے مفہوم کو صحیح طور پر ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور اپنی حالت کے مغلوب ہونے کی وجہ سے اس کی عبارت درست نہیں ہوتی۔ایک پہلو یہ بھی ہوسکتا ہے' اپنی حقیقت کے اعتبار سے مفہوم مشکل ہو اور تعبیر کرنے والا آسان عبارت میں اسے بیان کرنا چاہتا ہو' اور وہ ایسا نہ کرسکا ہو اور منکرین کو جب ان کی سمجھ نہیں آئی' تو انہوں نے اس کی ایسی صورت بنادی (یعنی ایسی تعبیر پیش کی) جس سے انکار کا جواز پیدا ہوجائے' تو ان لوگوں کا انکار ان کی طرف لوٹے گا۔اس حقیقت کی طرف نہیں لوٹے گا۔

بغداد کے ملاحدہ

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے بغداد اور اس کے گردونواح میں ایسے ملحد لوگ بھی دیکھے ہیں' جو شیخ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار ہونے کے دعویدار ہیں' اور اپنی بے دینی کی دلیل کے طور پر ان کے کلام کو پیش کرتے ہیں' اور خود کو ''حلاجی'' کہلاتے ہیں' اور حضرت حلاج کے بارے میں اتنا غلو کرتے ہیں جس طرح اہلِ تشیع' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے دعوے میں غلو کرتے ہیں۔ان لوگوں کے نظریات کی تردید' میں ایک مستقل باب میں بیان کروں گا جہاں صوفیاء کے مختلف مکاتبِ فکر کا تذکرہ ہوگا۔اس تمام بحث ومباحثہ کا خلاصہ یہ ہے' سلامتی اس بات میں ہے' شیخ حلاج کے کلام کو رہنما نہ بنایا جائے کیونکہ وہ اپنی حالت کے اعتبار سے مغلوب تھے متمکن نہیں تھے اور اقتداء اس شخص کے کلام کی کرنی چاہیے جو متمکن ہوتا ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ہر طرح کی حمد اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔اس بات پر کہ مجھے حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ سے محبت ہے' لیکن کیونکہ ان کا طریقہ کسی اصول پر قائم نہیں ہے' اور ان کی حالت میں استقامت نہیں ہے' اور ان کے حالات میں آزمائش زیادہ ہے' لیکن اس کے باوجود مجھے اپنے طریقت کے راستے کے آغاز میں ان سے بہت مدد ملی اور دلائل حاصل ہوئے۔اس کتاب کو تصنیف کرنے سے پہلے میں نے ان کے کلام کی شرح بھی لکھی تھی اور اس میں دلائل اور شواہد کے ذریعے ان کے کلام کے صحیح ہونے کا اظہار کیا تھا۔

اسی طرح میں نے اپنی کتاب ''منہاج الدین'' میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے' اور یہاں بھی ان کا مختصر تذکرہ کردیا ہے' تو پھر ایک ایسی شخصیت جس کے طریقے کی اصل کو اتنے زیادہ اعتراضات اور اتنے اختلافات اور پہلوؤں کے ذریعے ثابت کیا

جاتا ہو اس سے تعلق کیوں اختیار کیا جائے' اور ان کی پیروی کیوں کی جائے' جبکہ نفسانی خواہشات کا پیروکار شخص صحیح راستے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ وہ ایسا راستہ اختیار کرتا ہے' جو ٹیڑھا ہوتا ہے۔

منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بلیغ قول

حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول منقول ہے۔

اَلاَلسِنَةُ مُسْتَنْطِقَاتٌ تَحْتَ نُطْقِهَا مُسْتَهْلِكَاتٌ

''زبانیں بولتی ہیں' اور ان کے بولنے کے نیچے ہلاکت ہوتی ہے''۔

یہ عبارت ایک آزمائش ہے' اور معنی کی حقیقت بیان کرنے کے بارے میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' جب معنی (حقیقت) حاصل ہو' تو اس وقت عبارت مفقود نہیں ہوتی (بلکہ پائی جاتی ہے) اور جب معنی مفقود ہوں (یعنی موجود ہی نہ ہوں) تو اس وقت عبارت موجود ہی نہیں ہوتی سوائے اس صورت حال کے کہ اس میں کوئی ایسا گمان ظاہر ہو۔ جس میں طالب کی ہلاکت مضمر ہو یعنی وہ اپنے باطل گمان کی وجہ سے کسی عبارت کو غلط مفہوم پہنائے اور پھر وہ یہ سمجھے کہ یہ اس کے حقیقی معنی ہیں' تو وہ اس طرح ہلاکت کا شکار ہو سکتا ہے۔

شیخ ابواسحاق ابراہیم بن احمد خواص رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' توکل کرنے والوں کے سردار' اہل تسلیم کے سالار' حضرت ابواسحاق ابراہیم بن احمد الخواص ہیں' جو توکل کے بارے میں بڑی شان اور مرتبے کے مالک تھے۔ آپ نے بہت سے مشائخ کا زمانہ پایا ہے۔ ان کی نشانیاں اور کرامات بہت زیادہ ہیں۔ طریقت کے معاملات میں ان کی تصانیف بہترین ہیں۔

دو جامع کلمات

ان کا یہ فرمان منقول ہے۔

اَلْعِلْمُ كُلُّهُ فِيْ كَلِمَتَيْنِ لَا تُكَلِّفُ فِيْ مَا كَفِيْتَ وَلَا تَضِيْعُ مَاسْتَكْفَيْتَ

''سارا علم دو کلمات میں موجود ہے۔ ایک یہ کہ تم اس بارے میں خود کو تکلیف کا شکار نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے بارے میں فیصلہ کر دیا ہے' اور دوسرا یہ کہ تم اس بات کو ضائع نہ کرو جس کی ادائیگی کا تم سے مطالبہ کیا گیا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' تم تقدیر کے بارے میں تکلف نہ کرو' کیونکہ ازل میں تمہاری قسمت میں جو لکھ دیا گیا ہے' تمہارے تکلف کی وجہ سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کی فرمانبرداری کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرو کیونکہ یہ نافرمانی تمہیں عذاب میں مبتلا کر دے گی۔

حضرت خضر علیہ السلام سے معذرت

کچھ لوگوں نے ان سے دریافت کیا: آپ نے حیران کن چیز کیا دیکھی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں نے مختلف اقسام حیران کن قسم کی صورت حال کا سامنا کیا ہے' لیکن سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی' ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے یہ کہا' میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں تو میں نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ لوگوں نے دریافت کیا: اس کی وجہ کیا تھی؟ تو حضرت خواص نے فرمایا: اس کی وجہ یہ نہیں: میں ان سے کوئی بہتر رفیق چاہتا تھا' بلکہ مجھے یہ اندیشہ تھا' میں اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی اور پر اعتماد کر کے اپنا توکل ضائع نہ کر دوں اور ایسا نہ ہو' اس نفل کے بدلے میں میرا فرض ہی ادا نہ ہو پائے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ آپ کے درجے کا کمال تھا۔

حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' طریقت کے اسرار کو چھپانے والے' اہل یقین کی اساس' بنیاد شیخ ابوحمزہ بغدادی بزاز رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جو اکابر مشائخ میں سے ایک ہیں' آپ علم کلام کے بہت بڑے ماہر تھے۔ آپ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔ آپ حضرت نوری اور خیر نساج کے ہم عصر بزرگ ہیں۔ بغداد کی مسجد ''رصافہ'' میں آپ وعظ کیا کرتے تھے۔ آپ علم تفسیر اور علم قرأت کے عالم تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کرنے میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

جب حضرت نوری آزمائش کا شکار ہوئے' تو یہ ان کے ساتھ رہے اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات عطا کی۔

یہ واقعہ میں حضرت نوری کے مکتبہ فکر کی وضاحت کے باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

حقوق کی دو اقسام

ایک روایت کے مطابق شیخ ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ارشاد فرمائی:

اِذَا سَلِمَتْ مِنْكَ نَفْسُكَ فَقَدْ اَدَّيْتَ حَقَّهَا وَاِذَا سَلِمَ مِنْكَ الْخَلْقُ قَضَيْتَ حُقُوْقَهُمْ

''جب تک تمہارا جسم تمہاری طرف سے سلامتی میں رہے' تو گویا تم نے اس کا حق ادا کر دیا اور جب لوگ تم سے بچے رہیں تو گویا تم نے ان کا حق ادا کر دیا''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک اپنی ذات کا حق ہے' اور دوسرا دوسرے لوگوں کا حق ہے' تو جب تم خود کو معصیت سے محفوظ رکھتے ہو اور دنیا میں سلامتی کی راہ پر قائم رہتے ہو' تو تم آخرت کے عذاب سے اپنے جسم کو بچا لیتے ہو' تو اس کا مطلب یہ ہے' تم نے جسم کے حق کو ادا کر دیا اور اگر تم لوگوں کو اپنی اذیت سے محفوظ رکھتے ہو' ان کے ساتھ برائی نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے' تم نے ان کے حق کو بھی ادا کر دیا۔ اس لیے تم پوری

کوشش یہ کرو کہ نہ خود برائی میں مبتلا ہو اور نہ کسی دوسرے کو برائی میں مبتلا کرو۔ پھر تم اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کی کوشش کرو۔

حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' اپنے فن کے امام' بلند حالت کے مالک' لطیف کلام کے مالک' شیخ ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی ہیں' جو اہل تحقیق مشائخ میں سے ایک تھے۔ حقائق میں آپ کا درجہ بہت بلند ہے۔ آپ تمام مشائخ کے نزدیک قابل تعریف ہیں۔ آپ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے ساتھیوں میں سے ایک ہیں۔ ان کی عبارات بہت گہری ہوتی ہیں۔ ظاہر پرست ان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ انہوں نے کسی ایک جگہ پر مستقل قیام نہیں کیا' جب یہ ''مرو'' تشریف لائے تو وہاں کے رہنے والے لوگوں نے ان کی طبیعت کی لطافت پر اور نیک سیرت کی وجہ سے انہیں قبول کر لیا۔ وہاں یہ وعظ کرتے رہے اور اپنی عمر کا بڑا حصہ وہاں گزار دیا۔

ذکر کی حقیقت

انہوں نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلذَّاکِرُ فِیْ ذِکْرِہٖ اَکْثَرُ غَفْلَۃٍ مِّنَ النَّاسِ لِذِکْرِہٖ

''ذکر کرنے والا شخص اپنے ذکر میں' اس ذکر کی وجہ سے' عام لوگوں سے زیادہ غفلت کا شکار ہوتا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' جب انسان خدا کو یاد رکھے اور اس کے ذکر کو بھول جائے' تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔' لیکن خرابی تو اس بات میں ہے' انسان ذکر کو یاد رکھے اور خدا کو بھول جائے کیونکہ ذکر اور چیز ہے' اور جس کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ ذات اور ہے۔ لہٰذا جب ذکر کی بنیاد پر انسان ذات سے لاتعلق ہو جائے' تو اس ذکر میں زیادہ غفلت پائی جائے گی۔

اس کے برعکس وہ روگردانی جو غرور کے بغیر ہو' اس میں غفلت اتنی زیادہ نہیں ہوتی' کیونکہ اس وقت بھولنے والے شخص کو فراموشی کی حالت میں کوئی غرور نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس ذکر کرنے والا شخص غیبت کی حالت میں ذکر کرتا ہے' لیکن اسے غرور یہ ہوتا ہے' وہ حضوری کی کیفیت میں ہے۔ اس لیے جب انسان کو حضوری حاصل نہ ہو' تو اس کو گمان یہ ہو' اس کو حضوری حاصل ہے' تو عام غفلت کے مقابلے میں یہ زیادہ بڑی غفلت ہو گی جس میں کوئی گمان نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے' طالبان حقیقت اپنے باطل گمان کی وجہ سے ہلاکت کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لیے جہاں گمان زیادہ ہوتا ہے وہاں مقصد کم ہاتھ آتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے' طالبان حق کا گمان حقیقت میں عقل کی تہمت ہوتی ہے' اور عقل عموماً ہمت سے حاصل ہوتی ہے' اور ہمت کا تکبر اور برائی کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے' ذکر یا تو غیبت کی حالت میں ہوتا ہے' یا

حضوری کی حالت میں ہوتا ہے۔ اگر ذکر کرنے والا شخص اپنی ذات سے غائب اور بے خبر ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو' تو پھر اس کا ذکر درحقیقت ذکر نہیں ہوتا' بلکہ مشاہدہ ہوتا ہے' لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو اور اپنے آپ سے بے خبر ہو' تو وہ اس کا ذکر نہیں ہوگا' بلکہ غیبت کی حالت ہوگی اور یہ غیبت غفلت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔

شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' سکینہ احوال' سفینہ مقال' شیخ ابوبکر دلف بن جحدر شبلی ہیں' جو اکابر مشائخ میں سے ایک تھے اور جملہ مشائخ کے نزدیک قابل تعریف تھے۔ حقیقت کے بیان میں آپ کے حالات اور آپ کی باتیں آراستہ و پاکیزہ ہیں۔ ان کے اشارے لطیف اور قابل تعریف ہیں۔

تین حیرت انگیز چیزیں

متاخرین مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے۔

''دنیا میں تین چیزیں حیرت انگیز ہیں۔ شبلی کے بیان کردہ اشارات' مرتعش کے بیان کردہ نکات اور جعفر کی بیان کردہ حکایات''۔

آپ صوفیاء کے اکابرین میں شمار ہوتے ہیں۔ طریقت کے سادات میں سے ہیں۔ آپ خلیفہ کے دربانوں کے سالار کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے حضرت خیر النساج کی محفل میں توبہ کی اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ آپ نے بہت سے مشائخ کی زیارت کی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ'' (النور: ۳۰)

''تم اہل ایمان سے یہ فرما دو! وہ اپنی نگاہوں کو جھکائے رکھیں''۔

ان کے بارے میں شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

اَیْ اَبْصَارُ الرُّؤُسِ عَنِ الْمَحَارِمِ وَاَبْصَارُ الْقُلُوْبِ عَمَّا سِوَى اللهِ

''سر کی آنکھوں کے بارے میں یہ حکم ہے' ان کو نامحرم کی طرف سے جھکا لیں اور دل کی آنکھوں کے لیے یہ حکم ہے' اللہ کے علاوہ اور کسی کی طرف دیکھنے سے بچے رہیں''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا اور غیر محرم شخص کو دیکھنا اللہ تعالیٰ سے غافل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے' اور جو لوگ غفلت کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کے لیے بڑی مصیبت یہ ہوتی ہے' انہیں اپنے عیوب کا علم نہیں ہوتا اور جو شخص دنیا میں لاعلم ہوتا ہے وہ آخرت میں بھی لاعلم ہوتا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (الاسراء:۷۲)

''جو شخص یہاں نابینا ہے وہ آخرت میں بھی نابینا ہوگا''۔

حقیقت یہ ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کسی کے دل کو نفسانی خواہش سے پاک نہ کر دے، انسان کی ظاہری آنکھ اس کے باریک پہلوؤں سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور جب تک اللہ تعالیٰ اپنی محبت کسی کے دل میں پیدا نہ کرے اس وقت تک دل کی آنکھ غیر کی طرف دیکھنے سے محفوظ نہیں رہتی۔

حضرت ابوبکر شبلی فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں بازار گیا تو لوگوں نے کہا:

''یہ پاگل ہے'' تو میں نے جواب دیا:

''اَنَا عِنْدَكُمْ مَجْنُوْنٌ وَاَنْتُمْ عِنْدِيْ اَصِحَّاءُ فَزَادَنِيَ اللّٰهُ فِيْ جُنُوْنِيْ وَزَادَ فِيْ صِحَّتِكُمْ''

''میں تمہارے نزدیک پاگل ہوں، اور تم میرے نزدیک ٹھیک ہو، تو اللہ تعالیٰ میرے پاگل پن میں اضافہ کرے، اور تمہارے ٹھیک ہونے میں اضافہ کرے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی میرا جنون میری محبت کی شدت کی وجہ سے ہے، اور تمہارا ٹھیک ہونا تمہاری غفلت کے زیادہ ہونے سے ہے، تو اللہ تعالیٰ میری اس دیوانگی کو بڑھا دے تا کہ میری قربت میں اضافہ ہو اور تمہارے ٹھیک ہونے کو اور زیادہ کر دے تا کہ تم اس سے زیادہ دور ہو جاؤ۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) حضرت ابوبکر شبلی کی یہ بات ان کی غیرت کی وجہ سے تھی تا کہ آدمی ایسا نہ ہو جائے، کہ دوستی اور دیوانگی میں فرق بھی نہ کر سکے۔

حضرت شیخ ابومحمد بن جعفر بن نصیر الخلدی رحمۃ اللہ علیہ

ان میں سے ایک بزرگ اولیاء کے احوال بیان کرنے والے ہیں، اور لطیف اقوال بیان کرنے والے ہیں، جن کا نام شیخ ابومحمد بن جعفر بن نصیر خلدی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ یہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے ساتھیوں میں سے ہیں۔ علم طریقت کے علوم کے بڑے ماہر تھے۔ مشائخ کے کلام کے حافظ اور ان کے حقوق کا خیال رکھنے والے تھے۔ ہر فن کے بارے میں ان کا کلام بلند پایہ ہے۔ رعونت ترک کرنے کے حوالے سے، ہر پہلو کے بارے میں انہوں نے بہت سی حکایات بیان کی گئی ہیں، اور ان کو کسی دوسرے کی طرف منسوب کر کے بیان کیا ہے۔

توکل کی تعریف

آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلتَّوَكُّلُ اِسْتِوَاءُ الْقَلْبِ عَنِ الْوُجُوْدِ وَالْعَدَمِ

"توکل یہ ہے' ہونے یا نہ ہونے دونوں حالتوں ہیں (دل کی کیفیت ایک جیسی ہو)"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی اگر رزق ہو تو انسان اس کی وجہ سے خوش نہ ہو اور اگر رزق نہ ہو' تو اس کی وجہ سے غمگین نہ ہو کیونکہ جسم اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے' تو اس کی بقاء یا اس کی ہلاکت' وہ جس طرح سے چاہتا ہے تم سے بہتر طور پر کر سکتا ہے' تو تم اس بارے میں دخل نہ دو۔ زیر ملکیت چیز (یعنی جسم) اپنے مالک کے سپرد کر دو اور اپنے ذاتی تصرف کو ترک کر دو۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا توکل

شیخ ابو محمد بن جعفر بیان کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اس وقت بخار میں مبتلا تھے۔ میں نے ان سے کہا: جناب! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کو شفا عطا کر دیں' تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا: میں نے کل یہ دعا کی تھی تو مجھے یہ آواز آئی: یہ جسم ہماری ملکیت ہے۔ یہ ہماری مرضی ہے' ہم اسے ٹھیک رکھیں یا بیمار رکھیں۔ تم ہمارے فیصلے میں دخل نہ دو! تم اپنے عمل دخل کو ختم کر دو' تا کہ تم اپنے خدا کے حقیقی بندے بن جاؤ!

حضرت شیخ ابوعلی بن محمد القاسم رودباری رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' قابل تعریف مرشد سخاوت کا معدن' ابوعلی بن محمد القاسم رودباری ہیں۔ جو اکابر صوفیاء کے سالار تھے اور بادشاہوں کی اولاد سے تعلق رکھتے تھے۔ طریقت کے معاملات میں ان کی شان بہت بلند تھی۔ انہوں نے طریقت کے دقیق نکات بیان کیے ہیں۔ اس حوالے سے ان کو نمایاں خصوصیت حاصل ہے۔ ان کا کلام بہت لطیف ہے۔

مرید اور مراد میں فرق

ایک روایت کے مطابق انہوں نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلْمُرِیْدُ لَا یُرِیْدُ لِنَفْسِہٖ اِلَّا مَا اَرَادَ اللّٰہُ لَـہٗ وَالْمُرَادُ لَا یُرِیْدُ مِنَ الْکَوْنَیْنِ شَیْئًا غَیْرَہٗ۔

"مرید وہ شخص ہوتا ہے' جو اپنے لیے اس چیز کو پسند کرتا ہے' جو اللہ تعالیٰ اس کے لیے چاہتا ہے' اور مراد وہ شخص ہوتا ہے' جسے کائنات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی چیز کا خیال نہیں ہوتا"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تو انسان کو چاہیے' وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے پر راضی رہے اور اپنے ارادے کو ترک کر دے تا کہ وہ سچا مرید بن سکے اور سچے محبت کرنے والے شخص کے لائق تو یہی ہے' اس کا اپنا کوئی بھی ارادہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اس کی مراد ہو اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چاہتا ہے۔ اس کی خواہش یہی ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو پسند کیا ہے وہی اسے پسند ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جو چاہتا ہے انسان بھی اسی چیز کو چاہتا ہے لہٰذا رضا کا تعلق ابتدائی مقامات میں سے ہے' اور محبت کا تعلق آخری مقامات میں سے ہے۔ ان مقامات کی نسبت بندگی کے وجود سے ہے'

لیکن احوال کے درجات اللہ تعالیٰ کی تائید سے حاصل ہوتے ہیں۔ جب یہ صورتحال ہوگی' تو اس کا مطلب یہ ہے' مرید کا تعلق اپنی ذات سے ہوتا ہے' جبکہ مراد کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔

شیخ ابوالعباس مہدی سیاری رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک توحید کے گھر کا خزینہ' تفرید کے رہنما' شیخ ابوعباس مہدی سیاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جو اپنے وقت کے پیشوا اور ظاہری و باطنی علوم کے بڑے عالم تھے۔ یہ حضرت شیخ ابوبکر واسطی کے تربیت یافتہ تھے اور انہوں نے بہت سے مشائخ سے استفادہ کیا۔ مشائخ سے استفادے کے حوالے سے یہ بہت نمایاں مقام رکھتے ہیں' یہ آزمائش کے وقت سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔ ان کا کلام بہت بلند پایہ ہے' اور ان کی تحریرات قابل تعریف ہیں۔

توحید کی تعریف

اَلتَّوْحِيْدُ اَنْ لَّا يَخْطُرَ بِقَلْبِكَ مَادُوْنَ تَوْحِيْدِهٖ

''توحید یہ ہے' تمہارے دل میں توحید کے علاوہ اور کوئی خیال جاگزیں نہ ہو''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی مخلوق کا خیال تمہارے دل میں نہ آئے' بلکہ تمہارے اپنے ذاتی معاملات کی درستگی اور صفائی کا خیال بھی نہ آئے کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کا خیال کرنا غیر کے اثبات کے مترادف ہے' جس کے نتیجے میں توحید کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کے غیر کا اثبات ہوگا' تو توحید کا حکم ساقط ہو جائے گا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ بزرگ ایک بڑے خاندان کے فرد تھے' جو علم اور حکومت کے حوالے سے نمایاں تھا۔ ''مرو'' میں آپ کے جیسا صاحب مرتبہ وصاحب حیثیت شخص کوئی نہیں تھا۔ انہیں اپنے والد کی طرف سے وراثت میں بہت سا مال ملا تھا۔ انہوں نے وہ سب مال دے کر نبی اکرم ﷺ کے دو موئے مبارک حاصل کیے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت کی وجہ سے انہیں توبہ کی توفیق دی اور انہیں شیخ ابوبکر واسطی کی صحبت نصیب ہوئی' جس کے نتیجے میں وہ اتنے بلند مرتبے پر فائز ہوئے کہ ان کا شمار صوفیاء کے پیشواؤں میں ہونے لگا۔

موئے مبارک کی برکت

یہ خود فرمایا کرتے تھے: مجھے جو کچھ بھی ملا ہے نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک کی برکت سے ملا ہے۔ انہوں نے انتقال کے وقت یہ وصیت کی تھی۔ ان موئے مبارک کو (میرے مرنے کے بعد) میرے منہ پر رکھ دیا جائے۔ ان کی وصیت پر عمل ہوا۔ ان کا مزار ''مرو'' شہر میں مرجع خاص و عام ہے۔ لوگ اپنی حاجات پوری کرنے کے لیے وہاں حاضری دیتے ہیں' اور مشکلات کے حل کے لیے دعائیں کرتے ہیں' اور یہ آزمائی ہوئی بات ہے' ان کے مزار پر کی جانے والی دعا کا اثر ضرور ظاہر ہوتا ہے' (اور مانگنے والے کی مراد پوری ہوتی ہے)۔

حضرت شیخ ابوعبداللہ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' تصوف میں اپنے وقت کے مالک' تکلف اور تصرف سے بے نیاز' شیخ ابوعبداللہ محمد بن خفیف ہیں۔ آپ مختلف علوم وفنون کے عالم تھے۔ مجاہدے میں بلند حیثیت کے مالک تھے۔ حقائق زبردست طریقے سے بیان کرتے تھے۔ ان کی تحریرات سے یہ اندازہ ہوتا ہے' ان کی حالت بہترین رہی۔

انہوں نے شیخ ابن عطار' شیخ شبلی' شیخ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ' شیخ جریری کا زمانہ پایا۔ ویسے انہوں نے زیادہ عرصہ شیخ ابویعقوب نہرجوری کی خدمت میں مکہ مکرمہ میں گزارا۔ انہوں نے تنہا بہت سے سفر کیے۔ آپ کا تعلق شاہی خاندان سے تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی توفیق عطا کی اور انہوں نے حکومت کو خیرباد کہہ کر طریقت کا راستہ اختیار کیا اور اس مقام پر فائز ہوئے کہ اہل طریقت نے ان کی بہت تعظیم وتکریم کی۔

آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلتَّوْحِیْدُ الْاِعْرَاضُ مِنَ الطَّبِیْعَۃِ ''توحید یہ ہے' طبیعت سے منہ پھیر لیا جائے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے نعمت کی وجہ سے طبیعت محجوب اور اندھی ہو جاتی ہے۔ اس لیے جب تک طبیعت سے روگردانی نہیں ہوگی اس وقت تک حق کی طرف متوجہ نہیں ہوا جا سکتا۔ طبیعت کی پیروی کرنے والا شخص درحقیقت حجاب میں ہوتا ہے' تو جب آپ نے طبیعت کی خرابی کا وبال جان کیا' تو آپ توحید کی حقیقت کو پالیں گے۔ ان بزرگ کی نشانیاں اور دلائل بہت سے ہیں۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

شیخ ابوعثمان سعید بن سلام مغربی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' آداب حیات سے آگاہ' سعادت کے آفتاب' ابوعثمان سعید بن سلام مغربی ہیں' یہ ان مشائخ میں سے ایک تھے جن کی باتوں کو لوگوں نے دل سے قبول کیا۔ یہ علم کی مختلف شاخوں سے بہرہ ور تھے۔ بہت زیادہ ریاضت کرنے والے تھے اور ثابت قدم شخصیت کے مالک تھے۔ آفات کا جائزہ لینے کے حوالے سے انہیں بہت سی نشانیاں اور اچھے دلائل حاصل تھے۔

امراء کی ہم نشینی کا وبال

انہوں نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

مَنْ آثَرَ صُحْبَۃَ الْاَغْنِیَاءِ عَلٰی مُجَالَسَۃِ الْفُقَرَاءِ ابْتَلَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِمَوْتِ الْقَلْبِ

''جو شخص درویشوں کی ہم نشینی پر دولت مندوں کے ساتھ کو ترجیح دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دل کی موت کی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی جب کوئی شخص درویشوں کے ساتھ کی بجائے دولت مندوں کے ساتھ کو اختیار

کرے گا' تو اس کا دل مر جائے گا' تو پھر درویشوں کی صحبت سے کیسے منہ موڑا جا سکتا ہے۔

ان کے اس کلام کے ذریعے صحبت اور ہم نشینی کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے۔

شیخ ابوالقاسم ابراہیم بن محمد بن محمود نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' صوفیاء کی صف کے بہادر شخص' عارفوں کی حال کی تعبیر کرنے والے' شیخ ابوالقاسم ابراہیم بن محمد بن محمود نصر آبادی ہیں۔ انہیں ''نیشاپور'' میں بلند مرتبہ حاصل تھا۔ ان کی حالت بہت بلند تھی۔ لوگوں کو دنیا میں عزت حاصل ہوتی ہے' اور انہیں آخرت میں حاصل تھی۔ ان کا کلام بہت نادر ہیں' اور ان کی بیان کردہ نشانیاں بہت بلند ہیں۔ یہ حضرت ابوبکر شبلی کے مرید تھے اور متاخرین اہل خراسان کے استاد تھے۔ اپنے زمانے کی بے نظیر شخصیت تھے۔ مختلف علوم وفنون میں اپنے عہد کے عالم اور پرہیزگار شخص تھے۔

دو طرح کی نسبت

انہوں نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَنْتَ بَیْنَ نِسْبَتَیْنِ نِسْبَۃٌ اِلٰی آدَمَ وَنِسْبَۃٌ اِلَی الْحَقِّ فَاِذَا انْتَسَبْتَ اِلٰی آدَمَ دَخَلْتَ فِیْ مَیَادِیْنِ الشَّھَوَاتِ وَمَوَاضِعَ الْاٰفَاتِ وَالزَّلَّاتِ وَھِیَ نِسْبَۃُ تَحَقُّقِ الْبَشَرِیَّۃِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا وَاِذَا نَسَبْتَ اِلَی الْحَقِّ دَخَلْتَ فِیْ مَقَامَاتِ الْکَشْفِ وَالْبَرَاھِیْنَ وَالْعِصْمَۃِ وَالْوِلَایَۃِ وَھِیَ نِسْبَۃٌ تَحَقُّقَ الْعُبُوْدِیَّۃُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا

''تم دو طرح کی نسبت کے درمیان ہو۔ ایک نسبت حضرت آدم علیہ السلام کے حوالے سے ہے' اور ایک نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہے۔ جب تم حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب ہوتے ہو' تو شہوتوں کے میدان میں' آفت کی غلط جگہ میں اور پھسلن کے مقام میں داخل ہو جاتے ہو اور یہ وہ نسبت ہے' جس کی وجہ سے تمہارا بشر ہونا ثابت ہوا ہے' اور اسی نسبت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے''۔

لیکن جب تم حق کی طرف منسوب ہوتے ہو' تو تم کشف' براہین' عصمت اور ولایت کے مقامات میں داخل ہو جاتے ہو اور یہ وہ نسبت ہے' جب بندگی ثابت ہو جاتی ہے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

''رحمان کے بندے وہ ہیں' جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں''۔

(سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی پہلی نسبت بشریت کے ساتھ ہے' اور دوسری نسبت عبودیت کے ساتھ ہے۔ بشریت کی نسبت تو قیامت کے دن ختم ہو جائے گی البتہ عبودیت کی نسبت ہمیشہ برقرار رہے گی جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

ہونا یہ چاہیے' جب انسان اپنے آپ کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرے یا حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کرے تو اس وقت اس کے لیے کمال یہ ہوگا کہ وہ یہ اعتراف کرے۔

"اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ" "میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے"۔

لیکن جب بندہ اپنی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کرے گا' تو بندہ اس کا محل بن جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں ارشاد فرمائے۔

"یَا عِبَادِیْ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ" "اے میرے بندو! آج تمہیں کوئی خوف نہیں ہے"۔

شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' طریقت کے راستے پر چلنے والوں کے سردار' اہل تحقیق کی جانوں کا جمال' ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے بزرگ آزاد بندوں میں سے ایک تھے اور اکابر صوفیاء کے پیشواؤں میں سے ایک ہیں۔ آپ اپنے عہد کی بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ ہر معاملے میں ان کا کلام بہت بلند اور عبارتیں بہترین ہیں۔

شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ زرّیں

آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

دَعُوْنِیْ فِیْ بَلَائِیْ وَاسْمَعُوْا مَالَکُمْ اَلَسْتُمْ مِنْ اَوْلَادِ آدَمَ الَّذِیْ خَلَقَهُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِیَدِہٖ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِہٖ وَاَسْجَدَلَهُ الْمَلَائِکَةَ ثُمَّ اَمَرَهُ بِاَمْرٍ فَخَالَفَ فَاِذَا کَانَ اَوَّلُ الدَّنِّ دَرْدِیًا فَکَیْفَ کَانَ آخِرُهُ

"مجھے میری آزمائش میں چھوڑ دو اور سنو! کیا تم ان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نہیں ہو؟ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت کے ذریعے پیدا کیا۔ جن میں اپنی روح کو پھونک دیا اور فرشتوں کو ان سے سجدہ کروایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک حکم دیا جس کو انہوں نے نہیں مانا' تو جب مٹکے کی شراب کا آغاز ہی گدلاہٹ سے ہو رہا ہو' تو اس کا انجام کیا ہوگا"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' جب انسان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے' تو وہ حق کا مخالف بن جاتا ہے' اور جب اس پر حق کی عنایت ہو' تو وہ مکمل طور پر محبت بن جاتا ہے۔ اس لیے تمہیں چاہیے' تم اللہ تعالیٰ کی ان آیات کو شمار کرو اور اپنے معاملے کی خرابیوں کا اس کے ساتھ موازنہ کرو اور ساری عمر اس حالت میں گزار دو۔ ویسے اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی مدد اور حفاظت کرتا ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہاں تک ہم نے بعض متقدمین صوفیاء اور اکابر مشائخ کا ذکر کیا تھا۔ اگر میں ان سب کا ذکر کرتا' ان سب کے حالات تفصیل سے بیان کرتا' ان کے احکامات بیان کرتا تو اصل مقصد فوت ہو جاتا' اور کتاب بہت طویل ہو جاتی ہے' متقدمین صوفیاء کے بعد اب میں چند متاخرین صوفیاء کا ذکر بھی کروں گا۔ باقی توفیق اور مدد اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

تیرہواں باب

متاخرین صوفیاء کا تذکرہ

یہ بات واضح رہے! اللہ تعالیٰ آپ کو نیکی کی ہدایت دے' ہمارے زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہیں' جو ریاضت برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتے اور وہ ریاضت اور مجاہدے کے بغیر بزرگی کے حصول کے خواہاں ہیں۔ یہ اہل طریقت کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں' جب یہ سابقہ زمانے کے مشائخ کی باتیں سنتے ہیں' ان کی عظمت کو دیکھتے ہیں' ان کے معاملات کے بارے میں پڑھتے ہیں' اور پھر اپنا جائزہ لیتے ہیں' تو خود کو ان سے بہت دور پاتے ہیں' لیکن ان کے اندر یہ اعتراف کرنے کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ کہیں: ہم ان جیسے نہیں ہیں' لیکن وہ یہ کہہ دیتے ہیں: ہمارے زمانے میں اس طرح کے لوگ باقی نہیں رہے' حالانکہ ان کا یہ قول محال ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین کو کبھی بھی دلیل کے بغیر نہیں چھوڑتا اور اس امت میں ہر وقت اولیاء کرام موجود رہتے ہیں' جیسے نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''لَا یَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلَی الْخَیْرِ وَالْحَقِّ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ'' *

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر گامزن رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

''لَا یَزَالُ فِیْ اُمَّتِیْ اَرْبَعُوْنَ عَلٰی خُلُقِ اِبْرَاهِیْمَ''

''میری امت میں ہمیشہ چالیس افراد ایسے رہیں گے جن کے اخلاق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاق سے فیضاب ہوں گے''۔

اب میں یہاں کچھ حضرات کا تذکرہ کر رہا ہوں جن میں سے کچھ حضرات اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں' اور کچھ ابھی حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات سے اور تمام مسلمانوں سے راضی رہے۔ اے ارحم الراحمین! تیری رحمت کے وسیلے سے (یہ دعا ہے)

*سنن ابی داود' کتاب الفتن والملاحم' باب ذکر الفتن ودلائلها' حدیث:3728سنن ابن ماجه' کتاب الفتن' باب ما یکون من الفتن' حدیث: 3950المستدرک علی الصحیحین للحاکم' کتاب الفتن والملاحم' واما حدیث عقیل بن خالد' حدیث:8739صحیح ابن حبان' کتاب اخباره صلی الله علیه وسلم عن مناقب الصحابة' ذکر سؤال المصطفی صلی الله علیه وسلم ربه جل وعلا لامته' حدیث:7345مسند احمد بن حنبل' اول مسند البصریین' حدیث عمران بن حصین' حدیث:19418مسند الطیالسی' الافراد عن عمر' حدیث:37مسند عبد بن حمید' مسند زید بن ارقم رضی الله عنه' حدیث:269البحر الزخار مسند البزار' اسماعیل' حدیث:1082

شیخ ابوالعباس احمد بن محمد قصاب رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک، ولایت کے راستے کی زینت، تمام اہلِ ہدایت کا جمال شیخ ابوالعباس احمد بن محمد قصاب ہیں۔ آپ نے "ماوراء النہر" میں متقدمین صوفیاء کی زیارت کی ہے۔ ان کی خدمت میں رہے ہیں۔ حالت کی بلندی، فراست، قول کی سچائی، دلائل کی کثرت، عبادت گزاری اور کرامات کے حوالے سے یہ بہت مشہور شخصیت ہیں۔

طبرستان کے پیشوا شیخ ابوعبداللہ خیاطی فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا فضل ہے، وہ بظاہر کسی نہ پڑھے ہوئے شخص کو ایسا بنا سکتا ہے، جب ہم جیسے لوگوں کو دین کے اصول اور علوم، یا توحید کے دقائق کے بارے میں کوئی مشکل پیش آئے تو ہم ان سے استفادہ کر سکتے ہیں، اور ایسے ہی ایک شخص شیخ ابوالعباس قصاب ہیں"۔

وہ بظاہر دنیاوی طور پر پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن اس کے باوجود علم تصوف اور اصول دین میں ان کا کلام نہایت بلند پایہ ہے۔ وہ شروع سے آخر تک نیک اور بلند سیرت کے مالک رہے۔ میں نے ان کی ہمت کی باتیں سنی ہیں، لیکن چونکہ میں یہاں پر بہت مختصر ذکر کر رہا ہوں (اس لیے وضاحت نہیں کروں گا)۔

شیخ قصاب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

یہ بات منقول ہے، ایک مرتبہ ایک لڑکے نے اونٹ پر بھاری بوجھ لاد دیا وہ اس اونٹ کی زنجیر لے کر "آمل" کے بازار سے گزر رہا تھا۔ اس بازار میں کیچڑ بہت زیادہ تھی۔ اونٹ کا پاؤں پھسلا اور اس کا پاؤں ٹوٹ گیا۔ لوگوں نے یہ سوچا کہ ہم اس اونٹ کی کمر سے وزن اتار دیتے ہیں، لیکن یہ بچہ ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتا رہا اور روتا رہا اسی دوران شیخ ابوالعباس کا وہاں سے گزر ہوا۔ انہوں نے دریافت کیا: کیا وجہ ہے؟ لوگوں نے بتایا: اس اونٹ کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے، تو حضرت ابوالعباس نے اس اونٹ کی لگام تھامی اور آسمان کی طرف دیکھ کر دعا مانگی: اے اللہ! اس اونٹ کا پاؤں ٹھیک کر دے اور اگر تو اس کو ٹھیک نہیں کرنا چاہتا تو اس بچے کے رونے کی وجہ سے تو قصاب کے دل کو کیوں تکلیف دے رہا ہے؟ تو اسی وقت ہی اونٹ کھڑا ہو گیا اور سیدھا ہو کر چل پڑا۔

تقدیر پر راضی رہنا چاہیے

ان کا یہ فرمان منقول ہے، دنیا میں رہنے والے سب افراد کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر پر راضی رہنا چاہیے، ورنہ وہ ہمیشہ تکلیف کا شکار رہیں۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے، جب آپ تقدیر پر راضی رہیں گے، تو مصیبت کی حالت میں مصیبت بھیجنے والے کی طرف دیکھیں گے اور اس وقت آپ کو اس مصیبت سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ

تقدیر سے راضی نہیں ہوں گے' تو مصیبت تو آپ کو آئے گی اور آپ کی رنجیدگی میں اضافہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ ہماری رضامندی یا ناپسندیدگی کی وجہ سے اپنی مقرر کردہ تقدیر کو تبدیل نہیں کرتا ہم اگر اس کے حکم پر راضی رہتے ہیں' تو یہ ہماری اپنی راحت کا موجب ہے' اور جب ہم اس سے منہ موڑتے ہیں' تو قضا کے مطابق صورتحال سامنے آنے کے نتیجے میں رنجیدہ ہوتے ہیں۔

شیخ ابوعلی حسن بن محمد علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' شیخ ابوعلی حسن بن محمد علی دقاق ہیں' جو متاخرین صوفیاء میں سے ایک ہیں۔ مریدوں کے حالات بیان کرنے والے محققین کی برہان تھے۔ اپنے زمانے میں اپنے عہد کے امام تھے اور بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا بیان بہت واضح تھا اور ان کی زبان فصیح تھی۔

اللہ تعالیٰ کے راستے کی وضاحت کے حوالے سے ان کا بیان بہترین اور زبان فصیح ہے۔ انہیں بہت سے مشائخ کی ملاقات اور ان سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا۔ یہ شیخ نصر آبادی کے مرید تھے اور اکثر وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے۔

غیرِ حق سے اُنس

انہوں نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

مَنْ آنَسَ بِغَیْرِہٖ ضَعُفَ فِیْ حَالِہٖ وَمَنْ نَطَقَ مِنْ غَیْرِہٖ کَذِبَ فِیْ مَقَالِہٖ

''جو شخص غیر حق سے مانوس ہو جاتا ہے وہ اپنی حالت میں کمزور ہو جاتا ہے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا ذکر کرتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) غیر کے ساتھ اُنس' حق کی معرفت سے انتہائی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے' اور جب حق تعالیٰ سے اُنس ہو جاتا ہے' تو غیر سے وحشت ہونے لگتی ہے' اور جس شخص کو غیر سے وحشت ہوتی ہو' وہ شخص غیر کی طرف سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔

شیخ دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے ایک بزرگ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے' ایک مرتبہ میں شیخ دقاق کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرا یہ خیال تھا' میں ان سے توکل کرنے والے لوگوں کی حالت کے بارے میں دریافت کروں گا۔ اس وقت انہوں نے بڑی بہترین طبری پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ میرا دل اس پگڑی کی طرف مائل ہوا (یعنی وہ مجھے بہت اچھی لگی) میں نے ان سے کہا: اے شیخ! توکل کا مطلب کیا ہوتا ہے' تو انہوں نے جواب دیا: توکل یہ ہے' تم دوسروں کی پگڑی کا لالچ دل سے نکال دو۔ انہوں نے یہ کہہ کر وہ پگڑی میری طرف اچھال دی۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

شیخ ابوالحسن علی بن احمد خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' اپنے عہد کی پختہ شخصیت' اپنے زمانے کی باعظمت ترین شخصیت' شیخ ابوالحسن علی بن احمد خرقانی ہیں۔ان کا شمار جلیل القدر مشائخ میں ہوتا ہے۔اپنے زمانے کے تمام اولیاء کے نزدیک قابل تعریف شخصیت کے مالک تھے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے شیخ ابوالحسن خرقانی کی زیارت کی اور ان دونوں حضرات کے درمیان ہر فن کے بارے میں بڑی لطیف گفتگو ہوئی۔

جب شیخ ابوسعید وہاں سے واپس آئے' تو شیخ ابوالحسن خرقانی نے ان سے کہا: میں نے آپ کو اپنی عہد کے ولایت کے لیے منتخب کرلیا ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے شیخ ابوسعید ابوالخیر کے خادم خاص حسن مؤدب کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے' جب شیخ ابوسعید ابوالخیر' شیخ ابوالحسن خرقانی کی خدمت میں حاضر ہوئے' تو انہوں نے وہاں کوئی بات نہیں کی' بلکہ شیخ الحسن خرقانی کا کلام ہی سنتے رہے اور ان کے کلام کے جواب کے علاوہ کوئی اضافی بات نہیں کی۔ بعد میں' میں نے شیخ ابوسعید ابوالخیر سے دریافت کیا: شیخ آپ اتنی دیر خاموش کیوں رہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ایک وقت میں ایک ہی بات کرنے والا کافی ہوتا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا تجربہ

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے شیخ ابوالقاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے وہ فرماتے ہیں: جب میں خرقان کے علاقے میں پہنچا تو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کی شان اور رعب سے میری ساری فصاحت ختم ہوگئی اور مجھ میں کوئی چیز بیان کرنے کی ہمت نہیں رہی۔ میں نے یہ سمجھا کہ شاید میری کسی غلطی کی وجہ سے میں اپنی ولایت سے معزول ہوگیا ہوں۔

راستے دو طرح کے ہیں

شیخ ابوالحسن خرقانی ارشاد فرماتے ہیں: راستہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک گمراہی کا راستہ ہوتا ہے' اور دوسرا ہدایت کا راستہ ہوتا ہے۔ایک بندے کا راستہ ہوتا ہے' جو خدا کی طرف جاتا ہے' اور ایک خدا کا راستہ ہوتا ہے' جو بندے کی طرف جاتا ہے۔

بندے کا راستہ خدا کی طرف گمراہی کا راستہ ہے' اور خدا کا راستہ بندے کی طرف ہدایت کا راستہ ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے' میں حق تعالیٰ تک پہنچ گیا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ نہیں پہنچا اور جو شخص یہ کہتا ہے' حق تعالیٰ نے مجھے پہنچا دیا تو اس کا مطلب ہے' وہ واقعی پہنچ گیا ہے' کیونکہ یہاں خود کو ''پہنچا ہوا سمجھنا'' نا پہنچنا ہے' اور خود کو ''پہنچا ہوا نہ سمجھنا'' ہی دراصل پہنچنا ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

شیخ ابوعبداللہ محمد بن علی داستانی رحمۃ اللہ علیہ

اپنے زمانے اور وقت کے بادشاہ عبارت اور بیان کے حوالے سے منفرد شیخ ابوعبداللہ محمد بن علی داستانی ہیں' جو ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے معزز بزرگوں میں سے ایک تھے۔ بہت شائستہ اور سمجھدار انسان تھے۔ ان کا کلام سچا ہے' اور بیان کردہ اشارات بہت لطیف ہیں۔ ان کے علاقے کی ایک بڑی شخصیت شیخ سہلکی ہیں۔ وہ ان کے بارے میں بڑے خوش گمان تھے اور ان کا کچھ کلام میں نے شیخ سہلکی کی زبانی سنا ہے۔ وہ بہت بلند مرتبے کے مالک تھے اور انتہائی خوش اخلاق تھے۔ آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلتَّوْحِیْدُ عَنْکَ مَوْجُوْدٌ وَاَنْتَ فِی التَّوْحِیْدِ مَفْقُوْدٌ

''تم سے متعلق توحید موجود ہے' اور تم توحید میں غیر موجود ہو''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' تم سے توحید درست ہے' لیکن توحید کے اندر تم نادرست ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے' تم اس کے حقوق کے تقاضے پورے نہیں کرتے ہو اور توحید میں ادنیٰ ترین درجہ یہ ہے' تم اپنی ملکیت میں اپنے تصرف کو ختم کر دو اور اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔

شیخ سہلکی ارشاد فرماتے ہیں، ایک مرتبہ ''بسطام'' کے علاقے میں ٹڈی دل نے حملہ کر دیا۔ تمام درخت اور کھیت اس کی وجہ سے سیاہ ہو گئے۔ لوگوں نے واویلا کرنا شروع کر دیا۔ شیخ نے مجھ سے دریافت کیا: کیا ہوا ہے؟ میں نے بتایا: ٹڈی دل نے حملہ کر دیا ہے' اور لوگ بہت پریشان ہیں۔ شیخ اٹھے' اپنی چھت پر گئے۔ انہوں نے آسمان کی طرف منہ کیا اور اسی وقت وہ تمام ٹڈی دل وہاں سے چلا گیا اور عصر کی نماز تک ایک ٹڈی بھی وہاں نہیں رہی اور کسی بھی شخص کا کسی ایک پتے کا بھی نقصان نہیں ہوا۔

حضرت شیخ ابوسعید فضل اللہ بن محمد میہنی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک اہل محبت کے بادشاہ' صوفیاء کے بادشاہوں کے بادشاہ شیخ ابوسعید فضل اللہ بن محمد میہنی ہیں' جو وقت کے سلطان اور طریقت کا جمال تھے۔ تمام لوگ آپ کے گرویدہ تھے۔ کچھ ان کے جمال کے دیدار کی وجہ سے تھے اور کچھ ان کی عقیدت کی وجہ سے تھے اور کچھ ان کے حال کی قوت کی وجہ سے تھے۔ آپ تمام علوم وفنون کے عالم تھے اور بلند شان کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ کے اسرار سے مشرف حضرات میں آپ کا مرتبہ بلند تھا۔ اس کے علاوہ آپ کی نشانیاں آپ کے کمالات کثرت سے ظاہر ہیں۔ آج بھی دنیا میں ان کے آثار ظاہر ہیں۔ ابتداء میں آپ علم کے حصول کے لیے اپنے آبائی علاقے میہنہ سے سرخس آئے اور شیخ ابوعلی زاہد کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ آپ ان سے تین دن کا درس ایک ہی دن میں لے لیتے تھے اور بقیہ تین دن عبادت میں گزار دیتے تھے۔ آپ کے استاد نے جب آپ کے اس طرزِ عمل کو دیکھا' تو آپ

کی تعظیم وتکریم میں اضافہ کر دیا۔

اس زمانے میں ابوفضل حسن ''سرخس'' کے حکمران تھے۔ ایک مرتبہ آپ یعنی شیخ ابوسعید فضل اللہ میہنی نہر کے کنارے جا رہے تھے' اسی دوران سامنے سے حاکم سرخس ابوفضل آ رہا تھا۔ وہ بولا: اے ابوسعید! آپ جس راستے پر چل رہے ہیں یہ آپ کا راستہ نہیں۔ آپ اپنا اصلی راستہ اختیار کریں۔ اس حاکم کی یہ بات ان کے دل پر بہت اثر انداز ہوئی اور آپ واپس آ کر ریاضت ومجاہدے میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہدایت کے راستے کو کھول دیا اور آپ کو بلند مرتبہ پر فائز کیا۔

شیخ میہنی رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہری جاہ وجلال

شیخ ابومسلم فارسی بیان کرتے ہیں: مجھے ان سے کچھ الجھن ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میرے جسم پر جو لباس تھا وہ میل کی وجہ سے چمڑے کی طرح (سخت) ہو چکا تھا۔ جب میں ان کے سامنے آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک تخت پر تشریف فرما ہیں' اورانہوں نے مصر کا بنا ہوا ایک قیمتی لباس زیب تن کیا ہوا ہے۔ میں نے دل میں سوچا یہ شخص اتنے دنیاوی لوازمات کے ہمراہ فقیر ہونے کا دعویدار ہے' جبکہ میری حالت یہ ہے (کہ میں نے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں)۔ میں اس کے ساتھ کیسے رہ سکوں گا؟ تو شیخ میرے دل کے اس وسوسے پر مطلع ہوئے۔ آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا:

يَا اَبَامُسْلِمٍ فِيْ اَيِّ دِيْوَانٍ وَجَدْتَ مَنْ كَانَ قَلْبُهٗ قَائِمًافِيْ مُشَاهَدَةِ الْحَقِّ يَقَعُ عَلَيْهِ اِسْمُ الْفَقِيْرِ

''اے ابومسلم! تم نے کون سی کتاب میں یہ بات پڑھی ہے' جس شخص کا دل حق کے مشاہدے میں قائم ہوتا ہے اسے فقیر کہا جاتا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' مشاہدہ کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ غنی ہوتے ہیں' اور لفظ فقیر ان لوگوں کے لیے ہے' جو مجاہدے کے مرتبے میں ہوتے ہیں۔

شیخ ابومسلم بیان کرتے ہیں: میں اس بات پر بہت شرمندہ ہوا' اور ان کے بارے میں جو بدگمانی میرے دل میں تھی میں نے اس سے توبہ کی۔

شیخ فضل اللہ میہنی کا یہ فرمان ہے:

اَلتَّصَوُّفُ قِيَامُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰهِ بِلاَ وَاسِطَةٍ

''تصوف یہ ہے' انسان کا دل کسی واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم رہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ بھی مشاہدے کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔ مشاہدہ دوستی کے غلبے کا علامتی نشان ہے' اور صفت میں غرق ہو جانا دیدار کے شوق کا ثبوت ہے' اور جب صفت فانی ہوتی ہے' تو اس سے حق کے ہمراہ بقاء ثابت ہو جاتی ہے۔

مشاہدے کے بارے میں تفصیلات ہم حج کے باب میں ذکر کریں گے۔

شیطانی وسوسہ

ایک مرتبہ شیخ ابوسعید نیشاپور سے ''طوس'' جانے لگے تو راستے میں ایک گھاٹی سے گزر ہوا۔ سردی اتنی زیادہ تھی کہ شیخ کے پاؤں بہت ٹھنڈے ہو گئے۔ ان کے ایک خادم کو یہ خیال آیا کہ مجھے اپنی چادر پھاڑ کر اس کے دو ٹکڑے کر کے شیخ کے پاؤں پر لپیٹ دینی چاہیے' لیکن چونکہ اس کی چادر بہت عمدہ اور قیمتی تھی اس لیے اس کے دل نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ اس کو پھاڑ دے۔ وہ درویش بیان کرتا ہے' جب ہم لوگ ''طوس'' پہنچے تو میں نے ان سے یہ سوال کیا: اے شیخ! شیطانی وسوسے اور حقانی الہام کے درمیان فرق کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا: الہام وہ تھا' جس میں تمہیں چادر کو پھاڑ کر اس کے دو ٹکڑے کر کے ابوسعید کے پاؤں پر لپیٹنے کا حکم دیا گیا تھا' تا کہ وہ پاؤں سردی سے محفوظ رہیں اور شیطانی وسوسہ وہ تھا' جس نے تمہیں ایسا کرنے سے باز رکھا۔

اس طرح کے اور بہت سے واقعات شیخ سے منسوب ہیں' اور مردانِ خدا کی یہی حالت ہوا کرتی ہے۔

شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک اوتاد کی زینت' عبادت گزاروں کے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی ہیں۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) طریقت میں' میں انہی کا مرید ہوں۔ آپ علم تفسیر اور روایات کے بہت بڑے عالم تھے اور تصوف میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ حضرت شیخ حصری کے مرید اور محرم راز ہیں' جبکہ شیخ ابوعمرو قزوینی اور ابوالحسن سالبہ کے معاصرین میں سے ہیں۔ آپ نے مکمل 60 سال تک گوشہ نشینی اختیار کیے رکھی۔ یہاں تک کہ لوگ آپ کو بھول بھال گئے۔ آپ نے زیادہ تر وقت ''لکام'' نامی پہاڑ پر گزارا اور طویل عمر پائی۔ آپ بہت سی روایات اور براہین کے مالک تھے۔

شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل

آپ صوفیاء کا مخصوص روایتی لباس نہیں پہنتے تھے اور صرف رسوم کی پیروی کرنے والوں کے بارے میں آپ کا رویہ انتہائی سخت تھا۔ میں نے آپ سے زیادہ رعب اور دبدبے والا شخص نہیں دیکھا۔

آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔

اَلدُّنْيَا يَوْمٌ وَلَنَا فِيْهَا صَوْمٌ

''دنیا ایک دن کی ہے' اور ہم نے اس ایک دن میں روزہ رکھا ہوا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' ہم دنیا سے کچھ بھی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور ہم اس کی

بندش چاہتے ہیں' کیونکہ ہم اس کی آفات کو دیکھ چکے ہیں' اس کے حجابات سے باخبر ہو چکے ہیں۔ اس لیے ہم اس سے دور بھاگتے ہیں۔

شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ میں آپ کو وضو کرواتے ہوئے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا۔ اس دوران میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ جب ہر کام قسمت اور تقدیر کے مطابق ہوتا ہے' تو آزاد لوگ غلاموں کی طرح اپنے پیروں کی خدمت کیوں کرتے ہیں؟ تو شیخ نے ارشاد فرمایا: اے فرزند! تم جو سوچ رہے ہو مجھے اس کا پتہ چل گیا ہے۔ تم یہ بات جان لو! ہر حکم کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی سپاہی بچے کو تاج و تخت عطا کرنا چاہتا ہے' تو اسے توبہ کی توفیق دے کر اپنے کسی محبوب بندے کی خدمت کی سعادت عطا کرتا ہے تاکہ یہ خدمت اس بچے (مرید) کے لیے کرامت کے حصول کا سبب بن جائے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس طرح کے حیرت انگیز واقعات روزانہ ظہور پذیر ہوا کرتے تھے۔

شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جس وقت آپ کا انتقال ہوا اس وقت آپ ''بیت الجن'' میں قیام پذیر تھے۔ یہ ''بیت الجن''، دمشق اور بانیار کے درمیان ایک گھاٹی میں واقع ایک گاؤں ہے۔ اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا اور انسانی فطرت کے عین مطابق اس وقت میرا دل ایک سچے دوست کی جدائی پر غمگین تھا۔

آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے میرے بیٹے! میں تمہیں عقیدے کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں اگر تم اس پر عمل پیرا ہو گے' تو ہر طرح کے رنج اور تکلیف سے بچے رہو گے۔ یہ بات یاد رکھنا! ہر جگہ اور ہر حالت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے' خواہ وہ (بظاہر) نیک ہو یا بد ہو۔ اس لیے تمہارے لیے یہ مناسب ہے' تم اللہ تعالیٰ کے کسی بھی فعل پر کوئی اعتراض نہ کرو اور اپنے دل میں اس بارے میں کوئی الجھن محسوس نہ کرو۔

حضرت نے یہی بات ارشاد فرمائی مزید کچھ اور ارشاد نہیں فرمایا اور پھر آپ کا انتقال ہو گیا۔

امام عبدالکریم ابوالقاسم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک استاذ امام' اسلام کی زینت شیخ عبدالکریم ابوالقاسم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جو اپنے زمانے کی بے مثال شخصیت تھے اور قدر و منزلت کے اعتبار سے بلند مرتبے کے مالک تھے۔ آپ کے حالات اور فضائل بے شمار ہیں' جو اہل زمانہ میں مشہور ہیں۔ ہر فن کے بارے میں آپ کے بیان کردہ لطیف نکات موجود ہیں۔ آپ کی محققانہ تصانیف کئی ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حالت اور آپ کی زبان کو لغویات سے محفوظ رکھا۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ زرّیں

آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

مَثَلُ الصُّوْفِيِّ كَعِلَّةِ الْبِرْسَامِ اَوَّلُهٗ هِذْيَانٌ وَآخِرُهٗ سُكُوْتٌ فَاِذَا تَمَكَّنَ خَرَسَ

''صوفی کی مثال برسام کے بیمار کی طرح ہوتی ہے' جس کے شروع میں بکواس ہوتی ہے آخر میں خاموشی ہوتی ہے' اور جب یہ مرض سرایت کر جائے' تو آدمی گونگا ہو جاتا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' صفوت کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک وجد کی ہوتی ہے' اور دوسری ظہور کی ہوتی ہے۔ ظہور کی کیفیت مبتدی کے لیے ہوتی ہے' اور اس ظہور سے مراد ہذیان ہے' جبکہ وجد کی کیفیت منتہی افراد کے لیے ہوتی ہے' اور وجد کی حالت کو بیان کرنا ناممکن اور دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے جب تک انسان طالب ہمت ہوتا ہے' اس وقت اسی ہمت کی وجہ سے بولتا رہتا ہے' لیکن یہ بولنا اہل طلب کے نزدیک ہذیان ہوتا ہے' اور جب انسان کو وصل نصیب ہو جائے' اور وہ واصل ہو جائے' تو اس وقت اشارہ اور زبان کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس کی مثال اس طرح ہے' جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مبتدی تھے تو ان کی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی آرزو کرنے کی طرف مبذول رہی اور انہوں نے یہ دعا کی:

''اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھے عطا کرتا کہ میں تجھے دیکھ لوں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان اصل مقصود تک نہ پہنچنے کی کیفیت کا یہ اظہار ہے' لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس راستے کے مقام کی انتہاء پر فائز تھے اور صاحب تمکین تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہمت کے مقام سے بلند ہوا' اور طلب فنا ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی:

''لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ''

''میں تیری تعریف نہیں کر سکتا''۔

یہ منزل رفیع ہے' اور یہ مقام اعلیٰ ہے۔

شیخ ابوالعباس احمد بن محمد الاشقانی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' اپنے زمانے کے نادر امام اور منفرد شخصیت' شیخ ابوالعباس احمد بن محمد الاشقانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جو مختلف علوم وفنون کے اصول وفروع کے امام تھے اور ہر اعتبار سے ایک کامل شیخ تھے۔ انہوں نے بہت سے مشائخ کی زیارت کی اور خود ان کا شمار جلیل القدر اور اکابر مشائخ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے طریقے کو فنا سے تعبیر کیا ہے۔ انہوں نے اس بارے میں انتہائی مشکل عبارات بیان کی ہیں' اور یہ مشکل عبارات کے حوالے سے معروف ہیں۔

کچھ جاہل لوگوں نے ان کی عبارات کے حوالے سے ان کی تقلید شروع کر دی اور تحریر میں ان کی پیروی کرنے لگے حالانکہ معنوی اعتبار سے تقلید کرنا کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے' تو الفاظ اور عبارات کی تقلید کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) مجھے آپ سے بہت محبت تھی اور آپ بھی میرے ساتھ بہت شفقت سے پیش آیا کرتے تھے۔ بعض علوم کے حوالے سے آپ میرے استاد بھی ہیں۔ میں نے آپ سے بڑھ کر شریعت کی تعظیم کرنے والا کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ آپ نے خود کو تمام موجودات سے لاتعلق کر لیا تھا۔ علم اصول کے بارے میں جو باریک نکات انہوں نے بیان کیے ہیں انہیں کسی ماہر کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا۔ آپ دنیا اور آخرت سے ہمیشہ بے زار رہے اور آپ ہمیشہ یہی کہتے رہے۔

اَشْتَهِیْ عَدَمًا مَالَا وُجُوْدَ لَهٗ

''میں ایسا عدم چاہتا ہوں' جہاں سے واپسی نہ ہو''۔

فارسی میں آپ یہ بات ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

''ہر شخص کو ناممکن کی آرزو ہوتی ہے۔ اسی طرح مجھے بھی ایک ناممکن چیز کی خواہش ہے' لیکن مجھے یقین ہے' وہ نہیں ہوسکتا''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' وہ یہ فرمایا کرتے تھے' میں یہ چاہتا ہوں' اللہ تعالیٰ مجھے عدم میں اس طرح لے جائے' دوبارہ اس عدم کو وجود نصیب نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے' مقامات اور کرامات سب کچھ حجاب اور آزمائش کا محل ہیں' اور انسان اپنے حجاب کا عاشق ہو جاتا ہے' تو دیدار کی کیفیت میں فنا ہو جانا حجاب میں ٹھہرے رہنے سے زیادہ بہتر ہے' اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے' جس پر فنا جائز نہیں ہے۔ اس کی ملکیت میں میرا اس طرح فنا ہو جانا کہ میری نیستی کو ہستی نصیب نہ ہو' تو یہ بات کیا مضائقہ رکھتی ہے؟

فنا کی درستگی میں یہ ایک بنیادی اور اہم نکتہ ہے۔

شیخ ابوالقاسم علی بن عبداللہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' اپنے زمانے کے قطب' اپنے عہد کی بے نظیر شخصیت' شیخ ابوالقاسم علی بن عبداللہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جو اپنے وقت اور اپنے زمانے کی بے مثل اور بے نظیر شخصیت تھے۔ آپ کی ابتدائی حالت بہت اچھی تھی۔ آپ کی مشاورت انتہائی سخت اور عمدہ تھی۔ لوگوں کے دل آپ کی طرف مائل تھے۔ تمام طالبانِ حقیقت آپ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے' مریدوں کی باطنی کیفیات پر مطلع ہو جانے کے حوالے سے آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ بہت سے علوم وفنون کے ماہر تھے۔ آپ کے مریدین میں سے بھی ہر شخص اپنے علم اور فضل کی وجہ سے اس دنیا کے لیے باعث زینت ہے' اور مجھے یہ توقع

ہے' ان کے بعد ان کا جانشین بھی ایک نیک سیرت اور پیشوائے قوم شخص ہوگا' اور وہ لسان الوقت ابوعلی الفضل بن محمد فارمدی ہیں' جنہوں نے اپنا سب کچھ اپنے شیخ کے لیے وقف کر دیا ہے' اور ہر چیز سے منہ موڑ لیا ہے' اور اس کی برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بزرگ شیخ کے احوال کے باطن کی زبان بنا دیا ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا ذاتی تجربہ

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ میں شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی حالت کا ذکر کر رہا تھا۔ میرا مقصد یہ تھا' آپ چونکہ اس وقت کے بڑے ناقد ہیں اس لیے میری حالت کا جائزہ لے کر (اس میں صحیح اور غلط کے بارے میں بتائیں گے)۔ انہوں نے میرے ساتھ شفقت کا سلوک کرتے ہوئے میری گفتگو بڑی توجہ سے سنی۔ کم عمری کی شوخی اور جوانی کے شوق کی وجہ سے میں بڑھا چڑھا کر باتیں کرتا رہا اور مجھے یہ خیال آیا کہ شاید آغاز میں شیخ پر یہ احوال نہیں گزرے ہیں۔ اس لیے وہ اتنی توجہ اور غور کے ساتھ میری باتیں سن رہے ہیں۔ آپ میرے خیال سے آگاہ ہو گئے' اور آپ نے ارشاد فرمایا: میرے بیٹے میں یہ احترام اور یہ توجہ تمہاری ذات کے لیے یا تمہاری حالت کے لیے نہیں دے رہا' بلکہ اس ذات کے لیے ایسا کر رہا ہوں جو حالت کو تبدیل کرنے والی ہے' اور وہ تبدیلی کسی جگہ پر بھی ہو سکتی ہے۔ میں ان احوال کے خالق کے احترام اور جلال کی خاطر ایسا کر رہا ہوں۔ اس طرح کی تمام صورتحال طالبان حق کو پیش آتی ہیں اس میں تمہاری کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے یہ بات سنی تو میرے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ آپ نے میری اس کیفیت کو بھانپ لیا اور ارشاد فرمایا۔

> ''بیٹے! انسان کو طریقت کے ساتھ صرف اتنا تعلق ہوتا ہے' اگر اسے اس راستے پر ڈال دیا جائے' تو وہ اس کے حصول کے پیچھے لگ جاتا ہے' اور جب اسے اس کے منصب سے ہٹا دیا جائے' تو انسان اس کا تذکرہ کر کے خوش ہوتا ہے''۔

اس لیے یہ نفی اور اثبات وجود و عدم دونوں خیالی چیزیں ہیں۔ انسان کبھی بھی خیالات کی قید سے باہر نہیں آ سکتا۔ اس لیے اسے چاہیے' وہ بندگی کا طریقہ اختیار کرے' اور تمام نسبتوں کو ایک طرف کر دے۔ صرف مردانگی کی نسبت کو برقرار رکھے اور بندگی کی نسبت کو برقرار رکھے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کے علاوہ میرا ان سے نیازمندی کا بہت تعلق قائم رہا اور میں نے ان سے بہت سی باتیں سیکھیں۔ اگر میں ان سب کی تفصیلات یہاں بیان کرنا شروع کر دوں تو اصل مقصد پیچھے رہ جائے گا۔

شیخ ابو احمد مظفر بن احمد بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ

ان مشائخ میں سے ایک' اولیاء کے سردار' اہل صفا کو نصیحت کرنے والے' شیخ ابو احمد مظفر بن احمد بن حمدان ہیں۔ آپ حاکم وقت تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی معرفت عطا کی اور آپ کو عزت و کرامت کا تاج پہنایا۔ فناء اور بقاء کے حوالے سے آپ کا کلام نہایت بلند ہے' اور آپ کا بیان بہت نفیس ہے۔

شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کا خراجِ تحسین

شیخ المشائخ ابو سعید ارشاد فرماتے ہیں:

''ہمیں بندگی کے راستے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لایا گیا اور شیخ مظفر کو خداوندی راہ سے اس بارگاہ میں لایا گیا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے تم نے مجاہدے کے نتیجے میں مشاہدہ حاصل کیا اور شیخ مظفر مشاہدے سے مجاہدے کی طرف آئے۔

شیخ ابو احمد مظفر فرماتے ہیں:

''بزرگوں نے سفر کر کے خاک چھان کر جو کچھ حاصل کیا وہ مجھے حکومت میں بیٹھ کر حاصل ہو گیا''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) متکبر اور مغرور لوگ شیخ کی اس بات کو صرف دعویٰ قرار دیتے ہیں' اور دعویٰ کرنا عیب ہے' لیکن حقیقت یہ ہے' اپنی حالت کو سچائی کے ساتھ بیان کرنا دعویٰ نہیں ہوتا بطور خاص اس وقت جب اہل حقیقت اسے بیان کریں۔

ان کے صاحبزادے ابھی حیات ہیں' جو انتہائی نیک سیرت بزرگ شخصیت کے مالک ہیں۔

ایک مدعی تصوف کے ساتھ مکالمہ

ایک مرتبہ میں ان کے پاس موجود تھا' نیشاپور کا رہنے والا ایک مدعی تصوف شخص آیا اور بولا: پہلے فانی ہو جاؤ پھر باقی ہو جاؤ گے' تو شیخ مظفر نے ارشاد فرمایا: فنا پر بقاء کی کیا صورت ہو سکتی ہے' کیونکہ فنا کا مطلب تو یہ ہے' وہ معدوم ہو جائے' اور بقا کا مطلب یہ ہے' وہ موجود ہو' تو یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اب اگر فنا چیز ناپید ہو جائے' اور اس کے بعد دوبارہ موجود ہو' تو وہ بعینہٖ وہ چیز نہیں ہو گی جو پہلے تھی کیونکہ وہ دوسری چیز ہو گی' تو اس لیے یہ بات درست نہیں ہو گی کہ ذات اور عین فنا ہو جائیں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے' صفت فنا ہو جائے یا سبب فنا ہو جائے۔

اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے' جب صفت اور سبب فنا ہو جائیں تو اب موصوف اور سبب باقی رہے جاتے ہیں' اور ذات کے لیے یہ فنا ہونا درست نہیں ہے۔

سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) حضرت شیخ کی عبارت بعینہٖ مجھے یاد نہیں ہے' لیکن اس کا مفہوم یہی تھا جو میں نے یہاں تحریر کیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے عام لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے' بندے کا اختیار بندے کی صفت ہے' اور بندہ اس اختیار کی وجہ سے حق تعالیٰ کے اختیار کے حوالے سے محجوب ہو جاتا ہے' اور جب وہ اپنی صفت کے حوالے سے حق تعالیٰ سے حجاب میں آ جاتا ہے' تو یقینی بات یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ازلی ہے' اور انسان کا اختیار حادث ہے' تو ازل کے لیے فنا ہونا ممکن نہیں ہے' تو جب اللہ تعالیٰ کے اختیار کو اپنے لیے اختیار کرنا انسان کی بقاء کا باعث بنے گا' تو لازمی طور پر بندے کا اختیار فنا ہو جائے گا' اور اس کا ذاتی تصرف ختم ہو جائے گا۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا ذاتی تجربہ

ایک مرتبہ میں سخت گرم دن میں' سفری لباس میں ''کرمان'' میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا' تو انہوں نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے ابوالحسن! اپنی حالت بیان کرو (تمہاری کیا طلب ہے؟) تو میں نے عرض کی: میں سماع چاہتا ہوں۔ آپ نے اسی رات قوال بلوا لیے۔ اس کے بعد صوفیاء کی ایک جماعت آئی جو سماع کی وجہ سے بے چین ہونے لگی۔ ان کے کچھ کلمات سن کر میری طبیعت بھی بے چین ہوئی۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو شیخ نے مجھ سے دریافت کیا: سماع کے بارے میں تمہاری کیا کیفیت ہے؟ میں نے عرض کی: مجھے اس سے بہت راحت نصیب ہوئی' تو شیخ نے فرمایا: ایک وقت وہ آئے گا جب سماع اور کوے کی آواز' دونوں تمہارے لیے برابر حیثیت رکھیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے' سماع کی ضرورت اس وقت تک ہوتی ہے' جب تک مشاہدہ نصیب نہیں ہوتا۔ جب مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے' تو سماع کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ ایسی عادت اختیار نہ کرو' جو تمہاری طبیعت کا حصہ بن جائے' اور اس کے نتیجے میں تم مشاہدے سے دور ہو جاؤ۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

چودھواں باب

مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے بعض متاخرین صوفیاء

اگر ہم ان تمام صوفیاء کے حالات کو یہاں تحریر کرنا شروع کریں تو کتاب بہت طویل ہو جائے گی اور اگر ہم بعض کو چھوڑ دیں تو بھی مقصد پورا نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے اب ہم اپنے زمانے کے بعض مشائخ کا تذکرہ کریں گے اور ان کے مختصر حالات یہاں نقل کریں گے، وہ مشائخ جو ابھی موجود ہیں یا اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اور ان میں ہم نے اہل حقیقت کو شامل کیا ہے، اور اہل رسوم کو ترک کر دیا ہے تا کہ ہم اپنا مقصد حاصل کر پائیں۔

شام اور عراق کے مشائخ

شیخ زکی بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے اکابر مشائخ اور سرداروں میں سے ایک ہیں۔ آپ محبت کی آتش کا شعلہ تھے۔ آپ کی کرامات اور دلائل بہت واضح ہیں۔

شیخ ابوجعفر محمد بن المصباح صیدلانی رحمۃ اللہ علیہ

ان کا شمار اکابر صوفیاء میں ہوتا ہے۔ تحقیق میں عمدہ زبان کے مالک تھے۔ یہ حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بہت زیادہ میلان رکھتے تھے۔ ان کی بعض تصانیف میری نظر سے گزر چکی ہیں۔

شیخ ابوالقاسم سدسی رحمۃ اللہ علیہ

یہ مجاہدہ، ریاضت کے حوالے سے نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے احوال بہت عمدہ تھے اور مشائخ ان سے حسن عقیدت رکھتے ہیں۔

ایران کے مشائخ

شیخ الشیوخ ابوالحسن سالبہ رحمۃ اللہ علیہ

تصوف کے مسائل کے بیان میں ان کی زبان فصیح تھی اور توحید کے مسائل کے حوالے سے ان کا بیان روشن تھا۔ آپ کے کلمات مشہور ہیں۔

شیخ مرشد ابواسحٰق ابراہیم بن شہریار رحمۃ اللہ علیہ

آپ طریقت کے معزز ترین بزرگوں میں سے ایک تھے' حکمت اور انتظامی معاملات کے حوالے سے مشہور تھے۔

شیخ نکتہ سنج ابوالحسن علی بن بکران رحمۃ اللہ علیہ

یہ بھی بزرگ صوفیاء میں سے ایک ہیں۔

شیخ ابومسلم رحمۃ اللہ علیہ

اپنے زمانے کی نادر شخصیت اور نیک بزرگ ہیں۔

شیخ ابوالفتح بن سالبہ رحمۃ اللہ علیہ

یہ اپنے والد کے نیک نام جانشین ہیں' اور ان کے فیض کے امیدوار ہیں۔

شیخ ابوطالب رحمۃ اللہ علیہ

یہ حق کے کلمات کے عاشق تھے۔

شیخ ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ

اپنے زمانے کے شیخ الشیوخ ہیں تاہم مجھے آپ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہے۔

قہستان' آذربائیجان' طبرستان اور کمش کے مختلف صوفیاء

شیخ شقیق فرج معروف بہ اخی زنجانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ انتہائی نیک سیرت اور طریقت کے اعتبار سے محبوب ترین شخصیت کے مالک تھے۔

شیخ وندری رحمۃ اللہ علیہ

اپنے زمانے کے اکابر مشائخ میں سے ایک ہیں' اور ان کی نیکیاں بہت زیادہ ہیں۔

شیخ بادشاہ تائب رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ کے راستے کے حوالے سے انتہائی تجربہ کار بزرگ ہیں۔

شیخ ابوعبداللہ جنید رحمۃ اللہ علیہ

آپ بہترین ساتھی اور انتہائی قابل احترام شخص ہیں۔

شیخ ابوطاہر مکشوف رحمۃ اللہ علیہ

آپ اس وقت جلیل القدر صوفیاء میں سے ایک ہیں۔

خواجہ حسین سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ (محبت میں) گرفتار اور (رحمت کے) امیدوار بزرگ ہیں۔

شیخ سہلکی رحمۃ اللہ علیہ

اہل تصوف کے دانشور درویشوں میں سے ایک ہیں۔

حضرت شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ ابوالحسن خرقانی کے صاحبزادے ہیں' اور اپنے والد کے نیک نام جانشین ہیں۔

شیخ ادیب کمندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے زمانے کے پیشوا بزرگ ہیں۔

کرمان کے مشائخ

خواجہ علی بن الحسین سیرکانی رحمۃ اللہ علیہ

اپنے وقت کے سیاح تھے انہوں نے بہت زیادہ سفر کیے ہیں۔ ان کے صاحبزدے حکیم بھی ایک معزز شخص ہیں۔

شیخ محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ

اپنے وقت کے اکابر بزرگوں میں سے ایک ہیں۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے بزرگ ایسے ہیں جن کا حال ظاہر نہیں ہے۔ ان میں سے کچھ بارگاہِ خداوندی سے (فضل و کرم کے) امیدوار بھی ہیں۔

خراسان کے مشائخ

یہ وہ علاقہ ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم اور اس کی عنایت کا خاص سایہ ہے۔

شیخ مجتہد ابوالعباس سرمقانی رحمۃ اللہ علیہ

ان کی زندگی اور حالات دونوں بہترین ہیں۔

خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجوینی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے اکابر مشائخ میں سے ایک ہیں' جو حقیقت تک پہنچنے والوں میں شامل ہیں۔

شیخ ابوجعفر ترشیزی رحمۃ اللہ علیہ

ان کا شمار اپنے زمانے کے معزز افراد میں ہوتا ہے۔

خواجہ محمود نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے زمانے کے پیشوا ہیں' اور طریقت کی وضاحت کرنے والے ہیں۔ ان کا بیان بہت دلکش ہے۔

شیخ محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ

اچھے اور عمدہ حالات کے مالک ہیں۔

شیخ جمرۃ الحب رحمۃ اللہ علیہ

نیک باطن اور خوش وخرم بزرگ ہیں۔

خواجہ رشید مظفر رحمۃ اللہ علیہ

یہ شیخ ابوسعید کے صاحبزادے ہیں' اور ان کے بارے میں امید کی جاسکتی ہے' وہ اپنی قوم کے پیشوا اور لوگوں کے قلوب کا کعبہ بن جائیں گے۔

شیخ احمد حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ

یہ اپنے وقت کا مقابلہ کرنے والے ہیں' اور مدت تک میرے ساتھ رہے ہیں۔ میں نے ان کے کام میں بہت سی عجیب باتیں دیکھی ہیں' اور یہ ایک جواں مرد صوفی ہیں۔

شیخ احمد نجار سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ

ان کا قیام ''مرو'' میں رہا ہے۔ اپنے زمانے میں تصوف کے بادشاہ تھے۔

شیخ ابوالحسن علی بن ابوعلی الاسود رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے والد کے سچے جانشین ہیں' بلند ہمت کے مالک ہیں۔ صدق اور فراست کے حوالے سے اپنے زمانے کی نمایاں شخصیت ہیں۔

اگر میں خراسان سے تعلق رکھنے والے تمام مشائخ کا تذکرہ کروں تو کتاب طویل ہو جائے گی۔ میں نے خراسان میں تین سو ایسے مشائخ دیکھے ہیں جن میں سے ہر ایک کا مسلک الگ ہے' اور ان میں سے کوئی بھی ایک' ساری دنیا کے لیے کافی

ہے۔محبت الٰہی کا آفتاب اور طریقت کا اقبال خراسان کے آسمان پر جلوہ گر ہے۔

ماوراء النہر کے مشائخ

ان میں سے ایک بزرگ جو خاص و عام میں مشہور ہیں' ابوجعفر محمد بن حسین حرمی ہیں' جو حق کے کلمات کی طرف توجہ دینے والے اور محبت الٰہی میں گرفتار ہیں۔ان کی ہمت بلند ہے' اور روزگار صاف ہے' اور بارگاہِ حق کے طالبان پر زیادہ شفیق ہیں۔

اپنے زمانے کے فقیہہ بزرگ اور اپنے اصحاب میں انتہائی حیثیت کے مالک ابومحمد باثغری جن کی زندگی نیک اور جن کے معاملات قوی ہیں۔

شیخ احمد ایلاقی رحمۃ اللہ علیہ

اپنے وقت کے بڑے بزرگ اور شیخ ہیں۔رسوم' عادات اور بہانوں کو ترک کرنے والے تھے۔

شیخ عارف رحمۃ اللہ علیہ

یہ اپنے زمانے کی منفرد اور نادر شخصیت ہیں۔

شیخ علی بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ

اپنے زمانے کے سردار ہیں' اور بلند حیثیت کے مالک بزرگ تھے۔طریقت کے مسائل کے بارے میں ان کا بیان بہترین ہے۔

یہ اسماء ان صوفیاء کے ہیں' جو اہل حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں' اور جن کی میں نے زیارت کی ہے' اور میں نے ان میں سے ہر ایک کے فضائل بذاتِ خود معلوم کیے ہیں' اور میں یہ سمجھتا ہوں' یہ سب اہل تحقیق ہیں۔

غزنی کے مشائخ

شیخ ابوالفضل بن اسد رحمۃ اللہ علیہ

یہ اپنے زمانے کے بڑے شیخ ہیں' اور منصف بزرگ مرشد ہیں۔ان کے دلائل روشن اور کرامات واضح ہیں۔عشق الٰہی کی آگ کے شعلے کی طرح تھے۔لوگ ان کی ظاہری حالت کی وجہ سے ان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوئے۔

شیخ اسماعیل شاشی رحمۃ اللہ علیہ

دنیا سے لاتعلق ہو کر الگ تھلگ رہنے والے بزرگ تھے۔بہت رعب اور دبدبے کے مالک تھے۔ملامت کے طریقے پر گامزن تھے۔

شیخ سالار طبری رحمۃ اللہ علیہ

آپ صوفیا' علماء میں سے ایک ہیں' اور اچھی زندگی والے تھے۔

شیخ ابو عبداللہ محمد بن حکیم مرید کے نام سے معروف تھے اور آپ انتہائی سمجھ دار صوفیاء میں سے ایک ہیں۔آپ بھیدوں کی کان تھے اور درگاہِ حق کی قربت کے مستول میں سے ایک تھے۔طریقت کے فن میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔آپ کا حال لوگوں سے پوشیدہ تھا۔آپ کے دلائل ظاہر اور کرامات روشن تھیں اور صحبت کے اعتبار سے آپ کا حال آپ کے دیدار سے بہتر تھا۔

شیخ سعید بن ابوسعید العیار رحمۃ اللہ علیہ

آپ بہت قابل احترام بزرگ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے حافظ تھے۔انہوں نے طویل عمر پائی۔بہت سے مشائخ کی زیارت کی۔آپ کی حالت قوی تھی اور باخبر بزرگ تھے۔اپنا راز کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے۔

خواجہ بزرگوار اور حرمت اور وقار کی بنیاد شیخ ابوالعلاء عبدالرّحیم بن احمد سعدی صوفیوں کے نزدیک بہت قابل احترام تھے۔اپنے وقت کے سردار تھے۔میں آپ کو بہت پسند کرتا تھا۔آپ کی زندگی مہذب تھی اور حالت بہت اچھی تھی۔آپ تمام علوم میں مہارت رکھتے تھے۔

اپنے زمانے کے یکتا شیخ قسورۃ بن محمد گردیزی رحمۃ اللہ علیہ

اہل طریقت کے ساتھ بڑی شفقت کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ہر کوئی آپ کی بہت عزت کرتا تھا۔آپ نے بہت سے مشائخ کی زیارت کی ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:)اس شہر کے عوام اور علماء کے گمان کے مطابق مجھے یہ امید ہے' ان کے بعد بھی ایسے لوگ پیدا ہوں گے' جن سے عقیدت اور احترام کا رشتہ ہم برقرار رکھیں گے۔کچھ لوگ ایسے بھی ہیں' جنہوں نے غزنی میں آ کر طریقت کی صورت کو بگاڑ دیا ہے۔اللہ کرے' یہ شہر ان سے پاک ہو جائے' اور سچے بزرگوں اور اولیاء کی قدم گاہ بن جائے۔

اب ہم یہاں پر صوفیاء کے مختلف مکاتب فکر کا تذکرہ کریں گے' باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

پندرھواں باب

صوفیاء کے مختلف مکاتبِ فکر

ان کے دلائل' علامات' مقامات' حکایات کا تذکرہ

(سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے پہلے شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے ضمن میں' میں نے یہ بات ذکر کی تھی' صوفیاء کے بارہ مکاتب فکر ہیں جن میں سے دو مسترد کیے گئے ہیں' اور دس مقبول ہیں۔

ان مقبول مکاتب فکر میں ہر مکتبہ فکر کا مجاہدے اور ریاضت کے اعتبار سے ہر عمل پسندیدہ اور بہترین ہے۔ ان کا ہر نظریہ اپنی جگہ پر بہترین ہے' اور مشاہدات کے حوالے سے ان سب کے آداب عمدہ ہیں۔ اگرچہ مجاہدے اور ریاضت' مشاہدے اور عمل کے طریقوں کے حوالے سے' ان میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے' لیکن توحید اور شریعت' بنیادی اصول اور توحید کے مسائل میں یہ سب ایک دوسرے سے متفق ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی ارشاد فرماتے ہیں:

"اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ اِلَّافِیْ تَجْرِیْدِ التَّوْحِیْدِ"

"صرف توحید کے علاوہ ہر معاملے میں علماء کا اختلاف رحمت ہے"۔

اسی مفہوم سے متعلق ایک مشہور حدیث بھی ہے۔

مشائخ کے احوال اور واقعات سے یہ بات پتہ چلتی ہے' اپنی اصل کے اعتبار سے تصوف کی حقیقت ایک ہی ہے' لیکن اس کی تقسیم مجاز اور رسوم کے اعتبار سے کی گئی ہے' اور میں اختصار کے ساتھ اس تقسیم کے بارے میں بیان کروں گا' اور اس بارے میں ہر مکتبہ فکر' ان کے نظریے کی دلیل اور اساس کا تذکرہ کروں گا' تاکہ طالبان حق کو علم حاصل ہو۔ علماء کو مزید دلائل مل جائیں' مریدین کی اصلاح ہو جائے' اور اہل محبت کے کامیاب ہونے کی صورت پیدا ہو' سمجھدار لوگوں کو کامرانی نصیب ہو' صاحب مروت کو تنبیہہ ہو جائے' اور مجھے دونوں جہاں میں اس کا اجر و ثواب حاصل ہو۔

محاسبی مکتبہ فکر

یہ لوگ شیخ ابوعبداللہ حارث بن الاسد محاسبی سے منسوب ہیں۔ آپ کے معاصرین کا اس بات پر اتفاق ہے' آپ کی شخصیت انتہائی مقبول تھی اور آپ کے فرامین کو بھی قبول کیا گیا۔ آپ اصول و فروع کے عالم تھے۔ مجرد توحید کے حقائق اور

ظاہری و باطنی معاملات کی صحت کے حوالے سے آپ کا کلام نہایت بلند مرتبہ ہے۔ آپ کے مسلک کی انفرادی خصوصیت یہ ہے' آپ رضا کو تصوف کے مقامات میں سے ایک مقام شمار نہیں کرتے ہیں' بلکہ آپ کے نزدیک رضا ایک حالت ہے۔ یہ اختلاف سب سے پہلے آپ ہی نے پیش کیا تھا۔ بعد میں خراسان کے رہنے والے لوگوں نے اسی بات کو اختیار کیا' جبکہ عراق کے مشائخ اس بات کے قائل ہیں: رضا تصوف کے مقامات میں سے ایک مقام ہے' اور یہ توکل کا انتہائی درجہ ہے۔

مشائخ کے درمیان یہ اختلاف آج بھی موجود ہے' اس لیے ہم یہیں سے بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

رضا کی حقیقت کے بارے میں کلام

یہاں یہ مناسب ہوگا کہ سب سے پہلے ہم رضا کی حقیقت کو ثابت کریں۔ اس کے بعد اس کی اقسام کو بیان کیا جائے۔ اس کے بعد حال اور مقام کی حقیقت اور ان دونوں کے درمیان فرق پر بحث کی جائے۔

کتاب سنت میں رضا کا ذکر موجود ہے۔ تمام امت رضا کے وجود پر متفق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ'' (البینۃ:۸)

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے''۔

ایک اور مقام پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ'' (الفتح:۱۸)

''اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان سے راضی ہو گیا کہ جب انہوں نے درخت کے نیچے تم سے بیعت کی''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''ذَاقَ طَعۡمَ الۡاِیۡمَانِ مَنۡ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا''*

''وہ شخص ایمان کا ذائقہ چکھ لیتا ہے' جو اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے سے راضی ہو''۔

رضا کی دو صورتیں

رضا کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے' اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہو۔ دوسری یہ ہے' اللہ تعالیٰ بندہ سے راضی ہو۔ اللہ

*صحيح مسلم' كتاب الايمان' باب ذاق طعم الايمان من رضى بالله ربا' حديث:74جامع ترمذى' الذبائح' ابواب الايمان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم' باب' حديث:2614صحيح ابن حبان' كتاب الصلاة' باب الاذان' ذكر اثبات طعم الايمان لمن قال ما وصفنا عند الاذان يسمعه' حديث:1715معرفة السنن والآثار للبيهقى' كتاب الصلاة' القول مثل ما يقول المؤذن' حديث:645مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بنى هاشم' حديث العباس بن عبد المطلب عن النبى صلى الله عليه وسلم' حديث:1725البحر الزخار مسند البزار' ومما روى عامر بن سعد' حديث:1173مسند ابى يعلى الموصلى' مسند العباس بن عبد المطلب رضى الله عنه' حديث:6550شعب الايمان للبيهقى' الخامس من شعب الايمان' حديث:196

تعالیٰ کا بندے سے راضی ہونا اس کی حقیقت یہ ہے' وہ بندے کو ثواب عطا کرے' نعمت اور کرامت عطا کرے' اور بندے کے اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے کی حقیقت یہ ہے' بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہو۔ اس کے احکام کے سامنے سر جھکا دے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا بندے کی رضا پر مقدم ہے' کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق بندے کے شامل حال نہیں ہوگی' بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری نہیں کر سکے گا' اور اس کی رضا پر قائم نہیں رہ سکے گا۔ اس لیے بندے کی رضا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ وابستہ ہے' اور اس کے ساتھ قائم ہے۔

مختصر یہ کہ بندے کی رضا کی حقیقت یہ ہے' اس کا دل تقدیر کی طرف سے پیش آنے والی دونوں طرح کی صورتحال پر راضی رہے۔ خواہ وہ عطا اور بخشش کی شکل میں ہو' یا تکلیف اور پریشانی کی شکل میں ہو۔ اسی طرح بندے کی رضا کی حقیقت میں یہ بات بھی شامل ہوگی کہ جب اس پر مختلف احوال اور کیفیات کا نزول ہو' تو وہ مستقل مزاج رہے۔ خواہ ان احوال اور کیفیات کا تعلق جمال کے ساتھ ہو' یا ان کا تعلق جلال کے ساتھ ہو۔ انسان کو رکاوٹ یا بندش کے مقام سے گزرنا پڑے' یا عطا و بخشش کے مقام سے گزرنا پڑے۔ وہ ہر حال میں خوش رہے' یعنی بندے کی رضا کے سامنے دونوں صورتیں برابر ہونی چاہئیں۔ اسی طرح اگر وہ ہیبت کی آگ' یا حق کے جلال سے جل رہا ہو' لطف اور جمال کے نور سے لطف اندوز ہو رہا ہو' تو یہ جلنا اور روشن ہونا' دونوں اس کے دل کے لیے یکساں حیثیت رکھتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے' یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آ رہا ہے۔ اس کی طرف سے جو بھی چیز سامنے آتی ہے' وہ درست اور صحیح ہوتی ہے' لیکن اس کے لیے یہ بات شرط ہے' انسان سچے دل سے اس کی تقدیر پر راضی ہو۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقام بندگی

ایک مرتبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے اس قول کے بارے میں دریافت کیا گیا: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ یہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلْفَقْرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الْغِنَاءِ وَالسُّقْمُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الصِّحَّۃِ"

"خوشحال رہنے کے مقابلے میں' غریب رہنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے' اور صحت کے مقابلے میں' بیماری میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے"۔

تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"رَحِمَ اللّٰہُ اَبَاذَرٍّ اَمَّا اَنَا اَقُوْلُ مَنْ اَشْرَفَ عَلٰی حُسْنِ اِخْتِیَارِ اللّٰہِ لَہٗ لَمْ یَتَمَنَّ غَیْرَ مَا اَخْتَارَ اللّٰہُ لَہٗ"

"اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم کرے! میں تو یہ کہتا ہوں: جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی اختیار کردہ صورتحال کی خوبی کا پتہ چل جائے' وہ صرف اسی چیز کی آرزو کرتا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اختیار کیا ہو"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کے اختیار کے راز کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہے' اور وہ اپنے ذاتی

اختیار سے دستبردار ہو جاتا ہے' تو ہر طرح کی پریشانی اور غم سے نجات حاصل کر لیتا ہے' اور یہ مقام غیبت کی حالت میں حاصل نہیں ہوتا اس کے لیے حضوری کی ضرورت ہوتی ہے۔

"لِاَنَّ الرِّضَا لِلْاَحْزَانِ نَافِیَۃٌ وَلِلْغَفْلَۃِ مُعَالِیَۃٌ"

اس کی وجہ یہ ہے' رضا (ایک ایسی کیفیت ہے) جو غم کو رخصت کر دیتی ہے' اور غفلت کو ختم کر دیتی ہے۔

یعنی انسان کے دل سے غیر کے اندیشے کو نکال دیتی ہے' اور اسے مشقت کی بندش سے نجات دے دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' رضا میں رہا کرنے کی صفت پائی جاتی ہے۔

لوگوں کی چار اقسام

رضا کے معاملات کی حقیقت یہ ہے' انسان اللہ تعالیٰ کے علم کو قبول کرے (یعنی اس سے راضی ہو) اور اس بات کا اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہر حالت میں اسے دیکھ رہا ہے۔

اس بارے میں چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

کچھ لوگ وہ ہیں' جو اس کی عطا پر راضی ہوتے ہیں' اور یہی معرفت ہے۔

کچھ لوگ وہ ہیں' جو نعمتوں پر راضی ہوتے ہیں' اور اس کا تعلق صرف دنیاوی زندگی کے ساتھ ہے۔

کچھ لوگ وہ ہیں' جو آزمائش پر راضی ہوتے ہیں' اور یہ مختلف طرح کی ظاہری پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔

کچھ لوگ وہ ہیں' جو "اصطفاء" پر راضی ہوتے ہیں' اور یہ چیز محبت ہے۔

جو شخص یہ بات دیکھتا ہے' عطا کرنے والا عطا کو دے رہا ہے' تو وہ جان و دل سے اسے قبول کر لیتا ہے' اور اس کے نتیجے میں اس کے دل سے مشقت اور تکلیف دور ہو جاتی ہے' اور جو شخص عطیے سے عطا کرنے والے کی طرف نظر کرتا ہے' وہ عطا میں رک جاتا ہے' اور تکلف کے ذریعے رضا کے راستے پر چلتا ہے' اور اس تکلف میں اسے تکلیف اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے' جبکہ حقیقی معرفت انسان کو اسی وقت نصیب ہوتی ہے' جب انسان معرفت میں صاحب کشف ہو۔ اگر معرفت انسان کے لیے حجاب اور قید کا باعث بن جائے' تو وہ معرفت جہالت ہوتی ہے۔ وہ نعمت زحمت بن جاتی ہے' اور وہ عطا حجاب بن جاتی ہے' تو جو شخص دنیا میں اس بات پر راضی ہوتا ہے وہ ہلاکت اور نقصان اٹھاتا ہے۔ اس کی یہ تمام تر رضا دوزخ کا ایندھن ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' دنیا اس قابل نہیں ہے' اس کے ساتھ تعلق قائم کیا جائے یا کسی بھی حوالے سے اس کا غم انسان کے ذہن میں آئے۔

نعمت کی حقیقت کیا ہے؟

دراصل اصل نعمت وہ چیز ہوتی ہے' جو نعمت عطا کرنے والی ذات کی دلیل بن سکے۔ اگر نعمت' نعمت عطا کرنے والی ذات کے حوالے سے حجاب بن جائے' تو وہ نعمت آزمائش بن جاتی ہے' تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر راضی ہوگا' وہ ان

لوگوں میں سے ہوگا' جو بلا اور آزمائش کی حالت میں اس آزمائش کو نازل کرنے والی ذات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ اس آزمائش پر مصیبت کی تکلیف اور مشقت کے دوران اس کے جمال کے مشاہدے سے لطف اندوز ہوتے ہیں' اور محبوب کے جمال کے مشاہدے کی خوشی میں انہیں وہ آزمائش تکلیف دہ نظر نہیں آتی۔ جو لوگ ''اصطفاء حق'' سے راضی ہوتے ہیں وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس لیے رضامندی اور سختی دونوں ان کے لیے برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے' ان کے دل ہر وقت حضوری کی کیفیت میں ہوتے ہیں۔ ان کے اسرار کے پردے محبت کے باغ کے علاوہ اور کہیں نہیں اٹھتے۔ وہ غائب ہوتے ہوئے بھی حاضر ہوتے ہیں۔ عرش پر رہتے ہوئے بھی فرشی ہوتے ہیں' جسمانی ہوتے ہوئے بھی روحانی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں' جو خالص توحید کے قائل ہوتے ہیں' لوگوں سے لاتعلق ہوتے ہیں' ان کے مقامات اور احوال محفوظ ہوتے ہیں' ان کا باطن مخلوق سے الگ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں یہ خود کو بھول جاتے ہیں' اور ہمیشہ اس کے لطف و کرم کے منتظر رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی:

لاَ یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (الفرقان:۳)

''یہ لوگ اپنے آپ کو کوئی نقصان یا نفع نہیں پہنچا سکتے۔ یہ مرنے یا زندہ رہنے یا دوبارہ زندہ ہونے کے مالک نہیں ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کے غیر سے راضی ہونا خسارے اور ہلاکت کا سبب ہے' اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ راضی ہونا' مسرت اور نعمت کے حصول کا باعث ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی رضا بادشاہی ہے' اور عافیت عطا کرنے والی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

مَن لَّمْ یَرْضِ بِاللّٰہِ بِقَضَائِہٖ شَغَلَ قَلْبُهٗ وَتَعِبَ بَدَنُهٗ

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کی مقرر کردہ تقدیر سے راضی نہیں ہوتا اس کا دل ہمیشہ پریشان رہتا ہے' اور اس کا جسم مشقت کا شکار رہتا ہے''۔

فصل: رضا کے بارے میں چند اہم نکات

روایات میں یہ بات مذکور ہے۔

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی:

''اَللّٰھُمَّ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُ رَضِیْتَ عَنِّیْ''

''اے اللہ! تو کسی ایسے عمل کی طرف میری رہنمائی کر! جب میں اسے انجام دوں' تو مجھ سے تو راضی ہو جائے''۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''لَا تُطِیْقُ ذَالِكَ یَامُوْسٰی' فَخَرَّ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ سَاجِدًا مُتَضَرِّعًا''

''اے موسیٰ! تم اس کی طاقت نہیں رکھتے''۔

یہ بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدے میں چلے گئے' اور گریہ وزاری کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی بھیجی۔

''یَا ابْنَ عِمْرَانَ' اِنَّ رَضَائِیْ فِیْ رِضَاكَ بِقَضَائِیْ''

''اے عمران کے بیٹے! میری رضامندی اور خوشنودی اس بات میں ہے' تم میری مقرر کردہ تقدیر سے راضی رہو''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر پر راضی ہو جاتا ہے' تو یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہے۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ اور فضیل رحمۃ اللہ علیہ کا مکالمہ

ایک مرتبہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: زُہد زیادہ فضیلت رکھتا ہے' یا رضا زیادہ فضیلت رکھتی ہے؟ تو حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

اَلرِّضَا اَفْضَلُ مِنَ الزُّهْدِ لِاَنَّ الرَّاضِیَ لَا یَتَمَنّٰی فَوْقَ مَنْزِلِهٖ

''رضا' زُہد سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے' رضا والا شخص اس سے اوپر کسی منزل کا متمنی نہیں ہوتا''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' زُہد سے اوپر ایک اور منزل ہوتی ہے' جس کے حصول کی زاہد شخص آرزو کرتا ہے' لیکن رضا سے اوپر ایسی کوئی منزل نہیں ہوتی' رضا کے مقام پر فائز شخص جس کی آرزو کرے' اور یہ طے ہے' اوپر والا درجہ نیچے والے درجے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ واقعہ بھی حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریے کے درست ہونے پر دلالت کرتا ہے' رضا کا تعلق احوال سے ہوتا ہے۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے' جسے مجاہدے اور کسب کے ذریعے حاصل کیا جا سکے' بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام رضا

یہاں اس بات کا بھی احتمال ہوسکتا ہے' رضا کے مقام پر فائز شخص کو سرے سے کوئی آرزو ہی نہ ہو' جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا میں یہ بات کہی تھی:

''اَسْاَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ''

''میں تجھ سے یہ دعا مانگتا ہوں' تیرے فیصلے کے آنے کے بعد میں راضی رہوں''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' یا اللہ! تو مجھے ایسی صفت عطا کر کہ جب تیری طرف سے تیرا فیصلہ نازل

ہو تو اس کے نزول کے وقت تو مجھے اس سے راضی پائے۔

اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے' اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے نازل ہونے سے پہلے رضا درست نہیں ہوتی' کیونکہ ایسی صورت میں رضا کا ارادہ تو پایا جاتا ہے (درحقیقت عملی طور پر رضا نہیں پائی جاتی) اور رضا کا ارادہ' عملی طور پر رضا سے مختلف ہوتا ہے۔

دوسری بحث

رضا کے بارے میں مشائخ کرام کے اقوال

شیخ ابوالعباس بن عطاء فرماتے ہیں:

"اَلرِّضَا نَظْرُ الْقَلْبِ اِلٰی قَدِیْمِ اِخْتِیَارِ اللّٰہِ لِلْعَبْدِ"

"رضا یہ ہے' انسان کا ذہن اللہ تعالیٰ کے اس قدیم اختیار کی طرف متوجہ رہے' جو اس نے بندے کے لیے (پسند کیا ہے)"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی آدمی کو اس پر غمگین اور بے چین نہیں ہونا چاہیے' بلکہ خوش و خرم رہنا چاہیے۔

اس مکتبہ فکر کے بانی شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلرِّضَا سُکُوْنُ الْقَلْبِ تَحْتَ مَجَارِی الْاَحْکَامِ"

"اللہ تعالیٰ کے احکام جاری ہونے کے وقت دل کا پُرسکون رہنا رضا ہے"۔

اس حوالے سے ان کا مسلک بہت مضبوط ہے' کیونکہ دل کا سکون اور اطمینان آدمی کو محنت کے ذریعے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی عطیۂ خداوندی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے' رضا کا تعلق احوال سے ہے' مقامات سے نہیں ہے۔

یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ عتبہ بن غلام رات بھر سو نہ سکے اور صبح تک یہی کہتے رہے:

"اِنْ تُعَذِّبْنِیْ فَاَنَا لَکَ مُحِبٌّ وَاِنْ تَرْحَمْنِیْ فَاَنَا لَکَ مُحِبٌّ"

"اگر تو مجھے عذاب دے' تو بھی میں تجھ سے ہی محبت کروں گا اور اگر تو مجھ پر رحم کرے گا' تو بھی میں تجھ سے محبت کروں گا"۔

اس کی وجہ یہ ہے' عذاب کی تکلیف اور نعمت کی لذت کا تعلق انسان کے جسم سے ہوتا ہے' لیکن محبت کے قلق اور اضطراب کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے' تو عذاب اور نعمت دل پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

اس بات کے ذریعے بھی شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید ہو جاتی ہے' کیونکہ رضا محبت کا نتیجہ ہوتی ہے' اور محبت کرنے والا شخص محبوب کی ہر بات اور ہر فعل سے راضی ہوتا ہے' اگر محبوب اسے تکلیف اور عذاب میں مبتلا رکھتا ہے' تو وہ محبت

کی وجہ سے خوش رہتا ہے اور اگر محبوب اسے نعمت اور سرور میں رکھتا ہے' تو بھی وہ اپنی محبت پر قائم رہتا ہے' یعنی وہ شخص اللہ تعالیٰ کے اختیار کے مقابلے میں اپنے ذاتی اختیار سے دستبردار ہو جاتا ہے۔

شیخ حیری رحمۃ اللہ علیہ کی حالت

شیخ ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"مُنْذُاَرْبَعِیْنَ سَنَةً مَا اَقَامَنِیَ اللّٰهُ فِیْ حَالٍ فَكَرِهْتُهٗ وَمَا نَقَلَنِیْ اِلٰی غَیْرِهٖ وَسَخَطْتُهٗ"

''چالیس سال سے یہ صورتِ حال ہے' اللہ تعالیٰ نے مجھے جس بھی حال میں رکھا ہے' میں اس میں خوش ہوں اور جب اس نے مجھے ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل کیا تو میں اس پر ناراض نہیں ہوا''۔

یہ رضا کے دائمی ہونے اور محبت میں کمال کی نشانی ہے۔

ایک درویش کا واقعہ

یہ بات مذکور ہے' ایک مرتبہ ایک درویش دریائے دجلہ میں گر گیا' اسے تیرنا نہیں آتا تھا' کنارے پر موجود ایک شخص نے اسے آواز دے کر کہا: اے میرے بھائی! اگر تم کہو تو میں کسی کو بلا کر لاؤں تا کہ وہ تمہیں اس دریا سے باہر نکالے' تو اس نے جواب دیا: نہیں! اس شخص نے دریافت کیا: تو پھر آپ ڈوبنا چاہ رہے ہیں؟ اس نے جواب دیا: نہیں! اس شخص نے کہا: پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو اس درویش نے جواب دیا: میں وہی چاہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ میرے لیے چاہتا ہے۔ میرا کوئی چیز چاہنے یا نہ چاہنے کے ساتھ کیا واسطہ ہے؟

مختصر یہ کہ مشائخ نے مختلف حوالوں سے رضا کے بارے میں طویل گفتگو کی ہے' لیکن اس کے بنیادی اصول وہی ہیں' جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ہم نے غیر ضروری طوالت کو ترک کرتے ہوئے اختصار سے کام لیا ہے۔

اب یہاں پہ یہ مناسب ہوگا کہ ہم احوال اور مقامات کے درمیان فرق کی وضاحت کر دیں' ان کی تعریف بیان کر دیں تا کہ آپ کے لیے اور اس کتاب کو پڑھنے والوں کے لیے حقیقت کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے اور ان کی تعریف اچھی طرح سے سمجھ لی جائے۔

مقام اور حال کے درمیان فرق

یہ بات جان لیں! صوفیاء کے درمیان یہ دونوں الفاظ بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں اور ان کی عبارات میں بار بار آتے ہیں' محققین جب اپنے علوم کو بیان کرتے ہیں' تو ان کے درمیان بھی یہ دونوں الفاظ رائج ہیں' تو تصوف کے طالب علموں کے لیے ان اصطلاحات کو جاننا بہت ضروری ہے۔ یہ بات جان لیں! لفظ ''مقام'' میں میم پر پیش پڑھی جائے تو اس کا مطلب کسی جگہ پر اقامت اختیار کرنا ہے' اور اگر لفظ ''مقام'' میں میم پر زبر پڑھی جائے تو اس کا مطلب وہ جگہ ہے جہاں

اقامت اختیار کی جاتی ہے۔

لفظ مقام کی تحقیق

لیکن لفظ مقام کی یہ وضاحت اور یہ معنی غلط ہیں' کیونکہ عربی زبان کے قواعد کے اعتبار سے اگر میم پر پیش پڑھی جائے تو اس کا مطلب اقامت اور جائے اقامت ہوتا ہے اور اگر میم پر زبر پڑھی جائے تو اس سے مراد قیام کرنا اور جائے قیام ہوتا ہے۔

مقام سے مرادہ راہِ حق میں قائم ہونا ہے اور اس سے متعلق تمام فرائض اور حقوق کو ادا کرنا ہے' یہاں تک کہ انسان درجۂ کمال تک پہنچ جائے' انسان کے لیے یہ بات ممکن نہیں ہے' وہ کسی مقام کے مخصوص حقوق کو ادا کیے بغیر اس مقام سے گزر جائے۔ اس بارے میں پہلا مقام توبہ کا ہوتا ہے' دوسرا مقام انابت کا ہوتا ہے' تیسرا زُہد کا ہوتا ہے اور چوتھا توکل کا ہوتا ہے۔

یہ بات ممکن نہیں ہے' کوئی شخص توبہ کیے بغیر انابت کے مقام پر پہنچنے کا دعویٰ کرے یا کوئی شخص زہد اختیار کیے بغیر توکل کے مقام تک پہنچنے کا دعویٰ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی زبانی ہمیں یہ بتایا ہے:

"وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ" (الصافات:۱۶۴)

"(وہ فرشتے یہ کہتے ہیں:) ہم میں سے ہر ایک کا مخصوص مقام ہے"۔

حال کی تحقیق

حال اس کیفیت کو کہتے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے دل پر وارد ہوتی ہے۔ کوئی بھی شخص کوشش کر کے اسے اپنے آپ سے دور نہیں کر سکتا اور کوئی بھی شخص کوشش کر کے اسے حاصل نہیں کر سکتا۔

مقام سے مراد طالبِ حقیقت کی راہ' اس کی جدوجہد اور کوشش میں پیش رفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے اس کسب اور کوشش کے مطابق درجہ حاصل کرنا ہے' جبکہ حال سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ فضل و کرم اور وہ لطف ہے' جو انسان کے دل پر کسی مجاہدے کے بغیر نازل ہوتا ہے۔ اس لیے مقام کا تعلق اعمال سے ہے اور حال کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فضل اور عنایت سے ہے۔ مقام کا تعلق کسب سے ہے اور حال کا تعلق عطیہ خداوندی سے ہے' اس لیے جو شخص کسی مقام پر فائز ہوتا ہے' وہ اپنے مجاہدات کے ذریعے فائز ہوتا ہے' لیکن جب کسی پر حال طاری ہوتا ہے' تو ایسا شخص اپنے آپ سے فانی ہو جاتا ہے' اور وہ اس حالت میں موجود رہتا ہے' جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پیدا کی ہے۔

مشائخ کے نظریات

اس بارے میں مشائخ کے نظریات مختلف ہیں۔

بعض حضرات کے نزدیک حال ہمیشہ طاری رہ سکتا ہے' جبکہ بعض دیگر حضرات کے نزدیک ایسا نہیں ہو سکتا۔

شیخ حارث حاسبی اس بات کے قائل ہیں' حال ہمیشہ رہ سکتا ہے اور ان کے نزدیک محبت' شوق اور قبض یہ تمام احوال ہیں' اگر حال مستقل طور پر باقی نہ رہ سکتا ہو' تو پھر کوئی محبت کرنے والا محب نہیں رہے گا اور کوئی مشتاق شخص مشتاق نہیں رہے گا' جب تک یہ حال بندے کی صفت نہیں بن جاتا' اس وقت تک اس کا اطلاق انسان پر کرنا درست نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے' انہوں نے رضا کو بھی احوال میں سے ایک قرار دیا ہے۔

شیخ ابوعثمان حیری فرماتے ہیں:

''چالیس سال گزر چکے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مجھے جس حال میں بھی رکھا ہے' میں اس پر خوش ہوں''۔

انہوں نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ

بعض دیگر حضرات کے نزدیک حال ہمیشہ باقی نہیں رہتا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْاَحْوَالُ كَالْبُرُوْقِ وَاِنْ يَبْقٰى فَحَدِيْثُ النَّفْسِ

''احوال کی مثال بجلی کی طرح ہے' اگر وہ باقی رہ جائے تو پھر وہ نفس کی بات (محض خام خیالی) ہوتی ہے''۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے:

''احوال اپنے نام کی طرح ہوتے ہیں' یعنی وہ دل پر طاری ہوں تو فوراً ختم ہو جاتے ہیں''۔

اور اس وقت جو چیز باقی رہ جاتی ہے وہ صفت بن جاتی ہے اور صفت اپنے موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے' کیونکہ موصوف' صفت سے زیادہ کامل ہوتا ہے اور یہ بات ناممکن ہے۔

میں نے یہاں اس فرق کو اس لیے بیان کیا ہے تاکہ آپ صوفیاء کی عبارات اور اس کتاب میں بھی جہاں کبھی حال اور مقام کی بحث آئے گی' وہاں یہ جان لیں! اس سے مراد کیا ہے؟

مقام' حال اور رضا

مختصر طور پر یہ کہ آپ اچھی طرح یہ بات جان لیں! سلوک کے مقامات کی انتہاء رضا ہے۔ اور احوال کی ابتداء رضا ہے' یہ ایسا مقام ہے' اس کے ایک طرف کسب اور مجاہدہ ہے اور دوسری طرف محبت اور غلبہ ہوتا ہے' رضا پر کوئی مقام نہیں ہے' اس پر آکر تمام مجاہدات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس کا آغاز تو انسان کی کوشش اور ریاضت کے ذریعے ہوتا ہے' لیکن اس کی انتہاء اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کی عطاء پر ہوتی ہے۔

اب یہاں یہ احتمال ہو سکتا ہے' کوئی سالک شخص رضا کے آغاز میں جب خود اپنی طرف دیکھتا ہے' تو یہ کہہ دیتا ہے' وہ رضا کے مقام پر فائز ہے' لیکن جب وہ رضا کی انتہاء میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتا ہے' تو اس وقت یہ کہہ دیتا ہے: یہ تو حال ہے۔ تصوف میں شیخ محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے' لیکن انہوں نے تصوف کے معاملات کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں کیا'

البتہ جن عبارات اور جن معاملات میں غلطی ہونے کا وہم ہوتا' اگر وہ بظاہر ٹھیک ہی کیوں نہ محسوس ہوتے' پھر بھی آپ اپنے مریدین کو ان سے منع کر دیا کرتے تھے۔

شیخ ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک مرتبہ ان کے ایک مرید شیخ ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس جو سماع سنا کرتے تھے اور صاحب حال بزرگ تھے' حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاں ایک بڑا مرغ رکھا ہوا تھا جو اذان دیا کرتا تھا اور اس نے اس روز اذان دی' تو شیخ ابوحمزہ نے نعرہ لگایا' شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت اُٹھے' انہوں نے چھری پکڑی اور بولے: تم نے کفر کیا ہے' اس کے بعد انہوں نے مرغ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا' تو وہ مرید ان کے پاؤں میں گر گیا اور مرغ کو بچالیا' پھر انہوں نے شیخ ابوحمزہ سے کہا: اے مردود! تم اسلام قبول کرو' ان کے مریدین نے کہا: اے شیخ! ہم تو اسے اکابر اولیاء میں شمار کرتے تھے اور انہیں توحید کا قائل سمجھتے ہیں' آپ کو ان کے اسلام کے بارے میں کہاں سے شک ہو گیا ہے؟ تو شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مجھے ابوحمزہ کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس میں بظاہر خوبی کے علاوہ اور کوئی خامی نہیں ہے اور اس کے باطن کے حوالے سے بھی میری معلومات یہ ہیں' وہ توحید میں غرق ہے' لیکن اسے ایسی چیز ظاہر کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ جو حلولیوں کے افعال کی مانند ہو کہ اس کے طرزِ عمل سے ان کے مؤقف کی نشانی نظر آ جائے۔ مرغ جو عقل سے بے بہرہ ہوتا ہے' وہ اپنی فطرت اور خواہش کے مطابق اذان دیتا ہے' تو اس سے ناحق سماع کی خواہش کیوں پیدا ہو گئی؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کے اجزاء نہیں ہو سکتے' اس کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا' کہ آپ یہ کہیں' اس کا کچھ حصہ اس مرغ میں حلول کر گیا تھا اور عارف شخص کو خدا کی آواز سن کر وجد آ گیا۔

اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی حالت

اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو تو اللہ تعالیٰ کے کلام کے علاوہ اور کسی چیز سے آرام اور سکون نصیب نہیں ہوتا اور اس کے مقرر کردہ دین اسلام کے علاوہ اور کسی چیز سے بھی ان کو رقت اور حال نصیب نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ اشیاء میں نزول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی قدیم کسی حادث کے ساتھ متحد ہو سکتا' تو شیخ ابوحمزہ نے عرض کی: اے شیخ! اگرچہ میں بنیادی طور پر ٹھیک تھا لیکن کیونکہ میرا فعل ایک گمراہ فرقے کے فعل کی مانند ہے' اس لیے میں توبہ کرتا ہوں اور اپنے اس فعل سے رجوع کرتا ہوں۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے' میں نے یہاں اختصار سے کام لیا ہے' یہ طریقہ قابلِ تعریف ہے۔ ہوشیاری اور صحو کو چھوڑنے میں سلامتی ہی سلامتی ہے اور یہی کامل راستی کا طریقہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَقِفَنَّ مَوَاقِفَ التُّهَمِ"

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو' وہ کسی ایسی جگہ پر کھڑا نہ ہو جو جہاں اس پر کوئی تہمت عائد

کی جاسکے"۔

میں علی بن عثمان جلابیؒ اللہ تعالیٰ سے اسی بات کا طلبگار ہوں کہ وہ مجھے ایسے ہی امر کی توفیق نصیب کرے لیکن ہمارے زمانے کے رسمی صوفیوں کی صحبت میں یہ بات درست نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر آپ ریاکاری اور مصیبت میں ان لوگوں کا ساتھ نہیں دیتے تو وہ تمہارے دشمن ہوجائیں گے' ہم جہالت اور گمراہی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

قصاری مکتبہ فکر

صوفیاء کا یہ گروہ شیخ ابوصالح حمدون بن احمد بن عمارہ القصار کی طرف منسوب ہے' ان کا شمار اکابر اولیاء اور طریقت کے بزرگوں میں ہوتا' ان کا طریقہ ملامت کو ظاہر اور نشر کرنا تھا' معاملات میں ان کا کلام بہت بلند ہے' وہ فرماتے ہیں:

"مخلوق کے علم کے مقابلے میں' تمہیں اللہ تعالیٰ کے علم کی بڑائی اور زیادتی کا پختہ یقین ہونا چاہیے"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' انسان باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہی معاملہ رکھے' جو ظاہر میں مخلوق کے ساتھ رکھتا ہے' بلکہ یہ زیادہ بہتر ہونا چاہیے' اس کی وجہ یہ ہے' تمہارے دل کی مخلوق کے ساتھ مشغولیت اللہ تعالیٰ سے حجاب کا باعث بن جاتی ہے۔

ہم نے اس کتاب کے آغاز میں ملامت کے باب میں آپ کے کچھ احوال اور اقوال بیان کیے تھے' ہم یہاں طوالت کے خوف سے اختصار سے کام لے رہے ہیں' ان کے بارے میں بہت سے عجیب وغریب واقعات بھی منقول ہیں جن میں سے ایک درج ذیل ہے:

شیخ قصار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

وہ بیان کرتے ہیں' ایک مرتبہ میں نیشاپور میں حیرہ نہر کے کنارے جارہا تھا' اسی دوران وہاں مجھے ایک مشہور ٹھگ مل گیا جس کا نام نوح تھا' وہ شخص بہادری اور جواں مردی کے حوالے سے مشہور تھا اور نیشاپور کے علاقے کے تمام چور اور ٹھگ اس کے ماتحت تھے' میں نے اس سے دریافت کیا: اے نوح! جواں مردی کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا: آپ میری جوانمردی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟ یا اپنی جوانمردی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟ میں نے اس سے کہا: تم ان دونوں کے بارے میں بتاؤ! تو وہ بولا: میری جواں مردی یہ ہے' میں قباء اتار کر گدڑی پہن لوں اور اس کے لوازمات پر عمل کرنے لگوں یہاں تک کہ صوفی بن جاؤں اور پھر یہ لباس پہن کر لوگوں کی شرم سے کنارہ کشی اختیار کرلوں اور آپ کے لیے جواں مردی یہ ہے' آپ گدڑی کو اتار کر پھینک دیں تا کہ لوگ آپ کی وجہ سے اور آپ لوگوں کی وجہ سے کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہوں' لہٰذا میری جواں مردی کا تعلق ظاہری شریعت کی پابندی سے ہے اور آپ کی جواں مردی کا تعلق حقیقت کے اسرار کی حفاظت سے ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ ایک بنیادی اصول ہے۔

طیفوری مکتبہ فکر

یہ لوگ شیخ بایزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی سے اپنی نسبت قائم کرتے ہیں' جو صوفیاء کے رئیس اور بزرگ تھے' ان کا طریقہ غلبہ حق اور سکر کا تھا' یہاں غلبے سے مراد اللہ تعالیٰ کے شوق کا غلبہ ہے اور اس کی محبت میں یہ مدہوشی انسان کی کسب اور کوشش سے کوئی تعلق نہیں رکھتی' تو جو ذاتی کسب کے دائرے سے باہر ہوگی' اس کا دعویٰ کرنا جھوٹ ہوگا اور اس کی تقلید کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ یہ بات طے ہے' سکر ہوشیاری کی صفت نہیں ہو سکتی اور انسان اپنے اندر سکر کی کیفیت پیدا کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا جو شخص سکر کی حالت میں ہوتا ہے وہ مغلوب ہوتا ہے' اس کی توجہ مخلوق کی طرف نہیں ہوتی تا کہ اپنی کسی صفت میں اس کا تکلف ظاہر ہو جائے۔

صوفیاء کی مشابہت اختیار کرنا

اس بارے میں طریقت کے مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے' پیروی اور تقلید اس صاحب استقامت شخص کی کرنی چاہیے جو احوال کی گردش سے رہائی حاصل کر چکا ہو' پھر بعض صوفی ایسے ہیں' جو تکلف اور کوشش کے ذریعے سکر اور غلبے کے حصول کے راستے کو اختیار کرتے ہیں۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَبْکُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکُوْا*

''تم لوگ گریہ وزاری کرو' اگر گریہ وزاری نہیں کر سکتے تو رونے جیسی شکل بنالو''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں' ایک تو یہ کہ انسان خود کسی طبقے سے' محض ریاکاری کے طور پر' مشابہت اختیار کرے' ایسا کرنا صراحت کے ساتھ غلط ہے' دوسرا یہ ہے' انسان اپنے آپ کو ان کے ساتھ اس لیے مشابہہ کرے تا کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی ان لوگوں کے درجے تک پہنچا دے' جس پر وہ لوگ فائز ہیں تا کہ اس حوالے سے وہ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کا مصداق بن جائیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ''

''جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان میں سے ایک شمار ہوتا ہے''۔

اس لیے اس راستے پر چلتے ہوئے جن مجاہدات کا سالک کو سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ان پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ

* سنن ابن ماجه' كتاب اقامة الصلاة ' باب فى حسن الصوت بالقرآن' حديث:1333 المستدرك على الصحيحين للحاكم' كتاب الاهوال' حديث:8810 مصنف ابن ابى شيبة' كتاب الزهد' ما ذكر فى زهد الانبياء وكلامهم عليهم السلام' كلام ابى بكر الصديق رضى الله عنه' حديث:33769 السنن الكبرى للبيهقى' كتاب الشهادات' باب : البكاء عند قراءة القرآن' حديث:19592 البحر الزخار مسند البزار' ومما روى الشيوخ ' حديث:1100 مسند ابى يعلى الموصلى' مسند سعد بن ابى وقاص' حديث:662 شعب الايمان للبيهقى' فصل فى البكاء عند قراءة القرآن' حديث:1987

سے یہ اُمید رکھے کہ وہ حقیقت کے دروازے کو اس کے لیے کھول دے گا۔

ایک بزرگ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''اَلْمُشَاهَدَاتُ مَوَارِيْثُ الْمُجَاهِدَاتِ''

''مشاہدہ' مجاہدے کے نتیجے میں ہی حاصل ہوتا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ہم یہ کہتے ہیں' مجاہدہ ہر اعتبار سے قابلِ تعریف ہے' لیکن سکر اور غلبے کا تعلق کسب سے نہیں ہے' کہ آپ انہیں مجاہدے کے ذریعے حاصل کر سکیں۔

اس لیے صرف مجاہدہ' سکر کے حصول کا سبب نہیں بن سکتا' مجاہدہ تو صحو کی حالت میں ہوتا ہے اور صاحبِ صحو شخص کبھی بھی سکر کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا' یہ بات ناممکن ہے۔

اب میں سکر اور صحو کی حقیقت کے بارے میں مشائخ کے نظریات کا تذکرہ کروں گا تا کہ اس حوالے سے کوئی مشکل باقی نہ رہے۔

سکر اور صحو کی حقیقت

یہ بات جان لیں! صوفیائے کرام کے نزدیک غلبے سے مراد اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور صحو سے مراد مقصد کا حصول ہے۔

اہلِ حقیقت نے اس بارے میں بہت کچھ بیان کیا ہے' بعض حضرات نے سکر کو صحو پر فضیلت دی ہے اور بعض نے صحو کو سکر پر ترجیح دی ہے' جو لوگ سکر کو صحو پر ترجیح دیتے ہیں' وہ بایزید بسطامی اور ان کے پیروکار ہیں' ان حضرات کا یہ کہنا ہے' انسان کی صفت میں جب استقامت اور اعتدال آ جائے تو وہ صحو کی صورت اختیار کرتا ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ (کی بارگاہ میں رسائی کے حوالے سے) سب سے بڑا حجاب ہے۔ سکر کی کیفیت انسان پر اس وقت طاری ہوتی ہے جب آفت اور نقصان کا احساس زائل ہو جاتا ہے اور انسان کے اندر بشری صفات کم ہو جاتی ہیں' اس وقت وہ تدبر اور اختیار سے محروم ہو جایا کرتا ہے' اسے اپنی بقاء کے ساتھ کوئی دلچسپی باقی نہیں رہتی ہے۔ اس وقت اگر اس کے اندر ایسی صلاحیتیں پیدا ہو جائیں جو اس کی بشریت کے منافی ہوں تو اس صورت میں یہ کیفیت زیادہ بہتر' زیادہ افضل اور زیادہ کامل شمار ہو گی۔

نبی اکرم ﷺ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کیفیات

یہی وجہ ہے' حضرت داؤد علیہ السلام صحو کی حالت میں تھے' ان سے ایک فعل سرزد ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت ان کی طرف کرتے ہوئے یہ فرمایا:

''وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ'' ''داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا''۔ (البقرہ:۲۵۱)

لیکن نبی اکرم ﷺ چونکہ سکر کی حالت میں تھے' اس لیے جب ان سے ایک فعل صادر ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت اپنی طرف کر لی اور ارشاد فرمایا:

''وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى'' (الانفال:۱۷)

''جب تم نے کنکریاں پھینکی تھیں' اس وقت تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں''۔

تو نبی اکرم ﷺ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیان بڑا فرق ہے' حضرت داؤد علیہ السلام اپنی ذات کے ساتھ قائم اور اپنی صفات کے ساتھ ثابت تھے' اس لیے ان کی کرامت کے طور پر یہ بات بیان کی: انہوں نے قتل کیا تھا' لیکن جب نبی اکرم ﷺ حق کے ساتھ قائم تھے اور اپنی ذاتی صفات کے اعتبار سے فانی تھے' تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: اس نے جو کیا ہے' وہ دراصل ہم نے کیا ہے۔

اس لیے انسان کے فعل کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا' اللہ تعالیٰ کے فعل کو بندے کی طرف منسوب کرنے سے بہتر ہے' کیونکہ جس وقت حق تعالیٰ کا فعل بندے سے منسوب کیا جاتا ہے' اس وقت انسان اپنی ذات سے قائم ہوتا ہے اور جس وقت بندے کا فعل حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے' اس وقت انسان حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے' جب حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر ایک ایسی چیز کی طرف پڑی' جہاں نہیں پڑنی چاہیے' یعنی جب انہوں نے اوریا کی بیوی کو دیکھا تو اس حوالے سے (اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کی) لیکن جس وقت انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا ہے' تو ایسا بھی ہوتا ہے' جب مصطفیٰ ﷺ کی نظر ایک ایسی جگہ پر پڑی' یعنی انہوں نے حضرت زید بن حارثہ کی اہلیہ کو دیکھا تو وہ خاتون اپنے شوہر کے لیے حرام ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ ہے' حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر صحو کی حالت میں تھی جبکہ نبی اکرم ﷺ نے سکر کی حالت میں دیکھا تھا۔

صحو کی سکر پر ترجیح

صحو کو سکر پر ترجیح دینے والے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پیروکار ہیں' ان کا یہ کہنا ہے' سکر آفت کا محل ہے' کیونکہ سکر کی کیفیت کے دوران احوال پریشان ہوجاتے ہیں' احوال کی صحت ختم ہوجاتی ہے' جبکہ سالک کا بنیادی مقصد ہی یہی ہوتا ہے' وہ معانی کو طلب کرے' خواہ ان معانی کا تعلق فناء سے ہو خواہ ان کا تعلق بقاء سے ہو' خواہ ان کا تعلق مٹانے سے ہو خواہ ان کا تعلق اثبات سے ہو' جب سالک کی حالت ہی ٹھیک نہیں ہوگی' تو پھر اس کی تحقیق اور طلب کا فائدہ ہی کیا ہوگا؟

اہلِ حق کے دل کو تمام تر موجودات سے خالی ہونا چاہیے اور آنکھیں بند کر لینے سے دنیا اور اس کے اسباب سے آزادی نہیں مل جایا کرتی۔ اور نہ ہی دنیا کی آفت سے انسان کو نجات ملتی ہے۔ اس لیے مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ دیگر تمام چیزوں سے توجہ ہٹا لینی چاہیے۔ لوگ دوسری چیزوں کی طرف اس لیے اُلجھ جاتے ہیں' کیونکہ انہیں ان چیزوں کی حقیقت کا پتہ نہیں ہوتا' ان کو ان چیزوں کی حقیقت اور اصلیت کا پتہ چل جائے تو وہ ان کی قید سے رہائی حاصل کر لیں۔ دیکھنا دو طرح سے ہوتا ہے' ایک یہ کہ دیکھنے والا شخص چیز کے اندر بقاء کی آنکھ سے دیکھے اور دوسرا یہ ہے' انسان اسے فناء کی آنکھ سے دیکھے۔

اگر کوئی شخص بقاء کی آنکھ سے دیکھتا ہے' تو سب اشیاء کو اپنی بقاء کے حوالے سے ناقص پائے گا' کیونکہ بقاء کی حالت میں

وہ ان کو قائم بخود نہیں دیکھتا' اور اگر فناء کی آنکھ سے دیکھے گا' تو تمام تر موجودات کو حق کی بقاء کے مقابلے میں فانی پائے گا' تو یہ دونوں صفات انسان کو اس بات پر مجبور کرتی ہیں' وہ موجودات سے منہ موڑ لے۔

یہی وجہ ہے' نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا کی تھی:

"اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَاهِيَ" "اے اللہ! ہمیں اشیاء اسی طرح دکھادے جیسی وہ ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کے ایک فرمان کا بھی یہی مطلب ہے:

"فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ" (الحشر:۲) "اے بصیرت والو! تم عبرت حاصل کرو"۔

تو جب تک لوگ اشیاء کو اس طرح نہیں دیکھیں گے جیسی وہ ہیں' اس وقت تک وہ ان سے عبرت حاصل نہیں کر سکتے' تو یہ تمام صورتِ حال اسی وقت درست ہو سکتی ہے' جب انسان صحو کی حالت میں ہو' سکر کی حالت والا شخص ان تمام چیزوں سے مکمل طور پر بے خبر ہوتا ہے۔

یہی وجہ یہ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سکر کی حالت میں تھے' تو وہ تجلی کی ایک جھلک کو بھی برداشت نہیں کر سکے تھے اور ان کے ہوش رخصت ہو گئے تھے' جبکہ نبی اکرم ﷺ صحو کی حالت میں تھے' آپ "مکہ" سے "قاب قوسین" تک تشریف لے گئے' اللہ تعالیٰ کی تجلیات سے بہرہ ور ہوئے' لیکن آپ ہوشیار رہے اور بیدار رہے۔ (کسی شاعر نے کہا ہے:)

شَرِبْتُ الرَّاحَ كَأْسًا بَعْدَ كَاسٍ
فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِيْتُ

"میں نے ایک کے بعد ایک پیالہ پیا' شراب بھی ختم نہیں ہوئی اور میں بھی سیراب نہیں ہوا"۔

صحو' مردوں کا میدان ہے

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میرے شیخ (یعنی حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ) جو جنیدی مسلک پر کاربند تھے' وہ یہ فرماتے ہیں: سکر بچوں کا کھیل ہے' جبکہ صحو مردوں کا میدان ہے۔

میں علی بن عثمان جلابی یہ کہتا ہوں. میری رائے بھی اپنے شیخ کی رائے کے مطابق ہے' کیونکہ سکر والے شخص کا کمال صحو کی حالت میں ہوتا ہے اور صحو میں سب سے کم درجہ یہ ہے' انسان بشریت کے دور ہو جانے کو دیکھے۔

شیخ مغربی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے: آغاز میں انہوں نے بیس سال تک ویرانے میں گوشہ نشینی اختیار کی' یہاں تک کہ انہیں کسی انسان کی آہٹ سننے کا موقع نہیں ملا' اس قدر شدید محنت اور مشقت کے نتیجے میں ان کا جسم سوکھ گیا' ان کی آنکھیں سُوئے کے سوراخ کی طرح ہو گئیں' ان کی شکل آدمیوں سے تبدیل ہو گئی (یعنی وہ انتہائی کمزور ہو کر ڈھانچہ محسوس ہونے لگے) بیس سال کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ تم لوگوں کے ساتھ رہو۔ تو انہوں نے

یہ سوچا کہ مجھے پہلے اللہ تعالیٰ کے پڑوسیوں اور خانہ کعبہ کے پاس رہنے والے لوگوں کی طرف جانا چاہیے تاکہ یہ بات میرے لیے برکت کے حصول کا باعث ہو اس لیے وہ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مشائخ کو روحانی طور پر پہلے ہی ان کی آمد کے بارے میں پتہ چل گیا تو وہ ان کے استقبال کے لیے آئے۔ جب ان مشائخ نے ان کی حالت بدلی ہوئی دیکھی اور یہ نظر آیا کہ ان کے اندر صرف زندگی کے آثار باقی رہ گئے ہیں' تو ان مشائخ نے ان سے کہا: اے ابوعثمان! آپ نے بیس سال تک اس قدر شدید مشقت برداشت کی ہے' کسی کو آپ کے بارے میں پتہ بھی نہیں چل سکا۔ اب آپ ہمیں یہ بتائیں کہ آپ نے اتنا عرصہ جنگلوں میں کیوں گزارا تھا؟ اس دوران آپ نے کیا ملاحظہ کیا؟ اور اب واپس کیوں تشریف لے آئے ہیں؟ تو شیخ ابوعثمان مغربی نے جواب دیا: میں سکر کی حالت میں وہاں گیا تھا' وہاں جا کر میں نے سکر کی آفت کو دیکھا' اپنے مقصد میں ناکام رہا تو اپنی بے بسی کی وجہ سے واپس آ گیا۔

اس پر تمام مشائخ نے یہ بات کہی: اے ابوعثمان! آپ کے بعد اب صحو اور سکر کی لفظی وضاحت حرام ہے۔

لہٰذا سکر بشری صفات کی موجودگی میں اپنی ذات کو غلط طور پر فانی محسوس کرنے کا نام ہے' یہ ایک حجاب ہے' جبکہ صحو کا تمام تر مدار بقاء کے دیدار پر ہوتا ہے' جہاں بشری صفات ختم ہو جاتی ہیں اور یہ عین کشف کی حالت ہے۔

کیا سکر' فناء کے قریب ہے؟

اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے' صحو کے مقابلے میں سکر' فناء سے زیادہ قریب ہے' تو یہ بات غلط اور ناممکن ہے' اس کی وجہ یہ ہے' سکر ایک ایسی صفت ہے' جس میں صحو میں اضافہ پایا جاتا ہے اور جب تک بندے کی صفات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے' اس وقت تک انسان بے خبر رہتا ہے اور جب اس کی صفات کم ہونے لگتی ہیں' اس وقت طالبانِ حق کو اس سے اُمید پیدا ہو جاتی ہے۔

صحو اور سکر میں صوفیاء کے حال کی انتہاء اور انجام یہ ہے۔

مغلوب الحال ہونے کے حوالے سے یہ بات بیان کی گئی ہے' ایک مرتبہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا' جس میں یہ تحریر تھا: آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ جو محبت کے سمندر کے ایک قطرے کو پی کر مست ہو جاتا ہے۔ تو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں جواب میں تحریر کیا: ایسے شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ جو ساری دنیا کی محبت کے تمام دریا کی تمام معرفت کی شراب کو پی لیتا ہے اور پھر بھی اس کی تشنگی باقی رہتی ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید یحییٰ بن معاذ نے سکر کی بات کی ہے اور بایزید بسطامی نے صحو کی بات کی ہے' لیکن اصل حقیقت یہ ہے' صاحبِ صحو وہ شخص ہوتا ہے' جو ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتا اور صاحبِ سکر وہ شخص ہوتا ہے' جو مستی کے عالم میں دریا پی لیتا ہے' لیکن سیر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے' شراب سکر کا آلہ ہے اور ایک جنس ہمیشہ اپنی جنس کی طرف میلان رکھتی ہے اور صحو کیونکہ اس کی ضد ہے' یعنی ہوش کا شراب کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔

سکر کی دو اقسام

سکر کی دو قسمیں ہیں' ایک کا تعلق شراب اور مستی سے ہے' جبکہ دوسرے کا عشق کے پیالے سے ہے۔

جس سکر کا تعلق دوستی سے ہے وہ کسی علت کو چاہتا ہے اور وہ نعمت کو دیکھنے کا باعث بنتا ہے' جبکہ جس سکر کا تعلق عشق سے ہے وہ کسی سبب کے بغیر ہوتا ہے اس کا تعلق نعمت کو دیکھنے سے نہیں ہوتا بلکہ نعمت عطاء کرنے والی ذات کو دیکھنے سے ہوتا ہے' تو جو شخص نعمت کو دیکھتا ہے وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور جو شخص نعمت عطاء کرنے والی ذات کو دیکھتا ہے' وہ جب اسے دیکھتا ہے' تو پھر اپنا آپ اسے دکھائی نہیں دیتا۔ اگرچہ وہ حالت سکر میں ہوتا ہے' لیکن اس کا یہ سکر صحو کی کیفیت کا ہی ہوتا ہے۔

صحو کی دو اقسام

اسی طرح صحو کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک صحو غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے اور دوسرا صحو محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

جو صحو غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے وہ سب سے بڑا حجاب ہے اور جو صحو محبت سے تعلق رکھتا ہے' اصل میں وہی صحو کشف اور مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لیے غفلت پر مبنی صحو اگرچہ سکر ہوتا ہے' جو محبت سے ملا ہوتا ہے' لیکن پھر بھی وہ سکر ہوتے ہوئے بھی صحو ہوتا ہے' جب اصل مضبوط اور مستحکم ہو' تو صحو' سکر کی طرح ہو جاتا ہے اور سکر' صحو کی مانند ہو جاتا ہے' لیکن اگر یہ بے اصل ہوں تو دونوں بے فائدہ ہوتے ہیں۔

سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

مختصر یہ کہ صحو اور سکر دونوں حق کے راستے پر چلنے والے افراد کے اپنے نقطۂ نگاہ کے فرق کی وجہ سے مختلف ہو جاتے ہیں' جس وقت حقیقت کا بادشاہ اپنا جمال دکھاتا ہے' تو اس وقت صحو اور سکر دونوں طفیلی کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں' اور دونوں بے حقیقت نظر آنے لگتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے' دونوں کے کنارے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں' ایک کی انتہاء دوسرے کا آغاز ہوتا ہے اور ابتداء اور انتہاء کا یہ فرق تفرقہ کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اور جن چیزوں کا تصور تفرقہ پر مبنی ہوتا ہے وہ حقیقت میں ایک دوسرے کے برابر ہوتی ہیں' کیونکہ جمع اور تفرقہ ایک دوسرے کی نفی ہیں' تو جب اصل مقصود حاصل ہو جاتا ہے' تو دونوں کی غرض و غایت ایک ہی ہو جایا کرتی ہے' اسی مضمون کو کسی نے یوں بیان کیا ہے:

إِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ بِنَجْمِ رَاحٍ
تُسَاوِىْ فِيْهِ سُكْرَانٌ وَصَاحٍ

''جب صبح خوشی کے ستارے کے ساتھ طلوع ہوتی ہے' تو اس وقت مست اور ہوشیار شخص دونوں برابر ہو جاتے ہیں''۔

سرخس کے دو بزرگ

سرخس میں دو بزرگ رہتے تھے‘ ایک کا نام لقمان تھا اور دوسرے کا نام ابوالفضل حسن تھا۔ ایک دن شیخ لقمان‘ شیخ ابوالفضل سے ملنے کے لیے آئے تو انہوں نے دیکھا: شیخ ابوالفضل نے ہاتھ میں کچھ صفحات پکڑے ہوئے ہیں‘ لقمان نے دریافت کیا: اے ابوالفضل! آپ کیا تلاش کر رہے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: وہی جو تم اسے ترک کر کے تلاش کر رہے ہو۔ شیخ لقمان نے دریافت کیا: پھر یہ اختلاف کیوں ہے؟ تو شیخ ابوالفضل نے فرمایا: اختلاف تو آپ کو محسوس ہو رہا ہے۔ آپ مجھ سے پوچھ رہے تھے‘ آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں‘ جب آپ مستی سے ہوشیاری میں آ جائیں گے اور ہوشیاری سے بیدار ہو جائیں گے‘ اس وقت یہ اختلاف ختم ہو جائے گا اور آپ کو بھی یہ پتہ چل جائے گا کہ میں اور آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) طیفوری مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کا جنیدی مکتبہ فکر سے یہی اختلاف ہے‘ جس کا میں نے ذکر کر دیا ہے۔ بایزید بسطامی کا مسلک لوگوں کی صحبت کو ترک کرنا اور گوشہ نشینی اختیار کرنا ہے‘ وہ اپنے مریدین کو بھی یہی تلقین کیا کرتے تھے‘ اگر کوئی شخص اس پر عمل کر پاتا ہے‘ تو یہ بہت عمدہ طریقہ ہے اور طرزِ عمل اختیار کرنے کے حوالے سے بہترین نمونہ ہے۔

جنیدی مکتبہ فکر

جنیدی مکتبہ فکر کے لوگ شیخ ابوالقاسم جنید بن محمد سے ارادت رکھتے ہیں‘ انہیں اپنے زمانے میں ”طاؤس العلماء“ کہا جاتا تھا۔

یہ صوفیاء کے سردار اور اُن کے امام تھے۔

طیفوری مکتبہ فکر کے برعکس ان کا طریقہ صحو پر مبنی ہے اور صوفیاء میں سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ عام انہیں کا مسلک ہے۔

اکثر مشائخ جنیدی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔

طریقت کے معاملات کے بارے میں ان کی بہت سی باتوں کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے‘ لیکن میں طوالت کے خوف کی وجہ سے یہاں اختصار سے کام لے رہا ہوں‘ اگر کوئی شخص اس بارے میں زیادہ تفصیلات جاننا چاہتا ہے‘ تو اُسے دوسری کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ زیادہ بہتر طور پر معلوم ہو جائے کیونکہ اس کتاب میں میرا طرز اختصار کا ہے اور طوالت ترک کرنے کا ہے۔

حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حکایات میں یہ بات منقول ہے‘ جب شیخ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ‘ اللہ تعالیٰ کی محبت کے غلبے میں شیخ عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ

کو چھوڑ کر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے دریافت کیا: تم یہاں کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: تا کہ میں یہاں آپ کی صحبت اختیار کروں، تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہمیں دیوانوں کو اپنے ساتھ رکھنا پسند نہیں ہے، ہمارے ساتھ رہنے کے لیے ذہنی طور پر ٹھیک ہونا بہت ضروری ہے، اگر تم جذب اور مستی کی حالت میں ہمارے ساتھ رہو گے، تو ہمارے ساتھ وہی ہوگا جو تم نے شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کیا تھا۔

تو حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے کہا:

أَيُّهَا الشَّيْخُ الصَّحْوُ وَالسُّكْرُ صِفَتَانِ لِلْعَبْدِ وَمَا دَامَ الْعَبْدُ مَحْجُوْبًا عَنْ رَبِّهٖ حَتّٰى فَنِيَ اَوْصَافُهٗ"

"اے شیخ! صحو، سکر یہ دونوں بندے کی صفات ہیں، جب تک بندہ اپنے پروردگار سے مجوب ہوتا ہے، اُس وقت تک یہ صفات باقی رہتی ہیں، یہاں تک کہ پھر اُس کی یہ صفات ختم ہو جاتی ہیں"۔

تو جنید نے کہا:

"يَا ابْنَ الْمَنْصُوْرِ اَخْطَاْتَ فِي الصَّحْوِ وَالسُّكْرِ لِاَنَّ الصَّحْوَ بِلَا خِلَافٍ عِبَارَةٌ عَنْ صِحَّةِ حَالِ الْعَبْدِ مَعَ الْحَقِّ، وَذَالِكَ لَا يَدْخُلُ تَحْتَ صِفَةِ الْعَبْدِ وَاكْتِسَابِ الْخَلْقِ وَاَنَا اَرٰى يَا ابْنَ الْمَنْصُوْرِ فِيْ كَلَامِكَ فُضُوْلًا كَثِيْرًا وَعِبَارَاتٌ لَا طَائِلَ تَحْتَهَا"

"اے منصور کے بیٹے! تم نے صحو، سکر کو سمجھنے میں غلطی کی ہے، کیونکہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، صحو کا مطلب یہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا صحیح حال ہونا چاہیے اور یہ بات بندے کی صفت نہیں ہے، اور یہ مخلوق کے اکتساب میں داخل نہیں ہے۔ اے منصور کے بیٹے! تمہارے کلام میں بہت سی فضول چیزیں اور بے فائدہ عبارات ہیں"۔

نوری مکتبہ فکر

نوری مکتبہ فکر کے لوگ شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں، وہ اہلِ علم صوفیاء کے سردار تھے اور نوری کے نام سے زیادہ مشہور ہو گئے۔

صوفیاء کے درمیان اپنے فضائل و مناقب کے حوالے سے وہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، ان کا مسلک فقر پر تصوف کو ترجیح دینا ہے، تاہم معاملات میں یہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مسلک ہیں۔

ان کے مسلک کی نادر بات یہ ہے، وہ یہ کہتے ہیں: صحبت اختیار کرتے ہوئے صاحبِ صحبت کے لیے اپنے حق کا ایثار کرنا نہایت ضروری ہے، ان کے نزدیک ایثار کیے بغیر صحبت اختیار کرنا حرام ہے۔

وہ فرماتے ہیں: درویشوں کے لیے صحبت اختیار کرنا فرض ہے' اُن کے لیے گوشہ نشین قابل تعریف کام نہیں ہے۔
ان کے نزدیک یہ بات ضروری ہے' آدمی اپنے ساتھی کے لیے ایثار کرے' وہ فرماتے ہیں:

اِيَّاكُمْ وَالْعَزْلَةَ فَإِنَّ الْعُزْلَةَ مُقَارَبَةُ الشَّيْطَانِ وَعَلَيْكُمْ بِالصُّحْبَةِ فَإِنَّ الصُّحْبَةَ رَضَاءُ الرَّحْمَانِ

''گوشہ نشینی سے گریز کرو کیونکہ گوشہ نشینی شیطان کے قریب کر دیتی ہے' تمہیں لوگوں کے ساتھ رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کے ساتھ رہنے میں پروردگار کی رضامندی حاصل ہوتی ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اب میں ایثار کی حقیقت کو بیان کروں گا' گوشہ نشینی اور لوگوں کے ساتھ رہنے کے باب میں اس کی مکمل وضاحت آئے گی' تاکہ اس کا فائدہ عام ہو جائے۔

ایثار کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:۹)

''اور وہ دوسرے کے لیے ایثار کرتے ہیں خواہ انہیں خود شدید ضرورت ہو''۔

یہ آیت بطور خاص غریب صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی' ایثار کی حقیقت یہ ہے' آدمی کسی کے ساتھ رہتے ہوئے اپنے ساتھی کے حق کا خیال رکھے اور اپنا حصہ بھی اُس کے حوالے کر دے' اپنے ساتھی کو آرام و راحت پہنچاتے ہوئے خود تکلیف برداشت کرے۔

''لِاَنَّ الْاِيْثَارَ' اَلْقِيَامُ بِمُعَاوَنَةِ الْاَغْيَارِ مَعَ الْاِشْتِغَالِ بِمَا اَمَرَهُ الْجَبَّارُ لِرَسُوْلِهِ الْمُخْتَارِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى

خُذِ الْعَفْوَا وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ۔ (الاعراف:۹۹)

اس کی وجہ یہ ہے: ایثار دوسروں کی امداد اور مدد کے لیے کمربستہ ہونے کا نام ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''تم معاف کرنے کو اختیار کرو' بھلائی کا حکم دو اور جاہل لوگوں سے اعراض کرو''۔

(تو اس حکم کی پابندی کے لیے ایثار کیا جاتا ہے)

اس کی مکمل تشریح لوگوں کے ساتھ رہنے سے متعلق آداب میں آئے گی۔

یہاں ہم صرف ایثار کو بیان کرنا چاہیں گے۔

ایثار کی دو اقسام

ایثار کی دو قسمیں ہیں:

ایک یہ ہے' آدمی لوگوں کے ساتھ رہنے کے حوالے سے ایثار کرے' اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

دوسری قسم یہ ہے' آدمی محبت میں ایثار کرے۔

ساتھی کے لیے ایثار کرنے میں ایک اعتبار سے رنج اور تکلیف کا پہلو پایا جاتا ہے' لیکن محبت کے حوالے سے صرف راحت پائی جاتی ہے۔

یہ بات مذکور ہے' جس وقت غلام الخلیل نے صوفیاء کی مخالفت شروع کی اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ دشمنی کرنے لگا تو شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ' شیخ رقام رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا' تو غلام الخلیل نے کہا: یہ لوگ بے دین ہیں' اگر امیر المؤمنین انہیں قتل کر دیں تو گمراہی اور بے دینی ختم ہو جائے گی' کیونکہ یہ یہی لوگ ملحد لوگوں کے سردار ہیں' اگر یہ نیک کام خلیفہ کے ہاتھوں سرانجام پائے تو مجھے خلیفہ کے لیے آخرت میں بڑے اجر و ثواب کی اُمید ہے' تو خلیفہ نے اسی وقت اُن حضرات کو قتل کرنے کا حکم دے دیا' جلاد آیا اُس نے ان تینوں کے ہاتھ باندھ دیئے' وہ سب سے پہلے شیخ رقام کی طرف بڑھا تو شیخ نوری اپنی جگہ سے اُٹھے اور سب سے پہلے جا کر شیخ رقام کی جگہ پر بیٹھ گئے' لوگوں کو اس بات پر بڑی حیرانگی ہوئی' جلاد نے کہا' اے جواں مرد! تلوار کوئی اتنی اچھی چیز نہیں ہے کہ اُس کے لیے اتنی چاہت سے آگے آیا جائے' جس طرح سے تم آگے آئے ہو' ابھی تمہاری باری نہیں آئی۔ تو شیخ نوری نے اس سے کہا' طریقت میں میرا طریقہ کار ایثار پر مبنی ہے اور دنیا میں سب سے عزیز ترین چیز زندگی ہوتی ہے' اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنی چند سانسیں بھی اپنے بھائیوں کے لیے ایثار کر دوں' کیونکہ میرے نزدیک دنیا کا ایک سانس آخرت کے ایک ہزار سال سے بہتر ہے' کیونکہ یہ دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت ثواب کا گھر ہے' یہ خدمت کا مقام ہے اور آخرت قربت کا مقام ہے اور قربت انسان کو خدمت کے ذریعے ہی نصیب ہوتی ہے۔

کسی نے یہ بات خلیفہ تک پہنچا دی تو یہ سن کر خلیفہ پر رقت طاری ہو گئی' خلیفہ اس بات کی باریکی پر بہت حیران ہوا اور اس نے اُسی وقت آدمی بھیج کر حکم دیا' ان لوگوں کے معاملے کو مؤخر کر دیا جائے۔

شیخ ابوالعباس بن علی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کے قاضی القضاۃ تھے' خلیفہ نے ان کا معاملہ قاضی القضاۃ کے سپرد کیا۔ قاضی صاحب ان تینوں کو اپنے گھر لے گئے' قاضی نے شریعت اور حقیقت کے احکام کے بارے میں ان سے جو بھی دریافت کیا' انہوں نے اُس کا درست جواب دیا' تو قاضی اس حوالے سے اپنی غفلت پر بہت شرمندہ ہوا' اس وقت شیخ نوری نے اس سے کہا' اے قاضی! تم نے ہر بات پوچھ لی ہے' لیکن جو بات پوچھنی چاہیے وہ بات تو تم نے پوچھی ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کچھ اص بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معیت میں اُٹھتے' بیٹھتے' حرکت و سکون سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتے ہیں اور اُسی کے ساتھ زندہ ہیں' اور اسی کے مشاہدے میں اُن کی بقاء ہے اور اگر مشاہدے کا رشتہ ایک لمحے کے لیے ان سے الگ ہو جائے تو اُن کے وجود میں شور برپا ہو جائے گا۔

تو قاضی شیخ نوری کے کلام کی باریکیوں اور ان کے حال کی صحت پر بہت حیران ہوا۔ اس نے خلیفہ کو خط میں لکھا کہ اگر یہ لوگ بے دین ہیں' تو پھر میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں کوئی بھی شخص توحید کا قائل نہیں ہے۔ خلیفہ نے ان حضرات کو بلوایا اور بولا: آپ کو کوئی کام ہو' تو مجھے بتائیں' ان حضرات نے کہا' ہمیں آپ سے یہ کام ہے' آپ ہمیں بھول جائیں' آپ ہمیں قبول کر کے اپنا مقرب بھی نہ بنائیں اور اپنے سے جدا کر کے ہمیں راندۂ درگاہ بھی نہ بنائیں کیونکہ آپ کا ترک کر دینا ہمیں بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح آپ کا ہمیں قبول کرنا ہے' اس حوالے سے آپ کا ترک کر دینا اور قبول کرنا دونوں برابر ہیں' یہ سن کر خلیفہ رو پڑا اور اس نے عزت و احترام کے ساتھ انہیں واپس بھیج دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ

نافع روایت کرتے ہیں' ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی' پورے شہر میں مچھلی تلاش کی گئی لیکن وہ نہ ملی' چند دن کے بعد وہ ملی تو میری ہدایت پر اسے بھون لیا گیا' میں نے یہ مچھلی اُن کی خدمت میں پیش کی تو میں نے دیکھا کہ بیماری کی حالت میں مچھلی دیکھ کر ان کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے' اسی وقت ایک سائل گھر کے دروازے پر آیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حکم دیا' یہ مچھلی اس مانگنے والے کو دے دو۔ غلام نے عرض کی: آقا! آپ کئی دن سے مچھلی کی خواہش کر رہے ہیں۔ سائل کو مچھلی کی بجائے کوئی اور چیز دے دیتے ہیں' تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے غلام! اب اس مچھلی کو کھانا میرے اوپر حرام ہو چکا ہے' میں اسے اپنے دل سے نکال چکا ہوں کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ بات سنی ہے۔

فرمانِ نبوی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"اَيُّمَا امْرِءٍ يَشْتَهِيْ شَهْوَةً فَرَدَّ شَهْوَتَهٗ وَ آثَرَ عَلٰى نَفْسِهٖ غُفِرَ لَهٗ"

''جو شخص کسی چیز کی خواہش کرتا ہے اور پھر وہ چیز اُسے مل جائے تو اسے ترک کر دیتا ہے اور کسی دوسرے کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے' تو اُس کی مغفرت ہو جاتی ہے''۔

دس درویشوں کا واقعہ

اسی طرح حکایات میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ دس درویشوں نے ایک جنگل میں پڑاؤ کیا' انہیں سخت پیاس محسوس ہوئی' ان کے پاس پانی کا صرف ایک پیالہ تھا' جسے وہ ایک دوسرے کے لیے ایثار کرتے رہے' ان میں سے کسی ایک نے بھی وہ پانی نہیں پیا' ایک درویش کے علاوہ باقی سب دنیا سے رخصت ہو گئے' وہ درویش کہتا ہے: جب میں نے یہ دیکھا کہ باقی سب انتقال کر گئے ہیں' تو میں نے پانی پی لیا اور اس پانی کی قوت سے چل کر راستے میں آ گیا' کسی شخص نے اس درویش سے کہا' اگر تم بھی یہ پانی نہ پیتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا' تو اُس درویش نے کہا: اے فلاں شخص! اگر میں بھی اُسے نہ پیتا تو میں خودکشی

کرنے والا شمار ہوتا' میرے نزدیک شریعت کا حکم یہی تھا (کہ میں پانی پی لوں) اگر میں ایسا نہ کرتا تو اس پر میرا مواخذہ ہوتا۔ اس شخص نے کہا: پھر باقی سب لوگوں نے بھی خودکشی کی ہے؟ اُس درویش نے کہا: نہیں! کیونکہ اُن میں سے ہر ایک نے اس لیے نہیں پیا تھا تاکہ دوسرا شخص پی لے تو وہ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہوئے (ایک دوسرے کے لیے ایثار کرتے ہوئے) انتقال کر گئے' اب صرف میں باقی رہ گیا تھا تو شرعی اعتبار سے (میرے پاس کسی کے لیے ایثار کرنے کی گنجائش نہیں تھی) اس لیے میرے لیے یہی حکم تھا' میں اُس پانی کو پی کر اپنی جان بچا لوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایثار

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ' جب حضرت محمد ﷺ کے بستر پر سو گئے اور نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مکہ سے نکل کر غارِ ثور میں آ گئے اور کفار نے اُس رات آپ ﷺ کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا' میں نے تم دونوں کو بھائی بنا دیا ہے اور تم دونوں کو طویل زندگی عطاء کی ہے' تم دونوں میں سے کون ہے' جو اپنی زندگی دوسرے کے لیے ایثار کرے؟ تو اُن دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے لیے زندگی کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت جبریل علیہ السلام سے یہ کہا' تم اپنے اوپر ''علی'' کی فضیلت کو دیکھو' میں نے اُن کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا تو ''علی'' نے اپنے مر جانے اور قتل ہو جانے کو اختیار کر لیا اور حضرت محمد ﷺ کی جگہ پر سو گئے' اپنی جان کو اُن پر فدا کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور خود کو موت کے حوالے کرتے ہوئے زندگی کا ایثار کر دیا۔ اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور دشمنوں سے ''علی'' کی حفاظت کرو۔ حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام زمین پر آئے' اُن میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور دوسرا پائنتی کھڑا ہوا گیا' حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا:

''بَخٍ بَخٍ مَنْ مِثْلُكَ اِبْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اِنَّ اللّٰہَ یُبَاھِیْ بِكَ عَلٰی مَلٰٓئِكَتِہٖ''

''بہت عمدہ! بہت عمدہ! اے ابوطالب کے صاحبزادے! آپ جیسا کون ہو سکتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے آپ پر فخر کا اظہار کیا ہے''۔

تو اس وقت اُن کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (البقرہ:۲۰۷)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اپنے آپ کو فروخت کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں بڑا مہربان ہے''۔

شہدائے اُحد کا ایثار

اسی طرح جب جنگِ اُحد کے دوران مصیبت میں اہلِ ایمان کی آزمائش ہوئی تو انصار کی نیک خواتین میں سے ایک خاتون کہتی ہیں: میں تھوڑا سا پانی لے کے آئی تاکہ میدانِ جنگ میں لے کے جاؤں' میں نے وہاں ایک صحابی کو دیکھا جو زخمی

حالت میں پڑے ہوئے تھے' وہ آخری سانسیں لے رہے تھے' انہوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ میں پانی لے کر ان کے پاس جاؤں' میں پانی لے کر اُن کے پاس پہنچی تو ایک اور زخمی نے آواز دی' تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تم اُن کے پاس لے جاؤ' جب میں پانی لے کر اُس دوسرے شخص کے پاس گئی تو وہاں سے ایک اور آواز آ گئی' اس شخص نے بھی پانی نہیں پیا' اُس نے یہ کہا' تم یہ پانی اُس شخص کے پاس لے جاؤ' اس طرح میں سات لوگوں کے پاس وہ پانی لے کر گئی' ساتویں آدمی کا پانی پینے سے پہلے ہی انتقال ہو گیا' میں لوٹ کر واپس پہلے لوگوں کے پاس آئی کہ ان میں سے کوئی پانی پی لے تو اُن سب کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔

تو اس واقعے کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

"وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (الحشر:۹)

"اور وہ لوگ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں' خواہ انہیں خود شدید ضرورت ہو"۔

بنی اسرائیل کا زاہد

اسی طرح بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار شخص تھا' جس نے چار سو سال تک عبادت کی تھی' ایک دن وہ بولا: اے میرے پروردگار! اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے اور تو نے پہاڑوں کو نہ پیدا کیا ہوتا تو بہت سے لوگ سفر کرنے میں زیادہ آسانی محسوس کرتے۔ اس وقت کے پیغمبر کو یہ حکم ہوا' اس عبادت گزار شخص کے پاس جاؤ اور اس سے کہو: ہماری بادشاہی میں تصرف تم کیسے کر سکتے ہو؟ اب تم نے کیونکہ تصرف کر لیا ہے' اس لیے میں تمہارا نام سعادت مند لوگوں کے دیوان سے کاٹ کر بدبخت لوگوں کے دیوان میں لکھ رہا ہوں۔

وہ عبادت گزار شخص اس بات پر بہت خوش ہوا' اُس نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدۂ شکر ادا کیا' اس وقت کے پیغمبر نے اس سے کہا: اے شخص! بدبختی کی وجہ سے شکر واجب نہیں ہوتا' تو وہ شخص بولا: میں بدبختی پہ شکر ادا نہیں کر رہا' میں تو اس بات پہ شکر ادا کر رہا ہوں کہ میرا نام اللہ تعالیٰ کے کسی دیوان میں تو ہے' لیکن اے پیغمبر! میری ایک حاجت ہے' پیغمبر نے کہا: تم اپنی حاجت بیان کرو تا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا ذکر کروں' تو اس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ سے یہ کہیے گا کہ جب تو مجھے دوزخ میں بھیجے گا' تو مجھے ایسا کر دینا کہ تمام گنہگاروں کی جگہ میں لے لوں' تا کہ وہ سب لوگ جنت میں چلے جائیں' تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تم اس سے کہو کہ تمہارا یہ امتحان تمہاری توہین کے لیے نہیں تھا بلکہ لوگوں کے سامنے تمہاری حقیقت ظاہر کرنے کے لیے تھا' قیامت کے دن تم جس کی بھی شفاعت کرو گے' وہ سب جنت میں جائیں گے۔

شیخ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے ایک مرتبہ شیخ احمد حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: آپ نے توبہ کیسے کی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا: ایک مرتبہ میں سرخس سے روانہ ہوا اور ایک ویرانے میں' میں نے قیام کیا' اپنے اونٹوں کی نگرانی کرتے

ہوئے میں ایک طویل عرصے تک وہاں ٹھہرا رہا' بھوکے رہنا مجھے شروع سے ہی پسند تھا' میں اپنے حصے کا کھانا کسی دوسرے کو دے دیا کرتا تھا' اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہر وقت میرے ذہن میں رہتا تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (الحشر:۹)

"اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں' خواہ انہیں خود شدید ضرورت ہو"۔

میں اس گروہ کا بڑا معتقد تھا' ایک دن ایک بھوکا شیر بیابان میں آ گیا' اس نے میرے ایک اونٹ کو مار دیا' اس کے بعد وہ شیر بلندی پر چڑھ کر چنگھاڑا تو قرب و جوار میں جتنے بھی درندے موجود تھے' وہ سب اس کی آواز سن کر یہاں آ گئے' جانوروں کا ہجوم ہو گیا۔ اُن درندوں میں بھیڑیے' گیدڑ اور لومڑی وغیرہ سبھی جانور تھے' شیر کی بچائی ہوئی چیزوں کو اُنہوں نے کھا لیا اور واپس چلے گئے اور شیر وہیں قیام پذیر رہا' کچھ دیر کے بعد اس نے اونٹ کا مزید گوشت کھانے کا ارادہ کیا' اسی دوران اسے دور سے ایک لنگڑی لومڑی آتی ہوئی نظر آئی تو شیر واپس گیا اور بلندی پر چڑھ گیا' پھر لومڑی جتنا کھا سکتی تھی' اس نے کھا لیا' اس کے بعد پھر شیر نیچے آیا اور اس نے اس گوشت کو کھایا۔

شیخ احمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں دور سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا' جب وہ واپس جانے لگے تو اس نے فصیح زبان میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے احمد! خوراک کے حوالے سے ایثار کرنا نیک لوگوں کا کام ہے' مرد وہ شخص ہوتا ہے' جو جان اور زندگی کو قربان کر دیتا ہے۔

شیخ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو میں نے دنیا کے تمام کاموں سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا' یہاں سے میری توبہ کی ابتداء ہوئی۔

شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ کی مناجات

شیخ ابو محمد جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں' ایک مرتبہ شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ مناجات کر رہے تھے' میں ان کی مناجات سننے کے لیے اُن کے پاس چلا گیا' اس طرح کہ اُن کو میری موجودگی کا پتہ نہ چلے' وہ بڑی فصیح اور بلیغ عبارت میں یہ کہہ رہے تھے:

"اے میرے مولا! تو جہنمیوں کو عذاب دے گا حالانکہ وہ سب تیری مخلوق ہیں' تیرے علم' تیری قدرت' تیرے ہی ارادے کے تحت وجود میں آئے ہیں' اگر تو انسانوں کے ذریعے جہنم کو بھرنا چاہتا ہے' تو اس بات پر تو قدرت رکھتا ہے' صرف مجھ سے دوزخ کے تمام طبقات کو بھر دے اور باقی ساری مخلوق کو جنت میں داخل کر دے"۔

جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: میں یہ سن کر بہت حیران ہوا' اس کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کوئی شخص مجھ سے یہ کہہ رہا تھا' تم ابوالحسن سے یہ کہہ دو! ہم نے اس تعظیم اور شفقت کی وجہ سے تمہیں بخش دیا ہے' جس کا اظہار تم نے ہمارے بارے میں اور ہمارے بندوں کے بارے میں کیا ہے۔

شیخ کونوری اسی لیے کہا جاتا تھا' اگر وہ کسی اندھیرے گھر میں تشریف لے جاتے تھے تو اُن کے باطن کے نور کی وجہ سے وہ گھر روشن ہو جاتا تھا۔

اسی طرح شیخ ابوالحسن حق کے نور کی وجہ سے مریدوں کے دلوں کے بھید کو جان لیا کرتے تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ انہیں ''دلوں کا جاسوس'' کہا کرتے تھے۔

ان کے مسلک کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے اور یہ بہت مضبوط بنیاد ہے' اہل بصیرت کے نزدیک یہ بہت بڑا کام ہے۔

انسان کے لیے اپنی راحت کو خرچ کرنے اور اپنی محبوب چیز سے دستبردار ہونے سے سخت کوئی چیز نہیں ہوتی' اللہ تعالیٰ نے بھی تمام نیکیوں کی کنجی اس بات کو قرار دیا ہے' انسان اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ کرے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

''تم لوگ اس وقت تک نیکی تک نہیں پہنچ سکتے' جب تک کہ اس چیز کو خرچ نہیں کرتے جسے تم پسند کرتے ہو''۔

تو جب جان کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے' تو مال' دولت اور لباس کو خرچ کرنے کی کیا حیثیت ہے۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

اس طریقے کا بنیادی اصول یہ ہے' ایک مرتبہ ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور بولا: مجھے کوئی وصیت کیجئے! تو انہوں نے فرمایا:

یَا بُنَیَّ لَیْسَ الْاَمْرُ غَیْرَ بَذْلِ الرُّوْحِ اِنْ قَدَرْتَ عَلٰى ذَالِكَ وَاِلَّا فَلاَ تَشْتَغِلُ بِتَرْهَاتِ الصُّوْفِیَةِ

''اے میرے بیٹے! تصوف کی حقیقت یہ ہے' اللہ کی راہ میں جان کو خرچ کر دیا جائے' اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے' اگر تم یہ کر سکتے ہو' تو ٹھیک ہے ورنہ تم صوفی کہلانے والے فضول لوگوں کی باتوں میں مشغول نہ ہونا' کیونکہ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے' وہ سب فضولیات ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ (آل عمران:۱۶۹)

''جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا گیا' تم انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلاَ تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ (البقرہ:۱۵۴)

''جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جائے تم اُنہیں مردہ نہ کہو' بلکہ وہ زندہ ہیں''۔

لہٰذا ابدی زندگی اور سرمدی قرب صرف اپنی جان کو خرچ کرنے کے نتیجے میں ہی حاصل ہوتا ہے' اس میں اپنا حصہ بھی ترک کرنا پڑتا ہے اور اس کے دوستوں کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔

ایثار' جمع کا مقام ہے

بظاہر دیکھا جائے تو ایثار تفرقہ محسوس ہوتا ہے' لیکن حقیقت یہ ہے' یہ جمع کا مقام ہے' ایثار کا مطلب یہ ہے' انسان اپنے حصے کو ترک کر دے' حالانکہ یہی چیز انسان کا حصہ ہے (کہ وہ اپنے حصے کو ترک کر دے)۔

تو جب طالب راہ اس مقصد کے پیچھے لگتا ہے' تو یہ چیز ہلاکت بن جاتی ہے' لیکن حق کی کشش اس میں کارفرما ہوتی ہے' تو انسان کے تمام افعال اور تمام احوال آپس میں اس طرح سے مل جاتے ہیں' اُن کی کوئی تعبیر نہیں کی جاسکتی اور احوال کے لیے کوئی نام موضوع نہیں کیا جاسکتا' جس کے ذریعے اس کی وضاحت ہو سکے' جس کے ذریعے اُسے پکارا جاسکے' یا جس چیز کے ذریعے اس کی مثال دی جاسکے۔

یہی وجہ ہے' شیخ ابوبکر شبلی فرماتے ہیں:

غِبْتَ عَنِّیْ فَمَا اُحِسُّ بِنَفْسِیْ
وَتَلَاشَتْ صِفَاتِیَ الْمَوْصُوْفَۃ
فَاَنَا الْیَوْمُ غَائِبٌ عَنْ جَمِیْعٍ
لَیْسَ اِلَّا الْعِبَارَۃُ الْمَلْهُوْفَۃ

''تو مجھ سے چھپ گیا ہے' تو مجھے اپنی ذات کا بھی احساس نہیں رہا' میری تمام صفات فناء پذیر ہوگئی ہیں اور ختم ہو گئی ہیں' اس لیے میں آج کے دن ہر چیز سے محروم ہوں' میں کچھ بھی نہیں ہوں' صرف ایک درد کی تحریر ہوں''۔

سہلی مکتبہ فکر

سہلی مکتبہ فکر کے صوفیاء شیخ سہل بن عبداللہ تستری کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں' جو تصوف کے اکابرین اور معزز بزرگوں میں سے ایک ہیں' جس کا تذکرہ پہلے کیا جاچکا ہے۔ آپ اپنے زمانے میں طریقت کے بادشاہ تھے۔ اور اہلِ معرفت کے اُن افراد میں سے تھے' جو اربابِ حل وعقد سمجھے جاتے ہیں۔ اُن سے ایسی کرامات کا صدور ہوا' جس کے حل سے عقل عاجز آ جائے' اُن کا طریقہ مجاہدے کا تھا۔ انہوں نے مجاہدات کے ذریعے اپنے مریدین کو مرتبہ کمال تک پہنچایا۔

یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ اُنہوں نے اپنے ایک مرید کو فرمایا: سارا دن اللہ' اللہ کا ورد کرتے رہو۔ اگلے دن بھی اُسے یہی حکم دیا اور تیسرے دن بھی اُسے یہی حکم دیا' یہاں تک کہ اللہ اللہ کا ورد اُس کی فطرتِ ثانیہ بن گیا۔ آپ نے اُسے حکم دیا'

اب تم رات کے وقت بھی اسی طرح ورد کیا کرو۔ اس نے یہ عمل کیا تو اس کی حالت یہ ہوگئی کہ وہ خواب میں بھی خود کو اللہ اللہ پڑھتے دیکھ رہا ہوتا تھا۔ آخرکار اُس کی طبیعت اس عمل کی عادی ہوگئی' اب اُسے حکم دیا' تم زبان کے ذریعے ذکر چھوڑ کر ذکرِ قلبی میں مشغول ہو جاؤ' تو اُس مرید نے اس میں بھی مقام حاصل کرلیا اور یہ کیفیت ہوئی کہ وہ ہر وقت خدا کی یاد میں مصروف رہتا تھا۔

بعض صوفیاء نے یہ بات بیان کی ہے'

ذِكْرُ الِلّسَانِ غَفْلَةٌ وَذِكْرُ الْقَلْبِ قُرْبَةٌ

''زبان سے ذکر غفلت ہوتا ہے اور دل سے کیا جانے والا ذکر قربت کے حصول کا باعث ہوتا ہے''۔

ایک مرتبہ شیخ کا وہی مرید اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا' اسی دوران آندھی آنے کی وجہ سے کوئی لکڑی اُس کے سر پر آ کر گری۔ اور اُس کا سر پھٹ گیا اور خون کے قطرے زمین پر گرنے لگے' اور جو بھی خون کا قطرہ زمین پر گرتا تھا' اُس کے بدلے زمین پر لفظ ''اللہ'' بن جاتا تھا۔

سہلی مکتبہ فکر کے مشائخ کا طریقہ مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعے مریدین کی تربیت کرنا ہے۔ درویشوں کی خدمت اور اُن کو عزت وتکریم حمدونی مکتبہ فکر کے لوگوں کا طریقہ ہے' جبکہ باطن کا مراقبہ جنیدی مکتبہ فکر کی بنیادی خصوصیت ہے۔

مجاہدہ اور ریاضت کا مقصد یہ ہے' انسان مکمل طور پر نفس کی مخالفت کرے' اگر کوئی شخص نفس کی معرفت ہی مکمل نہیں کر سکے گا' تو مجاہدہ اور ریاضت اُسے کیا فائدہ دے سکے گی؟ اس لیے میں اب نفس اور اس کی کو معرفت کا تذکرہ شروع گا' تا کہ آپ کو پہلے یہ پتہ چل جائے' نفس سے مراد کیا ہے' اس کے بعد میں مجاہدے کے بارے میں اُس کے احکام بیان کروں گا' تا کہ حقیقت کے راستے کے طلب گار شخص کے سامنے یہ دونوں چیزیں واضح ہو جائیں' باقی توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

نفس کی حقیقت

یہ بات جان لیں! لغوی اعتبار سے نفس سے مراد کسی چیز کا وجود' یا اُس کی حقیقت یا اُس کی ذات ہوتی ہے' البتہ عام محاورے اور عبارات میں یہ عام معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے' جو ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بعض حضرات کے نزدیک نفس سے مراد روح ہے۔

بعض کے نزدیک اس سے مراد مروّت ہے' اور بعض کے نزدیک اس سے مراد قوت ہوتا ہے۔

لیکن محققین صوفیاء ان میں سے کسی ایک معنی کو بھی مراد نہیں لیتے ہیں۔ یہ لوگ نفس کو شر کا منبع اور برائی کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے' یہ ایک ایسا وجود ہے' جو روح کی طرف ودیعت کیا گیا ہے۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے' جسم کے زندہ ہونے کی طرح یہ بھی ایک زندہ صفت ہے۔

تاہم اس بات پر سب کا اتفاق پایا جاتا ہے' بُرے اعمال اور بُرے اخلاق کا باعث یہی ہوتا ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو گناہ اور دوسرا برے اخلاق جیسے غرور' حسد' بخل' غصہ' کینہ اور ایسی دیگر عادات جو عقل اور شریعت کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔

اس لیے ریاضت کے ذریعے ان تمام اوصاف کو خود سے دور کیا جا سکتا ہے' بالکل اُسی طرح جیسے توبہ کے ذریعے انسان اپنے گناہ کو ختم کر دیتا ہے۔

گناہ کا تعلق ظاہری اوصاف سے ہے' لیکن باطن میں جو بُرے اوصاف ہوتے ہیں' وہ ظاہر کے اچھے اوصاف کی وجہ سے پاک ہو جاتے ہیں اور جو بُرے افعال ظاہر میں پیدا ہوتے ہیں' وہ باطن کے پسندیدہ اوصاف کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے نفس اور روح دونوں جسم میں عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں' جس طرح کائنات میں شیاطین اور فرشتے' دوزخ اور جنت موجود ہیں (لیکن اُنہیں محسوس نہیں کیا جا سکتا) ان میں سے ایک بھلائی کا محل ہے اور دوسرا شر کا محل ہے۔ جس طرح آنکھ دیکھنے کا محل اور کان سننے کا محل ہے اور منہ کا اندرونی حصہ ذائقے کا محل ہے' اسی طرح دوسرے عناصر انسانی صفات کی طرح اُس کے جسم میں ودیعت کیے گئے ہیں۔

نفس کی مخالفت مجاہدے کا کمال ہے

نفس کی مخالفت کرنا عام عبادات کی حقیقت اور تمام مجاہدات کا کمال ہے اور اس کے بغیر انسان راہِ حق کو پا نہیں سکتا۔ اس لیے نفس کی پیروی کرنا انسان کے لیے ہلاکت کا باعث ہوتا ہے' اور نفس کی مخالفت کرنا اس کے لیے نجات کا ذریعہ ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے بھی نفس کی مخالفت کا حکم دیا ہے' جو لوگ نفس کے خلاف چلتے ہیں اُن کی تعریف بیان کی ہے اور جو لوگ نفس کی پیروی کرتے ہیں' اُن کی مذمت بیان کی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى (النازعات:۴۱)

''جس نے اپنے نفس کو خواہش نفس (کی پیروی) سے روکا تو ایسے شخص کا ٹھکانہ جنت ہو گی''۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ (البقرہ:۸۷)

''تو کیا جب کوئی رسول تمہارے پاس وہ چیز لے کر آئے جس کی تمہارے نفس کو خواہش نہیں تھی تو کیا تم انکار کرو گے''۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ (یوسف:۵۳)

''میں اپنے نفس کو بے قصور قرار نہیں دیتا' کیونکہ نفس بُرائی کا بہت زیادہ حکم دیتا ہے' ماسوائے اُس کے جس پر میرا پروردگار رحم کر دے''۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا بَصَّرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں بھلائی کا ارادہ کر لیتا ہے' تو اُسے اپنے نفس کی خامیوں پر آگاہی نصیب کر دیتا ہے''۔

روایات میں یہ بات منقول ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی تھی:

یَا دَاوٗدُ عَادِ نَفْسَکَ وَوَدِّنِیْ بِعَدَاوَتِھَا فَاِنَّ وُدِّیْ فِیْ عَدَاوَتِھَا

''اے داؤد! اپنے نفس کو دشمن سمجھو اور اس کی عداوت کی صورت میں مجھ سے محبت کرو کیونکہ میری محبت اُس سے دشمنی میں ہے''۔

یہ تمام صفات ہیں اور صفت کے لیے کسی موصوف کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے' وہ صفت اُس کے ساتھ قائم ہو' کوئی بھی صفت خود بخود قائم نہیں ہو سکتی۔ اور صفت کی پہچان اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی' جب تک اصل موصوف اور اُس کے قالب اور اسرار کی معرفت حاصل نہ ہو۔

اس لیے اس کا طریقہ یہی ہے' پہلے انسانی اوصاف اور اُس کے اسرار کے بارے میں معلومات حاصل کر لی جائیں۔

انسان کی حقیقت کیا ہے؟

انسان کی حقیقت کے بارے میں اہلِ علم نے گفتگو کی ہے کہ اس اسم کا اطلاق کس چیز پر کیا جاتا ہے؟ حق کے طلب گار تمام لوگوں پر یہ بات لازم ہے کہ وہ اس سے آگاہی حاصل کریں ہر ایسا شخص جو اپنے آپ (کی حقیقت) سے ناواقف ہو وہ دوسرے کی حقیقت سے اور بھی زیادہ ناواقف ہوگا کیونکہ انسان حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کا پابند ہے اس لیے اسے اپنی ذات کی بھی معرفت حاصل ہونی چاہیے تاکہ وہ اپنے وجود کے حادث ہونے کے علم کے ذریعے حق تعالیٰ کے قدیم ہونے سے شناسائی حاصل کر سکے اور اپنے وجود کے فانی ہونے کے علم کے ذریعے حق تعالیٰ کے باقی ہونے کا علم حاصل کر سکے۔

اس بارے میں قرآن کی نص موجود ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّۃِ اِبْرٰھٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ (البقرہ:۱۳۰)

''ابراہیم کے دین سے صرف وہی شخص منہ پھیرے گا' جو اپنے آپ سے ناواقف ہو (یا جس نے خود کو بیوقوف بنایا ہو)''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) (یہاں اپنے آپ کو بے وقوف بنانے سے مراد یہی ہے) وہ اپنے آپ سے ناواقف ہو۔

ایک بزرگ نے یہ بات بیان کی ہے:

مَنْ جَهِلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ بِالْغَيْرِ اَجْهَلُ

''جو شخص اپنے آپ سے ناواقف ہوگا وہ دوسرے سے اور بھی زیادہ ناواقف ہوگا''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

''جو شخص اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے وہ اپنے پروردگار کو بھی پہچان لیتا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی جو شخص اپنے آپ کے فانی ہونے کی معرفت حاصل کر لیتا ہے وہ اپنے پروردگار کے باقی ہونے کی معرفت بھی حاصل کر لیتا ہے۔

یہاں یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے: جو شخص اپنے آپ کے کمتر ہونے کی معرفت حاصل کر لیتا ہے وہ اپنے پروردگار کے غالب و برتر ہونے کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔

یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے: جو شخص اپنی عبودیت کی معرفت حاصل کر لیتا ہے وہ اپنے پروردگار کی ربوبیت کی معرفت بھی حاصل کر لیتا ہے۔

لیکن جو شخص خود کو نہیں پہچانتا' ہر چیز کی پہچان سے بے خبر رہتا ہے' اس سے مراد انسانیت کی معرفت ہے اور اس کے بارے میں لوگوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

ایک گروہ اس بات کا قائل ہے' انسان روح کے علاوہ کچھ نہیں ہے' یہ جسم اُس کے لیے زرہ اور ڈھانچے یا اُس کے ٹھکانے اور آرام گاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاکہ طبیعت خلل اندازی سے محفوظ رہے۔ عقل اور حس اس کی صفات ہیں۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تاہم یہ قول غلط ہے' اس کی وجہ یہ ہے' جب روح انسان کے جسم سے نکل جاتی ہے اُس وقت بھی اُسے انسان کہا جاتا ہے' اور یہ نام انسان کے مر جانے کی وجہ سے اُس سے ختم نہیں ہو جاتا۔ جب انسان زندہ ہوتا ہے' تو اُسے زندہ انسان کہا جاتا ہے اور جب وہ انتقال کر جاتا ہے' تو اُسے مردہ انسان کہا جاتا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے' جانداروں میں بھی جان موجود ہوتی ہے' اور اُنہیں کوئی بھی انسان نہیں کہتا۔ اگر انسانیت صرف روح کا نام ہوتا تو جہاں روح موجود ہے' تو وہ سب انسان کہلاتے۔ لیکن کیونکہ ایسا نہیں ہے' اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے' ان لوگوں کا نظریہ غلط ہے۔

بعض دیگر افراد اس بات کے قائل ہیں' یہ لفظ روح اور جسم دونوں کے مجموعے پر بولا جاتا ہے' اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا جائے تو یہ نام بھی ساکت ہو جائے گا جیسے کسی گھوڑے کے جسم پر سیاہ اور سفید دونوں رنگ اکٹھے

ہو جائیں تو اسے ابلق کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ رنگ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اُن میں سے ایک سیاہ گھوڑا کہلائے گا اور دوسرا سفید گھوڑا کہلائے گا۔ اُس پر لفظ ابلق کا اطلاق باقی نہیں رہے گا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) لیکن یہ نظریہ بھی غلط ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے'

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (الدھر:۱)

''کیا انسان پر کبھی وہ وقت نہیں آیا جب وہ کبھی قابل ذکر چیز بھی نہیں تھا؟''

یہاں آدمی کی بے جان ہستی کو انسان قرار دیا گیا ہے' حالانکہ ابھی جان کا جسم کے ساتھ پیوند نہیں لگا تھا۔

بعض افراد یہ کہتے ہیں' انسان ایک ایسا جز ہے' جسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور اس کا محل دل ہے۔ کیونکہ انسان کے تمام تر اوصاف کا بنیادی مقصد یہی ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) لیکن یہ نظریہ بھی درست نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے' اگر کسی شخص کو مار کر اُس کا دل نکال لیا جائے تو اُسے انسان ہی کہا جاتا ہے اور اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے' روح کے کامل ہونے سے پہلے انسان کے جسم میں دل نہیں ہوتا۔

صوفیاء کی ایک اور جماعت کو اس مفہوم کو سمجھنے میں غلطی لگی ہے' اُن کا یہ کہنا ہے' انسان کھانے پینے اور تبدیلی کا محل نہیں ہے' وہ اللہ تعالیٰ کا سر ہے' یہ جسم انسان کا لباس ہے' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سر طبیعت کے امتزاج کی صورت میں جسم میں ودیعت کیا گیا ہے۔

ہم اس بات کے جواب میں یہ کہتے ہیں' تمام عقل مند حضرات اس بات کے قائل ہیں' تمام دیوانے' فاسق' جاہل' انسانیت کے دائرے میں داخل ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان میں اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے کوئی بھی چیز موجود نہیں ہوتی' ان سب میں تغیر پایا جاتا ہے۔ اور سب کھاتے پیتے ہیں اور انسانی وجود میں کوئی ایسی علامت نہیں ہے' جس کی وجہ سے ہم یہ کہیں' یہ موجود ہوگی' تو ہم اُسے انسان کہیں گے اور اگر وہ موجود نہیں ہوگی' تو اُسے انسان نہیں کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام عناصر کو انسان کا نام دیا ہے۔ جن سے ہم مرکب ہیں' اگرچہ یہ بات آدمی میں موجود نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ـ (المؤمنون:۱۲-۱۴)

''بے شک ہم نے انسان کو مخصوص مٹی سے پیدا کیا ہے' پھر ہم نے اُس کو ایک مضبوط ٹھہرنے کے مقام پر نطفے کی شکل میں رکھا' ہم نے اس نطفے کو خون کا لوتھڑا بنا دیا' پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنایا' پھر ہم نے

اُسے ہڈی میں تبدیل کیا' پھر ہم نے ہڈی کو گوشت کا لباس پہنایا' پھر ہم اُسے دوبارہ اسی طرح زندہ کریں گے' اللہ تعالیٰ کی ذات بہت برکت والی ہے' جو سب سے بہترین خالق ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان جو سب سے سچا ہے' اس کے مطابق مٹی کی مخصوص صورتیں اختیار کرتے ہوئے اور مختلف نوعیت کے تغیرات سے گزرتے ہوئے انسان وجود میں آتا ہے اور ان تمام حیثیات میں انسان کو لفظ انسان کے ذریعہ تعبیر کیا گیا ہے۔

اہلسنّت کے نزدیک انسان کی تعریف

اس لیے اہل سنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں' انسان ایسا جاندار ہے' جسے مخصوص انداز میں بنایا گیا ہے' اور موت کے ذریعے اس کے اس نام کی نفی نہیں کی جاسکتی' اور یہ مخصوص صورت ظاہر اور باطن میں مقرر نشانات کی حامل ہے۔ مقررہ صورت سے مراد یہ ہے' انسان تندرست ہوتا ہے اور مخصوص انسان سے مراد یہ ہے' انسان پاگل ہوتا ہے' اس بات پر زیادہ اتفاق پایا جاتا ہے' جو شخص اس حوالے سے زیادہ صحیح ہوگا' وہ تخلیق کے حوالے سے زیادہ مکمل سمجھا جائے گا۔

یہ بات جان لیں! علمِ طریقت کے محققین کے نزدیک انسان کی کامل ترین ترکیب کے اعتبار سے تین چیزیں ہیں:

روح نفس جسم

ہر عین یعنی ہر جوہر کے لیے ایک صفت ہوتی ہے' جو اُس جوہر کے ساتھ قائم ہوتی ہے' روح کے لیے عقل اور نفس کے لیے خواہش اور جسم کے لیے محسوس کرنے کی حس یہی حیثیت رکھتی ہے۔ جبکہ انسان سارے جہان کا نمونہ ہے اور جہان سے مراد دونوں جہان ہیں' اور انسان میں دونوں جہانوں کے نشانات اور علامات پائے جاتے ہیں' اس دنیا کے نشانات میں ہوا' مٹی' مٹی' آگ' بلغم' خون' صفرا اور سودا ہیں' جن کے ساتھ اس کی ترکیب کی گئی ہے۔

جبکہ دوسرے جہان کے نشانات میں جنت اور میدانِ حشر ہیں۔ انسان لطافت کے اعتبار سے جنت کا نشان ہے اور اُس کا نفس جہنم کا علامتی نشان ہے' جبکہ انسان کا جسم میدانِ حشر کا علامتی نشان ہے۔

ان دونوں صفات کی خوبی قہر اور محبت کی وجہ سے ہے۔ بہشت اُس کی رضامندی کا سہرا ہے اور دوزخ اُس کے خطاب کا نتیجہ ہے' اسی لیے مؤمن کی روح معرفت کی مسرت محسوس کرتی ہے اور اُس کا نفس اُسے گمراہی کی طرف راغب کرتا ہے۔ قیامت کے بعد جب تک انسان جہنم سے نجات حاصل کر کے جنت میں داخل نہیں ہوگا' اُس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی حقیقت نہیں پا سکے گا۔ اور نہ ہی اُسے محبت کی صفائی حاصل ہو سکے گی۔

نفس سے نجات ممکن نہیں

اسی طرح انسان دنیا میں نفس سے نجات حاصل نہیں کرتا اور اپنی ارادت کی حقیقت تک نہیں پہنچتا جس کا اصل مقام روح ہے' اُس وقت تک وہ قرب اور معرفت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔

جو شخص دنیا میں اُسے پہچان لیتا ہے اور وہ نفس کی پیروی سے روگردانی اختیار کر کے شریعت پر قائم رہتا ہے' تو وہ قیامت کے دن جہنم سے محفوظ رہے گا۔

مختصر یہ کہ مؤمن کی روح اُسے جنت کی طرف بُلاتی ہے' اس لیے دنیا میں مؤمن کی روح جنت کا نمونہ ہے اور مؤمن کا نفس جہنم کی طرف بُلاتا ہے' تو اس لیے وہ دنیا میں جہنم کا نمونہ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ روح کی تدبیر کرنے والی چیز کامل عقل ہے' جبکہ نفس کی رہنمائی کرنے والی چیز ناقص عقل ہے۔

ان میں سے ایک تدبیر درست ہے اور دوسری غلط' اس لیے حقیقت کے راستے پر چلنے والے طالبان پر لازم ہے' وہ نفس کی مخالفت کے راستے کو اختیار کریں۔ تاکہ اُس کی مخالفت کی وجہ سے عقل اور روح کو تقویت حاصل ہو' کیونکہ عقل اور روح ہی اللہ تعالیٰ کے اسرار کا محل ہیں۔

نفس کے بارے میں مشائخ عظام کے فرمودات

مشائخ کرام نے ''نفس'' کے بارے میں درج ذیل باتیں بیان کی ہیں:

شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَشَدُّ الْحِجَابِ رُؤْيَةُ النَّفْسِ وَتَدْبِيْرُهَا

''سب سے شدید ترین حجاب' نفس اور اس کی تدبیر کی طرف توجہ کرنا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے نفس کی پیروی کا مطلب' خداوند ذوالجلال والاکرام کی مخالفت ہے اور خدا کی مخالفت سب سے بڑا حجاب ہے۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلنَّفْسُ صِفَةٌ لَا تَسْكُنُ اِلَّا بِالْبَاطِلِ

''نفس ایک ایسی صفت ہے جو صرف باطل کے ذریعے ہی سکون حاصل کرتی ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی نفس' حق کا راستہ کبھی بھی طے نہیں کرتا ہے۔

شیخ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تُرِيْدُ اَنْ تَعْرِفَ الْحَقَّ مَعَ بَقَاءِ نَفْسِكَ فِيْكَ وَنَفْسُكَ لَا تَعْرِفُ نَفْسَهَا فَكَيْفَ تَعْرِفُ غَيْرَهَا

''تم حق کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو حالانکہ تمہارا نفس تمہارے اندر موجود ہے' نفس خود کو ہی نہیں پہچان سکتا تو کسی اور کو کیا پہچانے گا؟''

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی جب نفس باقی ہوتا ہے' تو وہ خود اپنے آپ کو پہچان نہیں پاتا تو پھر وہ کسی دوسرے کو کیا پہچانے گا۔ جب نفس باقی ہوتا ہے اس وقت وہ حجاب کی حالت میں ہوتا ہے۔ جب وہ خود ہی حجاب کی حالت میں ہے' تو

حق کا کشف اسے کیسے حاصل ہوگا؟

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَسَاسُ الْکُفْرِ قِیَامُکَ عَلٰی مُرَادِ نَفْسِکَ

''تمہارا اپنے نفس کی مراد کو پورا کرنا' کفر کی بنیاد ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' نفس کا اسلام کی لطافت سے کوئی تعلق نہیں ہے' اس لیے نفس ہمیشہ اسلام سے روگردانی کرتا ہے' اسلام سے روگردانی کرنے والا منکر ہوتا ہے اور حق کا منکر ہمیشہ بیگانہ ہوتا ہے۔

شیخ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلنَّفْسُ خَائِنَۃٌ مَانِعَۃٌ وَاَفْضَلُ الْاَعْمَالِ خِلَافُھَا

''نفس خیانت کرنے والا' (حق کی رضا جوئی سے) روکنے والا ہوتا ہے' اس کی مخالفت سب سے افضل عمل ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) امانت میں خیانت بیگانگی اور لاتعلقی ہوئی ہے۔ جبکہ حق کی رضا کو ترک کرنا گمراہی ہے۔

اس بارے میں مشائخ کے اقوال اتنے زیادہ ہیں کہ ان سب کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

اب ہم اپنے مقصد کی طرف آتے ہیں' اور شیخ سہل تستری کے مسلک کے اثبات پر بحث کرتے ہیں' ان کے مجاہدے اس کی صحت اور ریاضت کا تذکرہ کریں گے' اور اس کی حقیقت کی بھی وضاحت کریں گے۔

مجاہداتِ نفس کی مباحث

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۶۹)

''جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم اپنے راستے کی طرف ان کی رہنمائی ضرور کریں گے''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ فِی اللّٰہِ

''مجاہد' وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا ہے''۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِھَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِھَادِ الْاَکْبَرِ

''ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس جا رہے ہیں''۔

قِیْلَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! مَا الْجِھَادُ الْاَکْبَرُ قَالَ : اَلَا وَھِیَ مُجَاھَدَۃُ النَّفْسِ

''عرض کی گئی' یارسول اللہ! جہاد اکبر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: یادرکھنا' وہ نفس کا مجاہدہ کرنا ہے''۔
(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدۂ نفس کو جہاد پر فضیلت دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' مجاہدہ نفس' جہاد کرنے اور جنگ میں شرکت کرنے سے زیادہ مشکل ہے' کیونکہ نفسانی خواہشات کی خلاف ورزی کرنا اور نفس کو مغلوب کرنا بہت مشکل کام ہے۔

مجاہدۂ نفس کے بارے میں مشائخ کے اقوال

اس لیے آپ یہ بات جان لیں (اللہ تعالیٰ آپ کو عزت نصیب کرے) مجاہدۂ نفس اور اس کا طریقۂ کار مختلف ادیان اور اقوام میں رائج ہے اور ان کے نزدیک اہم حیثیت کا مالک ہے۔ خاص طور پر اہلِ تصوف نے اس بارے میں زیادہ دلچسپی لی ہے' ویسے تو عوام اور خواص نے اس بارے میں کچھ نہ کچھ کہا ہے' اس بارے میں مشائخ کے رموز اور اقوال بہت زیادہ ہے۔
شیخ محمد بن عبداللہ تستری نے اس بارے میں بہت زیادہ شدت سے کام لیا ہے اور ان کے بیان کردہ دلائل موجود ہیں۔
شیخ محمد بن عبداللہ نے یہ معمول بنالیا تھا' وہ پندرہ دن کے بعد کھانا کھاتے تھے۔
اور اس مختصر خوراک کے ساتھ انہوں نے اپنی پوری زندگی گزار دی۔
تمام محققین کے نزدیک مجاہدہ ثابت شدہ چیز ہے اور مشاہدے کے حصول کا ذریعہ ہے۔

مشاہدے کی بنیاد مجاہدہ ہے

حضرت محمد بن عبداللہ تستری نے مجاہدے کو مشاہدے کا بنیادی سبب قرار دیا ہے' انہوں نے دنیاوی زندگی کے مجاہدے کو اُخروی زندگی پر ترجیح دی ہے' اس کا بنیادی مقصد مراد کا حصول ہے۔
انہوں نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے' یہ سب مجاہدے کا پھل ہے' جو شخص دنیا میں خدمت کرے گا' تو آخرت میں اُس کے نتیجے میں قرب عطاء کیا جائے گا۔ اور خدمت کے بغیر اُسے قرب حاصل نہیں ہو سکے گا' اس لیے انسان کے لیے ضروری ہے' وہ حق کی بارگاہ میں وصال حاصل کرنے کے بنیادی اصول کے ذریعے کو اختیار کرے۔
اور وہ ذریعہ اور سبب مجاہدہ ہے' جہاں تک انسان کو توفیق میسر آئے (وہ اس پر عمل کرے)۔
شیخ نے یہ بھی فرمایا ہے'

اَلْمُشَاهَدَاتُ مَوَارِيْثُ الْمُجَاهَدَاتِ

''مشاہدہ' مجاہدے کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے''۔
بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں' مجاہدہ کرنا حق کی بارگاہ میں رسائی کا سبب اور ذریعہ نہیں بن سکتا۔ وہاں جس شخص کو بھی رسائی حاصل ہوگی وہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے حاصل ہوگی' اور فضل کا انسان کے فعل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے' مجاہدہ نفس کی تربیت کے لیے ہے' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کے حصول کے لیے نہیں ہے۔ اس کی

وجہ یہ ہے' مجاہدے کی طرف رجوع کرنا انسان کا عمل ہے' اور مشاہدے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ اس لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے' آپ مجاہدے کو مشاہدے کا سبب قرار دے سکیں' یا مشاہدے کو مشاہدے کا نتیجہ قرار دیں۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۶۹)

''اور جو ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں' ہم اپنے راستے کی طرف ضرور ان کی رہنمائی کریں گے''۔

اس کا مطلب یہ ہے' جو شخص مجاہدہ کرتا ہے وہ مشاہدہ بھی حاصل کر لیتا ہے' تمام انبیاء کرام کی کتابوں کا نازل ہونا' شرعی احکام کا قیام' ان تمام تحقیقی احکام کا تعلق مجاہدے کے ساتھ ہے۔ اگر یہ مجاہدہ' مشاہدے کا سبب نہ ہو' تو یہ تمام احکام باطل ہو جائیں گے' اسی طرح دنیا اور آخرت کے تمام احوال کا تعلق احکام اور علت کے ساتھ ہے اور جو شخص احکام سے علت اور اس کے اسباب کی نفی کر دیتا ہے۔ وہ شخص شریعت اور رسوم کو ختم کر دیتا ہے۔ اس صورت میں اصول میں احکام کا پابند کرنے کا اثبات ٹھیک نہیں ہوگا۔ اور فروع میں بھوک مٹانے کے لیے کچھ کھانا یا سردی سے بچنے کے لیے لباس پہننا اس کا سبب نہیں بن سکے گا۔ تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ سب کچھ بے کار اور معطل ہو جائے گا۔

اس لیے اسباب مین افعال کی تلاش توحید ہے اور اس کی نفی تعطل ہے۔ اس بات کے دلائل واضح ہیں اور ان کا انکار عملی تجربے کا انکار ہوگا۔

جانوروں کو سدھانے کی مثال

کیا آپ نے کبھی غور نہیں کیا کہ سرکش گھوڑے کو تربیت دے کر جانوروں سے نکال کر انسان کے اوصاف میں لایا جاتا ہے' یہاں تک کہ اُس کی حرکات تبدیل ہو جاتی ہیں' وہ چادر اُٹھا کر مالک کو پکڑا دیتا ہے' اسی طرح گیند کو اُچھال دیتا ہے اور بھی اسی طرح کے کئی کام سرانجام دے دیتا ہے۔ اسی طرح کوئی کم عمر عجمی بچہ ریاضت اور کوشش کے ذریعے اپنی زبان سیکھ لیتا ہے' گویا اس طریقے کے ساتھ اُس کی اپنی زبان کو تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح بعض وحشی جانوروں کو تربیت دے کر اس قدر ہوشیار کر دیا جاتا ہے' جب انہیں چھوڑا جائے تو وہ چل پڑتے ہیں اور واپس بُلایا جائے تو واپس آ جاتے ہیں۔ اُن کے نزدیک قید کی پابندی مین رہنا آزادی سے زیادہ بہتر ہوتا ہے' اسی طرح ناپاک کتے کو تربیت دے کر اس مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے' اُس کا شکار کیا ہوا جانور حلال ہوتا ہے' حالانکہ اگر انسان بھی مخصوص طریقے کے ساتھ سیکھے اور اُس کے لیے بغیر شکار کرے تو اس کا اپنا شکار حرام ہوتا ہے۔ اسی طرح اور بھی کئی مثالیں ہیں۔ اس سے یہ بات پتہ چل جاتی ہے' شریعت اور عادت کا تمام دارومدار مجاہدہ اور ریاضت پر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا مجاہدہ

نبی اکرم ﷺ نے مقصود کے حصول' قرب حق پانے' آخرت کی عافیت حاصل کرنے اور معصوم ہونے کے باوجود طویل

بھوک‘ صوم وصال اور شب بیداری کی صورت میں مجاہدے کیے ہیں۔

یہاں تک کہ قرآن کا یہ حکم نازل ہوا:

طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى (طٰہٰ:۱،۲)

”اے محمد! ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نہیں نازل کیا تھا‘ تم مشقت کا شکار ہو جاؤ“۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے‘ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی تعمیر کے دوران خود اینٹیں اُٹھا کر لا رہے تھے تو میں نے یہ محسوس کیا آپ کو اس میں دقت پیش آ رہی ہے‘ تو میں نے عرض کی: یہ اینٹیں مجھے پکڑا دیں۔ آپ کی جگہ میں یہ اینٹیں اُٹھا لیتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَا اَبَا هُرَيْرَةَ خُذْ غَيْرَهَا فَاِنَّهٗ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ*

اے ابوہریرہ! تم دوسری لے لو‘ کیونکہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

اسی طرح حیان بن خارجہ بیان کرتے ہیں‘ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا: جنگ میں حصہ لینے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

اِبْدَأْ بِنَفْسِكَ فَجَاهِدْهَا وَابْدَأْ بِنَفْسِكَ فَاغْزِهَا فَاِنَّكَ اِنْ قُتِلْتَ فَارًّا بَعَثَكَ اللّٰهُ فَارًّا وَاِنْ قُتِلْتَ مُرَائِيًا بَعَثَكَ اللّٰهُ مُرَائِيًا وَاِنْ قُتِلْتَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَكَ اللّٰهُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا

تم اپنی ذات سے آغاز کرو‘ اُس کے ساتھ جہاد کرو‘ پھر اُسے جنگ میں شرکت کے لیے لے جاؤ‘ اگر تم راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے مارے جاتے ہو‘ تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس حال میں زندہ کرے گا کہ تم راہِ فرار اختیار کر رہے تھے‘ اور اگر تم دکھاوے کے طور پر (جنگ کرتے ہوئے) مارے جاتے ہو‘ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دکھاوا کرنے والے کے طور پر زندہ کرے گا‘ اور اگر تم صبر کرتے ہوئے اور ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے مارے جاتے ہو‘ تو اللہ تعالیٰ تمہیں صبر کرنے والے اور ثواب کی اُمید رکھنے والے کے طور تمہیں زندہ کرے گا۔

عبارت کی ترکیب اور تالیف میں معنی کا بیان جتنا اثر رکھتا ہے‘ معارف تک پہنچنے کے لیے عبارت کی ترکیب و تالیف بھی اُتنی ہی اثر انداز ہوتی ہے‘ جس طرح سے بیان عبارت اور تالیف کے بغیر ٹھیک نہیں ہوتا‘ اسی طرح سے مراد بھی پورے طریقے سے حاصل نہیں ہوتی اور جو کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہے وہ غلط ہوتا ہے‘ کیونکہ عالم اور اس کے حادث ہونے کا اثبات خالق کی معرفت کی دلیل ہے‘ جبکہ نفس اور اُس کے مجاہدے کی معرفت وصلِ حق کا ثبوت ہے۔

* مسند احمد بن حنبل‘ ومن مسند بنی هاشم‘ مسند ابی هریرة رضی الله عنه‘ حدیث:: 8770

دوسرے فریق نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ تفسیر (وضاحت) پیش کی ہے' یہاں عبارت میں تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:٦٩)

''وہ لوگ جو ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں ہم اپنے راستے کی طرف ضرور اُن کی رہنمائی کریں گے''۔

اس کی تفسیر یوں ہوں گی:

''ہم اُن لوگوں کی اپنے راستے کی رہنمائی کر دیتے ہیں' پھر وہ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں''۔

نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے نجات نہیں پائے گا۔

تو صحابہ کرام نے دریافت کیا: یارسول اللہ! کیا آپ بھی نہیں؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں بھی نہیں' البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت کے ذریعے ڈھانپ لیا ہے۔

تو مجاہدہ بندے کا فعل ہوتا ہے اور یہ بات ناممکن ہے' انسان کا فعل اُس کی نجات کا سبب بن جائے۔ اس لیے انسان کی نجات اور اُس کا چھٹکارا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے' یہ ریاضت اور مجاہدے پر موقوف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا

''جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرلے کہ وہ اُسے ہدایت نصیب کرے گا' تو اللہ تعالیٰ اُس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے' اور جس شخص کے بارے میں وہ یہ ارادہ کرے' وہ اسے گمراہ رہنے دے گا تو اُس کے سینے کو تنگ اور گھٹن والا کر دیتا ہے''۔ (الانعام:١٢٥)

اسی طرح ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (آل عمران:٢٦)

''تو جسے چاہے بادشاہی عطا کر دے اور جس سے چاہے بادشاہی واپس لے''۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے مشیت کے مقابلے میں دنیا کے تمام افعال کی نفی کر دی ہے' تو اگر مجاہدہ وصال کی علت ہوتا تو شیطان کبھی بھی مردود قرار نہ پاتا اور اگر مجاہدہ نہ کرنے کی وجہ سے آدمی مردود ہوتا' تو حضرت آدم علیہ السلام کبھی بھی مقبول اور پسندیدہ نہ بنتے۔ اس لیے یہ لطف و کرم کا معاملہ ہے۔ اس کا مجاہدے کی کثرت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے' جو شخص اس راستے میں سب سے زیادہ ریاضت اور مجاہدہ کرتا ہے' تو وہ پھر بھی بے خوف نہیں ہو جاتا۔ جس کے ساتھ لطف و کرم زیادہ

ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اتنا ہی مقرب ہوتا چلا جاتا ہے۔

ایک شخص عبادت گاہ میں بیٹھ کر بھی حق تعالیٰ سے دور ہوتا ہے اور دوسرا خرابات میں گناہ آلود زندگی گزارنے کے باوجود حق تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوتا ہے۔

تو اب سب سے بہترین پہلو یہ ہوگا کہ جس کا ایمان سب سے زیادہ قوی ہے وہ شخص مقرب ہوگا' جولڑکا (یعنی کم سن بچہ) کام کا مکلف نہیں ہوتا' اُس پر بھی ایمان کا حکم جاری ہوتا ہے اور جو شخص مجنوں ہوتا ہے اُس کا مجنوں ہونا ایمان کے منافی نہیں ہوتا' اُس پر ایمان کا حکم عائد ہوتا ہے' اس لیے سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے' مجاہدہ اور ریاضت نجات کی علت نہیں بن سکتے۔

میں یہ کہتا ہوں: یہ تمام چیزیں جو ذکر کی گئی ہیں' یہ عبادت کے اعتبار سے تو ٹھیک ہیں' لیکن معنی کی حقیقت اس کے خلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے' ایک گروہ یہ کہتا ہے:

مَنْ طَلَبَ وَجَدَ

''جو شخص طلب کرتا ہے' وہ پالیتا ہے''۔

اور دوسرا یہ کہتا ہے'

مَنْ وَجَدَ طَلَبَ

''جو پالیتا ہے' وہ طالب بن جاتا ہے''۔

تو کسی جگہ پر پانا طلب کا سبب ہوتا ہے اور کسی جگہ طلب کرنا سبب کے پانے کو کہا جاتا ہے' گویا ایک کے نزدیک مجاہدہ کرنے سے مشاہدہ نصیب ہوتا ہے اور ایک کے نزدیک مشاہدے کے بعد مجاہدہ کیا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے' مشاہدے میں مجاہدہ اُس وقت نصیب ہوتا ہے' جب اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی توفیق نظر آ جائے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے' تو جس طرح اطاعت اور فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے' تو اسی طرح توفیق کا حصول بھی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں ہے' جس طرح مشاہدے کے بغیر مجاہدہ مشکل ہوتا ہے' اسی طرح مجاہدے کے بغیر مشاہدہ بھی ناممکن ہے۔

اس لیے جمالِ خداوندی کی ایک تجلی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ انسان کو مجاہدے اور ریاضت کی ترغیب ملے اور جب مشاہدے کے وجود کا سبب وہ تجلی قرار پائے گی' تو مجاہدہ سے پہلے ہدایت پائی جائے گی۔

جہاں تک حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے مؤقف کے قائلین کی اس دلیل کا تعلق ہے' جو شخص مجاہدے کا منکر ہوتا ہے' وہ انبیاء کی آمد' آسمانی کتابوں اور سابقہ شریعتوں کا منکر قرار پاتا ہے' کیونکہ تکلیف (یعنی احکام کا پابند ہونے) کا دارومدار مجاہدے پر ہے۔

تو اس دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے' اُن کے لیے یہ بات بہتر تھی کہ وہ تکلیف (یعنی احکام کے پابند ہونے) اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قرار دیتے اور مجاہدہ دلیل کے اثبات کے لیے ہوتا ہے' وصل کی حقیقت کے لیے نہیں ہوتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۔ (الانعام:۱۱۱)

''اگر ہم اُن کی طرف فرشتے نازل کرتے اور مُردے اُن کے ساتھ کلام کرنا شروع کر دیتے اور اُن سے پہلے گزری ہوئی ہر چیز ہم ان کے سامنے لے آتے تو بھی وہ لوگ ایمان نہ لاتے' ماسوائے اس کے (جس کے بارے میں) اللہ چاہے (کہ انہوں نے ایمان قبول کرنا تھا)''۔

اس لیے ایمان کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے' نہ کہ اُن لوگوں کا مجاہدہ اور دلائل کا مشاہدہ کرنا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ (البقرہ:۶)

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا' اُن کے لیے یہ بات برابر ہے' تم انہیں ڈراؤ' یا پھر تم اُنہیں نہ ڈراؤ' انہوں نے ایمان نہیں لانا''۔

انبیاء کرام کی آمد' شرعی احکام کا ثبوت' وصول کے اسباب ہیں' یہ اُس کی علت نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی احکام کے اُسی طرح مکلّف تھے جس طرح ابوجہل تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عدل اور بزرگی تک پہنچ گئے لیکن ابوجہل ان سے محروم رہ گیا۔

اس اعتبار سے وصال کی علت عین وصال ہے۔ وصال کو طلب کرنا نہیں ہے' اگر طالب اور مطلوب ایک ہوتے تو طالب کامران ہوتا اور جب وہ کامران ہو جاتا تو وہ طالب نہ رہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے' جو شخص منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے' وہ راحت اور آرام میں آ جاتا ہے' جبکہ طالب شخص کے لیے سکون حرام ہوتا ہے۔

مجاہدہ نفس کی مباحث

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ

''جس شخص کے دو دن ایک جیسے گزر جائیں' وہ نقصان میں ہوتا ہے''۔

یعنی آدمی کے لیے یہ بات مناسب ہے' وہ پہلے دن سے بہتر ہو اور یہ طالبانِ حق کا خصوصی امتیاز ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا .* ''استقامت اختیار کرو' لیکن ایک ہی حال پر برقرار نہ رہو''۔

تو یہاں پہ مجاہدے کو سبب قرار دیا گیا ہے' علت نہیں بنایا گیا اور اس سبب کو تحقیق الٰہی کے وصال سے الگ قرار دیا گیا ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے' گھوڑے کی تربیت کے ذریعے اس کی صفات تبدیل کر دی جاتی ہیں' تو اس سلسلے میں گزارش یہ ہے' گھوڑے کے اندر ایک ایسی مخفی صفت موجود ہوتی ہے' جس کے اظہار کا سبب اس کی ریاضت اور تربیت ہوتی ہے' جب تک وہ ریاضت نہیں ہوگی' اس وقت تک وہ صفت ظاہر نہیں ہوگی۔ گدھے میں چونکہ یہ صفت سرے سے موجود ہی نہیں ہوتی' اس لیے وہ کبھی بھی گھوڑے کی مانند نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوشش کر کے گدھے کو گھوڑا بنایا جا سکتا ہے' نہ گھوڑے کو گدھا بنایا جا سکتا ہے' کیونکہ یہ تو حقیقت کو تبدیل کرنے کے مترادف ہوگا' تو جو چیز جبلت اور حقیقت کو تبدیل نہ کر سکتی ہو' حق کی راہ میں اس کا اثبات کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

شیخ سہل تستری پر مجاہدے کا غلبہ اتنا زیادہ تھا کہ وہ اس سے آزاد تھے اور مجاہدے کے دوران وہ اس کیفیت کو بیان نہیں کر پاتے تھے' ان کی حیثیت اس گروہ کی طرح نہیں تھی' جس نے عمل کے بغیر صرف عبادت کو اپنا مذہب قرار دے دیا ہے اور یہ بات بہت مشکل ہے' آپ تمام تر معاملات کو لفظوں میں بیان کر سکیں۔

اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے' اہلِ طریقت کے نزدیک مجاہدہ اور ریاضت موجود ہے' لیکن مجاہدے کے دوران مجاہدے کی طرف توجہ کرنا اور اس پر مدار رکھنا آفت سے خالی نہیں ہے' تو جو شخص مجاہدے کی نفی کرتا ہے' اس کی مراد یہ نہیں ہے' وہ نفسِ مجاہدہ کی مخالفت کر رہا ہے' بلکہ مقصد مجاہدے کے پندار کی نفی اور تردید کرنا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت انسان اپنے اعمال اور افعال پر مغرور نہ ہو' اس کی وجہ یہ ہے' مجاہدہ بندے کا فعل ہے اور مشاہدہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے' تو جب تک اللہ تعالیٰ کا عطیہ نہیں ہوگا' اس وقت تک بندے کے فعل کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔

خدا کی قسم! تمہاری توجہ تو صرف اپنے دل کی طرف مبذول ہے' اسی لیے تم اپنی آرائش و زیبائش میں لگے ہوئے ہو' تم نے اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف تو دیکھا ہی نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا مجاہدہ ان کے اپنے اختیار سے نہیں ہوتا' بلکہ وہ حق

---

* الموطا لمالك (2 كتاب الطهارة) (6 باب جامع الوضوء) 66' ابن ماجة 1 كتاب الطهارة وسننها (4) باب المحافظة على الوضوء 277 'مسند احمد (من حديث ثوبان رضى الله تعالى عنه) 22432 'دارمى (1 كتاب الطهارة) (2 باب ما جاء فى الطهور) 655 'المستدرك على الصحيحين كتاب الطهارة 447 'طيالسى (1 بقية احاديث ثوبان) 996 'المعجم الكبير باب الثاء' ثوبان مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم 1444' 65-----ظ2 'المعجم الاوسط 7019 116-------ظ7 'المعجم الصغير (باب الالف من اسمه احمد) 8' 23-----ظ1 'البزار حديث عبد الله بن عمرو بن العاص 2367 'شعب الايمان باب العشرون من شعب الايمان و هو باب فى الطهارات المحافظة على الوضوء و اسباغه 2713 'سنن البيهقى (1 كتاب الطهارة) (93 باب فضيلة الوضوء) 389' 'مجمع الزوائد 4' كتاب الصلاة 282' باب فضل الصلاة 3513 'كنز العمال فى سنن الاقوال والافعال الكتاب الثالث من حروف الهمزة فى الاخلاق من قسم الاقوال الاستقامة 5474

تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے' وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مغلوب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عشق میں گداز اور سوز میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کا یہ سوز و گداز اللہ تعالیٰ کی نوازش ہوتی ہے۔ لیکن غافل لوگوں کا مجاہدہ ان کا اپنا فعل ہوتا ہے' ان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے' جس کی وجہ سے انہیں پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ اس لیے جہاں تک آپ سے ممکن ہو' آپ کسی بھی چیز کو اپنی طرف منسوب نہ کریں اور نفس کی پیروی سے باز رہیں' کیونکہ تمہارا اپنا وجود تمہارے اپنے لیے حجاب ہے' یہ تو ہوسکتا ہے' کسی ایک فعل سے حجاب حائل ہو جائے اور دوسرے فعل سے حجاب ہٹ جائے' لیکن جب تمہارا اپنا وجود حجاب ہوگا' تو جب تک تم پورے فنافی اللہ نہیں ہو گے' اس وقت تک تم بقاباللہ کی منزل پر فائز نہیں ہو سکتے۔

لِاَنَّ النَّفْسَ كَلْبٌ بَاغٍ وَجِلْدُ الْكَلْبِ لَايَطْهُرُ اِلَّا بَالدَّبَاغِ

''اس کی وجہ یہ ہے' نفسِ امّارہ ایک سرکش کتا ہے اور کتے کا چمڑا دباغت کے ذریعے ہی پاک ہوسکتا ہے''۔

منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

روایات میں یہ بات منقول ہے' شیخ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں شیخ محمد بن حسن علوی کے ہاں ٹھہرے' ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کوفہ آئے' جب حسین کو ان کے بارے میں پتہ چلا تو وہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لیے گئے۔ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: اے ابراہیم! آپ چالیس سال سے طریقت سے وابستہ ہیں۔ آپ کو اس کے بارے میں کیا چیز پتہ چلی ہے؟ تو ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا. مجھے توکل کا طریقہ میسر آ گیا ہے' تو حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ضَيَّعْتَ عُمْرَكَ فِيْ عِمْرَانِ بَاطِنِكَ فَاَيْنَ الْفَنَاءُ فِي التَّوْحِيْدِ

''آپ نے اپنی ساری زندگی اپنے باطن کو آباد کرنے میں ہی ضائع کر دی ہے' تو توحید میں فناء کب ہوں گے؟''

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی اس سے مراد یہ ہے' توکل کا مطلب یہ ہوتا ہے' انسان اپنے معاملے کو خدا پر چھوڑ دے' اور اپنے باطن کی درستگی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے' جب کوئی شخص اپنی زندگی اپنے باطن کے علاج میں گزار دیتا ہے' تو پھر اسے ظاہر کے علاج کے لیے مزید عمر چاہیے' ایسا شخص پوری عمر ضائع کرنے کے باوجود اپنے اندر حق کا کوئی نشان نہیں پاتا۔

شیخ مروزی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ ابوعلی سیاہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات نقل کی گئی ہے' وہ فرماتے ہیں: میں نے نفس کو اس کی اصل شکل میں دیکھا' ایک شخص نے اسے بالوں سے پکڑ کے میرے حوالے کر دیا' میں نے اسے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے مجھ سے کہا: اے ابوعلی! تم یہ تکلیف نہ کرو' مجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے' اس لیے تم مجھے ختم نہیں کر سکتے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید کا واقعہ

شیخ محمد علیان نسوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر شاگردوں میں سے تھے۔ وہ فرماتے ہیں: ابتدائے حال میں' میں نفس کی آفات سے آگاہ ہو چکا تھا' اس کی کمین گاہوں سے واقف ہو چکا تھا اور میں نفس سے دشمنی رکھتا تھا' ایک مرتبہ لومڑی کے بچے جیسی کوئی چیز میرے حلق سے باہر نکلی' اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے یہ بات پہچان لی کہ وہ میرا نفس ہے۔ میں اسے پاؤں کے نیچے رکھ کے روندنے لگا' لیکن میں جب اسے پاؤں مارتا تھا تو وہ اور بڑا ہو جاتا تھا۔ میں نے اس سے کہا: اے فلاں! ہر چیز تکلیف کے نتیجے میں ہلاک ہو جاتی ہے اور تم ہو کہ بڑھتے چلے جا رہے ہو' اس کی وجہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: میری پیدائش ہی اُلٹی ہوئی ہے' جو چیز لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث ہوتی ہے' وہ میرے لیے راحت کا باعث ہوتی ہے اور جو چیز لوگوں کے لیے راحت کا باعث ہوتی ہے' وہ میرے لیے تکلیف کا سبب ہوتی ہے۔

شیخ اشقانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ ابوالعباس اشقانی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے امام تھے' وہ یہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں اپنے گھر آیا تو میں نے ایک زرد رنگ کے کتے کو دیکھا جو میری جگہ پر سویا ہوا تھا' میں یہ سمجھا کہ شاید گلی سے کوئی کتا اندر آ گیا ہے' میں اسے باہر نکالنے لگا لیکن وہ میرے دامن میں گھس کے غائب ہو گیا۔

شیخ ابوالقاسم علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ جو آج کے زمانے میں قطب اور مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں زندگی اور تندرستی دے۔ وہ اپنے ابتدائی حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں نے اپنے نفس کو ایک سانپ کی شکل میں دیکھا۔

ایک درویش کا مشاہدہ

ایک مرتبہ ایک درویش نے اپنے نفس کو ایک چوہے کی شکل میں دیکھا تھا' وہ کہتے ہیں: میں نے اس سے دریافت کیا: تم کون ہو؟ وہ بولا: میں غافل لوگوں کو ہلاک کرنے والا ہوں' میں ان کو شر اور بُرائی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور دوستوں کے لیے نجات کا ذریعہ ہوں کیونکہ اگر میں ان کے ساتھ نہیں ہوتا تو میرا وجود ان کے لیے آفت ہے' وہ اپنی پاکیزگی پر مغرور ہو جائیں گے اور اپنے اعمال پر تکبر کرنے لگیں گے' کیونکہ جب وہ اپنے دل کی طہارت' باطن کی صفائی' ولایت کے نور اور بندگی پر اپنی ثابت قدمی کو دیکھیں گے' تو نفسانی خواہش کی وجہ سے ان کے اندر غرور پیدا ہو جاتا ہے' پھر جب وہ مجھے اپنے دونوں پہلوؤں کے درمیان دیکھتے ہیں' تو ان کے سارے عیب دور ہو جاتے ہیں۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے' نفس بذاتِ خود قائم نہیں ہوتا اور یہ کوئی صفت بھی نہیں ہے' اس کی صفت موجود ہے اور ہم اس کی صفات کو علانیہ طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَعدٰی عَدُوِّكَ نَفسَكَ الَّتِي بَيْنَ جَنبَيكَ*

''تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے' جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے''۔

تو جب انسان کو نفس کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے' تو نفس کو ریاضت کے ذریعے قابو میں لایا جا سکتا ہے' لیکن اسے اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے بالکل ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر طالب اسے اچھی طرح سے پہچان لیتا ہے' تو وہ نفس پر حکمران ہو جاتا ہے اور اسے نفس کی موجودگی سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا' اس کی وجہ یہ ہے:

لِاَنَّ النَّفسَ كَلْبٌ نَبَّاحٌ وَاِمسَاكُ الْكَلْبِ بَعْدَ الرِّيَاضَةِ مُبَاحٌ ۔

''نفس ایک بھونکنے والا کتا ہے' اور سومعائنے کے بعد کتے کو پاس رکھنا جائز ہوتا ہے''۔

اس لیے مجاہدات سے نفس کے اوصاف کو ختم کیا جا سکتا ہے' اس کی ذات کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

مشائخ طریقت نے اس حوالے سے طویل گفتگو کی ہے' لیکن میں طوالت کے خوف سے صرف اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

خواہش نفس کی حقیقت

اب میں خواہشِ نفس کی حقیقت اور اس کو ترک کرنے پر بحث کروں گا۔

یہ بات جان لیں! بعض حضرات کے نزدیک ''ہویٰ'' سے مراد نفس کی ایک صفت ہے' جبکہ بعض دیگر حضرات کے نزدیک ہویٰ سے مراد وہ طبعی ارادہ ہے' جو نفس کا فرمانروا ہوتا ہے اور اس کی تدبیر کرتا ہے۔ اور یہی اختیار عقل کو روح پر حاصل ہے' جس روح کو جسم میں عقل کے ذریعے قوت نہیں ملتی وہ ناقص ہوتی ہے اور جس نفس کو ہویٰ کی طرف سے قوت نہیں ملتی وہ بھی ناقص ہوتا ہے' روح کا نقص حق کی قربت میں نقصان کا باعث ہوتا ہے اور نفس کا نقص اس کی قربت کی دلیل ہوتا ہے۔ انسان کو عقل اور ہویٰ دونوں کی طرف سے دعوت ملتی رہتی ہے۔ جو شخص عقل کی دعوت کو مان لیتا ہے' وہ ایمان اور توحید تک پہنچ جاتا ہے اور جو شخص ہویٰ کی دعوت کی پیروی کرتا ہے' وہ گمراہی اور حق کے انکار میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

اس لیے واصلینِ حق کے لیے ہویٰ حجاب کا باعث ہوتی ہے' جبکہ مریدین کے لیے پستی اور طالبان کے لیے روگردانی کی جگہ ہوتی ہے' یہی وجہ ہے' انسان کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے' وہ اس کی خلاف ورزی کرے اور انسان کو اس کے ارتکاب سے روکا گیا ہے۔

لِاَنَّ مَنْ رَكِبَهَا هَلَكَ وَمَنْ خَالَفَهَا مَلَكَ

اس کی وجہ یہ ہے' جو شخص اس پر سوار ہو جاتا ہے وہ ہلاکت کا شکار ہوتا ہے اور جو شخص اس کی مخالفت کرتا ہے' وہ بچ جاتا ہے۔

*نوٹ: کنز العمال کے مصنف شیخ علی متقی ہندی نے روایت کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں اور اسے دیلمی کی طرف منسوب کیا ہے۔ کنز العمال کا حوالہ درج ذیل ہے:

کنز العمال کتاب الجهاد الجهاد الاكبر من الاكمال 11264

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النازعات:۴۰،۴۱)

''اور جو شخص اپنے پروردگار کی عظمت سے خوفزدہ ہو گیا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشِ نفس کی پیروی سے روک دیا تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَخْوَفُ مَااَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ اِتِّبَاعُ الْهَوٰى وَطُوْلُ الْاَمَلِ

''مجھے اپنی اُمت کے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ اس بات کا ہے' وہ نفسانی خواہشات کی پیروی کریں گے اور ان کی آرزوئیں زیادہ ہوں گی''۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الجاثیہ:۲۳)

''کیا تم نے اس شخص کا جائزہ لیا ہے' جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے:

اَيِ الْهَوٰى اِلٰهًا مَعْبُوْدًا

''یعنی اس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا ایسا خدا بنا لیا ہے' جس کی عبادت کی جاتی ہے''۔

تو ایسا شخص ہلاکت کا مستحق ہوتا ہے' لیکن افسوس اس شخص پر ہوتا ہے' جو حق تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیتا ہے اور دن رات اس کی تمام تر توجہ صرف اپنی خواہشِ نفس کی رضا طلب کرنے میں مصروف رہتی ہے۔

نفسانی خواہشات کی اقسام

نفسانی خواہشات کی دو قسمیں ہیں' ایک خواہش کا تعلق لذت اور شہوت سے ہے' جبکہ دوسری کا تعلق لوگوں کے درمیان عزت اور مرتبے کے حصول کی خواہش سے ہے۔

جو شخص نفسانی خواہش کی لذت کا پیروکار ہوتا ہے' اس کا ٹھکانہ خرابات ہوتا ہے اور مخلوق اس کے فتنے سے بے خوف ہوتی ہے اور جو لوگ جاہ و مرتبے کے خواہش مند ہوتے ہیں' وہ عبادت گاہوں اور مسجدوں میں بھی لوگوں کے لیے فتنے کا باعث بنتے ہیں' ایسا شخص خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے' تو ہم خواہشِ نفس کی پیروی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

جس شخص کا ہر فعل نفسانی خواہش پر مبنی ہو اور وہ اُس کی پیروی پر راضی بھی ہو' تو اگر چہ وہ تمہارے ساتھ مسجد میں ہی کیوں نہ موجود ہو' پھر بھی وہ خدا سے دور شمار ہوگا۔ اور جو شخص نفسانی خواہش سے آزاد ہو اور اس کی پیروی کا منکر ہو' وہ اگر بت

کدے میں بھی ہو تو پھر بھی وہ حق کے نزدیک ہوگا۔

رومی راہب کا واقعہ

شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے سنا کہ روم میں ایک ایسا راہب ہے' جو ستر سال سے رہبانیت کی زندگی گزارتے ہوئے کلیسا میں گوشہ نشین ہے۔

میں نے سوچا کہ یہ تو بڑی حیران کن بات ہے' کیونکہ رہبانیت کی یہ شرط ہے' انسان چالیس سال تک گوشہ نشینی اختیار کرے' تو یہ شخص کس مسلک کی بنیاد پر ستر سال سے کلیسا میں مقیم ہے؟ میں اس سے ملنے کے لیے وہاں گیا' جب میں وہاں پہنچا تو اس نے کھڑکی کھولی اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: ابراہیم! مجھے پتہ ہے تم یہاں کس لیے آئے ہو! میں رہبانیت کی وجہ سے یہاں ستر سال سے گوشہ نشین نہیں ہوں' بلکہ میرا ایک کتا ہے جو لالچ اور نفسانی خواہشات کی پیروی میں پاگل ہو گیا ہے' میں اُس کی نگرانی کر رہا ہوں اور اس کے شر سے مخلوق کو بچانا چاہتا ہوں' ورنہ حقیقت کے اعتبار سے میں راہب نہیں ہوں۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے کہا' اے میرے پروردگار! تو عین گمراہی کے اندر بھی انسان کو سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرنے کی نوازش کر دیتا ہے۔

اس راہب نے مجھ سے کہا: اے ابراہیم! تم کب تک لوگوں کو تلاش کرتے پھرو گے' جاؤ! اپنے آپ کو تلاش کرو' جب اپنا آپ مل جائے تو اس کی حفاظت کرنا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' خواہش نفس روزانہ تین سو ساٹھ لباس پہنتی ہے اور انسان کو گمراہی کی طرف دعوت دیتی ہے اور شیطان اس وقت تک انسان کے ظاہر اور باطن میں داخل ہونے کا حوصلہ نہیں کرتا' جب تک اس کے ذہن میں نافرمانی کی خواہش پیدا نہیں ہو جاتی' جب نفسانی خواہش کی پیروی کا یہ مادہ انسان کے اندر پیدا ہو جاتا ہے' تو شیطان اُس پر قبضہ کر لیتا ہے اور اُس کو آراستہ کر کے اُس کے ذہن کے سامنے لے آتا ہے' اسی چیز کو وسوسہ کہا جاتا ہے' لہٰذا گناہ اور نافرمانی کا آغاز نفس کی خواہش سے ہوتا ہے۔

(کہا جاتا ہے) "وَالْبَادِیْ اَظْلَمُ"

"آغاز کرنے والا زیادہ زیادتی کرنے والا ہوتا ہے"۔

شیطان نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی تھی:

"فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ" (ص:۸۲)

"تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا"۔

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اُس سے یہ فرمایا تھا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر:۴۲)

''میرے بعض بندے ایسے ہیں جن پر تمہیں قابو حاصل نہیں ہو سکے گا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

تو شیطان ہی درحقیقت انسان کا نفس اور اس کی خواہش نفس ہے، یہی وجہ ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

وَمَامِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَ قَدْ غَلَبَهٗ شَیْطَانُهٗ اِلَّا عُمَرَ فَاِنَّهٗ غَلَبَ شَیْطَانَهٗ

''ہر شخص کا شیطان اس پر غالب آ جاتا ہے' سوائے عمر کے' کیونکہ وہ اپنے شیطان پر غالب ہے''۔

لہٰذا نفسانی خواہش انسان کی سرشت میں شامل ہے اور اولادِ آدم کی جان کی راحت ہے۔

انسانی سرشت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْھَوٰی وَالشَّھْوَۃُ مَعْجُوْنَۃٌ بِطِیْنَۃِ ابْنِ اٰدَمَ

''خواہش نفس اور شہوت' ابن آدم کی سرشت میں رکھی گئی ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) خواہش نفس کو ترک کرنے سے انسان امیر بن جاتا ہے اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والا شخص امیر سے اسیر بن جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے' زلیخا نے جس وقت خواہش نفس کا ارتکاب کیا تھا اس وقت وہ امیر تھیں' لیکن بعد میں اسیر ہو گئیں اور حضرت یوسف علیہ السلام نے خواہش نفس کو ترک کر دیا تھا تو وہ اگرچہ اسیر تھے لیکن وہ پھر امیر ہو گئے۔

وصل سے مراد کیا ہے؟

ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا:

''مَاالْوَصْلُ قَالَ تَرْکُ اِرْتِکَابِ الْھَوٰی''

وصل سے مراد کیا ہے؟ انہوں نے کہا: خواہش نفس کی پیروی کو ترک کرنا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جو بھی شخص وصال حق کا اعزاز حاصل کرنا چاہتا ہے' اُسے اپنی نفسانی خواہش کی خلاف ورزی کرنی ہو گی' کیونکہ انسان زیادہ طویل عبادت کے ذریعے بھی خواہش نفس کی مخالفت حاصل نہیں کر سکتا۔ ناخن کے ذریعے پہاڑ کھود لینا نفس کی مخالفت کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات میں یہ بات منقول ہے' وہ فرماتے ہیں: میں نے ایک مرتبہ ایک شخص کو ہوا میں اُڑتے ہوئے دیکھا' میں نے اُس سے دریافت کیا: تمہیں یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟ اُس نے جواب دیا: میں نے اپنی خواہش

نفس کو پاؤں کے نیچے رکھ دیا تو میں اس پر سوار ہو گیا۔

شیخ محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مجھے اُس شخص پر حیرانگی ہوتی ہے جو اپنی خواہش نفس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے گھر جاتا ہے اس کی زیارت کرتا ہے حالانکہ اس شخص کو چاہیے اپنی خواہش نفس اپنے پاؤں کے نیچے مسل دے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائے اور اس کے دیدار سے بہرہ ور ہو۔

شہوت کیا ہے؟

نفس کی سب سے بڑی ظاہری صفت شہوت ہے اور شہوت ایک ایسی قوت کو کہتے ہیں جو انسان کے تمام اعضاء میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے تمام حواس اس کے نوکر ہوتے ہیں انسان اُن سب کی حفاظت کرنے کا پابند ہے اور اُن میں سے ہر ایک کے کیے ہوئے فعل کا جوابدہ ہے۔

آنکھ کی شہوت کا تعلق دیکھنے سے ہے کان کی شہوت کا تعلق سُننے سے ہے ناک کی شہوت کا تعلق سونگھنے سے ہے زبان کی شہوت کا تعلق بولنے سے ہے دہن کی شہوت کا تعلق چکھنے سے ہے جسم کی شہوت کا تعلق چھونے سے ہے ذہن کی شہوت کا تعلق سوچنے سے ہے اس لیے حقیقت کی راہ پر چلنے والے طالب کے لیے یہ بات ضروری ہے وہ اپنی نگرانی جاری رکھے اور اپنے تمام تر اوقات اسی نگرانی میں گزار دے تاکہ خواہشات کے وہ اسباب جو حواس میں پیدا ہوجاتے ہیں وہ خود بخود ختم ہو جایا کریں۔

ایسے شخص کو چاہیے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کرے اللہ تعالیٰ اُس کے اندر ایسی صفت کو پیدا کردے کہ اس قسم کے وسوسے اور ارادے اُس کے باطن میں پیدا ہی نہ ہوں اس کی وجہ یہ ہے جو شخص شہوت کی کسی بھی ایک قسم کے بھنور میں پھنس جاتا ہے وہ تمام حقائق سے محجوب ہو جاتا ہے۔

اگر انسان تکلف کے طور پر اسے اپنے آپ سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی تکلیف اور اُس کی مشقت طویل ہو جاتی ہے اور شہوت کی ہم جنس چیزیں تواتر کے ساتھ آنے لگتی ہیں اس کا بہتر طریقہ یہ ہے انسان (شہوت سے نجات کو) خدا کے حوالے کردے تاکہ انسان کو اس کی مراد حاصل ہو جائے۔

شیخ بوعلی سیاہ مروزی بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں حمام میں گیا سنت کے مطابق استرے کے ذریعے اپنے زیر ناف بال صاف کرنے لگا تو میرے دل میں خیال آیا یہ عضو جو شہوت کا منبع ہے اس نے تمہیں مختلف قسم کی آفات میں مبتلا کر رکھا ہے اسے تم اپنے جسم سے الگ کر دو تاکہ تمہیں شہوت سے نجات نصیب ہو جائے۔

اس وقت میرے باطن میں یہ آواز آئی: اے بوعلی! تم ہماری ملکیت میں تصرف کرنا چاہتے ہو؟ ہماری تخلیق ہونے کے حوالے سے کوئی ایک بھی عضو کسی دوسرے عضو سے زیادہ موزوں اور مناسب نہیں ہے ہمیں اپنے عزت کی قسم ہے! اگر تم نے

اس عضو کو اپنے جسم سے جدا کر دیا تو ہم تمہارے ہر ایک بال میں اس سے سوگنا زیادہ شہولت پیدا کر دیں گے۔
اس حوالے سے کسی کا یہ شعر ہے:

مَنَنْتَنِی الْاِحْسَانَ دَعْ اِحْسَانَكَ
اُتْرُكْ بِخَشْیِ اللّٰهِ بَاذَنْجَانَكَ

''تم نے مجھ پر احسان کرنے کی مہربانی کی ہے' اپنے احسان کو چھوڑ دو' اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اپنے باذنجان کو ترک کر دو''۔

انسان اپنے جسم میں خرابی پیدا کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا' البتہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کی مدد سے' اس کے حکم پر عمل کرتے ہوئے' انسان اپنی صفت تبدیل کر سکتا ہے' اپنی حالت سے بری الذمہ ہونے اور اپنے کسب کی قوت کے ذریعے تصرف کیا جا سکتا ہے۔

لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کو تسلیم کر لیتا ہے' تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے عصمت بھی نصیب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ اس عصمت اور تائید کی وجہ سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے' اور اس کو نقصان پہنچانے والی آفات فناء ہو جاتی ہیں' یہ تمام چیزیں مجاہدے سے زیادہ نزدیک ہیں۔

لِاَنَّ نَفْیَ الذُّبَابِ بِالْمَكْنَةِ اَیْسَرُ مِنْ نَّفْیِهٖ بِالْمِذْبَةِ۔

''اس کی وجہ یہ ہے' مکھی کو جھاڑو کے ذریعے دور کر دینا' لاٹھی کے ذریعے دور کرنے سے زیادہ آسان ہے''۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ کی یہ صفات تمام خامیوں کو دور کر دیتی ہے اور خرابیوں کو مٹا دیتی ہے' انسان کسی بھی صفت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشارکت نہیں رکھتا' البتہ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہو' تو اُس کو شرکت کا فیض نصیب ہو جاتا ہے' انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے اور جب تک اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصمت نصیب نہ ہو' انسان اپنی کوشش سے کسی چیز سے نہیں رُک سکتا' کیونکہ جب تک انسان کی کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل نہیں ہوتی' اُس وقت تک کوئی بھی کوشش فائدہ نہیں دیتی ہے' کیونکہ صرف کوشش کرنے سے بندگی کی طاقت ساقط ہو جاتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے' انسان کی تمام تر کوششیں دو طرح کی ہوتی ہیں' یا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے' یا پھر تقدیر کے خلاف کوئی چیز حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

کیونکہ تقدیر کو کوشش کے ذریعے نہیں بدلا جا سکتا اور کوئی کام تقدیر کے بغیر بھی نہیں ہو سکتا (اس لیے یہ غلط ہو گا)۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

روایات میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ شیخ ابوبکر شبلی بیمار ہو گئے' اُن کے پاس ایک طبیب آیا اور انہیں پرہیز کا مشورہ دیا' شبلی نے دریافت کیا: میں کس چیز سے پرہیز کروں؟ کیا اس چیز سے پرہیز کروں؟ جو میرے نصیب میں لکھی ہی نہیں ہے' یا

اُس چیز سے پرہیز کروں؟ جو میرے نصیب میں لکھ دی گئی ہے' اگر میں اپنے رزق سے پرہیز کرتا ہوں تو یہ ہو نہیں سکتا۔ رزق کے علاوہ کوئی پرہیز کرتا ہوں' تو وہ مجھے ملے گا ہی نہیں' تو پھر پرہیز کیسے کروں۔

لِاَنَّ الْمُشَاھِدَ لَا تُجَاھِدُ

اس کی وجہ یہ ہے ''مشاہدہ کرنے والا شخص مجاہدہ نہیں کرتا''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے اس مسئلے کے بارے میں پوری احتیاط کے ساتھ دوسری جگہ پر بھی وضاحت کر دی ہے۔

حکیمی مکتبہ فکر

یہ مکتبہ فکر شیخ ابوعبداللہ محمد بن علی بن حکیم ترمذی کی طرف منسوب ہے' جو اپنے وقت کے امام تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں' جن میں بہت سے علمی نکات اور رموز بیان کئے گئے ہیں۔ آپ کا مخصوص موضوع ولایت ہے۔ آپ نے ولایت کی حقیقت' اولیاء کے درجات' ان درجات میں ترتیب وغیرہ کو بیان کیا ہے۔ یہ موضوع بذات خود اپنی جگہ ایک سمندر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے' اور اس میں بہت سے عجائبات پائے جاتے ہیں۔ اس مکتب فکر کو سمجھنے کے لیے یہ بات جاننا بہت ضروری ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے اولیاء کو منتخب کیا ہے' اور ان اولیاء کے ارادے کو دنیا کے تمام تر تعلقات سے لاتعلق کر دیا ہے۔ ان سے نفس اور خواہش نفس کے دعووں کو الگ کر دیا ہے' اور ہر ایک ولی کو کسی مخصوص درجے پر قیام عطا کیا ہے' اور حقیقت کا دروازہ اس ولی کے سامنے کھول دیا ہے۔ اس موضوع پہ بہت سی طویل باتیں ہیں' جن میں سے چند ایک کا میں یہاں ذکر کروں گا' تاکہ لوگوں کو ولایت کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ اب میں اختصار کے ساتھ اس تحقیق کو ظاہر کروں گا' میں ولایت کے اسباب' اس کے اوصاف اور اس کے بارے میں لوگوں کے اقوال کا تذکرہ یہاں کروں گا۔

ولایت کے اثبات کی بحث

یہ بات واضح کر لیں تصوف کی بنیاد' طریقت اور معرفت کے طریقے کی بنیاد ولایت ہے' اور ولایت کا اثبات ہے۔ ولایت کے اثبات کے بارے میں تمام مشائخ کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے البتہ انداز ہر کسی کا مختلف ہے۔ اس مکتب فکر کے بزرگ شیخ ابوعبداللہ محمد بن علی ترمذی اس لفظ کے مفہوم اور اس کی حقیقت کی وضاحت میں خصوصی کمال رکھتے ہیں۔

لفظ ولایت کی تحقیق

لفظ ولایت میں اگر ''و'' پر زبر پڑھی جائے' تو لغوی طور پر اس کا مطلب تصرف کرنا اور مدد کرنا ہے' اور اگر لفظ ولایت میں ''و'' پر زیر پڑھی جائے' تو اس کا مطلب امارت ہے' اور یہ دونوں الفاظ لفظ ولیت کا مصدر ہوں گے۔ یہ بالکل اسی طرح

ہے جیسے لفظ دلالت کو''د'' پر زبر کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے' اور زیر کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے (لیکن دونوں کا مطلب مختلف ہو جاتا ہے)۔

لفظ ولایت ''رب ہونے'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ'' (الکہف:۴۴) ''اس جگہ ولایت اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے''۔

''یعنی رب ہونا اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہے' قیامت کے دن کفار اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ظاہر کریں گے اور اس کے گرویدہ ہو کر اپنے معبودوں سے بری ہونے کا اظہار کریں گے۔

لفظ ولایت ''محبت'' کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے' لفظ ولی' فعیل کے وزن پر ہو اور مفعول کے معنی میں ہو۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ'' (الاعراف:۱۹۶) ''وہ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے''۔

ایسا اس وجہ سے ہے' اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے اپنے ذاتی افعال اور اوصاف کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑتا' بلکہ وہ بندے کو اپنی حفاظت کی پناہ میں رکھتا ہے۔

یہاں یہ بھی امکان ہو سکتا ہے' لفظ ولی' فصیل کے وزن پر ہو اور فاعل کے معنی میں ہو اور مبالغے کا صیغہ ہو اس کی وجہ یہ ہے' بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے وابستگی رکھتا ہے' اور اس کے غیر سے تعلق کو ختم کر دیتا ہے۔

اس صورت میں اگر پہلا معنی مراد لیا جائے یعنی مفعول کا مفہوم مراد لیا جائے' تو وہ مرید ہو گا' اور اگر دوسرا معنی یعنی فاعل کا مفہوم لیا جائے' تو وہ مراد شمار ہو گا۔

ولایت کی مختلف صورتیں

یہ تمام معنی' اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لیے اور بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہوں گے (یعنی بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے' یا اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے) اس کی وجہ یہ ہے' یہ بات ممکن ہے' اللہ تعالیٰ اپنے خاص دوستوں کا بطور خاص حامی و ناصر ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دوستوں کے ساتھ یہ وعدہ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (البقرہ:۲۱۴) ''خبردار بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے''۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

وَاَنَّ الْكَافِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (سورہ محمد:۱۱) ''بے شک کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے''۔

اَیْ لَا نَاصِرَ لَهُمْ ''یعنی جب ان کا کوئی مددگار نہیں ہے' تو اس کا لازمی مقصد یہ ہو گا کہ اہل ایمان کا کوئی مددگار ہے' جو

ان کی مدد کرتا ہے' جو ان کی عقل کو نشانیوں سے استدلال اور معنی کو بیان کرنے کے ذریعے تقویت فراہم کرتا ہے' ان کے خلوص کو اسرار اور دلائل کے کشف کے ذریعے مدد فراہم کرتا ہے' اور نفس' خواہش نفس اور شیطان کی مخالفت میں اور اپنی ذات کی موافقت میں اہل ایمان کی مدد کرتا ہے۔

ولی کی دعا کی مقبولیت

یہ بھی ہوسکتا ہے' وہ ان اہل ایمان کو اپنی دوستی کے ساتھ مخصوص کرے' اور انہیں عداوت کے مقام سے محفوظ رکھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ'' (المائدہ:۵۴) ''اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے' اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں''۔

یعنی وہ لوگ اس دوستی کی وجہ سے اس سے محبت کرتے اور مخلوق سے منہ موڑ لیتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بھی ان کا ولی اور دوست بن جائیں' اور وہ اللہ تعالیٰ کے ولی بن جائیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے' وہ کسی شخص کو اپنی عبادت پر قائم رکھنے کے لیے اسے ولایت عطا کردے اور اسے اپنی حفظ وامان میں رکھے تاکہ وہ شخص عبادت کرنے پر برقرار رہے اور اس کے حکم کی مخالفت نہ کرے' اور شیطان اس شخص کی عبادت میں کوئی خلل ڈالنے پر کامیاب نہ ہوسکے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے' اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ولایت سے اس لیے سرفراز کرے تاکہ اس کی عقدہ کشائی کی وجہ سے لوگوں کے مسائل حل ہوں۔ اس شخص کی دعا قبول ہو' اس کے اقوال مقبول ہوں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَا یُعْبَأُ بِهٖ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللهِ لَاَبَرَّهٗ*

''بعض اوقات بکھرے ہوئے اور پراگندہ بالوں کا مالک شخص جس کی چادر پھٹی ہوئی ہوتی ہے' جس کی کوئی پرواہ

*صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب فضل الضعفاء والخاملین' حدیث:4861المستدرك علی الصحیحین للحاکم' کتاب الرقاق' حدیث: 8008مشکل الآثار للطحاوی' باب بیان مشکل ما روی عنه علیه السلام فی حدیث الظلة' حدیث: 573صحیح ابن حبان' کتاب التاریخ' ذکر الخبر المدحض قول من ابطل وجود المعجزات فی الاولیاء دون' حدیث:6576جامع ترمذی' الذبائح' ابواب المناقب عن رسول الله صلی الله علیه وسلم' باب مناقب البراء بن مالك رضی الله عنه' حدیث:3869مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بنی هاشم' مسند انس بن مالك رضی الله تعالی عنه' حدیث:12250مسند عبد بن حمید' مسند انس بن مالك' حدیث:1240مسند الحارث' کتاب الزهد' باب فیمن لا یؤبه له' حدیث:1091مسند ابی یعلیٰ الموصلی' علی بن زید '.حدیث:3876المعجم الاوسط للطبرانی' باب الالف' من اسمه احمد' حدیث:868شعب الایمان للبیهقی' التاسع والثلاثون من شعب الایمان' فصل فیما یقول العاطس فی جواب التشمیت' الحادی والسبعون من شعب الایمان وهو باب فی الزهد وقصر الامل' حدیث:10064

نہیں کی جاتی (اس کی یہ حیثیت ہوتی ہے) کہ اگر وہ اللہ کے نام کی قسم اٹھا لے تو اللہ تعالیٰ اسے پوری کر دیتا ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامت

یہ بات مشہور ہے' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں دریائے نیل میں سال میں ایک مرتبہ پانی آنا بند ہو جاتا تھا اور وہاں کے لوگ زمانہ جہالت میں ہر سال کسی کنیز کو آراستہ کر کے دریا میں بہا دیتے تھے' جس کے نتیجے میں دریا میں روانی آجاتی تھی (جب اس بات کا پتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چلا تو انہوں نے) کاغذ کے ایک ٹکڑے پر یہ فرمان لکھ کر بھیجا:

"اے نیل کے پانی! اگر تو اپنی مرضی سے رکا ہے' تو جاری نہ ہو اگر تو خدا کے حکم سے رکا ہے' تو عمر یہ کہہ رہا ہے' اب جاری ہو جا"۔

جب وہ رقعہ پانی میں ڈالا گیا تو پانی جاری ہو گیا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ امارت حقیقی تھی۔

ولایت اور اس کے اثبات کے ذریعے میری مراد یہ تھی کہ تمہیں یہ پتہ چل جائے' ولی کہلانا اس شخص کو زیب دیتا ہے' جس کے اندر یہ خصوصیات پائی جاتی ہوں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت کے بارے میں' میں نے بیان کیا ہے۔

اس سے پہلے بہت سے مشائخ نے تحریرات مرتب کی ہیں۔ اب میں ان بزرگ شیخ کے متعلق کچھ عبارات تحریر کروں گا جیسا کہ ان کے بارے میں میرا اعتقاد ہے اگر اللہ کو منظور ہو تمہیں اور طریقت کے دیگر طالبات کو اس سے فائدہ حاصل ہو گا۔

فصل: قرآن وسنت کی روشنی میں ولایت پر بحث

یہ بات جان ولی لوگوں کے محاورے میں شامل ہے' اور کتاب سنت میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس:۶۲)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو کوئی خوف نہیں ہوگا' اور نہ کوئی غم ہوگا"۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ (حم السجدہ:۳۱)

"ہم دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں"۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البقرہ:۲۵۷)

"اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے"۔

نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اِنَّ مِنْ عِبَادِاللهِ لَعِبَادٌ یَّغْبِطُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّهَدَاءُ

''اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے''۔

عرض کیا گیا:

''یَا رَسُوْلَ اللهِ صِفْهُمْ لَنَا لَعَلَّنَا نُحِبُّهُمْ''

''یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ ہمارے سامنے ان کی علامات بیان کریں تاکہ ہم بھی ان سے محبت کریں''۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرَوْحِ اللهِ مِنْ غَیْرِ اَمْوَالٍ وَاکْتِسَابٍ وُجُوْهُهُمْ نُوْرٌ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ لَایَخَافُوْنَ اِذَاخَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ ثُمَّ تَلَا اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

''یہ وہ لوگ ہوں گے' جو اموال اور اکتساب (یعنی کسی دنیاوی فائدے کے بغیر) کی طرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت کریں گے۔ ان کے چہرے نور کے منبروں پر ہوں گے' جو منبر نور سے بنے ہوئے ہوں گے جنہیں کوئی خوف نہیں ہوگا' اور اس دن جب لوگ خوف کا شکار ہوں گے اور جب لوگ غمگین ہوں گے انہیں کوئی غم نہیں ہوگا''۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس:۶۲)

''خبردار اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو کوئی خوف نہیں ہوگا' اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے''۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے حدیث قدسی بیان کی ہے (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے)

مَنْ اٰذٰی وَلِیًّا فَقَدِ اسْتَحَلَّ مُحَارَبَتِیْ

''جو شخص میرے کسی ولی کو تکلیف دے تو اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کر دیا''۔

(سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' اللہ تعالیٰ کے کچھ اولیاء ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی دوستی اور ولایت کے خاص مرتبے پر فائز کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی والی ہیں' اور انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا برگزیدہ بندہ قرار دے کر اپنے کرم کی اظہار کا نشان بنایا ہے۔ انہیں خصوصی کرامات عطا کی ہیں' اور قدرتی آفات سے ان کی حفاظت کی ہے۔ انہیں نفس اور نفسانی خواہشات کی پیروی سے رہائی عطا کی ہے تاکہ ان کی تمام تر توجہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور ان کی محبت اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کے لیے نہ ہو۔ اس طرح کے لوگ آج بھی موجود ہیں' اور قیامت تک موجود رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ

نے اس امت کو یہ شرف عطا کیا ہے' اور اپنے ذمہ یہ بات لی ہے' وہ نبی اکرم ﷺ کی شریعت (یعنی دین اسلام) کو ہمیشہ محفوظ رکھے گا۔ اگر چہ علماء بھی اس بارے میں عقلی اور نقلی دلائل پیش کرتے ہیں' لیکن ان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور برگزیدہ بندے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عینی دلائل سے آراستہ ہوتے ہیں۔

ولایت کے منکر کون ہیں؟

دو فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ہمارے نظریے کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقہ معتزلہ ہے' اور دوسرا فرقہ حشویہ ہے۔

انہوں نے اس بات کا ذکر کیا ہے' اہل ایمان میں سے کسی ایک شخص کو دوسرے کے مقابلے میں خصوصیت حاصل نہیں ہوتی ہے حالانکہ اگر کوئی شخص ولی کی خصوصیت کی نفی کرے تو اس سے بالواسطہ طور پر نبی کی تخصیص کی بھی نفی لازم آتی ہے (کیونکہ نبی بھی اہل ایمان ہوتا ہے۔ جب کسی اہل ایمان کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے' تو لہٰذا ''نبی'' کی تخصیص بھی ختم ہو جائے گی) اور یہ بات کفر ہے۔ جہاں تک عام تخصیص کا تعلق ہے' تو وہ اس خصوصیت کے قائل ہیں (یعنی وہ یہ مانتے ہیں: بعض اہل ایمان کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے)' لیکن وہ اس بات کے بھی قائل ہیں' اب اللہ تعالیٰ کے اولیاء نہیں رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے' اگر آپ ماضی یا مستقبل دونوں میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرتے ہیں' تو اس سے دوسرے کا انکار بھی لازم آ جاتا ہے' کیونکہ دونوں کی حیثیت یکساں ہوتی ہے' اور ایک کا انکار دوسرے کے انکار سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے نبوت کی برہان کو آج تک برقرار رکھا ہے' اور اولیاء کرام کو اس کے ظہور کا سبب بنایا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے نشانات اور نبی اکرم ﷺ کی صداقت کے دلائل ہمیشہ ظاہر رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو اس جہان کا والی بنایا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ مکمل طور پر خلوص کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی سنت کے پیروکار ہیں اور انہوں نے نفس کی پیروی کے راستے کو چھوڑ دیا ہے۔ انہی کی برکت کی وجہ سے آسمان سے رحمتوں کی بارش نازل ہوتی ہے' اور زمین سے نباتات اُگتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کے احوال کی صفائی کی بدولت ہوتا ہے' اور کافروں پر مسلمانوں کو نصرت حاصل ہوتی ہے۔

ان کا تعارف اور تعداد

ان میں سے چار ہزار حضرات ایسے ہیں' جو پوشیدہ ہیں یہ ایک دوسرے کو بھی نہیں پہچانتے ہیں' بلکہ اپنی ذاتی حالت کی خوبی و رعنائی سے بھی ناواقف ہوتے ہیں' یہ تمام احوال میں اپنے آپ اور ساری مخلوق سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ ان کے بارے میں احادیث منقول ہیں' اور ان کے بارے میں اولیاء کا کلام بھی منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے' اس بارے میں مجھ پر خبر واضح ہو گئی ہے۔

البتہ جو لوگ ان صوفیاء کے سردار ہیں' اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند حیثیت کے مالک ہیں ان کی تعداد تین سو ہے۔ انہیں ''اخیار'' کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ چالیس دوسرے ہوتے ہیں جنہیں ''ابدال'' کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ''سات''

افراد ہوتے ہیں جنہیں ''ابرار'' کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ''چار'' افراد ہوتے ہیں جنہیں ''اوتاد'' کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ تین افراد ہوتے ہیں جنہیں ''نقیب'' کہا جاتا ہے' اور ان کے علاوہ ایک فرد ہوتا ہے' جسے ''قطب'' بھی کہا جاتا ہے' اور ''غوث'' بھی کہا جاتا ہے۔

یہ سب حضرات ایک دوسرے سے واقف ہوتے ہیں' اور معاملات میں ایک دوسرے کے (یعنی اپنے سے برتر بزرگ کے) حکم کے پابند ہوتے ہیں۔ اس بارے میں روایات منقول ہیں' اور اہل سنت ان کے صحیح ہونے کے قائل ہیں' کیونکہ یہاں ہمارا مقصد یہ نہیں ہے (اس لیے ہم انہیں یہاں نقل نہیں کر رہے)۔

ایک اعتراض کا جواب

میں نے اب تک جو بیان کیا ہے' اس پر اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے' جب آپ یہ کہتے ہیں: یہ اولیاء ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں یعنی ایک دوسرے کے ولی ہونے کو جانتے ہیں' تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا چاہیے' وہ اپنی عافیت کے حوالے سے پُر امن اور سلامت ہوں حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ولایت کا منصب بے خوفی کا تقاضا نہیں کرتا۔ اس کا جواب یہ ہے' جب یہ بات ممکن ہے' مومن کو اپنے ایمان کا پتہ ہوتا ہے' اور اس کے باوجود وہ بے خوف نہیں ہوتا تو یہ بھی ممکن ہونا چاہیے' ولی کو اپنی ولایت کا پتہ ہو اور وہ بے خوف نہ ہو۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے' یہ بھی ممکن ہے' اللہ تعالیٰ کرامت کے طور پر ولی کو اس کے حال کے صحیح ہونے کی اطلاع دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے کی' اس سے حفاظت کے بارے میں' اسے اطلاع دے کر اپنی عاقبت کے محفوظ ہونے سے اسے شناسا کروا دیتا ہے۔

اس بارے میں مشائخ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے' اور اختلاف کی وجہ میں نے بیان کر دی ہے' کچھ اولیاء وہ ہوتے ہیں جن کی تعداد چار ہزار ہے۔ ان کو اپنی ولایت سے آگاہی نہیں ہوتی' جبکہ بعض مشائخ اس بات کے قائل ہیں: ان کو اپنی ولایت سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اولیاء کے بارے میں جو وضاحت میں نے کی ہے بکثرت فقہاء اور متکلمین پہلے نقطہ نظر کے قائل ہیں' اور کچھ حضرات نے دوسرے نقطہ نظر کو ترجیح دی ہے۔

بعض متکلمین کا مؤقف

شیخ ابو اسحاق اسفرائنی اور متکلمین کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے' ولی خود کو نہیں پہچانتا۔ اسے یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ ولی ہے۔ اس کے برعکس شیخ ابو بکر بن فورک اور متقدمین کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے' ولی اپنی ولایت کو پہچانتا ہے۔

جب ہم پہلے گروہ سے یہ بات دریافت کرتے ہیں: ولی کو یہ پتہ چل جائے' وہ ولی ہے' تو اس سے نقصان کیا ہوگا؟ تو وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں: اگر ولی کو اپنی ولایت سے آگاہی حاصل ہو جائے' تو وہ غرور کا شکار ہو جائے گا' خود پسندی میں مبتلا ہو جائے گا' تو اس پر ہم یہ کہتے ہیں: ولایت کے لیے تو یہ بات بنیادی شرط کی حیثیت رکھتی ہے' وہ ولی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں

آکر ہر آفت سے محفوظ ہو جائے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی ہی حفاظت میں ہوگا' تو اس میں خود پسندی اور غرور کہاں سے آئے گا؟
یہ نظریہ تو بہت عامیانہ اور بے دلیل ہوگا کہ ایک شخص جو ولی ہے اس سے کرامات کا ظہور بھی ہوتا ہے اور اسے یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ میں ولی ہوں' اور یہ چیز جو مجھ سے صادر ہو رہی ہے یہ کرامت ہے۔

عوام میں سے بعض نے پہلے گروہ کی تقلید کی ہے۔ بعض لوگوں نے دوسرے گروہ کی تقلید کی ہے' لیکن عوام کی بات کا اعتبار نہیں ہوتا۔

معتزلہ کا نظریہ

البتہ معتزلہ کسی ولی کی خصوصیت یا اس سے کرامات کے صدور کا مکمل طور پر انکار کرتے ہیں' حالانکہ ولایت کی حقیقت ہی کرامت اور تخصیص ہے۔ معتزلہ یہ کہتے ہیں: وہ تمام مسلمان جو اسلام کے احکام کو برقرار رکھتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہیں' وہ سب اللہ تعالیٰ کے ولی ہوتے ہیں' اور معتزلہ کے نزدیک ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہوتا ہو' اللہ تعالیٰ کی صفات کے قدیم ہونے کا اور اس کے دیدار کے حق ہونے کا انکار کرتا ہو' جو شخص فاسق اور فاجر مسلمان کو جہنمی سمجھتا ہو اور احکام میں عقل کو ترجیح دیتا ہو وہ شخص اللہ کا ولی ہے۔

(سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں یہ کہتا ہوں ایسا شخص ولی ضرور ہوتا ہے' لیکن وہ اللہ کا ولی نہیں ہوتا' بلکہ ''شیطان کا ولی'' ہوتا ہے۔

معتزلہ یہ بھی کہتے ہیں: اگر کرامت کا اظہار ولایت کے لیے شرط ہوتا' تو تمام مسلمان صاحب کرامت ہوتے کیونکہ ایمان تو سب میں پایا جاتا ہے' اور جو چیز اصل سب میں مشترک ہو' تو فرع میں بھی انہیں مشترک ہونا چاہیے۔

پھر معتزلہ یہ بھی کہتے ہیں: یہ بات ممکن ہے' مومن اور کافر دونوں کو کرامت حاصل ہو' جیسے اگر کسی شخص کو سفر کے دوران بھوک لگ جائے' اور پھر اسے کوئی میزبان مل جائے یا وہ تھک گیا ہو اور کوئی شخص اسے سواری کے لیے جانور دیدے (تو یہ صورت حال مومن اور کافر دونوں کے ساتھ پیش آ سکتی ہے)۔

پھر معتزلہ یہ بھی کہتے ہیں: اگر یہ بات ممکن ہوتی' کوئی شخص (کرامت کے طور پر) طویل فاصلہ ایک ہی رات میں طے کرے تو اس کا اظہار نبی اکرم ﷺ سے اس وقت ہونا چاہیے تھا جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے تھے (اس سے مراد شاید حج کے لیے نبی اکرم ﷺ کا مکہ جانا ہے) تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا تھا:

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ (النحل ۷)

''اور وہ جانور تمہارا بوجھ اٹھا کر اس شہر کی طرف لے جاتے ہیں جہاں تم اپنے آپ کو مشقت کا شکار کر کے ہی پہنچ سکتے ہو''۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ہم یہ کہتے ہیں: تمہاری یہ بات غلط ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ

(الاسراء:۱)

''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے خاص بندے کو رات کے ایک مخصوص حصے میں' مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے''۔

تم لوگوں نے جو آیت پیش کی ہے وہاں بوجھ اٹھانے سے مراد یہ ہے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تمام اسباب کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف لے جایا گیا تھا' جبکہ کرامت خاص ہوتی ہے عام نہیں ہوتی۔ اگر کرامت کے طور پر ان سب کو مکہ مکرمہ لے جایا جاتا تو کرامت عام ہو جاتی اور غیب پر ایمان رکھنا ضروری نہ رہتا اور غیب پر ایمان کے تمام احکام اور غیبی خبروں کا وجود سب کچھ ختم ہو جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے' مطلق ایمان فرمانبردار شخص اور عام شخص دونوں میں عمومی حیثیت رکھتا ہے' جبکہ ولایت خصوصی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اسے عمومی حیثیت عطا نہیں کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موافقت میں ظاہری طور پر یہ سفر کیا' جبکہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر سے متعلق حکم کو خاص رکھا ہے' اور اپنے نبی کو رات کے مختصر حصے میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کا سفر کروا دیا اور پھر وہاں سے قاب قوسین تک اور اس مقام تک کا سفر کروایا جہاں کائنات ختم ہو جاتی ہے' اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ ملاحظہ بھی فرمالیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد واپس تشریف لائے تو رات کا بیشتر حصہ باقی تھا۔

بحث کا خلاصہ

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے' ایمان کا حکم عام ہے' اور اس کا تعلق عام افراد کے ساتھ ہے' جبکہ کرامت کا حکم خاص ہے' اور اس کا تعلق مخصوص لوگوں کے ساتھ ہے اور تخصیص کا انکار کرنا ہی ہٹ دھرمی ہوتی ہے۔ اسے آپ یوں سمجھ سکتے ہیں: بادشاہ کے دربار میں حاجب بھی ہوتا ہے' دربان بھی ہوتا ہے' اور امراء اور وزراء بھی ہوتے ہیں۔ بادشاہ کی خدمت کے حوالے سے ان سب کا مرتبہ برابر ہوتا ہے' لیکن باہمی طور پر ان کے مرتبے کے اندر فرق پایا جاتا ہے۔ کوئی ایک دوسرے پر فوقیت رکھتا ہے۔ اسی طرح ایمان کی حقیقت کے اعتبار سے تمام مسلمان برابر ہوتے ہیں' لیکن اس کے باوجود کوئی گنہگار ہوتا ہے کوئی فرمانبردار ہوتا ہے کوئی عالم ہوتا ہے' اور کوئی جاہل ہوتا ہے۔ اس لیے تخصیص کے انکار کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ان تمام باتوں کا انکار کر دیں۔

فصل: ولایت کی تحقیق کے بارے میں مشائخ کے بیان کردہ رموز

ولی کی تعریف

ولایت کی حقیقت کے بارے میں مشائخ نے بہت سے نکات بیان کیے ہیں جن میں سے چند ایک کا میں یہاں ذکر کروں گا' تا کہ پڑھنے والوں کو مکمل فائدہ حاصل ہو جائے۔

شیخ جوز جانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف

شیخ ابوعلی جوز جانی یہ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْوَلِیُّ هُوَا الْفَانِیُّ فِیْ حَالِهٖ وَالْبَاقِیُّ فِیْ مُشَاهَدَةِ الْحَقِّ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ عَنْ نَفْسِهٖ اِخْبَارٌ وَلَا مَعَ غَیْرِ اللّٰهِ قَرَارٌ

''ولی وہ ہوتا ہے' جس کی اپنی حالت فانی ہو جائے' اور وہ حق کے مشاہدے کی حالت میں باقی رہے۔ نہ اپنی ذات کے بارے میں کچھ بتا سکے اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کے غیر میں سے کسی اور چیز سے قرار حاصل ہو سکے''۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' اطلاع دینے کا تعلق انسان کی حالت سے ہوتا ہے' تو جب بندے کے احوال فنا ہو چکے ہوں تو وہ اطلاع کیسے دے سکتا ہے' اور جب بندے کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی سے آرام نہیں آئے گا' تو پھر وہ کسی دوسرے کو خبر نہیں دے سکے گا کیونکہ کسی دوسرے کو اپنی حالت کی خبر دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ محبوب کے راز کو منکشف کر رہا ہے' جو غیبی حالت سے متعلق ہے' اور غیر متعلقہ شخص کے سامنے محبوب کے اسرار کو منکشف کرنا ناممکن ہے۔ پھر ایک پہلو یہ بھی ہے' جب وہ مشاہدے کی حالت میں ہوتا ہے' تو مشاہدے کی کیفیت میں غیر کی طرف توجہ ناممکن ہوتی ہے' تو جب غیر کی طرف توجہ کا امکان ہی نہیں رہا تو غیر سے سکون اور قرار کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''مِنْ صِفَةِ الْوَلِیِّ اَنْ لَّا یَکُوْنَ لَهٗ خَوْفٌ لِاَنَّ الْخَوْفَ تَرَقُّبُ مَکْرُوْهٍ یَّحِلُّ فِی الْمُسْتَقْبِلِ اَوْ اِنْتِظَارُ مَحْبُوْبٍ یَفُوْتُ فِی الْمُسْتَانِفِ وَالْوَلِیُّ اَیْنَ وَقْتُهٗ لَیْسَ لَهٗ مُسْتَقْبِلٌ فَیَخَافُ شَیْئًا کَمَا لَا خَوْفَ لَهٗ وَلَا رِجَاءٌ لَّهٗ لِاَنَّ الرَّجَاءَ اِنْتِظَارُ مَحْبُوْبٍ یَحْصُلُ اَوْ مَکْرُوْهٍ یَکْشِفُ وَذَالِكَ فِی الثَّانِیْ مِنَ الْوَقْتِ کَذَالِكَ لَا یَحْزَنُ لِاَنَّ الْحُزْنَ مِنْ حُزُوْنَةِ الْوَقْتِ مَنْ کَانَ فِیْ ضِیَاءِ الرِّضَاءِ وَنُوْرِ الشُّکْرِ وَرَوْضَةِ الْمُوَافَقَةِ فَاَیْنَ یَکُوْنَ لَهٗ حُزْنٌ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ

یَحْزَنُوْنَ"

''ولی وہ ہوتا ہے' جسے کوئی خوف نہیں ہوتا کیونکہ خوف کی بنیاد ناپسندیدہ صورتحال ہوتی ہے' جو مستقبل میں پیش آسکتی ہے' یا کسی محبوب چیز کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے' جبکہ ولی اپنے موجودہ وقت کا پابند ہوتا ہے' اور اس کا موجود زمانے کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی چیز سے ڈرے' تو جس طرح اسے کوئی خوف نہیں ہوتا اسی طرح اسے کوئی امید بھی نہیں ہوتی' کیونکہ امید کا تعلق بھی مستقبل میں کسی پسندیدہ چیز کے حاصل ہونے سے ہوتا ہے' یا تکلیف دِہ صورتحال کے دور ہونے سے ہوتا ہے۔ جو کسی دوسرے آنے والے وقت میں ہوتی ہے۔ اسی طرح اسے کوئی غم بھی نہیں ہوتا کیونکہ غم کا تعلق بھی وقت کے ساتھ ہوتا ہے' تو جو شخص رضا الٰہی کی روشنی میں اور شکر کے نور اور موافقت کے باغ میں ہو تو اسے غم کیسے ہو سکتا ہے۔''

جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس:۶۲)

''خبردار اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف نہیں ہوتا اور انہیں کوئی غم نہیں ہوگا''۔

بعض لوگوں کی غلط فہمی

اس بات سے بعض لوگ سمجھتے ہیں اولیاء کو کوئی خوف' غم اور کوئی امید نہیں ہوتی' تو لازمی طور پر وہ امن کی حالت میں ہوں گے (یعنی انہیں اپنے انجام کا کوئی خوف نہ ہوگا) حالانکہ حقیقت یہ ہے' ان لوگوں کو امن بھی نصیب نہیں ہوتا کیونکہ امن کا تعلق اس چیز سے ہوتا ہے' آدمی غیب کو نہ دیکھے اور وقت سے منہ موڑ لے' جبکہ ہم جن لوگوں کا ذکر کر رہے ہیں ان کی توجہ اپنی بشریت کی طرف مبذول نہیں ہوتی اور انہیں کسی بھی صورت میں آرام و سکون نہیں ملتا۔ خوف' امید' امن' غم ان سب کا تعلق نفس کے ساتھ ہے۔ جب یہ صفات فانی ہو جاتی ہیں' تو بندے کی صفت رضا ہو جاتی ہے' اور جب رضا حاصل ہو جاتی ہے' تو احوال کو بدلنے والی ذات یعنی اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ اور دیدار درست ہو جاتا ہے' احوال میں تبدیلی آجاتی ہے۔ اس وقت دل پر ولایت کا کشف ہوتا ہے' اور ولایت کی حقیقت باطن پر واضح ہو جاتی ہے۔

شیخ مغربی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ ابوعثمان مغربی نے یہ بات بیان کی ہے۔

اَلْوَلِيُّ قَدْ يَكُوْنُ مَشْهُوْرًا وَّلَا يَكُوْنُ مَفْتُوْنًا

''ولی مشہور ہو سکتا ہے' لیکن اس فتنے میں مبتلا نہیں ہو سکتا''۔

ایک بزرگ نے یہ بات بیان کی ہے۔

اَلْوَلِيُّ قَدْ يَكُوْنُ مَسْتُوْرًا وَلَا يَكُوْنُ مَشْهُوْرًا

''ولی پوشیدہ رہتا ہے وہ مشہور نہیں ہوسکتا''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس بزرگ کے نزدیک ولی گمنام اس لیے رہتا ہے' کیونکہ وہ شہرت سے بچتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' شہرت میں فتنہ پایا جاتا ہے۔

جبکہ شیخ ابوعثمان مغربی نے یہ بات بیان کی ہے' ولی مشہور ہوسکتا ہے' لیکن اس کا مشہور ہونا فتنے کا باعث نہیں ہوسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے' فتنہ جھوٹی شہرت میں ہوتا ہے' تو جب ولی اپنی ولایت میں سچا ہوتا ہے' تو اس کی شہرت فتنے کا باعث نہیں بن سکتی اور جھوٹے شخص کو ولی قرار نہیں دیا جاسکتا اس لیے جھوٹے شخص سے کرامت کا اظہار بھی نہیں ہوسکتا۔ اس سے یہ بات لازم آتی ہے' جو ولی سچا ولی ہوتا ہے' اس سے فتنہ دور ہوجاتا ہے۔

ان دونوں اقوال کا تعلق اس اختلاف سے ہے' کیا ولی کو یہ معرفت حاصل ہوتی ہے' کہ وہ ولی ہے؟ کیونکہ اگر وہ خود کو پہچان لے گا' تو مشہور ہوجائے گا' اور اگر نہیں پہچان پائے گا' تو آزمائش میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ اس کی تشریح ہونی چاہیے' لیکن یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ انہوں نے ایک شخص سے دریافت کیا: تم کیا چاہتے ہو؟ کہ اللہ کے ولی بن جاؤ؟ تو اس نے کہا: مجھے اس کی آرزو ہے' تو ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا:

لَا تَرْغَبْ فِیْ شَیْئٍ مِّنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَفَرِّغْ نَفْسَکَ لِلّٰہِ وَاَقْبِلْ بِوَجْھِکَ عَلَیْہِ

''تم دنیا اور آخرت کی کسی بھی چیز کی طرف رغبت نہ کرو اور اپنی ذات کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کرو' صرف اسی طرف متوجہ ہوجاؤ''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جب روگردانی کسی فانی چیز کی طرف ہو' تو وہ فانی چیز فنا ہوجاتی ہے اور روگردانی نابود ہو جاتی ہے' جب روگردانی ''باقی ذات'' کے لیے ہو تو ''باقی'' پر فنا جائز نہیں ہے' اس لیے اس باقی کے لیے (فانی سے کی جانے والی) روگردانی پر بھی فنا جائز نہیں ہوگی۔ اس لیے تم خود کو دونوں جہانوں سے لاتعلق کردو!

اللہ تعالیٰ کی محبت کے طلبگار شخص کا دنیا یا آخرت دونوں سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اپنے دل کو ہر وقت خدا سے متعلق کرلو۔ جب یہ اوصاف تمہارے اندر موجود ہوجائیں گے' تو تم ولی بن جاؤ گے۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی سے عرض کیا کہ ولی کون ہوتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا:

اَلْوَلِیُّ ھُوَالصَّابِرُ تَحْتَ الْاَمْرِ وَالنَّھِیْ

''ولی وہ ہوتا ہے' جو امر اور نہی کے تحت صبر کرے (یعنی ان کی پابندی کرے)''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' حق کی دوستی جس شخص کے دل میں' جس قدر زیادہ ہوگی' وہ حکم کی اتنی ہی زیادہ تعمیل کرے گا' اور حکم کی مخالفت سے اتنا ہی زیادہ دور رہے گا۔

ان کے بارے میں یہ بات منقول ہے' وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ کسی نے مجھے بتایا: فلاں شہر میں اللہ کا ایک ولی رہتا ہے۔ میں اس کی زیارت کے لیے روانہ ہوگیا۔ جب میں اس کی مسجد میں پہنچا تو وہ شخص اس وقت مسجد سے باہر نکل رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے مسجد کے فرش پر تھوک دیا ہے میں وہیں سے واپس آگیا۔ میں نے اس سے سلام بھی نہیں لیا۔ میں نے یہ سوچا کہ ولی کے لیے یہ ضروری ہے' وہ شریعت کے احکام کی پیروی کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی ولایت کی حفاظت کرے۔ اگر یہ شخص واقعی ولی ہوتا تو اپنے تھوک کے ذریعے مسجد کے فرش کو آلودہ نہ کرتا اور اس کا احترام کرتا۔

حضرت بایزید بیان کرتے ہیں: اسی رات خواب میں مجھے نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے بایزید! تم نے جو یہ عمل کیا ہے' اس کی برکت تمہیں ضرور ملے گی' تو (حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اگلے دن میں اس مرتبے پر فائز ہوگیا' جسے تم دیکھ رہے ہو۔

شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اسی طرح شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اس نے پہلے اپنا بایاں پاؤں مسجد میں رکھ دیا تو حضرت ابوسعید نے حکم دیا' اسے یہاں سے نکال دو! کیونکہ جس شخص کو دوست کے گھر میں داخل ہونے کا طریقہ نہیں آتا وہ بایاں پاؤں پہلے رکھتا ہے۔ وہ اس لائق نہیں ہے' کہ ہماری محفل میں بیٹھے۔

بے دین لوگوں کے ایک گروہ نے طریقت کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کیا۔ وہ بے دین لوگ یہ کہتے ہیں: جب بندہ اتنی عبادت کرلے کہ ولی بن جائے' تو پھر ولی بننے کے بعد خدمت اور عمل کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے حالانکہ یہ بات کھلی گمراہی ہے' کیونکہ حق کے راستے میں کوئی بھی ایسا مقام نہیں ہے جہاں عبادت میں سے کوئی ایک رکوع بھی ساقط ہو جائے۔ اس کی تشریح ہم کسی مخصوص جگہ پر کریں گے۔

کرامت کے اثبات کی بحث

یہ بات واضح رہے' جو ولی واقعی مکلف ہو اس سے کرامت کا ظہور جائز ہے۔ اہل سنت کے دونوں فریق یعنی ظاہری علماء اور صوفیاء دونوں اس بات پر متفق ہیں' اور عقل کے نزدیک بھی یہ بات ناممکن اور محال نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ہے' اور شریعت کے اصول میں (یعنی کتاب وسنت میں) کرامت کے اظہار کے منافی کوئی چیز نہیں ہے' اور ویسے بھی عقل اور فہم کے اعتبار سے بھی یہ بات غلط نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے' کرامت ولی کی سچائی کی علامت ہوتی ہے' اور جھوٹے شخص سے کرامت کا ظہور نہیں ہوسکتا۔ ولایت کے دعویدار جس شخص سے کرامت ظاہر نہ ہو اس کے جھوٹا

ثابت ہو جاتا ہے' کرامت کا ظہور نہ ہونا اس کے جھوٹے ہونے کا علامتی نشان ہوتا ہے۔

کرامت کی تعریف

کرامت ایسے فعل کو کہتے ہیں' جو عام عادت سے ہٹ کر ہو اور شریعت کے احکام کی پابندی کے نتیجے میں وجود میں آئے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے ذریعے حق اور باطل کے درمیان فرق کے دلائل بیان کر سکے وہی ولی شمار ہوتا ہے۔

بعض اہل سنت اس بات کے قائل ہیں: کرامت اس حد تک درست ہے' جب تک وہ معجزہ نہ ہو (یعنی ولی سے کرامت کا صدور ہو سکتا ہے معجزے کا نہیں) جیسے دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہونا' کوئی مراد پوری ہو جانا یا کوئی ایسی بات جو عام عادت (یعنی قانون فطرت) سے بڑھ کر ہو۔

میں یہ کہتا ہوں، مکلف ہونے کی حالت میں اگر کسی ولی سے اس طرح کا کوئی فعل صادر ہو جاتا ہے' جو عام عادت کے خلاف ہو' تو اس میں برائی کیا ہے؟

اگر وہ یہ کہیں: اس نوعیت کے فعل کا ظہور' اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے' تو یہ کھلی گمراہی ہوگی۔ اگر وہ یہ کہتے ہیں: ایسا فعل خدا کی قدرت کے تحت ہے لیکن ولی سے کرامت کے صدور کی صورت میں نبی کی نبوت اور تخصیص کی تردید ہو جاتی ہے' تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے: ہم اس بات کے قائل ہی نہیں ہیں کہ ولی سے ''معجزہ'' کا ظہور ہو سکتا ہے۔ ولی سے صادر ہونے والے خرقِ عادت کو ''کرامت'' کہا جاتا ہے' جبکہ معجزہ وہ خرقِ عادت فعل ہوتا ہے جس کا ظہور ''نبی'' سے ہوتا ہے۔

معجزہ اور کرامت میں فرق

''وَالْمُعْجِزَةُ لَمْ تَكُنْ مُعْجِزَةً لِعَيْنِهَا اِنَّمَا كَانَتْ مُعْجِزَةً لِحُصُوْلِهَا وَمِنْ شَرْطِهَا اِقْتِرَانُ دَعْوَى النُّبُوَّةِ فَالْمُعْجِزَةُ تَخْتَصُّ لِلْاَنْبِيَاءِ وَالْكَرَامَاتُ يَكُوْنُ لِلْاَوْلِيَاءِ''

''اور معجزہ اپنی ذات کے اعتبار سے عاجز کرنے والا نہیں ہوتا' بلکہ اس کا حصول عاجز کرنے والا ہوتا ہے' اور اس کے لیے یہ بات شرط ہے' اس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ بھی موجود ہونا چاہیے۔ اس لیے معجزات انبیاء کے ساتھ مخصوص ہوں گے اور کرامات کا تعلق اولیاء کے ساتھ ہوگا''۔

یعنی ولی اپنی جگہ پہ ولی ہے' اور نبی کا اپنا مقام ہے۔ ان کے درمیان کوئی مشابہت نہیں ہو سکتی۔

انبیاء کی عظمت شان

انبیاء کا مرتبہ' ان کی بلند شان' ان کی صفائی اور عصمت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اس کا تعلق صرف معجزے یا خلاف عادت کے صدور سے نہیں ہے۔ اس لیے انبیاء سے ثابت ہونے والے تمام تر معجزے اگرچہ خلاف عادت ہوتے ہیں'

لیکن معجزہ ہونے کے اعتبار سے ان کا مرتبہ برابر ہوتا ہے' لیکن انبیاء کو اپنے درجات میں فرق اور فضیلت کے اعتبار سے ایک دوسرے پر برتری حاصل ہوتی ہے' تو جب خلاف عادت افعال کے ظاہر ہونے کے باوجود ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے' تو پھر یہ بات بھی جائز ہوگی کہ ولی بھی خلاف عادت فعل کا مظاہرہ کر سکتا ہو' البتہ اس کا درجہ انبیاء کرام علیہم السلام سے کم ہوگا۔ جس طرح انبیاء میں خلاف عادت فعل کا اظہار ایک دوسرے پر فضیلت یا خصوصیت کا سبب نہیں ہے' اس لیے یہاں بھی خلاف عادت فعل یعنی کرامت کا صدور' ولی کی نبی پر فضیلت کی دلیل نہیں بنے گا کیونکہ ولی کسی بھی اعتبار سے نبی کی مثل نہیں ہو سکتا اور جب کوئی عقل مند شخص اس دلیل پر غور کرے گا' تو اس کا شبہ دور ہو جائے گا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اب اگر کسی شخص کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو' اگر کسی ولی سے کرامت کے طور پر کوئی خلاف عادت فعل صادر ہونا ممکن ہو' تو یہ بھی ہو سکتا ہے' وہ ولی نبوت کا دعویٰ کر دے (تو اس کے جواب میں ہم یہ بات کہیں گے) یہ بات ناممکن ہے' اس کی وجہ یہ ہے' ولی ہونے کے لیے پہلی شرط یہ ہے' اسے سچا ہونا چاہیے اور جو شخص حقیقت کے خلاف دعویٰ کرے تو وہ شخص جھوٹا ہوتا ہے' اور جھوٹا آدمی ولی نہیں بن سکتا۔ اگر کوئی ولی نبوت کا دعویٰ کرے تو یہ معجزے میں دخل دینے کے مترادف ہوگا' اور یہ بات کفر ہو گی اور کرامت کا تعلق صرف نیک' پرہیزگار مومن کے ساتھ ہوتا ہے' یہ کسی دوسرے سے ظاہر نہیں ہوتی جھوٹ بولنا گناہ ہے' اور یہ فرمانبرداری نہیں ہے' تو جب حقیقت یہ ہوگی کہ ولی کی کرامت کے ذریعے نبی کی حجت ظاہر ہو رہی ہوتی ہے' تو کرامت اور معجزے کے درمیان کسی قسم کا شبہ واقع نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے' نبی نے معجزے کے ذریعے اپنی نبوت کا اثبات کیا تھا اور ولی بھی اپنی ولایت کے ہمراہ جو کرامت ظاہر کرتا ہے' اس کے ذریعے نبی کی نبوت کا اثبات کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے سچا ولی اپنی ولایت کے ذریعے وہی چیز ثابت کر رہا ہوتا ہے' جو سچے نبی نے اپنی نبوت کے بارے میں ثابت کی ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے ولی کی کرامت نبی کے معجزے کا حصہ ہوتی ہے' اور مومن شخص نبی کی کرامت دیکھ کر نبی کی صداقت کے بارے میں مزید پُر یقین ہو جاتا ہے۔ وہ اس بارے میں شبہ کا شکار نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے' جہاں دعویٰ میں تضاد نہیں پایا جاتا کہ ایک کی وجہ سے دوسرے کی نفی ہو جائے' بلکہ ایک کا دعویٰ دوسرے کے دعویٰ کی دلیل بن رہا ہے' اور شرعی حکم بھی یہ ہے' وراثت کے بارے میں جب ایک گروہ کا دعویٰ دوسرے گروہ کے دعویٰ کے مطابق ہو' تو جب ایک ثبوت کے ذریعے ایک گروہ کا مؤقف ثابت ہو جائے' تو اس کے نتیجے میں بالواسطہ طور پر دوسرے گروہ کا بھی مؤقف ثابت ہو جائے گا' لیکن جب دعویٰ میں تضاد موجود ہو' تو اس وقت ایک کے ثبوت کے ذریعے کسی دوسرے کا ثبوت ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے جب نبی معجزے کے ذریعے اپنی نبوت کے صحیح ہونے کا دعویدار ہوتا ہے' تو ولی' نبی کے اس دعوے کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں شبہہ کا ثابت ہونا ناممکن ہوگا۔

معجزہ اور کرامت میں فرق

جب یہ بات واضح ہو گی کہ جھوٹے شخص سے کرامت کا صدور ناممکن ہے' تو لازمی طور پر معجزے اور کرامت کے درمیان فرق اور بھی زیادہ واضح ہو جائے گا' اور بھی جان لینا چاہیے' معجزے کے لیے یہ بات شرط ہوتی ہے' اسے ظاہر کیا جائے' جبکہ کرامت کے لیے یہ بات شرط ہوتی ہے' اسے پوشیدہ رکھا جائے۔ معجزے کا فائدہ دوسرے کو پہنچتا ہے (یعنی وہ اس معجزے کو دیکھ کر ایمان لے آتا ہے)' جبکہ کرامت کا فائدہ صرف کرامت دکھانے والے کو ہوتا ہے (کیونکہ اس کی عزت اور بزرگی میں اضافہ ہوتا ہے) نبی کو معجزے کے بارے میں یقینی طور پر یہ علم ہوتا ہے' یہ ایک معجزہ ہے' لیکن کرامت کے بارے میں ولی یہ نہیں کہہ سکتا' یہ کرامت ہے' یا استدراج ہے۔

جس شخص کو معجزہ عطا کیا جاتا ہے (یعنی جو نبی ہوتا ہے) وہ شریعت کے احکام میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق تصرف اور تبدیلی کر سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بیان کرتا ہے' اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے' لیکن صاحب کرامت شخص (یعنی ولی) اس حوالے سے (یعنی شرعی احکام کے حوالے سے) صرف انہیں ماننے کا اور تسلیم کرنے کا پابند ہوتا ہے' کیونکہ کوئی بھی ولی کرامت کی وجہ سے کسی بھی اعتبار سے نبی کی شریعت کے حکم کی نفی یا مخالفت نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی صاحب یہ کہیں: آپ نے یہ کہا:

''معجزہ ایک خلاف عادت فعل ہوتا ہے' اور یہ نبی کی صداقت کی دلیل ہوتا ہے''۔

اور پھر آپ نے یہ کہا' خلافِ عادت فعل نبی کے علاوہ کسی اور سے (کرامت کے طور پر) صادر ہو سکتا ہے' تو اس کا مطلب تو یہ ہو گا: وہ فعل خلاف عادت نہیں ہے' کیونکہ وہ دوسرے پر بھی ظاہر ہو گیا ہے' تو اس اعتبار سے آپ کا یہ کہنا کہ کرامت کے ثبوت کے ذریعے معجزے کا اثبات ہوتا ہے' یہ غلط ہو جائے گا۔

ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے' یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' جب آپ یہ بات مان گئے کہ ولی کی کرامت' نبی کے معجزے جیسی ہوتی ہے' تو اس کے ذریعے وہی دلیل ثابت ہوتی ہے' جو نبی کے معجزے کے اظہار کے ذریعے ثابت ہوتی ہے' تو اب یہاں ایک خلاف عادت' دوسرے خلاف عادت کو باطل قرار نہیں دے گی۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ

کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا؟ جب کفار نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مکہ میں شہید کرنا چاہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے اور مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا: کفار اس وقت حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔ اسی طرح حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی نگاہوں' کے سامنے سے بھی اللہ تعالیٰ نے حجابات کو ہٹا دیا اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ ان کے سلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم

ﷺ کے کانوں تک پہنچایا اور نبی اکرم ﷺ نے اس سلام کا جو جواب دیا وہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے بھی سن لیا' دعا کی اور ان کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا گیا۔

تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں بیٹھ کر شہید ہوتے ہوئے دیکھا حالانکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ مکہ میں موجود تھے' تو یہ چیز ایک خلاف عادت فعل ہے' اور معجزے کے طور پر ہے' جبکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا مکہ میں موجود ہوتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کو دیکھنا ان کی کرامت تھی کیونکہ غیر موجود شخص کو دیکھ لینا خلاف عادت ہے' اور اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے' جو شخص زمانے کے اعتبار سے غیر موجود ہو یا جو شخص مکان کے اعتبار سے غیر موجود ہو' ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے' حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو مکان کے اعتبار سے غیر موجود ہونے کی حالت میں دیکھا تھا۔ اس کرامت کا تعلق اس چیز کے ساتھ تھا' جبکہ بعد میں آنے والے (صوفیاء) معنی کے اعتبار سے' نبی اکرم ﷺ سے غیبت کی حالت میں ہوتے ہیں' اور کرامت کا اظہار کرتے ہیں لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ کرامت معجزے کے خلاف نہیں ہوتی' کیونکہ کرامت کا مقصد صرف صاحب معجزہ (یعنی نبی کی) کی تصدیق ہوتا ہے' اور کرامت صرف اس شخص سے ظاہر ہوتی ہے' جو نبی کی تصدیق کرے جو اطاعت گزار مومن ہوتا ہے' اس لیے کسی ولی کی کرامت درحقیقت نبی کا معجزہ ہوتی ہے' کیونکہ نبی کی شریعت باقی ہوتی ہے' اس لیے یہ بات بھی ضروری ہوگی کہ اس کی حجت اور دلیل بھی رہے جو کہ کرامت کی صورت میں واضح ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے اولیاء' نبی اکرم ﷺ کی صداقت کے گواہ ہیں' اور یہ بات ممکن نہیں ہے' ولی کے علاوہ کسی اور سے کرامت کا اظہار ہو۔

شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک حکایت بیان کی گئی ہے' جو اس مقام کے اعتبار سے بہت مناسب ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ میں اکیلا جنگل میں جا رہا تھا۔ مجھے ایک شخص ملا' اس نے مجھے اپنے ساتھ رکھنے کی درخواست کی۔ میں نے اس کی طرف توجہ دی تو مجھے اس سے نفرت کا احساس ہوا۔ میں نے سوچا' یہ کس وجہ سے ہے؟ وہ بولا: اے ابراہیم! آپ پریشان نہ ہوں' میں ایک عیسائی ہوں' اور روم کے دور دراز کے علاقے سے اس امید کے ساتھ یہاں آیا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔ اس کی یہ بات سن کر مجھے تسلی ہوئی اور اس کے ساتھ رہنے اور ساتھ کا حق (ادا کرنا) میرے لیے آسان ہو گیا' میں نے اس سے کہا: اے عیسائی راہب! میرے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں ہے۔ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے' جنگل میں تمہیں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس نے جواب دیا: اے حضرت! میں نے تو آپ کی اتنی شہرت اور نام سنا ہے' اور آپ کا یہ حال ہے' آپ کھانے پینے کی وجہ سے اتنے پریشان ہو رہے ہیں۔ اس کے جواب سے میں بہت متاثر ہوا' تو میں نے اس لیے اس کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ سات دن سفر کرنے کے بعد ہمیں پیاس محسوس ہوئی۔ وہ ایک جگہ رک

گیا۔ اس نے کہا: اے ابراہیم! تمہیں دنیا میں اتنی شہرت حاصل ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اتنا مرتبہ حاصل ہے۔ اب کچھ کرو! کیونکہ پیاس کی وجہ سے مجھ میں چلنے کی ہمت نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: میں نے اپنا سر زمین پر رکھا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی اے اللہ! مجھے کافر کے سامنے ذلیل نہ کرنا کیونکہ یہ اجنبی ہونے کے باوجود میرے بارے میں حُسنِ ظن رکھتا ہے تو مجھے رسوائی کا شکار نہ کرنا۔ میرے بارے میں اس کے گمان کو درست ثابت کر دینا۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: جب میں نے سجدے سے سر اٹھایا تو وہاں ایک طبق موجود تھا جس میں دو روٹیاں رکھی ہوئی تھیں اور دو پیالے پانی کے تھے۔ ہم نے وہ کھا پی لیا اور وہاں سے چل پڑے۔ جب پھر سات دن گزر گئے میں نے یہ سوچا کہ اس سے پہلے کہ اب یہ مجھے پھر سے کچھ کہے اور میرے ساتھ مقابلہ کرنے کی کوشش کرے مجھے اسے آزمانا چاہیے۔ میں نے اسے کہا: اے نصرانی راہب! آج تمہاری باری ہے تم مجھے اپنے مجاہدے کا ثمرہ دکھاؤ۔ اس نے بھی اپنا سر زمین پر رکھا اور کچھ پڑھا تو ایک تھال ظاہر ہوا۔ اس میں چار روٹیاں تھیں اور پانی کے چار پیالے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی اور میں پریشان ہو گیا۔ اس وقت میں اپنی حالت سے مایوس ہو گیا اور میں نے یہ سوچا کہ میں ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں کھاؤں گا کیونکہ کھانے کی یہ اشیاء ایک کافر شخص کے لیے حاضر ہوئی ہیں اور یہ اس کی امداد ہے۔ میں اسے کیسے کھا سکتا ہوں؟ اس عیسائی نے مجھ سے کہا: ابراہیم تم اسے کھا لو۔ میں نے اس سے کہا: میں نہیں کھاؤں گا۔ اس نے دریافت کیا: آپ کیوں نہیں کھائیں گے؟ میں نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے تم اس بات کے اہل نہیں ہو (کہ تم سے کرامت کا صدور ہو) اور یہ بات تمہارے حال کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔ بہرحال مجھے اس بات پر حیرت بہت ہوئی ہے۔ اگر میں اسے کرامت سمجھوں تو کافر شخص سے کرامت ظاہر نہیں ہوتی۔ اگر میں ویسے ہی امداد سمجھوں تو یہ بھی قابل اعتراض ہے تو اس راہب نے کہا: ابراہیم! تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ آپ کے لیے دو خوشخبریاں ہیں۔ ایک تو میں اسلام قبول کرتا ہوں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں اور دوسری خوشخبری آپ کے لیے یہ ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کا رُتبہ بہت بلند ہے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: (جب میں نے دریافت کیا تمہیں یہ کیسے) پتہ چلا؟ اس نے جواب دیا: اس کی وجہ یہ ہے درحقیقت مجھے (راہب ہونے کے اعتبار سے) کوئی کرامت حاصل نہیں ہے۔ میں نے زمین پر سر رکھنے کے بعد آپ کے وسیلے سے دعا مانگی تھی اور یہ دعا کی تھی: اے میرے معبود! اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین حق ہے اور یہ دین تجھے پسند ہے تو مجھے دو روٹیاں اور پانی کے دو پیالے عطا کر اور اگر ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ تیرا ولی ہے تو مجھے مزید دو روٹیاں اور پانی کے دو مزید پیالے عطا کر۔ یہ کہہ کر میں نے سر اٹھایا تو یہ پچ آپ کے سامنے موجود تھا (اس میں چار روٹیاں اور چار پیالے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے یہ دونوں باتیں صحیح ہیں یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی اور آپ کا ولی ہونا بھی)۔

تو حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے اس کھانے کو کھا لیا اور وہ عیسائی شخص بعد میں مسلمان ہو کر بزرگانِ دین کی صف میں

شامل ہوا۔

یہ چیز ولی کی کرامت کی شکل میں نبی کا معجزہ تھی' البتہ یہ صورتحال نادر طور پر ہی پیش آئی کہ نبی کی غیر موجودگی میں ''غیر'' (یعنی کافر) سے (کرامت کی شکل میں معجزے کا) ظہور ہوا' اور وہ بھی ایک ولی کی موجودگی میں ہوا' ولایت کے انتہائی مراحل کے بارے میں وہی شخص جان سکتا ہے جو اس کے ابتدائی مراحل پر موجود ہو۔

اس راہب کی کیفیت فرعون کے جادوگروں کی طرح پوشیدہ تھی تو حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے کرامت کے ذریعے نبی کے معجزے کو ثابت کیا اور اس راہب نے بھی نبوت کی صداقت کے بارے میں دعا کی تھی اور ولایت کی عزت کے بارے میں دعا کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ازلی عنایت کے ذریعے اس کے مقصد کو پورا کر دیا۔

تو کرامت اور معجزے کے درمیان یہ ایک بنیادی فرق ہے۔

اولیاء کا کرامت ظاہر کرنا ان کے لیے مزید کرامت کا باعث ہوتا ہے' کیونکہ ولایت کے لیے یہ بات شرط ہے' کرامت کو پوشیدہ رکھا جائے۔ اس کو قصد کے ساتھ ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میرے پیر و مرشد (شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں: اگر ولی اپنی ولایت کو ظاہر کر دے اور ولی ہونے کا دعویٰ بھی کر دے تو اس کے نتیجے میں اس کے حال کو کوئی نقصان نہیں ہوتا' لیکن اس کے لیے یہ بات شرط ہوگی کہ وہ عاجزی اور انکساری کے طور پر ایسا کرے' لیکن اگر وہ تکلف کے ساتھ ایسا کرتا ہے' تو یہ رعونت شمار ہوگی۔

خدا ہونے کے دعویدار سے خرقِ عادت کا صدور

صوفیاء کے تمام مکاتب فکر اس بات پر اتفاق کرتے ہیں: معجزے یا کرامت کے مانند کوئی خلاف عادت فعل کافر سے سرزد ہو سکتا ہے' لیکن اس فعل کا معجزے یا کرامت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا' اور ایسے شخص کے جھوٹا ہونے میں بھی کوئی شک نہیں ہوگا' بلکہ اس سے صادر ہونے والا یہ فعل اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہوگا۔

اس کی مثال یہ ہے' فرعون کی حکومت چار سو سال تھی۔ اس دوران وہ کبھی بھی بیمار نہیں ہوا' اور اس کے پیچھے پانی موجود ہوتا تھا۔ جب وہ رکتا تھا' تو پانی بھی رک جاتا تھا اور جب وہ چلتا تھا' تو پانی بھی چل پڑتا تھا' لیکن اس کے باوجود کسی بھی عقل مند کو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا' کہ وہ اپنے خدائی کے دعوے میں جھوٹا تھا اور وہ (اللہ تعالیٰ کا) منکر تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے' اہل عقل اللہ تعالیٰ کو جسم اور ترکیب سے پاک قرار دینے کے پابند ہیں۔ اگر فرعون سے اس نوعیت کے دوسرے خلاف عادت افعال بھی سرزد ہو جاتے تو بھی عقل مندوں کے نزدیک اس کا خدائی کا دعویٰ جھوٹ ہونے میں کوئی شبہ نہ ہوتا۔

پھر ارم کے افراد' شداد' نمرود کے بارے میں جو روایات نقل کی گئی ہیں۔ انہیں بھی اسی قسم پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

دجال سے خرقِ عادت کا صدور

سچی خبر دینے والے اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے ہمیں یہ بات بتائی ہے۔ آخری زمانے میں دجال کا ظہور ہوگا' اور وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا' اور دو پہاڑ اس کے دائیں بائیں اس کے ساتھ چلیں گے۔ دائیں طرف والا پہاڑ جنت اور نعمتوں کا پہاڑ ہوگا' اور بائیں طرف والا پہاڑ عذاب اور سزا کا پہاڑ ہوگا۔ وہ دجال لوگوں کو اپنی طرف بلائے گا جو شخص اس کی طرف نہیں آئے گا وہ اسے سزا دے گا' وہ گمراہ ہوگا' لیکن بظاہر لوگوں کو ہلاک کر دے گا' اور پھر انہیں زندہ کرے گا (تو بعض لوگ یہ چیز دیکھ کر ایمان لے آئیں گے) اس وقت پوری دنیا میں اسی کا حکم چلے گا' لیکن ان سب باتوں کے باوجود اگر وہ اس سے سوگنا زیادہ خلاف عادت افعال ظاہر کر دے تو بھی کسی عقل مند کو اس کے جھوٹا ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے' ہر ذی شعور شخص اس بات سے بخوبی واقف ہے' خدا اس بات سے پاک ہے کہ وہ گدھے پر بیٹھے یا اس کے اندر کوئی تبدیلی رونما ہو۔ اس طرح کی (خلاف عادت ظاہر ہونے والی باتوں کو) ''استدراج'' کہا جاتا ہے۔

خرقِ عادت اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ

یہ بھی ہو سکتا ہے' نبوت کا کوئی جھوٹا دعویدار شخص کسی خرقِ عادت فعل کو ظاہر کر دے اور وہ فعل اس کے جھوٹ پر دلالت کرتا ہو بالکل اسی طرح جیسے کوئی سچا فعل سچے نبی سے ظاہر ہو' تو یہ معجزہ اس کے سچے ہونے پر دلالت کرتا ہے' لیکن یہ نہیں ہو سکتا' نبوت کے کسی جھوٹے دعویدار سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جس کو دیکھ کر کسی عقل مند شخص کو شبہ ہو کہ شاید یہ شخص نبی ہو سکتا ہے' کیونکہ اگر اس شبہ کو درست تسلیم کر لیا جائے' تو پھر سچے اور جھوٹے کے درمیان امتیاز ختم ہو جائے گا' اور اس وقت اس شخص کے لیے یہ بات دشوار ہو جائے گی کہ وہ کس کی تصدیق کرے' اور کس کی بات کو جھٹلائے؟ اس طرح حکم کا ثبوت مکمل طور پر باطل ہو جائے گا۔

خرقِ عادت اور ولایت کا جھوٹا دعویٰ

یہ ہو سکتا ہے' کوئی شخص ولایت کا دعویدار ہو اور اس سے کرامت جیسا کوئی فعل ظاہر ہو جائے کیونکہ وہ اپنے دین میں (یعنی اپنے عقائد کے اعتبار سے) سچا ہے۔ اگرچہ عمل کے معاملے میں' یعنی عمل کے اعتبار سے وہ ٹھیک نہیں ہے۔ ایسا شخص اس کرامت کے اظہار کے ذریعے' نبی اکرم ﷺ کی صداقت کا معترف ہونے اور اپنے اوپر ہونے والی اللہ تعالیٰ کی مہربانی کو ظاہر کرنا چاہے گا' اور یہ فعل اس کی اپنی ذاتی قوت یا طاقت سے متعلق نہیں ہوگا۔ بس وہ شخص ایمان کی اصلیت کے حوالے سے سچا ہو تو اس کے بارے میں یہی اعتقاد رکھا جائے گا کہ وہ ولی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس کے اعمال اس کے اعتقاد کے مطابق نہ ہوں۔ اس کے ظاہری اعمال کی خرابی اس کی ولایت کی نفی نہیں کر سکے گی بالکل اسی طرح جس طرح اعمال کی خرابی' ایمان کی نفی نہیں کرتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کرامت اور ولایت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں۔ اس میں بندے کے محنت و جدوجہد کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے انسان کی کوشش اور اس کا اکتساب درحقیقت ہدایت کا سبب نہیں بن سکتا۔

ولی معصوم نہیں ہوتا

اس کے علاوہ یہ بات ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں: اولیاء معصوم نہیں ہوتے ہیں اور ولایت کے لیے عصمت شرط نہیں ہے۔ البتہ اولیاء کرام ایسے تمام انعال سے محفوظ ضرور ہوتے ہیں جن کا وجود ولایت کے منافی ہوتا ہے۔ ولایت کی نفی اس چیز کے ذریعے ہوتی ہے جس کے ذریعے ایمان کی نفی ہوتی ہو۔ معصیت (گناہ کے ارتکاب) کی وجہ سے ولایت کی نفی نہیں کی جا سکتی۔

شیخ محمد بن علی ترمذی اس بات کے قائل ہیں جبکہ حضرت جنید بغدادی حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ حضرت حارث محاسبی رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے صوفیاء بھی اسی بات کے قائل ہیں جبکہ بعض دیگر صوفیاء جن میں حضرت سہل بن عبداللہ تستری حضرت ابوسلیمان دارانی حضرت ابوحمدون قصار اس بات کے قائل ہیں: ولایت کا مطلب یہ ہے انسان بندگی پر ہمیشہ قائم رہے۔ جب کوئی ولی کبیرہ گناہ کرتا ہے تو وہ ولایت سے محروم ہو جاتا ہے۔

کبیرہ گناہ کا ارتکاب کفر نہیں ہے

(سیّد ہجویر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) میں اس سے پہلے یہ بات بیان کر چکا ہوں تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے انسان کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کوئی ایک ولایت دوسری ولایت سے بہتر نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے ولایت معرفت کا نام ہے جو تمام کرامتوں کی اصل اور سرچشمہ ہے اور وہ معرفت گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے زائل نہیں ہوتی۔

اس بارے میں مشائخ کے درمیان بہت اختلاف پایا جاتا ہے لیکن میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں ان سب کا یہاں ذکر کروں۔

اس موضوع پر سب سے اہم بات یہ ہے انسان کو یقینی طور پر یہ بات معلوم ہو جائے ولی سے کرامت کا ظہور کس حالت میں ہوا ہے؟ صحو کی حالت میں ہوا ہے سکر کی حالت میں ہوا ہے؟ غلبہ کی وجہ سے ہوا ہے یا استقامت کی حالت میں ہوا ہے؟

صحو اور سکر کی وضاحت ہم طیفوری مکتبِ فکر کے ضمن میں تفصیل کے ساتھ کر چکے ہیں۔

حضرت بایزید حضرت ذوالنون مصری حضرت محمد بن خفیف حضرت حسین بن منصور حضرت یحییٰ بن معاذ اور ایک جماعت اس بات کے قائل ہیں: ولی سے کرامت کا ظہور اسی وقت ہو سکتا ہے جب ولی سکر کی حالت میں ہو۔ صحو کی حالت میں جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ انبیاء کا معجزہ ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے' کرامت اور معجزے کے درمیان یہی بنیادی فرق ہے' یعنی کرامت کا اظہار ولی سے سکر کی حالت میں ہوتا ہے' کیونکہ اس وقت وہ مغلوب حالت میں ہوتا ہے' اور اسے کسی بھی دعوئی کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس نبی سے معجزے کا ظہور اس وقت ہوتا ہے' جب نبی ''صحو'' کی حالت میں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' وہ اس کے ذریعے اپنا مقابلہ کرنے والے شخص کو مقابلے کی دعوت دیتا ہے۔

جنہیں معجزہ دیا جاتا ہے (یعنی جو نبی ہوتے ہیں) انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے دو اطراف میں سے کسی ایک کے انتخاب کا کہا جاتا ہے۔ ضرورت کے وقت وہ اسے ظاہر کر دیتے ہیں یا اسے چھپا لیتے ہیں۔ اس کے برعکس اولیاء کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا کیونکہ انہیں کرامت کے اظہار کا اختیار نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے' وہ کرامت ظاہر کرنا چاہتے ہیں' لیکن نہیں کر پاتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے' وہ کرامت کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے' لیکن کرامت کا ظہور ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' ولی کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ وہ لوگوں کو دعوت دے (اپنی ولایت کو ماننے کی)' بلکہ ولی کی کرامت اس کے اوصاف برقرار رہنے میں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' وہ حالت مخفی اور پوشیدہ ہوتی ہے' اور اس کی یہ حالت اس کے فنا ہونے کے ساتھ متصف ہوتی ہے۔

نبی اور ولی میں فرق

ایک (یعنی نبی) صاحب شریعت اور دوسرا (یعنی ولی) صاحب اسرار ہے' اس لیے ہونا یہی چاہیے کہ صرف غیبت اور وحشت کی کیفیت میں (ولی سے) کرامت کا ظہور ہو۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے: ولی کا تصرف' حق تعالیٰ کے تصرف سے وابستہ ہوتا ہے جب ولی کا ''حال'' ایسا ہو جائے' اس وقت اس کی ہر بات حق تعالیٰ کی مدد سے وجود میں آتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے' بشری صفت صحیح طور پر اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو غافل ہو' ''سہو'' کا شکار ہو' یا پھر (مخصوص کیفیت کے ساتھ) حق تعالیٰ سے وابستہ ہو' پس انبیاء کرام ''لہو'' یا ''سہو'' کا شکار نہیں ہوتے' اور انبیاء کرام کے علاوہ اور کوئی بھی (مخصوص کیفیت کے ساتھ) حق تعالیٰ سے وابستہ نہیں ہوتا' (تو اولیاء کے لیے) اس مقام پر تحقیق اور تمکین (یعنی ''مستقل حال'' کی کیفیت) کی بجائے تردد اور تلون (یعنی حالت کی تبدیلی) رہ جاتے ہیں۔ اس لیے جب تک اولیاء کرام کی بشریت قائم رہتی ہے وہ حجاب میں رہتے ہیں اور جب بشری صفات کو فنا کر کے وہ کشف اور مشاہدے کی کیفیت میں آتے ہیں۔

جب ان کے سامنے سے حجاب اٹھا دیا جاتا ہے' تو وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کی حقیقت میں حیران اور مدہوش ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان سے کرامت کا صدور اس وقت ہوتا ہے' جب وہ حالت کشف میں ہوں۔ اس کے علاوہ نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے' اس کا مقام ہے' اور یہی وہ مقام ہے جہاں ولی کے ذہن میں سونا اور شیشہ برابر ہو جاتے ہیں' اور درحقیقت یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی اور شخص کو (مستقل طور پر) نصیب نہیں ہوتی۔ جسے یہ حالت نصیب ہوتی ہے وہ عارضی طور پر ہوتی ہے' اور سکر کی حالت میں ہوتی ہے۔

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے۔ایک مرتبہ (سکر کی حالت میں) ان کی توجہ دنیا سے ہٹ گئی اور انہوں نے دنیا میں رہنے کے باوجود آخرت کا مشاہدہ کیا' تو بولے:

عَرَضْتُ نَفْسِیْ مِنَ الدُّنْیَا فَاسْتَوَتْ عِنْدِیْ حَجَرُهَا وَذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَ مَدَرُهَا

''میں نے اپنے آپ کو دنیا سے لاتعلق کیا' تو میرے نزدیک دنیا کا پتھر اور سونا' چاندی اور ڈھیلا سب برابر ہو گئے''۔

اگلے دن لوگوں نے انہیں باغ میں کام کرتے ہوئے دیکھا' تو دریافت کیا: یہ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اپنا رزق حاصل کر رہا ہوں کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے' یعنی ایک دن ان کی یہ حالت تھی اور دوسرے دن دوسری حالت تھی۔

اولیاء کرام کے نزدیک صحو' عوام کا درجہ ہے' اور سکر انبیاء کے مقام سے متعلق ہے۔اس لیے جب وہ اولیاء اپنی اصل کیفیت میں واپس آتے ہیں' تو خود کو ایک عام فرد سمجھتے ہیں' اور جب وہ اپنی ذات سے غیب ہو کر' مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس وقت ان کا سکر ان کی تجدید کرتا ہے' اور وہ حق کے ساتھ مہذب ہو جاتے ہیں' اور ان کے نزدیک ساری کائنات سونے کی مانند ہو جاتی ہے۔

شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

ذَهَبٌ اَیْنَمَا ذَهَبْنَا وَدُرٌّ حَیْثُمَا دُرْنَا وَفِضَّةٌ فِی الْفَضَاءِ

''ہم جہاں بھی گئے وہاں سونا موجود تھا اور جہاں بھی گھومے وہاں موتی موجود تھے اور فضا میں چاندی موجود تھی''۔

امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے حضرت طاہرانی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی ابتدائی حالت کے بارے میں دریافت کیا: تو انہوں نے جواب دیا: ایک دن مجھے پتھر کی ضرورت پیش آئی تو میں سرخس (نامی شہر) میں موجود دریا سے جو بھی پتھر اٹھاتا وہ موتی ہوتا۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' ان کے نزدیک جواہرات اور عام پتھر یکساں حیثیت رکھتے تھے' بلکہ ایسا اس لیے بھی ہوا' ان کے ہاتھ میں جو جوہر آتا تھا' وہ ان کی مراد کے مقابلے میں پتھر سے بھی زیادہ حقیر تھا۔

ایک بزرگ کی کرامت

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ سرخس میں' میں نے حضرت حزامی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی یہ بات سنی۔انہوں نے

فرمایا: جب میں بچہ تھا اس وقت ایک مرتبہ میں ایک باغ میں ریشم کے کیڑے حاصل کرنے کے لیے شہتوت کے درخت پر ایک ٹہنی سے پتے جھاڑ رہا تھا۔ اسی دوران شیخ ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے گزرے۔ ان کی توجہ میری طرف مبذول نہیں ہوئی اور اس میں کوئی شک نہیں: وہ اس وقت اپنی ذات سے غیب تھے اور ان کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش تھا۔ اسی دوران انہوں نے سر اٹھا کر یہ کہا: اے اللہ! ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے' تو نے مجھے ایک آنہ بھی نہیں دیا' کہ میں سر کے بال ہی کٹوا لوں۔ کیا' تو اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے؟ تو اسی وقت اس درخت کے تمام پتے' ٹہنیاں اور اس کی جڑیں سونے کی بن گئیں' تو حضرت ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عجیب بات ہے' ہمارا بولنا بھی اعراض بن گیا۔ آدمی اپنے دل کی خواہش کے لیے تیری بارگاہ میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے۔ ایک دفعہ انہوں نے چار ہزار دینار دجلہ میں پھینک دیئے۔ لوگوں نے دریافت کیا: یہ آپ نے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا: یہ پتھر تھے انہیں پانی میں ہونا چاہیے تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا: آپ نے انہیں لوگوں میں بانٹ کیوں نہیں دیا؟ انہوں نے فرمایا: میں کل خدا کو کیا جواب دوں گا کہ میں نے اپنے دل سے حجاب دور کر کے دوسرے مسلمان بھائیوں کے دل پر رکھ دیا تھا۔ یہ بات تو دین کے خلاف ہے' کہ آدمی اپنے مسلمان بھائی کو اپنے سے حقیر سمجھے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ سب سکر کی حالت کی باتیں تھیں۔ اس کی وضاحت میں پہلے کر چکا ہوں' اور میرا مقصد ان باتوں کو بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے' کرامات کو ثابت کیا جائے۔

دوسرے فریق کا مؤقف

اس کے برعکس دوسرا فریق یعنی حضرت جنید بغدادی' حضرت ابوالعباس سیاری' حضرت ابوبکر واسطی اور اس مکتب فکر کے بانی حضرت شیخ محمد بن علی ترمذی کے نزدیک کرامت کا تعلق صحو و تمکین کی حالت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا سکر کی کیفیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ حضرات یہ بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے یہ اولیاء اس جہان میں تدبیر کرنے' اس کا انتظام چلانے کے پابند ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے نظام کو ان حضرات کے ارادوں اور تصرف سے متعلق کر دیا ہے لہٰذا یہ بات درست ہوگی۔ ان کی رائے دیگر تمام اقوال سے زیادہ صحیح ہو' اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بارے میں ان کا دل سب سے زیادہ شفیق ہو اس کی وجہ یہ ہے' یہ حضرات منزل مقصود تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں' جبکہ مزاج میں تبدیلی اور سکر' آغاز کی منزلیں ہیں۔ جب یہ لوگ منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں' تو تبدیلی' تمکین میں تبدیل ہو جاتی ہے' اور اس وقت یہ لوگ صحیح ولایت پر فائز ہو جاتے ہیں' اور ان کی کرامات درست ہو جاتی ہیں۔

صوفیاء کے ہاں یہ بات مشہور ہے' اولیاء' اوتاد روزانہ رات کے وقت پوری دنیا کا چکر لگاتے ہیں۔ اگر کوئی جگہ رہ جائے

جہاں ان کی نگاہ نہ پڑ سکے تو وہاں خلل رونما ہو جائے تو یہ ''قطب عالم'' کی طرف رجوع کرتے ہیں تا کہ وہ اس کی طرف توجہ کرے اپنی نظر عنایت کو مبذول کرے تو ''قطب عالم'' کی برکت سے اللہ تعالیٰ زمین کے اس حصے سے اس خلل اور فساد کو دور کر دیتا ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں: ہمارے نزدیک سونا اور مٹی کا ڈھیلا برابر ہے۔ یہ سکر کی علامت ہے اور مشاہدے میں غلطی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ کوئی شرط کی بات نہیں ہے کیونکہ شرط کا تعلق اس چیز سے ہے جسے درست طور پر دیکھا جائے اور جب مشاہدہ درست ہو تو اس کو سونا' سونا لگتا ہے اور مٹی' مٹی لگتی ہے تا کہ انسان اس کی خرابی سے باخبر ہو کر یہ کہہ سکے:

''اے زرد سونے! سفید چاندی! مجھے فریب کیوں دے رہے ہو؟ میں تمہارے دھوکے میں نہیں آ سکتا' تم میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دو''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی میں نے تمہارا دھوکہ نہیں کھایا۔ جو شخص تمہاری خرابی کو دیکھ لیتا ہے وہ اسے حجاب کا محل سمجھتا ہے اور اسے غلط سمجھتا ہے تو وہ اس کے ثواب کو پا لیتا ہے تو جس شخص کو سونا مٹی کے ڈھیلے کی طرح معلوم ہو گا اس شخص کے لیے ڈھیلے کو چھوڑنا درست نہیں ہو گا کیونکہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سکر کی حالت میں تھے اس لیے انہوں نے یہ بات کہہ دی تھی کہ ان کے نزدیک سونا' پتھر' ڈھیلا اور چاندی ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیونکہ صحو کی حالت میں تھے اور انہوں نے دنیا کے حصول کی خرابی کا مشاہدہ کر لیا تھا اور دنیا کو ترک کرنے کے ثواب کا انہیں پتہ چل گیا تھا اس لیے انہوں نے دنیا کو ترک کر دیا یہاں تک کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا: تم اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ تو انہوں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آیا ہوں۔

شیخ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ ابوبکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ شیخ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے کہا: اے ابوبکر! آج میں تمہیں ایک جگہ لے کر جاؤں گا۔ میں نے کہا جو آپ کی مرضی ہو۔ پھر میں ان کے ساتھ روانہ ہو گیا تو وہ ایک دشوار گزار جنگل میں پہنچ گئے اور وہاں درمیان میں پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ سبز درخت کے نیچے سنہری تخت بچھا ہوا ہے اور وہاں پانی کا ایک چشمہ رواں ہے۔ اس پر ایک شخص نہایت عمدہ لباس میں بیٹھا ہوا تھا۔ شیخ محمد بن علی ان کے پاس گئے اور انہیں سلام کیا' تو وہ شخص کھڑا ہوا' اور شیخ محمد بن علی کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا۔ اس کے بعد وہاں بہت سے لوگ آنے لگے۔ یہاں تک کہ چالیس افراد جمع ہو گئے۔ پھر اس شخص نے آسمان کی طرف اشارہ کیا' تو کھانے کی کچھ چیزیں نمودار ہوئیں۔ ہم نے انہیں کھا لیا پھر اس کے بعد وہ صاحب' شیخ محمد بن علی کے ساتھ کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ جس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا۔

اس کے بعد ہم وہاں سے اجازت لے کر واپس آ گئے۔ شیخ ترمذی نے مجھے بتایا: یہ بنی اسرائیل کا وہ مخصوص جنگل ہے' جو کہ (فلسطین کے آس پاس ہے) اور یہ شخص اس زمانے کا ''قطب مدار علیہ'' ہے۔ میں نے دریافت کیا: شیخ ہم اتنے مختصر

عرصے میں ترمذ سے بنی اسرائیل کے جنگل میں کیسے پہنچ گئے؟ تو انہوں نے فرمایا: تمہیں پہنچنے سے کام ہے' پوچھنے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ حال کے صحیح ہونے کی علامت ہے سکر کی علامت نہیں ہے۔ میں یہاں بحث نہیں کر رہا ہوں' اس جگہ تفصیلات بیان کی جائیں تو کتاب طویل ہو جائے گی اور اصل مقصد رہ جائے گا۔ اب میں دلائل نے ہمراہ چند بزرگان دین کی کرامت کے بارے میں بیان کروں گا۔ تاکہ اس کا مطالعہ کرنے سے مریدوں کو آگاہی نصیب ہو' علماء کو راحت حاصل ہو' محققین کو یاددہانی مل جائے' اور عوام کو یقین کی دولت حاصل ہو۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔

اولیاء کی کرامات

یہ بات جان لیجئے! جب کرامات کا درست ہونا عقلی دلائل کے ذریعے ثابت ہو گیا تو اب ان کے بارے میں ثبوت بھی موجود ہے' تو کتابی دلائل کی (یعنی نقلی دلائل کی) ضرورت پڑے گی۔

کتاب وسنت سے کرامت کا ثبوت

کتاب وسنت اس بات پر شاہد ہیں' اولیاء سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے' اور ان سے خلاف عادت فعل ظاہر ہوتے ہیں۔ اس بات کا انکار کرنا قرآن کے حکم کا انکار کرنا ہوگا۔

اس بارے میں قرآن پاک کی ایک آیت جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (البقرہ:۵۷)

''اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور من وسلویٰ اتارا''

اگر کوئی شخص یہ اعتراف کرلے کہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا' تو ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے' یہ بات ٹھیک ہے' کیونکہ اولیاء کی کرامات بھی ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شمار ہوتی ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے' ولی کی کرامت نبی کی غیر موجودگی میں صادر نہیں ہوسکتی' کیونکہ من وسلویٰ کے نزول کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں موجود تھے (لیکن اب جب بظاہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں' تو کسی ولی سے کرامت ظاہر نہیں ہوسکتی)۔

تو ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے' جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو چھوڑ کر کوہ طور پر تشریف لے گئے اس وقت بھی یہ معجزہ برقرار رہا تھا۔ اس لیے اس نبی کا کرامت کی جگہ پر موجود نہ ہونا' یا زمانے کے اعتبار سے وہاں سے دور ہونا برابر ہوگا' کیونکہ زمان یا مکان میں' نبی کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے معجزہ واقع ہو جاتا ہے' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے درباری کا واقعہ

دوسرا ہمیں (قرآن مجید) میں حضرت آصف برخیا کی کرامت کی خبر دی گئی ہے' جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا تخت منگوانے کا ارادہ کیا' تو انہوں نے چاہا کہ ملکہ کے وہاں پہنچنے سے پہلے تخت ان تک پہنچ جائے' تو اللہ تعالیٰ نے آصف برخیا کی کرامت لوگوں کے درمیان ظاہر کرنے کا ارادہ کیا اور یہ بات واضح کی کہ اولیاء سے کرامت صادر ہونا جائز ہے' تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے دریافت کیا: بلقیس کا تخت اس کے یہاں آنے سے پہلے کون لے کر آئے گا؟ تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی گئی (قرآن کہتا ہے)۔

قَالَ عِفۡرِيۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِكَ (النمل:۳۹)

"جنات میں سے ایک دیو نے کہا میں آپ کے اس مقام سے (یعنی اس محفل سے) اٹھنے سے پہلے اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں"۔

تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: یہ کام اس سے بھی پہلے ہونا چاہیے۔ تو آصف نے یہ کہا۔

اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا (النمل:۴۰)

"میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے اسے آپ کی خدمت میں لا سکتا ہوں"۔

تو جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے توجہ کی تو وہ تخت وہاں موجود تھا۔

ان کی اس بات سے حضرت سلیمان علیہ السلام ناراض بھی نہیں ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کی بات کا انکار بھی نہیں کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ بات ناممکن محسوس نہیں ہوئی اور یہ بات طے ہے' یہ معجزہ نہیں تھی کیونکہ حضرت آصف برخیا' نبی نہیں تھے تو لازمی طور پر یہ کرامت ہوگی۔

اگر یہ معجزہ ہوتا تو یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعے سرزد ہوتا۔

سیدہ مریم علیہا السلام کی کرامت

اسی طرح ہمیں ایک اور واقعہ سیّدہ مریم علیہا السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں بھی پتہ چلا ہے' جس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے' جب حضرت زکریا علیہ السلام سیدہ مریم علیہا السلام کے حجرے میں آئے تو وہاں وہ پھل بھی موجود تھے' جو اس موسم کے نہیں تھے تو حضرت زکریا علیہ السلام نے دریافت کیا: یہ کہاں سے آئے ہیں؟

حضرت مریم علیہا السلام نے عرض کی: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔

اب یہاں سیدہ مریم علیہا السلام نبی نہیں تھیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر اس بارے میں اطلاع دی۔ فرشتے نے سیدہ مریم علیہا السلام سے کہا:

وَهُزِّىٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (مریم:۲۵)

''تم کھجور کی اس شاخ کو اپنی طرف ہلاؤ تو یہ تم پر تازہ کھجوریں گرائے گی''۔

اصحابِ کہف کی کرامت

اس طرح اصحاب کہف کا واقعہ، کتے کا ان کے ساتھ بات کرنا' ان کی بات کا جواب دینا' غار کے اندر ان کا تین سو برس تک کروٹیں بدلنا۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ سب) اولیاء سے کرامت صادر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ (الکہف:۱۸)

''اور ہم انہیں دائیں بائیں طرف کروٹ بدلواتے رہتے اور ان کا کتا بازو پھیلائے بیٹھا ہوا تھا''۔

یہ تمام افعال خرق عادت ہیں' اور ''معجزہ'' بھی نہیں ہیں' تو لازمی سی بات ہے انہیں ''کرامت'' ہی کہا جائے گا' خواہ یہ کرامات دعا کی قبولیت کی شکل میں ہوں' تکلیف کے زمانے میں کسی ایسی سہولت کے بارے میں ہوں جس کا پایا جانا موہوم ہو' خواہ طویل مسافت مختصر وقت میں طے کرنے کی شکل میں ہوں' غیر متوقع طور پر کسی جگہ کھانے کی چیز مل جانے کی شکل میں ہوں' خواہ اس کا مقصد لوگوں کے ذہن میں اپنی بزرگی کا احساس اجاگر کرنا ہو' یا پھر اس کے علاوہ کوئی اور وجہ ہو۔

اصحابِ غار کا واقعہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں یہ بات منقول ہے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گزشتہ امتوں میں سے کسی کا کوئی عجیب واقعہ بتائیں' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے زمانے میں تین اشخاص جا رہے تھے جب رات کا وقت ہوا وہ ایک غار میں چلے گئے اور وہاں سو گئے جب رات کا ایک پہر گزرا تو پہاڑ کی چوٹی سے ایک پتھر لڑھک کر آیا اور اس نے غار کا منہ بند کر دیا۔ وہ لوگ بہت پریشان ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے اب یہاں ہمیں کوئی ایسا عمل نجات دلا سکتا ہے' جس عمل کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں ان میں سے ایک شخص نے کہا: میرے والدین جب زندہ تھے تو میرے پاس صرف ایک بکری تھی۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ میں اس بکری کا دودھ اپنے والدین کو دے دیتا تھا۔ ایک مرتبہ میں رات دیر سے گھر آیا۔ میں نے اس بکری کا دودھ دوہ لیا۔ میں نے وہ دودھ ان کے کھانے میں ملایا' لیکن وہ سو چکے تھے۔ میں دودھ کا وہ پیالہ تھام کر ساری رات کھڑا رہا اور کچھ کھائے پیئے بغیر ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جب صبح ہوئی اور وہ بیدار ہوئے' تو انہوں نے وہ کھانا کھالیا' تو اس کے بعد مجھے بیٹھنے کا موقع ملا۔

پھر اس شخص نے دعا کی: اے میرے معبود! اگر میں اس بارے میں سچا تھا' تو ہماری مدد کر۔

نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: اس پتھر میں تھوڑی سی حرکت پیدا ہوئی۔ اس جگہ پر ایک شگاف ظاہر ہوا۔

دوسرے شخص نے عرض کی: میری ایک چچازاد بہت خوبصورت تھی' میں اس سے محبت کرتا تھا' میں اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا تھا' لیکن وہ قبول نہیں کرتی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے ایک سو بیس دینار اس کی طرف بھیجے تاکہ وہ ایک رات کے لیے میرے پاس آ جائے۔ جب وہ میرے پاس آئی تو میرے دل میں خوف پیدا ہوا' اور میں وہاں سے اُٹھ گیا اور میں نے رقم اسی کے پاس رہنے دی۔

پھر اس نے عرض کی: اے میرے معبود! اگر میں نے یہ بات سچ بیان کی ہے' تو یہاں مجھے کشائش نصیب کر!

نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: وہ پتھر اور سرک گیا اور شگاف ظاہر ہو گیا' لیکن وہ لوگ ابھی اس شگاف میں سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ پھر تیسرے شخص نے یہ کہا: مزدوروں کا ایک گروہ میرے پاس کام کرتا تھا۔ ان سب مزدوروں نے مزدوری وصول کر لی۔ ان میں سے ایک شخص نے مزدوری وصول نہیں کی۔ میں نے اس کے معاوضے سے ایک بھیڑ خرید لی۔ وہ دوسرے سال دو ہو گئیں۔ تیسرے سال تین ہو گئیں۔ اس طرح ہر سال ان میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ وہ شخص میرے پاس آیا اور اس نے کہا: کیا تمہیں یاد ہے' میں نے تمہارے لیے کام کیا تھا اور تم سے معاوضہ وصول نہیں کیا تھا۔ اب مجھے اس کی ضرورت ہے' تو میں نے اس مزدور سے کہا: جاؤ! یہ ساری بھیڑیں تمہاری ملکیت ہیں۔ اس نے دریافت کیا: کیا تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔

پھر اس شخص نے کہا: اے میرے معبود! اگر میں اس بات میں سچا ہوں تو مجھے کشائش نصیب کر۔

نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: وہ پتھر غار سے اور دور ہو گیا اور وہ تینوں غار سے باہر نکل آئے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ چیز عادت کے خلاف ہے۔

جریج راہب کا واقعہ

اس طرح نبی اکرم ﷺ نے جریج نامی راہب کا واقعہ بیان کیا ہے' جو ایک مشہور حدیث میں ہے۔ جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: بچپن میں صرف تین بچوں نے کلام کیا ہے۔ ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کے بارے میں تم جانتے ہو (جس کا ذکر قرآن میں ہے) ایک بنی اسرائیل کا راہب جریج تھا جس کی والدہ ایک پردہ دار عورت تھی۔ وہ اپنے بیٹے کے پاس کسی کام سے آئی تو اس کا بیٹا جریج اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے کلیسا کا دروازہ نہیں کھولا۔ وہ تین دن تک اسی طرح آتی رہی۔ تنگ آ کر اس نے دعا کی: اے میرے معبود! میرے اس بیٹے کو رسوائی کا شکار کر اور میرے اس حق کے بدلے میں اس کا مواخذہ کرنا۔

جریج کے زمانے میں ایک بدکار عورت جس کا نام بلایہ تھا اس نے کئی لوگوں سے کہا: میں جریج کو گمراہ کرتی ہوں۔ وہ

کلیسا میں گئی مگر جریج نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اس نے ایک گڈریے سے صحبت کی اور حاملہ ہوگئی۔ جب وہ شہر میں آئی تو اس نے یہ بتایا: یہ جریج کا حمل ہے۔ جب اس نے بچے کو جنم دیا تو لوگوں نے جریج کے عبادت خانے کا رُخ کیا اور بادشاہ کو اس کے دروازے پر لائے۔ جریج نے کہا: اے بچے تمہارا باپ کون ہے؟ بچے نے جواب دیا: میری ماں تم پر جھوٹا الزام لگا رہی ہے۔ میرا باپ ایک گڈریا ہے۔

تیسرا بچہ ایک عورت کا تھا جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: ایک مرتبہ وہ عورت اس بچے کو گود میں لے کر اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک خوبصورت اور خوش لباس شخص اس کے پاس سے گزرا۔ اس عورت نے دعا کی: اے اللہ! تو میرے بیٹے کو بھی اس کی طرح کر دینا تو اس بچے نے جو (دودھ پیتا بچہ تھا) اس نے یہ کہا: اے اللہ! تو مجھے اس جیسا نہ بنانا' کچھ عرصے بعد وہاں سے ایک بدنام عورت کا گزر ہوا' تو اس بچے کی ماں نے دعا کی' اے پروردگار! تو میرے بچے کو اس عورت جیسا نہ بنانا' بچہ بولا: اے پروردگار! تو مجھے اس عورت جیسا کر دینا۔ اس کی ماں بہت حیران ہوئی اور اس نے دریافت کیا: تم ایسا کیوں کہہ رہے تھے؟ اس بچے نے جواب دیا: اس کی وجہ یہ ہے' یہ مرد ایک ظالم شخص ہے' اور وہ عورت ایک نیک رحم دل عورت ہے' جسے لوگ بدکار کہتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میں بھی ظالم بن جاؤں میں تو یہ چاہتا ہوں' میں ایک نیک آدمی بنوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیز کا واقعہ

اسی طرح ایک روایت میں یہ بات منقول ہے۔ حضرت عمر کی ایک کنیز لونڈی جس کا نام زایدہ تھا ایک دن اس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا' نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: زایدہ تم اتنے دن بعد کیوں آئی ہو، میں تو تمہارا انتظار کر رہا تھا اور میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آج ایک حیرت انگیز واقعہ دیکھا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: وہ کیا؟ اس نے جواب دیا، میں صبح لکڑیوں کی تلاش میں گئی اور جب میں نے لکڑیوں کا گٹھا باندھ لیا اور اسے ایک پتھر پر رکھا اور اسے اٹھانے لگی تو میں نے ایک سوار کو آسمان سے زمین کی طرف آتے دیکھا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور مجھ سے کہا: حضرت محمد ﷺ کو میری طرف سے سلام کہنا اور کہنا نبی ﷺ کے خادم رضوان نے سلام بھیجا ہے اس نے یہ بھی عرض کی ہے' آپ ﷺ کو خوشخبری ہو' آپ ﷺ کی امت کو تین حصوں میں تقسیم کر کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ان میں سے ایک گروہ کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا' دوسرا گروہ آسان حساب کے نتیجے میں داخل ہوگا' اور تیسرے گروہ کو آپ ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے بخش دیا جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ آسمان کی طرف چلا گیا۔ زمین اور آسمان کے درمیان پہنچ کر اس نے میری طرف مڑ کے دیکھا' تو اس نے دیکھا میں نے گٹھا باندھ تو لیا تھا مگر میں اسے اٹھا نہیں سکتی تھی تو اس نے کہا: اے زایدہ! اسے پتھر پر ہی رہنے دو۔ پھر اس نے پتھر کو کہا' تم اسے زایدہ کے ساتھ لے جا کر زایدہ کے گھر پہنچا دو! تو پتھر نے ایسا ہی کیا اور وہ گھر تک آیا۔

یہ واقعہ سن کر نبی اکرم ﷺ اٹھے اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس کے گھر تشریف لے گئے اور انہوں نے پتھر کے آنے اور جانے کا نشان ملاحظہ فرمایا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ہر طرح کی حمد اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے جس نے میرے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے رضوان کے ذریعے مجھے یہ بشارت دی کہ امت جنت میں جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ایک عورت کو یہ کرامت عطا کی کہ اسے مریم علیہا السلام کے درجے پر فائز کیا (یعنی ایک فرشتے نے ان کے ساتھ ہمکلامی کی تھی)''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کرامت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے: ایک مرتبہ وہ سفر پر جا رہے تھے راستے میں انہوں نے ایک جگہ پر دیکھا وہاں کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے جو حیرت کے عالم میں تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک شیر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے اس شیر کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: اے شیر! اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے راستہ روک کر کھڑا ہے تو پھر ہمیں آگے نہ جانے دے لیکن اگر تو نے خدا کے حکم سے ایسا نہیں کیا تو ہٹ جا! یہ سن کر وہ شیر اٹھا ان کے حکم کے آگے سر جھکایا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت

ایک مرتبہ ایک عجمی شخص مدینہ منورہ آیا۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا: تو لوگوں نے اسے بتایا: وہ فلاں جھونپڑے میں سو رہے ہیں۔ وہ شخص وہاں پہنچا تو اس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سوتے ہوئے پایا ان کا درہ ان کے سر کے پاس رکھا ہوا تھا۔ اس شخص نے دل میں سوچا سارے جہان کا فتنہ ان کی وجہ سے ہے (یعنی اس کی وجہ سے ایران اور شام کی سلطنتیں خراب ہو رہی ہیں) اس وقت انہیں قتل کیا جا سکتا ہے (کیونکہ بظاہر ان کے آس پاس کوئی محافظ نہیں ہے) جب اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے ارادے سے تلوار نکالی تو اس دوران دو شیر نمودار ہوئے اور ان دونوں نے اس پر حملہ کر دیا تو وہ شخص مدد کے لیے پکارا۔ اس کی چیخ و پکار سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے۔ پھر اس شخص نے یہ سارا واقعہ سنایا اور اسلام قبول کر لیا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر زہر اثر انداز نہ ہونا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ تحائف لائے گئے جن میں سے ایک ڈبیا بھی تھی جس میں کھانے کی چیز تھی اور اس میں (زہر ملا ہوا تھا) جو سب سے زیادہ مہلک زہر تھا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو کھولا اور بسم اللہ پڑھ کر اسے کھا لیا تو اس زہر نے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ وہ (غیر مسلم) لوگ یہ بات دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

کھانے سے تسبیح کی آواز آنا

حضرت ابودرداء اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات منقول ہے' یہ دونوں حضرات ایک مرتبہ کھانا کھا رہے تھے تو اس دوران کھانے میں سے تسبیح کی آواز آ رہی تھی۔

ایک صاحبِ کرامت شخص کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ انہوں نے ایک شخص کو ہوا میں بیٹھے ہوئے دیکھا' تو دریافت کیا: اے خدا کے بندے! تمہیں یہ کمال کس طرح حاصل ہوا؟ اس نے جواب دیا: بڑی تھوڑی سی چیز کی وجہ سے' میں نے دریافت کیا: وہ چیز کیا تھی؟ اس نے جواب دیا' میں نے دنیا سے منہ موڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دل لگا لیا' تو اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا: تم کیا چاہتے ہو؟ تو میں نے جواب دیا: میں ہوا میں رہنا چاہتا ہوں تا کہ میرا دل لوگوں سے لاتعلق ہو جائے۔

ایک حبشی کی دنیا سے لاتعلقی

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ایک عبادت گزار حبشی شخص ویرانوں میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے بازار سے کچھ کھانے کی چیز لی اور اس کے پاس چلا گیا۔ اس نے دریافت کیا: یہ کیا چیز ہے؟ میں نے جواب دیا: یہ کچھ کھانے کی چیز ہے۔ میں اس لیے لایا ہوں کہ شاید آپ کو اس کی ضرورت ہو' تو وہ عبادت گزار شخص میری طرف دیکھ کر ہنسا' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو اس ویرانے میں موجود اس کے مکان کی تمام اینٹیں اور پتھر سونے کے بن گئے۔ میں بہت حیران ہوا' اور جو کچھ اس کے لیے لے کر گیا تھا اسے وہیں چھوڑ کر خوف کی وجہ سے وہاں سے اٹھ کر آ گیا۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: میں ایک مرتبہ ایک چرواہے کے پاس سے گزرا۔ میں نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے جواب دیا' میرے پاس دودھ ہے تم پانی کیوں مانگ رہے ہو؟ میں نے اس سے کہا مجھے پانی چاہیے' تو وہ اٹھا اور اس نے ایک پتھر پر لکڑی ماری جس کے نتیجے میں اس پتھر سے صاف اور شفاف پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ میں یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا' تو اس نے مجھ سے کہا: تم حیرانگی کا اظہار نہ کرو۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بن جائے' تو تمام جہان اس کے حکم کا فرمانبردار بن جاتا ہے۔

شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کا تجربہ

حضرت ابوسعید خراز بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ میں جنگل میں سفر کر رہا تھا۔ میرا یہ معمول تھا' میں تین دن بعد کھانا کھاتا تھا۔ ایک دفعہ چھ دن مسلسل گزر گئے۔ کھانے کے لیے کچھ نہیں ملا تو مجھے بہت زیادہ کمزوری ہونا شروع ہو گئی۔ میرا جسم کمزور ہو گیا تھا۔ نقاہت کی وجہ سے میں ایک جگہ بیٹھ گیا تو غیب سے آواز آئی۔ اے ابوسعید! تم نفس کے آرام کے لیے کھانا چاہتے

ہو یا یہ چاہتے ہو' کسی غذا کے بغیر تمہاری کمزوری ختم ہو جائے' تو میں نے عرض کی: میرے معبود! مجھے تو صرف طاقت چاہیے' تو اسی وقت جسم میں اتنی توانائی آ گئی کہ میں نے اٹھ کر سفر کرنا شروع کر دیا اور کچھ بھی کھائے پیئے بغیر بارہ منزلیں طے کر لیں۔

سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

یہ بات مشہور ہے' حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کو لوگ ''بیت السباع'' کہتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے گھر میں بکثرت درندے اور شیر وغیرہ آیا کرتے تھے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ انہیں کھلایا پلایا کرتے تھے۔

شیخ مروزی رحمۃ اللہ علیہ کا تجربہ

حضرت شیخ ابوالقاسم مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دریا کے کنارے جا رہا تھا۔ میں نے وہاں ایک جوان شخص کو دیکھا جس نے گدڑی پہنی ہوئی تھی۔ اس نے پہاڑ کے دامن میں توشہ دان بھی لٹکایا ہوا تھا (جس میں کھانے پینے کا سامان تھا) حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس نوجوان کی پیشانی سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے' یہ طالبانِ حق میں بھی بلند مقام رکھتا ہے۔ جب میں نے اس نوجوان کو دیکھا' تو یہ سوچا کہ یہ کوئی ولی ہے' لیکن جب میں نے توشہ دان کی طرف دیکھا' تو سوچا کہ یہ کیا بات ہوئی (کہ اس نے اگلے دن کا سامان بھی سنبھال کر رکھا ہے) تو حضرت ابوسعید نے اس سے دریافت کیا: اے نوجوان خدا کا راستہ کون سا ہے؟ اس نے جواب دیا: خدا کے دو راستے ہیں: ایک عوام کا راستہ ہے ایک خواص کا راستہ ہے۔ خواص کے راستے کا تو تمہیں پتہ ہی نہیں ہے عوام کا راستہ یہ ہے' جسے تم جانتے ہو یعنی تم عمل اور ریاضت کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے ہو اور اس توشہ دان کو حجاب سمجھ رہے ہو۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ کشتی میں سفر کر رہا تھا۔ ہم مصر سے جدہ جا رہے تھے۔ اس کشتی میں ایک نوجوان بھی بیٹھا ہوا تھا جس نے گدڑی پہنی ہوئی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں اس کے پاس بیٹھوں' لیکن رعب اور ہیبت کی وجہ سے میری اس سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی کیونکہ وہ بہت بارُعب شخصیت کا مالک تھا اور اس کا کوئی بھی وقت عبادت سے خالی نہیں تھا۔ اس کشتی میں ایک شخص کی جواہرات کی تھیلی گم ہو گئی۔ اس تھیلی کے مالک نے اس نوجوان پر الزام لگایا۔ وہ اس کے ساتھ بدتمیزی کرنا چاہتا تھا' لیکن میں نے اس سے کہا: تم اس سے بات نہ کرو میں نرمی سے پتہ کرتا ہوں۔ میں اس نوجوان کے پاس آیا۔ اس سے نرمی سے کہا: یہ لوگ آپ پر اس طرح کا شک کر رہے ہیں' اور میں نے انہیں بدتمیزی کرنے سے روکا ہے۔ آپ بتائیے کہ اب کیا کرنا چاہیے' تو اس نوجوان نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کچھ کہا: تو میں نے دیکھا کہ مچھلیاں پانی کی سطح سے باہر نکل کر آ گئی ہیں' اور ان میں سے ہر ایک کے منہ میں ایک موتی دبا ہوا تھا۔ اس نوجوان نے ایک موتی اس شخص کو دے دیا (جس نے الزام لگایا تھا) کشتی کے تمام لوگوں نے اس منظر کو دیکھا پھر وہ نوجوان اٹھا اور پانی پر پاؤں رکھ کر (یعنی پانی کی سطح پر چلتے ہوئے) وہاں سے چلا گیا۔ جس شخص نے وہ تھیلی چرائی تھی' وہ کشتی

میں موجود تھا۔ اس نے وہ تھیلی سامنے رکھ دی تو تمام کشتی والے شرمندہ ہو گئے۔

شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب میں نے طریقت کے راستے پر قدم رکھا تو بالکل آغاز میں شیخ مسلم مغربی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرنے گیا' جب میں ان کی مسجد میں داخل ہوا وہ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے اور قرأت میں غلطی کر رہے تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ میری محنت ضائع ہو گئی' لیکن میں اس رات وہاں ٹھہر گیا۔ اگلے دن صبح میں وضو کرنے کے لیے اٹھا تا کہ جا کر دجلہ فرات کے کنارے وضو کروں تو مجھے وہاں پر ایک شیر سوتا ہوا دکھائی دیا۔ میں وہاں سے واپس آنے لگا تو دیکھا ایک اور شیر دھاڑتا ہوا میرے پیچھے آ گیا۔ میں مایوس ہو کر وہیں رک گیا۔ اسی وقت شیخ مسلم مغربی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے۔ شیر نے انہیں دیکھا' تو سر جھکا لیا اور کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے دونوں شیروں کے کان پکڑ کر انہیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: اے خدا کے کتے! میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے مہمانوں کو پریشان نہ کرنا۔ پھر شیخ مسلم مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: اے ابوالحسن! تم لوگوں کی ظاہری حالت درست کرنا چاہتے ہو اور تمہاری حالت یہ ہے' تم خدا کی مخلوق سے ڈرتے ہو' جبکہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں' اور باطن کو درست کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے' اللہ کی مخلوق مجھ سے ڈرتی ہے۔

شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ میرے مرشد ''بیت الجن'' سے دمشق جا رہے تھے' بارش ہو رہی تھی۔ کیچڑ میں چلنے میں دشواری پیش آ رہی تھی' لیکن جب میں نے اپنے مرشد کی طرف توجہ کی تو ان کا لباس اور ان کے جوتے بالکل خشک تھے۔ میں نے اس بارے میں ان سے عرض کی تو انہوں نے ارشاد فرمایا: ہاں جب سے توکل کے راستے پر میں نے وہم کو ختم کر کے اپنے باطن کو لالچ کی وحشت سے محفوظ کیا ہے' اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے کیچڑ سے بچا لیا ہے۔

شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اسی طرح کا ایک واقعہ میرے ساتھ اس وقت پیش آیا جب ایک ایسا مسئلہ میرے سامنے آیا جس کو حل کرنا میرے لیے دشوار ہو گیا۔ میں حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرنے کے لیے طوس چلا گیا۔ میں نے دیکھا وہ اپنی مسجد میں تنہا موجود ہیں (جب میں وہاں پہنچا) تو انہوں نے مسجد کے ایک ستون کو مخاطب میرے اسی مشکل مسئلے کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ میں نے ان سے دریافت کیا: جناب یہ آپ کس کے ساتھ کلام کر رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: اے فرزند! اللہ تعالیٰ نے ابھی اسی وقت اس ستون کو مجھ سے بات کرنے کا حکم دیا۔ اس ستون نے مجھ سے یہ سوال کیا' تو میں اس کو یہ جواب دے رہا ہوں (یعنی انہوں نے مجھ سے پوچھے بغیر میرے مسئلے کا جواب عنایت کر دیا)۔

ایک بزرگ کی کرامت

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) وادی فرغانہ میں ایک گاؤں تھا جس کا نام ''شلاتک'' تھا۔ وہاں ایک بزرگ رہتے تھے جنہیں اوتاد میں سے ایک سمجھا جاتا تھا لوگ انہیں ''باب'' کہا کرتے تھے۔ وہاں کا رواج یہ تھا' شہر کے سب سے بڑے بزرگ کو ''باب'' کہا جاتا تھا۔ ان بزرگ کے ہاں فاطمہ نامی ایک بوڑھی خاتون تھی۔ ایک مرتبہ میں ان کی زیارت کرنے حاضر ہوا' اور میں ان کے سامنے آیا تو انہوں نے دریافت کیا: کیوں آئے ہو؟ میں نے عرض کی: میں آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ انہوں نے بڑی مہربانی اور شفقت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا: اے فرزند! میں فلاں دن سے مسلسل تمہیں دیکھ رہا ہوں' اور تمہیں اس وقت تک دیکھتا رہوں گا جب تک تم میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو جاتے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جب میں نے ان بزرگ کے بتائے ہوئے دن کے بارے میں غور کیا' تو یہ وہی دن تھا جب میں نے توبہ کی تھی پھر اس بزرگ نے فرمایا: فرزند تھوڑے وقت میں طویل مسافت طے کرنا۔ بچوں کا کام ہوتا ہے۔ اس لیے اب ہمت کرو تا کہ تمہیں حضور قلب حاصل ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کے بعد اس بزرگ نے اپنی کنیز سے یہ کہا: اے فاطمہ! جو کچھ کھانے کے لیے ہے وہ لے آؤ تا کہ درویش کی مہمان نوازی کی جائے' تو وہ خدمت گزار خاتون ایک تھال میں تازہ انگور لے آئی (حالانکہ وہ انگوروں کا موسم نہیں تھا)۔ پھر وہ ایک تھال میں کچھ تازہ کھجوریں لے آئی حالانکہ فرغانہ میں کھجوریں ہوتی ہی نہیں ہیں۔

میہنہ میں ایک دن میں حضرت شیخ ابوسعید کے مزار پر اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ اسی دوران مجھے ایک کبوتر نظر آیا جو قبر پر پڑے غلاف کے نیچے چلا گیا۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ کبوتر کسی نے چھوڑا ہوگا۔ میں اٹھا اور میں نے چادر کو اٹھا کر دیکھا' تو وہاں کوئی بھی چیز موجود نہیں تھی۔ دوسرے دن اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا' تو میں بہت حیران ہوا۔ ایک دن میں نے خواب میں حضرت ابوسعید کی زیارت کی اور ان سے اس واقعہ کے بارے میں دریافت کیا: تو انہوں نے فرمایا: وہ کبوتر میرے معاملے کی صفائی ہے' جو روزانہ قبر میں میرا ساتھ دینے کے لیے آتا ہے۔

شیخ وراق رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شیخ ابوبکر وراق بیان کرتے ہیں: ایک دن میں حضرت محمد بن حکیم ترمذی کی خدمت میں حاضر تھا۔ انہوں نے اپنی تصنیف کے کچھ ورق مجھے دیئے اور مجھے ہدایت کی' میں انہیں دریا میں ڈال دوں۔ جب میں نے ان کاغذات کا جائزہ لیا' تو اس میں بہت سے لطائف اور نکات لکھے تھے۔ میرے دل نے یہ بات کسی طور قبول نہیں کی کہ میں انہیں دریا میں ڈال کر ضائع کر دوں۔ میں نے وہ جا کر گھر میں رکھ لیے اور واپس آ کر ان سے کہہ دیا' میں نے وہ دریا میں ڈال دیئے ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا: پھر تم نے کیا دیکھا؟ میں نے عرض کی: میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ انہوں نے فرمایا: اس کا مطلب ہے' تم

نے وہ اوراق دریا میں نہیں ڈالے۔ تم جاؤ اور انہیں دریا میں ڈال کر آؤ۔

حضرت شیخ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: اس وقت میرے لیے دو باتیں الجھن کا باعث تھیں کہ ایک تو یہ کہ انہیں پانی میں ڈالنے کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے، دوسرا یہ کہ وہ کیا خاص بات ہے، جو ان کو پانی میں ڈالنے کے بعد ظاہر ہو گی؟ جس کے بارے میں انہوں نے مجھ سے دریافت کیا ہے: آخر کار میں وہاں سے اٹھا اور بڑے افسوس کے ساتھ ان اوراق کو لے کر دریا کے کنارے پر آیا۔ جب میں نے اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا، تو میں نے دیکھا کہ پانی کی سطح چھٹ گئی اور اس میں سے ایک صندوق برآمد ہوا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا۔ یہ اوراق اس صندوق میں گئے۔ پھر اس کا ڈھکن بند ہوا، اور وہ پانی کی تہہ میں روپوش ہو گیا۔

واپس آ کر میں نے یہ سارا ماجرا شیخ کو بیان کیا، تو انہوں نے فرمایا: اب تم نے واقعی وہ اوراق دریا میں ڈال دیئے ہیں۔ میں نے دریافت کیا: جناب آپ کو اللہ تعالیٰ کی عزت اور جلال کی قسم! آپ یہ بتایئے کہ اس میں راز کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اے فرزند! میں نے علم مشائخ (یعنی تصوف) کے بارے میں یہ تحریر لکھی تھی، لیکن عام عقل والوں کے لیے اس کو سمجھنا مشکل تھا، تو میرے بھائی حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے یہ مانگ لی۔ وہ آہنی صندوق ان کے حکم سے یہاں آیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے پانی کو یہ حکم دیا، وہ ان کاغذات کو ان تک پہنچا دے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس قسم کی حکایات اتنی زیادہ ہیں، کہ ختم نہیں ہو سکتیں، لیکن میرا مقصد صرف یہ ہے، طریقت کے اصول کو ثابت کر دیا جائے، اس لیے میں اسی پر اکتفا کروں گا۔

اب میں اس بارے میں مختلف نظریات کے حوالے سے چند موضوعات پر بحث کروں گا، تا کہ حقیقت کے حصول کے لیے کسی دوسری چیز کی طرف رجوع نہ کرنا پڑے۔

انبیاء کے اولیاء سے افضل ہونے کی بحث

یہ بات واضح رہے، تمام مشائخ طریقت کا اس بات پر اتفاق ہے، ہر حوالے اور ہر حالت کے اعتبار سے اولیاء کرام، انبیاء کرام علیہم السلام کے پیروکار ہوتے ہیں۔ ان کی دعوت کی تصدیق کرنے والے ہوتے ہیں، اور انبیاء، اولیاء سے افضل ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے، جس مقام پر ولایت ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت کے مقامات کا آغاز ہوتا ہے۔ تمام انبیاء ولی ہوتے ہیں، لیکن ولی، نبی نہیں ہوتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے بشری صفات مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہیں، جبکہ اولیاء کو عارضی طور پر یہ حالت نصیب ہوتی ہے۔ جو چیز اولیاء کرام کے لیے حال ہوتی ہے انبیاء کے لیے وہ ایک مستقل مقام کی حیثیت رکھتی ہے، اور جو چیز اولیاء کے لیے مستقل مقام ثابت ہوتی ہے انبیاء کے لیے وہ حجاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس بارے میں اہل سنت کے علماء اور طریقت کے محققین میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حشویہ کا عقیدہ

ایک فرقہ حشویہ اس بارے میں مختلف رائے رکھتا ہے' یہ خراسان کے رہنے والے لوگ ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں ہے' اس کا جسم ہے' اور یہ لوگ توحید کے بارے میں ایسے اصول کے قائل ہیں جس میں تناقض پایا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں طریقت کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی' لیکن انہوں نے خود کو ولی قرار دینا شروع کر دیا۔ یہ لوگ ولی ضرور ہیں' لیکن شیطان کے ولی ہیں۔

یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں: اولیاء' انبیاء سے افضل ہوتے ہیں۔ ان کی گمراہی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے؟ وہ ایک جاہل شخص کو نبی اکرم ﷺ سے افضل قرار دیں۔

مشبہہ کا عقیدہ

اسی طرح مشبہہ نامی فرقے کے کچھ لوگ' جو خود کو طریقت سے وابستہ قرار دیتے ہیں' اس بات کے قائل ہیں: اللہ تعالیٰ حلول اور نزول کر سکتا ہے' یعنی وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوسکتا ہے۔

ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات کے اجزاء ہیں:

یہ ان دو گمراہ فرقوں میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں' میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اس کتاب میں ان کے بارے میں تفصیلات بیان کروں گا۔

مختصر یہ کہ یہ دونوں گروہ بظاہر مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت کے بارے میں (ان کی فضیلت کے) اسی طرح منکر ہیں جیسے برہمن منکر ہوتے ہیں حالانکہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو' یعنی جو انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت (یعنی ان کی فضیلت) کی نفی کرتا ہو ایسا شخص کافر ہوگا۔ انبیاء کرام علیہم السلام (اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف) دعوت دینے والے ہیں' اور (اس راستے کے) پیشوا ہیں' اور اولیاء (اس حوالے سے) ان کے سچے پیروکار ہیں' اور یہ ممکن نہیں ہے' کوئی پیروکار شخص اپنے پیشوا سے زیادہ فضیلت رکھتا ہو۔

تمام اولیاء کے احوال و مقامات کو صرف ایک نبی کے مرتبے کے سامنے رکھا جائے' تو (اولیاء کے ان مقامات کی) کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے' اولیاء اس راستے پر چل رہے ہیں' اور تلاش میں ہیں' جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام منزل تک پہنچ چکے ہیں' اور حقیقت کو پا چکے ہیں' اور دعوت و تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تشریف لائے ہیں' اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے کر جاتے ہیں۔

ایک مہمل اعتراض کا جواب

اگر کوئی ملحد شخص یہ کہے' رسم اور رواج یہ ہے' جب کسی کی طرف کسی قاصد کو بھیجا جاتا ہے' تو جس کی طرف کسی قاصد کو بھیجا

جارہا ہے وہ قاصد سے افضل ہوتا ہے جیسے تمام انبیائے کرام حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے تمہاری بیان کردہ صورت غلط ہے اگر کوئی بادشاہ کسی ایک فرد کے پاس اپنے قاصد کو بھجواتا ہے تو اس وقت یہ ضروری ہوتا ہے جس کسی کے پاس قاصد کو بھجوایا جارہا ہے وہ شخص قاصد سے افضل ہو جیسے حضرت جبریل علیہ السلام کو تمام انبیاء کرام کی طرف بھجوایا گیا تو وہ تمام انبیاء کرام حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل تھے لیکن جب کسی قاصد کو کسی قوم یا جماعت کی طرف بھجوایا جاتا ہے تو یہ بات لازم ہوتی ہے وہ قاصد ان سب لوگوں سے افضل اور بہتر ہو۔ جس طرح انبیاء کرام اپنی اُمتوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے پیغام بر بن کے آئے اور وہ اپنی اُمتوں سے افضل تھے۔

اس بارے میں کسی بھی عقلمند شخص کو کوئی بھی شبہ لاحق نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کسی کے ذہن میں اس حوالے سے کوئی سوال آسکتا ہے۔ لہٰذا انبیائے کرام کی ایک سانس دنیا کے تمام اولیاء کی ساری زندگی اور تمام احوال سے بہتر ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے اولیاء جب اپنے آخری مقام تک پہنچتے ہیں تو اس وقت وہ مشاہدے کی اطلاع دیتے ہیں اور بشر ہونے کے باوجود بشریت کے حجاب سے نجات حاصل کرتے ہیں لیکن رسول کا تو پہلا ہی قدم مشاہدے میں ہوتا ہے یعنی ولایت کا جس جگہ اختتام ہوتا ہے۔ وہاں سے نبوت کا آغاز ہو رہا ہوتا ہے تو پھر اولیاء کو انبیاء پر کس طرح قیاس کیا جاسکتا ہے؟

نبوت کے مرتبے کی کوئی انتہاء نہیں

اولیائے کرام میں سے تمام طالبانِ حق اس بات پر متفق ہیں ''تفریق'' کے مقام کے مقابلے میں ''جمع'' کا مقام ولایت میں کمال کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے انسان دوستی کے غلبے میں ایسے مقام پر پہنچ جائے اس کا ذہن فعل میں غور و فکر کرنے سے مغلوب ہو جائے۔ اور حقیقی فاعل کے شوق اور محبت میں اسے سارا جہان فاعل نظر آئے ہر جگہ اسی کے جلوے دکھائی دیں۔

جس طرح شیخ ابوعلی رودباری نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

لَوْزَالَتْ عَنَّا رُؤْيَةٌ مَا عَبَدْنَاهُ

''اگر ہمیں اس کا دیدار باقی نہ رہے تو ہم اس کی عبادت ہی نہ کر پائیں''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے بندگی کا نام ان سے ساقط ہو جائے گا کیونکہ ہمیں عبادت کی حلاوت اس کے دیدار کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوتی ہے۔ انبیائے کرام کو ابتدائے حال میں اس کیفیت کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے ان کے احوال میں ''تفرقہ'' نہیں آسکتا ان کی تمام ترنفی و اثبات سلوک قطع عدم توجہ ابتداء انتہاء سب کی سب کیفیات اور احوال ''جمع'' کی کیفیت میں ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے جس وقت آغاز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند اور ستارے کی طرف دیکھا تو فرمایا:

''هٰذَا رَبِّيْ'' (الانعام:۷۶) ''یہ میرا رب ہے''۔

پھر جب انہوں نے سورج کو دیکھا تو فرمایا:

''هٰذَا رَبِّیْ'' (الانعام:۷۸) ''یہ میرا رب ہے''۔

کیونکہ ان کے دل پر حق کا غلبہ تھا اور وہ اپنے مقام اور کیفیت کے اعتبار سے عین ''جمع'' کی حالت میں تھے' اس لیے ان کی توجہ غیر کی طرف مبذول ہی نہیں ہوئی' انہوں نے جس چیز کو بھی دیکھا ''جمع'' کی حالت میں دیکھا' اور پھر عین دیدار کے عالم میں اپنے اس دیکھنے سے برأت کا کرتے ہوئے یہ فرمایا:

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (الانعام:۷۶) ''میں ڈوبنے والی چیز کو پسند نہیں کرتا''۔

یعنی ان کا آغاز بھی ''جمع'' کی کیفیت میں تھا اور انتہاء بھی ''جمع'' کی کیفیت میں تھی۔

انبیاء کی فضیلت کے بارے میں بایزید کا قول

ولایت کے مقامات کا آغاز بھی ہوتا ہے اور انتہاء بھی ہوتی ہے' لیکن نبوت کے مرتبے کی کوئی اِبتداء نہیں ہوتی اور کوئی انتہاء نہیں ہوتی۔ انبیاء کرام جب تک تھے اس وقت تک نبی تھے اور جب تک رہیں گے اس وقت تک نبی رہیں گے۔ اور وجود میں آنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی مراد میں وہ نبی ہی تھے۔

جمع اور تفریق کا قول

ایک مرتبہ بایزید بسطامی سے دریافت کیا گیا: انبیائے کرام کے احوال کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں' ان کے احوال کے بارے میں گفتگو کرنے کی ہماری کیا مجال' ہم اس کے بارے میں جو کچھ بھی بیان کریں گے دراصل وہ سارا بیان ہماری اپنی کیفیت کے بارے میں ہوگا' جبکہ انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے نفی اور اثبات کے اس مقام پر رکھا ہے جہاں تک عام مخلوق کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔

تو جس طرح اولیاء کے مراتب اور مدارج عام مخلوق نہیں سمجھ سکتی' اس طرح انبیائے کرام کے مراتب کو اولیاء بھی نہیں سمجھ سکتے۔

بایزید اپنے زمانے کے بہت بڑے بزرگ تھے' وہ یہ فرماتے ہیں:

اَوَّلُ مَاسِرْتُ اِلَی الْوَحْدَانِیَّةِ فَصِرْتُ طَیْرًا جِسْمُهٗ مِنَ الْاَحَدِیَةِ وَجَنَاحُهٗ مِنَ الدَّیْمُوْمِیَّةِ فَلَمْ اَزَلْ اَطِیْرُ فِیْ هَوَاءِ الْهُوِیَّةِ حَتّٰی اِلٰی هَوَاءِ التَّنْزِیْهِ ثُمَّ اَشْرَفْتُ عَلٰی مَیْدَانِ الْاَزْلِیَّةِ وَرَاَیْتُهٗ شَجَرَ الْاَحَدِیَّةِ فَنَظَرْتُ فَعَلِمْتُهٗ اِنَّ هٰذَا کُلَّهٗ حَدَّ غَیْرِہٖ

''جب پہلی مرتبہ میں نے وحدانیت کی طرف سفر کیا تو میں ایک پرندہ بن گیا' جس کا جسم احدیت سے بنا تھا اور اس کے پَر دیمومیت سے بنائے گئے تھے۔ میں تنزیہہ کی فضاء میں پرواز کرتا رہا' یہاں تک کہ میں ازلیت کے مقام تک پہنچ گیا' میں نے وہاں احدیت کے درخت کو دیکھا' جب میں نے غور کیا تو مجھے پتہ چلا کہ وہ سب میں

ہی تھا''۔

''اس وقت میں نے عرض کی: اے اللہ! تو میرے ساتھ ہے' لیکن میں تجھ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا' مجھ سے میری اپنی ذات کے وجود کے حجاب کو عبور نہیں کیا جارہا تو مجھے کیا کرنا چاہیے' تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے بایزید! تم اپنے آپ سے نجات حاصل کرلو کیونکہ دوست کی پیروی کے لیے یہ ضروری ہے' تم اس کی خاکِ راہ کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤ' ہمیشہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے کام لو''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ ایک طویل واقعہ ہے' جسے صوفیاء (بایزید کی معراج) کا نام دیتے ہیں۔ یہاں معراج کا مطلب قرب ہے۔ انبیائے کرام کی معراج ظاہری طور پر ان کے جسم اور روح کے ساتھ ہوتی ہے' جبکہ اولیاء کی معراج کا تعلق صرف روح اور ان کے باطن سے ہوتا ہے' انبیائے کرام کا جسم اور ان کا وجود اپنی پاکیزگی اور قربت میں اولیاء کے دل اور ان کے اسرار کی طرح ہوتے ہیں اور انبیاء کی یہ فضیلت ظاہر ہے۔ اس کی صورت یہ ہے' ولی کو اپنی حالت میں اس طرح مغلوب کردیا جاتا ہے' وہ مست ہوجاتا ہے' اس وقت اس کے باطنی درجات غائب ہوجاتے ہیں پھر اس کو قربِ حق کی نعمت سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ پھر جس وقت وہ ''صحو'' کی حالت میں واپس آتا ہے' تو وہ تمام دلائل اس کے ذہن میں نقش ہوچکے ہوتے ہیں۔ جس کے ذریعے اسے علم حاصل ہوجاتا ہے۔ اس لیے ثابت یہ ہوتا ہے' ان دونوں کے درمیان بہت فرق ہے۔ ایک (یعنی انبیاء) کے جسم اور وجود کو اس مقام تک لے جایا جاتا ہے اور دوسرے (یعنی اولیاء) کی صرف سوچ اور تصور وہاں پہنچ سکتے ہیں۔

انبیاء اور اولیاء کی فرشتوں اور (عام) اہلِ ایمان پر فضیلت

تمام اہل سنت والجماعت اور جمہور مشائخ طریقت کا اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے' انبیائے کرام اور وہ اولیاء جو گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں' وہ فرشتوں سے افضل ہوتے ہیں۔

معتزلہ کا عقیدہ

اس بارے میں معتزلہ کی رائے مختلف ہے' ان کے نزدیک فرشتے انبیاء سے بھی افضل ہوتے ہیں۔

ان کا یہ کہنا ہے' فرشتے رتبے کے اعتبار سے بلند ہوتے ہیں' تخلیق کے اعتبار سے لطیف تر ہوتے ہیں اور اطاعت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ فرمانبردار ہوتے ہیں' لہٰذا وہ ساری مخلوق سے افضل ہیں۔

ہم یہ کہتے ہیں: حقیقت اس سے مختلف ہے۔ ظاہری اطاعت و فرمانبرداری' بلند مرتبہ ہونا' یا مادۂ تخلیق کے اعتبار سے لطیف ہونا' اللہ تعالیٰ کا فضل زیادہ ہونے کا سبب نہیں ہے' بلکہ فضیلت وہاں پائی جاتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اسے رکھ دیا ہو' فرشتوں کے جو اوصاف ذکر کیے جاتے ہیں' وہ سارے اوصاف شیطان میں بھی پائے جاتے تھے لیکن اس بات پر اتفاق ہے' وہ ملعون اور راندۂ درگاہ ہے۔ لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے' افضل وہ ہوتا ہے' جس کے سر پر اللہ تعالیٰ فضیلت کا تاج

رکھ دیتا ہے اور اسے باقی مخلوق کے مقابلے میں برگزیدہ قرار دے دیتا ہے۔ انبیائے کرام کی فضیلت کی دلیل یہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا تھا' وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور یہ بات ضروری ہے' جسے سجدہ کیا جا رہا ہو' وہ اس سے افضل ہوتا ہے' جو سجدہ کر رہا ہوتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر یہاں یہ سوال کیا جائے' خانۂ کعبہ بھی تو پتھر اور جمادات سے بنا ہوا ایک مکان ہے' تو مؤمن اس سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے' لیکن اس کے باوجود وہ اس کی طرف رخ کر کے سجدہ کرتا ہے' تو اگر فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کر لیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت آدم علیہ السلام افضل تھے۔

اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں: کوئی بھی شخص یہ نہیں کہتا کہ مؤمن اس مکان یا اس کی محراب اور اس کی دیواروں کو سجدہ کرتا ہے بلکہ تمام مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف رخ کر کے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس اس بات پر سب کا اتفاق ہے' فرشتوں نے جو سجدہ کیا تھا وہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہی تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ'' (البقرہ:۳۴) ''آدم کو سجدہ کرو''۔

اس سے مراد یہ ہے' ہم نے فرشتوں سے یہ فرمایا اور انہیں یہ حکم دیا' تم لوگ آدم کو سجدہ کرو۔

لیکن جب اہل ایمان کے سجدہ کرنے کی بات آئی ہے' تو قرآن کہتا ہے:

وَاسْجُدُوْ وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوْا الْخَيْرَ (الحج:۷۷)

''اپنے پروردگار کو سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو اور بھلائی کا کام کرو''۔

یعنی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو اور اس کی بندگی میں توجہ کرو' اس لیے خانہ کعبہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح نہیں ہے۔ اگر کوئی مسافر شخص سواری پر بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنا چاہتا ہے' تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور اس صورت میں اگر اس کا رخ خانہ کعبہ کی طرف نہیں ہوتا تو وہ شخص معذور شمار ہو گا' اس طرح جس شخص کو قبلہ کی سمت کے بارے میں پتہ نہیں چلتا' یعنی وہ کسی ایسی جگہ پر موجود ہو جہاں قبلہ کی صحیح سمت کا تعین نہ کر سکتا ہو تو وہ شخص جس بھی طرف رخ کر کے نماز ادا کرے گا' اس کی نماز ادا ہو جائے گی۔

لیکن حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حوالے سے فرشتوں کے سامنے ایسی کوئی معذوری یا کوئی مجبوری نہیں تھی' ان میں سے ایک نے عذر پیش کیا تو اس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ کے لیے ملعون اور ذلیل قرار پایا' تو اہلِ بصیرت کے لیے اتنے ہی دلائل کافی ہیں۔

فرشتوں کی مجبوری

یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے' فرشتے ایک اعتبار سے معرفت الٰہی کے حوالے سے مجبور ہیں' اس کی وجہ یہ ہے' ان کی تخلیق میں (یعنی فطرت میں) شہوت رکھی ہی نہیں گئی ہے۔ اسی طرح ان کے قلوب میں حرص اور لالچ کی آفت نہیں ہے' ان

کی فطرت میں مکر اور نفاق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ان کی غذا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونا ان کا مشروب ہے۔ جبکہ انسان کی فطرت ہی شہوت سے بنائی گئی ہے' اس لیے اس سے گناہ کے ارتکاب کا ہر وقت احتمال باقی رہتا ہے' دنیا کی زیب و زینت اس کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے' اس کی فطرت میں مکر و فریب اور لالچ کا جذبہ بھی موجود ہے۔ شیطان کو اس کے وجود میں اتنی دسترس حاصل ہے کہ وہ اس کی رگوں میں خون کے ساتھ گردش کرتا ہے اور پھر تمام بُرائیوں کا سرچشمہ نفس بھی انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے' تو جس شخص کے وجود میں یہ ساری باتیں موجود ہوں اور شہوت کے امکان کی موجودگی کے باوجود وہ شخص فسق و فجور سے پرہیز کرتا ہے اور اپنی فطرت کے اعتبار سے حریص ہونے کے باوجود وہ دنیا سے لاتعلقی اختیار کرتا ہے۔ ذہن میں شیطانی خیالات آنے کے باوجود گناہوں سے اجتناب کرتا ہے۔ نفسانی خیالات سے منہ موڑ لیتا ہے اور اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے' وہ اطاعت پر کاربند ہوتا ہے اور عبادات کی ادائیگی میں دوام اختیار کرتا ہے' نفس کے ساتھ جہاد کرتا ہے۔ شیطان کی مخالفت کو اپنا شعار بنالیتا ہے' تو ایسی ہی مخلوق درحقیقت افضل اور برتر قرار دی جاسکتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' فرشتوں کا شہوت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا' ان کی فطرت میں کچھ کھانے پینے کی کوئی خواہش نہیں ہوتی' انہیں بیوی بچوں کا کوئی فکر نہیں ہوتا۔ عزیز' رشتے داروں کا کوئی غم نہیں ہوتا۔ اسباب اور وسائل اختیار کرنے کی محتاجی نہیں ہوتی' امارت اور غربت کی پریشانی نہیں ہوتی۔

خدا کی قسم! مجھے ایسے شخص پر بہت حیرانگی ہوتی ہے' جو افعال میں فضیلت پر تو نگاہ رکھتا ہے اور خوبی اور جمال کو عزت سمجھتا ہے۔ مال و منال کو عزت اور شرف جانتا ہے' جبکہ یہ ظاہری نعمتیں اور یہ ظاہری اعزاز تو بہت جلد چھین لیے جاتے ہیں' لیکن وہ شخص ''مالک الملک'' کے فضل اور لطف کا امیدوار کیوں نہیں بنتا؟

آخر کیا وجہ ہے' وہ رضائے خداوندی کو اپنے لیے اعزاز اور معرفت کو ایمان کی وجۂ فضیلت کیوں نہیں سمجھتا؟ تاکہ یہ ہمیشہ اس کے پاس رہے اور وہ دونوں جہانوں میں اپنے آپ کو مسرور اور مطمئن پائے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو قرب کم نصیب ہوا

حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (قرب کی) خلعت حاصل کرنے کے لیے ہزارہا سال اس کی عبادت کی لیکن انہیں یہ خلعت اسی وقت حاصل ہوئی جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کی' یہاں تک کہ معراج کی رات انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی لگام تھامنا' اپنی عزت افزائی کا باعث سمجھا' تو وہ اس ہستی سے کس طرح افضل ہو سکتے ہیں؟ جس نے دنیا میں ریاضت و مجاہدہ کیا' دن رات عبادت و فرمانبرداری میں مشغول رہے۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اتنا لطف و کرم کیا کہ انہیں اپنے دیدار کی نعمت سے سرفراز کیا اور انہیں تمام خطرات سے سلامتی سے گزار دیا۔

ہاروت ماروت کا واقعہ

جب ایک مرتبہ ایسا ہوا' بعض فرشتوں کا غرور حد سے بڑھ گیا اور وہ اپنے باطن کی صفائی کو حجت کے طور پر پیش کرنے

لگے اور انہوں نے انسانوں کے بارے میں ملامت کی زبان کھولی تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا: انسانوں کا حال اور ان فرشتوں کی اپنی فضیلت ان پر ظاہر کی جائے تاکہ وہ یہ بات جان لیں! ان کی تمام تر عبادت وعصمت صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حفاظت وعصمت کا نتیجہ ہے' تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا' تم اپنے گروہ میں سے تین ایسے معزز فرشتوں کو منتخب کرو جن پر تمہیں اعتماد ہو' وہ زمین پر میرے نائب ہونے کا منصب سنبھال لیں' لوگوں کو راہِ راست پر لائیں' ان کے درمیان عدل و انصاف قائم کریں' فرشتوں نے اپنے میں سے تین فرشتے منتخب کر لیے۔ ان تین میں سے ایک نے زمین پر آنے سے پہلے ہی زمین کی آفات کی طرف توجہ کی تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے واپس کر دیا جائے' جبکہ بقیہ دو فرشتے زمین پر اتر آئے' اللہ تعالیٰ نے ان کی سرشت تبدیل کر دی' زمین پر آنے کے بعد وہ کھانے پینے اور شہوت میں مبتلا ہو گئے' جس کی وجہ سے انہیں سزا دی گئی تو اس طرح سے فرشتوں نے انسانوں کی فضیلت اور برتری کا عملی تجربہ کر لیا۔ مختصر یہ کہ خاص مؤمن صرف خاص فرشتوں سے اور عام مؤمن صرف عام فرشتوں سے افضل ہوتا ہے۔ انسانوں میں سے جو لوگ معصوم اور محفوظ ہیں' وہ حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام سے افضل ہیں اور جو معصوم نہیں ہیں وہ کراماً کاتبین (یعنی عام فرشتوں) سے افضل ہیں۔

اس بارے میں بہت سے اقوال منقول ہیں' بہت سے بزرگوں نے اس بارے میں کچھ نہ کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے' جس کسی پر فضیلت دینا چاہے' اسے فضیلت عطاء کر سکتا ہے۔

تصوف میں حکیمی مکتبہ فکر اور اس کے متعلقین کا دیگر صوفیاء سے نظریاتی اختلاف کا خلاصہ یہی ہے' جسے ہم نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ یہاں بیان کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے' ولایت اللہ تعالیٰ کے اسرار میں شامل ہے اور یہ اسرار اس راستے پر چلے بغیر ظاہر نہیں ہوتے۔ ولی کو ولی کے علاوہ اور کوئی نہیں پہچان سکتا' اگر ہر عقل مند شخص اس حقیقت کو جان سکتا' تو دوست کو دشمن سے اور واصل شخص کو غافل سے ممتاز کرنا مشکل ہو جاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ولایت کے موتی کو مخلوق کے درمیان ذلت اور خواری کے سیپ میں رکھ کر اسے آزمائش اور مصیبتوں کے دریا میں ڈال دیا ہے تاکہ اس کا حقیقی طلبگار اس کی طلب میں اپنی جان کو قربان کر دے اور اس خونی دریا کو عبور کرتے ہوئے اس کی تہہ تک پہنچ کر اپنے مقصود کو حاصل کر لے۔

میں یہ چاہتا تھا' اس بحث کو تفصیل سے لکھتا لیکن پڑھنے والوں کی اکتاہٹ اور عدم توجہ کے اندیشے کی وجہ سے میں نے یہاں اختصار سے کام لیا ہے۔ طریقت کے ارادت مندوں کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

خرازی مکتبہ فکر

خرازی مکتبہ فکر کی نسبت شیخ ابوسعید خرازی سے ہے' طریقت میں ان کی تصانیف بہت واضح ہیں۔ خلوت نشینی' دنیا سے لاتعلقی اختیار کرنے میں ان کی شان بہت بلند تھی' فناء اور بقاء کے بارے میں سب سے پہلے شیخ ابوسعید خرازی نے ہی گفتگو کی

ہے۔ انہوں نے طریقت کے تمام اسرار ورموز کو ان دو الفاظ میں سمو دیا ہے۔ اب میں اس کی وضاحت کرتا ہوں اور لوگوں نے اس حوالے سے جو غلطیاں کی ہیں' ان کی نشاندہی کرتا ہوں۔ تاکہ قارئین اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیں! شیخ کا اصل مسلک کیا ہے اور لوگوں نے ان کے ان دو الفاظ سے کیا مراد لیا ہے۔

فناء اور بقاء کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل:۹۶)

''جو چیز تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گی اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' وہ باقی رہے گی''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ (الرحمٰن:۲۶'۲۷)

''اس پر موجود ہر چیز فناء ہو جائے گی صرف تمہارے' عظمت اور بزرگی والے' پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی''۔

یہاں یہ بات جان لیں! لغوی اعتبار سے لفظ فناء اور بقاء کا مطلب اور ہے' جبکہ اہلِ طریقت کی اصطلاح کے حوالے سے اس کا معنی مختلف ہے۔

اہلِ ظاہر عبارات میں سے کسی بھی عبارت پر اتنی زیادہ حیرانگی کا شکار نہیں ہوتے' جتنے ان دو الفاظ کے معنی کے حوالے سے حیران ہو جاتے ہیں۔

بقاء کی اقسام

لغوی اعتبار سے بقاء کی تین قسمیں ہیں!

پہلی قسم یہ ہے' آغاز اور اختتام دونوں حوالوں سے اس پر فنا ہو جیسا کہ عالم ناسوت ہے' کہ وہ اپنے آغاز میں بھی نہیں تھا اور اپنی انتہاء کے حوالے سے بھی نہیں ہوگا۔ وہ صرف موجودہ زمانے میں باقی ہے۔

بقاء کی دوسری قسم یہ ہے' جو پہلے کبھی نہیں تھا' بعد میں وہ وجود میں آ گیا اور پھر کبھی فنا نہیں ہوگا جیسے بہشت' دوزخ اور عالمِ آخرت۔ وہاں کے رہنے والے جو ابتداء میں نہیں تھے وہ عدم سے وجود میں آئے اور پھر اب ان کے وجود پر کبھی عدم طاری نہیں ہوگا۔

تیسری قسم یہ ہے' جو بقاء ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہے گی' کوئی وقت ایسا نہیں گزرا اور کوئی وقت ایسا نہیں آئے گا کہ جب وہ بقاء موجود نہ ہو۔ اور یہ بقاء اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی ازلی وابدی صفات کو حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے اور اس کی بقاء سے مراد اس کے وجود کا ہمیشہ رہنا ہے اور اس کی صفات میں کوئی

اس کا شریک نہیں ہے۔

فناء سے مراد کیا ہے؟

فناء کے بارے میں علم ہونے سے مراد یہ ہے: تم یہ بات جان لو دنیا فانی ہے اور بقاء کے بارے میں علم ہونے سے مراد یہ ہے تم یہ بات جان لو آخرت باقی رہنے والی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (الاعلیٰ:۱۷) ''اور آخرت زیادہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے''۔

یہاں پہ لفظ اَبْقٰى مبالغے کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے آخرت کی زندگی میں ایسی بقاء ہے جس پہ فناء طاری نہیں ہوگی۔

حال کے حوالے سے (یعنی صوفیاء کی اصطلاح کے مطابق) فناء اور بقاء کا مطلب یہ ہے: جہالت فنا ہو جاتی ہے اور علم باقی رہ جاتا ہے۔ معصیت فناء ہو جاتی ہے اور اطاعت باقی رہ جاتی ہے۔ تو جب انسان علم اور اطاعت کو حاصل کر لیتا ہے تو ذکر کے باقی ہونے کی وجہ سے غفلت فناء ہو جاتی ہے۔

اس سے مراد یہ ہے جب انسان حق کے علم کا عالم بن جاتا ہے اور اس علم کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے تو اس کے وجود سے جہالت فنا ہو جاتی ہے اور جب وہ غفلت سے فانی ہو جاتا ہے تو اس کے ذکر کی وجہ سے باقی ہو جاتا ہے یعنی اس سے مراد اچھے اوصاف کے ذریعے بُرے اوصاف کو مٹانا ہے۔

خواص اہلِ طریقت کا نظریہ

ہم نے جو معانی بیان کیے ہیں یہ خواص اہلِ طریقت کے نزدیک نہیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے ان کے بیان کردہ اشارات عالم اور حال سے متعلق نہیں ہوتے وہ فناء اور بقاء کی اصطلاح کو کمال کے مرتبے کے علاوہ استعمال ہی نہیں کرتے ہیں۔

خواص اہلِ طریقت کے نزدیک فناء اور بقاء سے متصف وہ لوگ ہوتے ہیں جو مجاہدے کی مشقت سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ مقامات کی قید احوال کے اندر تبدیلی سے نجات پا کر مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کے دیکھنے کی تمام تر صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہیں۔ ان کے سننے کی تمام تر توتیں اللہ تعالیٰ کے کلام کی سماعت کے ساتھ منسلک ہو جاتی ہیں اور جاننے کی ذہن کی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کے اسرار کے ساتھ منسلک ہو جاتی ہیں۔ ولایت کے اس مقام پر فائز لوگ اپنے اسرار کے حصول کے دوران خود بینی کی آفت کو دیکھ چکے ہوتے ہیں اس لیے وہ ان سب سے کنارہ کش ہو کر مراد میں ہیں۔ ان کے اپنے ارادے فنا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ واصل بہ حق ہو کر ہر دعوے سے دستبردار اور ہر معنی سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ کرامات ان کے لیے حجاب ہوتی ہیں اور مقامات کو یہ لوگ ہلاکت شمار کرتے ہیں۔ یہ اپنے احوال کو آفات کا لباس پہنچا دیتے ہیں اور عین مراد کے عالم میں بھی بے مراد محسوس ہوتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰي مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ط (الانفال:۴۲)

''تا کہ ہلاک ہونے والا دلیل کی موجودگی میں ہلاک ہو اور زندہ رہنے والا دلیل کی موجودگی میں زندہ ہو''۔

اس مفہوم کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے:

فَنَيْتُ فَنَائِيْ بِفَقْدِ هَوَائِيْ
فَصَارَ هَوَائِيْ فِيْ الْاُمُوْرِ هَوَاكَ

''میں نے فنا کو اپنی خواہش سے ناپید کر کے فنا کیا۔ ہر معاملے میں میری خواہش وہی ہے جو تیری خواہش ہے''۔

یہ بھی کہا گیا ہے:

فَاِذَا فَنِيَ الْعَبْدُ عَنْ اَوْصَافِهٖ
اَدْرَكَ الْبَقَاءَ بِتَمَامِهٖ

''جب انسان اپنے اوصاف سے فانی ہو جاتا ہے' تو وہ مکمل بقاء کو پا لیتا ہے''۔

کسی نے یہ کہا ہے:

وَطَاحَ مَقَامِيْ وَالرُّسُوْمُ كِلَاهُمَا
فَلَسْتُ اَرٰى فِيْ الْوَقْتِ قُرْبًا وَّلَا بُعْدًا
فَنَيْتُ بِهٖ عَنِّيْ فَبَانَ لِيَ الْهُدٰى
فَهٰذَا ظُهُوْرُ الْحَقِّ عِنْدَ الْفَنَاءِ قَصْدًا

''میرا مقام اور رسوم دونوں فناء ہو گئے ہیں اور میں اس وقت نزدیک یا دور کچھ نہیں دیکھ سکتا' جب یہ مجھ سے فناء ہو گئے تو اس وقت میرے سامنے ہدایت ظاہر ہوئی تو اب یہ حق کا ظہور فناء کے قصد کے نتیجے میں ہوا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) مختصر یہ کہ کسی بھی چیز سے صحیح طور پر فنا ہونے کا مطلب یہ ہے' انسان کو اس چیز کے ناقص ہونے کا ادراک ہو جائے اور کوئی خواہش اس کے حوالے سے باقی نہ رہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے' کسی بھی چیز کی فناء اس چیز کے حجاب سے درست ہوتی ہے' اس کا نظریہ غلط ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا' آدمی کسی چیز کو دوست رکھے اور یہ کہے' میں اس کے ساتھ باقی ہوں یا کسی چیز کو دشمن رکھے اور یہ کہے' میں اس سے فانی ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے' دونوں صفات طالب کی صفات ہیں۔ فناء میں محبت یا عداوت نہیں ہوتی۔ جبکہ بقاء اور تفرقہ میں رویت نہیں ہوتی۔

بعض لوگوں کو اس حوالے سے غلط فہمی لاحق ہوئی' ان کے نزدیک ذات کے گم ہو جانے اور وجود کے ناپید ہو جانے کا نام فناء ہے اور بقاء سے مراد یہ ہے' حق تعالیٰ کی بقاء بندے کے ساتھ مل جائے جبکہ یہ دونوں صورتیں ناممکن ہیں۔

ایک علامہ سے ملاقات

ہندوستان میں میری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی' جو خود کو علمِ تفسیر کا ماہر سمجھتا تھا' بڑا واعظ سمجھتا تھا' علامہ ہونے کا دعویدار تھا' اس نے اس موضوع کے بارے میں میرے ساتھ بحث کی تو مجھے اندازہ ہوا' وہ شخص فناء اور بقاء کے بارے میں کچھ نہیں جانتا' اسے حدوث اور قدوم کے درمیان فرق کے بارے میں بھی نہیں ہے۔

اسی طرح اس گروہ میں بہت سے ایسے جاہل لوگ بھی ہیں' جو فنا کلی کے قائل ہیں' حالانکہ یہ واضح ہٹ دھرمی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' کسی بھی چیز کے اجزائے ترکیبی کا فنا ہو جانا اور ان اجزاء کا اس سے الگ ہو جانا ممکن ہی نہیں ہے۔

ایسے لوگوں سے میں یہ دریافت کرتا ہوں: فناء سے تمہاری مراد کیا ہے؟ اگر تم یہ کہتے ہو' اس سے مراد یہ ہے' ذات فنا ہو جائے تو یہ ناممکن ہے' اور اگر یہ کہو کہ صفت فناء ہو جائے تو ہم اسے درست سمجھتے ہیں' کیونکہ یہ ایک الگ صفت ہے اور بقاء ایک الگ صفت ہے اور انسان ان دونوں قسم کی صفات سے متصف ہوتا ہے اور یہ ناممکن ہے' کوئی شخص اپنے علاوہ کسی دوسرے کی صفت کے ساتھ قائم ہو۔

نسطوریہ کا عقیدہ

یونان کے رہنے والے رومی نسطوریوں کا مؤقف یہ ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجاہدے کے ذریعے تمام ناسوتی صفات کو فناء کر کے ''لاہوتی بقاء'' کے ساتھ قائم ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنی بقاء پالی تھی کہ وہ معبود کی بقاء کے ساتھ باقی ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کے عناصر ترکیبی کی بنیاد انسانی عناصر پر نہیں ہے' کہ وہ کسی انسان کے ساتھ بقاء پائیں بلکہ ان کا تحقق الوہیت کی بقاء کے ساتھ ہوا ہے' لہٰذا وہ' ان کی والدہ سیّدہ مریم اور اللہ تعالیٰ یہ تینوں ایک ہی بقاء کے ساتھ باقی ہیں' جو قدیم ہے اور جو بقاء اللہ تعالیٰ کی صفت ہے (ہم اس عقیدے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں)۔

یہ تمام باتیں ان حشویہ کے مؤقف کے مطابق ہیں' جو تجسیم اور تشبیہ کے قائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو محلِ حوادث سمجھتے ہیں اور قدیم کے لیے حدث ہونے کی صفت کو درست سمجھتے ہیں۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں: کیا کوئی حادث قدیم کا محل بن سکتا ہے' یا کوئی قدیم کسی حادث کا محل بن سکتا ہے' یا قدیم کی کوئی صفت حادث ہو سکتی ہے' یا حادث کی کوئی صفت قدیم ہو سکتی ہے؟ یہ تمام باتیں دہریوں کا مذہب ہیں' وہ عالم کے حادث ہونے کے دلائل کو غلط قرار دیتے ہیں۔ اس طرح سے خالق اور مخلوق دونوں کو قدیم تسلیم کرنا پڑتا ہے' یا پھر دونوں کو حادث ماننا پڑتا ہے۔ یعنی مخلوق کو خدا کے ساتھ ملایا جاتا ہے' یا خدا کو مخلوق کے ساتھ ملایا جاتا ہے' جس کے نتیجے میں حلول لازم آ جاتا ہے اور یہ چیز نقصان اور گمراہی ہے اور یہ انہی کے لائق ہے۔

اس کی وجہ یہی ہے' جب آپ قدیم کو محلِ حوادث یا حادث کو محلِ قدیم قرار دیتے ہیں' تو خالق اور مخلوق دونوں کو قدیم کہنا پڑتا ہے' جبکہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے' مخلوق حادث ہے' یا پھر یہ ہے' اس طرح آپ خالق کو بھی حادث مانیں گے۔ کیونکہ ہر چیز کا محل اس کے عین کی مانند ہوتا ہے' تو جب خالق حادث ہونے کا محل ہوگا' تو وہ خود حادث بھی ہوگا۔ تو اب ان سب کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے' وہ حادث کو قدیم قرار دیں یا قدیم کو حادث قرار دیں اور یہ دونوں صورتیں گمراہی ہیں۔

مختصر یہ کہ جب کوئی ایک چیز دوسری کے ساتھ ملتی ہے' تو وہ اس کے ساتھ متصل ہوتی ہے' متحد ہوتی ہے' یا ہم جز ہو جاتی ہے۔ تو ان دونوں چیزوں کا حکم ایک جیسا ہو جاتا ہے۔ ہماری بقاء ہماری صفت ہے' اسی طرح ہماری فناء ہماری صفت ہے۔ اس لیے ہماری صفت ہونے کے حوالے سے ہماری فناء' بقاء کی طرح ہے اور بقاء' فناء کی طرح ہے۔ اس لیے فناء ایک ایسی صفت ہے' جو ہماری بقاء کے ساتھ ایک اضافی صفت ہے۔

اس کے بعد اگر کوئی شخص فناء سے یہ مراد لیتا ہے' بقاء کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو یہ بھی درست ہے۔ اور اگر بقاء سے یہ مراد لیتا ہے' فناء کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے' تو یہ بھی درست ہے۔ کیونکہ فناء سے اس کی مراد غیر کے ذکر کی فناء ہے اور بقاء سے اس کی مراد حق تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ باقی ہونا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' انسان کی مراد فانی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد باقی ہوتی ہے۔ تو جب تم اپنی مراد کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ گے' تو تمہاری مراد فانی ہوگی اور فنا کے ساتھ اس کا قیام ہوگا' لیکن اگر تم حق تعالیٰ کی مراد کے ساتھ متصف ہو جاؤ گے' تو حق تعالیٰ کی مراد کے ساتھ باقی رہ جاؤ گے اور بقاء کے ساتھ باقی رہو گے۔

اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے' جو چیز آگ میں ڈال دی جائے گی' وہ آگ کی صفت کی وجہ سے وہی صفت اختیار کرے گی' جو آگ میں پائی جاتی ہے۔

تو جب آگ کی صفت کا غالب ہونا' اس چیز کی صفت کو تبدیل کر دیتا ہے' تو اللہ تعالیٰ کے ارادے کا غالب ہونا آگ کے غلبے سے بدرجہ اولیٰ بہتر ہے۔ تاہم یہ یاد رہے' آگ کا یہ تصرف لوہے کی صفت میں ہے' لوہے کی ذات میں نہیں ہے' کیونکہ لوہا بذاتِ خود آگ نہیں بن جاتا ہے' باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

فصل: فناء اور بقاء کے بارے میں مشائخ عظام کے بیان کردہ نکات

فناء اور بقاء کے بارے میں مشائخ نے بہت سے اہم نکات کی نشاندہی کی ہے۔

شیخ ابوسعید خراز کہتے ہیں:

اَلْفَنَاءُ فَنَاءُ الْعَبْدِ عَنْ رُؤْيَةِ الْعُبُوْدِيَّةِ وَالْبَقَاءُ بَقَاءُ الْعَبْدِ بِمُشَاهَدَةِ الْاِلٰهِيَّةِ

''فناء یہ ہے' انسان اپنی بندگی کو دیکھنے سے فانی ہو جائے اور بقاء یہ ہے' وہ اپنے معبود کے مشاہدے کے ساتھ باقی ہو''۔

شیخ خراز کے قول کی وضاحت

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' اپنے افعال میں بندگی کو دیکھنا ناپختہ ہونے کی علامت ہے۔ انسان بندگی کی حقیقت تک اس وقت پہنچتا ہے جب اس کی نگاہ اپنے عمل کی طرف نہیں جاتی اور اپنے عمل کو دیکھنے سے فانی ہو جاتی ہے' اس وقت انسان صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر نگاہ رکھتا ہے اور اس کیفیت کے ساتھ باقی ہوتا ہے' یہاں تک کہ وہ اپنے تمام افعال اور اعمال کی نسبت اپنی ذات کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' جب تک انسان کا فعل اس کے اپنے عمل کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے' اس وقت تک وہ ناقص ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا تصرف اس کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے' تو وہ کامل بن جاتا ہے' تو انسان جب اپنے متعلقات سے فانی ہو جاتا ہے' تو وہ الوہیت کے حسن کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔

شیخ ابو یعقوب نہر جوری بیان کرتے ہیں:

صِحَّةُ الْعُبُوْدِيَّةِ فِي الْفَنَاءِ وَالْبَقَاءِ ''بندگی کی درستگی فناء اور بقاء میں ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' جب تک انسان اپنے حصے اور تعلق سے بری الذمہ ہونے کا اظہار نہیں کرتا' اس وقت تک وہ خلوص کے ساتھ عبادت کے لائق نہیں ہوتا تو جس طرح اپنے حصے سے بَری ہونا فناء ہے' اسی طرح بندگی میں اخلاص بقاء ہے۔

شیخ ابراہیم بن شیبان فرماتے ہیں:

عِلْمُ الْفَنَاءِ وَالْبَقَاءِ يَدُوْرُ عَلَى الْإِخْلَاصِ وَالْوَحْدَانِيَّةِ وَصِحَّةِ الْعُبُوْدِيَّةِ وَمَا كَانَ غَيْرَ هٰذَا فَهُوَ الْمَغَالِيْطُ وَالزَّنْدَقَةُ

''فناء اور بقاء کا علم وحدانیت کے بارے میں خالص اعتقاد اور بندگی کی صحت پر موقوف ہے' اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ غلطی اور بے دینی ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' جب انسان خدا کی وحدانیت کا اقرار کر لیتا ہے' تو اس وقت وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند سمجھتا ہے' اور خود کو مغلوب سمجھتا ہے' تو مغلوب شخص اپنے غالب کے غلبے کے مقابلے میں فانی کی طرح ہوتا ہے' جب اس حوالے سے اس کی فناء درست ہو جاتی ہے' تو وہ اپنے عاجز ہونے کا اعتراف کرتا ہے اور اس وقت اس کے پاس بندگی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہوتا' اس وقت اس شخص کی رسائی درگاہِ رضا تک ہو جاتی ہے۔ جو لوگ فناء اور بقاء کے ذریعے دوسرے معانی مراد لیتے ہیں' یعنی فناء سے مراد وجود کا فانی ہونا اور بقاء سے مراد وجود کا باقی ہونا ہے' وہ کھلی

گمراہی میں مبتلا ہیں اور یہ عیسائیوں کا مذہب ہے جیسا کہ یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تمام اقوال اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہیں' صرف عبارت اور الفاظ کے حوالے سے ان میں فرق پایا جاتا ہے اور ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے' انسان جب اپنی ہستی سے فنا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی عظمت کے مشاہدے میں مشغول ہو جاتا ہے' تو اس دیدار کے غلبے میں وہ دنیا اور آخرت کو فراموش کر دیتا ہے۔ اس وقت اس کی نگاہ میں احوال اور مقامات بے حیثیت ہو جاتے ہیں اس کے احوال سے کرامات ختم ہو جاتی ہیں' اس کی عقل اور اس کا نفس فانی ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ فناء سے بھی فانی ہو جاتا ہے' اور اس فناء کی حقیقت میں اس کی زبان حق کے ساتھ کلام کرنے لگتی ہے اور اس کا جسم عاجزی اور انکساری اختیار کر لیتا ہے۔

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد' ان کی پشت میں ظہور کے وقت' بندگی کے اقرار میں' تمام آفات سے پاک تھی۔

یہی وجہ ہے' ایک بزرگ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

لَا کُنْتُ اِنْ کُنْتُ اَدْرِیْ کَیْفَ السَّبِیْلُ اِلَیْکَا
اَفْنَیْتَنِیْ عَنْ جَمِیْعِیْ فَصِرْتُ اَبْکِیْ عَلَیْکَا

''اگر مجھے تجھ تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ پتا ہوتا تو میں سب سے پہلے اپنے آپ کو فناء کر دیتا اور تیری یاد میں روتا رہتا''۔

ایک اور بزرگ نے یہ شعر کہا ہے:

فَفِیْ فَنَائِیْ فَنَاءُ فَنَائِیْ
وَفِیْ فَنَائِیْ وَجَدْتُّ اَنْتَ
مَحَوْتُ اِسْمِیْ وَرَسْمَ جِسْمِیْ
سَأَلْتَ عَنِّیْ فَقُلْتُ اَنْتَ

''میری فناء میں میری اپنی فناء ہے اور خود کو فناء کرنے سے تو مل جاتا ہے' اس لیے میں نے اپنے نام اور اپنے جسم کی علامات کو مٹا دیا ہے' اگر تو مجھ سے میرے بارے میں دریافت کرتا ہے' تو میں یہ کہوں گا' یہ تو ہی ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ فناء اور بقاء کے احکام تھے' جو میں نے فقر اور تصوف کے بارے میں مختصر طور پر بیان کر دیئے ہیں' میں نے جہاں کہیں بھی فناء اور بقاء کے بارے میں بات کی ہے' اس سے مراد یہی ہے۔

خرازی مسلک سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا بنیادی اصول یہی ہے اور شیخ ابوسعید خراز کی اصل حالت بھی یہی تھی' یہ

بہترین فصل ہے اور ایسی فصل جو وصل کی دلیل ہو' وہ بے اصل نہیں ہوتی۔

ارباب طریقت کے ہاں یہ بات بہت مشہور ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے اور آخر کار اسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔

خفیفی مکتبہ فکر

اس مکتبہ فکر کے افراد شیخ ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی کے پیروکار ہیں۔ جن کا شمار طریقت کے اکابر بزرگوں اور اپنے زمانے کے بے مثال لوگوں میں ہوتا ہے' وہ ظاہری اور باطنی علوم کے عالم تھے' انہوں نے علم طریقت کے بارے میں کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔

شیخ ابوعبداللہ شیرازی کا تعارف

مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے' وہ اپنے زمانے کی نادر شخصیت تھے۔ پاکیزہ نفس کے مالک تھے' نفسانی خواہشات کی پیروی سے الگ تھے۔ یہ بات منقول ہے' انہوں نے (یکے بعد دیگرے مختلف اوقات میں) چار سو نکاح کیے تھے' اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جب انہوں نے توبہ کر لی تو شیراز کے لوگ ان کے عقیدت مند بن گئے' جب ان کی حالت میں ترقی ہوئی تو حکمرانوں اور رؤساء کی صاحبزادیاں برکت کے حصول کے لیے ان کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش مند ہوئیں۔ آپ ہر رشتہ قبول کر کے لڑکی کے ساتھ شادی کر لیتے تھے لیکن پھر اسے چھوئے بغیر اسے طلاق دے دیا کرتے تھے۔ تاہم چالیس خواتین ایسی ہیں جو مختلف اوقات میں' یعنی ایک ہی وقت میں دو یا تین کی صورت میں' کچھ عرصہ آپ کے ساتھ رہی ہیں' آپ کی تمام بیویوں میں سے ایک اہلیہ محترمہ چالیس سال تک آپ کے ساتھ رہیں' وہ خاتون کسی وزیر کی صاحبزادی تھیں۔

شیخ ابوالحسن علی بن بکران شیرازی بیان کرتے ہیں: کچھ ایسی خواتین جو آپ کے نکاح میں رہ چکی تھیں (اور آپ نے انہیں چھوئے بغیر طلاق دے دی تھی) ایک مرتبہ وہ اکٹھی ہوئیں' آپ کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو ان سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ شیخ نے خلوت کے دوران کبھی بھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی جو شہوت پر مبنی قرار دی جا سکے' اس حوالے سے وہ سب بہت حیران ہوئیں' کیونکہ پہلے ان کا خیال تھا' شاید شیخ نے صرف اسی ایک خاتون کے ساتھ ایسا نہیں کیا ہوگا (لیکن اب پتہ چلا کہ شیخ نے اپنی کسی بھی اہلیہ کو نہیں چھوا تھا) پھر انہوں نے یہ مشورہ کیا کہ شیخ کی ایک اہلیہ جو وزیر کی صاحبزادی ہیں' وہ کئی سال سے ان کے ساتھ ہیں اور اپنی تمام بیویوں سے وہ انہیں زیادہ محبوب ہیں' اس لیے شیخ کی کیفیت کے بارے میں وہ صحیح طور بیان کر سکیں گی۔ تو انہوں نے دو خواتین کو منتخب کیا اور اس خاتون کے پاس بھیج دیا جو وزیر کی صاحبزادی تھیں اور شیخ کی اہلیہ تھیں۔ ان خواتین نے اس خاتون سے یہ کہا' شیخ آپ سے بہت بے تکلف ہیں۔ آپ ہمیں ان کی حقیقت کے بارے

میں بتائیں (یعنی آپ کے ساتھ ان کے تعلق کی نوعیت کیا ہے؟) تو اس خاتون نے بتایا: جب شیخ کے ساتھ میری شادی ہوئی تو مجھے بتایا گیا کہ آج رات شیخ تمہارے پاس تشریف لائیں گے۔ میں نے عمدہ کھانا تیار کیا' خوب بناؤ سنگھار کیا' جب شیخ تشریف لائے تو میں نے کھانا ان کے سامنے پیش کیا۔ میں ان کے سامنے آئی تو انہوں نے ایک نظر اُٹھا کر مجھے دیکھا' پھر ایک نظر اُٹھا کر دسترخوان پر موجود کھانے کو دیکھا' پھر انہوں نے میرا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے گریبان کے اندر ڈال لیا تو مجھے محسوس ہوا' ان کے سینے سے لے کر ناف تک کے حصے پر پندرہ گرہیں پڑی ہوئی ہیں۔ انہوں نے فرمایا: اے وزیر کی بیٹی! تم مجھ سے پوچھو کہ یہ گرہیں کس وجہ سے ہیں؟ میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ سب سوزش اور صبر کی شدت کی وجہ سے ہیں' جو گرہوں کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ میں نے ہمیشہ ایسے چہروں اور ایسے کھانوں کے حوالے سے صبر کیا ہے۔ انہوں نے یہ کہا اور پھر اُٹھ کر چلے گئے۔ (وہ خاتون بیان کرتی ہیں:) میرے ساتھ ان کی سب سے زیادہ بے تکلفی یہی تھی۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تصوف میں شیخ کے مسلک کی بنیادی خصوصیت غیبت اور حضور کے بارے میں ان کا نظریہ ہے' انہوں نے زیادہ تر اسی کو بیان کیا ہے' اب میں اپنی صلاحیت کے مطابق اسے بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

غیبت اور حضور کی بحث

یہ ایسے الفاظ ہیں' جو مقصود کا حقیقی مفہوم بیان کرنے کے حوالے سے اُلٹ ہو جاتے ہیں' اور ایک دوسرے سے متضاد محسوس ہوتے ہیں۔ اہلِ زبان ان الفاظ کو استعمال کرتے ہیں۔ حضور سے مراد دل کا اس طرح حاضر ہونا ہے' جس میں یقینی دلالت پائی جاتی ہو۔ یہاں تک کہ غیبت بھی عینی حکم کی مانند ہو جائے اور غیبت سے مراد ماسوی اللہ سے دل کی غیبت ہے یہاں تک کہ انسان اپنے آپ سے بھی غائب ہو جائے بلکہ اپنی غیبت سے بھی غائب ہو جائے تاکہ وہ اپنی غیبت کی طرف خود بھی توجہ نہ کر سکے۔ اس کی نشانی یہ ہے' ظاہری رسوم سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔ تو اسی طرح طالب بھی اپنے آپ سے غائب ہو کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہے اور یہ بات ظاہر ہے' جو شخص حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا' وہ اپنی ذات کے حوالے سے ضرور غائب ہوگا' کیونکہ دل کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ تو جب حق کے جذبے کی کشش طالب پر غلبہ پا لیتی ہے' تو پھر اس کے نزدیک دل کی غیبت بھی حضوری کی طرح ہو جاتی ہے اور اس وقت شرکت اور تقسیم ختم ہو جاتی ہے۔ اس وقت انسان اپنی کسی حرکت یا فعل کو اپنی طرف منسوب کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

ایک بزرگ کا قول

کسی بزرگ نے کہا ہے:

وَلِـيْ فُـؤَادٌ وَّاَنْـتَ مَـالِـكُـهٗ
بِلَا شَـرِيْكٍ فَـكَيْفَ يَـنْـقَسِـمُ

''دل تو میرا ہے' لیکن اس کے مالک تم ہو' تمہارا اس میں کوئی شریک نہیں ہے' تو پھر یہ تقسیم کیسے ہوسکتا ہے (یعنی اس میں صرف تمہاری ہی محبت اور حکومت رہے گی)''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تو جب دل کا مالک اللہ تعالیٰ ہوتا ہے' تو اس وقت انسان اپنی ذات سے غائب ہو یا موجود ہو' انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے قبضے اور تصرف میں ہوتا ہے۔ غور وفکر کیا جائے تو یہی چیز بنیاد اور حقیقت ہے' مشائخ بھی اسی بات کے قائل ہیں لیکن جہاں ان کے درمیان اختلاف سامنے آیا ہے' وہاں اختلاف اس حوالے سے ہے' بعض مشائخ حضوری کی کیفیت کو غیبت پر مقدم قرار دیتے ہیں' جبکہ بعض دوسرے مشائخ غیبت کی کیفیت کو حضوری پر ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم سکر اور صحو کے بیان میں اس بات کو ذکر کر چکے ہیں۔

فرق یہ ہے' صحو اور سکر کی کیفیات بشری صفات کے باقی رہنے کی نشاندہی کرتی ہیں' جبکہ غیبت اور حضوری کی کیفیت بشری صفات کے فناء ہو جانے کی اطلاع دیتی ہیں۔ اس لیے تحقیق کے میدان میں یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔

جن مشائخ نے غیبت کی کیفیت کو حضوری کی کیفیت پر مقدم قرار دیا ہے' ان میں شیخ ابن عطاء' حسین بن منصور' ابوبکر شبلی' بندار بن حسین' ابوحمزہ بغدادی اور شیخ سمنون المحب رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔

بعض اہلِ عراق کا موقف

اہلِ عراق کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے' حق کے راستے میں سب سے بڑا حجاب انسان خود ہوتا ہے' تو جب تم اپنے آپ سے غائب ہو جاؤ گے' تو تمہارے وجود کو ثابت کرنے والی چیزیں بھی فناء ہو جائیں گی' تمہاری باطنی حالت تبدیل ہو جائے گی' مریدین کے تمام تر مقامات تمہارے لیے حجاب کی حیثیت اختیار کر جائیں گے۔ طالبان راہِ حقیقت کے تمام تر احوال تمہارے لیے آفت بن جائیں گے' اسرار تمہارے لیے زنار کی حیثیت کر جائیں گے' اور موجودات تمہاری ہمت (یعنی قصد) کے سامنے ذلیل اور خوار محسوس ہوں گے' آنکھ اپنے آپ سے اور غیر سے بند ہو جائے گی (یعنی لاتعلق ہو جائے گی) جبکہ تمام بشری اوصاف' قربت کی آگ میں جل جائیں گے۔

اس وقت ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے گی' گویا اللہ تعالیٰ نے تمہاری غیبت کی حالت میں تمہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کے تمہیں اپنا عظیم کلام سنایا' پھر تمہیں توحید کی خلعت اور مشاہدۂ حق کے لباس سے سرفراز کیا' تو جب تک تم اپنے آپ سے غائب رہے' اس وقت تک کسی حجاب کے بغیر حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر رہے اور پھر جب تمہاری توجہ اپنی ذاتی صفات کی طرف مبذول ہوئی تو تم دنیا میں آ گئے۔ اور حق تعالیٰ کی بارگاہ کی قربت سے غائب ہو گئے۔ لہٰذا تمہاری ہلاکت تمہارے اپنے وجود کی طرف دیکھنے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی مراد ہے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام: ۹۴)

''اور تم ہمارے پاس اسی طرح الگ الگ آؤ گے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا''۔

شیخ حارث محاسبی' جنید بغدادی' سہیل بن عبداللہ تستری' شیخ ابوحفص حداد' شیخ ابوصالح حمدون قصار' شیخ ابومحمد جریری اور شیخ ابوالحسن حصری (رحمۃ اللہ علیہم) سمیت اس مسلک کے بانی شیخ محمد بن خفیف اور بعض دیگر صوفیاء اس بات پر متفق ہیں' حضوری کی کیفیت' غیبت کی کیفیت سے مقدم ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام تر خوبیاں حضوری کی کیفیت سے وابستہ ہیں۔ اپنے آپ سے غائب ہونا تو حق کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا راستہ ہے' تو جب حضوری کی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے' تو راستہ آفت بن جایا کرتا ہے۔ اس لیے جو شخص اپنے آپ سے غائب ہوگا' وہ لازمی طور پر حق کے ساتھ حاضر ہوگا' غیبت کا فائدہ حضوری ہے' حضوری کے بغیر غیبت جنون ہے' یا مغلوبیت اور ہلاکت ہے۔ اس لیے یہ بات ضروری ہے' غفلت کو ترک کیا جائے تاکہ غیبت کا اصل مقصد یعنی حضوری نصیب ہو جائے اور جب مقصد حاصل ہو جایا کرتا ہے' تو سبب خود بخود بے فائدہ قرار پاتا ہے۔

غائب کون ہوتا ہے؟

اسی لیے یہ کہا گیا ہے:

لَيْسَ الْغَائِبُ مَنْ غَابَ مِنَ الْبِلَادِ
اِنَّمَا الْغَائِبُ مَنْ غَابَ مِنَ الْمُرَادِ
وَلَيْسَ الْحَاضِرُ مَنْ لَّيْسَ لَهٗ مُرَادُ
اِنَّمَا الْحَاضِرُ مَنْ لَّيْسَ لَهُ الْفُؤَادُ
حَتّٰى اسْتَقَرَّ فِيْهِ الْمُرَادُ

''غائب وہ شخص نہیں ہوتا جو شہر میں موجود نہ ہو' غائب وہ شخص ہوتا ہے جو مراد حاصل نہ کر پائے اور حاضر وہ شخص نہیں ہوتا جس کی کوئی مراد نہ ہو' حاضر وہ ہوتا ہے' جس میں دل ہی نہیں ہوتا' جہاں کوئی مراد (یا آرزو) اپنی جگہ بنا سکے''۔

اسی حوالے سے کسی شاعر نے یہ بھی کہا ہے:

مَنْ لَّمْ يَكُنْ فَانِيًا عَنْ نَفْسِهٖ
وَعَنِ الْهَوٰى بِالْاِنْسِ وَالْاَحْبَابِ
فَكَاَنَّهٗ بَيْنَ الْمَرَاتِبِ وَاقِفٌ
لِمَنَالِ حَظٍّ اَوْ لِحُسْنِ مَآبٍ

''جو شخص تمہارے لیے اپنی ذات' اپنی خواہشات اور اپنے دوست احباب سے فانی ہوتا ہے' تو گویا وہ اپنے

فائدے کے حصول اور بہترین انجام کے لیے مراتب کے درمیان کہیں ٹھہرا ہوا ہے''۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا مقام حیرت

یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرنے کے لیے گیا' جب وہ ان کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے بایزید بسطامی نے دریافت کیا: تم کون ہو اور کس سے ملنا چاہتے ہو؟ اُس نے جواب دیا: میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنا چاہتا ہوں' تو انہوں نے فرمایا: بایزید کون ہے؟ وہ کہاں رہتا ہے؟ وہ ہے کیا چیز؟ میں تو خود ایک مدت سے بایزید کو ڈھونڈ رہا ہوں' لیکن وہ مجھے بھی نہیں مل سکا۔

جب وہ شخص واپس گیا تو اس نے شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ واقعہ سنایا تو ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا:

اَخِیْ بُوْیَزِیْدَ ذَھَبَ فِیْ الذَّاھِبِیْنَ اِلَی اللہِ

''میرا بھائی بایزید اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والوں کے ساتھ چلا گیا ہے''۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام حیرت

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور بولا: آپ میری طرف توجہ کریں تاکہ میں آپ سے کچھ بات چیت کروں' تو انہوں نے فرمایا: اے شخص! تم نے مجھ سے ایک ایسی چیز کا مطالبہ کیا ہے' جسے میں خود ایک عرصے سے تلاش کر رہا ہوں' میں کئی سال سے اس خواہش کا شکار ہوں کہ میں ایک لمحے کے لیے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں لیکن مجھے حضوری کی یہ کیفیت نصیب نہیں ہوئی تو تمہارے ساتھ میں گھڑی بھر کے لیے کیسے حاضر رہ سکتا ہوں؟

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) لہٰذا غیبت کی کیفیت میں حجاب کی وحشت ہوتی ہے' جبکہ حضوری کی کیفیت میں کشف کی راحت ہوتی ہے' اور کسی بھی صورت میں کشف' حجاب کی مانند نہیں ہو سکتا (بلکہ کشف افضل ہوتا ہے)۔

شیخ ابوسعید فرماتے ہیں:

تَقَشَّعُ غَیْمُ الْھَجْرِ عَنْ قَمَرِ الْحُبِّ
وَاَسْفَرَ نُوْرُ الصُّبْحِ عَنْ ظُلْمَةِ الْغَیْبِ

''محبت کے چاند (کے ساتھ) ہجر کے بادل چھٹ گئے ہیں اور غیبت کی کیفیت کی تاریکی سے (حضوری کی کیفیت) کی صبح کا نور روشن ہو گیا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس اختلاف کے بارے میں مشائخ نے اپنے احوال کا بھی تذکرہ کیا ہے اور عبارات کے اندر بھی اس بارے میں بحث وتمحیص کی ہے۔ اور یہ تقریباً ایک ہی بات ہے' انسان حق کی بارگاہ میں حضوری کی کیفیت میں ہو یا اپنے آپ سے غائب ہونے کی کیفیت میں ہو' کیونکہ جو شخص اپنے آپ سے غائب نہیں ہو سکتا وہ حق کی بارگاہ میں

حاضر بھی نہیں ہو سکتا اور جو شخص بھی حق کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے وہ اپنے آپ سے غائب بھی ہوتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی فریاد

جیسے مصائب اور آلام کے وقت حضرت ایوب علیہ السلام نے جو فریاد کی تھی وہ اپنی ذات کے ساتھ حاضر ہونے کی کیفیت میں نہیں تھی کیونکہ وہ اس وقت اس حالت میں اپنے آپ سے غائب تھے یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس جزع کو صبر سے الگ قرار نہیں دیا اور فرمایا (حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا):

"اَنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ" (الانبیاء:۸۳)

"مجھے تکلیف لاحق ہوئی ہے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے"۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ فرمایا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ (الانبیاء:۸۴)

"ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا اور اس کی تکلیف کو ختم کر دیا"۔

تو اس قصے سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے تم اس بارے میں غور و فکر کرو تاکہ یہ بات سمجھ میں آ جائے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف کیفیات

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ مجھ پر ایک ایسا وقت بھی گزرا جب زمین اور آسمان والے میری پریشانی اور حیرانگی پر رویا کرتے تھے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ مجھے ان کی غیبت کی کیفیت پر رونا آیا کرتا اور اب یہ کیفیت ہے مجھے نہ ان کے بارے میں کچھ پتہ ہے نہ اپنے بارے میں کچھ پتہ ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) حق کی بارگاہ میں حضوری کی کیفیت کے حوالے سے یہ سب سے بہترین اشارہ ہے غیبت اور حضوری کے مفاہیم کی وضاحت کے بارے میں یہ مختصر بیان تھا جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کے ذریعے آپ کو خفیفی مکتبہ فکر کے نقطۂ نظر کا بھی پتہ چل جائے گا اور اس بات کا بھی پتہ چل جائے گا کہ صوفیاء غیبت اور حضوری کی اصطلاح کے ذریعے کیا مفہوم مراد لیتے ہیں؟ اگر اس کی مزید تشریح کی جاتی تو اس کے نتیجے میں کتاب طویل ہو جاتی تھی۔ اس لیے میں صرف اسی پہ اکتفاء کروں گا جو میری کتاب (کی تصنیف میں) میرا طریقۂ کار ہے (یعنی مختصر طور پر معاملات کو بیان کر دیا جائے)۔

سیّاری مکتبہ فکر

"سیّاری" مکتبہ فکر کی نسبت شیخ ابو العباس سیاری کی طرف ہے جو اپنے زمانے میں "مرو" (شہر کے) امام تھے۔ وہ شیخ ابوبکر واسطی کے شاگرد ہیں اس وقت بھی نساء اور مرو میں ان کے بہت سے شاگرد موجود ہیں۔ اس وقت صوفیاء کے مکاتبِ

فکر میں صرف ان کا مکتبہ فکر ایسا ہے' جو اپنی اصل حالت میں برقرار ہے۔ یعنی مرو اور نسا میں ہر وقت کوئی نہ کوئی پیشوا موجود ہوتا ہے اور یہ حضرات آج تک اس مکتبہ فکر کی روایات کی پاسداری کرتے ہیں' ان کے شاگردوں میں سے مرو کے رہنے والوں نے نساء کے رہنے والوں سے بڑی بہترین خط و کتابت بھی کی ہے۔ جو خطوط کی شکل میں ہے' میں نے مرو میں ایسے خطوط دیکھے ہیں' جو انتہائی دلچسپ اور عمدہ تھے' عام طور پر ان کا موضوع جمع اور تفرقہ ہوتا تھا۔

جمع اور تفرقہ کی اصطلاح

یہ الفاظ بہت سے علوم میں استعمال ہوتے ہیں' اور ہر فن کے ماہرین اسے مخصوص اصطلاح کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ علمِ حساب کے ماہرین کے نزدیک اس سے مراد اعداد کو جمع کرنا یا ان کے درمیان تفریق کرنا ہے۔ علم نحو کے ماہرین کے نزدیک اس سے مراد اسماء کو جمع کرنے اور ان کے معانی کو الگ کر کے مراد لینا ہے' فقہاء کے نزدیک جمع سے مراد قیاس اور تفرقہ سے مراد نص کی صفات کا جمع یا الگ ہونا ہے یا اس کے برعکس ہے۔ علمِ اصول (یعنی علمِ کلام) کے ماہرین کے نزدیک جمع سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات ہیں اور تفرقہ سے مراد وہ صفات ہیں جن کا تعلق فعل سے ہوتا ہے' لیکن صوفیاء کے نزدیک اس سے یہ مفہوم مراد نہیں ہے' جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اس لیے صوفیاء اس سے جو مفہوم مراد لیتے ہیں' میں اس کا تذکرہ کروں گا اور اس حوالے سے مشائخ کا اختلاف بھی ذکر کروں گا' تا کہ تم ان اصطلاحات کی حقیقت سے واقف ہو جاؤ اور مشائخِ طریقت ان الفاظ سے کیا مراد لیتے ہیں؟ اس کے مفہوم سے آشنا ہو جاؤ۔

جمع اور تفرقہ کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے جب دعوت دینے کا ذکر کیا تو تمام مخلوق کو اس میں جمع کر دیا (یعنی سب کو مخاطب کیا) اور ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (یونس:۲۵) ''اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر (یعنی جنت) کی طرف دعوت دیتا ہے''۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا تذکرہ کیا تو اسے تفریق کے طور پر ذکر کیا (یعنی اس بارے میں انسانوں کے درمیان فرق کر دیا) اور ارشاد فرمایا:

وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (یونس:۲۵)

''اور وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت نصیب کرتا ہے''۔

تو اللہ تعالیٰ نے دعوت کے حوالے سے ساری مخلوق کو ایک ساتھ شامل کیا' لیکن پھر اپنی مشیت کے اظہار کے لیے ان کے درمیان ایک گروہ کو اختیار کیا' پہلے سب کو حکم دیا اور پھر ان کے درمیان فرق کر دیا' ایک گروہ کو ذلت اور خواری کے ساتھ دور کر دیا اور دوسرے کو توفیق عطا کر کے مقبول بنا دیا۔ گویا ''نہی'' کے حوالے سے انہیں ''جمع'' کیا اور ''امر'' کے حوالے سے ان کو الگ' الگ کر دیا' اس نے ایک گروہ کو عصمت عطا کی اور ایک گروہ کو آفت کی طرف میلان دیا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تو اسی مفہوم کے اعتبار سے ''جمع'' کی اصطلاح اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی مراد کی حقیقت اور اس کا سِرّ ہے' جبکہ تفرقہ کی اصطلاح اللہ کے حکم کا اظہار ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا:

''اسمٰعیل کو ذبح کردو''۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ وہ ایسا نہ کریں۔

اس نے ابلیس کو یہ حکم دیا ''تم آدم کو سجدہ کرو'' لیکن اس کی مشیت یہ تھی کہ وہ ایسا نہ کرے اور ابلیس نے ایسا نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم دیا: ''گندم نہ کھانا'' لیکن اس کی مشیت یہ تھی کہ وہ گندم کھالیں۔

تو اس طرح کی مثالیں بہت سی ہیں۔

(یہ کہا گیا ہے:)

اَلْجَمْعُ مَاجَمَعَ بِاَوْصَافِهٖ وَالتَّفْرِقَةُ مَافَرَّقَ بِاَفْعَالِهٖ

''جمع وہ ہے' جسے وہ اپنے اوصاف کے حوالے سے اکٹھا کردے اور تفرقہ وہ ہے' جسے وہ اپنے افعال کے ذریعے الگ' الگ کردے''۔

اس کا مطلب یہ ہے' انسان اللہ تعالیٰ کی مشیت کے اثبات کے لیے اپنی ذاتی خواہش اور مخلوق میں اپنے تصرف کو ترک کردے۔

اس اصطلاح کا اطلاق

جمع اور تفرقہ کے بارے میں ہم نے جو گفتگو کی ہے' اس بارے میں تمام اہل سنت والجماعت' صوفیائے کرام کے ساتھ متفق ہیں' صرف معتزلہ کی رائے اس حوالے سے مختلف ہے۔ تاہم ان الفاظ کے استعمال کے حوالے سے کچھ اختلاف موجود ہے۔

بعض حضرات نے اسے توحید کے لیے استعمال کیا ہے' جبکہ بعض نے اسے صفات کے لیے استعمال کیا ہے' جبکہ بعض نے اسے افعال کے لیے استعمال کیا ہے۔

ایک گروہ کے نزدیک یہ دونوں الفاظ توحید کے لیے استعمال ہوتے ہیں' یہ حضرات کہتے ہیں' ''جمع'' کے دو درجے ہیں' ایک حق تعالیٰ کی صفت ہے' دوسری بندے کی صفت ہے' جس درجے کا تعلق حق تعالیٰ کی صفت سے ہے وہ توحید کا ''سِرّ'' ہے' جس کے بارے میں بندوں کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے جبکہ جو درجہ بندے کی صفت ہے' اس سے مراد عقیدے کا سچا ہونا اور عزیمت کا درست ہونا ہے' یہ شیخ بوعلی رودباری کا موقف ہے۔

دوسرے فریق کا یہ کہنا ہے: یہ وہ لوگ ہیں' جو اس اصطلاح کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے لیے استعمال کرتے ہیں' جو اس

بات کے قائل ہیں' جمع سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں اور تفرقہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا فعل ہے' انسان کے قصد کا اس فعل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے' کیونکہ معبود ہونے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے مقابل کوئی نہیں آ سکتا (یعنی مرضی صرف اللہ تعالیٰ کی چل سکتی ہے) اس لیے جمع سے مراد اس کی ذات وصفات ہوں گی' اس کی وجہ یہ ہے:

''اَلْجَمْعُ اَلتَّسْوِيَةُ فِي الْاَصْلِ'' ''اصل کے اعتبار سے جمع کا مطلب برابر کرنا ہوتا ہے''۔

تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے علاوہ اور کوئی بھی چیز قدیم نہیں ہے اور عبارات (یعنی لفظی بحث) ان کے درمیان فرق کرنے کے حوالے سے اور ان کی تفصیلات کے حوالے سے مخلوق (یعنی اہل علم) کا اتفاق نہیں ہے (یعنی ذات و صفات کے مسائل میں جزوی اور فروعی اختلافات پائے جاتے ہیں)۔ اس کا مطلب یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں اور اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ اُس کی ذات اور صفات الگ نہیں ہوسکتیں' اس کی وجہ یہ ہے' وحدانیت میں فرق نہیں ہوسکتا اور وہ متعدد نہیں ہوسکتی ہیں۔ اس لیے اس حوالے سے اس مفہوم کے علاوہ اور کوئی اختلاف نہیں کیا جاسکتا۔

حکم الٰہی میں تفرقہ

حکم کے اعتبار سے' اللہ تعالیٰ کے افعال میں فرق ہوسکتا ہے' یعنی ایک کو وجود کا حکم ہو اور دوسرے کو عدم کا ہو۔ لیکن ایسا عدم جس کے لیے وجود ممکن ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک کو فنا کا حکم ہو اور دوسرے کو بقاء کا ہو۔

بعض حضرات نے تفرقہ کا تعلق حکم کی بجائے (علم سے کیا ہے) ان کا یہ کہنا ہے:

اَلْجَمْعُ عِلْمُ التَّوْحِيْدِ وَالتَّفْرِقَةُ عِلْمُ الْاَحْكَامِ

''جمع سے مراد توحید کا علم حاصل کرنا ہے اور تفرقہ سے مراد احکام کا علم حاصل کرنا ہے''۔

ایک بزرگ نے یہ بات بیان کی ہے' جمع سے مراد وہ اُمور ہیں جن پر اہلِ علم کا اتفاق پایا جاتا ہے۔ اور تفرقہ سے مراد وہ اُمور ہیں جن کے بارے میں اہلِ علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

پھر تمام محققین صوفیاء' اللہ تعالیٰ انہیں شاد و آباد رکھے! ان کی عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے' انسان کسب کے ذریعے جو چیز حاصل کرتا ہے وہ مقامِ تفرقہ ہوتا ہے' اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ کے طور پر ملتی ہے' وہ مقامِ جمع ہوتا ہے۔ یعنی (تفرقہ کا مقام) مجاہدہ ہے اور جمع (کا مقام مشاہدہ ہے) تو انسان جب تک مجاہدے کے طور پر کوشش کرتا رہتا ہے' تو اس وقت تک تفرقہ کے مقام پر ہوتا ہے اور جب انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہونے لگتی ہے' اس وقت وہ مقامِ جمع تک پہنچ جاتا ہے' انسان کی عزت اس بات میں ہے' وہ اپنے احوال اور اپنے مجاہدے میں اللہ تعالیٰ کے جمال کی مہربانی سے فعل کی آفت سے محفوظ ہو جائے' اور اپنے تمام افعال کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم میں ڈوبا ہوا پائے۔ اور اپنی ہدایت کے حوالے سے اپنے مجاہدے کو کچھ نہ سمجھے۔ اور مکمل طور پر حق کے ساتھ قائم ہو جائے' اور یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے اوصاف

کو تبدیل کرنے والا ہے۔ اُس کے تمام افعال اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جائیں کہ وہ افعال میں اپنے تصرف کی نسبت سے خلاصی حاصل کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہمیں بتایا ہے:

لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبُّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّیَدًا وَّلِسَانًا بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَنْطِقُ وَبِیْ یَبْطِشُ

''جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کر لیتا ہے' تو میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اُس کی سماعت' اُس کی بصارت' اُس کا ہاتھ' اُس کی زبان بن جاتا ہوں۔ میری مدد سے وہ سنتا ہے' میری مدد سے وہ دیکھتا ہے' میری مدد سے وہ کلام کرتا ہے' میری مدد سے وہ کوئی چیز پکڑتا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:)

''جب بندہ مجاہدے کے ذریعے میرا قُرب حاصل کر لیتا ہے' تو میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں' اور اُس کی ہستی کو فناء کر دیتا ہوں اور اُس کے افعال سے اُس کی نسبت کو اُٹھا دیتا ہوں' تو پھر وہ جو کچھ بھی سنتا ہے میرے ذریعے سے سنتا ہے اور جو کچھ بھی کہتا ہے' میری مدد سے کہتا ہے اور جو کچھ بھی دیکھتا ہے' میری مدد سے دیکھتا ہے' جو کچھ بھی پکڑتا ہے' میری مدد سے پکڑتا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' وہ ہمارے ذکر میں ہمارے ذکر سے مغلوب ہو جاتا ہے' اور اُس ذکر میں اُس کا ذاتی کسب ختم ہو جاتا ہے' میرا ذکر ہی اُس کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا ہے' اور اس ذکر سے انسانی نسبت اس سے منتقل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اُس کا ذکر میرا ذکر بن جاتا ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ کیفیت اُس مقام تک پہنچ جاتی ہے' اس حالت کے غلبے میں انسان اُس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے' جس کے بارے میں بایزید (مخصوص حال میں یہ کہتے تھے:)

''سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ'' ''میں پاک ہوں' میں پاک ہوں' میری شان کتنی عظیم ہے''۔

حقیقت یہ ہے' انہوں نے الفاظ کے ذریعے اس چیز کو بیان کیا تھا لیکن کہنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی تھی۔

جیسے نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ ''حق عمر کی زبان پر کلام کرتا ہے''۔

انسان کا بولنا' حق کا بولنا ہوتا ہے

اس کی حقیقت یہ ہے' جب اللہ تعالیٰ کا جلال انسان پر اپنا غلبہ اور تصرف حاصل کر لیتا ہے' تو وہ انسان کو اس کی اپنی ہستی سے نکال دیتا ہے۔ اس وقت انسان کا بولنا حق تعالیٰ کا بولنا ہوتا ہے۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ وہ اپنی

مخلوق کے ساتھ مل جائے اور اُس کے ساتھ متحد ہو جائے یا ان میں حلول کر لے۔

تَعَالَى اللهُ عَنْ ذَالِكَ وَعَمَّا يَصِفُهُ الْمُلَاحِدَةُ عُلُوًّا كَبِيْرًا

اُس کی ذات ان سب چیزوں سے بلند و برتر (یعنی پاک) ہے' جو ان (بے دین) لوگوں نے اس کی طرف منسوب کی ہیں۔

مقام جمع کی مثال

تاہم یہ ہوسکتا ہے' انسان کی محبت اللہ تعالیٰ کے دل میں اس طرح سے غلبہ حاصل کرے' اُس محبت کے غلبے اور زیادتی کی وجہ سے انسان کی طبیعت یعنی (فطرت) زیرِ بار آ جائے۔ اور پھر انسان کے اپنے اختیار میں کچھ نہ رہے' یہ وہ مقام ہے' جسے ''جمع'' کا نام دیا جاتا ہے۔

اس کی مثال اس طرح ہے' جیسے نبی اکرم ﷺ ہر وقت محبتِ الٰہی میں مستغرق رہتے تھے' اور آپ اس کیفیت میں اس طرح سے مغلوب ہوتے تھے' ایک مرتبہ آپ سے ایک فعل ظاہر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اُس فعل کی نسبت آپ کی بجائے اپنی ذات کی طرف کی۔ اور فرمایا: یہ فعل اگر چہ تمہارے ہاتھ سے ظاہر ہوا ہے' لیکن یہ دراصل تمہارا فعل نہیں ہے بلکہ یہ ہمارا فعل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى (الانفال:۱۷)

''اور جب تم نے کنکریاں پھینکیں تو وہ تم نے نہیں پھینکیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں''۔

اسی طرح کا ایک فعل حضرت داؤد علیہ السلام سے صادر ہوا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ فرمایا:

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ (البقرۃ:۲۵۱) ''داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا''۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اس لیے منسوب کیا ہے' کیونکہ وہ اُس وقت تفرقہ کی حالت میں تھے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ان دونوں صورتوں کے درمیان فرق یہ ہے' ایک فعل کی نسبت بندے کی طرف کی گئی ہے جو خود محلِ حوادث اور محلِ آفات ہے' جبکہ دوسرے فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔

جو قدیم ہے اور تمام آفات سے پاک ہے۔

جب کسی انسان سے کوئی ایسا فعل صادر ہوتا ہے' جو عام انسانوں کے افعال سے تعلق نہ رکھتا ہو' یعنی (معجزہ یا کرامت ہو) تو اُس فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ تمام معجزات اور کرامت اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں' اس لیے تمام عام افعال تفرقہ کی حالت میں شمار ہوں گے۔ اور تمام خلافِ عادت افعال جمع کی کیفیت میں شمار ہوں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے' ایک ہی رات میں مقام قاب قوسین تک پہنچ جانا' عام عادت کے مطابق فعل نہیں ہے۔ اس لیے اس

کو اللہ تعالیٰ کے فعل کے علاوہ کچھ اور تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح آگ میں جا کر نہ جلنا بھی عام عادت کے مطابق فعل نہیں ہے' تو آگ میں جا کر نہ جلنا بھی' اللہ تعالیٰ کے فعل کے علاوہ کس طرح سے ممکن ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور اولیاء (کو معجزات اور کرامات) عطاء کیے ہیں اور اپنے فعل کو ان کی طرف اور اُن کے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اس لیے اُس کے دوستوں کا فعل خود اُس کا فعل شمار ہوتا ہے۔ اُن کی بیعت اُس کی بیعت شمار ہوتی ہے' اُن کی اطاعت کرنا اُس کی اطاعت شمار ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَا یِعُوْنَکَ اِنَّمَایُبَا یِعُوْنَ اللّٰہَ (الفتح:۱۰)

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے تمہاری بیعت کی' درحقیقت اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بیعت لی ہے''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء:۸۰)

''جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے''۔

تو اللہ تعالیٰ کے اولیاء اسرار میں ''حالتِ جمع'' میں ہوتے ہیں اور معاملات کے اظہار میں ''حالت تفرقہ'' میں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت باطن میں مستحکم ہو جاتی ہے اور بندگی کے حقوق ''حالتِ تفرقہ'' میں ادا کیے جاتے ہیں۔

''جمع'' کے بارے میں ایک بزرگ کا قول

حالتِ جمع کے بارے میں ایک بزرگ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

قَدْ تَحَقَّقْتَ بِسِرِّیْ فَنَاجَاکَ لِسَانِیْ
وَاجْتَمَعْنَا لِمَعَانٍ وَافْتَرَقْنَا لِمَعَانِیْ
فَلَئِنْ غَیَّبَکَ التَّعْظِیْمُ عَنْ لَحْظِ عَیَانِیْ
فَلَقَدْ صَیَّرَکَ الْوَاجِدُ مِنَ الْاَجْسَادِ اَمَانِیْ

''تو میرے باطن میں رچ بس گیا تو میری زبان نے تجھے پکارا تو کچھ باتیں ہمارے اندر جمع ہو گئیں اور کچھ باتوں میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ اگر تیری عظمت کی وجہ سے میں تیرے مشاہدے سے محروم رہا تو میرے وجدان نے تجھے اجسام سے بھی زیادہ قریب محسوس کیا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) (یہاں باطنی طور پر اکٹھے ہونے کو ''جمع'' اور زبانی طور پر بیان کرنے کو ''تفرقہ'' کہا گیا ہے) اور پھر جمع اور تفرقہ دونوں کی اپنے وجود میں نشان دہی کی گئی ہے۔ اور اس کی بنیاد خود اپنے آپ کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ کلام بہترین ہے۔

فصل: جمع وتفرقہ کی حقیقت کے بارے میں اختلاف

یہاں ہمارے اور ایک گروہ کے درمیان ایک اختلاف پایا جاتا ہے۔

وہ یہ کہتے ہیں' جہاں پر ''جمع'' کا اظہار ہوگا وہاں ''تفرقہ'' کی نفی مراد ہوگی۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں' تو جب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت غالب آ جائے گی' تو کسب اور مجاہدے کی ولایت ختم ہو جائے گی۔ اور یہ معطل ہو جائے گا کیونکہ جب تک بندے میں طاقت موجود ہے' اُس وقت تک اُس میں عمل اور مجاہدہ ختم نہیں ہوسکتا۔ اس لیے جمع' تفرقہ سے الگ نہیں ہوسکتی۔ جس طرح روشنی سورج سے' عرض' جوہر سے اور صفت' موصوف سے الگ نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح مجاہدہ' ہدایت سے شریعت' حقیقت سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اور دریافت' طلب سے الگ نہیں ہوسکتی' تاہم ایسا ہوسکتا ہے' کبھی مجاہدہ پہلے ہوتا ہے اور کبھی مجاہدہ بعد میں کروایا جاتا ہے۔ جہاں مجاہدہ پہلے ہوتا ہے' وہاں مجاہدہ کرنے والے کو مشقت اور محنت زیادہ محسوس ہوتی ہے' کیونکہ وہ غیبت کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور جہاں مجاہدہ بعد میں ہوتا ہے' وہاں کوئی رنج اور تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ حضوری کی کیفیت میں ہوتا ہے۔

جس شخص کا مشرب اعمال کی نفی پر ہو' اُسے نفی ہی عین محل نظر آتی ہے' اور یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ تاہم ایسا ہوسکتا ہے' بندہ کسی ایسے مقام تک جا پہنچے' جہاں اُسے تمام عمدہ اوصاف عیب دار اور معلول محسوس ہونے لگیں۔ جس وقت انسان اپنے قابلِ تعریف اوصاف کو عیب دار سمجھتا ہے' تو اپنے مذموم اوصاف اسے اور بھی زیادہ معیوب محسوس ہوں گے' میں نے یہاں اس بات کا تذکرہ اس لیے کیا ہے' کیونکہ اس گروہ کو اس حوالے سے شدید غلط فہمی ہوئی ہے اور وہ بیگانوں کے قریب پہنچ گئے ہیں۔

اُن کا یہ کہنا ہے' کسی چیز کو پانے کا' ہماری کوشش کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے' کیونکہ ہمارے اعمال اور اطاعت دونوں میں عیب پایا جاتا ہے' تو ناقص مجاہدہ کرنے سے بہتر ہے' انسان مجاہدہ نہ کرے۔ ہم اُن کے جواب میں یہ کہتے ہیں: ہم فعل جو سرانجام دیتے ہیں' اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے' وہ فعل ہوتا ہے۔ اور جو بھی چیز فعل ہوتی ہے' اس میں کوئی نہ کوئی علت یا کوئی نہ کوئی آفت موجود ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی فعل کا ارتکاب نہیں کرتا تو یہ بھی ایک فعل ہے۔ جب ان دونوں کو فعل قرار دیا جائے گا' تو یہ دونوں عیب اور آفت کا مرکز ہوں گے۔ تو پھر آپ کس بنیاد پر فعل کے سرانجام نہ دینے کو فعل کے انجام دینے سے بہتر قرار دے رہے ہیں؟ یہ واضح غلطی اور کھلی گمراہی ہے۔ کفر اور ایمان کے درمیان یہ بنیادی فرق ہے' کیونکہ مؤمن اور کافر دونوں میں اتفاق پایا جاتا ہے کہ ان سے صادر ہونے والے افعال عیب کا محل ہوتے ہیں۔ لیکن مؤمن اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے فعل سرانجام دینے کو فعل سرانجام نہ دینے سے بہتر سمجھتا ہے۔

اس لیے ''جمع'' کا مقام یہ ہوگا کہ ''تفرقہ'' کی آفت موجود ہونے کے باوجود ''تفرقہ'' کے حکم کو ثابت نہ سمجھا جائے اور

''تفرقہ'' یہ ہوگا کہ ''جمع'' کے پردے میں تفرقہ کو بھی ''جمع'' کا حصہ سمجھا جائے۔

اسی بات کو شیخ مزین کبیر نے یوں بیان کیا ہے:

اَلْجَمْعُ الْخُصُوْصِیَّۃُ وَالتَّفْرِقَۃُ الْعُبُوْدِیَّۃُ مَوْصُوْلٌ اَحَدُھُمَا بِالْاٰخِرِ غَیْرَ مَفْصُوْلٍ عَنْہُ

''جمع خصوصیت ہے اور تفرقہ بندگی ہے' یہ دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) بندگی کی حفاظت ہی خصوصیت کی نشانی ہے' تو جب کسی چیز کا دعویدار شخص کسی چیز کے حقوق کا خیال نہیں رکھتا تو اس کا مطلب یہ ہے' وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ یہ ہوسکتا ہے' انسان کے لیے مجاہدہ کا بوجھ اور اُس کی ادائیگی میں مشقت اور محنت آسان کردی جائے۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا' ''جمع'' کے مقام پر انسان سرے سے مجاہدے کا پابند ہی نہ رہے۔ یا انسان شرعی احکام کا مکلف ہی نہ رہے۔ البتہ اُس عذر کا حکم مختلف ہوگا' جو شریعت کی روشنی میں سب لوگوں کے لیے عام ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

میں اس بات کو مزید واضح کرتا ہوں تاکہ یہ بات تمہیں اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ یہ بات جان لیں' جمع کی دو قسمیں ہیں:

(i) جمع سالم (ii) جمع مکسر

جمع سالم سے مراد یہ ہے' حق تعالیٰ حال کے غلبے میں وجد کی قوت اور شوق کی بے قراری کو پیدا کردے اور اللہ تعالیٰ خود بندے کا محافظ بن جائے اور اپنے حکم کو اس پر جاری کرکے اُسے اپنے حکم کی تعمیل کی توفیق عطا کردے اور مجاہدہ کرنے کو اُس کے لیے آسان اور دلچسپ بنادے۔

جس طرح شیخ سہل بن عبداللہ تستری' شیخ ابوحفص حداد' اس مسلک کے امام ابوالعباس سیاری' شیخ بایزید بسطامی' شیخ ابوبکر شبلی' شیخ ابوالحسن حصری اور مشائخ کی ایک جماعت ہمیشہ مغلوب الحال رہی ہے' لیکن اس کے باوجود جب نماز کا وقت آتا تھا تو حضرات اپنی اصل حالت کی طرف لوٹ آیا کرتے تھے اور نماز ادا کرنے کے بعد دوبارہ مغلوب الحال ہوجایا کرتے تھے۔ اس لیے جب تک تم تفرقہ کے مقام تک رہو گے' اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانا تمہارے لیے ضروری ہوگا۔ اور جس وقت اللہ تعالیٰ تمہیں جذب کرکے مغلوب الحال بنادے گا' اس وقت اللہ تعالیٰ دو چیزوں کے حوالے سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ ایک یہ کہ تمہیں بندگی کی نشانی (یعنی فرائض کی ادائیگی) سے محروم نہیں کرے گا۔ اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے اس وعدے پر قائم رہے گا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو کبھی مغلوب نہیں کرے گا (اور شریعت کا حکم یہ ہے' انسان تمام فرائض کی ادائیگی کا پابند ہے)۔

جمع تکسیر یہ ہے' انسان حکم کے حوالے سے بے خود اور مدہوش ہو جائے' تو اُس پر دیوانوں کا حکم جاری کر دیا جائے گا۔ تو اُن میں سے ایک شخص (مجذوب) یعنی معذور ہوگا۔ اور دوسرا یعنی (مغلوب الحال) شخص مشکور ہوگا۔ اور جو شخص مشکور ہوگا' اُس کی حالت بلند اور نورانی شمار ہوگی۔ اور معذور کے مقابلے میں اُس کی حالت قوی شمار ہوگی۔

ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے' جمع کے لیے کوئی مخصوص مقام اور کوئی مخصوص حالت نہیں ہے' کیونکہ جمع سے مراد اپنے حقیقی مطلوب کے کسب میں ہمت کو مجتمع کرنا ہے۔

بعض لوگوں نے اسے ''مقامات'' میں شامل کیا ہے اور بعض نے اسے ''احوال'' میں شامل کیا ہے' دونوں صورتوں میں ''جمع'' کے مقام پر فائز شخص کا اصل مقصد مراد کی نفی ہوتا ہے۔

"لِاَنَّ التَّفرِقَةَ فَصْلٌ وَالْجَمْعُ وَصْلٌ"

''اس کی وجہ یہ ہے' تفرقہ کا مقام علیحدگی کا ہے اور جمع کا مقام ملنے کا ہے''۔

یہ تمام چیزوں میں درست ثابت ہوتا ہے' جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی تمام تر توجہ کا محور حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ اُنہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ اور کسی چیز کا کوئی خیال باقی نہیں رہا۔

اسی طرح مجنوں کی تمام تر توجہ کا مرکز لیلیٰ تھی' اُسے لیلیٰ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اُسے تمام جہان لیلیٰ محسوس ہوتا تھا۔ اس طرح کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں۔

ایک مرتبہ بایزید اپنے حجرے میں قیام پذیر تھے' کسی شخص نے اُنہیں باہر سے بلایا۔ اور دریافت کیا: کیا بایزید حجرے کے اندر موجود ہیں؟ تو بایزید نے جواب دیا' حجرے میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

ایک درویش کی کیفیت

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں' ایک درویش ایک مرتبہ مکہ مکرمہ آیا۔ اور ایک سال تک بیت اللہ شریف کے مشاہدے میں غرق رہا' اُس نے اس سارے عرصے کے دوران کچھ بھی کھایا نہیں' کچھ بھی پیا نہیں' کوئی آرام نہیں کیا۔ کوئی طہارت نہیں کی' اللہ تعالیٰ نے جس گھر کی نسبت اپنی طرف کی ہے' اُس کی زیارت اور اُس کے مشاہدے کی طرف اپنی تمام تر توجہ کو مرکوز کیا اور یہی مشاہدہ اُس کی غذا اور مشروب بن گیا۔

ان تمام اُمور کی حقیقت یہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے جوہر کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور اپنے ہر ایک دوست کو محبت میں اُس کی گرفتاری کی کیفیت کے حساب سے ایک مخصوص جز کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ انسانیت کا جوش' فطرت کا لباس' مزاج کا پردہ اور روح کا حجاب' ان سب کے ذریعے اُسے ڈھانپ دیا ہے۔ تاکہ محبت کا جز اپنی قوت کے ذریعے انسان کے اندر تمام اجزاء کو اپنے ہی رنگ میں رنگ دے' تو پھر وہ محبوب کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔

اور اُس کی تمام تر حرکات ایسی چیز کو ظاہر کرتی ہیں‘ یہی وجہ ہے‘ اربابِ حقیقت اور اہلِ زبان نے اس کیفیت کے لیے ’’جمع‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا قول

جیسا کہ شیخ منصور بن حلاج کہتے ہیں:

لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ يَا سَيِّدِيْ وَمَوْلَائِيْ
لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ يَا قَصْدِيْ وَمَعْنَائِيْ
يَا عَيْنَ عَيْنِ وُجُوْدِيْ يَا مُنْتَهٰى هِمَمِيْ
يَا مَنْطِقِيْ وَاِشَارَاتِيْ وَاَنْبَائِيْ
يَا كُلَّ كُلِّيْ وَيَا سَمْعِيْ وَيَا بَصَرِيْ
وَيَا جُمْلَتِيْ وَتَبَاعُضَ اَجْزَائِيْ

’’میں حاضر ہوں‘ میں حاضر ہوں‘ اے میرے سردار! اے میرے آقا! میں حاضر ہوں‘ میں حاضر ہوں‘ اے میرے مقصد اور اے میرے مطلوب! اے میرے وجود کی حقیقت! اے میری تمام تر آرزوؤں کے مقصود! اے میری گویائی‘ میرے کلام‘ میرے اشارے! اے میرے پورے وجود! اے میرے پورے وجود! اے میری سماعت! اے میری بصارت! اے میرے پورے وجود اور میرے وجود کے تمام تر اجزاء‘‘۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جس شخص کی صفات عاریت کے طور پر اُسے ملتی ہیں‘ اور وہ اپنی ہستی کو ثابت کرتا ہے‘ تو یہ بات اُس کے لیے شرمندگی کا مقام ہوتی ہے۔ اور دونوں جہانوں کی طرف توجہ کرنا‘ اُس کے لیے کفر کے مترادف ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کے ارادے اور ہمت کے سامنے دونوں جہانوں کو کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

بعض ماہرین نے اس مقام کو ’’جمع الجمع‘‘ کا نام دیا ہے۔ اگرچہ یہ بظاہر اچھا لفظ ہے۔ لیکن معنی کے اعتبار سے بہتر یہ ہے‘ اس کو ’’جمع الجمع‘‘ نہ کہا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے‘ جمع ہونے کے لیے پہلے تفرقہ کا موجود ہونا لازمی ہے‘ اور کیونکہ یہاں پر تفرقہ موجود نہیں ہے‘ اس لیے یہاں جمع بھی نہیں ہو سکتی‘ اب اس مقام پر انسان کو دوست کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا‘ جس طرح معراج کی رات حضرت محمد ﷺ کی نظر حق تعالیٰ کی طرف مبذول رہی۔ آپ نے اِدھر اُدھر کچھ نہیں دیکھا‘ اس کو قرآن نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا:

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (النجم:۱۷) ’’نہ اُس کی آنکھ اِدھر اُدھر ہوئی اور نہ ہی حد سے بڑھی‘‘۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی بعض تصانیف کا تذکرہ

میں نے ابتدائے حال میں اس موضوع پر ایک کتاب تحریر کی تھی‘ جس کا نام ’’کتاب البیان لاھل العیان‘‘ تھا۔ اسی

طرح میں نے اپنی کتاب ''بحر القلوب'' میں بھی اس بارے میں تفصیل سے بحث کی ہے' لیکن یہاں کیونکہ اختصار پیشِ نظر ہے' اس لیے اتنا ہی کافی ہے' صوفیاء کرام میں سے سیاری مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کا مسلک یہ ہے' جو میں نے بیان کر دیا ہے اور یہ عقیدہ صوفیاء کے درمیان مقبول ہے۔

اب اس کے بعد میں ان گمراہ فرقوں کا ذکر کروں گا' جنہوں نے خود کو صوفیاء سے منسوب کیا' لیکن انہوں نے مجرمانہ نظریات ظاہر کیے۔ میں ایسا اس لیے کروں گا تا کہ اُن کی حقیقت مخلوق کے سامنے واضح ہو جائے اور سالک شخص ان سے واقف ہو کر اُن کے مکروہ فریب سے بچ سکے۔ باقی توفیق اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

حلولی مکتبہ فکر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (یونس:۳۲) ''حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کیا رہ جاتا ہے''۔

دو مکاتبِ فکر ایسے ہیں جنہوں نے خود کو صوفیاء کی طرف منسوب کیا ہے اور اس گمراہی میں وہ لوگ صوفیاء کو اپنا شریک قرار دیتے ہیں' ان میں سے ایک فرقہ ابوحلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے' جو ان کے حوالے سے ایسی روایات نقل کرتا ہے' جو مشائخ طریقت کی کتابوں میں مذکور اُن سے منسوب روایات سے مختلف ہیں۔

مشائخ طریقت نے شیخ ابوحلمان کو بزرگ سمجھا ہے' لیکن یہ ملحد لوگ انہیں حلولی قرار دیتے ہیں۔ امتزاج اور تناسب (کا عقیدہ رکھنے والے) لوگ ان باتوں کو ابوحلمان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ میں نے بھی ایک کتاب میں اُن پر طعن دیکھی ہے اور علماء بھی اُن کے بارے میں اسی قسم کے نظریات رکھتے ہیں۔ باقی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

دوسرا گروہ اپنے اقوال اور اپنے نظریات کو فارس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ ہے' شیخ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک تھا' لیکن یہ صرف ان لوگوں کا دعویٰ ہے' شیخ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی ان باتوں کا قائل نہیں ہے۔ میں نے عراق میں دیکھا کہ شیخ ابوجعفر کے چار ہزار مریدین تھے' جو سب شیخ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند تھے اور یہ تمام حضرات ان اقوال کی وجہ سے فارس پر لعنت کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے' شیخ حلاج کی تصانیف میں صرف تحقیق پائی جاتی ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ہم یہ کہتے ہیں' ہمیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں ہے' فارس اور ابوحلمان کون تھے؟ یا اُن لوگوں نے کیا بیان کیا تھا؟ اصل بات یہ ہے' جو بھی چیز توحید اور تحقیق کے خلاف ہو اور جو شخص بھی اس بات کا قائل ہو' اس کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا' دین اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے' اگر وہ مستحکم اور مضبوط نہیں ہوگا' تو تصوف جو دین کی فرع اور نتیجہ کی حیثیت رکھتا ہے' وہ کس طرح سے مضبوط ہوگا؟ اس کی وجہ یہ ہے' کرامات' کا اظہار اور خرق عادت صرف اہلِ

توحید اور اہلِ دین کے ساتھ مخصوص ہیں۔

ان سب باتوں کے قائلین کو بنیادی غلطی روح کے بارے میں لاحق ہوئی ہے' اس لیے میں روح کے بارے میں احکام کو بیان کروں گا۔ اس بارے میں ملحد لوگوں کے اقوال اور شبہات کا تذکرہ کروں گا۔ ان کے غلط نظریات کا ذکر کروں گا۔ تاکہ اس موضوع کی حقیقی صورتِ حال کے بارے میں تمہیں علم ہو جائے' کیونکہ یہ بہت اُلجھا ہوا موضوع ہے۔

روح کی حقیقت

یہ بات واضح ہونی چاہیے' روح کے وجود کا علم ضروری ہے' لیکن اس کے وجود کی کیفیت کیا ہے؟ یہ بات معلوم کرنے سے عقل عاجز ہے۔ اُمت کے علماء اور اہلِ علم نے اپنے' اپنے فہم و ادراک کے مطابق اس بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہاں تک کہ کفار نے بھی اس موضوع پر کچھ گفتگو کی ہے۔ یہی وجہ ہے' یہودیوں کے کہنے پر کفارِ قریش نے نضر بن حارث کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ تاکہ وہ آپ ﷺ سے روح کی کیفیت کے بارے میں دریافت کرے تو اللہ تعالیٰ نے روح کا اثبات کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (الاسراء:۸۵) ''لوگ تم سے روح کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں''۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے روح کے قدیم ہونے کی نفی کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (الاسراء:۸۵) ''تم یہ فرما دو! روح میرے پروردگار کے ''امر'' کا نتیجہ ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَاتَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ''*

''(دنیا میں آنے سے پہلے عالم ارواح میں) روحیں گروہوں کی شکل میں رہتی تھیں' وہاں اُن میں سے جو آپس میں شناسا تھیں تو وہ دنیا میں آ کر بھی ایک دوسرے سے شناسا ہوئیں' اور جو وہاں ایک دوسرے سے لاتعلق تھیں وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے الگ رہیں''۔

---

* بخاری 64'کتاب الانبیاء 3'باب الارواح جنود مجندۃ 3158'مسلم 45'کتاب البر والصلة والآداب 49'باب الارواح جنود مجندۃ 2638)'سنن ابو داؤد 35'کتاب الادب 19'ت ، 16 م باب من یؤمر ان یجالس 4834 'مسند احمد (مسند ابی هریرة رضی اللہ عنه) 7922 10836 -- 10969---'ابن حبان 60'کتاب التاریخ 1'باب بدء الخلق 6168'المستدرك كتاب الفتن و الملاحم 8296 'الادب المفرد الشعر (باب الارواح جنود مجندة) 900 'المعجم الكبير باب السين 597'سهيل بن حنظلة 6169 263---ظ6'المعجم الاوسط 1577 160-----ظ2'ابی یعلی مسند عائشة 4381 'شعب الایمان الحادی و الستون من شعب الایمان و هو باب فی مقاربة اهل الدین و موادتهم و افشاء السلام بینهم قصة ابراهیم فی المعانقة فی الثالث والثلاثین من التاریخ 9037 'مسند الشهاب 274 ----- 185ظ1 'مجمع الزوائد 33'. كتاب الادب 110'. باب الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف 13100 'کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال كتاب الصحبة من قسم الاقوال 24739

اس قسم کی روایات بہت سی ہیں، جن میں روح کی کیفیت کو موضوع بحث بنائے بغیر صرف اُس کا اقرار اور اثبات کیا گیا ہے۔

روح کی تعریف

بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے:

اَلرُّوْحُ هُوَ الْحَيٰوةُ الَّتِيْ يُحْيِيْ بِهِ الْجَسَدُ ''روح اُس زندگی کو کہتے ہیں جس کی بدولت جسم زندہ ہوتا ہے''۔

علم کلام کے ماہرین کا ایک گروہ بھی اس بات کا قائل ہے، اس مفہوم کے اعتبار سے روح کو ایک ایسا عرض قرار دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاندار زندہ ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ تعریف، حرکت اور اجتماع کی شکل میں ہو گی۔ اور یہ اُن دوسرے اعراض کی طرح ہو گی جن کی بدولت وجود ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتا ہے۔

بعض دیگر حضرات کا یہ کہنا ہے:

''هُوَ غَيْرُ الْحَيٰوةِ وَلَا يُوْجَدُ الْحَيٰوةُ اِلَّا مَعَهَا كَمَا لَا يُوْجَدُ الرُّوْحُ اِلَّا مَعَ الْبِنْيَةِ وَاَن لَّا يُوْجَدُ اَحَدُهُمَا دُوْنَ الْاٰخِرِ كَالْاَلَمِ وَالْعِلْمِ بِهَا لِاَنَّهُمَا شَيْئَانِ لَا يَفْتَرِقَانِ''

''روح زندگی کے علاوہ ایک چیز ہے اور زندگی صرف اُسی کے ساتھ پائی جاتی ہے، یہ بالکل اُسی طرح ہے جیسے روح جسم کے بغیر نہیں پائی جاتی۔ روح اور جسم دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر نہیں پایا جاتا۔ اس کی مثال اس طرح ہو گی جیسے الم اور اس کا علم، کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں''۔

اس مفہوم کے اعتبار سے بھی روح کو عرض سمجھا جا سکتا ہے۔

جمہور کا نظریہ

جمہور مشائخ اور اہل سنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں، روح ایک عینی وجود ہے یہ کوئی وصفی وجود نہیں ہے کہ اُس کے لیے قالب (یعنی جسم) کی ضرورت ہو۔ اللہ تعالیٰ کی جاری کردہ عادت کے مطابق حیات ایک انسانی صفت ہے، اور اسی کے ذریعے اُسے زندہ سمجھا جاتا ہے۔ اور روح، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے جسم میں ودیعت کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ بات جائز ہے کہ روح، انسان کے جسم سے جدا ہو جانے کے باوجود زندہ رہے۔ یہ بالکل اُسی طرح ہے، جب سوتے ہوئے انسان کے جسم سے روح نکل جاتی ہے، لیکن زندگی باقی رہتی ہے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا، جب روح جسم سے چلی جائے، تو اُس کے بعد علم اور عقل باقی رہ جائے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''شہداء کی ارواح جنت کے پرندوں کے پیٹ میں رہتی ہیں''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:
"اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ" "(عالم ارواح میں) روحیں گروہوں کی شکل میں رہتی ہیں"۔
اس کا مطلب یہ ہوا' یہ عرض کی صورت میں باقی نہیں رہ سکتی ہیں' کیونکہ عرض خود بہ خود قائم نہیں ہوتا۔ اس لیے روح ایک لطیف وجود ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آیا ہے اور وہ اُسی کے فرمان سے (جسم میں آتی یا جاتی) ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی انبیائے کرام سے ملاقات

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے' آپ نے معراج کی رات حضرت آدم' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات کی تھی' تو ظاہری سی بات ہے' یہ ان حضرات کی ارواح ہوں گی۔ اگر ایسا عرض قائم بالذات نہ ہو' تو تم اُسے زندگی کی حالت میں دیکھ سکتے ہو۔
اگر وہ عرض ہوتی تو اس کے لیے کوئی نہ کوئی محل ضرور ہونا تھا اور محل جوہر ہوتا ہے اور جواہر لطیف بھی ہوتے ہیں' کثیف بھی ہوتے ہیں' مؤلف (مختلف چیزوں سے مل کر بنے ہوتے) ہیں۔ کیونکہ وہ جسم ہوتا ہے' اُس کو دیکھنا بھی ممکن ہے' جیسا کہ احادیث سے ان تمام باتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ روح کا آنا اور جانا اللہ تعالیٰ کے حکم پر موقوف ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:
قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (الاسراء:۸۵) "تم فرمادو! روح میرے پروردگار کے امر کا نتیجہ ہے"۔

روح کے قدیم ہونے کا گمراہ نظریہ

یہاں پر بعض ملحد لوگوں نے اختلاف کیا ہے' وہ لوگ روح کو قدیم قرار دیتے ہیں اور اُس کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسے اشیاء میں عامل اور مدبر کے طور پر ایسی حیثیت میں تسلیم کرتے ہیں' کہ روح کے بغیر اُمور کی تدبیر ممکن نہیں ہے' وہ اسے "روح الاعلیٰ" کا نام دیتے ہیں' جو قدیم ہوتی ہے۔
عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے' ہندوستان' تبت' چین اور ماچین کے لوگ بھی ایسے عقیدے کے مالک ہیں۔ (بعض) شیعہ' قرامطہ اور باطنیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے اور ملحدین کے دوسرے گروہ اسی عقیدے کے قائل ہیں۔
یہ تمام فرقے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے' اُنہوں نے روح کے قدیم ہونے کے حوالے سے کچھ مفروضات قائم کر رکھے ہیں اور وہ ان کے حساب سے دلیل بھی پیش کرتے ہیں۔
ہم ان سب سے ایک سوال کرتے ہیں اور وہ یہ ہے: لفظ "قدیم" سے تمہاری مراد کیا ہے؟
ایک ایسا حادث جو وجود میں پہلے آ گیا ہو' یا اس سے مراد ازلی قدیم ہے۔
اگر وہ یہ کہے' اس سے مراد وہ قدیم ہے' جو پہلے وجود میں آ گیا ہو' تو اس حوالے سے کوئی بھی اختلاف باقی نہیں رہے گا۔

کیونکہ ہم بھی اس بات کے قائل ہیں، روح حادث ہوتی ہے اور اُس کا وجود جسم میں داخل ہونے سے پہلے تخلیق ہوا تھا۔
جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:
اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِمَاءَ تَیْ اَلْفِ عَامٍ
''اللہ تعالیٰ نے جسم کو پیدا کرنے سے دو لاکھ برس پہلے ارواح کو تخلیق کر لیا تھا''۔
جب جسم کا حادث ہونا ثابت ہو جائے تو حادث کے ساتھ جو چیز بھی ملے گی وہ بھی حادث ہوگی، تو روح، اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق شمار ہوگی، جسے اُس نے اپنی دوسری مخلوق کے ساتھ ملا دیا ہے اور ان دونوں کے ملنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زندگی کو پیدا کیا ہے، یعنی مخلوق ایک جنس ہے، اور جسم دوسری جنس ہے، جب اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کسی چیز سے جان پیدا کرنے کا ارادہ کرتی ہے، تو وہ روح کو یہ حکم دیتی ہے، وہ اس جسم کے ساتھ مل جائے تو وہ کسی جاندار کی شکل میں نمودار ہو جاتی ہے۔

روح کا جسمانی قالب ایک ہے

تاہم یہ بات جاننا ضروری ہے، روح کا صرف ایک جسمانی قالب ہے، وہ کسی دوسرے قالب میں منتقل نہیں ہو سکتی، یہ بالکل اسی طرح ہے، جس طرح کسی ایک جسم کے لیے دو طرح کے جسم ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح روح کا بھی کسی ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونا ممکن نہیں ہے، اگر یہ بات احادیث سے ثابت نہ ہوتی تو نبی اکرم ﷺ کی صداقت تسلیم شدہ نہ ہوتی۔ تو عقل کے حوالے سے روح کے بارے میں صرف یہی سمجھا جا سکتا ہے، وہ زندگی کے لیے ایک صفت ہے، وہ عین نہیں سمجھی جا سکتی۔
اگر وہ ملحد لوگ یہ کہیں، روح کے قدیم ہونے سے ہماری مراد یہ ہے، وہ ہمیشہ سے موجود ہے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی منطقی بحث

تو ہم اُس کے جواب میں یہ پوچھیں گے، وہ قدیم وجود (یعنی روح) ہمیشہ سے خود بخود قائم ہے؟ یا کسی دوسرے کے تعلق سے قائم ہے۔
اگر وہ یہ کہتے ہیں، روح قدیم ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے قائم ہے۔
تو ہم اُن سے یہ دریافت کریں گے، کیا وہ پروردگارِ عالم ہے؟
اگر وہ یہ کہتے ہیں، وہ پروردگارِ عالم نہیں ہے۔
تو پھر اس سے یہ ثابت ہوگا (کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ) کوئی دوسرا قدیم وجود (یعنی روح) ہے۔ اور یہ بات عقل کے خلاف ہے، اس کی وجہ یہ ہے، قدیم ذات محدود نہیں ہوتی اور یہ بات ناممکن ہے، دو قدیم ذاتیں موجود ہوں اور ان میں حد بندی ہو سکے۔
اگر وہ لوگ یہ کہتے ہیں، روح، پروردگارِ عالم ہے۔ تو ہم اُن سے یہ سوال کریں گے، وہ قدیم ہے یا مخلوق ہے، یعنی حادث ہے۔

یہ بات ناممکن ہے' حادث کا قدیم کے ساتھ امتزاج' اتحاد یا حلول ہو۔

حادث' قدیم کی جگہ پر آ جائے یا وہ بھی قدیم بن جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے' وصل اور فصل یہ تمام چیزیں حادث (یعنی فانی) چیزوں کے لیے ہیں' کیونکہ یہ ایک دوسرے کی جنس ہوتی ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک اور بلند ہے۔

اگر وہ یہ کہیں' روح بالذات قائم نہیں ہوتی بلکہ بالغیر قائم ہوئی ہے۔

تو اس میں دو صورتیں ہوں گی' روح کو یا تو صفت تسلیم کرنا پڑے گا' یا عرض تسلیم کرنا پڑے گا

اگر آپ اُسے عرض قرار دیتے ہیں' تو اس کے لیے محل ہوگا یا نہیں ہوگا' اگر اُس کا محل ہوگا' تو وہ محل اُس کے جیسے ہوگا۔ اور اس صورت میں دونوں میں سے کوئی بھی قدیم شمار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے لازمی طور پر یہ تصور بھی غلط شمار ہوگا' کیونکہ کوئی بھی عرض کسی محل کے بغیر نہیں پایا جاتا۔

اگر وہ یہ کہیں' روح قدیم صفت ہے' جیسے حلولیہ اور اہل تناسخ یہ عقیدہ رکھتے ہیں' لیکن وہ اس صفت کو حق کی صفت قرار دیتے ہیں' تو یہ ناممکن ہے' اللہ تعالیٰ کی کوئی قدیم صفت مخلوق کی صفت بن جائے۔ اگر اس بات کو درست سمجھا جائے' تو یہ بھی ممکن ہو جائے گا کہ اُس کی قدرت مخلوق کی قدرت بن جائے۔

دوسرا پہلو یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی صفت تو ''قدیم'' ہوتی ہے' اگر اسے ''حادث'' مخلوق کی صفت تسلیم کر لیا جائے تو لازمی سی بات ہے وہ مخلوق بھی اس سے متصف ہو جائے گی۔ صفت' موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے' تو ایسی صورت میں صفت قدیم بن جائے گی اور موصوف حادث شمار ہوگا۔

اس بحث سے یہ ثابت ہو جاتا ہے' قدیم کو حادث کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس حوالے سے ملحد لوگوں کا نظریہ بالکل غلط ہے' روح مخلوق ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ''امر'' کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے' جو شخص اس کے برخلاف کوئی بات کہتا ہے' تو وہ حق کی کھلی خلاف ورزی کرتا ہے' اُسے حادث اور قدیم کے درمیان فرق کا پتا ہی نہیں ہے' اور یہ بالکل بھی روا نہیں ہے کہ کوئی ولی اپنی ولایت کے دوران اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں بے خبر ہو۔ ہر طرح کی حمد اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے' جس نے ہمیں بدعت اور دوسرے فتنوں سے محفوظ رکھا ہے' جس نے ہمیں یہ عقل عطا کی ہے' ہم اُس کے ذریعے غور وفکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کی دولت نصیب کی ہے اور جس کی رہنمائی سے ہمیں معرفت حاصل ہوئی' تو اس کے لیے ایسی حمد ہے' جس کی کوئی انتہاء نہ ہو۔ اُس کی بے انتہاء نعمتوں کے مقابلے میں اس محدود حمد کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بعض اہلِ ظاہر نے ایسے لوگوں کی باتیں سُنیں تو وہ یہ سمجھے کہ تمام صوفیاء اسی بات کے قائل ہیں اور وہ اپنی اس غلط فہمی اور کوتاہی کی وجہ سے حقیقت کے نظارے سے بے خبر رہ گئے اور حق کی ولایت کے لطف' اُن کے انوار وتجلیات سے محروم رہ گئے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا' کیونکہ انہوں نے صوفیاء کی تردید کی لیکن صوفیاء کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ ان صوفیاء کے نزدیک مخلوق کا انہیں قبول کرنا یا مسترد کرنا ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں۔

روح کے بارے میں اقوال

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

اَلرُّوْحُ فِی الْجَسَدِ کَالنَّارِ فِی الْحَطَبِ فَالنَّارُ مَخْلُوْقَۃٌ وَالْفَحْمُ مَصْنُوْعَۃٌ

''جسم میں روح کی وہی حیثیت ہے جو لکڑی میں آگ کی ہے آگ مخلوق ہے اور کوئلہ مصنوع (بنی ہوئی چیز) ہے''۔

یعنی آگ اور لکڑی دونوں مخلوق ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی چیز کو قدیم قرار نہیں دیا جا سکتا' صوفیاء میں سے شیخ ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے روح کے بارے میں بہت کچھ بیان کیا ہے۔

ارواح کے دس مقامات

ایک روایت کے مطابق انہوں نے یہ بات بیان کی ہے' روحوں کے دس مقامات ہیں۔

پہلا مقام خطا کار لوگوں کی ارواح کا ہے' جو تاریکی میں قید ہیں اور اُنہیں یہ نہیں معلوم کہ آخرت میں اُن کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

دوسرا مقام پرہیز گاروں کی ارواح کا ہے' جو پہلے آسمان پر رہتی ہیں اور اپنے اچھے اعمال کی وجہ سے خوش ہیں' وہ اپنی عبادت کی وجہ سے مسرور ہیں اور اس کی قوت کی وجہ سے سیر کرتے ہیں۔

تیسرا مقام مریدانِ حق کی ارواح کا ہے' جو چوتھے آسمان میں اپنے معاملے کی سچائی اور اپنے نیک اعمال کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ رہ رہی ہیں۔

چوتھا مقام اہل احسان کی ارواح کا ہے' جو نور کی قندیلوں میں عرش کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُن کی غذا ہے۔ لطف و قربت ان کا مشروب ہے۔

پانچواں مقام اہلِ وفا کی ارواح کا ہے' جو صفا کے حجاب اور بزرگی کے مقام پر خوش رہتی ہیں۔

چھٹا مقام شہداء کی ارواح کا ہے' جو جنت میں جنت کے پرندوں کے پیٹ میں رہتی ہیں' اور جنت کے باغوں میں جہاں چاہتی ہیں' جس وقت چاہتی ہیں' آ جا سکتی ہیں۔

ساتواں مقام عاشقانِ الٰہی کی ارواح کا ہے۔

جو صفاتِ حق کے نوری پردوں میں ادب اور احترام کے فرش پر قیام پذیر ہیں۔

آٹھواں مقام عارفانِ الٰہی کی ارواح کا ہے۔

جو بارگاہِ الٰہی میں رہتی ہیں' صبح و شام حق تعالیٰ کا کلام سنتی ہیں' وہ جنت اور دنیا میں اپنے مخصوص مقام کو دیکھتی رہتی ہیں۔

نواں مقام اللہ تعالیٰ کے اولیاء کا مقام ہے' جو اللہ تعالیٰ کے جمال کے مشاہدے اور حقیقت کے کشف کے مقام میں

ہمیشہ ڈوبی رہتی ہیں۔ اُنہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی چیز کے بارے میں علم نہیں ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز سے آرام بھی نہیں آتا۔

دسواں مقام درویشوں کی ارواح کا ہے' جنہوں نے فناء کے مقام پر قرب حاصل کیا ہے ان کے اوصاف تبدیل ہو چکے ہیں اور ان کے احوال متغیر ہو چکے ہیں۔

مشائخ کے بارے میں یہ بات بیان کی جاتی ہے' انہوں نے ارواح کو الگ' الگ صورت میں دیکھا ہے اور یہ درست بھی ہے اور ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں' روح موجود ہے اور وہ ایک لطیف جسم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے وہ اس قابل ہے' کہ اُسے دیکھا جا سکے تو اللہ تعالیٰ جب' جس طرح سے چاہتا ہے' اپنے بندوں کو ارواح دکھا دیتا ہے۔

میں علی بن عثمان جلابی یہ کہتا ہوں: ہماری زندگی' ہمارا وجود برقرار رہنا' یہ سب اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے۔ ہمیں زندگی عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے' اُسی کے حکم اور اُسی کی تخلیق کی وجہ سے ہم پیدا ہوئے ہیں۔ اس میں ہماری اپنی ذات یا اپنی صفات کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

ملحد لوگوں کے تمام اقوال جو روح کے بارے میں ہیں' وہ سب غلط اور باطل ہیں۔

ان لوگوں کی گمراہیوں میں ایک بڑی گمراہی یہ بھی ہے' وہ روح کو قدیم سمجھتے ہیں' اگرچہ انہوں نے عبارت کو تبدیل کر لیا ہے' اُن میں سے بعض نے اُسے نفس اور ہیولیٰ کہا ہے' بعض نے نور وظلمت کہا ہے۔ تصوف کے بعض جھوٹے دعویدار اسے فنا و بقاء یا جمع تفرقہ کہتے ہیں۔

وہ اسی طرح کی ملمع زدہ جھوٹی اور بے اصل عبارات کو اپنی طرف سے ایجاد کر کے اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقی صوفیا ان ملحدین کے گروہ سے بے خبر ہیں' کیونکہ ولایت اور محبتِ الٰہی کی حقیقت کو ثابت کرنا' اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جب کوئی شخص حادث اور قدیم کے درمیان امتیاز ہی نہیں کر سکتا' تو اب وہ جو بھی بات کہے گا' جہالت کی بنیاد پر کہے گا۔ اور اہلِ علم ایسے جہلاء کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے ہیں۔

یہ دونوں جھوٹے گروہ' ان کے نظریات' ان کا جو مقصد تھا' اس کی تفصیل میں نے ان دو فصلوں میں بیان کر دی ہے' اگر آپ اس بارے میں مزید تفصیلات دیکھنا چاہتے ہیں' تو اس کے لیے میری دوسری کتابیں دیکھ سکتے ہیں' کیونکہ یہاں میں نے اختصار پیش نظر رکھا ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اب میں دلیل کے ساتھ معاملات اور حقائق کے بارے میں حجابات سے پردہ اُٹھاؤں گا تاکہ تم حقیقت تک رسائی حاصل کر سکو' جو منکر بصیرت رکھتے ہیں وہ ہدایت کے راستے پر آ جائیں اور مجھے اس کی وجہ سے نیک دعائیں اور اجر و ثواب حاصل ہو۔

(سولھواں باب) پہلا کشف

معرفتِ الٰہی کی بحث

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الزمر:۶۷) ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کا حق تھا''۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَوْعَرَفْتُمُ اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ لَمَشَيْتُمْ عَلَى الْبُحُوْرِ وَلَزَالَتْ بِدُعَائِكُمُ الْجِبَالُ

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی معرفت اس طرح حاصل کرلو جیسے معرفت کا حق ہے' تو تم سمندروں پر چلنے لگو اور تمہاری دعا کی وجہ سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں''۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کی دو قسمیں ہیں:

(i) علمی (ii) حالی۔

علمی معرفت' دنیا اور آخرت کی تمام نیکیوں کی بنیاد ہے' جو انسان کے لیے ہر وقت اور ہر حالت میں سب سے زیادہ بہتر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:۵۶)

''اور میں نے جن اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا تا کہ وہ میری عبادت کریں''۔

(اَیْ لِيَعْرِفُوْنَ) یعنی وہ میری معرفت حاصل کریں۔

لیکن وہ حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا اور انہیں دنیا کی تاریکیوں سے محفوظ رکھا ہے جن کے دلوں کو زندہ اور تابندہ کر دیا ہے' ان میں سے ایک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حالت کی اطلاع دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی:

وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (الانعام:۱۲۲)

''اور ہم نے اس کے لیے نور مقرر کیا ہے' جس کے ہمراہ وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے''۔

(یَعْنِیْ عُمَرَ) یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

جبکہ اللہ تعالیٰ جن کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور انہیں دنیا کی تاریکی میں مبتلا کر دیتا ہے ان میں سے ایک ابوجہل ہے۔ جس کی حالت کی خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا

''جیسا کہ وہ شخص ہے جو تاریکیوں میں ہے اور ان میں سے نکلتا نہیں ہے''۔

(یَعْنِیْ اَبُوْجَهْلٍ) اس سے مراد ابوجہل ہے۔

معرفت کی حقیقت یہ ہے دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ ہو اور انسان کا دل غیر اللہ کے خیال سے خالی ہو اور ہر شخص کی قدر و منزلت معرفت کے لحاظ سے ہے اور جس شخص کو معرفت حاصل نہ ہو اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے تمام اہل علم اور فقہاء علم کے صحیح اور درست ہونے کو اللہ تعالیٰ معرفت کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اور تمام مشائخ کے نزدیک حال اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب معرفت الٰہی حاصل ہو یہی وجہ ہے وہ لوگ معرفت کو علم سے افضل قرار دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے علم سے بہرہ ور ہوئے بغیر حال صحیح نہیں ہو سکتا اور علم کے صحیح ہونے کے لیے حال صحیح ہونا ضروری ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے بندہ اس وقت تک عارف نہیں بن سکتا جب تک وہ حق کا عالم نہ ہو البتہ عالم کے لئے یہ صورت ہو سکتی ہے کہ وہ عارف نہ ہو۔

جو لوگ اس کے مفہوم اور اس کے علم سے ناواقف ہیں ان کا تعلق کسی بھی طبقے سے ہو ان سے بحث کرنا فضول ہے یہ وہ لوگ ہیں جو حقیقت کے منکر ہیں اور جن کا راستہ حقیقت سے جدا ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کے بعد میں اس مسئلے کے اسرار بتانا شروع کرتا ہوں تاکہ (عوام و خواص) دونوں طبقات اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

پہلی فصل

معرفتِ الٰہی کے متعلق اختلافات

معرفت کے باب میں یہ بات واضح رہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں صحیح معرفت اور صحیح علم کیا ہے؟ اس سلسلے میں لوگوں کے درمیان بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔

معتزلہ اس بات کے قائل ہیں: اللہ تعالیٰ کی معرفت کا تعلق عقل سے ہے اور عقل کے علاوہ کسی دوسرے ذریعہ سے اس کی معلومات کا حصول ممکن نہیں ہے لیکن ان کا یہ مؤقف باطل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اسلامی سلطنت کی حدود میں رہنے والے پاگل لوگ حکم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں اسی طرح وہ بچے جو عقل اور شعور کی منزل تک نہیں پہنچتے

انہیں حکم کے اعتبار سے مؤمن قرار دیا جاتا ہے' اگر معرفت کا حکم جاری کرنے کے لیے عقل شرط ہوتی تو جن کے پاس عقل نہیں ہے' اس پر معرفت کا حکم جاری نہ کیا جاتا اور وہ لوگ جن کے پاس عقل ہے ان کا فر قرار نہ دیا جاتا' اگر معرفت کے لیے صرف عقل ہی علت ہوتی تو ہر عقلمند کو عالم قرار دیا جاتا اور ہر بے عقل شخص کو جاہل قرار دیا جاتا' حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔

ایک فریق اس بات کا قائل ہے' اللہ تعالیٰ کی معرفت کی بنیادی علت استدلال ہے' جس شخص میں استدلال کرنے کی صلاحیت نہ ہوا اسے معرفت حاصل نہیں ہوسکتی' لیکن یہ مؤقف بھی غلط ہے' اور اس کی تائید میں ابلیس کی مثال پیش کی جاسکتی ہے' کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بکثرت نشانیاں اور آیات دیکھنے کا موقع مل گیا' جن میں جنت' دوزخ اور کرسی وغیرہ شامل ہیں' ان سب کا دیدار بھی اس کے لیے معرفت کی علت نہ بن سکا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الانعام:۱۱۱)

''اگر ہم ان کفار کی طرف فرشتے بھیجتے' مردے ان کے ساتھ کلام کرنا شروع کر دیتے اور ہم ان کے سامنے ان سے پہلے گزری ہوئی ہر چیز سامنے لے آتے' تو بھی وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے ماسوائے اس کے جو اللہ چاہے''۔

اگر اللہ تعالیٰ کی آیات کا مشاہدہ اور ان کا استدلال حق کی معرفت کی علت ہوتا' تو اللہ تعالیٰ معرفت کی علت اس بات کو قرار دیتا اپنی مشیت کو علت قرار نہ دیتا۔

اہلِ سنت کے نزدیک معرفت کا سبب

اہل سنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں: عقل کا صحیح ہونا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا مطالعہ کرنا' اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سبب ہے' اسے معرفت کی علت قرار نہیں دیا جاسکتا' یہ بات ذہن نشین کرلیں معرفت کی علت صرف اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کی عطا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی عنایت کے بغیر عقل اندھی ہوجاتی ہے' کیونکہ عقل بذاتِ خود جاہل ہے' اور بہت سے عقلمند ایسے ہیں جو کو اللہ تعالیٰ کی حقیقت کے بارے میں نہ جان سکے تو جب عقل بذاتِ خود جاہل ہے' تو اللہ تعالیٰ کی عنایت کے بغیر کسی دوسرے کو کیسے عارف بناسکتی ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر ان میں غور وفکر کرنے کو (معرفت کی علت قرار دینا) بھی خطا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' بہت سے بدعتی اور بے دین لوگ استدلال کرتے ہیں' لیکن اس کے باوجود معرفت الٰہی سے محروم رہتے ہیں۔

پھر ایک پہلو یہ بھی ہے' اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جن لوگوں کو معرفت نصیب ہوتی ہے' ان کی تمام حرکات اہلِ معرفت کی علامت ہوتی ہیں' اور ان کا استدلال کرنا یا ترک کرنا سب تسلیم شدہ ہے' اور معرفت کی صحت میں تسلیم (سپرد کرنا) طلب کرنے

سے افضل نہیں ہے' کیونکہ طلب اسی عقل کی بنیاد پر ہے' جسے ترک کرنا جائز نہیں ہے' اور تسلیم (سپرد کرنا) ایسی اصل اور بنیاد پر ہے' جس میں اضطراب جائز نہیں ہے' نیز ان دونوں کے لیے معرفت حقیقت نہیں ہے' لیکن اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے' حقیقت کے اعتبار سے انسان کے ذہن کو کھولنے والا اور رہنمائی کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے' کوئی دوسرا نہیں ہے' اور محض عقل یا محض دلائل' ہدایت دینے کی قدرت نہیں رکھتے' جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا (الانعام:۲۸)

''اگر انہیں (دنیا میں) لوٹا دیا جائے' تو وہ دوبارہ وہی کریں گے جس سے انہیں پہلے منع کیا تھا''

اس کا مطلب یہی ہے' اگر قیامت کے بعد کفار کو دوبارہ دنیا میں بھیج بھی دیا جائے' تو وہ دوبارہ کافر ہو جائیں گے' جس سے انہیں پہلے منع کیا گیا تھا۔

معرفت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جس وقت معرفت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا:

عَرَفْتُ اللّٰهَ بِاللّٰهِ وَعَرَفْتُ مَادُوْنَ اللّٰهِ بِنُوْرِ اللّٰهِ

''میں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے اللہ کی معرفت حاصل کی ہے' اور اللہ تعالیٰ کے نور کی مدد سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کی معرفت حاصل کی ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور تم کو روح کے حوالے کر دیا' لیکن جب دل کو پیدا کیا' تو اس کی زندگی اپنے قبضے میں رکھا تو جب عقل اور نشانیوں کو جسم سے جدا کرنے کی اجازت نہیں دی ہے' تو یہ بات ناممکن ہوگی کہ یہ عقل اور نشانیاں دل کو زندہ کر سکیں۔

یہی وجہ ہے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (الانعام:۱۲۲) ''کیا وہ شخص مردہ نہیں تھا' تو ہم نے اسے زندگی دی''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی زندگی کا اپنے قبضے میں ہونا بیان کیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (الانعام:۱۲۲)

''اور ہم نے اس کے لیے ایسا نور مقرر کیا ہے' جس کے ہمراہ وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہے' اللہ تعالیٰ ایسے نور کو پیدا کرنے والے ہیں جس کی روشنی میں مسلمان چلتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الزمر:۲۲)

''کیا وہ شخص جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کشادہ کر دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے (ملنے والے) نور پر ہے''۔

اس آیت میں یہ بات واضح کی گئی ہے' دل کا کشادہ ہونا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے' اسی طرح دل کی بندش بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہونی چاہیے۔

دل کی بندش کے بارے میں ایک اور مقام پر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (البقرہ:۷)

''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے' اور ان کی سماعت پر بھی اور ان کی بصارت پر پردہ ہے''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا (الکہف:۲۸)

''اور تم اس کی پیروی نہ کرنا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے''۔

جب دل کا قبض اور بسط (کشادہ ہونا) اس کا ختم (اس پر مہر ہونا) اور شرح (یعنی اس کا کشادہ) سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہے' تو یہ بات ممکن نہیں رہے گی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو رہنما بنایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز علت اور سبب کی حیثیت رکھتی ہے' مسبب' ذات یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا' اس کی وجہ یہ ہے' حجاب کی حیثیت ایک رہزن کی ہوتی ہے' رہبر کی نہیں۔ یہی وجہ ہے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات:۷)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو مضبوط کر دیا ہے' اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دل کی آراستگی اور اس میں محبت پیدا ہو جانے کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور تقویٰ دل میں قائم رہنا' اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی ہے' اور آدمی کو اس حالت کو اپنے سے جدا کرنے یا اپنی طرف لانے میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا' یہی وجہ ہے' جب تک اللہ تعالیٰ خود اپنی معرفت عطا نہ کرے' اس وقت تک لوگ اس کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے ہیں' تو مخلوق معرفت کے حصول سے عاجز ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَا دَلِيْلَ عَلَى اللّٰہِ سِوَاهُ اِنَّمَا الْعِلْمُ يُطْلَبُ لِآدَابِ الْخِدْمَةِ

''اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اس کی ذات کے بارے میں اور کوئی دلیل نہیں ہے' علم' خدمت (یعنی بندگی کے) آداب سیکھنے کے لیے حاصل کیا جاتا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' کسی بھی مخلوق کو یہ طاقت حاصل نہیں ہے' وہ انسان کو خدا تک پہنچا

سکتی ہو اس کی وجہ یہ ہے' استدلال کرنے والا شخص جناب ابوطالب سے زیادہ عاقل نہیں ہوگا' اور نبی اکرم ﷺ سے زیادہ بڑی دلیل اس کے پاس نہیں ہوگی تو جب جناب ابوطالب نے ہدایت قبول نہ کی تو نبی اکرم ﷺ کی دلالت انہیں فائدہ نہیں پہنچا سکی۔

استدلال کی سب سے پہلی خرابی یہ ہے' استدلال کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق اور اس کی عنایت سے منہ موڑ لیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' استدلال کے وقت وہ اللہ تعالیٰ کے غیر پر غور وفکر کرتا ہے' حالانکہ معرفت کی حقیقت تو یہ ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے غیر سے منہ پھیر کر (اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے) دلائل کی تصدیق کرنے والوں کی عادت استدلال کے بارے میں یہی رہی ہے' اور یہ بات حق کی معرفت کے خلاف ہے' جب اللہ تعالیٰ نے معرفت سے مراد یہی لی ہے' انسان کی عقل ہمیشہ حیرانی کا شکار رہے' تو پھر انسان اللہ تعالیٰ کی عنایت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا اختیار کیسے دے سکتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' اس بارے میں مخلوق کے کسی اختیار کا کوئی دخل نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی بھی بندے کی رہنمائی نہیں کر سکتا۔

جہاں تک معرفت اور دل کی کشادگی کا تعلق ہے' تو یہ غیبی خزانے سے متعلق ہے' اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی رہنما ہے اور انسان اپنے جیسے کسی شخص تک پہنچ سکتا ہے' لیکن پیدا کرنے والے تک نہیں پہنچ سکتا حالانکہ انسان کا' کسب اور اختیار بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے' لیکن جب وہ کسی کے ماتحت آ جاتا ہے' تو کسب کرنے والے کا کسب غائب کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے' اور حاصل شدہ چیز مغلوب ہو جاتی ہے' اس لیے بزرگی اس بات میں نہیں ہے کہ' انسان کی عقل انسان کے فعل کی دلالت سے حقیقی فاعل کا ادراک کرے' بلکہ عزت اور بزرگی اس بات میں ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے اپنی ذات کی نفی کر دے' پہلے شخص کو قولی معرفت حاصل ہوگی اور دوسرے شخص کو حالی معرفت حاصل ہوگی۔

ایک سوال

جو لوگ عقل کو معرفت کی علت قرار دیتے ہیں' آپ ان سے یہ سوال کر سکتے ہیں: آپ لوگوں کے ذہن میں معرفت کے نتیجے میں کیا چیز ثابت ہوئی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے' عقل کے ذریعے جو چیز ثابت ہوئی ہے معرفت اس کی نفی کا تقاضا کرتی ہے' اسے یوں واضح کیا جا سکتا ہے' عقل کی دلالت کے نتیجے میں ذہن میں خدا کی جو تصویر بنتی ہے' خدا ایسا ہو سکتا ہے' خدا کی حقیقت اس کے برعکس ہوگی' تو عقل کے اندر یہ صلاحیت کیسے حاصل ہو سکتی ہے' وہ استدلال کے ذریعے خدا کی معرفت حاصل کر سکے' اس کی وجہ یہ ہے' عقل اور ذہن دونوں کی جنس ایک ہے' اور جہاں جنس ثابت ہو جائے وہاں معرفت کی نفی ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے' عقل کے ذریعے استدلال کرنے کے نتیجے میں تشبیہ ثابت ہوتی ہے' اور اس کی نفی کے نتیجے میں معطل قرار دینا واجب آ تا ہے' کیونکہ عقل کی رسائی صرف وہم تک ہے' اور یہ دونوں چیزیں معرفت کے لیے بیکار ہیں' اس کی وجہ یہ ہے' تشبیہ کا عقیدہ رکھنے والے اور خدا کو معطل قرار دینے والے دونوں کو توحید کا عقیدہ رکھنے والا قرار نہیں دیا جا سکتا' تو جب عقل

کی رسائی وہاں تک ہے' جہاں تک اس کا امکان ہے' تو جو کچھ اس سے نمودار ہوگا' وہ سب کچھ ممکن یعنی مخلوق ہوگا۔

اولیاء کا طرزِ عمل

اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا' وہ جستجو اور تلاش کے بعد آخرکار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر علت اور سبب کے واسطے کے بغیر کھڑے ہو جاتے اور گریہ وزاری کے ہمراہ اس کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلا دے اور اپنے زخم کے لیے اس سے مرہم مانگے' اس کی وجہ یہ ہے' ان کا راستہ اپنی ذاتی قدرت اور طلب سے ناواقف تھا' اس وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت نے ان کی ہمنوائی کی اور وہ اس کی ذات تک رسائی پا گئے' اور غیبت کی تکلیف سے انہیں نجات مل گئی اور وہ لوگ محبت کے باغ میں جگہ بنا کے آرام دہ حالت میں آ گئے' اس کے نتیجے میں ان کی طبیعت میں سرور پیدا ہو گیا جب عقل نے دیکھا کہ وہ منزل تک پہنچ گئے' اس وقت عقل نے اپنا تصرف ظاہر کرنا چاہا' لیکن جب وہ ایسا نہ کر سکی تو چپ بیٹھ گئی اور حیران رہ گئی' جب حیرت غالب آئی تو عقل معزول ہو گئی' جب عقل معزول ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بندگی کا لباس عطا کیا اور فرمایا: اے عقل! جب تک تم اپنی ذات کی طرف متوجہ تھیں' اس وقت تک تم اپنے تصرف اور حجاب کی حالت میں تھی' جب تصرف کی یہ عادات ختم ہو گئیں اور تم تنہا رہ گئی اس وقت تم نے رسائی حاصل کر لی' اس طرح دل کو قربت حاصل ہو گئی اور عقل کو خدمت نصیب ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی معرفت' انسان کی اپنی معرفت میں پنہاں ہے۔ جب انسان کو اپنی معرفت حاصل ہو جائے' تو اللہ تعالیٰ بندے کو اپنی ذات تک رسائی عطا کر دیتا ہے تاکہ بندہ اس احسان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت کو پہچانے' وہ اسباب کے ذریعے نہ پہچانے' بلکہ اس کی شناخت اس کے اپنے وجود کے ذریعے ہو جو اُسے عطا کیا گیا ہے' اس مقام پر اس شخص کا وجود مکمل طور پر فانی ہو جاتا ہے' اور اس کا ذکر کسی نسیان کے بغیر ہوتا ہے' اور اس کی حالت صحیح ہو جاتی ہے' اب اسے معرفت حاصل ہوتی ہے' گفتار حاصل نہیں ہوتی ہے۔

معرفت اور الہام

کچھ لوگ اس بات کے قائل ہیں: اللہ تعالیٰ کی معرفت الہام کے ذریعے حاصل ہوتی ہے' حالانکہ یہ بھی ناممکن ہے' اس کی وجہ یہ ہے' معرفت کے ذریعے کسی چیز کے صحیح یا غلط ہونے کا جب پتہ چلتا ہے' تو جب انسان کو معرفت ہی حاصل نہ ہوتی ہو' تو اس کے ذریعے پہلے اپنے الہام کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں کیسے جانا جا سکتا ہے' ایک قسم کا الہام یہ بات ثابت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے' کسی دوسرے کا الہام یہ کہتا ہے' اللہ تعالیٰ مکان کا پابند ہے' یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں' اور لازمی طور پر ان میں سے ایک صحیح ہی ہوگا' اور دوسرا غلط ہوگا' تو ان دونوں میں سے کون سا دعویٰ صحیح ہے' اور کون سا دعویٰ غلط ہے؟ اس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہوگی' اس کے لئے محض الہام کام نہیں آ سکتا۔

یہ برہمنوں اور الہامیوں کے اقوال ہیں' اور میں نے کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے' جو اس بارے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں' اور خود کو بڑا پارسا قرار دیتے ہیں' حالانکہ وہ سب گمراہی کا شکار ہیں ان کے عقائد مسلمانوں کے عقائد کے بھی خلاف

ہیں' کفار کے ان نظریات کے بھی خلاف ہیں' جو عقل کے مطابق ہوتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے' بعض اوقات الہام کے دعویدار ایسے دعوے کرتے ہیں' جو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں' اور وہ سب باطل ہوتے ہیں' ان میں سے کوئی بھی حق پر نہیں ہوتا۔

اگر کوئی شخص یہ وضاحت کرے' خلافِ شریعت بات کو الہام قرار نہیں دیا جا سکتا تو ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے' تمہارا بنیادی اصول اور قاعدہ ہی غلط ہے' اس کی وجہ یہ ہے' تم شریعت کو الہام کے ساتھ ملا کر یہ کہہ رہے' ہمارا الہام شریعت سے ثابت ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت شریعت سے ثابت ہوتی ہے۔ نبوت کے ذریعے ثابت ہوتی ہے' اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ابدیت سے حاصل ہوتی ہے' یہ الہام کے ذریعے ثابت نہیں ہوتی اور معرفت کے بارے میں الہام کا حکم ہر اعتبار سے باطل ہے۔

فلسفیانہ معرفت

کچھ لوگ اس بات کے قائل ہیں: اللہ تعالیٰ کی معرفت ضروری ہے (یعنی غور و فکر کے ذریعے حاصل ہو جاتی ہے) لیکن یہ مؤقف بھی غلط ہے' اس کی وجہ یہ ہے' بندے کو جس چیز کا بھی علم ہو' اگر اسے بدیہی قرار دیا جائے' تو ایسا ضرور ہونا چاہیے' تمام عقل مند لوگ اس بارے میں متفق ہوں' حالانکہ میں نے فلسفیوں کے ایک گروہ کو دیکھا ہے' جو بدیہی کے ثابت ہونے کا انکار کرتے ہیں' اور تشبیہ و تعطیل کو جائز قرار دیتے ہیں۔

اس لیے اس بارے میں صحیح مؤقف یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی معرفت ضروری اور بدیہی نہیں ہے۔

اس کی ایک دلیل یہ بھی دی جاسکتی ہے' معرفت ضروری و بدیہی ہوتی تو اس پر مکلف کرنا جائز نہ ہوتا کیونکہ یہ بات ناممکن ہے' جس چیز کا علم غور و فکر کے بغیر حاصل ہو سکتا ہے' اس کی معرفت مکلف ہونے پر مبنی ہو' اس کی مثال یہ ہے' جیسے انسان کو اپنی ذات کی پہچان ہے' آسمان و زمین' دن' رات' درد و لذت وغیرہ کی پہچان ہے' یہ سب چیزیں ہیں' اور ان میں سے کسی ایک کے وجود کے لیے کسی بھی عقلمند کو کوئی بھی شک و شبہ لاحق نہیں ہوتا ہے' اور اسے اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی ہے' وہ اس حوالے سے پریشان ہو یا وہ اس کا علم حاصل کرنا چاہے' تو اسے علم حاصل نہ ہو سکے۔

البتہ صوفیاء کے گروہ نے اس یقین کا جائزہ لیا' تو انہوں نے یہ بات کہی: ہم اسے ضروری اور بدیہی سمجھتے ہیں' کیونکہ ہمارے دل میں اس حوالے سے کوئی شک و شبہ موجود نہیں ہے' یہ بات معنی کے اعتبار سے ٹھیک ہے' لیکن تعبیر اور بیان کے حوالے سے اسے غلط قرار دیا جائے گا' اس کی وجہ یہ ہے' علم میں جو چیز ضروری اور لازمی ہوتی ہے' اس میں صحیح اور درست ہونے کی تقسیم جائز نہیں ہوتی ہے' اور ہر طرح کی عقل رکھنے والے شخص کی حیثیت مساوی ہوتی ہے۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے' ضروری اور لازمی اس چیز کو کہا جاتا ہے' جو زندہ شخص کے ذہن میں کسی دوسری دلیل کے بغیر ظاہر ہو سکے' جبکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سبب کے بغیر حاصل نہیں ہوتے ہیں۔

شیخ استاد ابوعلی دقاق اور شیخ ابوسہل صعلوکی اور ان کے والد' جو نیشاپور کے بزرگ تھے' اس بات کے قائل ہیں: معرفت کا

آغاز استدلال سے ہوتا ہے' اور اس کا اختتام ضرورت اور بداہت پر ہوتا ہے' اہل سنت والجماعت میں سے چند حضرات کا مؤقف یہ ہے' جب جنت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں علم ضروری ہوگا تو یہ بھی جائز ہونا چاہیے' دنیا میں بھی یہ ممکن ہو' یعنی دنیا میں بھی وہ بدیہی ہو جائے۔

ایک رائے یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس وقت اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں خواہ وہ کسی واسطے کے بغیر سنیں یا وہ فرشتے سے سنیں' یا وحی کے ذریعے سنیں' تو وہ اُسے فطری تقاضے سے جانتے ہیں۔

ہم بھی اس بات کا یقین رکھتے ہیں: اہل جنت' جنت میں اللہ تعالیٰ کو بدیہی طور پر جانیں گے' اس کی وجہ یہ ہے' جنت میں شریعت کے احکام ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام عافیت کے اعتبار سے صحیح ہیں' اور یقینی طور پر محفوظ ہیں' اس لیے ان کی معرفت ضروری بھی ہوگی اور بدیہی بھی ہوگی' نیز انہیں خوف اور جدائی کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ایمان اور معرفت کو اس لیے فضیلت حاصل ہے' کیونکہ وہ غیب ہیں' جب وہ عیاں ہو جاتا ہے' تو ایمان خبر بن جاتا ہے' اور اس کے عیاں ہو جانے کے بعد اختیار ختم ہو جاتا ہے' اور شریعت کے اصول مضطرب ہو جاتے ہیں اور مرتد ہونے کا حکم باطل ہو جاتا ہے' اور ایسی صورت میں بلعم' برصیصا اور ابلیس کو کافر قرار دینا ٹھیک نہیں رہتا کیونکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے۔

اس کی دلیل یہ ہے' اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے مردود ہونے کی خبر دیتے ہوئے اس کا یہ بیان نقل کیا ہے:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (ص:۸۲)

''(شیطان نے کہا:) تری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ کر دوں گا''۔

حقیقت میں کوئی بات کرنا یا کسی کلام کو سننا معرفت کی مقتضیات میں سے ہے' اور عارف شخص جب تک عارف رہتا ہے وہ زوال کے خطرے سے محفوظ رہتا ہے' جب زوال آ جائے' تو معرفت ختم ہو جاتی ہے حالانکہ جو علم بدیہی ہوتا ہے وہ کسی بھی صورت میں زائل نہیں ہوتا ہے۔

ایک پیچیدہ مسئلہ

یہ بہت خطرناک مسئلہ ہے' اس کے لیے اتنا ہی جاننا شرط ہے' آپ یہ بات جان لیں! جس کے ذریعے آفت سے چھٹکارا مل جائے کیونکہ بندے کا اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے بارے میں علم اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کا ازلی علم اور اس کی عطا کردہ ہدایت کی توفیق شامل حال ہو۔

البتہ یہ ہو سکتا ہے' معرفت میں بندے کے یقین میں بعض اوقات کمی وبیشی ہوتی ہو' لیکن اصل معرفت میں کمی وبیشی ممکن نہیں ہے کیونکہ معرفت میں زیادتی بھی نقصان کا باعث ہوگی اور کمی بھی نقصان کا باعث ہوگی' اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت میں تقلید کرنا بھی جائز نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی کامل صفات کے ہمراہ جاننا لازم ہے' اور یہ بات اس وقت

درست ہوسکتی ہے، جب عنایت کا خیال رکھا جائے اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت شامل حال ہو تمام عقلی دلائل اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں اور اس کے قبضہ واختیار میں ہیں اگر وہ چاہے تو اپنے کسی ایک فعل کو آدمی کے لیے دلیل بنا سکتا ہے اور اس کے ذریعے آدمی کو ہدایت عطا کر سکتا ہے اور اگر وہ چاہے تو اس آدمی کو اپنے تمام افعال سے محجوب کر دے اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسائی سے محروم ہو جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی دلیل ہیں وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے گروہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے حجاب بھی بن گئے مسلمانوں نے انہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ اس کا رسول تسلیم کیا جبکہ عیسائیوں نے انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا اسی طرح بتوں سورج اور چاند وغیرہ کی مثال ہے کسی کے لیے یہ سب چیزیں معرفت کی دلیل ہیں اور کئی لوگ ان کی وجہ سے محرومی کا شکار رہتے ہیں۔

اگر دلیل ہی معرفت کی بنیادی علت ہوتی تو ہونا یہ چاہیے تھا استدلال کرنے والا شخص عارف ہوتا حالانکہ عملی طور پر ایسا نہیں ہے یہ بات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ کسی شخص کو برگزیدہ کر کے سب چیزوں کو اس کے لیے معرفت کی دلیل بنا دے تاکہ وہ ان ذرائع کے ذریعے اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرے اور خدا کی معرفت حاصل کرے۔

اس تمام بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کوئی بھی دلیل اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سبب بن سکتی ہے لیکن اسے معرفت کی علت قرار نہیں دیا جاسکتا اور کوئی بھی سبب کسی بھی حوالے سے ''مسبب'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات بہتر نہیں ہوسکتا۔

عارف شخص کے لیے سبب کا اثبات کفر ہے اور ''غیر'' کی طرف متوجہ ہونا شرک ہے

''وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ'' (الاعراف:۱۸۶)

تو جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں رہنے دے اسے کوئی رہنمائی نہیں دے سکتا۔

لہٰذا جسے اللہ تعالیٰ دلیل کے حوالے سے نابینا کر دے اسے کون ہدایت کی تصویر دکھا سکتا ہے جب کسی شخص کے لیے ''لوحِ محفوظ'' میں ''نہیں'' لکھ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اس کے بارے میں یہی ہو وہ شقی اور بدبخت ہوگا تو کوئی بھی دلیل اور استدلال اسے کیسے ہدایت دے سکتے ہیں:

'' مَنِ الْتَفَتَ اِلَی الْاَغْيَارِ فَمَعْرِفَتُهٗ زُنَّارٌ''

''جو شخص غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کی معرفت اس کے لیے زُنار ہے''۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے غیر میں گم اور ڈوبا ہوا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر اس ''غیر'' سے کیسے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب غار سے باہر تشریف لائے تھے تو انہوں نے کوئی بھی چیز نہیں دیکھی حالانکہ دن کے وقت زیادہ دلائل اور زیادہ متاثر کن براہین موجود ہوتے ہیں۔

لیکن جب رات ہوئی اور انہوں نے ستاروں کو دیکھا تو اگر اللہ تعالیٰ کی معرفت کی علت دلیل ہوتی تو دن میں حضرت

ابراہیم کو زیادہ دلائل نظر آ جاتے اور ان کے سامنے زیادہ عجیب نشانیاں ظاہر ہوئی تھیں' لیکن اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے بندے کو اپنی راہ دکھا دیتا ہے' اور اس کے سامنے معرفت کا دروازہ کھول دیتا ہے تا کہ وہ معرفت کے اس مسئلے تک پہنچ جائے جہاں عین معرفت بھی اسے ''غیر'' محسوس ہو اور معرفت کی صفت اسے آفت معلوم ہو کیونکہ معرفت کے ساتھ معروف' یعنی وہ ذات جس کی معرفت حاصل کی ہو' یعنی وہ شخص خدا سے محجوب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ معرفت کی تحقیق اسے اس درجے تک پہنچا دیتی ہے' معرفت اس کا دعویٰ بن جاتا ہے۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی تلقین

حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِیَّاکَ اَنْ لَّا تَکُوْنَ بِالْمَعْرِفَةِ مُدَّعِیًا ''تم اس بات سے بچو کہ تم معرفت کے مدعی بن جاؤ''۔

(سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے (کسی شاعر نے کہا ہے:)

یَدَّعِی الْعَارِفُوْنَ مَعْرِفَةً
اَقَرَّ بِالْجَهْلِ ذَاكَ مَعْرِفَتِیْ

''عارف لوگ تو معرفت کے دعویدار ہیں اور میں ناواقفیت کا اقرار کرتا ہوں' اور یہی میری معرفت ہے''۔

اس لیے یہ مناسب نہیں ہے' آپ لوگ معرفت کا دعویٰ کریں کیونکہ اس میں آپ کی بربادی ہے' اور آپ کا تعلق اسی خوبی کے ساتھ ہونا چاہیے جس میں آپ کی نجات ہو' اس کی وجہ یہ ہے' جس شخص کو کشف و مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے' اس شخص کے لیے اس کی اپنی ذات وبال بن جاتی ہے' اور اس کی اپنی تمام صفات اس کے لیے آفت بن جاتی ہیں' اور جو شخص خدا کا ہو جاتا ہے خدا اس کا ہو جاتا ہے' اس کے لیے ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہتی جس کی نسبت بندے کی طرف کرنا درست ہو' نہ ہی دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔

معرفت کی حقیقت یہ ہے' انسان ہر چیز کو خدا کی ملکیت سمجھے' جب انسان یہ بات جان لیتا ہے' ہر چیز خدا کی ملکیت ہے' اور اسی کے تصرف میں ہے' تو پھر اس کا مخلوق میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی سروکار نہیں رہتا' یہاں تک کہ انسان کو اپنی ذات کے ساتھ کوئی سروکار نہیں رہتا' اور وہ اپنے آپ سے اور تمام مخلوق سے محجوب ہو جاتا ہے' اور اس کا جواب یہ ہوتا ہے' وہ ہر شے سے ناواقف ہے' جب یہ کیفیت فنا ہو جاتی ہے' تو حجاب بھی پراگندہ ہو جاتا ہے اور دنیا اس کے لیے آخرت کی طرح ہو جاتی ہے۔

معرفت کے بارے میں مشائخ کرام کے بیان کردہ رموز

معرفت کے بارے میں مشائخ کرام کے بہت سے رموز اور لطائف منقول ہیں جن میں سے چند ایک یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْمَعْرِفَةُ اَنْ لَّا تَتَعَجَّبَ مِنْ شَيْئٍ ''معرفت اس چیز کا نام ہے' تم کسی بھی چیز پر حیران نہ ہو''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' تعجب کی کیفیت ایسی چیز کے بارے میں ہوتی ہے' جو بندے کی اپنی طاقت سے زیادہ ہوتی ہے' تو جب اللہ تعالیٰ کمال پر قادر ہے' تو کسی عارف کے لیے اس بات کی گنجائش ہی نہیں ہوگی' کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر حیرت اور تعجب کا اظہار کر سکے' اگر تعجب کے اظہار کی کوئی صورت ممکن ہوتی ہے' تو اس بات پر ہوسکتا ہے' اس نے مٹھی بھر خاک کو کس طرح اس درجے تک پہنچا دیا کہ وہ دنیا پر حکومت کر سکتا ہے' ایک خون کے قطرے کو اس مرتبے تک پہنچا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ سے دوستی کی باتیں کرنے لگا تو اللہ تعالیٰ کے دیدار' اس کی بارگاہ کے قرب و وصال کا خواہش مند ہونے لگا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَقِيْقَةُ الْمَعْرِفَةِ اِطِّلَاعُ الْحَقِّ عَلَى الْاَسْرَارِ بِمُوَاصَلَةِ لَطَائِفِ الْاَنْوَارِ

''معرفت کی حقیقت یہ ہے' اللہ تعالیٰ کے اسرار پر آدمی مطلع ہو جائے' اور انوارِ معرفت کے لطائف اس کے ہمراہ ہوں''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' اللہ تعالیٰ عنایت سے بندے کو اپنے انوار سے آراستہ کر کے تمام آفات سے محفوظ کر دیتا ہے' تو جب تک بندے کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی مخلوق کا اثر برقرار رہے گا اس وقت تک وہ غیبی اسرار حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کا ظاہر مغلوب ہو سکتا ہے' جب اللہ تعالیٰ انسان کے دل سے تمام اثرات کو نکال دیتا ہے' تو اس وقت اسے اپنا مشاہدہ نصیب کرتا ہے۔

ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت شبلی رحمہ اللہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْمَعْرِفَةُ دَوَامُ الْحَيْرَةِ ''معرفت' ہمیشہ حیران رہنے کا نام ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) حیرت کی دو قسمیں ہیں' ایک حیرت کا تعلق اس کے وجود سے ہے' جبکہ دوسری حیرت کا تعلق کیفیت کے ساتھ ہے' ہستی اور وجود میں حیرت کا اظہار کرنا صرف شرک ہے' البتہ کیفیت کے بارے میں حیرت کا اظہار ہو سکتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' عارف کے لیے اس کی ہستی اور وجود میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی' جبکہ اس کی کیفیت میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہے' اس جگہ اسے وجودِ باری میں یقین اور کیفیت میں حیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی لیے کسی نے کہا ہے:

يَا دَلِيْلَ الْمُتَحَيِّرِيْنَ زِدْنِيْ تَحَيُّرًا

''اے حیران لوگوں کی دلیل! تو میری حیرانگی میں اضافہ کردے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' انسان پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود کی معرفت اور اس کے اوصاف شامل ہونے کو ثابت کرتا ہے' اور یہ اقرار کرتا ہے' تمام مخلوق کا اصل مقصود وہی ہے' اور وہی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے' اور جو لوگ حیران ہیں ان کا تعلق اس کی کیفیت کے ساتھ ہے' اس کے بعد قائل نے یہ دعا کی ہے' اس کی حیرانگی میں مزید اضافہ ہو اور یہ اعتراف کیا ہے' اس کے مطلوب کی معرفت میں عقل کا کوئی دخل نہ ہو' کیونکہ وہاں حیرت اور سرگرانی کے علاوہ اس کے لیے اور کچھ نہیں ہے' یہ نہایت باریک مفہوم ہے۔

ایک احتمال کی وضاحت

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس میں ایک احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے' اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود کے بارے میں انسان کے اپنے ذاتی وجود میں حیرت کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ جب انسان حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرلیتا ہے' تو وہ اپنے وجود کو حق تعالیٰ کے تصرف اور قہر کا پابند پاتا ہے اور یقین کرلیتا ہے' اس کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے' اور اس کا نہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہے' کیونکہ ہر چیز کا قیام اسی سے ہے' تو میں کون ہوں' اور میں کہاں سے آیا ہوں' اور وہ اسی بارے میں پریشان رہتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مفہوم کی وضاحت کے لیے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

''جو شخص اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے وہ اپنے پروردگار کی معرفت حاصل کرلیتا ہے''۔

اس کی وجہ یہ ہے' فنا سے عقل اور صفت باطل ہو جاتے ہیں' اور جب کسی کا ''عین'' عقل میں نہ آسکتا ہو تو اس کی معرفت میں صرف حیرت پائی جاتی ہے۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْمَعْرِفَةُ اَنْ تَعْرِفَ اَنَّ حَرَكَاتَ الْخَلْقِ وَسَكَنَاتِهِمْ بِاللّٰهِ

''معرفت یہ ہے' تم یہ بات جان لو! مخلوق کی ہر حرکت اور ہر سکون اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوتا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی کسی بھی شخص کو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ملکیت میں تصرف کا اختیار نہیں ہوتا' ہر عین اس کے عین سے ہے' ہر اثر اسی کے اثر کی وجہ سے ہے' ہر صفت اس کی صفت کی وجہ سے ہے اور ہر حرکت وسکون اسی کے حرکت وسکون دینے سے ہے' کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ بندے کے وجود میں طاقت اور اس کے ذہن میں ارادہ پیدا نہیں

کرتا ہے اس وقت تک بندہ کچھ نہیں کر سکتا ہے' بندے کے افعال مجازی ہیں اور مخلوق کے تمام افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کا قول

پھر حضرت محمد بن واسع نے عارف کی تعریف کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

مَنْ عَرَفَ اللہَ قَلَّ کَلَامُہٗ وَدَامَ تَحَیُّرُہٗ

''جو شخص اللہ تعالیٰ کو جان لیتا ہے اس کا کلام کم ہو جاتا ہے' اور اس کی حیرانگی مستقل ہو جاتی ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' اُس کی تعبیر کی جاسکتی ہے' جو عبارت میں آسکتا ہے' اور عبارت ایک حد ہوتی ہے' لیکن جسے عبارت میں بیان کرنا چاہتے ہیں اس کی کوئی حد نہیں ہے' تو پھر عبارت کی بنیاد اس پر کیسے رکھی جاسکتی ہے؟ جب انسان کی ایک حد ہے' اور جس کو عبارت میں بیان کرنا ہے' اس اللہ تعالیٰ کی کوئی حد نہیں ہے' تو پھر اُسے عبارت کی حد بندی میں کیسے لایا جاسکتا ہے' جب انسان کا مقصود' عبارت میں نہیں سما سکتا' بندہ اس سے عاجز اور لاچار ہو جاتا ہے' اور اس وقت اس کی حیرانگی مستقل ہو جاتی ہے' اور اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہیں رہتا۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں:

حَقِیْقَۃُ الْمَعْرِفَۃِ اَلْعِجْزُ عَنِ الْمَعْرِفَۃِ بِاللّٰہِ ''(خود کو) معرفت سے عاجز سمجھنا ہی حقیقی معرفت ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی حقیقت کے بارے میں بندہ صرف یہی جان سکتا ہے' وہ اس کو سمجھنے سے عاجز ہے' یہ بھی ممکن ہے' بندہ اس کے زیادہ ادراک کا دعویدار نہ ہو' کیونکہ عجز اس کی طلب ہے' اور جب تک طلبگار اپنی صفت اور اسباب پر قائم رہتا ہے' اس وقت تک عجز کا اطلاق درست نہیں ہو سکتا ہے' البتہ جب وہ اسباب اور اوصاف سے گزر جاتا ہے' اس وقت اُسے فنا کی کیفیت حاصل ہوتی ہے' اسے آپ عجز قرار نہیں دے سکتے۔

بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں: ایسی حالت میں جب عاجزیت کی صفت برقرار اور ثابت ہوتی ہے' اور انسان خطاب کا پابند ہوتا ہے' تو اللہ تعالیٰ کی حجت اس پر قائم ہوتی ہے' اس وقت عاجِز ہونے کا نام معرفت ہے اور ہم تو عاجز ہو کر پیچھے رہ گئے ہیں۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ قول گمراہی پر مبنی ہے۔

ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں تم لوگ طلب کے اعتبار سے عاجز ہوتے ہو؟

اس کی وجہ یہ ہے' عجز کی دو نشانیاں ہیں' اور وہ دونوں تم میں موجود رہتی ہیں' ان میں سے ایک نشانی یہ ہے' طلب کے اسباب فنا ہو جائیں' اور دوسری نشانی یہ ہے' تجلی ظاہر ہو جائے۔

جب اسباب فنا ہو جاتے ہیں' تو وہاں عبارت بھی ختم ہو جاتی ہے' اگر ایسی صورت میں اپنے عاجز ہونے کا اعتراف

عبارت کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا اور جہاں تجلی ظاہر ہوتی ہے وہاں نشان باقی نہیں رہتا اور تمیز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی' یہاں تک کہ عاجز شخص خود بھی یہ نہیں جان سکتا' وہ عاجز ہے' یا اسے عجز کی طرف منسوب کیا گیا ہے' جس کی وجہ سے اُسے عاجز کہا جائے۔

اس کی یہ بھی صورت نہیں ہے' کیونکہ عجز' غیر ہے' اور غیر کی معرفت کا اثبات معرفت نہیں ہوتا کیونکہ جب تک دل میں غیر کی جگہ ہے عارف محض غیر کی تعبیر کرنے کی قدرت رکھتا ہے' اس وقت تک معرفت درست نہیں ہوتی' جب عارف شخص غیر سے مکمل طور پر لاتعلق ہو جائے گا اس وقت وہ مکمل عارف بنے گا ورنہ نہیں' تو آپ لوگوں کا یہ نظریہ اس حوالے سے صحیح نہیں ہے۔

شیخ ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ ابو حفص حداد فرماتے ہیں:

مُنْذُ عَرَفْتُ اللہَ مَادَخَلَ فِیْ قَلْبِیْ حَقٌّ وَّلَا بَاطِلٌ

''جب سے مجھے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی ہے' اس وقت سے میرے دل میں کسی حق یا باطل کے بارے میں خیال نہیں آیا''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' جب تک لوگوں سے تعلق اور خواہش برقرار رہتی ہے' اس وقت دل پر اس کا اثر ہوتا ہے' اور دل اس اثر کو قبول کر کے اسے نفس کے حوالے کر دیتا ہے' اور نفس باطل کا مقام ہے۔

اسی طرح جب دل میں کسی کی محبت ہمیشہ رہے گی تو اس کا اثر بھی دل پر ہوگا اور دل اس اثر کو روح کے حوالے کر دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے ''روح'' حق اور حقیقت کا سرچشمہ ہے' تو جب دل میں ''غیر'' کا دخل ہوگا تو کسی بھی ''عارف'' کے لیے دل کی طرف رجوع کرنا معرفت کے منافی ہوگا۔

تمام مخلوق معرفت کے دلائل دل ہی سے طلب کرتی ہے اور غرض اور نفسانی خواہش کا مرکز بھی دل ہے' جبکہ اہل معرفت غرض اور ہویٰ سے پاک ہوتے ہیں' وہ دل کی طرف رجوع نہیں کرتے' صرف حق تعالیٰ کی ذات سے آرام حاصل کرتے ہیں' اور دل سے آرام حاصل نہیں کرتے ہیں' ان کا رجوع ہمیشہ حق کی طرف ہوتا ہے' جو شخص دل کی طرف رجوع کرتا ہے' اور جس شخص کا رجوع حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے' ان دونوں کے درمیان بنیادی فرق یہی ہے۔

شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت شیخ ابوبکر واسطی نے یہ بات بیان کی ہے:

مَنْ عَرَفَ اللہَ اِنْقَطَعَ عَنِ الْکُلِّ بَلْ خَرَسَ وَانْقَمَعَ

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے' وہ گونگا ہو جاتا ہے اور ہر چیز سے الگ ہو جاتا ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ "میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا"۔

یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل ہو جائے' وہ ہر چیز سے کٹ جاتا ہے' اور کسی بھی چیز کی تعریف بیان کرنے سے اس کی زبان خاموش ہو جاتی ہے' اور وہ اپنے اوصاف سے بھی فانی ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے' جب تک نبی اکرم ﷺ غیبت کی حالت میں تھے آپ عرب و عجم میں سے سب سے فصیح شخص تھے' لیکن جب آپ کو غیبت سے حضوری کی کیفیت میں لے جایا گیا تو آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی:

"میری زبان میں یہ طاقت نہیں ہے' میں اس کی ثناء کا حق ادا کر سکوں"۔

یعنی میری گفتار بھی جواب دے گئی ہے اور حال بھی باقی نہیں رہا' "تو" ویسا ہی ہے' جیسا کہ تو درحقیقت ہے' میرا کلام یا اپنی ذات کے حوالے سے ہوگا' یا تیری وجہ سے ہوگا' اگر میری اپنی ذات کے حوالے سے ہوگا تو حجاب کی حالت میں ہوگا اور اگر تیری وجہ سے ہوگا تو تیرے قرب کی تحقیق میں میرا ذاتی اختیار عیب شمار ہوگا۔

یہی وجہ ہے' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی:

اے محمد! تم کچھ نہیں کہتے' صرف میں کہتا ہوں۔

لَعَمْرُکَ اِذَا سَکَتَّ عَنْ ثَنَائِیْ فَالْکُلُّ مِنْکَ ثَنَائِیْ

"تمہاری زندگی کی قسم! میری ثناء کرنے سے خاموشی اختیار کرنا تمہاری سب سے کامل ترین ثناء ہے"۔

یعنی اگر تم میری ثناء کرنے میں خاموش ہو' تو میں نے کائنات کے تمام اجزاء کو تمہارا نائب بنا کر یہ حکم دے دیا' وہ میری ثناء کریں اور یہ ثناء تمہاری طرف سے شمار ہوگی۔

(سترھواں باب) دوسرا کشف:

توحید کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ (البقرہ:۱۶۳) ''تمہارا معبود ایک ہی ہے''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الاخلاص:۱) ''تم فرمادو! اللہ ایک ہے''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ (النحل:۵۱) ''تم دو معبود نہ بناؤ' وہ (حقیقی) معبود ایک ہی ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

بَيْنَا رَجُلٌ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ اِلَّا التَّوْحِيْدَ فَقَالَ لِاَهْلِهٖ اِذَا مِتُّ فَاحْرِقُوْنِيْ ثُمَّ اسْتَحِقُوْنِيْ ثُمَّ ذَرُوْنِيْ نِصْفِيْ فِي الْبَرِّ وَنِصْفِيْ فِي الْبَحْرِ فِيْ يَوْمٍ رَائِحٍ فَفَعَلُوْا فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِلرِّيْحِ وَالْمَاءِ اَجْمِعَا اَخَذْتُمَا فَاِذَا هُوَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ لَهٗ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَاصَنَعْتَ فَقَالَ اِسْتِحْيَاءً مِّنْكَ فَغَفَرَلَهٗ *

''تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی وہ صرف توحید کا قائل تھا' اس نے اپنے گھر والوں سے یہ کہا' جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا اور پھر میری راکھ کو پیس کر میرے نصف حصے کو خشکی میں اُڑا دینا اور نصف حصے کو سمندر میں ڈال دینا' ایک ایسے دن میں جب ہوا تیز چل رہی ہو' اس کے گھر والوں نے

*صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب الخوف من اللہ' حدیث:6126 'صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء ' باب حدیث الغار' حدیث:3309صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب الخوف من اللہ' حدیث:6126صحیح مسلم' کتاب التوبۃ' باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالی وانہا سبقت غضبہ' حدیث:5059صحیح ابن حبان' کتاب الرقائق' باب الخوف والتقوی' ذکر رجاء مغفرۃ اللہ جل وعلا لمن غلبت علیہ حالۃ خوف' حدیث:650مشکل الآثار للطحاوی' باب بیان مشکل ما روی عنہ علیہ السلام فی الرجل الذی' حدیث:466مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بنی ہاشم' مسند ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ' حدیث:10885مسند ابی یعلی الموصلی' من مسند ابی سعید الخدری' حدیث: 966المعجم الاوسط للطبرانی' باب العین' باب المیم من اسمہ : محمد' حدیث:6520المعجم الکبیر للطبرانی' من اسمہ سہل' ابو عثمان النہدی' سلیمان التیمی ' حدیث:5997

ایسا ہی کیا' تو اللہ تعالیٰ نے ہوا' اور پانی کو حکم دیا' تم اسے اکٹھا کر دو جسے تم نے حاصل کیا تھا' تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہو گیا' اللہ تعالیٰ نے اس سے دریافت کیا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے عرض کی: تجھ سے حیا کی وجہ سے' تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت کر دی''۔

توحید کی حقیقت

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) توحید کی حقیقت یہ ہے' انسان اللہ تعالیٰ کو یکتا جانے اور اس بارے میں صحیح یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ذات اور صفات کے اعتبار سے اس کا کوئی ثانی نہیں ہے' اور افعال میں کوئی اس جیسا نہیں ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے' توحید کا عقیدہ رکھنے والوں نے اللہ تعالیٰ کو انہیں صفات کے ساتھ متصف تسلیم کیا ہے' اور عقل نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور وحدانیت کی طرف بلایا ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ توحید کی تین قسمیں ہیں:

(i) ایک اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات کو ایک جاننا' یعنی اس کا اپنی وحدانیت کو جاننا۔

(ii) دوسرا اللہ تعالیٰ کی توحید مخلوق کے لیے' یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو یہ حکم دینا کہ وہ اس کی توحید کے قائل ہوں' اور ان کے ذہن میں توحید کا احساس اور نظریہ پیدا کرنا۔

(iii) تیسرا مخلوق کا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علم رکھنا۔

جب بندے کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے' یعنی وہ اس کا عارف بن جاتا ہے' تو اس کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے۔

توحید کا عقیدہ

توحید کے بارے میں عقیدہ یہ ہونا چاہیے' اللہ تعالیٰ ایک ہے' وہ فصل (کسی دوسری چیز سے الگ ہونے) اور وصل (کسی دوسری چیز کے ساتھ مل جانے) سے پاک ہے' یعنی کوئی چیز اس کے ساتھ پیوست نہیں ہو سکتی یا کوئی چیز اس سے جدا نہیں ہو سکتی' اس کی وجہ یہ ہے' (پیوست یا جدا ہونے کے لیے کسی دوسری چیز کا موجود ہونا ضروری ہے) جبکہ توحید میں دوئی کا امکان بھی نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت عددی نہیں ہے' کہ دوسرے عدد کو ثابت کرنے کے نتیجے میں وہ دو ہو جائے' اور اللہ تعالیٰ ان دو میں سے ایک عدد ہو' جس سے اس کی وحدانیت کو عددی قرار دیا جا سکے' اسی طرح اللہ تعالیٰ محدود نہیں ہے' وہ مکان سے پاک ہے' وہ کسی جگہ کے اندر نہیں ہے' کہ اس کے لیے مکان ثابت کرنے کی ضرورت پیش آئے کیونکہ اگر وہ کسی مکان کے اندر محدود ہوتا' تو اس مکان کے لیے ایک اور مکان موجود ہونا لازم آتا اور پھر فعل' فاعل' قدیم ہونے کے اعتبار سے ہر حکم باطل ہو جاتا' اس طرح اللہ تعالیٰ عرض بھی نہیں ہے کہ اسے جوہر کا محتاج قرار دیا جائے' اور وہ جوہر کے اندر حل ہو جائے' اور اپنے اس محل میں موجود رہے' اللہ تعالیٰ جوہر بھی نہیں ہے کہ وہ اپنے وجود میں دیگر کے بغیر صحیح نہ ہو سکتا ہے' وہ طبعی بھی نہیں ہے'

اسے حرکت یا ساکن ہونے کا سرچشمہ قرار دیا جا سکے' وہ روح بھی نہیں ہے جو جسم کا محتاج ہو اور جسم بھی نہیں کہ اجزاء اور عناصر سے بنا ہو وہ کسی چیز میں حل نہیں ہو سکتا' کہ اسے کسی دوسری چیز کا ہم جنس قرار دیا جا سکے اور وہ کسی چیز کے ساتھ پیوست بھی نہیں ہو سکتا' اس چیز کو اس کا جزء قرار دیا جا سکے' بلکہ اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے طابق) ہر نقص سے بَری ہے' اور ہر خرابی سے پاک ہے' اور تمام عیوب سے مبرا ہے' اس کی کوئی مثال نہیں ہے' اس کی کوئی اولاد نہیں ہے' جس سے اس کی نسل کا سلسلہ چل سکے' اس کی ذات اور اس کی صفات میں کوئی تبدیلی وارد نہیں ہو سکتی' اس کے وجود میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی' وہ متغیر نہیں ہوتا' وہ ان تمام کامل صفات کے ساتھ متصف ہے' جنہیں اہل ایمان اور توحید کے قائل کے لوگ اپنی عقل کے نور کی وجہ سے ثابت کرتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے' اس نے خود بھی اپنی ذات کو ان صفات سے آراستہ قرار دیا ہے' اور اللہ تعالیٰ ان تمام صفات سے پاک ہے' کہ (جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں لیکن) نفسانی خواہشات کے پیروکار لوگوں نے اسے ان صفات سے متصف قرار دیا' اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ نے خود کو ان صفات کے ساتھ متصف قرار نہیں دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ "حی" ہے (ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے)' علیم ہے (ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے)' رؤف ہے (مہربان ہے)' رحیم (رحم کرنے والا)' قدیر ہے (قدرت رکھنے والا ہے)' سمیع (سننے والا ہے)' بصیر ہے (دیکھنے والا ہے)' متکلم ہے (کلام کرنے والا ہے)' باقی ہے (ہمیشہ رہنے والا ہے)۔

اس کا علم اس کا حال نہیں ہے' اور اس کی قدرت میں صلابت نہیں ہے' اس کے سننے اور دیکھنے کو اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور ان میں نیا پن نہیں آ سکتا (کیونکہ وہ وقت سے پاک ہے)' وہ اپنی تمام صفات کے ساتھ قدیم ہے' کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے' اور کوئی چیز اس کے ارادے سے باہر نہیں ہے' اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے' جو وہ چاہتا ہے' اور وہ اس بات کو چاہتا ہے' جو اس کی مشیت ہوتی ہے۔

مخلوق اسے جھانک کر نہیں دیکھ سکتی' اس کا حکم حق ہے' اس کے دوست یہ بات ماننے کے پابند ہیں' اس کا حکم قطعی ہے' جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا' اس کے علاوہ کوئی اور خیر یا شر کے بارے میں نہیں بتا سکتا ہے' اس کی ذات کے علاوہ کسی سے کوئی اُمید کوئی خوف نہیں رکھا جا سکتا' وہی نفع دینے والا ہے وہی نقصان پہنچانے والا ہے' حکم اور اختیار سے وہی موصوف ہے' اس کا حکم صرف حکمت پر مشتمل ہوتا ہے' اس کی مرضی کے بغیر کوئی بھی اس کی بارگاہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اور اس کی معرفت بھی حاصل نہیں کر سکتا' اہل جنت اس کا دیدار ضرور کریں گے' وہ تشبیہہ اور جہت سے پاک ہے' اس کی ذات کے مقابل یا روبرو نہیں ہوا جا سکتا' دنیا میں اس کے دوستوں کے لیے' اس کا مشاہدہ کر لینا ممکن ہے' اور اس کا انکار لازم نہیں ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ نظریات رکھتا ہے' وہ بے دین نہیں ہوگا' اور جس کے نظریات اس کے برعکس ہوں' وہ بے دین شمار ہوگا۔

اس موضوع کے اصول وفروع کے بارے میں بہت سا کلام ہے' لیکن طوالت کے خوف سے میں اسی بیان پر اکتفاء کرتا ہوں۔

(سیّدِ ہجویر ﷫ فرماتے ہیں:) میں نے اس فصل کے آغاز میں یہ بات بتا دی تھی کہ توحید کسی بھی چیز کو ایک قرار دینے کا نام ہے' اور یہ ''ایک قرار دینا'' علم کے بغیر نہیں ہو سکتا' اس لیے اہل سنت والجماعت' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا حقیقی طور پر حکم جاری کرتے ہیں' کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں عجیب وغریب افعال کا مشاہدہ کیا ہے' جس میں انہیں بہت سی حیران کن چیزیں نظر آئیں اور نتائج نظر آئے اور انہوں نے اس نظریے کو اپنا لیا ہے' یہ چیزیں خود بخود پیدا نہیں ہو سکتی ہیں' کیونکہ ان سب کے اندر ''حادث'' ہونے کی علامات نظر آتی ہیں' تو ان سب کے لیے ایک فاعل (یعنی خالق حقیقی) ہونا ضروری ہے' جو ان سب کو عدم سے وجود میں لاتا ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کی بات وہ ہے' جس نے تمام موجودات کو' سورج' چاند' ستارے' خشکی' سمندر' پہاڑ' دریا سب کو پیدا کیا ہے۔

پھر اس نے ان تمام شکلوں (تمام مخلوق) کو حرکت کرنے' ساکن کرنے' جاننے' بولنے' مر جانے' زندہ رہنے کے ساتھ وابستہ کیا ہے (اور یہ تمام صفات کسی خالق کے بغیر نہیں پائی جا سکتیں) یعنی ان کا وجود ایک ''صانع'' کے بغیر ممکن نہیں ہے' اور وہ ''صانع'' کوئی ایک ہی ہو سکتا ہے' جو کامل ہو' زندہ ہو اور کسی بھی حوالے سے کی بات میں کسی دوسرے کا شریک نہ ہو' وہ ان سب سے بے نیاز ہو کیونکہ فعل کے لیے فاعل کا ہونا ضروری ہے اور کسی ایک فعل کے ذریعے ایک سے زیادہ فاعل تو موجود ہوں گے' تو اس کا بعد میں نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ ایک دوسرے کے محتاج ہوں گے' تو لامحالہ طور پر اور کسی شک وشبہ کے بغیر یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ خدا ایک ہو سکتا ہے۔

خدا کے بارے میں گمراہ کن نظریات

اس بارے میں دو خدا ماننے والوں نے ہمارے ساتھ اختلاف کیا ہے' اور انہوں نے نور اور ظلمت کو الگ' الگ کر کے انہیں دو خالق قرار دے دیا ہے۔

اسی طرح آتش پرستوں نے یزداں (نیکی کے خدا کو) اور اہرمن (بدی کے خدا کو) الگ کر کے ہم سے الگ نظریہ اختیار کیا ہے۔

فطرت کی پرستش کرنے والوں نے فطرت اور قوت کو ثابت کر کے ہم سے اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔

علم افلاک کے ماہرین نے (یعنی نجومیوں) نے سات ستاروں کو ثابت کر کے ہم سے اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔

معتزلہ نے اس بارے میں بہت سے خالقوں اور بہت سے صانع ثابت کر کے اس بارے میں ہم سے اختلاف کیا ہے' میں نے ان سب کے جواب میں اکٹھی دلیل پیش کر دی ہے' یہ کتاب (کشف المحجوب) ان باطل نظریات کو غلط قرار دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ علم کے طلبگار اس موضوع کو دوسری کتاب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں جس کا نام میں نے ''الرعایۃ بحقوق اللہ'' تجویز کیا تھا اور اس کے علاوہ یہ مسائل دیگر متکلمین کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔

اب اس کے بعد ہم ان رموز ولطائف کی طرف متوجہ ہوں گے' جو توحید کے بارے میں مختلف مشائخ عظام نے بیان

کیے ہیں' باقی ہر چیز کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔

توحید کے بارے میں مشائخ عظام کے بیان کردہ رموز

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّوْحِیْدُ اِفْرَادُ الْقِدَمِ عَنِ الْحَدَثِ

''قدیم کو حادث سے الگ قرار دینے کا نام توحید ہے''۔

یعنی آپ ''قدیم'' ذات کو حادث کا محل نہ سمجھیں اور حادث کو قدیم کا محل نہ سمجھیں اور یہ بات ذہن میں رکھ لیں! اللہ تعالیٰ قدیم ہے' اور آپ خود حادث ہیں۔ آپ اور آپ کی جنس کوئی بھی چیز (یعنی کوئی بھی حادث چیز) قدیم ذات کے ساتھ نہیں مل سکتی اور قدیم ذات کی کوئی بھی صفت تمہارے اندر نہیں پائی جا سکتی' اس کی وجہ یہ ہے' قدیم اور حادث ہم جنس نہیں ہیں (کیونکہ حادث کا ہم جنس حادث ہی ہو سکتا ہے) جبکہ قدیم اس وقت بھی موجود تھا جب حادث موجود نہیں تھا' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ حادث کے موجود ہونے سے پہلے حادث کا محتاج نہیں تھا' تو حادث کے موجود ہونے کے بعد بھی اس کا محتاج نہیں ہوگا۔

کچھ لوگ اس بات کے قائل ہیں: ارواح' قدیم ہیں' اس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔

اگر کوئی شخص اس بات کا قائل ہو' قدیم ذات' حادث میں حلول کر سکتی ہے' یا حادث' قدیم کے ساتھ متعلق ہو سکتا ہے' تو پھر اللہ تعالیٰ کے قدیم ہونے اور بیان کے حادث ہونے کے بارے میں کوئی دلیل باقی نہیں رہے گی اور یہ دہریوں کا مذہب ہے' تو ہم اس واہیات عقیدے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

مختصر یہ ہے' حادث (کائنات) کی تمام حرکات توحید کی دلیل ہیں' اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کامل ہونے اور اس کی ذات کا قدیم ہونا ثابت کرتی ہیں' لیکن انسان اس بات سے غافل ہے' وہ اپنے ذہن میں ''غیر'' کو چاہتا ہے' یا وہ اللہ کے ذکر کی بجائے کسی غیر کے ذکر سے آرام پاتا ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے:

فَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ آیَةٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

''ہر چیز میں ایک نشانی موجود ہے' جو اس بات پر دلالت کرتی ہے' وہ خدا کی ذات ایک ہے''۔

جب تمہیں موجود کرنے کی یا معدوم رکھنے میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو یہ بات بھی محال ہوگی کہ تمہاری پرورش میں بھی اس کا کوئی شریک ہو۔

منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ حسین بن منصور حلاج فرماتے ہیں:

اَوَّلُ قَدَمٍ فِی التَّوْحِیْدِ فَنَاءُ التَّفْرِیْدِ

''توحید کے میدان میں انسان کا پہلا قدم یہ ہے' اللہ تعالیٰ اپنے حقیقی اوصاف میں منفرد نہیں ہے' بلکہ یکتا ہے''۔

اس کی وجہ یہ ہے' تفرید میں کئی خرابیوں سے جدا ہونے کا حکم آتا ہے' جبکہ توحید کسی ذات کی وحدانیت کا اقرار کرنے کا نام ہے' اس لیے تفرید میں غیر ثابت کرنا ممکن ہوسکتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور میں اس صفت کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا' اس لیے تفرید مشترک ہوگا جو ممکن اور واجب (یعنی اللہ تعالیٰ) دونوں پر صادق آسکتا ہے' لیکن توحید کیونکہ شرک کو مسترد کرتی ہے' اس لیے توحید میں پہلا قدم یہ ہوگا کہ شرک کی نفی کی جائے' تو راستے میں سے مزاج کو ہٹا دیا جائے کیونکہ توحید کے میدان میں مزاج کا موجود ہونا' اس طرح ہوگا جیسا کہ چراغ کی روشنی میں راستہ تلاش کیا جائے۔

شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

شیخ حصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اُصُوْلُنَا فِی التَّوْحِیْدِ خَمْسَةُ اَشْیَاءَ رَفْعُ الْحَدَثِ وَ اِثْبَاتُ الْقِدَمِ وَ هَجْرُ الْاَوْطَانِ وَمُفَارَقَةُ الْاَخْوَانِ' وَنِسْیَانُ مَاعَلِمَ وَجَهِلَ

''توحید میں ہمارے پانچ بنیادی اصول ہیں: حدث کو اٹھا دینا' قدیم ہونے کو ثابت کرنا' وطن کو ترک کر دینا' بھائیوں سے الگ ہوجانا اور جس چیز کا علم ہے' اور جس چیز کا علم نہیں ہے' اُسے بھول جانا''۔

حادث کو اٹھانے کا مطلب یہ ہے' ہر ایسی چیز کو ترک کر دیا جائے جو توحید کے خلاف ہے۔

قدیم کو ثابت کرنے کا مطلب یہ ہے' اللہ تعالیٰ کو قدیم جانے اور یہ بات ہم حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے حوالے سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

وطن چھوڑ دینے سے مراد یہ ہے' انسان نفس کی پسندیدہ اور مرغوب چیزوں کو ترک کر دے اور یہ حکم عوام کے لیے ہے' خواص کے لیے اس کا حکم یہ ہے' کشف اور کرامت کی لذتوں سے پرہیز کرے۔

بھائیوں سے الگ ہوجانے کا مطلب یہ ہے' اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی چیز کے ساتھ دل نہ لگایا جائے' اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کے غیر کی محبت انسان کے لیے حجاب بن جاتی ہے' اور غیر کی جتنی محبت ہوگی' انسان توحید کے حوالے سے اتنا ہی حجاب میں ہوگا۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے' توحید سے مراد یہ ہے' انسان ہر کام اللہ تعالیٰ کے لیے کرے' اور تفرید اس کی نفی کا دوسرا نام ہے۔

جس چیز کا علم ہے اور جس چیز کا علم نہیں ہے' اُسے بھول جانے کا مطلب یہ ہے' ہر چیز کا علم' اس چیز کی ماہیت' اس چیز کی حقیقت' اس کی جنس یا اس کی طبیعت کے حوالے سے ہوتا ہے' لیکن توحید ان تمام اُمور کی نفی کرتی ہے' جو انسان اللہ تعالیٰ کے

بارے میں سوچ سکتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' علم کی نفی ہونے کا نام جہالت ہے' اور توحید کا علم انسان کی سوچ سے بالاتر ہے' لیکن علم اور جہالت دونوں کا تعلق انسان کی سوچ اور دماغ کے ساتھ ہے' اور علم صحیح تخیل کو کہتے ہیں' اور جہالت غلط تخیل کو کہتے ہیں۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ پاس بیٹھا ہوا تھا' آپ کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے' اسی دوران مجھے نیند آ گئی میں نے خواب میں دو فرشتوں کو دیکھا کہ وہ آسمان سے اترے اور حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سننے لگے' ایک فرشتے نے دوسرے سے یہ کہا' یہ جو توحید بیان کر رہے ہیں' یہ ''عین توحید'' نہیں ہے' بلکہ توحید کے بارے میں معلومات ہیں۔

وہ بزرگ بیان کرتے ہیں: جب میں خواب سے بیدار ہوا' تو پتا چلا حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ توحید کے مطالب بیان کر رہے تھے' انہوں نے میری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: اے فلاں! توحید کو الفاظ کے بغیر بیان نہیں کیا جا سکتا۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّوْحِيْدُ اَنْ يَّكُوْنَ الْعَبْدُ شَخْصًا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ تَعَالٰى تَجْرِيْ عَلَيْهِ تَصَارِيْفُ تَدْبِيْرِهٖ فِيْ مَجَارِيْ اَحْكَامِ قُدْرَتِهٖ فِيْ لُجَجِ بِحَارِ تَوْحِيْدِهٖ بِالْفَنَاءِ عَنْ نَّفْسِهٖ وَعَنْ دَعْوَةِ الْخَلْقِ لَهٗ وَعَنْ اِسْتِجَابَتِهٖ لَهُمْ بِحَقَائِقِ وَجُوْدِ وَحْدَانِيَّتِهٖ فِيْ حَقِيْقَةِ قُرْبِهٖ بِذِهَابِ حِسِّهٖ وَحَرْكَتِهٖ لِيُقَامِ الْحَقُّ لَهٗ فِيْمَا اَرَادَ مِنْهُ وَهُوَ اَنْ يَّرْجِعَ آخِرُ الْعَبْدِ اِلٰى اَوَّلِهٖ فَيَكُوْنُ كَمَا كَانَ قَبْلَ اَنْ يَّكُوْنَ

''توحید یہ ہے' جب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی گزرگاہ میں اپنی تدبیر کے تصرف کو انسان پر طاری کرے تو انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک پتلا میں بن جائے' اور توحید کے سمندر میں اپنے ارادے اور اپنے اختیار سے خالی ہو جائے' اور اپنے نفس کو فنا کر دے' لوگوں کے کہنے کی طرف توجہ نہ کرے' اور ان کی طرف التفات نہ کرے' اور بھلائی کے محل میں اپنی حِس اور حرکت کو ختم کر دے اور وحدانیت کو معرفت اور حقیقت کے ذریعے جانے تا کہ وہ حق کے ساتھ قائم ہو جائے' حق تعالیٰ نے اس کے لیے جو ارادہ کیا ہے اُسے قبول کرے تا کہ اس محل میں انسان کا انجام اس کے آغاز کی مانند ہو جائے' اور انسان اس طرح ہو جائے جیسے وہ اپنی ہستی' یعنی (وجود میں آنے سے پہلے تھا)۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' توحید پر ایمان رکھنے والے شخص کو یہ چاہیے' وہ اپنے ذاتی ارادے اور اختیار کو اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اختیار میں ضم کر دے اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی میں گم کر دے' بالکل اسی طرح جیسے میثاق والے دن وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا تھا' یہاں تک کہ سوال کرنے والا اور جواب دینے والا وہ خود ہی تھا' جب

یہ صورتحال پیدا ہو جائے گی' تو پھر تو کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکے گا اور اس وقت نہ دعوت دینے کا امکان ہو گا' اور نہ دعوت کو قبول کرنے کا امکان ہو گا۔ اس مقام کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں فنا ہونے کے نام سے تعبیر کیا جائے گا' جس میں سالک اللہ تعالیٰ کے قہر مغلوب ہو جاتا ہے' اور ایک بے جان پتلے کی مانند ہو جاتا ہے' اگر اس کو نیزہ بھی لگ جائے' تو اسے محسوس نہ ہو' اس دوران وہ خدا کے رازوں کا خزانہ بن جاتا ہے' اور اس کا قول' اللہ تعالیٰ کا قول' اس کا فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور اس کی صفات اللہ تعالیٰ کی صفات کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں' لیکن اس کے باوجود وہ شریعت کا تابع ہوتا ہے خواہ رسم کے طور پر رہے' اس کی وجہ یہ ہے' اس وقت وہ ذاتِ حق میں گم ہو چکا ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا مقام قرب

یہ نبی اکرم ﷺ کی صفت ہے' کیونکہ جب آپ کو معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں اس مقام قریب پر پہنچا دیا تو یہ مقام اگرچہ ایک مسافت پر واقع تھا' لیکن آپ ﷺ کو حاصل ہونے والی قربت ایسی تھی جس میں کوئی مسافت نہیں پائی جاتی تھی اور آپ کا حال مخلوق کی عقل اور گمان سے بہت بعید اور ان کے وہم سے بالاتر تھا' یہاں تک کہ آپ اس تمام جہان سے بالاتر ہو گئے' اور خود کو ایک ایسے جہان میں گم کر دیا جہاں ''کب''، ''کہاں''، ''کیسے'' نہیں پایا جاتا' اس کی وجہ سے آپ کی طبیعت اور مزاج تبدیل ہو گئے' یہاں تک کہ آپ کا نفس آپ کا دل بن گیا اور آپ کا دل آپ کی جان بن گیا اور آپ کی جان آپ کا سرّ بن گئی اور ''سرّ''، قرب میں بتدیل ہو گیا تو آپ سب کچھ بھی ہو گئے اور سب سے جدا بھی ہو گئے' آپ اس وقت ایسی کیفیت میں رہنا چاہتے تھے' لیکن کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ آپ کو مخلوق کے لیے نمونہ بنایا جائے' اسی لیے آپ کو یہ حکم دیا' آپ اپنی حالت پر برقرار ہو جائیں' اس کے ساتھ ہی آپ کے اندر وہ طاقت آ گئی' جو دراصل خدا کی عطا کردہ طاقت تھی' جس سے آپ مقامِ فنا سے نکل کر مقامِ بقاء پر چلے گئے۔

یہی وجہ ہے' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنِّی لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ فَیُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ *

*صحیح البخاری' کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة' باب ما یکرہ من التعمق والتنازع فی العلم' حدیث:6890صحیح البخاری' کتاب الصوم' باب التنکیل لمن اکثر الوصال' حدیث:1876صحیح البخاری' کتاب الصوم' باب التنکیل لمن اکثر الوصال' حدیث:1877صحیح ابن خزیمة' کتاب الصیام' جماع ابواب وقت الافطار , وما یستحب ان یفطر علیه' باب الزجر عن الوصال فی الصوم' حدیث:1926صحیح ابن حبان' کتاب الصوم' فصل فی صوم الوصال' ذکر العلة التی من اجلها نهی عن الوصال' حدیث:3635موطا مالك' کتاب الصیام' باب النهی عن الوصال فی الصیام' حدیث:669سنن الدارمی' کتاب الصلاة' باب النهی عن الوصال فی الصوم' حدیث:1705سنن ابن ماجه' کتاب الزهد' باب المداومة علی العمل' حدیث:4238السنن الماثورة للشافعی' باب ما جاء فی النهی عن الوصال فی الصیام' حدیث:324مصنف عبد الرزاق الصنعانی' کتاب الصیام' باب الوصال' حدیث:7499مصنف ابن ابی شیبة' کتاب الصیام' ما قالوا فی الوصال فی الصیام من نهی عنه' حدیث:9431السنن الکبری للنسائی' کتاب الصیام' سرد الصیام' ذکر الاختلاف علی الزهری فی حدیث ابی هریرة فی الوصال' حدیث:3166 (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں اپنے پروردگار کے قرب میں رات بسر کرتا ہوں، وہ مجھے کھلا دیتا ہے اور وہ مجھے پلا دیتا ہے"۔

ایک مرتبہ یہ ارشاد فرمایا:

لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ

"اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجھے ایسی حاضری بھی نصیب ہوتی ہے، جس میں کوئی مقرب فرشتہ طریقہ کوئی "مرسل نبی" میرے ساتھ نہیں ہو سکتا"۔

سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں:

ذَاتُ اللّٰهِ مَوْصُوْفَةٌ بِالْعِلْمِ غَيْرُ مُدْرَكَةٍ بِالْإِحَاطَةِ وَلَا مَرْئِيَّةٌ بِالْأَبْصَارِ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا وَهِيَ مَوْجُوْدَةٌ بِحَقَائِقِ الْإِيْمَانِ مِنْ غَيْرِ حَدٍّ وَّلَا إِحَاطَةٍ وَّلَا حُلُوْلٍ وَتَرَاهُ الْعُيُوْنُ فِي الْعُقْبٰى ظَاهِرًا وَبَاطِنًا فِيْ مُلْكِهٖ وَقُدْرَتِهٖ وَقَدْ حَجَبَ الْخَلْقَ عَنْ مَعْرِفَةِ كُنْهِ ذَاتِهٖ وَلَهُمْ عَلَيْهِ بِاٰيَاتِهٖ وَالْقُلُوْبُ تَعْرِفُهٗ وَالْعُقُوْلُ لَا تُدْرِكُهٗ يَنْظُرُ إِلَيْهِ الْمُؤْمِنُوْنَ بِالْأَبْصَارِ مِنْ غَيْرِ إِحَاطَةٍ وَّلَا إِدْرَاكِ نِهَايَتِهٖ

"اللہ تعالیٰ کی ذات علم سے موصوف ہے، لیکن تم عقل کے ذریعے اسے سمجھ نہیں سکتے، اللہ تعالیٰ کی ذات علم سے موصوف ہے (یعنی اس کا علم حاصل ہو سکتا ہے مگر) اس کی ذات کے احاطے کے ہمراہ اس کا ادراک نہیں ہو سکتا، دنیا میں اسے ظاہری آنکھوں کے ذریعے نہیں دیکھا جا سکتا، کسی بھی حد، کسی بھی احاطہ اور حلول کے بغیر، وہ ایمان کے حقائق کے ہمراہ موجود ہے، آنکھیں آخرت میں اس کا دیدار کر لیں گی، وہ اپنی بادشاہی اور قدرت کے حوالے سے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے، مخلوق اس کی ذات کی حقیقت کی معرفت کے حوالے سے حجاب میں ہے، اس نے اپنی نشانیوں کے ذریعے اپنی ذات کی طرف مخلوق کی رہنمائی کی ہے، قلوب اس کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں، تاہم عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی ہے، (جنت میں) اہل ایمان اپنی آنکھوں کے ذریعے، کسی احاطے اور اس کی ذات کی کسی انتہاء کے ادراک کے بغیر، اس کا دیدار کریں گے"۔

(بقیہ حاشیہ) السنن الکبری للبیهقی، کتاب الصیام، باب النهی عن الوصال فی الصوم، حدیث: 7865 معرفة السنن والآثار للبیهقی کتاب الصیام، باب النهی عن الوصال فی الصوم، حدیث: 2696 مسند احمد بن حنبل، ومن مسند بنی هاشم، مسند ابی هریرة رضی الله عنه، حدیث: 7070 مسند الطیالسی، احادیث النساء، علقمة بن قیس عن عائشة، ابو سلمة بن عبد الرحمن عن عائشة حدیث: 1570 مسند الحمیدی، احادیث ابی هریرة رضی الله عنه، حدیث: 975 سند اسحاق بن راهویه، ما یروی عن ابی زرعة بن عمرو بن جریر، حدیث: 139 مسند ابی یعلی الموصلی، مسند ابی هریرة، حدیث: 5952 المعجم الاوسط للطبرانی، باب الالف، من اسمه احمد، حدیث: 1284 شعب الایمان للبیهقی، فصل من لم یر بسرد الصیام باسا اذا لم یخف علی، حدیث: 3729

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے یہ بات بیان کی ہے:

اَشْرَفُ كَلِمَةٍ فِي التَّوْحِيْدِ قَوْلُ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سُبْحَانَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلْ لِخَلْقِهِ سَبِيْلاً اِلٰى مَعْرِفَتِهِ اِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهِ

توحید کے بارے میں سب سے بہترین قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے جنہوں نے یہ فرمایا ہے:

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی ذات کی معرفت کے لیے مخلوق کے لیے صرف یہی راستہ رہنے دیا ہے کہ وہ خود کو اس ذات کی معرفت سے عاجز سمجھ لے''۔

بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ سمجھتے ہیں: معرفت سے عاجز ہونے کا مطلب یہ ہے انسان کے پاس معرفت نہیں ہے۔

حالانکہ یہ بات غلط ہے اس کی وجہ یہ ہے جو چیز موجود ہوتی ہے اس سے عاجز ہوا جا سکتا ہے جو چیز معدوم ہو اس سے عاجز ہونا ممکن نہیں ہے۔

اس کی مثال یہ ہے مردہ شخص موت سے عاجز ہوتا ہے کیونکہ اس کی قوت عجز کے نام کو محال جانتی ہے اسی طرح اندھا شخص بینائی سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ بینائی سے بینائی عاجز ہوتی ہے اسی طرح لنگڑا شخص کھڑا ہونے سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ بیٹھنے کی حالت میں بیٹھنے سے عاجز ہوتا ہے یہی حال عارف شخص کا ہوتا ہے وہ معرفت سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ معرفت تو موجود ہے اور یہ اس کے لیے ضروری و بدیہی ہے اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو اس بات پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ حضرت ابوسہل صلعو کی اور شیخ استاد ابوعلی دقاق نے بیان کی ہے۔

''آغاز میں معرفت نظری و کسبی ہوتی ہے لیکن بعد میں یہ ضروری و بدیہی بن جاتی ہے''۔

ضروری علم یہ ہوتا ہے اُسے جاننے والا شخص اس کی موجودگی کی حالت میں اسے دور کرنے اور اسے حاصل کرنے سے عاجز ہو تو اس قول کے اعتبار سے بندے کے ذہن میں توحید کا موجود ہونا دراصل حق تعالیٰ کا فضل ہوگا۔

شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلتَّوْحِيْدُ حِجَابُ الْمُوَحِّدِ عَنْ جَمَالِ الْاَحَدِيَّةِ

''احدیت کے جمال سے موحد کا حجاب میں ہونا توحید ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے وہ توحید کو بندے کا فعل قرار دیتے ہیں اور یہ بات طے ہے بندے کا کوئی بھی فعل اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کی علت نہیں ہو سکتا تو جو چیز کشف کی حالت میں کشف کی علت نہ ہو وہ حجاب ہوگی

حالانکہ بندہ اپنی تمام تر صفات کے ساتھ غیر ہوتا ہے' کیونکہ جب بندہ اپنی صفت کو حق جانے گا' تو جس کی یہ صفت ہوگی' یعنی جو اس صفت سے موصوف ہوگا' اُسے بھی حق تسلیم کرنا ہوگا کیونکہ صفت دراصل اس موصوف کی ہے' اس وقت مؤحد' توحید اور ''اَحد'' تین وجود بن جائیں گے جو ایک دوسرے کی علت ہوں گے' اور یہ بات عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کے مطابق ہو جائے گی' جو اس بات کے قائل ہیں: اللہ ان تین خداؤں میں سے ایک ہے۔

عارف شخص کے لیے اس کی کوئی بھی صفت جب تک توحید میں فنا کے لیے رکاوٹ رہے اس وقت تک اس صفت کی وجہ سے وہ محجوب رہے گا' اور خالص موحد نہیں رہے گا' اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ تمام تر موجودات باطل ہیں۔ یہ بات درست ہوگی' تو ایسا طالب شخص' حق تعالیٰ کے جمال کے مشاہدے میں' غیر کی صفت طلب کرنے کی وجہ سے باطل ہوگا۔

کلمہ ''لا اِلٰہ الا اللّٰہ'' کی یہی تشریح ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے' وہ ایک مرتبہ حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے گئے' حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے دریافت کیا: آج کل تمہاری کیا حالت ہے؟ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: میں اپنے توکل کو درست کر رہا ہوں' تو حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا:

ضَيَّعْتَ عُمْرَكَ فِيْ عِمْرَانِ بَاطِنِكَ فَاَيْنَ اَنْتَ عَنِ الْفَنَاءِ فِي التَّوْحِيْدِ

''تم نے تو اپنی ساری عمر اپنے باطن کو آباد کرنے میں ہی گزار دی ہے' تم توحید میں فنا کب ہو گے؟''

مختصر یہ ہے' توحید کے بیان میں مشائخ کے بکثرت اقوال منقول ہیں' کوئی اسے فنا قرار دیتا ہے' اور ایسی فنا جس کے ساتھ معیت درست نہ ہو' کوئی یہ کہتا ہے' اپنی ذات کو فنا کیے بغیر توحید درست نہیں ہوگی' بہر حال علم کے حصول کے لیے آپ اسے جمع اور تفرقہ پر قیاس کر سکتے ہیں۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید ایک ایسی مخفی حقیقت ہے' جسے الفاظ کے ذریعے ظاہر نہیں کیا جا سکتا' اگر کوئی شخص اس کو بیان کرنے کا دعویٰ کرتا ہے' تو وہ جھوٹ بولتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' بیان کرنے والا شخص اور اس کے بیان کردہ الفاظ دونوں غیر ہیں' اور توحید میں غیر کا اثبات شرک ہوتا ہے' اگر وہ ایسا کرتا ہے' تو یہ اس کی بیہودگی ہوگی' کیونکہ توحید کا قائل شخص ''ربانی'' ہوتا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ شخص ہوتا ہے' کوئی جھوٹا اور فریب کار نہیں ہوتا۔

یہ توحید کے احکام تھے اور اس بارے میں صوفیاء کے مسلک کا بیان تھا' جسے ہم نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

(اٹھارہواں باب) تیسرا کشف:

ایمان کا بیان

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النساء:۱۳۶)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ''۔

اللہ تعالیٰ نے کئی مقام پر یہ الفاظ استعمال کیے ہیں: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو!)

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ *

''ایمان سے مراد یہ ہے' تم اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں پر ایمان لاؤ (حدیث کے آخر تک)''۔

ایمان سے مراد دل کے ذریعے کسی بات کی تصدیق کرنا ہے۔

ایمان کی تعریف

شرعی طور پر اس کی تعریف کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں جن میں کافی اختلاف ہے۔

معتزلہ اس بات کے قائل ہیں: تمام علمی اور عملی عبادات' ایمان کا حصہ ہیں یہی وجہ ہے' ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے آدمی دائرۂ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

خوارج کا ایک فرقہ بھی اسی بات کا قائل ہے' یعنی وہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے بندے کو کافر قرار دیتے ہیں۔

ایک فرقہ اس بات کا قائل ہے' ایمان سے مراد صرف زبانی اقرار ہے۔

ایک فریق اس بات کا قائل ہے' ایمان سے مراد صرف معرفت ہے۔

---

*صحیح البخاری' کتاب تفسیر القرآن' سورة البقرة' باب قوله : ان الله عنده علم الساعة' حديث:4503صحيح مسلم' كتاب الايمان' باب معرفة الايمان' حديث:35صحيح ابن خزيمة' كتاب الزكاة' باب البيان ان ايتاء الزكاة من الاسلام بحكم الامينين : امين' حديث:2083صحيح ابن حبان' كتاب الايمان' باب فرض الايمان' ذكر الخبر الدال على ان الايمان ' حديث:159 سنن ابن ماجه' المقدمة' باب فى الايمان' حديث: 63مصنف ابن ابى شيبة' كتاب الايمان والرؤيا' ما ذكر فى الايمان والاسلام' حديث:29697مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بنى هاشم' مسند ابى هريرة رضى الله عنه' حديث:9319سند اسحاق بن راهويه' ما يروى عن ابى زرعة بن عمرو بن جرير ' حديث:137 شعب الايمان للبيهقى' فصل' حديث:409

اہل سنت کے بعض متکلمین اس نظریے کے قائل ہیں کہ ایمان' دل کی تصدیق کا نام ہے' ان کے نزدیک دل میں موجود ایک لطیف اور بسیط (یعنی جو مرکب نہ ہو) کیفیت' ایمان ہے' اور یہی کیفیت زبانی اقرار کا باعث بنتی ہے۔

میں نے ایمان (کے بارے) میں مختلف مباحث پر مشتمل ایک کتاب تحریر کی ہے۔

لیکن یہاں ہم صرف مشائخ کے نظریات پر بحث کریں گے۔

مشائخ کے اس بارے میں دو گروہ ہیں۔

بعض مشائخ کے نزدیک ایمان لفظی اقرار' قلبی تصدیق اور عمل کا مجموعہ ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض' شیخ بشر حافی' حضرت خیر النساج' حضرت سمنون المحب' شیخ ابوحمزہ بغدادی' شیخ محمد جریری رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے اہلِ علم (اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے) اسی بات کے قائل ہیں۔

جبکہ مشائخ کے دوسرے گروہ کے نزدیک ایمان' اقرار اور تصدیق کا مجموعہ ہے (عمل کو ایمان کا حصہ قرار نہیں دیا جائے گا)۔

اس گروہ میں شیخ ابراہیم بن ادہم' شیخ ذوالنون مصری' حضرت بایزید بسطامی' حضرت حاتم اصم' حضرت ابوسلیمان دارانی' شیخ حارث محاسبی' حضرت جنید بغدادی' حضرت سہل بن عبداللہ تستری' حضرت شقیق بلخی' حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔

فقہاء امت کی ایک جماعت کا نظریہ پہلے موقف کے مطابق ہے' جن میں امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں' جبکہ امام ابوحنیفہ' شیخ حسین بن فضل بلخی' امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب' یعنی امام ابو یوسف' امام محمد اور داؤد طائی (رحمۃ اللہ علیہم) دوسرے نظریے کے قائل ہیں۔

لیکن یہ اختلاف لفظی اعتبار سے ہے' معنوی اعتبار سے نہیں ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ تمام اہل سنت والجماعت اور تمام اہل معرفت اور اہل تحقیق کا اس بات پر اتفاق ہے' ایک چیز ایمان کی اصل ہے' اور ایک چیز ایمان کی فرع ہے' ایمان کی اصل' دل کے ذریعے تصدیق کرنا ہے' اور ایمان کی فرع اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے' عربوں کے محاورے میں یہ بات شامل ہے' بعض اوقات کسی چیز کی فرع کو اصل کے نام سے بلایا جاتا ہے' ایسا استعارہ اور مجاز کے طور پر ہوتا ہے یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے تمام زبانوں میں سورج کی روشنی کو سورج کہہ دیا جاتا ہے۔

اسی حوالے سے ایک گروہ نے عبادت کو ایمان کا نام دیا ہے' یعنی جب تک بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتا' اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں رہ سکتا کیونکہ عذاب سے بچنے کے لیے محض تصدیق کافی نہیں ہوتی ہے' جو شخص جتنی زیادہ عبادت کرے گا' وہ عذاب سے اتنا ہی زیادہ محفوظ رہے گا۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے، قلبی تصدیق اور زبانی اقرار کے ساتھ عبادت بھی امن کے حصول کا باعث ہے اس لیے بعض حضرات عبادت کو بھی ایمان کا نام دے دیتے ہیں۔

بعض اہل علم اس بات کے قائل ہیں: امن (یعنی جہنم سے نجات) کا بنیادی سبب' اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے' اس کی عبادت نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے' اگر آدمی عبادت کرے' اور اُسے معرفت حاصل نہ ہو' تو ایسی عبادت آدمی کو کوئی فائدہ نہیں دے گی' لیکن اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور عبادت کے معاملے میں وہ کوتاہی میں مبتلا ہو بھی جائے انسان آخر کار نجات پائے گا' اور نجات کا مدار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہو گا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے تحت اس کی غلطی کو معاف کر دیا' یا نبی اکرم کی شفاعت کے ذریعے اس کو بخش دیا جائے گا یا اس نے جو گناہ کیا تھا اس کے بدلے میں مخصوص سزا دینے کے لیے جہنم میں بھیج دیا جائے گا اور پھر بعد میں جنت میں داخل کر دیا جائے گا' جن لوگوں کو معرفت حاصل ہے وہ گناہ گار ہوں' تو بھی اسی معرفت کی وجہ سے وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے' یہ اس بات کی دلیل ہو گی کہ جہنم سے بچاؤ کی بنیادی علت عبادت نہیں ہے۔

محض عمل' نجات کا ذریعہ نہیں ہے

اس بات کی تائید نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے' ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

لَن يَّنْجُوَ اَحَدُكُمْ بِعَمَلِهٖ قِيْلَ وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَن يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ

''کوئی بھی شخص اپنے عمل کی وجہ سے نجات نہیں پائے گا' لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: میں بھی نہیں' البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت کے ذریعے ڈھانپ دیا ہے''۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے' اپنی حقیقت کے اعتبار سے ''ایمان'' اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نام ہے' اور اس بات پر تمام امت کا اتفاق ہے' اقرار' عمل کو قبول کرنا ہے' کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو گی وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے' کسی صفت کے حوالے سے اس کی معرفت حاصل کرے گا' اور اللہ تعالیٰ کی تمام تر صفات تین حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔

وہ صفات جو اس کی ذات کے جمال سے متعلق ہیں' دوسری وہ صفات جو اس کی ذات کے جلال سے متعلق ہیں' اور تیسری وہ صفات جو اس کی ذات کے کمال سے تعلق رکھتی ہیں۔

اس کی صفات کے کمال کی گہرائی تک پہنچنا مخلوق کے بس کی بات نہیں ہے' وہ صرف یہ اعتراف کر سکتی ہے' وہ ان صفات کے کمال کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں تسلیم کرلے اور اس کی ذات سے ہر نقص اور ہر عیب کی نفی کر دے۔

جو شخص معرفت میں حق تعالیٰ کے جمال کا مشاہدہ کرتا ہے وہ شخص ہمیشہ اس کے دیدار کا مشتاق رہتا ہے۔

جو شخص حق تعالیٰ کے جلال کا مشاہدہ کرتا ہے' وہ شخص اپنے ذاتی اوصاف سے ہمیشہ روگرداں رہتا ہے' اور اس کے ذہن میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ہیبت موجود رہتی ہے' یہ شوق' محبت کی تاثیر ہے اور بشری اوصاف سے متنفر ہونا بھی ایسا ہی ہے یعنی یہ

بھی محبت کی تاثیر ہے' اس کی وجہ یہ ہے' محبت کے بغیر بشری اوصاف کے حجاب کو ہٹایا نہیں جا سکتا' اس سے یہ بات پتہ چل جاتی ہے' ایمان اور معرفت' محبت کا دوسرا نام ہے' اور محبت کی علامت فرمانبرداری ہے' اس کی وجہ یہ ہے' جب دل مشاہدے کا محل بن جاتا ہے' آنکھیں دیدار کا محل بن جاتی ہیں' اور انسان کا اپنا وجود عبرت کا محل بن جاتا ہے' تو جسم اور دل مشاہدے کا مقام بن جاتا ہے' اور جسم کا یہی حق ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہ کرے' اور جس شخص کا جسم اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو' اس کا مطلب یہ ہے' اسے معرفت حاصل نہیں ہو سکی ہے۔

یہ خرابی آج کل کے بناوٹی صوفیوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے' ان بے دین لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے جمال کی خوبیاں دیکھیں اور ان کی قدر ومنزلت کے بارے میں جان لیا' تو وہ خود کو بھی ان جیسا ظاہر کرنے لگے اور یہ کہنے لگے' رنج اور مشقت اس وقت تک باقی رہتے ہیں' جب تک معرفت حاصل نہ ہو' جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے' تو جسم سے ظاہری فرمانبرداری (یعنی احکام بجالانے) کی مشقت ختم ہو جاتی ہے حالانکہ یہ مؤقف غلط ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں: جب انسان کو معرفت حاصل ہو جائے' تو اس کے دل کو شوق کا محل بن جانا چاہیے اور اس وقت اس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور بھی زیادہ ہو جانی چاہیے' نہ کہ وہ سرے سے معدوم ہی ہو جائے۔

اگر ہم اسے جائز قرار دیتے ہیں کہ فرمانبردار شخص اس مرتبے تک پہنچ جاتا ہے' کہ اس سے اطاعت کی مشقت اٹھ جاتی ہے' تو اس کا مطلب یہ ہے' اسے عام فرد جیسی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اور اُسے حکم کی فرمانبرداری کی ایسی توفیق مل جاتی ہے' دوسرے لوگوں کے نزدیک وہ عمل مشقت ہوتا ہے' جبکہ اس شخص کے نزدیک کسی مشقت کے بغیر اس عمل کو سرانجام دیا جا سکتا ہے' اور یہ بات انسان کو اس وقت حاصل ہوتی ہے' جب اس میں کمال پیدا ہو جاتا ہے تڑپ اور بیقراری پیدا ہو جاتی ہے۔

بعض لوگوں کا نظریہ

کچھ لوگ اس بات کے قائل ہیں: ایمان صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوتا ہے'' جبکہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں: ایمان کا تعلق صرف بندے کے ساتھ ہے' اس مسئلے میں ''ماوراء النہر'' کے لوگوں میں بہت زیادہ اختلاف ہے' جو لوگ اسے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ انسان کو مجبور قرار دیتے ہیں اور جو اس کی نسبت صرف بندوں کی طرف کرتے ہیں' وہ تقدیر کے منکر ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر انسان اس کے بارے میں جان ہی نہیں سکتا' جبکہ حقیقی توحید وہ ہے' جو جبر اور قدر کے نظریے کے دُرمیان ہے' یعنی جبر سے نیچے اور قدر سے اوپر ہے۔

حقیقت کے اعتبار سے ایمان بندے فعل ہے' لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق اور ہدایت شامل ہوتی ہے' کیونکہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ رہنے دے' اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کر دے اُسے کوئی بھی گمراہ نہیں کر سکتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یَّہۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ وَمَنۡ یُّرِدۡ اَنۡ یُّضِلَّہٗ یَجۡعَلۡ صَدۡرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا (الانعام:۱۲۵)

''تو جس شخص کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے' اور جس شخص کے گمراہ رہنے کا ارادہ کرلے' اس کے سینے کو سخت اور تنگ کر دیتا ہے''۔

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے' بندے کے لیے یہی مناسب ہے' وہ ہدایت کی توفیق کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرے' اور ایمان کے فعل کو اپنی ذات سے منسوب کرے۔

ایمان کی علامات میں یہ بات شامل ہے' انسان دل سے توحید کا اعتقاد رکھے' آنکھوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے' حق کی نشانیوں سے عبرت حاصل کرے' کان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنے' معدے کو حرام چیزوں سے خالی رکھے' زبان کے ذریعے سچ بولے' جسم کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اس حد تک بچا کر رکھے کہ انسان کا باطن اور ظاہر ایک جیسا ہو جائے' یہ سب چیزیں ایمان کی علامات ہیں۔

ایمان میں کمی وبیشی کی بحث

اسی بنیاد پر کچھ لوگوں نے ایمان میں کمی اور زیادتی کو درست قرار دیا ہے' حالانکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے' معرفت میں کوئی کمی یا اضافہ نہیں ہوتا ہے' کیونکہ اگر معرفت کمی یا اضافے کو قبول کرے تو جس ذات کی معرفت حاصل ہو رہی ہے' اس میں کمی اور بیشی بھی لازم آ جائے گی حالانکہ اس میں ایسی کوئی کمی یا بیشی نہیں ہوتی' اس لیے مناسب یہ ہے کہ معرفت میں بھی کمی وبیشی نہیں ہونی چاہیے' کیونکہ ناقص کی معرفت (حقیقت کے اعتبار سے) معرفت نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے ہونا یہ چاہیے: کمی وبیشی' اعمال' اور فروع میں ہو' اس بات پر اتفاق ہے فرمانبرداری میں' اعمال اور فروع میں کمی وبیشی ہوتی ہے۔

حشویہ فرقے کے لوگ' جو ان دونوں طرح کے موقوف کے قائلین سے نسبت رکھتے ہیں' ان کے لیے یہ مسئلہ بہت مشکل ہے' کیونکہ حشویہ فرقہ کا ایک گروہ اعمال کو بھی ''ایمان'' قرار دیتا ہے جبکہ دوسر گروہ زبانی اقرار کے علاوہ اور کسی بھی چیز کو ''ایمان'' تسلیم نہیں کرتا ہے۔ یہ دونوں موقف بے انصافی کی وجہ سے ہیں۔

ایمان کی حقیقت

جہاں تک ایمان کی حقیقت کا تعلق ہے' تو جب بندے کے تمام اوصاف اللہ تعالیٰ کی طلب میں مشغول ہو جاتے ہیں' تو اہل ایمان کا اس بات پر اتفاق ہے' اس وقت معرفت کا سلطان ناپسندیدہ صفات پر غالب آ جاتا ہے' اور جہاں ایمان آ جاتا ہے وہاں سے انکار کے اسباب دور ہو جاتے ہیں۔ جیسے مشہور مقولہ ہے:

اِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ عَطَلَ الْمِصْبَاحُ

''جب صبح طلوع ہو جاتی ہے تو چراغ کی ضرورت باقی نہیں رہتی''۔

ویسے بھی کہا جاتا ہے' دن کے موجود ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا (النحل:۳۴)

''بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں' تو اسے برباد کر دیتے ہیں''۔

جب عارف شخص کے دل میں معرفت کی حقیقت غالب ہو کر داخل ہوتی ہے' اس وقت اس کے ذہن سے گمان' شک' انکار کی طاقت کو ختم کر دیتی ہے' اور معرفت کا سلطان انسان کے حواس اور اس کی خواہشات کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے تا کہ انسان جو کچھ بھی کرے' جو کچھ بھی دیکھے' جو کچھ بھی کہے وہ سب اس کے فرمان کے مطابق ہو۔

ابراہیم خواص کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم خواص سے لوگوں نے دریافت کیا: ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں اس کا جواب نہیں دوں گا کیونکہ میں جو کہوں گا وہ الفاظ ہوں گے' اس کے لیے ضروری یہ ہے' عمل کے ذریعے تمہیں جواب دیا جائے' میں مکہ جا رہا ہوں' تم بھی میرے ساتھ چلو تا کہ راستے میں اس سوال کا جواب حاصل کر سکو۔

راوی بیان کرتے ہیں: میں نے ایسا ہی کیا' میں ان کے ساتھ ایک جنگل میں پہنچا' وہاں روزانہ دو روٹیاں اور پانی کے دو پیالے آ جایا کرتے تھے جن میں سے ایک وہ میرے آگے رکھ دیا کرتے تھے اور ایک اپنے آگے رکھ لیا کرتے تھے' ایک مرتبہ اس جنگل میں ایک عمر رسیدہ شخص سوار ہو کر آیا' جب اس نے حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو وہ گھوڑے سے اتر کر شیخ ابراہیم خواص کو ملا' ان دونوں نے آپس میں بات چیت کی پھر وہ بوڑھا سوار ہو کر چلا گیا' میں نے حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: یہ کون صاحب تھے؟ انہوں نے کہا: یہ تمہارے سوال کا جواب تھے' میں نے دریافت کیا: وہ کس طرح؟ انہوں نے کہا: یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے' یہ اور میرے ساتھ رہنا چاہ رہے تھے' لیکن میں نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔ راوی بیان کرتے ہیں: میں نے دریافت کیا: آپ نے انکار کیوں کیا؟

انہوں نے جواب دیا: مجھے یہ اندیشہ تھا' ان کی صحبت میں میرا اعتقاد ان کے ساتھ نہ ہو جائے' اور میں اللہ تعالیٰ کو نہ چھوڑ دوں' اس طرح تو میرا توکل برباد ہو جائے گا' ایمان کی اصل حقیقت توکل کی حفاظت کرنا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ''اور اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرو' اگر تم واقعی مؤمن ہو''۔

محمد بن خفیف کی بیان کردہ تعریف

حضرت محمد بن خفیف بیان کرتے ہیں:

اَلْاِيْمَانُ تَصْدِيْقُ الْقَلْبِ بِمَا عَلِمَ بِهِ الْغُيُوْبُ

''غیب کی جس چیز کے بارے میں انسان کو علم ہوتا ہے' اس کی دلی طور پر تصدیق کرنا ہی ایمان ہے''۔

اس کی وجہ یہ ہے' ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا۔

وہ آدمی کو اس وقت حاصل ہوتی ہے' جب اللہ تعالیٰ انسان کو اس سے آگاہ اور شناسا کر دے' اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے' جو انسان کے دل میں معرفت اور علم پیدا کرتی ہے' تو اس کا مطلب یہ ہوا' معرفت اور علم کا بنیادی تعلق بندے کے کسب کے ساتھ نہیں ہے' تو جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا یقین ہوگا' وہی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا ہوگا' جب تک اللہ تعالیٰ کی تائید شامل حال نہ ہو' اس پر یقین نہیں لایا جا سکتا' ایسا صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ انسان کو اس کا علم عطا کرے' جس طرح حقیقت سے عارفین اور علماء واقف ہوتے ہیں لیکن ہم اس کتاب (کشف المحجوب میں) دوسرے بہت سے مقامات پر اس موضوع پر بحث کر چکے ہیں۔ اس لیے یہاں صرف اسی قدر بیان پر اکتفاء کرتے ہیں' تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے' اہل بصیرت کے لیے اتنا ہی بیان کافی ہے۔ اب میں معاملات (یعنی ظاہری اعمال) کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور ان (کے حقائق سے) حجاب (یعنی پردہ) ہٹاتا ہوں۔ تاکہ طالبان طریقت کو فائدہ حاصل ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا (تو میں یہ بیان کروں گا)۔

(انیسواں باب) چوتھا کشف:

طہارت کا بیان

ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض طہارت کا حصول ہے' خاص طور پر نماز کی ادائیگی کے لیے یہ ضروری ہے' جسم کی طہارت یہ ہے' جسم کو جنابت اور نجاست دونوں سے پاک رکھا جائے' اور شرعی حکم کی پیروی کرتے ہوئے تین دفعہ اعضاء کو دھویا جائے' اور سر کا مسح کیا جائے' اگر پانی دستیاب نہ ہو یا بیماری زیادہ ہونے کا اندیشہ ہو' تو تیمم کرلیا جائے' یہ احکام سب جانتے ہیں۔

طہارت کی دو اقسام

یہ بات آپ ذہن نشین کرلیجیے کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں:

ایک باطنی طہارت ہے' اور دوسری ظاہری طہارت ہے۔

ظاہری طہارت کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ہے' اور باطنی طہارت کے بغیر معرفت درست نہیں ہوتی ہے۔

جسمانی طہارت کے حصول کے لیے صرف ایسے پانی کی ضرورت ہوتی ہے' جو مطلق ہو' وہ ناپاک نہ ہو' اور اُسے استعمال نہ کیا گیا ہو' باطنی کی طہارت کے حصول کے لیے خالص توحید کی ضرورت ہوتی ہے' جو مخلوط نظریات اور منتشر حقائق پر مشتمل نہ ہو۔

صوفیاء کرام صرف ظاہری طور پر پاک ہوتے ہیں' اور باطنی طور پر بھی پاک وصاف رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک صحابی سے یہ ارشاد فرمایا تھا:

دُمْ عَلَى الْوُضُوْءِ يُحِبُّكَ حَافِظَاكَ "تم باوضو رہو تمہارے محافظ (فرشتے) تم سے محبت کریں گے"۔

جو لوگ ظاہری طور پر طہارت کا خیال رکھتے ہیں' فرشتے انہیں دوست رکھتے ہیں' اور جو لوگ باطنی طور پر توحید کے حوالے سے خود کو پاک وصاف رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے' نبی اکرم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِىْ مِنَ النِّفَاقِ "اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے پاک کردے"۔

حالانکہ نبی اکرم ﷺ تک نفاق کسی صورت میں نہیں پہنچ سکتا' لیکن اپنی بزرگی کی طرف دیکھنا بھی دراصل غیر حق کی طرف دیکھنے کے مترادف ہے۔ توحید میں غیر کا اثبات' نفاق کی مانند ہے' یہ بات ٹھیک ہے' کامل مریدین اپنے مشائخ کی کرامت اور بزرگی کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے ہیں' لیکن کمال تک پہنچنے کے لیے یہ بزرگی بہت بڑا حجاب ہوتی ہے' کیونکہ غیر کی طرف دیکھنا ایک (بڑی) آفت ہے۔

بایزید بسطامی کا قول رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

نِفَاقُ الْعَارِفِيْنَ اَفْضَلُ مِنَ اِخْلَاصِ الْمُرِيْدِيْنَ

''عارف لوگوں کا نفاق مرید کے اخلاص سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' مرید جس مقام پر فائز ہوتا ہے' کامل کے لیے وہ مقام حجاب کی حیثیت رکھتا ہے' کیونکہ مرید کا مقصود یہ ہوتا ہے' وہ کرامت حاصل کرے' اور کامل کا مقصود یہ ہوتا ہے' وہ کرامت دینے والے کو حاصل کرے۔

لہٰذا کرامت کو ثابت کرنا اہل حق کے نزدیک نفاق کی مانند ہے' کیونکہ اس کی طرف دیکھنا بھی غیر کو دیکھنے کے مترادف ہے' جسے اللہ تعالیٰ کے دوست آفت سمجھتے ہیں' گنہگار لوگ اُسے معصیت سے نجات سمجھتے ہیں' جبکہ گناہ گاروں کے گناہوں کو گمراہی کا شکار لوگ نجات سمجھتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے' اگر کافر کو یہ پتہ چل جائے' ان کے گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں' یہ اسی طرح پتہ چل جائے جیسے گنہگاروں کو پتہ چل جائے' تو کافر کفر سے نجات پا لیتے۔ گنہگاروں کو اگر یہ پتہ چل جائے' ان کے تمام تر معاملات خرابی کا شکار ہیں' اور یہ بات اس طرح ہو' جیسے اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کو پتہ چلتی ہے' تو گنہگار لوگ ان تمام گناہوں سے نجات حاصل کر لیں' تمام آفات سے پاک ہو جائیں۔

اس لیے یہ بات نہایت ضروری ہے' ظاہری طہارت' باطنی طہارت کے موافق ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے' جب انسان وضو کے دوران ہاتھ دھونے لگے اس وقت دنیا کی محبت کو چھوڑ دے تو جس طرح اس نے اپنے جسم کو ظاہری گندگی سے دور کیا' اس طرح باطن میں اللہ تعالیٰ کے غیر کی محبت کو دور کر دے' جب منہ میں پانی ڈالے تو اپنی زبان کو غیر کے ذکر سے پاک کرے' جب ناک میں پانی ڈالے' تو شہوت کو اپنے لیے حرام قرار دیدے اور جب چہرہ دھونے لگے تو ہر طرح کی آرائش سے خود کو کنارہ کش کرے اور حق کی طرف متوجہ ہو جائے' جب بازوؤں کو دھونے لگے تو اپنے حصے سے ہاتھ کھینچ لے' جب مسح کرنے لگے تو تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے' جب پاؤں دھونے لگے تو اس بات کی نیت کرے' وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے بچے گا۔

جب انسان ایسا کرے گا' تو دونوں طرح کی طہارت حاصل ہو جائے گی اور تمام ظاہری شرعی اُمور باطن کے ساتھ ہو جائیں گے اور ایمان کی یہی خصوصیت ہے' زبان کا اقرار ہو' تو باطن کی تصدیق بھی ہونی چاہیے' جس کا تعلق دل کے ساتھ ہے' جیسے شریعت میں فرمانبرداری کے احکام کا تعلق ظاہری جسم کے ساتھ ہوتا ہے' اسی طرح دل کی طہارت کا طریقہ دنیا کی آفات میں غور وفکر کرنا ہے' اور اس بات کا جائزہ لینا ہے' دنیا بے وفا ہے' اور فنا ہونے کی جگہ ہے' انسان کو اس سے اپنا دل خالی کر لینا چاہیے اور یہ کیفیت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے' جب انسان بکثرت مجاہدہ کرے' اور مجاہدے کے اندر سب سے اہم ترین بات یہ ہے' انسان ظاہری آداب کی حفاظت کرے اور ہر حال میں اس پر برقرار رہے۔

ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: مجھے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے لیے ابدی عمر کی ضرورت ہے یہاں تک کہ اگر ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کو بھول جائے اور دنیا کی نعمتوں میں گم ہو جائے' تو بھی میں دنیا کی تمام تر آزمائشوں پر صبر کرتے ہوئے شریعت کے احکام کے تحفظ کے لیے کھڑا رہوں گا' اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہوں گا۔

حضرت ابوطاہر حرمی مکہ مکرمہ میں چالیس برس تک مقیم رہے' لیکن انہوں نے کبھی بھی حرم کی حدود میں وضو نہیں کیا بلکہ وہ وضو کرنے کے لیے حرم سے باہر چلے جاتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے' مجھے یہ خیال آ جاتا ہے' یہ وہ زمین ہے' جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف کی ہے' تو میں یہاں اپنا استعمال شدہ پانی کیسے گرا سکتا ہوں؟

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ انہیں تہران کی جامع مسجد میں پیچش لگ گئے تو انہوں نے دن اور رات میں سات مرتبہ غسل کیا اور آخر کار اس بیماری میں ان کا انتقال ہوا۔

دیگر مشائخ کے واقعات

حضرت علی رودباری ایک عرصے تک حدث میں مبتلا ہے (یعنی انہیں یہ وسوسہ ہوتا کہ شاید ان کا وضو ٹوٹ چکا ہے) وہ یہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں سورج نکلنے تک دریا کے کنارے موجود رہا اور پانی میں ہی رہا' اس وقت میرے دل میں افسوس پیدا ہوا' میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: مجھے عافیت عطا کر دے! تو مجھے غیب سے آواز آئی: عافیت علم میں ہے۔

حضرت سفیان ثوری کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ بیماری کے دوران انہوں نے ایک نماز کے لیے سات مرتبہ وضو کیا تھا' جب ان کا انتقال ہونے لگا تو اس بیماری کے دوران انہوں نے یہ دعا مانگی تھی:

''اے میرے معبود! تو موت کو یہ حکم دے کہ وہ میرے پاس اس وقت آئے جب میں طہارت کی حالت میں ہوں''۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں جانے کے لیے باوضو ہو کر آئے تو غیب سے آواز آئی: تم نے اپنے ظاہر کو تو آراستہ کر لیا ہے' لیکن باطن کی صفائی کے بارے میں تم نے کیا کیا ہے؟ وہ وہاں سے واپس آئے اور اپنا تمام سامان صدقہ کر

دیا اور ایک سال تک صرف اتنے لباس میں ملبوس رہے' جتنے لباس میں نماز ادا کی جا سکتی ہے' اس کے بعد وہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے ابوبکر! آپ نے جو طہارت حاصل کی ہے وہ بہت فائدہ مند ہے' اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اسی طہارت پر برقرار رکھے!

اس کے بعد شیخ ابوبکر شبلی آخری وقت تک کبھی بھی بے وضو نہیں ہوئے' جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو ان کا وضو ٹوٹ گیا تو انہوں نے ایک فرد کو اشارہ کیا کہ وہ انہیں وضو کرا دے' اس شخص نے انہیں وضو کروا دیا لیکن ان کی داڑھی میں خلال کرنا بھول گیا' اس وقت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ منہ سے آواز نہیں نکال سکتے تھے' لیکن انہوں نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر داڑھی کی طرف اشارہ کیا' تو اس شخص نے ان کی داڑھی کا خلال بھی کر دیا۔ شیخ ابوبکر شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کبھی بھی طہارت کا کوئی بھی ادب ترک نہیں کیا' جب بھی ایسا ہوا میرے باطن پر نصیحت ظاہر ہو گئی۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل

حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب کبھی میرے دل پر دنیا سے متعلق کوئی اندیشہ آتا ہے فوراً وضو کر لیتا ہوں' آخرت سے متعلق کوئی اندیشہ آتا ہے' تو وضو کر لیتا ہوں کیونکہ دنیا حادث ہے جس کا اندیشہ حدث ہوگا' اور آخرت آرام کا محل ہے' تو اس کا اندیشہ جنابت ہوگا' اس لیے حدث کے مقابلے میں وضو کیا جاتا ہے' اور جنابت کے لیے غسل کیا جاتا ہے''۔

حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ وہ وضو کرنے کے بعد مسجد کے دروازے پر آئے تو انہیں آواز آئی: اے ابوبکر! تم وضو کر کے اتنی گستاخی کے ساتھ ہمارے گھر میں آ گئے ہو' یہ آواز سن کر وہ وہیں سے واپس لوٹے تو پھر آواز آئی: تم ہمارے دروازے سے ہٹ کر اور کہاں جاؤ گے؟ یہ سن کر ان کی چیخ نکل گئی اور پھر غیب سے آواز آئی: ہم پر اعتراض کرنا چاہتے ہو؟ تو وہ خاموش رہے' پھر آواز آئی: تم ہمارے سامنے آزمائش پر صبر کرنے کا مظاہرہ پیدا کرنا چاہتے ہو؟ تو اس وقت حضرت ابوبکر شیخ شبلی رحمہ اللہ نے یہ کہا:

اَلْمُسْتَغَاثُ مِنْكَ اِلَيْكَ ''تیرے بارے میں تجھ ہی سے مدد حاصل کی جا سکتی ہے''۔

طہارت کی تحقیق کے بارے میں مشائخ کے بہت سے اقوال منقول ہیں۔

ظاہری و باطنی طہارت کی تلقین

مشائخ ہمیشہ اپنے مریدین کو ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں سے طہارت حاصل کرنے کا حکم دیتے رہے' جب انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو تو ظاہری طہارت کے ہمراہ ظاہری عبادت کرے' اور جب باطن میں انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہو' تو اسے باطنی طہارت کا بھی خیال رکھنا پڑے گا' ظاہری طہارت پانی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے' اور باطنی طہارت توبہ کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے' اس لیے اب میں توبہ اور اس سے متعلق دیگر نکات کے بارے میں تشریح کروں گا۔

فصل

توبہ اور اس کے متعلقات کا بیان

یہ بات ذہن نشین کرلیں، حق کے راستے پر چلنے والوں کا پہلا مقام توبہ ہے، بالکل اسی طرح جیسے عبادت کرنے والے کا پہلا درجہ طہارت ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (التحریم:۸)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ'' (النور:۳۱)

''تم سب لوگ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو، اے ایمان لانے والو! تاکہ تم فلاح حاصل کرلو''۔

توبہ کے بارے میں احادیث

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَامِنْ شَيْءٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ شَابٍّ تَائِبٍ

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ وہ نوجوان ہے، جو توبہ کرلیتا ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ*

''گناہ سے توبہ کرنے والا شخص اسی طرح ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

*سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، حديث:4248السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الشهادات، باب شهادة القاذف، حديث:19134المعجم الكبير للطبراني، من اسمه عبد الله، طرق حديث عبد الله بن مسعود ليلة الجن مع رسول الله، باب، حديث:10085مسند الشهاب القضاعي، التائب من الذنب كمن لا ذنب له، حديث:104

اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا لَن یَّضُرُّہٗ ذَنْبٌ*

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہے' تو اُسے کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا''۔

کسی نے دریافت کیا: توبہ کی علت کیا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: ندامت۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمانا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اُسے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس کا مطلب یہ ہے' گناہ کرنے سے بندہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے' اور اس کے ایمان میں کوئی خلل نہیں آتا' بشرطیکہ وہ کوئی ایسا گناہ نہ ہو جو ایمان کو ضائع کرنے کا باعث بنتا ہے۔

جس گناہ کے انجام میں آدمی کو نجات مل رہی ہو' وہ حقیقت کے اعتبار سے نقصان نہیں ہوگا۔

یہ بات جان لیجیے کہ لغت میں توبہ کرنے کا مطلب رجوع کرنا ہے جیسے لفظ تَـابَ کا مطلب رَجَـعَ ہے (یعنی وہ لوٹ آیا) اس لیے جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے' ان سے باز رکھنے کا نام توبہ ہے' اور توبہ کی اصل حقیقت یہی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف انسان کو ان کاموں سے باز رکھتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''ندامت ہی توبہ ہے''۔

اس فرمان میں توبہ کی تمام شرائط اکٹھی ہوگئی ہیں۔

توبہ کی تین شرائط

توبہ کے لیے تین چیزیں شرط ہیں' ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی پر ندامت کا اظہار کرنا' دوسرا حالت ترک کرنے میں ذلت محسوس کرنا' تیسرا دوبارہ وہ گناہ نہ کرنا اور یہ تینوں چیزیں ندامت میں پائی جاتی ہیں: کیونکہ جب انسان کے دل میں ندامت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے' تو اس کے نتیجے میں یہ تینوں شرائط اس کے اندر آ جاتی ہیں۔

توبہ کی شرائط کی طرح ندامت کے اسباب بھی تین ہیں' جب انسان کے ذہن پر اللہ تعالیٰ کا خوف غالب آ جاتا ہے' تو انسان گناہ کے ارتکاب سے ڈرنے لگتا ہے' اور یہی چیز ندامت ہے' لیکن جب انسان کے ذہن پر نعمت کی خواہش غالب ہو جاتی ہے' اور اسے یہ پتہ چل جاتا ہے' بُرے فعل اور نافرمانی سے اس کا حصول ممکن نہیں ہوگا' تو انسان اس سے پشیمان ہو جاتا

*الموطا لمالك (51 كتاب الشعر)(5 باب ما جاء في المتحابين في الله) 1710' بخاری 63' كتاب بدء الخلق 6' باب ذكر الملائكة 3037' مسلم 45' كتاب البر والصلة والآداب 48' باب اذا احب الله عبدا حببه الى عباده 2637 ' مسند احمد (مسند ابى هريرة رضى الله عنه) 8481--7614 9341' ابن حبان 6' كتاب البر والاحسان باب ما جاء فى الطاعات وثوابها 364365' طيالسى 2436' المعجم الاوسط (باب من اسمه ابراهيم) 2800 5---ظ3' مسند ابى يعلى (تابع مسند ابى هريرة) 6685 'عبد الرزاق (كتاب اهل الكتابين)(اذا احب الله عبدا اثنى عليه الناس) 19673' نساء الكبرى (71 كتاب التعبير)(49 الحب والبغض) 7747 'اسحاق-- 375 366---ظ1' كنز العمال كتاب الفراسة من قسم الاقوال 30760 30761-:

ہے' اور تیسرا یہ کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی شرم آ جاتی ہے' اور وہ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنے پر پشیمان ہوتا ہے' اس لیے پہلے شخص کو تائب قرار دیا جاتا ہے' اور دوسرے شخص کو منیب کہا جاتا ہے اور تیسرے کو اواب کہا جاتا ہے۔

اسی طرح توبہ کے مقامات بھی تین ہیں: توبہ' انابت اور اوّابت۔

توبہ عذاب کے ڈر سے ہوتی ہے' انابت ثواب کے حصول کے لیے ہوتی ہے' اور اوّابت کا تعلق فرمان کی پیروی سے ہوتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ توبہ عام لوگوں کا مقام ہے' جو کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ (سورہ ق:۳۳)

''جو شخص رحمٰن کو دیکھے بغیر اس سے ڈر گیا اور رجوع کرنے والے دل کے ہمراہ آیا''۔

اوّابت انبیاء و مرسلین کا مقام ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ (سورہ ص:۳۰) ''وہ (ایوب) بہترین بندہ تھا اور وہ اوّاب تھا''۔

لہٰذا فرمانبرداری کرتے ہوئے کبیرہ گناہوں سے رجوع کرنے کا نام توبہ ہوگا۔

لہٰذا کبیرہ گناہوں سے رجوع کرنا توبہ ہوگا' اور محبت کی کیفیت میں فرمانبرداری کرتے ہوئے کبیرہ گناہوں سے رجوع کرنا توبہ ہوگا' اور محبت کی کیفیت میں صغیرہ گناہوں سے توبہ کرنے کا نام انابت ہوگا' اور مطلق طور پر خدا کی طرف رجوع کرنے کا نام اوّابت ہوگا۔

ان کے درمیان فرق یہ ہے' جو شخص گناہ سے' حکم کی فرمانبرداری کی طرح رجوع کرے اور جو شخص محبت میں حجت اور فاسدانہ اندیشے سے رجوع کرے' اور جو شخص اپنی خودی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے (تو ان کے درمیان فرق ہو گا)' توبہ انسان کو اس وقت میسر آتی ہے جب اللہ تعالیٰ بندے کو خبردار اور ہوشیار کرتا ہے' اور اس کے دل کو خواب غفلت سے بیدار کر دیتا ہے' اور اپنے حال کی غیبت کو دیکھنے کی توفیق عطا کر دیتا ہے' جب بندہ اپنے بُرے اور ناپسندیدہ افعال کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے' اور ان سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ توبہ کے اسباب کو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے' اور اسے معصیت کی برائی میں سے نکال کر اپنی اطاعت و فرمانبرداری کی مٹھاس سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

ایک گناہ سے توبہ کا حکم

صوفیاء اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک حکم یہ ہے' اگر انسان کسی ایک گناہ سے توبہ کرے' اور اس کے بعد وہ کسی دوسرے گناہ میں گرفتار ہو جائے' لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس گناہ سے توبہ کے بدلے میں اسے ثواب عطا کرے گا' اور یہ بھی ممکن ہے' اس کی توبہ کی برکت کی وجہ سے انسان دوسرے گناہ سے محفوظ رہے' جیسے کوئی شخص جو شراب پیتا ہو اور زنا کرتا ہو'

وہ زنا سے توبہ کر لیتا ہے' لیکن شراب پینے پر مصر رہتا ہے' تو دوسرے گناہ کے ارتکاب کے باوجود پہلے گناہ سے تائب شمار ہوتا ہے۔

معتزلہ کا ایک فرقہ جو بہشمیہ کہلاتا ہے' وہ اس بات کے قائل ہیں: توبہ اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی جب تک انسان تمام گناہوں سے توبہ نہیں کر لیتا۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) لیکن ان کا یہ نظریہ ٹھیک نہیں ہے' کیونکہ انسان جو گناہ کرتا ہے' ان سب کی وجہ سے بندے کو عذاب ہوگا' لیکن جب بندہ گناہ کی کسی ایک قسم کو چھوڑ دے تو وہ گناہ کی اس مخصوص قسم کے عذاب سے محفوظ ہو جائے گا' تو اس کا مطلب یہ ہوگا: اس بندے کو اس گناہ سے توبہ کرنے والا شمار کیا جائے' اسی طرح اگر کوئی شخص بعض فرائض کو پورا کرتا ہے اور بعض فرائض کو ترک کر دیتا ہے' تو جتنی نیکی وہ کرے گا اتنا اس کو ثواب ملے گا' اور جو عمل اس نے ترک کیا تھا' اس کی سزا اسے مل جائے گی' اگر کسی شخص کے پاس گناہ کے سائل ہی نہ ہوں اور پھر بھی وہ توبہ کرے تو اسے توبہ کرنے والا قرار دیا جائے گا' کیونکہ توبہ کا ایک بنیادی رکن ندامت کا اظہار ہے' اور وہ شخص اس توبہ کے ذریعے اپنی گزشتہ حالت پر توبہ کر رہا ہے' اس نے زمانہ حال میں گناہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے' اگر اس کو گناہ کے وسائل دستیاب ہو بھی جائیں' تو بھی وہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

مشائخ کے نزدیک صحیح توبہ کی شرائط

یہ بات یاد رکھیں! توبہ کے اوصاف اور اس کے صحیح ہونے کے بارے میں مشائخ کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض صوفیاء اس بات کے قائل ہیں:

اَلتَّوْبَةُ اَنْ لَّا تَنْسٰى ذَنْبَكَ

''توبہ یہ ہے' تم اپنے گناہ کو نہ بھولو''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی اس پر ہمیشہ ندامت کا شکار رہو خواہ تم بعد میں کتنے ہی نیک کام کیوں نہ کر لو' لیکن تم ان پر غرور نہ کرو' اس کی وجہ یہ ہے' اپنی بُرائی پر شرمندگی ظاہر کرنا' نیک عمل پر فوقیت رکھتا ہے' تو ایسا شخص کبھی تکبر کا شکار نہیں ہو گا' اپنے گناہ کو کبھی نہیں بھلائے گا۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ اور بعض صوفیاء اس بات کے قائل ہیں:

''توبہ یہ ہے' تم اپنے گناہ کو بھول جاؤ''۔

اس کی وجہ یہ ہے' توبہ کرنے والے کا دل محبت سے بھرا ہوا ہوتا ہے' اور اس کو محبت کے نتیجے میں مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے' تو مشاہدہ کی حالت میں گناہ کو یاد کرنا زیادتی کرنے کے مترادف ہوگا کیونکہ انسان کچھ عرصے تک جفا میں مبتلا رہا تھا' پھر اس کے بعد رونے کی حالت میں جفا کی یاد کی اذیت کو سہتا رہا تھا' حالانکہ وفا کی حالت میں جفا کی یاد' وفا کی حالت میں حجاب

کا باعث بنتی ہے اور نافرمانی سے رجوع کرنا مجاہدہ ہے جو مشاہدے کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔

اس کی پوری تفصیل سہل مکتبہ فکر کے باب میں دیکھی جا سکتی ہے' کیونکہ جو شخص توبہ کرنے والے کو اپنی ذات کے ساتھ قائم قرار دے رہا ہے وہ گناہ کے بھول جانے کی غفلت قرار دے گا' اور جو شخص توبہ کرنے والے کو حق کے ساتھ قائم قرار دیتا ہے وہ گناہ کو یاد کرنے کو شرک قرار دے گا' یعنی مختصر یہ کہ توبہ کرنے والے کی صفت باقی ہو تو اس کے اسرار کا عقدہ حل نہیں ہوا ہوگا' اور جس کی صفت فنا ہو جائے گی' اس کے لیے یہ بات درست نہیں ہوگی کہ وہ اپنی صفت کا تذکرہ کرے۔

یہی وجہ ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صفت کے باقی ہونے کی حالت میں یہ فرمایا تھا:

''میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں''۔

جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صفت کے فنا ہونے کی کیفیت میں یہ بات ارشاد فرمائی:

''میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا''۔

مختصر یہ کہ قربت کے موقع پر وحشت کی یاد وحشت کا باعث ہوتی ہے۔

توبہ کرنے والے کے لیے یہ بات قابل تعریف ہے' وہ اپنی ذات کو بھی یاد نہ کرے' انسان اپنے گناہوں کو یاد رکھے' اس کی وجہ یہ ہے' ایسے مقام پر ایسی حالت میں گناہ کو یاد کرنا بھی گناہ ہے' اس کی وجہ یہ ہے' گناہ ایک اعراض ہے' تو جب گناہ ایسی چیز ہے' جس سے منہ موڑا جاتا ہے' تو اس کی یاد بھی ایسی ہوگی' جیسے جرم کی یاد جرم ہوتی ہے' تو اس طرح اسے بھول جانا بھی جرم ہوگا' اس کی وجہ یہ ہے' یاد کرنے اور بھول جانے کا تعلق توبہ سے ہوگا۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ شعر

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں نے بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے' لیکن مجھے کتابوں کے مطالعہ سے اتنا فائدہ نہیں ہوا' جتنا اس شعر سے ہوا:

اِذَا قُلْتُ مَا اَذْنَبْتُ قَالَتْ مُجِیْبَةً
حَیٰوتُكَ ذَنْبٌ لَا یُقَاسُ بِهٖ ذَنْبٌ

''جب میں نے یہ کہا' میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ تو اس نے مجھے جواب میں یہ کہا' تیری تو زندگی ہی ایسا گناہ ہے' جس پر کسی دوسرے گناہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے''۔

جب دوست کی بارگاہ میں دوست کا وجود گناہ شمار ہوگا' تو دوست کی صفت کی کیا حیثیت ہوگی؟

مختصر یہ کہ توبہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تائید کے ساتھ ہے' اور گناہ کا تعلق انسان کے جسم کے فعل سے ہے' جب انسان کے ذہن میں ندامت پیدا ہو جاتی ہے' تو جسم کا کوئی ایسا ذریعہ باقی نہیں رہتا ہے' جو دل سے ندامت کو دور کر سکے اور جب انسان کی ندامت فعل کے آغاز میں توبہ کے لیے رکاوٹ نہیں ہے' تو فعل کے اختتام کے لیے کیسے رکاوٹ ہو سکتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرہ:۳۷)

''تو اس نے اسے توبہ کی توفیق دی' بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے''۔

قرآن مجید میں اس کی نظائر اور مثالیں بکثرت موجود ہیں' جنہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

توبہ کی تین اقسام

توبہ کی تین قسمیں ہیں:

ایک توبہ یہ ہے' انسان گناہ سے ثواب کے راستے کی طرف ہو جائے' دوسری یہ ہے' ایک حالت سے مزید بہتر حالت کی طرف جائے' تیسری یہ ہے' انسان اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کی طرف جائے۔

گناہ سے نیکی کے راستے پر جانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (آل عمران:۱۳۵)

''یہ وہ لوگ ہیں: جب وہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں' یا اپنے اوپر زیادتی کرتے ہیں' تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں' اور اس سے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں''۔

جو شخص اپنی موجودہ درست حالت سے مزید بہتر درست حالت کی طرف جانا چاہتا ہے' اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ ہے' جس میں انہوں نے یہ کہا تھا:

''میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں''۔

اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف رجوع کرنے کی مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

وَاِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ اِنِّىْ كُنْتُ لَاَ سْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِىْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً

''بعض اوقات میرے دل پر ایک مخصوص کیفیت طاری ہوتی ہے' تو میں روزانہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں''۔

گناہ کا ارتکاب بہت بڑا فعل ہے' اور گناہ کے ارتکاب سے سیدھے راستے کی طرف رجوع کرنا اور توبہ کرنا پسندیدہ عمل ہے' لیکن یہ عام لوگوں کی توبہ ہے جن کی توبہ ظاہر ہے انسان کو جب تک زیادہ حاصل نہ ہو' اس وقت تک معمولی نیکی پر برقرار رہنا' ایک حجاب کی حیثیت رکھتا ہے' عام نیکی سے زیادہ نیکی کی طرف رجوع کرنا اولیاء کے نزدیک نہایت قابل تعریف ہے' اور خاص لوگوں کی توبہ یہی ہے' کیونکہ یہ بات ناممکن ہے' خاص لوگ معصیت سے توبہ نہ کریں۔

کیا آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ تمام اہل جہاں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی حسرت رکھتے ہیں' لیکن جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی خواہش کی تو اس سے توبہ کی' اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا اپنے

ذاتی اختیار کے ساتھ سوال کیا تھا اور محبت کی کیفیت میں اپنا اختیار آفت ہے' اور آفت کو ترک کرنا لازم ہے' اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں اپنے ذاتی اختیار کو ترک کیا اور اپنے آپ کو ترک کر کے' اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور یہ چیز محبت کے درجے سے تعلق رکھتی ہے۔

جب اس دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی آرزو ہوئی' تو انہوں نے اس (ذاتی خواہش اور آرزو) سے توبہ کی' اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کی یہ آرزو ان کے ذاتی اختیار سے تھی اور (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) دوستی میں' ذاتی اختیار آفت کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے ذاتی اختیار کی آفت اس صورت میں ختم ہوگی جب دیدار کی خواہش کا اظہار ترک ہوگا اور محبت کی کیفیت میں انسان اپنی ذات (اور ذاتی طلب) کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرے گا جیسے کسی بھی بلند مقام پر ٹھہر جانا آفت ہے' جب (کاملین) بلند تر مقام پر فائز ہوتے ہیں تو (اپنے سابقہ) مقام سے بھی توبہ کرتے ہیں' اسی طرح اپنے مقام اور اپنے احوال کی طرف توجہ کرنے سے بھی توبہ کی جاتی ہے' یہی وجہ ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ ہر لحظہ ہر آن مقامات کی ترقی (یعنی نئے مقام پر فائز ہونے کی کیفیت میں) رہتے تھے اس لیے جب آپ بلند تر مقام پر فائز ہوتے تو اپنے سابقہ مقام (پر لمحاتی ٹھہراؤ) پر بھی استغفار کیا کرتے تھے' اور اس مقام کی طرف توجہ کرنے سے بھی توبہ کیا کرتے تھے۔

یہ بات واضح کرنے کے بعد جب انسان یہ عہد کرے' وہ آئندہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا' تو اس کی توبہ کے لیے تائید ربانی کو شرط قرار نہیں دیا جا سکے گا' تا کہ اگر وہ توبہ کرنے والا پھر دوبارہ کسی ایسی صورتحال کا شکار ہو جائے' سابقہ عہد کے باوجود اس سے وہی گناہ سرزد ہو جائے' اور پھر وہ توبہ کرے تو وہ توبہ درست ہوگی طریقت کے راستے میں ابتداء کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہوا ہے' انہوں نے توبہ کی اور پھر ان کو فساد لاحق ہو گیا اور ان سے گناہ کا ارتکاب ہو گیا' پھر جب وہ خبردار ہوئے تو اسے دوبارہ توبہ کر لی۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں: میں نے ستر مرتبہ توبہ کی اور ستر مرتبہ توبہ کرنے کے باوجود گناہ کا ارتکاب ہوتا رہا ہے' لیکن اکہترویں مرتبہ کے بعد مجھے استقامت نصیب ہوگئی اور میں نے اس پر عمل کر کے گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ابتدائی حال

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں نے آغاز میں حضرت ابوعثمان حیری کے ہاتھ پر ان کی مجلس میں توبہ کی تھی' اس کے بعد میں کچھ عرصہ اس پر برقرار رہا اور اس کے بعد میرے دل میں گناہ کی خواہش پیدا ہوئی اور میں نے گناہ کا ارتکاب کر لیا اور اس بزرگ نے سب مجھ پر چھوڑ دیا' پھر بعد میں' میں ان سے دوسرے دن شرمندہ ہو کر چھپ جایا کرتا تھا' ان کی نظر مجھ پر نہ پڑے' ایک مرتبہ میں جا رہا تھا کہ ان سے آمنا سامنا ہو گیا' انہوں نے مجھ سے فرمایا: اے فرزند! تم اپنے دشمن کے ساتھ نہ رہا کرو کیونکہ ابھی تم معصوم ہو' اس کی وجہ یہ ہے' تو وہ خوش ہوتا ہے' لیکن جب تم گناہ سے بچتے رہتے ہو' تو اسے بہت تکلیف ہوتی ہے' اگر تمہاری یہی خواہش ہو' کہ تم گناہ میں مبتلا رہو تو ہمارے پاس آ جایا کرو تا کہ ہم تمہارے گناہ اور اس

آزمائش کو تم سے دور کر دیں اور تمہارے دشمن کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں۔

شیخ ابو عمر بیان کرتے ہیں: اس کے بعد میرے اندر سے گناہ کی خواہش ختم ہوگئی اور میں نے سچی توبہ کی۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے سنا: ایک شخص نے گناہوں سے توبہ کر لی' اس کے بعد پھر اس سے گناہ کا ارتکاب ہو گیا' وہ بہت شرمسار ہوا' اس نے اپنے دل میں یہ کہا' اگر میں دوبارہ توبہ کر کے صحیح راستے کو اختیار کروں گا' تو میری کیا حالت ہوگی؟ تو غیب سے آواز آئی:

"اَطَعْتَنَا فَشَكَرْنَاكَ ثُمَّ تَرَكْتَنَا فَاَمْهَلْنَاكَ فَاِنْ عُدتَّ اِلَيْنَا قَبِلْنَاكَ"

"تم نے ہماری فرمانبرداری کی تو ہم نے اسے قبول کیا' پھر تم نے ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے بھی تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا' اب اگر تم دوبارہ ہماری طرف آؤ گے' تو ہم تمہیں قبول کریں گے"۔

فصل:

توبہ کے بارے میں مشائخ کے اقوال

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تَوْبَةُ الْعَوَامِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَتَوْبَةُ الْخَوَاصِ مِنَ الْغَفْلَةِ

"عام لوگوں کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے خواص کی توبہ غفلت سے ہوتی ہے"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' عوام سے صرف ظاہری حالت کے بارے میں پوچھا جائے گا' جبکہ خواص سے ان کے مکمل معاملے کی تحقیق ہوگی' عوام کے لیے غفلت' نعمت ہے اور خواص کے لیے یہ حجاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن بوشنجہ بیان کرتے ہیں:

لَيْسَ لِلْعَبْدِ فِي التَّوْبَةِ شَيْءٌ لِاَنَّ التَّوْبَةَ اِلَيْهِ لَا مِنْهُ

"بندے کا توبہ میں کوئی دخل نہیں ہوتا' اس کی وجہ یہ ہے' توبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے' بندے سے صادر نہیں ہوتی ہے"۔

اس سے یہ بات پتہ چل جاتی ہے تو یہ بندے کا عمل نہیں ہے' بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ اور ان کے پیروکار اسی بات کے قائل ہیں۔

حضرت شیخ ابوالحسن بوشنجہ فرماتے ہیں:

"اَلتَّوْبَةُ اِذَا ذَكَرْتَ الذَّنْبَ ثُمَّ لَا تَجِدُ حَلَاوَةً عِنْدَ ذِكْرِهِ فَهُوَ التَّوْبَةُ"

''توبہ یہ ہے، تمہیں گناہ یاد آئے تو اس کی یاد میں تمہیں حلاوت محسوس نہ ہو ایسی توبہ صحیح توبہ ہوتی ہے''۔

(سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے، گناہ کی یاد کے وقت آدمی کو حسرت ہوگی یا اس کے ارتکاب کی خواہش ہوگی اگر حسرت اور ندامت سے یاد کرتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے اس نے توبہ کی ہوئی ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے، ابھی وہ گناہ گار ہے، کیونکہ گناہ کے ارتکاب میں اتنی آفت نہیں ہے جتنی معصیت کی خواہش برقرار رہنے میں آفت ہے، جس شخص کا جسم ایک لمحہ کے لیے گناہ میں مبتلا رہے، وہ ایسا نہیں ہے اس کے مقابلے میں جس شخص کا ذہن دن رات گناہ سے متعلق ہو (اس کی کیفیت مختلف ہوتی ہے)۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلتَّوْبَةُ تَوْبَتَانِ تَوْبَةُ الْاِنَابَةِ وَتَوْبَةُ الْاِسْتِحْيَاءِ فَتَوْبَةُ الْاِنَابَةِ اَنْ يَّتُوْبَ الْعَبْدُ خَوْفًا مِّنْ عُقُوْبَتِهٖ وَتَوْبَةُ الْاِسْتِحْيَاءِ اَنْ يَّتُوْبَ حَيَاءً مِّنْ كَرَمِهٖ

''توبہ کی دو قسمیں ہیں: ایک توبہ انابت اور دوسری توبہ استحیاء ہے، توبہ انابت یہ ہے، آدمی عذاب کے خوف سے توبہ کرے، اور توبہ استحیاء یہ ہے، اللہ تعالیٰ کے کرم سے حیا کرتے ہوئے آدمی توبہ کرے''۔

لہٰذا خوف والی توبہ اللہ تعالیٰ کے جلال کے کشف سے ہوتی ہے اور حیاء کی وجہ سے جو توبہ ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کے مشاہدے سے ہوتی ہے، دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے جمال میں حیاء کے ذریعے منور ہو رہا ہوگا، گویا ایک شخص حالت سکر میں ہوگا، دوسرا حالتِ صحو میں ہوگا۔

حیاء کرنے والے اصحاب سکر ہوتے ہیں، اور خوف کرنے والے لوگ اصحاب صحو ہوتے ہیں۔

یہ بڑی لمبی بحث ہے جسے میں نے اختصار کے ساتھ یہاں بیان کر دیا ہے، باقی توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(بیسواں باب) پانچواں کشف

نماز کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرہ:۴۳) ''تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو''۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ* ''نماز اور اپنے زیر ملکیت (غلاموں اور کنیزوں) کا خیال رکھنا''۔

نماز کے احکام

نماز کا لغوی معنی ذکر کرنا اور فرمانبرداری کرنا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح کے مطابق مقرر احکام کے تحت مخصوص عبادت کی ادائیگی کو نماز کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں جنہیں پانچ مختلف اوقات میں ادا کیا جاتا ہے۔

نماز کے فرض ہونے کے لیے سب سے پہلی شرط وقت کا تعین ہے' اسی لیے طہارت نماز کے لیے اہم شرط ہے' جس سے مراد ظاہری طور پر ناپاکی سے اور باطنی طور پر نفسانی خواہشات سے پاک ہونا ہے' اس کے بعد اگلی شرط لباس کا ظاہری طور پر نجاست سے پاک ہونا ہے' اور باطنی طور پر اس کی پاکی یہ ہے' اسے حلال کمائی کے ذریعے بنایا گیا ہو' ایک شرط یہ ہے' وہ جگہ پاک ہونی چاہیے (جہاں نماز ادا کر رہا ہے) ظاہری طور پر وہ حوادث اور آفت (یعنی کسی ناپاکی) سے پاک ہونی چاہیے اور باطنی طور پر وہ فساد اور معصیت سے پاک ہونی چاہیے' چوتھی شرط یہ ہے' قبلہ کی طرف رُخ ہونا چاہیے یعنی ظاہری طور پر خانہ

*سنن ابن ماجه' كتاب الجنائز' باب ما جاء في ذكر مرض رسول الله صلى الله عليه' حديث:1620صحيح ابن حبان' كتاب التاريخ' ذكر آخر الوصية التي اوصى بها رسول الله صلى الله عليه' حديث:6709المستدرك على الصحيحين للحاكم' كتاب المغازي والسرايا' حديث:4336السنن الكبرى للنسائي' كتاب وفاة النبي صلى الله عليه وسلم' ذكر ما كان يقوله النبي صلى الله عليه وسلم في مرضه' حديث:6871تهذيب الآثار للطبري' القول في علل هذا الخبر' حديث:1516مشكل الآثار للطحاوي' باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله صلى الله عليه' حديث:2695مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بني هاشم' مسند انس بن مالك رضي الله تعالى عنه' حديث:11956مسند عبد بن حميد' مسند انس بن مالك' حديث:1217مسند ابي يعلى الموصلي' قتادة حديث:2863المعجم الكبير للطبراني' باب الياء' ما اسندت ام سلمة' سفينة مولى ام سلمة' حديث:19554شعب الايمان للبيهقي' التاسع والثلاثون من شعب الايمان' الثامن والخمسون من شعب الايمان وهو باب في الاحسان الى المماليك' حديث:8287

کعبہ کی طرف رُخ ہونا چاہیے اور باطنی طور پر انسان کی توجہ عرشِ معلیٰ کی طرف ہونی چاہیے اور انسان کا باطن مشاہدۂ حق میں مشغول ہونا چاہیے' پانچویں شرط یہ ہے' انسان نماز میں قیام کرے' یعنی ظاہری طور پر آدمی کھڑا ہو اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کے قرب کے باغ میں قیام کرے' ظاہری طور پر اس کے لیے یہ بات شرط ہے' نماز کا وقت ہونا چاہیے اور باطنی طور پر اس کا مطلب یہ ہے' حقیقت کے درجے میں انسان کھڑا ہوا ہو۔

چھٹی شرط یہ ہے: انسان مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اپنی نیت کو خالص کرے' اور اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اپنی ذات کے فنا کی کیفیت میں قیام کرتے ہوئے وصل کے مقام پر کھڑا ہو' پھر اس کے بعد ترتیل کے ساتھ قرأت کرے' اور خشوع و خضوع کے ساتھ رکوع کرے پھر عجز اور انکساری کے ہمراہ سجدہ کرے' پھر پوری دلجمعی کے ساتھ تشہد پڑھے اور صفت فنا کرنے کے ساتھ سلام پھیر دے' یہ چیزیں نماز کی بقیہ شرائط ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی نماز

حدیث شریف میں یہ بات منقول ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ وَفِى جَوْفِهٖ اِزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ

''جب نبی اکرم ﷺ نماز ادا کیا کرتے تھے تو آپ کے سینے میں سے اس طرح کی آواز آتی تھی کہ جیسے ہنڈیا اُبلنے کے وقت آتی ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے: جب وہ نماز ادا کرنے لگتے تھے اس وقت ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور وہ یہ فرمایا کرتے تھے' اب اس امانت کو ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے' جس کا بوجھ زمین اور آسمان بھی نہیں اٹھا سکے تھے۔

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کی نماز

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے حضرت حاتم اصم سے دریافت کیا: آپ نماز کس طرح ادا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: جب نماز کا وقت ہو جاتا ہے' تو میں ظاہری طور پر وضو کرتا ہوں' اور باطنی طور پر بھی وضو کرتا ہوں' ظاہری وضو پانی سے کرتا ہوں' اور باطنی وضو توبہ کی صورت میں کرتا ہوں پھر جب میں جائے نماز پر کھڑا ہوتا ہوں تو مسجد حرام کو اپنے بالکل مقابل تصور کرتا ہوں' اور مقامِ ابراہیم کو اپنے دونوں اَبروؤں کے مقابل سمجھتا ہوں' میں اپنے دائیں طرف جنت اور بائیں طرف جہنم کو موجود محسوس کرتا ہوں' اور یہ خیال کرتا ہوں' میرے پاؤں اس وقت پل صراط پر موجود ہیں' اور موت کا فرشتہ میرے سرہانے کھڑا ہوا ہے اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس ذہن میں رکھتے ہوئے تکبیر کہتا ہوں' اس کی ذات کا احترام ذہن میں رکھتے ہوئے قیام کرتا ہوں' اس کی ذات کی ہیبت کا خیال کرتے ہوئے قرأت کرتا ہوں' اس کی

بارگاہ میں تواضع اختیار کرتے ہوئے رکوع میں جاتا ہوں' اس کی بارگاہ میں عاجزی اختیار کرتے ہوئے سجدہ کرتا ہوں' پھر وقار اور حلم کے ہمراہ قعود میں بیٹھتا ہوں' اور پھر شکر اور اطمینان کے ساتھ سلام پھیر دیتا ہوں۔

دوسری فصل: اہلِ طریقت کے لیے نماز کے فوائد

یہ بات واضح رہے' شریعت کی روشنی میں نماز ایک ایسی عبادت ہے' جس کا آغاز اور اس کا اختتام دونوں حالتوں میں مرید حق کے راستے کو پالیتے ہیں' اور انہیں مقامات کا کشف نصیب ہوتا ہے' اس لیے مریدین کے لیے نماز میں ظاہری عبادت (یعنی وضو) توبہ کے قائم مقام ہوتا ہے' قبلہ کی طرف رُخ کرنا اپنے شیخ کے ساتھ وابستگی کے قائم مقام ہوتا ہے' قیام کرنا نفس کے مجاہدے کی جگہ ہوتا ہے' قرأت کرنا ہمیشہ ذکر کرنے کے مترادف ہوتا ہے' رکوع کرنا عاجزی اور تواضع کے قائم مقام ہوتا ہے' سجدہ کرنا نفس کی معرفت کے قائم مقام ہوتا ہے' تشہد اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے کا قائم مقام ہوتا ہے' اور سلام پھیرنا دنیا سے علیحدگی' کے قائم مقام ہوتا ہے' اور نماز سے باہر آنا مقامات کی قید سے خلاصی حاصل کرنے کے قائم مقام ہوتا ہے۔

نماز سے سکون حاصل کرنا

یہی وجہ ہے' جس وقت نبی اکرم ﷺ ظاہری طور پر دنیاوی معاملات سے الگ ہو جاتے اور کامل حیرت کے محل میں دیدار کے طلبگار ہوتے' اور صرف اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کرتے' اس وقت فرمایا کرتے:

"اَرِحْنَا یَا بِلَالُ بِالصَّلٰوۃِ"* ''اے بلال! نماز کے ذریعے ہمیں راحت پہنچاؤ''۔

اس بارے میں صوفیاء کے بہت سے اقوال منقول ہیں' جن میں سے ہر ایک کا مخصوص مقام و درجہ ہے۔

بعض صوفیاء اس بات کے قائل ہیں: نماز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری کا ذریعہ ہے۔

بعض صوفیاء اس بات کے قائل ہیں: نماز نفس کے غائب ہونے کا ذریعہ ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں: جو شخص غیبت کی حالت میں ہوتا ہے وہ نماز میں حاضری کی کیفیت میں ہو جاتا ہے' جبکہ بعض مشائخ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص نماز کے علاوہ حاضری کی کیفیت میں ہوتا ہے' وہ نماز کے دوران غیبت کی حالت میں آ جاتا ہے' اور اس کی کیفیت اس شخص کی طرح ہوگی جسے اس جہاں میں حق تعالیٰ کے مشاہدے کے دوران صحو کی حالت ہوتی ہے۔

میں علی بن عثمان جلابی یہ کہتا ہوں: نماز اللہ تعالیٰ کا حکم ہے' وہ حضوری یا غیبت کا ذریعہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کا حکم کسی چیز کا ذریعہ نہیں ہوتا' اس کی وجہ یہ ہے' حضوری کی علت حضوری ہے' اور غیبت کی علت غیبت ہے' اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا کسی چیز کے ساتھ سببی تعلق نہیں ہوتا' اس کی وجہ یہ ہے' اگر نماز کو حضوری کی علت قرار دیا جائے' تو ہونا یہ چاہیے تھا' انسان نماز کے علاوہ حضوری کی کیفیت میں نہ ہوتا اور اگر نماز کو غیبت کی علت قرار دیا جائے' تو ہونا یہ چاہیے تھا' جو شخص نماز

---

*سنن ابی داود کتاب الادب باب فی صلاۃ العتمۃ 4986' المعجم الکبیر باب السین سلمان بن خالد الخزاعی 6215 ، 277---ظ 6' مسند احمد (احادیث رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم) 371

کے علاوہ غیبت کی حالت میں ہوتا ہے وہ شخص نماز پڑھ کر حضوری کی کیفیت میں آ جاتا حالانکہ غیبت وحضوری کی کیفیت کا نماز کی ادائیگی یا نماز نہ پڑھنے کے ساتھ وسیلے اور سبب کا تعلق نہیں ہے' بلکہ نماز اپنی ذات میں ایک غلبہ ہے' جو غیبت یا حضوری پر موقوف نہیں ہے' یہی وجہ ہے' مشاہدہ کرنے والے حضرات اور اہل استقامت بکثرت نمازیں ادا کرتے ہیں' اور نمازیں ادا کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں۔

یہاں تک کہ بعض مشائخ اپنے مریدین کو روزانہ چار سو رکعات پڑھنے کا حکم دیتے تھے تاکہ ان مریدین کے اجسام عبادت کرنے کے عادی ہو جائیں۔

اسی طرح اہلِ استقامت بھی قبولیت حضوری کے شکر کی وجہ سے بکثرت نمازیں ادا کرتے ہیں۔

صاحبانِ احوال کی اقسام

جہاں تک صاحبانِ احوال کا تعلق ہے' تو ان کی دو قسمیں ہیں:

کچھ وہ لوگ ہیں جن کی نمازیں سلوک کے کمال اور محویت کی وجہ سے مقامِ جمع میں ہوتی ہیں' اور نماز کے ذریعے وہ لوگ مقامِ جمع پا لیتے ہیں۔

کچھ وہ لوگ ہیں کہ سلوک کے منقطع ہونے اور محویت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی نمازیں مقامِ تفرقہ میں ہوتی ہیں' اور نماز کی وجہ سے ان کے تفرقہ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

جن لوگوں کو نماز میں مقامِ جمع نصیب ہوتا ہے' وہ دن رات نماز کی حالت میں رہتے ہیں' اور فرائض اور سنن کے علاوہ نوافل بھی کافی ادا کرتے ہیں اور جو لوگ تفرقہ کی حالت میں ہوتے ہیں' وہ فرائض اور سنن ادا کر لیتے ہیں' لیکن نوافل کم ادا کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيَ فِي الصَّلٰوةِ* "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔

*مستخرج ابی عوانة' مبتدا كتاب النكاح وما يشاكله' باب ذكر حض النبی صلی الله علیه وسلم علی تزويج الابكار' حديث:3256المستدرك علی الصحيحين للحاكم' كتاب النكاح' حديث:2608السنن الكبری للنسائی' كتاب عشرة النساء حب النساء' حديث:8618السنن الكبری للبيهقی' كتاب النكاح' جماع ابواب الترغيب فی النكاح وغير ذلك' باب الرغبة فی النكاح' حديث:12579مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بنی هاشم مسند انس بن مالك رضی الله تعالی عنه' حديث:12076مسند ابی يعلی الموصلی' ثابت البنانی عن انس' حديث:3386المعجم الاوسط للطبرانی' باب العين' باب الميم من اسمه : محمد' حديث:5307المعجم الصغير للطبرانی' من اسمه الفضل' حديث:742الحاج وفد الله ، مصنف ابن ابی شيبة' كتاب الحج' ما قالوا فی ثواب الحج' حديث:15750حبب الی من الدنيا النساء مستخرج ابی عوانة' مبتدا كتاب النكاح وما يشاكله' باب ذكر حض النبی صلی الله علیه وسلم علی تزويج الابكار' حديث:3256المستدرك علی الصحيحين للحاكم' (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کا مطلب یہ ہے میری تمام تر راحتوں کا تعلق نماز سے ہے یہی وجہ ہے اہل استقامت کا مشرب نماز ہے۔

اس کی صورت یہ ہے جب نبی اکرم ﷺ کو معراج کے لیے لے جایا گیا اور آپ کو مقامِ قرب سے سرفراز کیا گیا آپ کے نفس کو دنیا کی قید سے آزاد کر کے اس مرتبے پر فائز کیا گیا کہ جس مرتبے میں آپ کا نفس آپ کے دل کے مرتبے میں آ گیا دل روح کے مرتبے میں آ گیا روح سرّ کے مرتبے میں آ گئی سرّ مقامات میں فانی ہو کر اور مقامات کو فانی کر کے بے نشان کیفیت میں آ گیا اور مجاہدے کی کیفیت ختم ہو کر مشاہدے میں ڈھل گئی اور مشاہدہ معائنہ بن گیا اور معائنے کی یہ کیفیت ہوئی کہ آپ کی تمام بشری صفات ختم ہو گئیں اور نفسانی مادہ فنا ہو گیا جس کے نتیجے میں آپ کی طبعی قوت بھی باقی نہ رہی اور شواہد ربانی آپ کے اختیار میں رونما ہوئے اس وقت آپ اپنی ذات سے نکل کر معنی کی گہرائیوں میں پہنچ گئے اور دائمی مشاہدے میں غرق ہو گئے اس وقت بے اختیار کو اختیار کر کے شوق کے عالم میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار! آپ مجھے آزمائش کی جگہ (یعنی دنیا) کی طرف واپس نہ بھیجیں اور مجھے طبیعت اور خواہش کی قید میں دوبارہ مبتلا نہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے میرے محبوب! ہمارا حکم یہی ہے ہم تمہیں دنیا میں واپس بھیج دیں تاکہ تمہارے ذریعے شریعت قائم ہو اور جو کچھ ہم نے تمہیں یہاں عطا کیا ہے وہ ہم تمہیں وہاں بھی عطا کریں گے۔

نبی اکرم ﷺ کی نماز قربت ہوتی تھی

یہی وجہ ہے جب نبی اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو جب بھی آپ کا دل اس مخصوص کیفیت کا مشتاق ہوتا آپ یہ ارشاد فرماتے:

"اَرِحْنَا یَا بِلَالُ بِالصَّلٰوۃِ" "اے بلال! نماز کے ذریعے ہمیں راحت پہنچاؤ"۔

اس لیے نبی اکرم ﷺ کی ہر نماز معراج اور قربت ہوتی تھی اور آپ اللہ تعالیٰ کی نوازشوں کو نماز کی حالت میں ملاحظہ کرتے تھے آپ کی روح نماز کی حالت میں اور دل نیاز کی حالت میں ہوتا تھا آپ کا باطن راز کی حالت میں ہوتا تھا اور آپ کا جسم مبارک سوز و گداز کی حالت میں ہوتا تھا آپ کی روح عالم ملکوت میں ہوتی تھی اور جسم انسانی شکل میں ہوتا تھا جبکہ آپ کی جان انس اور محبت کے مقام میں ہوتی تھی۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عَلَامَۃُ الصِّدْقِ اَنْ یَکُوْنَ لَہٗ تَابِعٌ مِنَ الْحَقِّ اِذَا دَخَلَ وَقْتُ الصَّلٰوۃِ بَعَثَہٗ عَلَیْھَا وَیُنَبِّھُہٗ اِنْ کَانَ نَائِمًا

(بقیہ حاشیہ) کتاب النکاح' حدیث:2608مصنف عبد الرزاق الصنعانی' کتاب الصیام' باب المراۃ تصلی ولیس فی رقبتها قلادۃ وتطیب الرجال' حدیث:7685السنن الکبری للنسائی' کتاب عشرۃ النساء حب النساء' حدیث:8618السنن الکبری للبیھقی' کتاب النکاح' جماع ابواب الترغیب فی النکاح وغیر ذلک' باب الرغبۃ فی النکاح' حدیث:12579مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بنی هاشم' مسند انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ' حدیث:12076مسند ابی یعلی الموصلی' ثابت البنانی عن انس' حدیث:3386المعجم الاوسط للطبرانی' باب العین' باب المیم من اسمه : محمد' حدیث:5307

''سچائی کی علامت یہ ہے' آدمی کے ساتھ حق کی طرف سے ایک فرشتہ ہونا چاہیے' جیسے ہی نماز کا وقت ہو وہ آدمی کو نماز ادا کرنے پر آمادہ کر دے اور اگر آدمی سویا ہوا ہو' تو اسے جگا دے''۔

(سیّدِ ہجویر عمشیلہ فرماتے ہیں:) یہ کیفیت حضرت سہل بن عبداللہ تستری میں موجود تھی کیونکہ وہ اپنے زمانے کے بڑے شیخ تھے (اور سکر کے عالم میں رہتے تھے) لیکن جب نماز کا وقت ہوتا تو ان کی کیفیت ٹھیک ہو جاتی' جب وہ نماز ادا کر لیتے تو دوبارہ سکر کی کیفیت طاری ہو جاتی۔

نمازی چار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے

ایک بزرگ یہ فرماتے ہیں:

يَحْتَاجُ الْمُصَلِّيْ اِلٰى اَرْبَعَةِ اَشْيَاءٍ فَنَاءُ النَّفْسِ وَذِهَابُ الطَّبْعِ وَصِفَاءُ السِّرِّ وَكَمَالُ الْمُشَاهَدَةِ

''نماز پڑھنے والا چار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ نفس کو فنا کرنا' طبعی امور کو ختم کر دینا' باطن کو پاک کر لینا اور مشاہدے کا کامل ہو جانا''۔

(سیّدِ ہجویر عمشیلہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' نماز پڑھنے والے کے لیے نفس کو فنا کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے' اس کے لیے یہ ضروری ہے' انسان کا ارادہ ایک نقطے پر جمع ہو جائے' اور نفس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' نفس اس وقت تک برقرار رہتا ہے' جب تک تفرقہ موجود رہتا ہے' جمع کی حالت میں یہ باقی نہیں رہتا' اللہ تعالیٰ کے جلال بغیر طبیعت کا خاتمہ نہیں ہو سکتا' اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کا جلال غیر کو زائل کر دیتا ہے' اور باطن کی صفائی اس وقت تک ممکن نہیں ہے' جب تک محبت موجود نہ ہو اور باطن کی صفائی کے بغیر کامل مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

حلاج عمشیلہ کی عبادت و ریاضت

حضرت حسین بن منصور حلاج عمشیلہ روزانہ چار سو رکعات ادا کیا کرتے تھے' ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا گیا: آپ اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں' انہوں نے جواب دیا: جو چیزیں تمہیں مشقت محسوس ہو رہی ہیں یہ تمہاری حالت اور کیفیت کے اعتبار سے ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کے کچھ دوست ایسے ہوتے ہیں جن کی اپنی صفت فنا ہو چکی ہوتی ہے' تو ان پر ایسی کوئی تکلیف یا راحت اثر انداز نہیں ہوتی۔

کاہلی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا نام نہ دیا جائے' اور حرص کو طلب کا نام نہ دیا جائے۔

ذوالنون مصری عمشیلہ کی نماز

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے حضرت ذوالنون مصری عمشیلہ کی اقتداء میں نماز ادا کی' جب انہوں نے تکبیر کہتے ہوئے اللہ اکبر کہا اور بے ہوش ہو کر گر گئے' یوں محسوس ہوا جیسے ان کے جسم سے روح نکل چکی ہے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نماز

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے جب وہ بوڑھے ہو گئے تو بڑھاپے میں بھی وہی اوراد پڑھا کرتے تھے جو جوانی میں پڑھا کرتے تھے ایک مرتبہ لوگوں نے ان سے کہا: جناب! آپ بوڑھے ہو چکے ہیں اور کمزور ہو چکے ہیں اس لیے کچھ نوافل چھوڑ دیجیے تو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے جواب دیا' یہ وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے مجھے آغاز سلوک میں معرفت نصیب ہوئی تھی' اب عمر کے آخری حصے میں' میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔

فرشتوں کے بارے میں یہ بات مشہور ہے' وہ ہمیشہ عبادت کی حالت میں رہتے ہیں' کیونکہ ان کا کام ہی عبادت ہے' ان کی غذا بھی عبادت ہے' اس کی وجہ یہ ہے' وہ روحانی وجود رکھتے ہیں' ان میں نفس موجود نہیں ہوتا' جبکہ بندے کو عبادت سے روکنے والی چیز صرف نفس ہے' جو بندہ نفس کو جتنا زیادہ مغلوب کرے گا اس کے لیے عبادت کا راستہ اتنا ہی آسان ہو جائے گا جب انسان کا نفس فنا ہو جائے' تو انسان کی غذا اور اس کا کھانا پینا عبادت بن جاتی ہے' بالکل اسی طرح جیسے فرشتوں کا مشروب اور فرشتوں کی غذا عبادت ہے' لیکن اس کے لیے یہ بات شرط ہے' نفس مکمل طور پر فنا ہو چکا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: مجھے اچھی طرح یاد ہے' ایک خاتون تھی جسے میں نے بچپن میں دیکھا' وہ بہت عبادت گزار تھی' ایک مرتبہ وہ نماز پڑھ رہی تھی تو ایک بچھو نے اسے چالیس مرتبہ ڈنک مارا' لیکن اس نے اپنی نماز میں کوئی تبدیلی نہیں کی جب وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو میں نے اسے کہا: اے بزرگ خاتون! آپ نے بچھو کو ہٹا کیوں نہیں دیا؟ اس خاتون نے جواب دیا: میرے بیٹے! تم ابھی چھوٹے بچے ہو' یہ کیسے ممکن ہے' جب میں اللہ تعالیٰ کے کام میں مشغول تھی تو اس دوران اپنا کوئی کام کر لیتی۔

حضرت ابوالخیر کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی' طبیبوں نے انہیں یہ مشورہ دیا' ان کے پاؤں کو کاٹ دیا جائے' لیکن وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوئے' تو ان کے مریدین نے طبیبوں سے یہ کہا' جب یہ نماز پڑھ رہے ہوں گے' تو اس وقت ان کا پاؤں کاٹ دیا جائے کیونکہ نماز کے دوران انہیں اپنی خبر نہیں ہوتی' تو ایسا ہی کیا گیا' جب وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے' تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا پاؤں کٹ چکا ہے۔

حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ کی نماز

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' جب وہ رات کے وقت نوافل ادا کرتے تھے تو پست آواز میں قرأت کرتے تھے' جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت نوافل کے دوران بلند آواز میں قرأت کیا کرتے تھے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: اے ابوبکر! تم پست آواز میں کیوں قرأت کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا: ''یَسْمَعُ مَنْ اُنَاجِیْ ''میں جس ذات کے ساتھ سرگوشی میں بات کر رہا ہوتا ہوں وہ میری بات سن لیتی ہے' خواہ میں آہستہ آواز میں بات کروں یا بلند آواز میں کروں' پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: تم بلند آواز میں قرأت

کیوں کرتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کی: ''اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ '' میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگانا چاہتا ہوں' اور شیطان کو دور بھگانا چاہتا ہوں' تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا: تم اپنی آواز کو کچھ بلند رکھو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اپنی آواز کو نسبتاً پست کر لیا کرو' یعنی اپنے عام معمول سے کچھ مختلف کرو۔

فرائض وواجبات میں مشائخ کا معمول

اسی بنیاد پر بعض مشائخ فرائض ظاہر کر کے پڑھتے ہیں' اور نوافل چھپا کر پڑھتے ہیں' اس میں مصلحت یہ ہوتی ہے' تا کہ وہ لوگ ریاکاری سے محفوظ رہیں کیونکہ جب کوئی شخص ریاکاری کرتا ہے' تو لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے' تو وہ ریاکار بن جاتا ہے۔

مشائخ یہ فرماتے ہیں: ہم اگرچہ اپنے معاملات کی طرف توجہ نہیں دیتے' لیکن لوگ تو اس کی طرف توجہ دیتے ہیں' تو یہ بات بھی ریاکاری کا حصہ ہوگی۔

لیکن بعض دیگر مشائخ فرائض اور نوافل سب ظاہر کر کے پڑھتے ہیں' وہ یہ فرماتے ہیں: ریاکاری باطل اور فرمانبرداری حق ہے' تو یہ بات ناممکن ہے' ہم باطل کو خاطر حق کو پوشیدہ رکھیں' اس لیے دل سے ریا کو نکال دینا چاہیے' اور پھر جس طرح بھی ممکن ہو' عبادت کر لینا چاہیے۔

مشائخ نے اپنی نماز کے حقوق اور آداب کی بڑی حفاظت کی ہے' اور مریدین کو بھی اس کا حکم دیا ہے۔

ایک بزرگ یہ فرماتے ہیں: میں چالیس برس تک سفر کی حالت میں رہا ہوں' لیکن اس دوران میں نے کوئی بھی نماز جماعت کے بغیر ادا نہیں کی اور ہر جمعہ کے وقت میں کسی نہ کسی بڑے شہر میں موجود ہوتا تھا (تا کہ جمعہ کی نماز بھی ادا کر لوں)۔

نماز کے احکام بہت سے ہیں' لیکن نماز کے احکام میں سب سے اہم مقام محبت ہے' اس لیے ہم یہاں محبت کے بارے میں کچھ گفتگو کرتے ہیں۔

(اکیسواں باب)

محبتِ الٰہی کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ (المائدہ:۵۴)

''اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین کو چھوڑ دے گا' عنقریب اللہ تعالیٰ (ان کی جگہ) ایسی قوم کو لے آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہوگا' اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہوں گے''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:۱۶۵)

''کچھ لوگ ایسے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں' اور وہ ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنی چاہیے' لیکن اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں''۔

ایک حدیث قدسی میں یہ ارشاد ہے:

مَنْ اَهَانَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ بَارَزَنِیْ بِالْمُحَارَبَةِ

''جو شخص میرے کسی ولی کی توہین کرے' اس نے گویا مجھے جنگ کی دعوت دے دی''۔

ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا ہے:

''مجھے کسی بھی چیز کے بارے میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا بندہ مؤمن کی جان قبضہ میں لینے کے بارے میں ہوتا ہے' کیونکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے' اور مجھے اس کا تکلیف میں مبتلا ہونا پسند نہیں ہے' لیکن موت کے بغیر چارہ بھی کوئی نہیں ہے' میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں' اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کی سماعت' بصارت' ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں''۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری پسند کرتا ہے' اللہ تعالیٰ بھی اُس کی حاضری کو پسند کرتا ہے' جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کو ناپسند کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاضری کو ناپسند کرتا ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے' تو جبرائیل سے یہ فرماتا ہے: جبرائیل! میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو' تو حضرت جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں' حضرت جبرائیل آسمان والوں (یعنی فرشتوں) میں یہ اعلان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے' تو تم لوگ بھی اس سے محبت کرو' تو آسمان والے (یعنی فرشتے) بھی اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں' اور پھر اس شخص کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے''۔

بعض روایات میں ''اس کی مانند'' الفاظ منقول ہیں۔

یہ بات ذہن نشین کرلیں! اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنا اور بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ممکن ہے' اور یہ بات کتاب وسنت سے ثابت ہے' تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں یہ بات بھی شامل ہے' وہ اپنے دوستوں کو محبوب رکھتا ہے' اور محبوبانِ خدا اسے اپنا دوست رکھتے ہیں۔

لفظ محبت کی تحقیق

اہل لغت کا یہ کہنا ہے' محبت لفظ حبہ سے ماخوذ ہے' جس کا مطلب بیج ہے' جو زمین پر گر پڑتا ہے' تو جب محبت کو بیج کا نام دیں گے' تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ زندگی کی اصل اسی میں ہے' کیونکہ جس طرح بیج کے ذریعے درخت اور پودے اُگتے ہیں اسی طرح میدان میں جب بیج کو بکھیرا جاتا ہے' تو وہ مٹی میں چھپ جاتا ہے پھر اس کے بعد اس پر پانی برستا ہے' پھر اس کی آبیاری ہوتی ہے پھر اس کو دھوپ لگتی ہے پھر اس پر گرم وسرد موسم گزرتے ہیں' لیکن زمانے کی یہ تبدیلی اس کی حالت کو تبدیل نہیں کرتی' جب مخصوص وقت آتا ہے' تو وہ بیج اُگتا ہے' اور پھر اس پر پھول اور پھول لگتے ہیں' اس طرح جب محبت کا بیج دل کی زمین پر اپنی جگہ بنالیتا ہے' تو انسان کو حضوری اور غیبت' آزمائش اور مشقت' راحت اور لذت' جدائی اور وصال کوئی چیز انسان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

کسی شاعر نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

يَـا مَنْ سَقَـامُ جُنُوْنِـهٖ لِسَقَـامِ عَـاشِقَـهٖ طَبِيْبُ
جَارَتِ الْمَوَدَّةُ فَاسْتَوٰى عِنْدِىْ حُضُوْرُكَ وَالْمُغِيْبُ

''اے وہ شخص جس کے جنون کا مرض اس کے عاشق کی بیماری کے لیے طبیب کی حیثیت رکھتا ہے' محبت کی بے قراری کی وجہ سے میرے نزدیک تیرا سامنے موجود ہونا اور سامنے موجود نہ ہونا' برابر حیثیت رکھتے ہیں''۔

بعض ماہرین نے یہ بات بیان کی ہے' لفظ محبت لفظ ''حب'' سے نکلا ہے' جس کا مطلب گڑھا ہیں' جس میں اتنا پانی

موجود ہو اس میں نظر (تہہ تک) نہ جا سکتی ہے محبت کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے جب وہ طالب کے دل میں اکٹھی ہو جاتی ہے تو اس کے دل کو محبت سے لبریز کر دیتی ہے اور دوست کی بات کے علاوہ اور کوئی چیز اس کے دل میں جگہ نہیں بنا سکتی۔

اس کی مثال یہ ہے جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلعت اور دوستی سے نوازا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہو گیا اور وہ ہر حجاب کے دشمن ہو گئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے حال اور ان کے مقام کے حوالے سے ہمیں ان الفاظ میں آگاہ کیا:

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ اِلَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ (الشعراء:۷۷) ''تمام جہانوں کے پروردگار کے علاوہ ہر چیز میری دشمن ہے''۔

شبلی کی بیان کردہ تعریف

حضرت شیخ شبلی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں:

سُمِّيَتِ الْمَحَبَّةُ لِاَنَّهَا تَمْحُوْ مِنَ الْقَلْبِ مَاسِوَى الْمَحْبُوْبِ

''محبت کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ وہ دل سے محبوب کے علاوہ ہر چیز کو مٹا دیتی ہے''۔

بعض حضرات نے یہ بات بیان کی ہے لفظ محبت لفظ حب سے ماخوذ ہے جو ان چار لکڑیوں کو کہتے ہیں جنہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جاتا ہے اور جس پر پانی کا برتن رکھا جاتا ہے یہاں لفظ محبت کا مفہوم یہ ہے محبت کرنے والا شخص محبوب کی طرف سے پیش آنے والی عزت یا ذلت رنج یا راحت آزمائش یا مشقت جفا یا وفا ہر چیز کو برداشت کر لیتا ہے اور یہ باتیں اس کے لیے پریشانی کا باعث نہیں بنتی ہیں اور اس کا وہی کام ہوتا ہے جو جڑی ہوئی ان لکڑیوں کا ہوتا ہے وہ اپنے اوپر رکھی جانے والی چیز کا بوجھ برداشت کر لیتی ہیں تو جب محبت کرنے والے کی طبیعت میں محبوب کا بوجھ اٹھانا شامل ہو گا تو یہ مفہوم صادق آ جائے گا اسی مفہوم کو کسی شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اِنْ شِئْتَ جُوْدِيْ وَاِنْ شِئْتَ فَامْتَنِعِيْ

كِلَاهُمَا مِنْكَ مَنْسُوْبٌ اِلَى الْكَرَمِ

''اگر تم چاہو تو مجھ پر احسان کر دو اگر تم چاہو تو احسان نہ کرو تمہاری طرف سے آنے والی یہ دونوں چیزیں کرم کی طرف منسوب ہوں گی (یعنی تمہاری مہربانی ہی شمار ہوں گی)''۔

بعض ماہرین نے یہ بات بیان کی ہے لفظ محبت لفظ حبہ سے ماخوذ ہے اور یہ اس دل کو کہتے ہیں جو لطف کا مقام اور اس کے قیام کی جگہ ہوتی ہے محبت کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ یہاں محل کو بول کر حال مراد لیا جا رہا ہے اور عربوں کے محاورے میں یہ بات شامل ہے کسی چیز کو اس کے مقام کے موافق نام دے دیتے ہیں۔

ایک قول کے مطابق یہ لفظ ''حباب الماء'' سے ماخوذ ہے جس کا مطلب پانی میں جوش آنا ہے شدید بارش میں جب بلبلے بنتے ہیں انہیں حباب کہا جاتا ہے محبت کا یہ نام اس لیے تجویز کیا گیا ہے کیونکہ محبوب سے ملاقات کے اشتیاق کے وقت

دل کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے' وہ اضطراب کی حالت میں ہوتا ہے' تو جس طرح جسم روح کا مشتاق ہوتا ہے' یا جسم کی بقاء روح کی بقاء کے ساتھ ہوتی ہے' اسی طرح دوستی کا قیام بھی محبت کے ساتھ ہوتا ہے' اور محبت محبوب کے وصال کے ساتھ اور محبوب کے دیدار کے ساتھ برقرار رہتی ہے۔

یہی مفہوم کسی شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

إِذَا تَمَنَّى النَّاسُ رَوْحًا وَّ رَاحَةً
تَمَنَّيْتُ اَنْ اَلْقَاكَ يَاعِزَّةَ حَالِيًا

''جب لوگ راحت اور خوشی کی تمنا کرتے ہیں' تو میری یہ آرزو ہوتی ہے' میں تم سے مل لوں تاکہ تمہیں میری حالت کا پتہ چل سکے''۔

ایک قول کے مطابق لفظ حب' محبت کی صفائی کے لیے وضع کیا گیا ہے' اہل عرب آنکھ کے کالے نقطے کو ''حبہ الانسان'' کہتے ہیں' بالکل اسی طرح جیسے وہ دل کے سیاہ نقطے کو ''حبہ القلب'' کہتے ہیں' دل کا نقطہ محبت کی جگہ ہوتا ہے' اور آنکھ کا نقطہ دیدار کا مقام ہوتا ہے' یہی وجہ ہے' محبت میں دل اور آنکھ ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں' یہ مفہوم کسی شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اَلْقَلْبُ يَحْسُدُ عَيْنَيَّ لَذَّةَ النَّظْرِ
وَالْعَيْنُ يَحْسُدُ قَلْبِيْ لَذَّةَ الْفِكْرِ

''میرا دل میری آنکھ سے حسد کرتا ہے' کیونکہ آنکھ کو دیکھنے کی لذت حاصل ہوتی ہے' اور میری آنکھ میرے دل سے حسد کرتی ہے' کیونکہ دل محبوب کے بارے میں سوچ سکتا ہے''۔

دوسری فصل: محبت کے لفظ کا استعمال

یہ بات ذہن نشین کرلیں' محبت کے احتمال میں علماء کے تین نظریات ہیں:

محبت کا ایک مفہوم یہ ہے' انسان کے ذہن میں محبوب کی تڑپ ہو' دل کو محبوب کے بغیر سکون نصیب نہ ہو اور محبوب کے علاوہ دل میں کوئی اور تمنا' کوئی اور خواہش' کوئی میلان اور انسیت نہ ہو۔

یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ متعلق نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ کیفیات مخلوق کے ساتھ مخصوص ہیں' جو مخلوق کو ایک دوسرے سے محبت محسوس ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات اس مفہوم سے بلند و بالاتر ہے۔

دوسرے نظریے کے مطابق لفظ محبت کا مطلب احسان ہوتا ہے' اور یہ مفہوم اس بندے کے ساتھ مخصوص ہوگا جسے اللہ تعالیٰ منتخب کر کے اسے ولایت کے کمال سے نواز دے۔ اور اس پر اپنے لطف و کرم کی بارش کردے۔

محبت کا تیسرا مفہوم یہ ہے' کسی کی خوبی کی تعریف کی جائے۔

بعض متکلمین کا نظریہ

بعض متکلمین اس بات کے قائل ہیں: قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کے لیے جو لفظ محبت استعمال کیا گیا ہے' اس کا تعلق سماعی صفات سے ہے' یعنی وہ صفات جو قرآن حدیث سے ثابت ہیں جن میں دیدارِ الٰہی' عرش پر استواء وغیرہ شامل ہیں: اگر کتاب وسنت میں اس کا ذکر نہ ہوتا تو عقل کے اعتبار سے ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں تسلیم کرنا ناممکن ہوتا تو ہم ان صفات کو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ان کی ذات میں تسلیم کرتے ہیں' اور اس بارے میں کوئی عقلی دلیل بیان کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

متکلمین کی اس وضاحت سے اصل مراد یہ ہے' وہ عقل کے اعتبار سے لفظ محبت کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے درست قرار نہیں دیتے۔

محبت کی حقیقت

محبت کے بارے میں علماء کے اقوال بیان کرنے کے بعد ہم اس کی حقیقت بیان کریں گے۔

یہ بات ذہن نشین کرلیں' اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے' اللہ تعالیٰ اس بندے کی بھلائی کا ارادہ کرلے اور اس پر رحم کرے' اور اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کو جن مختلف صورتوں میں ظاہر کرتا ہے' ان میں سے ایک صورت محبت ہے' یا پھر اللہ تعالیٰ کے ارادے کی ایک صورت ہے' اس کا راضی ہونا اس کا ناراض ہونا' اس کا رحمت کرنا' اس کا مہربان ہونا وغیرہ تو یہ تمام الفاظ دراصل اللہ تعالیٰ کی ''صفتِ ارادہ'' سے تعلق رکھتے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی قدیم صفت ہے' البتہ اس کے نتیجے میں ثابت ہونے والے افعال کو اللہ تعالیٰ نے ان اوصاف کے ساتھ ذکر کیا ہے' لہٰذا حکم میں مبالغہ کرنے کے اعتبار سے یا فعل کے اظہار کے اعتبار سے ان میں سے بعض افعال دوسروں کے مقابلے میں خصوصی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے' اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کی بارش کردے' اسے آخرت میں اجر وثواب عطا کرے' اُسے سزا سے محفوظ رکھے' اسے گناہوں کے ارتکاب سے بچا کر رکھے' اسے بہترین حالت اور بلند مقام پر فائز کرے' اس کے باطن کو ''غیر'' کی طرف توجہ کرنے سے پاک وصاف کردے اور اپنی ازلی عنایات کا مستحق بنادے یہاں تک کہ بندہ ہر چیز سے کنارہ کش ہوکر صرف اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اپنے سامنے رکھے' جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ان معانی کے ساتھ مخصوص کرلیتا ہے' تو اللہ تعالیٰ کے اس ارادے کو محبت کا نام دیا جاتا ہے۔

حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ اور دیگر مشائخ اس بات کے قائل ہیں: فقہاء کی اکثریت اور اہل سنت کے متکلمین کا مؤقف یہی ہے۔

بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں: محبت کا مطلب یہ ہے' اللہ تعالیٰ کسی بندے کی اچھے الفاظ میں تعریف کرے' لیکن تعریف کرنا کلام ہوگا' اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے' اور جو چیز مخلوق نہ ہو تو اسے مخلوق کے ساتھ کیسے ملایا جاسکتا ہے؟

جو حضرات اس بات کے قائل ہیں: محبت کا مطلب احسان ہے' اور اللہ تعالیٰ کا احسان کرنا اس کا فضل ہے' تو یہ مفہوم سابقہ اقوال کے قریب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے' فرمانبردار مؤمن شخص کے دل میں یہ کیفیت ظاہر ہوتی ہے' جس میں احترام اور تعظیم کا پہلو پایا جاتا ہے' جس کے نتیجے میں وہ اپنے محبوب (یعنی اللہ تعالیٰ کے) کی رضا کو طلب کر کے اس کے دیدار کا طلبگار ہوتا ہے' اس کی قربت کی آرزو کرتا ہے' اور اس کے بغیر اسے چین اور آرام حاصل نہیں ہوتا' یہ بات اس کی عادت کا حصہ بن جاتی ہے' وہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کا ذکر نہیں کرتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے غیر کے ساتھ راحت حاصل کرنا حرام ہے' اور اس سے محبت کرنے والے کا سکون وقرار ختم ہو جاتے ہیں' وہ تمام رغبتوں کو چھوڑ کر اپنی خواہشات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے' اور محبت کے غلبے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہے' اور اس کی شان کے لائق صفات کے ہمراہ اس کو پہچاننے لگتا ہے۔

یہ ممکن نہیں: مخلوق کے ساتھ خالق کی محبت کو اس محبت پر قیاس کیا جائے' جو مخلوق کو دوسری مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ مخلوق دوسری مخلوق کی محبت کا ادراک اور احاطہ کر سکتی ہے' کیونکہ یہ جسم کی صفت ہے (اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے) لہٰذا اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اس کے قرب کے حصول کے لیے مصروف رہتے ہیں' اور محبت کے میدان میں مغلوب ہو جاتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے' حادث چیز' قدیم ذات کے ساتھ صرف منسوب ہو سکتی ہے' اس سے زیادہ کوئی قرب حاصل نہیں کر سکتی' تو جس شخص پر محبت کی حقیقت واضح ہو جائے اس کے لیے کوئی شک وشبہہ باقی نہیں رہ جاتا۔

محبت دو طرح کی ہوتی ہے: ایک محبت وہ ہے' جو کسی جنس کی ہم جنس کے ساتھ ہو اور اس سے مراد نفس کا مائل ہونا اور جم جانا ہے' ایک دوسرے کو جسمانی طور پر چھو لینا ہے' دیدار کرنا ہے وغیرہ' جبکہ محبت کی دوسری قسم یہ ہے' ایک چیز کو اپنی ہم جنس کی بجائے کسی دوسری جنس سے محبت ہو جائے' اس محبت کے لیے بھرپور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ انسان محبوب کی صفات میں سے کسی ایک صفت کے ذریعے اطمینان حاصل کر سکے اور اس سے مانوس ہو جائے' یہ کلام کے بغیر سننا اور آنکھوں کے بغیر دیکھنا ہوتا ہے۔

عاشقانِ الٰہی کی اقسام

محبت کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے احسان اور انعام کو دیکھتے ہیں' اور اس کی وجہ سے وہ اس نعمت دینے والے اور احسان کرنے والی ذات کی محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں' اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں' جو محبت کے غلبے کی وجہ سے' ان تمام احسانات اور انعامات کو حجاب تصور کرتے ہیں' اور نعمت کی طرف توجہ دینے کی بجائے' نعمت عطا کرنے والی ذات کی طرف متوجہ رہتے ہیں' یہ مقام پہلے مقام کے مقابلے میں زیادہ بلند حیثیت رکھتا ہے۔

تیسری فصل

محبت کے مختلف نام

لفظ محبت ایک معروف لفظ ہے جو ہر طبقے کے افراد اور ہر زبان میں عام استعمال ہوتا ہے کوئی بھی عقل مند شخص اس کی کیفیت کو اپنے سے چھپا نہیں سکتا۔ حضرت شیخ سمنون المحب رحمہ اللہ کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے ان کا محبت میں اپنا مخصوص مسلک اور مشرب ہے وہ محبت کو اللہ تعالیٰ کی راہ کی اصل اور بنیاد قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک تمام احوال اور مقامات محبت کی مختلف منزلیں ہیں انسان جس بھی منزل یا مقام پر موجود ہو اس منزل یا مقام کا زائل ہونا ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت وہ مقام ہے جس کا زائل ہونا ممکن نہیں ہے انسان جب تک اس راہ پر گامزن رہتا ہے اُسے کسی بھی صورت میں زوال نہیں آتا۔

اس مسئلے میں تمام مشائخ کا اتفاق ہے لیکن کیونکہ محبت کا لفظ عمومی اور ظاہری حیثیت رکھتا ہے اس لیے ان حضرات نے یہ چاہا کہ اس کے مخصوص معنی کو عوام سے مخفی رکھا جائے انہوں نے اس لفظ کے مفہوم کو برقرار رکھتے ہوئے اس مفہوم کا نام تبدیل کر دیا اور خالص محبت کو ''صفوت'' کا نام دیا اور خالص محبت رکھنے والے شخص کو ''صوفی'' کا نام دیا۔

مشائخ کے دوسرے گروہ نے محبوب کے اختیار کو ثابت کرنے اور محبّ کے اختیار کو ترک کرنے کو ''فقر'' کا نام دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے شخص کو ''فقیر'' کا نام دیا ہے۔

محبت کا سب سے کم تر درجہ موافقت ہے اور محبوب کی موافقت کرنا اس کی مخالفت کرنے کی ضد ہے۔

اس کتاب کے آغاز میں ہم فقر اور صفوت کے باب میں اس مفہوم کی وضاحت کر چکے ہیں۔

ایک بزرگ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْحُبُّ عِنْدَ الزُّهَّادِ اَظْهَرُ مِنَ الْاِجْتِهَادِ

''زاہدوں کے نزدیک محبت (زہد میں) بھرپور کوشش کرنے سے زیادہ مشکل ہوتی ہے''۔

'' عِنْدَ التَّائِبِيْنَ اَوْجَدُ مِنْ اَنِيْنٍ وَّحَنِيْنٍ''

''توبہ کرنے والوں کے نزدیک یہ آہ و فغاں کرنے سے زیادہ مشکل ہوتی ہے''۔

'' وَعِنْدَ الْاَتْرَاكَ اَشْهَرُ مِنَ الْفَتْرَاكِ''

''ترکوں کے نزدیک یہ شکار ہو جانے سے زیادہ سخت ہوتی ہے''۔

''وَسَبْئُ الْحُبِّ عِنْدَ الْهُنُوْدِ اَظْهَرُ مِنْ سَبْيِ الْمَحْمُوْدِ

''ہندوؤں کے نزدیک محبوب کا قصہ محمود غزنوی کی قید سے زیادہ سخت ہوتا ہے''۔

'' قِصَّةُ الْحُبِّ وَالْحَبِيْبِ عِنْدَ الرُّوْمِ اَشْهَرُ مِنَ الصَّلِيْبِ''

''اہلِ روم کے نزدیک محبوب اور محبّ کا قصہ صلیب کا واقعہ سننے سے زیادہ دلچسپ ہوتا ہے''۔

''قِصَّةُ الْحُبِّ فِي الْعَرَبِ اَدَبٌ فِي كُلِّ حَيٍّ مِنْهُ طَرَبٌ اَوْوَيْلٌ وَهَرَبٌ وَحُزْنٌ''

''جبکہ عربوں میں محبت ہر قبیلے کی روایت میں شامل ہے' ہر خوشی' افسوس' جنگ اور تکلیف اسی کی وجہ سے ہوتی ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ان سب باتوں کا مطلب یہ ہے' انسانوں کا کوئی بھی گروہ ایسا نہیں ہے' جسے (اللہ تعالیٰ سے) غیبت کی حالت میں محبت سے واسطہ نہ پڑا ہو' جس کے نتیجے میں وہ خوشی سے سرشار رہے ہوں یا شراب سے مست ہو کر مخمور ہو گئے ہوں۔

دل بنا' ہی بے قراری اور بے چینی سے ہے' جس کے باعث اس میں زندگی پائی جاتی ہے' جو دل محبت سے خالی ہوتا ہے وہ خراب اور ویران ہوتا ہے' اُسے اپنی طرف مائل نہیں کیا جا سکتا یا کسی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا' جو لطیف معاملات دل سے تعلق رکھتے ہیں' نفس اُن سے خالی ہوتا ہے۔

عمر بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت عمر بن عثمان مکی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ''المحبت'' میں یہ بات تحریر کی ہے:

''''اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام کی تخلیق سے سات ہزار سال پہلے پیدا کیا تھا اور انہیں اپنے قربِ خاص میں رکھا اور پھر انہیں محبت کے درجے میں رکھا' پھر ان کے باطن کو ان کے جسم سے ساٹھ ہزار سال پہلے پیدا کیا اور باطن کو وصل کے درجے میں رکھا اور روزانہ تین سو ساٹھ مرتبہ جمال کے نظر لطف وعنایت کے ذریعے اس باطن کو تجلّی عطا کی اور تین سو ساٹھ مرتبہ اس پر کرامت کی نظر ڈالی' پھر اسے محبت کا کلمہ سکھایا اور تین سو ساٹھ مرتبہ اس دل پر انس اور محبت کے لطائف ظاہر کیے' یہاں تک کہ جب اس دل نے کائنات پر نظر ڈالی تو اسے اپنے سے زیادہ معزز کوئی مخلوق نظر نہیں آئی' اسی کے ذریعے اس کے دل میں فخر اور غرور پیدا ہو گیا' اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سب کا امتحان لیا اور باطن کو جسم میں قید کر کے روح کو دل میں قید کر دیا اور دل کو جسم میں رکھ دیا' پھر عقل کو اس میں شامل کر دیا پھر انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کر کے ان لوگوں کو حکم دیا' جو اپنے مقام کو تلاش کرنا چاہتا ہو وہ نماز ادا کرے' تاکہ انسان کا جسم نماز کی حالت میں ہو اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں گم ہو جائے' اور اس کی جان کو قربت کا مقام حاصل ہو جائے' اور اس کے باطن کو اس کا وصال نصیب ہو اور اُسے قرار مل جائے''۔

مختصر یہ کہ یہ سب محبت کی تعبیرات ہیں' ان کو عین محبت نہیں کہا جا سکتا' اس کی وجہ یہ ہے' محبت ایک حالت ہے' اور محبت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا' اگر سارا جہان مل کر بھی محبت کو حاصل کرنا چاہے' تو بھی حاصل نہیں کر سکتا اور اگر سارا جہان مل کر اسے ہٹانا چاہے تو یہ بھی ممکن نہیں ہو گا' کیونکہ جس محبت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ہے' اس کا انسان کے اکتساب اور اختیار سے کوئی تعلق نہیں ہے' اس لیے اگر سارا جہان یہ چاہتا ہو' وہ محبت میں مبتلا ہو جائے' تو یہ بھی ممکن نہیں ہے' اور

اگر وہ سب مل کر چاہیں: ان کے محبوب کا ذکر ہو تو وہ یہ بھی نہیں کر سکتے' اس کی وجہ یہ ہے' یہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ امر ہے' اور انسان عاجز ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا انکار نہیں کر سکتا۔

چوتھی فصل

عشق کی حقیقت

لفظ عشق کے بارے میں مشائخ کے بہت سے اقوال منقول ہیں:

بعض مشائخ اس بات کے قائل ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کو عشق ہو سکتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کو کسی کے ساتھ عشق نہیں ہو سکتا۔

بعض مشائخ یہ کہتے ہیں: عشق ایک ایسی صفت ہے' جس شخص کو محبوب روک رہا ہو' تو بندے کو اللہ تعالیٰ سے روکا جا سکتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ بندے سے رک نہیں سکتا' اس لیے بندے پر اس صفت کا اطلاق درست ہوگا' اللہ تعالیٰ کے لیے اس لفظ کا اطلاق درست نہیں ہوگا۔

بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں: بندے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال نہیں کیا جا سکتا' وہ اللہ تعالیٰ کا ''عاشق'' ہے' اس کی وجہ یہ ہے' عشق حد سے بڑھ جانے کو کہتے ہیں' جبکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حد نہیں ہے۔

متاخرین کا نظریہ

متاخرین صوفیاء اس بات کے قائل ہیں: اللہ تعالیٰ کی ذات سے عشق دونوں جہان میں درست نہیں ہے' البتہ ذات کے ادراک سے عشق ہو سکتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک بھی نہیں ہو سکتا' تو اس کی کسی کیفیت کے ساتھ ہی عشق درست ہو سکتا ہے' لیکن ذات کے ساتھ عشق درست نہیں ہو سکتا۔

صوفیاء نے یہ بات بیان کی ہے' عشق دیدار کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا' البتہ سماعت کے ذریعے محبت ہو سکتی ہے' اس کا مطلب یہ ہے' عشق کا تعلق دیکھنے سے ہوتا ہے' اور دنیا میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتا' تو اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ بات ظاہر ہوگی' تو ہر شخص عشق کا دعویٰ کرنے لگے گا کیونکہ خطاب کے ذریعے سب برابر ہیں' لیکن کیونکہ ذاتِ حق کا ادراک نہیں کیا جا سکتا' اُسے محدود نہیں کیا جا سکتا' تو اس سے عشق کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ اپنی صفات اور افعال کے ذریعے اپنے نیک بندوں پر کرم کرتا ہے' تو اسے اس کی صفات کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے' کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں ان کی جدائی کے صدمے کی وجہ سے نابینا ہو گئے تھے اور پھر جب انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص مبارک آنے کی خبر ملی تو ان کی آنکھوں کی بینائی واپس آ گئی' اسی طرح زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام سے عشق تھا' اس وقت تک جب تک انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا وصال نصیب نہیں ہوا تھا' ان کی آنکھیں روشن نہیں ہوتی تھیں۔

حالانکہ عجیب بات یہ ہے' ایک طرف زلیخا اپنی نفسانی خواہش کی پرورش کر رہی تھی اور دوسری طرف حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی ہر خواہش کو فنا کر رہے تھے۔

بعض صوفیاء اس بات کے قائل ہیں: عشق کا متضاد ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی ضد نہیں ہے۔ اس لئے اس کے لیے لفظ عشق کا استعمال درست نہیں ہوگا۔

اس سلسلے میں بکثرت مشائخ سے اقوال منقول ہے' لیکن ہم انہیں طوالت کے خوف سے ترک کر رہے ہیں۔

پانچویں فصل

محبت کی تحقیق میں مشائخ کے بیان کردہ رموز

محبت کی تحقیق کے بارے میں صوفیاء کے بیان کردہ نکات بہت زیادہ ہیں' جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا' ان میں سے چند نکات میں یہاں بیان کروں گا' تاکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تحت برکت حاصل کی جا سکے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف

شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْمَحَبَّۃُ مَحْوُ الْمُحِبِّ بِصِفَاتِہٖ وَاِثْبَاتُ الْمَحْبُوْبِ بِذَاتِہٖ

''محبت یہ ہے کہ محب اپنی صفات سمیت فنا ہو جائے اور محبوب کی ذات باقی رہ جائے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی اس سے مطلق ولایت حاصل ہو جائے' اور محب کی ہستی کو فنا ہونا اس وقت تک ممکن نہیں ہے' جب تک محبوب کی بقا نہ ہو' یہ نہیں ہو سکتا' محبّ کی ہستی بھی برقرار رہے' اور محبوب بھی باقی رہے کیونکہ جب انسان اپنی ہستی کو برقرار رکھے گا' تو محبوب کے جمال سے محروم ہو جائے گا' تب اسے یہ پتہ چل جائے گا کہ اس کی بقاء محبوب کے جمال کے ساتھ وابستہ ہے' تو اپنی ہستی کو فنا کرنے کی کوشش کرتا ہے' اسے یہ معلوم ہوتا ہے' جب تک میری یہ صفت باقی ہے' اس وقت تک محبوب سے حجاب میں رہوں گا' اس لیے وہ حق کی محبت کے لیے اپنی ذات کا دشمن بن جاتا ہے۔

منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا آخری کلام

یہ منقول ہے' جب شیخ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کو سولی پر چڑھایا جانے لگا تو ان کا آخری کلام یہ تھا:

''حُبُّ الْوَاجِدِ اِفْرَادُ الْوَاحِدِ لَہٗ'' ''صاحبِ حال کی محبت یہ ہے' وہ اللہ کو ایک سمجھے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) محبت کرنے والے شخص کے لیے اتنا ہی کافی ہے' محبت کے راستے پر اس کی اپنی ذات فنا ہو جائے اور محبت کے راستے میں اس کے نفس کی حکومت بالکل ختم ہو جائے۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ یہ بات ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْمَحَبَّةُ اِسْتِقْلَالُ الْكَثِيْرِ مِنْ نَفْسِكَ وَاسْتِكْثَارُ الْقَلِيْلِ مِنْ حَبِيْبِكَ"
''محبت یہ ہے' اپنی ذات کے زیادہ کو تم تھوڑا سمجھو اور محبوب کے تھوڑے کو تم زیادہ سمجھو''۔
اللہ تعالیٰ کا بندے کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتوں میں سے جو کچھ بندے کو عطا کیا ہے اُسے تھوڑا قرار دیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (النساء:۷۷) ''تم فرما دو: دنیا کا ساز و سامان تھوڑا ہے''۔

(لیکن قرآن نے لوگوں کی) اس تھوڑی سی زندگانی' تھوڑے سے ساز و سامان اور تھوڑی سی جگہ (یہ سب کچھ تھوڑا ہونے کے باوجود) ان کے ''ذکر کرنے'' کو ''زیادہ'' فرمایا ہے۔
جبکہ دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ (الاحزاب:۳۵) ''اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں''۔

یعنی دنیا والوں کو یہ بات جان لینی چاہیے' ان کا حقیقی دوست اللہ تعالیٰ ہی ہے' اس میں کوئی بھی چیز تھوڑی نہیں ہے' بندے کی طرف سے جو بھی ہوگا وہ بہر حال تھوڑا ہی ہوگا۔
شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:
اَلْمَحَبَّةُ مُعَانَقَةُ الطَّاعَاتِ وَمُبَايَنَةُ الْمُخَالَفَاتِ
''محبت یہ ہے' آدمی عبادت سے بغل گیر ہو اور مخالفت کرنے سے علیحدہ ہو جائے''۔
(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' جب محبت دل میں جگہ حاصل کر لیتی ہے' تو دوست کے حکم کی فرمانبرداری کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ بات ملحدین کے اس نظریے کی تردید کرتی ہے' جو اس بات کے قائل ہیں: انسان محبت میں خاص مقام تک پہنچ جاتا ہے' تو اس سے بندگی کے احکام ختم ہو جاتے ہیں' یہ بات ملحد اور بے دین لوگ ہی کہہ سکتے ہیں۔
البتہ ایسا ہو سکتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اس درجے تک پہنچا دے جب بندے کو عبادت کرنے میں تکلیف اور مشکل محسوس نہ ہو' کیونکہ کسی بھی حکم کی مشقت' حکم دینے والے سے محبت کے حساب سے ہوتی ہے جتنی زیادہ محبت ہوگی' فرمانبرداری میں تکلیف برداشت کرنا انسان کے لیے اتنا ہی آسان ہوگا' اس کا اندازہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے لگایا جا سکتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مجاہدہ

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:
لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (الحجر:۷۲)
''تمہاری زندگی کی قسم! یہ کفار اپنی مدہوشی میں سرگرداں ہیں''۔

تو نبی اکرم ﷺ رات دن اتنی عبادت کرتے رہتے تھے کہ آپ کے پاؤں ورم آلود ہو جاتے تھے' نبی اکرم ﷺ دوسرے کسی بھی کام کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے (جتنی توجہ سے عبادت کرتے تھے) تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ حکم نازل کیا:

نبی اکرم ﷺ کی مخصوص کیفیت

طٰهٰ ۝ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى ۝ (طٰہٰ:۱'۲)

''طٰہٰ! ہم نے قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں مبتلا ہو جاؤ''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایسا بھی ہوسکتا ہے' حکم پر عمل کرنے کے حوالے سے بندے کی اپنے عمل سے توجہ ہٹالی جائے' اور بندہ اپنے عمل کی کیفیت کو دیکھ نہ سکے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً*

''میرے دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ستر مرتبہ استغفار طلب کرتا ہوں''۔

اس کی وجہ یہ ہے' نبی اکرم ﷺ اپنی ذات اور فعل کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے' بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کا خیال رکھتے تھے اور ہمیشہ یہی سوچا کرتے تھے' میرا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے لائق نہیں ہے۔

شیخ سمنون المحب رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

ذَهَبَ الْمُحِبُّوْنَ لِلّٰهِ بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

''اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے لوگ دنیا اور آخرت کا سارا شرف لے گئے ہیں' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: ''آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے''۔

---

*صحیح مسلم' كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار' باب استحباب الاستغفار والاستكثار منه' حديث: 4977صحيح ابن حبان' كتاب الرقائق' باب الادعية' ذكر لفظ لم يعرف معناه جماعة لم يحكموا صناعة العلم' حديث: 932المستدرك على الصحيحين للحاكم' بسم الله الرحمن الرحيم اول كتاب المناسك' كتاب الدعاء' حديث: 1821سنن ابي داود' كتاب الصلاة' باب تفريع ابواب الوتر' باب في الاستغفار' حديث: 1307السنن الكبرى للنسائي' كتاب عمل اليوم والليلة' ذكر الاختلاف على ابي بردة في هذا الحديث' حديث: 9904السنن الكبرى للبيهقي' كتاب النكاح' جماع ابواب ما خص به رسول الله صلى الله عليه وسلم' باب كان يغان على قلبه فيستغفر الله ويتوب اليه في اليوم' حديث: 12468مسند احمد بن حنبل' مسند الشاميين' حديث الاغر' حديث: 17540المعجم الكبير للطبراني' باب من اسمه امية' الاغر المزني' حديث: 884شعب الايمان للبيهقي' فصل في ادامة ذكر الله عز وجل' حديث: 657

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس لیے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو چاہیے وہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوں' جس شخص کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو جاتا ہے' اس کے لیے خطاء کرنا درست نہیں رہتا اور دنیا میں شرف یہ ہے' اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوگا اور آخرت میں ان کے لیے اعزاز یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوں گے۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

حَقِیْقَۃُ الْمَحَبَّۃِ لَا یَنْقُصُ بِالْجَفَاءِ وَلَا یَزِیْدُ بِالْبِرِّ وَالْعَطَاءِ

''حقیقی محبت یہ ہے' وہ (محبوب کے) جفاء کرنے سے کم نہیں ہوتی اور (محبوب کے) لطف و مہربانی کرنے سے زیادہ نہیں ہوتی''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' اس کی دونوں چیزیں محبت کا سبب ہوتی ہیں' موجود ہوں تو اسباب محدود ہو جاتے ہیں' اور دوست کے لیے بھیجی ہوئی ہر چیز قابل قبول ہوتی ہے' محبت کے راستے میں مہربانی اور زیادتی یکساں حیثیت رکھتے ہیں' جب محبت مل جاتی ہے' تو وفا' جفا کی طرح ہو جاتی ہے' اور جفا' وفا کی طرح ہو جاتی ہے۔

شبلی کا واقعہ

یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ حضرت شبلی رحمہ اللہ پر دیوانگی کا الزام لگا کر انہیں شفا خانے لے جایا گیا اور وہاں انہیں قید کر دیا گیا' کچھ لوگ وہاں زیارت کرنے آئے تو شبلی رحمہ اللہ نے ان سے دریافت کیا: آپ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہم آپ کے دوست ہیں' تو حضرت شبلی رحمہ اللہ نے انہیں پتھر مارنے شروع کیے تو وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے' اس وقت حضرت شبلی رحمہ اللہ نے یہ فرمایا: اگر تم واقعی میرے دوست ہوتے تو میری طرف سے آنے والی آزمائشوں سے بھاگتے نہیں' بلکہ میری طرف سے آنے والی آزمائش پر صبر سے کام لیتے۔

اس موضوع پر بہت سی باتیں ہیں' لیکن ہم یہاں پر اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(بائیسواں باب) چھٹا کشف

زکوٰۃ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم بہت سی آیات اور احادیث میں موجود ہے اور اسلام کے بنیادی احکام اور فرائض میں سے ایک زکوٰۃ بھی ہے' جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہو جائے اس کے لیے زکوٰۃ ادا نہ کرنا حرام ہے' جب انسان نصاب کے مطابق مال کا مالک ہو جائے' تو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے' یعنی جس کے پاس دو سو درہم ہوں گے (چاندی کے درہموں کے اعتبار سے) مکمل نصاب ہوگا' اور اس شخص پر پانچ درہم بطور زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا' اسی طرح شخص کے پاس بیس دینار ہوں تو یہ مکمل نصاب اور کامل نعمت ہے' اس شخص پر نصف دینار بطور زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا' اسی طرح پانچ سو اونٹ بھی پورا (مکمل نصاب ہیں) جن میں ایک بکری کی زکوٰۃ کے طور پر ادائیگی لازم ہوگی' دیگر چیزوں کی زکوٰۃ کا حکم اسی کی مانند ہے۔

مرتبہ و مقام کی زکوٰۃ

جس طرح مال میں زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوتی ہے' اسی طرح مرتبہ و مقام میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوتی ہے' کیونکہ مرتبہ و مقام بھی ایک مکمل نعمت کی حیثیت رکھتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی فَرَضَ عَلَیۡکُمۡ زَکٰوۃَ جَاھِکُمۡ کَمَا فَرَضَ عَلَیۡکُمۡ زَکٰوۃَ مَالِکُمۡ

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے مرتبے کی زکوٰۃ لازم قرار دی ہے' جیسے اُس نے تم پر تمہارے مال کی زکوٰۃ لازم قرار دی ہے"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اِنَّ لِکُلِّ شَیۡئٍ زَکٰوۃٌ وَ زَکٰوۃُ الدَّارِ بَیۡتُ الضِّیَافَۃِ

نوٹ: امام بیہقی نے اس روایت کو موقوف روایت کے طور پر نقل کیا ہے۔

شعب الایمان للبیهقی' التاسع والثلاثون من شعب الایمان' فصل فیما یقول العاطس فی جواب التشمیت' فصل فی التكلف للضیف عند القدرة علیه' حدیث: 9269

''ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے' اور گھر کی زکوٰۃ مہمان نوازی کرنا ہے''۔

زکوٰۃ کی حقیقت

زکوٰۃ کی حقیقت یہ ہے' انسان نعمت کے حصول پر اس کا شکر ادا کرے' اور یہ شکر اس چیز کی جنس کے ذریعے ادا کرے جو کہ نعمت کے طور پر اُسے حاصل ہوئی تھی' اس لیے تندرستی بھی ایک بڑی نعمت ہے' تو انسان کے ہر عضو پر زکوٰۃ کی ادائیگی بھی لازم ہوگی اور ادائیگی کا طریقہ یہ ہوگا کہ انسان اپنے تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رکھے' اسے دنیاوی معاملات میں اُلجھنے سے بچائے تاکہ نعمت کی زکوٰۃ کا حق ادا ہو سکے۔

اسی طرح باطن کی نعمت کی زکوٰۃ بھی لازم ہوتی ہے' کیونکہ باطن کی نعمت کی کوئی حد نہیں ہے' کوئی شمار نہیں ہے' اس لیے اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا' تو باطنی نعمت کے حوالے سے ہر شخص پر اس کی مخصوص کیفیت کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی' زکوٰۃ ظاہری اور باطنی نعمتوں کی معرفت کا نام ہے' جب بندہ یہ بات جان لیتا ہے' تو اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حد وشمار ہیں' تو اس کے نتیجے میں وہ اس کا بے حد وشمار شکر بجالاتا ہے' اسی لیے بے شمار نعمتوں کی زکوٰۃ کے لیے بے حساب شکر ضروری ہوگا۔

صوفیاء کے نزدیک زکوٰۃ کی تمام اقسام میں سب سے کم قابل تعریف دنیاوی نعمت کی زکوٰۃ ادا کرنا ہے' کیونکہ اس کے ذریعے بخل کی صورت سامنے آتی ہے' اور انسان کے حق میں بخل ایک قابل مذمت صفت ہے' کیا یہ بخل نہیں ہے' انسان دوسو درہم سال بھر اپنے قبضے میں رکھے اور پھر ایک سال گزرنے کے بعد اس میں سے صرف پانچ درہم زکوٰۃ کے طور پر ادا کردے حالانکہ اہل کرم اور سخی شخص کا طریقہ یہی ہوتا ہے' وہ مال میں سخاوت کرتا ہے وہ مال کو جمع نہیں رکھتا ہے' تو جب سخاوت خرچ کرنا ہے' تو مال جمع کیسے کیا جاسکتا ہے' اور زکوٰۃ کیسے واجب ہوگی۔

شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ کی حقیقت

ایک مرتبہ ایک ظاہری عالم نے حضرت شبلی رحمہ اللہ سے دریافت کیا: کتنی مقدار پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوتی ہے؟ تو شیخ شبلی رحمہ اللہ نے جواب دیا: بخیل شخص کے پاس دوسو درہم موجود ہوں' اور ایک سال رہیں تو اس کے بعد اس پر پانچ درہم کی ادائیگی لازم ہوتی ہے' اور اگر اس کے پاس بیس دینار سال بھر رہیں تو اس پر نصف دینار بطور زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوتا ہے' لیکن ہمارے طریقے میں کسی چیز کو اپنی ملکیت میں نہ رکھنا لازم ہے تاکہ زکوٰۃ کے مشغلے سے بے نیاز رہے' اس عالم نے دریافت کیا: اس مسئلے میں آپ نے کس کے طرزِ عمل کو دلیل بنایا ہے؟ تو حضرت شبلی رحمہ اللہ نے جواب دیا' حضرت ابوبکر صدیق کے طرزِ عمل کو' کیونکہ ان کے پاس جو کچھ موجود تھا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے یہ دریافت کیا: ''مَا خَلَّفْتَ لِعَيَالِكَ'' تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ تو انہوں نے عرض کی: ''اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ'' اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔

سخی پر زکوٰۃ فرض ہوسکتی ہے؟

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

فَمَا وَجَبَتْ عَلَيَّ زَكٰوةُ مَالٍ
وَهَلْ تَجِبُ الزَّكٰوةُ عَلَى الْجَوَادِ

''مجھ پر کبھی بھی مال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی ہے کیا کسی سخی شخص پر زکوٰۃ واجب ہوسکتی ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' سخی کا مال تو ہمیشہ خرچ ہوتا رہتا ہے وہ مال خرچ کرنے میں کنجوسی کا مظاہرہ نہیں کرتے اور مال کی وجہ سے کسی سے جھگڑا نہیں کرتے ہیں' تو کوئی چیز ان کی ملکیت میں ہوتی ہی نہیں (اس لیے ان پر زکوٰۃ بھی لازم نہیں ہوتی)۔

(یہاں ایک اور پہلو بھی ہے) اگر کوئی شخص یہ کہے' میرے پاس جب مال ہی نہیں ہے' تو مجھے زکوٰۃ کے متعلق مسائل جاننے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تو اس کا قول غلط ہوگا' اس کی وجہ یہ ہے' علم حاصل کرنا فرض عین ہے' اور علم سے لاتعلقی ظاہر کرنا کفر ہے۔

ہمارے زمانے کے فتنوں میں بڑا فتنہ یہ بھی ہے' فقر کے دعویدار افراد علم کو چھوڑ کر جہالت کی حالت میں رہتے ہیں۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ میں کچھ صوفیاء کو فقہ کے کچھ اسباق پڑھا رہا تھا۔ وہ لوگ ابتدائی درجے سے تعلق رکھتے تھے' اسی دوران ایک جاہل بھی وہاں آ گیا' میں اس وقت اونٹ کی زکوٰۃ سے متعلق احکام بیان کر رہا تھا اور بنت لبون' بنت مخاض اور حقہ وغیرہ کے احکام سمجھا رہا تھا' تو اس جاہل آدمی کو میرے بیان سے بڑی پریشانی ہوئی' وہ کھڑا ہو گیا اور بولا: میرے پاس تو اونٹ ہی نہیں ہیں' تو بنت لبون کا علم میرے کس کام آئے گا؟ میں نے اس سے کہا: اے شخص! جس طرح زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے احکام کے علم کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح زکوٰۃ لینے کے لیے بھی علم ضروری ہوتا ہے' اگر کوئی شخص تمہیں زکوٰۃ کے طور پر مال دے رہا ہو' تو تمہیں علم ہونا چاہیے' زکوٰۃ کس صورت میں لازم ہوتی ہے؟

اگر کسی شخص کے پاس مال نہ ہو اور بظاہر مال آنے کی امید بھی نہ ہو' تو اس وجہ سے علم کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی' باقی ہم جہالت سے پناہ مانگتے ہیں۔

دوسری فصل

زکوٰۃ لینے سے متعلق مشائخ کا طرزِ عمل

زکوٰۃ وصول کرنا یا نہ کرنا

بعض مشائخ زکوٰۃ وصول کر لیتے ہیں' اور بعض مشائخ زکوٰۃ لینے کو پسند نہیں کرتے ہیں۔

جن حضرات کا فقر اختیاری ہوتا ہے وہ زکوٰۃ کا مال وصول نہیں کرتے ہیں' وہ یہ کہتے ہیں: ہم اس لیے مال جمع نہیں کرتے تا کہ زکوٰۃ نہ دینی پڑے' تو پھر ہمیں کسی کے مال میں سے زکوٰۃ لینی بھی نہیں چاہیے کیونکہ اس سے ان کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے' اور ہمارا ہاتھ نیچے ہو جاتا ہے۔

جن حضرات کا فقر اختیاری نہیں ہوتا ''اضطراری'' ہوتا ہے وہ زکوٰۃ قبول کر لیتے ہیں' اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی' انہیں زکوٰۃ کے مال کی ضرورت ہوتی ہے' بلکہ ان کی نیت یہ ہوتی ہے' وہ اپنے مسلمان بھائی کی گردن سے فرض کے بوجھ کو اتار دیں اور جب ان حضرات کی نیت یہ ہوگی' تو اب ان کا ہاتھ اوپر والا ہوگا' نیچے والا نہیں ہوگا' اگر یہ بات مطلق طور پر کی جائے' دینے والے کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے' اور لینے والے کا ہاتھ نیچے ہوتا ہے (تو یہ قرآن کی اس آیت سے غلط ثابت ہو جائے گی)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''یَاْخُذُ الصَّدَقَاتِ'' ''وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) صدقات کو وصول کرتا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اسی طرح زکوٰۃ دینے والا شخص زکوٰۃ لینے والے سے افضل ہوتا ہے' یہ نظریہ بھی غلط اور گمراہی ہے' کیونکہ اونچا ہاتھ اس شخص کا ہوتا ہے' جو کسی چیز کی فرضیت کو مسلمان بھائی سے الگ کرے' اور اس کے بوجھ کو کم کر دے' یہ فقیر دنیاوی آدمی نہیں ہوتا' بلکہ اس کا واسطہ تو آخرت کے ساتھ ہوتا ہے' آخرت سے واسطہ رکھنے والے یہ درویش لوگ اگر دنیا داروں سے زکوٰۃ وصول نہ کریں تو ان دنیا داروں کے ذمہ فرض باقی رہ جائے گا' جس کے بارے میں یہ دنیا دار لوگ آخرت میں جوابدہ ہوں گے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان درویشوں کو تھوڑی سی دنیا حاصل کرنے کی آزمائش میں مبتلا کیا تا کہ دنیا دار لوگوں کے فرض کا بوجھ ان کی گردن سے اتر جائے' تو اس اعتبار سے باطنی طور پر فقراء کا ہاتھ اوپر والا ہوتا ہے' جو شریعت کے حکم کے تحت وہ اس شخص سے اپنا حق وصول کرتے ہیں' جس پر اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی لازم ہوتی ہے جیسا کہ حشویہ لوگوں کا نظریہ ہے' اگر لینے والے کے ہاتھ کو نیچے قرار دیا جائے' تو انبیاء کرام کا ہاتھ نیچے ہوتا حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کا حق لوگوں سے وصول کرتے ہیں' اور شرعی اُمور میں اُسے خرچ کرتے ہیں' تو ان کا یہ کہنا غلط ہوگا کہ لینے والے کا ہاتھ نیچے والا ہے' اور دینے والا ہاتھ اوپر والا ہوتا ہے' یہ بات تصوف میں بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہے' کیونکہ یہ موضوع (یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی) جود و صفات کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے' اس لیے ہم یہاں جود و سخا کے بارے میں بیان کریں گے' باقی اللہ تعالیٰ کافی ہے' وہی بہترین رفیق ہے۔

تیسواں باب

جود وسخا کا بیان

جود وسخا کا بیان

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ وَبَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَبَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ*

''سخی شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے' اور جنت سے قریب ہوتا ہے' اور جہنم سے دور ہوتا ہے' جبکہ بخیل شخص جہنم سے قریب ہوتا ہے' اور جنت سے دور ہوتا ہے''۔

الفاظ کے استعمال کا حکم

علماء نے یہ بات بیان کی ہے' مخلوق کی صفت کے طور پر لفظ ''جود'' اور لفظ ''سخا'' کا ایک ہی مطلب ہوگا (یعنی مخلوق کو ان دونوں الفاظ کے ساتھ متصف کیا جا سکتا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ کو ''جواد'' کہا جا سکتا ہے' سخی نہیں کہا جا سکتا' اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے لفظ ''جواد'' استعمال کیا ہے' لیکن لفظ ''سخی'' استعمال نہیں کیا۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی حدیث میں بھی لفظ ''سخی'' اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوا' اور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے' اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا اسم تجویز نہیں کیا جا سکتا جس کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہ ہو اور محض عقل اور لغت کے اعتبار سے اُسے تجویز کیا گیا ہو' جیسے اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ عالم استعمال کیا جا سکتا ہے' اس بات پر تمام امت کا اتفاق ہے' اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ عالم استعمال ہو سکتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''عاقل'' اور لفظ ''فقیہہ'' استعمال نہیں ہو سکتے' حالانکہ یہ تینوں الفاظ ایک ہی مطلب رکھتے ہیں' لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ عالم اس لیے استعمال کرتے ہیں' کیونکہ اس نے خود اپنے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے اور باقی دو نام اس لیے استعمال نہیں کرتے کیونکہ اس نے خود اپنے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں کیے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ''جواد'' کہہ سکتے ہیں' لیکن ''سخی'' نہیں کہہ سکتے۔

*جامع ترمذی' الذبائح' ابواب البر والصلة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' باب ما جاء فی السخاء' حدیث:1933 المعجم الاوسط للطبرانی' باب الالف' باب من اسمہ ابراھیم' حدیث:2403 شعب الایمان للبیھقی' التاسع والثلاثون من شعب الایمان' فصل فیما یقول العاطس فی جواب التشمیت' الرابع والسبعون من شعب الایمان وھو باب فی الجود والسخاء' حدیث:10396

جود وسخا میں فرق

کچھ حضرات نے جود وسخا کے درمیان فرق کیا ہے' ان کے نزدیک سخاوت یہ ہوتی ہے' سخاوت میں امتیاز برتا جاتا ہے' یا یہ کہ انسان کی سخاوت کسی غرض یا سبب کی وجہ سے ہوتی ہے' اور سخاوت ابتدائی مرتبہ ہے' جبکہ ''جواد'' اس شخص کو کہا جاتا ہے' جو بخشش اور عطا میں کوئی تمیز نہیں رکھتا' اس کی سخاوت کسی غرض کے بغیر ہوتی ہے' اور اس کی بخشش کسی سبب کے بغیر ہوتی ہے' اور یہ کیفیت دو انبیاء میں زیادہ ظاہر ہوئی ہے۔ ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور دوسرے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

احادیث میں یہ بات منقول ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کوئی مہمان نہیں آ جاتا تھا' ایک مرتبہ تین دن گزر گئے' اور کوئی مہمان نہیں آیا' اتفاق سے ایک آتش پرست آپ کے دروازے پر آیا' آپ نے اس سے دریافت کیا: تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا: میں آتش پرست ہوں' آپ نے فرمایا: تم چلے جاؤ! تم میری مہمان نوازی اور عزت افزائی کے لائق نہیں ہو۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: میں جس شخص کو ستر سال سے رزق عطا کر رہا ہوں' تم اسے ایک وقت کا کھانا بھی نہیں دے سکے۔

اس کے مقابلے میں جب عدی بن حاتم (جو اس وقت غیر مسلم تھے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' تو آپ نے اس کے لیے چادر بچھادی اور ارشاد فرمایا:

''اِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ'' *

''جب تمہارے سامنے کسی قوم کا معزز شخص آئے تو تم اس کی عزت افزائی کرو''۔

تو ایک نبی نے اس میں یعنی حضرت ابراہیم نے سخاوت میں تمیز روا رکھی' کافر کو روٹی دینے سے پرہیز کیا (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا کیا) اور دوسرے نبی (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں رکھا' انہوں نے اپنی چادر کو ایک کافر کے لیے بچھادیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مرتبہ سخاوت کا تھا' جبکہ نبی اکرم علیہ السلام کا مرتبہ جود کا تھا۔

اس بارے میں سب سے بہترین وضاحت یہ ہے' انسان کے ذہن میں جو خیال پہلے آتا ہے' اس کی پیروی کرنا ''جود''

*ابن ماجه 33'كتاب الادب باب اذا اتاكم كريم قوم فاكرموه 3712 'المستدرك على الصحيحين كتاب الادب 7791'المعجم الكبير باب الجيم جرير بن عبد الله البجلي 2358 325---ظ2'المعجم الاوسط (من اسمه محمد) 5416 315ظ5'المعجم الصغير (باب الميم من اسمه محمد) 793 67ظ2'المصنف لابن ابى شيبة (كتاب الادب) فى الرجل يقوم للرجل اذا رآه 25584'شعب الايمان الخامس و السبعون من شعب الايمان و هو باب فى رحم الصغير و توقير الكبير 10997'السنن للبيهقى كتاب قتال اهل البغى باب ما على السلطان من اكرام وجوه الناس 16463'مسند الشهاب 760 443---ظ1'مجمع الزوائد . كتاب الايمان . (ابواب فى فرائض الاسلام 117'كنز العمال فى سنن الاقوال والافعال كتاب الصحبة من قسم الاقوال (التعظيم والقيام) 25484

ہے اور جب دوسرا خیال غالب آ جائے تو یہ ''بخل'' ہے اہل تحقیق پہلے خیال کو ترجیح دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے پہلا خیال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

ایک سوداگر کا واقعہ

یہ بات منقول ہے نیشاپور میں ایک سوداگر تھا جو اکثر شیخ ابوسعید رحمہ اللہ کی مجلس میں حاضر ہوتا رہتا تھا ایک مرتبہ شیخ نے کسی درویش کے لیے اس سے کچھ طلب کیا تو سوداگر بیان کرتا ہے اس وقت میرے پاس ایک دینار موجود تھا اور ایک چاندی کا ٹکڑا موجود تھا تو سوداگر بیان کرتا ہے پہلے میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں دینار دے دوں لیکن پھر یہ خیال آیا کہ میں یہ چاندی کا ٹکڑا دے دیتا ہوں (کیونکہ اس کی قیمت کم ہے) تو میں نے اس درویش کو چاندی کا ٹکڑا دے دیا علیحدگی میں میں نے بعد میں یہ شیخ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ سے بحث کرنا جائز ہے؟ شیخ نے فرمایا: بحث تو تم نے کی ہے اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں حکم دیا تھا تم دینار دے دو (اس کو پہلے اس بات کا خیال آیا تھا) لیکن تم نے چاندی دے دی۔

شیخ رودباری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک مرتبہ شیخ ابوعبداللہ رودباری ایک مرید کے گھر آئے وہ گھر میں موجود نہیں تھا شیخ کے حکم کے تحت اس کے گھر کا سازوسامان فروخت کر دیا گیا جب وہ مرید واپس آیا تو اس بات سے بہت خوش ہوا شیخ رودباری کی خوشنودی کے لیے اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اس دوران اس کی بیوی بھی گھر آ گئی جب اس نے یہ حالت دیکھی تو اندر جا کر اپنے کپڑے اُتارے اور باہر پھینک کر بولی: یہ بھی گھر کے سامان میں شامل ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے اسے بھی بیچ دو تو اس شخص نے اس عورت کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا یہ تکلف ہے اور یہ تم خود کر رہی ہو یہ شیخ کا حکم نہیں ہے تو وہ عورت بولی: شیخ نے جو کیا وہ ان کا جود تھا ہمیں یہ چاہیے ہم تکلف کے طور پر ہی اپنے جود کا اظہار کریں تو مرد نے کہا: یہ ٹھیک ہے لیکن ہم نے خود کو شیخ کے سپرد کر دیا ہے تو شیخ نے جو کیا وہ ہمارا ہی ''جود'' ہے۔

انسان کی صفت میں جود تکلف اور مجاز کے طور پر ہوتا ہے اس لیے مرید کو یہ چاہیے وہ ہمیشہ اپنے نفس اور ملکیت کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔

شیخ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''اَلصُّوْفِیُّ دَمُهٗ هَدَرٌ وَمِلْكُهٗ مُبَاحٌ''

''صوفی کا خون معاف ہوتا ہے اور اس کی ملکیت مباح ہوتی ہے''۔

ابو مسلم فارسی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شیخ ابو مسلم فارسی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ حجاز جا رہا تھا' حلوان کے مقام پر کچھ ڈاکوؤں نے ہمارا راستہ روک لیا' انہوں نے ہم سے ہمارا ساز وسامان چھین لیا' ہم نے ان سے اُلجھنے کی کوشش نہیں کی' بلکہ ان کی دلجوئی کی' ہم میں سے ایک شخص نے بیقراری ظاہر کی تو اس نے تلوار کھینچی اور اسے قتل کرنا چاہا تو ہم سب ساتھیوں نے مل کر اس سے گزارش کی تو اس نے کہا' یہ جھوٹا شخص ہے اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے' میں اسے ضرور قتل کر دوں گا' ہم نے اس سے وجہ دریافت کی تو اس نے کہا: یہ شخص (جو بظاہر صوفی نظر آ رہا ہے) درحقیقت صوفی نہیں ہے' اور یہ اولیاء کی صحبت میں خیانت کا ارتکاب کر رہا ہے' ایسے شخص کا نہ ہونا بہتر ہے۔ میں نے اس سے پوچھا: وہ کس طرح؟ اس نے جواب دیا: صوفیاء کا کم از کم درجہ یہ ہے' وہ ''جود'' کرتے ہیں' تو جس شخص کے نزدیک کپڑے کے چند ٹکڑے اتنے عزیز ہوں' وہ ان کی وجہ سے اپنے دوستوں کے ساتھ جھگڑ رہا ہو وہ کس طرح صوفی ہو سکتا ہے؟ ہم ایک عرصے سے یہ کام کر رہے ہیں' اور تمہارا راستہ روک کر تمہیں دنیا کی پریشانی سے آزاد کر رہے ہیں۔

عبداللہ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ ایک چراگاہ کے پاس سے گزرے تو آپ نے وہاں دیکھا کہ ایک حبشی غلام جو بھیڑ بکریوں کی رکھوالی کے لیے مقرر تھا' وہ بیٹھا ہوا تھا ایک کتا اس کے پاس آ کر بیٹھا تو غلام نے روٹی کا ایک ٹکڑا نکال کر اس کتے کے سامنے ڈالا (کتے نے وہ روٹی کھائی) تو غلام نے دوسری روٹی نکال کر ڈالی' پھر اس غلام نے تیسری روٹی نکال کر اس کتے کے سامنے رکھی (کتا وہ ساری روٹی کھا کر چلا گیا)' حضرت عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں اس غلام کے پاس آیا اور اس سے دریافت کیا: تمہیں روزانہ کتنی روٹیاں ملتی ہیں؟ تو غلام نے جواب دیا: جتنی آپ نے دیکھی ہیں (یعنی تین روٹیاں روزانہ ملتی ہیں' جو میں نے کتے کو ڈال دیں) تو حضرت عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ نے دریافت کیا: تم نے ساری روٹیاں کتے کے آگے کیوں ڈال دی ہیں؟ تو اس غلام نے جواب دیا: اس جگہ کتے نہیں پائے جاتے' پتہ نہیں وہ کتنی دور سے اس روٹی کی امید لیے یہاں آیا تھا' تو مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ اس بیچارے کی اتنی مشقت رائیگاں جائے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ کو غلام کی یہ بات بہت پسند آئی' آپ نے اس چشمے' بھیڑ بکریوں کے ریوڑ سمیت اس غلام کو خریدا اور اس غلام کو آزاد کر کے وہ بکریاں اور وہ چشمہ اسے دے دیا' اس غلام نے آپ کو دعائیں دیں اور ان بھیڑ بکریوں سمیت وہ سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر کے وہاں سے چلا گیا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی سخاوت

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور عرض کی: اے فرزند رسول! مجھ پر چار سو درہم قرض ہیں (آپ میری کچھ مدد کریں)' حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اسے اسی وقت چار سو درہم عطا کیے اور روتے ہوئے اندر

تشریف لے گئے' لوگوں نے آپ سے رونے کا سبب دریافت کیا: تو آپ نے فرمایا: اگر میں نے اس شخص کی خبر گیری میں کوتاہی نہ کی ہوتی تو آج اسے مانگنے کی ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

حضرت شیخ ابوسہل صعلوکی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' وہ خیرات کی چیز فقیر کے ہاتھ پر نہیں رکھتے تھے' جو کچھ دینا ہوتا وہ سامنے کسی چیز پر رکھ دیتے تا کہ فقیر اسے وہاں سے اٹھالے' لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا: دنیا اتنی اہم نہیں ہے' کہ وہ کسی مسلمان کے ہاتھ میں دی جائے' اور اس صورت میں میرا ہاتھ اوپر ہو اور کسی مسلمان کا ہاتھ نیچے ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی شانِ جود وسخا

روایات میں یہ بات مذکور ہے' ایک مرتبہ حبشہ کے بادشاہ نے کچھ کستوری نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھجوائی' نبی اکرم ﷺ نے ایک ہی مرتبہ اسے پانی میں حل کر کے اپنے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جسم پر مل دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ایک مرتبہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اس نے اسلام قبول کرلیا) تو نبی اکرم ﷺ نے دو پہاڑوں کے درمیان (موجود وادی میں) جتنی بھیڑ بکریاں تھیں سب اُسے عطا کر دیں' وہ شخص اپنے قبیلے میں واپس پہنچا تو اس نے اپنے قبیلے والوں سے یہ کہا: اے میری قوم کے لوگو! تم لوگ اسلام قبول کرلو کیونکہ حضرت محمد (ﷺ) اتنا کچھ عطا کر دیتے ہیں: اس کے بعد آدمی کو فقر وفاقے کا خیال بھی نہیں آتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی روایت کرتے ہیں: ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اسی ہزار درہم لائے گئے' آپ کے حکم کے تحت انہیں ایک چادر پر پھیلا دیا گیا' نبی اکرم ﷺ وہاں سے اس وقت تک نہیں اُٹھے جب تک آپ نے ان سب کو تقسیم نہیں کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا تھا۔

متاخرین میں سے ایک بزرگ کو بادشاہ وقت نے تین سو درہم کے وزن کے برابر سونا بھیجا' وہ بزرگ سونے کے یہ ٹکڑے لے کر حمام میں گئے' اور وہاں موجود لوگوں میں وہ سونا تقسیم کر دیا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے پہلے ہم نوری مکتب فکر کے تذکرے کے ضمن میں' ایثار کے حوالے سے' کچھ کلام کر چکے ہیں' یہاں ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں' باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

(چوبیسواں باب) ساتواں کشف

روزے کا بیان

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ (البقرہ:۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے، جبرائیل علیہ السلام نے مجھے یہ بتایا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

'' اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ'' ''روزہ میرے لیے ہے، اور میں اس کی جزاء دوں گا''۔

روزہ باطنی عبادت ہے

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے، روزہ ایک باطنی عبادت ہے، جس کا ظاہر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے یہ بات پتہ بھی نہیں چل سکتی کہ کسی شخص نے روزہ رکھا ہوا ہے، یا نہیں؟ اس لیے اس بنیاد پر اس کی جزا بھی حد و حساب کے بغیر ہوتی ہے۔

علماء نے یہ بات بیان کی ہے، جنت میں انسان، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے داخل ہوتا ہے، تاہم جنت میں جو درجات حاصل ہوتے ہیں، وہ عبادت کے حوالے سے ہوں گے اور جنت میں دائمی قیام روزے کی جزاء کے طور پر ہوگا۔

یہی بات حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمائی ہے:

''اَلصَّوْمُ نِصْفُ الطَّرِیْقَةِ'' ''روزہ رکھنا نصف طریقت ہے''۔

میں نے بعض ایسے مشائخ کو دیکھا ہے وہ ہمیشہ (نفلی) روزے رکھتے ہیں اور بعض ایسے مشائخ کو بھی دیکھا ہے وہ رمضان (کے فرض روزے رکھتے ہیں اس) کے علاوہ (یعنی نفلی) روزے نہیں رکھتے تھے رمضان کے روزے اس لیے رکھتے تھے تاکہ (رمضان المبارک کے روزے رکھنے کا) اجر و ثواب حاصل ہو (اور نفلی روزے) اس لیے نہیں رکھتے تاکہ اپنا ذاتی اختیار ترک کردیں اور ریاکاری سے محفوظ رہیں۔

جبکہ بعض مشائخ ایسے ہیں، جو نفلی روزہ رکھا کرتے تھے، لیکن کسی کو اس کا علم نہیں ہو پاتا تھا، یعنی اگر ان کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا تھا، تو وہ کھالیتے تھے (اور نفلی روزہ توڑ دیتے تھے) اور یہ بات سنت کے ساتھ مطابعت رکھتی ہے، احادیث میں یہ بات منقول ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ عرض کی:
اِنَّا خَبَئْنَا لَكَ حَيْسًا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمَا اِنِّى كُنْتُ اُرِيْدُ الصَّوْمَ وَلٰكِنْ قَرِّبِيْهِ سَاَصُوْمُ يَوْمَ مَكَانِهٖ*
''ہم نے آپ کے لیے ''حیس'' (مخصوص قسم کا کھجور کا حلوہ) سنبھال کے رکھا ہے' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا تو آج روزہ رکھنے کا ارادہ تھا' تم وہ لے آؤ! میں اس کی جگہ بعد میں روزہ رکھ لوں گا' روزہ رکھ لوں گا۔
اسی طرح بعض مشائخ نفلی روزوں میں ایامِ بیض کے روزے رکھتے ہیں (یعنی قمری مہینے کی تیرہ' چودہ' پندرہ تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں) اسی طرح محرم کی دسویں تاریخ کو (عاشورہ کا) روزہ رکھتے ہیں۔
جبکہ حدیث میں یہ بات منقول ہے' نبی اکرم ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے طریقے مطابق روزہ رکھنے کی ترغیب دی ہے' اور اسے روزہ رکھنے کا بہترین طریقہ قرار دیا ہے' اور حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ رکھنے کا طریقہ یہ تھا' ایک دن نفلی روزہ رکھا جائے' اور ایک دن روزہ نہ رکھا جائے۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک مرتبہ میں شیخ احمد بخاری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا' تو ان کے پاس حلوے کا ایک بڑا تھال رکھا ہوا تھا' وہ اسے تناول فرما رہے تھے' انہوں نے مجھے اشارہ کیا کہ تم بھی کھانا شروع کرو! تو میں نے اپنی پرانی عادت کے مطابق یہ کہہ دیا' میں نے روزہ رکھا ہوا ہے' انہوں نے دریافت کیا: روزہ کیوں رکھا ہوا ہے؟ میں نے کہا: فلاں بزرگ کی موافقت میں' انہوں نے فرمایا: یہ بات مناسب نہیں ہے' کوئی مخلوق کسی دوسری مخلوق کی موافقت کرے۔ میں نے یہ ارادہ کیا کہ پھر میں روزہ توڑ لیتا ہوں' تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: جب تم نے فلاں بزرگ کی موافقت کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے' تو اب تم میری بھی موافقت نہ کرو کہ میں بھی ایک مخلوق ہوں۔

روزے کی حقیقت

روزے کی حقیقت نفس کو روکنا ہے اور طریقت کے تمام رموز۔ اسی میں پوشیدہ ہے' روزے کا سب سے کم تر درجہ یہ ہے' انسان بھوکا رہے کیونکہ
''اَلْجُوْعُ طَعَامُ اللّٰهِ فِى الْاَرْضِ'' ''بھوک زمین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا کھانا ہے۔
بھوکے رہنے کو شریعت اور عقل دونوں پسند کرتے ہیں' ہر عاقل' بالغ' تندرست' مقیم مسلمان پر ایک مہینے کے' یعنی

*السنن الکبری للبیھقی' کتاب الصیام' باب صیام التطوع والخروج منه قبل تمامه' حدیث:7836' معرفة السنن والآثار للبیھقی' کتاب الصیام' باب صیام التطوع' حدیث:2685' مسند الشافعی' ومن کتاب الصوم والصلاة والعیدین والاستسقاء وغیرھا' حدیث:353

رمضان کے روزے فرض ہیں، جو رمضان کا چاند دیکھنے سے لے کر شوال کا چاند دیکھنے تک ہوتے ہیں (یعنی کبھی انتیس ہو سکتے ہیں کبھی تیس ہوں گے) اور ہر روزے کے لیے نیت درست ہونی چاہیے اور روزہ رکھنے میں صرف اخلاص ہونا چاہیے۔

جبکہ (صوم کے) حقیقی معنی (یعنی روکنے) کی شرائط بہت زیادہ ہیں، جیسے معدے کو کھانے پینے سے روکنا، آنکھ کو نظر کی شہوت سے روکنا، کان کو غیبت سننے سے، زبان کو بے ہودہ اور فتنے سے متعلق باتیں کرنے سے، جسم کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے سے روکے رکھنے کا نام ''روزہ'' ہے۔ انسان جب ان تمام شرائط کی پیروی کرتا ہے، تو وہ حقیقی روزہ دار شمار ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اِذَا صُمْتَ فَلْيَصُمْ سَمْعُكَ وَبَصَرُكَ وَلِسَانُكَ

جب کوئی شخص روزہ رکھے تو اپنے کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور جسم کے ہر عضو کے ذریعے روزہ رکھے،

نبی اکرم نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صَوْمِهِ اِلَّا الْجُوْعَ وَالْعَطَشِ*

کیونکہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں، جنہیں روزہ رکھنے کے نتیجے میں بھوکے پیاسے رہنے کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کو نبی اکرم ﷺ کی خواب میں نصیحت

ایک مرتبہ میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اور عرض کی: یارسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اِحْبِسْ حَوَاسَكَ'' ''اپنے حواس قابو میں رکھو''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ بات مکمل مجاہدہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے، تمام علوم کا حصول انہی پانچ ذریعوں سے

*صحيح ابن خزيمة، كتاب الصيام، جماع ابواب الاقوال والافعال المنهية عنها في الصوم من غير ايجاب، باب نفي ثواب الصوم عن الممسك عن الطعام والشراب مع ارتكابه، حديث:1863صحيح ابن حبان، كتاب الصوم، باب آداب الصوم، ذكر الزجر عن ان يخرق المرء صومه بما ليس لله فيه، حديث:3540المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الصوم، واما حديث شعبة، حديث:1507سنن الدارمي، ومن كتاب الرقاق، باب : في المحافظة على الصوم، حديث:2675سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب ما جاء في الغيبة والرفث للصائم، حديث:1686السنن الكبرى للنسائي، كتاب الصيام، سرد الصيام، ثواب من فطر صائما، حديث:3226السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصيام، باب الصائم ينزه صيامه عن اللغط، حديث:7810مسند احمد بن حنبل، ومن مسند بني هاشم، مسند ابي هريرة رضي الله عنه، حديث: 8675مسند ابي يعلى الموصلي، شهر بن حوشب، حديث:6417مسند الشهاب القضاعي، رب قائم ليس له من قيامه الا السهر، حديث:1306شعب الايمان للبيهقي، الصائم ينزه صيامه، حديث:3480

ہوتا ہے یعنی دیکھنا' سونگھنا' چکھنا' سننا اور چھونا' اور یہ پانچوں حواس علم اور عقل کے سپہ سالار ہیں' پہلے چار حواس کے لیے تو جگہ مخصوص ہے' لیکن پانچویں حس یعنی چھونے کی حس پورے جسم میں پھیلی ہوئی ہے' آنکھ کا تعلق دیکھنے کے ساتھ ہے وہ رنگ اور ظاہری جسم کو دیکھتی ہے' کان جس کا تعلق سننے کے ساتھ ہے وہ مختلف آوازوں کو سنتا ہے' زبان جس کا تعلق ذائقے اور چکھنے کے ساتھ ہے' وہ کسی چیز کے مزے یا بے مزہ ہونے کو جان لیتی ہے' ناک جس کا تعلق سونگھنے کے ساتھ ہے' اس کا تعلق خوشبو اور بدبو کے ادراک سے ہوتا ہے' لیکن چھونے کے لیے کوئی محل مخصوص نہیں ہے' بلکہ ادراک کی یہ حس پورے جسم میں پھیلی ہوئی ہے' اور انسان کے تمام اعضاء نرمی' گرمی' سختی' سردی کا احساس کر سکتے ہیں' انسان جس چیز کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہو وہ ان پانچ دروازوں میں سے کسی ایک کے ذریعے حاصل ہوتی ہے' ماسوائے ان چیزوں کے جو بدیہی ہیں' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کردہ ہوتی ہیں' کیونکہ ان میں آفت نہیں آ سکتی اور ان کے لیے پانچ حواسوں کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

یہ پانچوں حواس صفائی اور کدورت دونوں صفات سے متصف ہو سکتے ہیں' جس طرح علم' عقل اور روح کے لیے قدرت اور دخل ہوتا ہے' اسی طرح نفسانی خواہش کے لیے بھی ایسا ہوتا ہے' کیونکہ اطاعت وفرمانبرداری یا نافرمانی' سعادت مندی یا بدبختی کے درمیان آلہ مشترک' سبب ہوتا ہے۔

اس لیے حق کی ولایت واختیار' سماعت اور بصارت میں یہ ہے' وہ سچی بات سنے اور سچی بات کو دیکھے' اس طرح نفسانی خواہش کی ولایت اور اختیار کا تعلق جھوٹی بات سننے اور شہوانی نظر کے ساتھ دیکھنے سے ہے' اسی طرح چکھنے کی حس میں اور سونگھنے کی حس میں حق کی ولایت یہ ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق ہو' جبکہ نفس کا اس کے ساتھ یہ تعلق ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی مخالفت یا شریعت کے احکام کی مخالفت کی طلبگار ہو' تو روزہ دار شخص کے لیے یہ بات لازم ہے' وہ اپنے حواس قابو میں رکھے تاکہ (اللہ تعالیٰ کے حکم کی) مخالفت کی بجائے' موافقت کا صحیح معنی میں ظہور ہو اور وہ شخص واقعی روزہ دار شمار ہو' ورنہ کھانے پینے سے بچنے کا روزہ تو بچے بھی رکھ لیتے ہیں' اور بوڑھی خواتین بھی رکھ لیتی ہیں' حالانکہ روزے کا بنیادی مقصد نفسانی خواہشات اور دنیا کے کھیل کود سے بچنا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ" (الانبیاء:۸) "ہم نے انہیں ایسا جسم نہیں بنایا کہ وہ کچھ بھی نہ کھائیں"۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا" (المؤمنون:۱۱۵) "کیا تم یہ سمجھتے ہو' ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا ہے"۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' ہم نے ہر طبیعت کو کھانے کا حاجت مند بنایا ہے' اور مخلوق کی ہر قسم کے لیے اس کے حصول کا حیلہ پیدا کیا ہے' تو انسان کو کھیل کود اور حرام چیزوں سے بچنا چاہیے' نہ کہ حلال چیزوں سے بچنا

چاہیے' مجھے اس شخص پر حیرت ہوتی ہے' جو نفلی روزے رکھتا ہے' لیکن فرائض کی ادائیگی سے غافل ہوتا ہے' یعنی گناہ نہ کرنا فرض ہے' اور نفلی روزے کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی سنت کے ساتھ ہے' فَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ قَسْوَۃِ الْقَلْبِ' (تو ہم دل کی سختی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں) جو شخص گناہ سے بچتا ہے وہ شخص حقیقت میں روزہ دار ہے۔

شیخ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا روزہ رکھنے کا معمول

اہل علم نے یہ بات بیان کی ہے' حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ جس دن پیدا ہوئے' اس دن انہوں نے روزہ رکھا اور جس دن دنیا سے انتقال ہوا اس دن بھی انہوں نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ کسی نے دریافت کیا: وہ کس طرح؟ تو یہ بات بتائی گئی: جس دن وہ پیدا ہوئے تھے اس دن صبح صادق کا وقت تھا' انہوں نے شام سورج غروب ہونے تک دودھ نہیں پیا اور جس دن وہ دنیا سے رخصت ہوئے' اس وقت بھی انہوں نے روزہ رکھا ہوا تھا' یہ بات شیخ ابوطلحہ مالکی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔

صوم وصال منع ہے

صومِ وصال' یعنی کسی وقفے کے بغیر مسلسل روزہ رکھنے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی ممانعت منقول ہے' کیونکہ یہ بات منقول ہے' نبی اکرم ﷺ نے صومِ وصال رکھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی موافقت میں صومِ وصال رکھنا شروع کر دیا' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم صومِ وصال نہ رکھو کیونکہ "اِنِّی لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ" میں تمہاری مانند نہیں ہوں' میں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حضوری کی کیفیت میں ہوتا ہوں جس میں وہ مجھے کھلا دیتا ہے اور مجھے پلا دیتا ہے۔

اہلِ مجاہدہ نے یہ بات بیان کی ہے' یہ ممانعت نبی اکرم ﷺ کی شفقت اور مہربانی کی وجہ سے تھی' یہ اس عمل کو حرام قرار دینے کے اعتبار سے نہیں تھی۔

بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے' صومِ وصال رکھنا نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے' اسی طرح یہ حقیقت میں بھی صومِ وصال نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ناممکن ہوگا کیونکہ جب دن گزر جاتا ہے' تو رات کے وقت تو روزہ نہیں ہوتا تو اگر رات کو اگلے دن کے روزے کے ساتھ ملائے (یعنی رات کے وقت کچھ کھا پی لے) تو یہ صومِ وصال نہیں ہوا۔

بعض صوفیاء کا مجاہدہ

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' وہ پندرہ دن کے بعد ایک مرتبہ کھانا کھاتے تھے اور رمضان کے مہینے میں صبح تک کچھ نہیں کھاتے تھے' اس کے باوجود وہ روزانہ رات کے وقت چار سو نوافل ادا کیا کرتے تھے' لیکن یہ حالت انسان کی (عام انسانی) طاقت سے باہر ہے' اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیت کے ذریعے ایسا ممکن ہوسکتا ہے' اور اس کی تائید سے ایسا ہوسکتا ہے' اور یہی تائید انسان کی غذا بن جاتی ہے' یعنی کسی شخص کی دنیاوی نعمت غذا ہوتی ہے' اور کسی

شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کی تائید غذا بن جاتی ہے۔

حضرت شیخ ابونصر سراج جنہیں طاؤس الفقرا کہا جاتا ہے جو (علم تصوف کی مشہور کتاب) ''اللمع'' کے مصنف ہیں' ان کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ وہ رمضان کے مہینے میں بغداد پہنچے اور مسجد شونیزیہ میں قیام پذیر ہوئے' انہیں ایک الگ حجرہ دے دیا گیا اور لوگوں کو نماز پڑھانے کی ذمہ داری سونپی گئی' عید آنے تک وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے اور اس دوران انہوں نے نمازِ تراویح میں پانچ مرتبہ قرآن مجید کو ختم کیا' روزانہ رات کے وقت خادم ایک روٹی ان کے حجرہ میں پہنچا آتا' پھر عید کا دن آیا اور وہ لوگوں کو عید کی نماز پڑھا کر چلے گئے' جب خادم نے آ کر ان کے خالی حجرے کا جائزہ لیا' تو وہ تیس روٹیاں یونہی اپنی جگہ پر موجود تھیں۔

حضرت شیخ علی بن بکار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں نے ایک مرتبہ حضرت شیخ حفص مصیصی رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے رمضان کے مہینے میں پندرہ دن کچھ نہیں کھایا۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' وہ رمضان کے مہینے میں آغاز سے لے کر اختتام تک کچھ نہیں کھاتے تھے' حالانکہ شدید گرمی کا زمانہ ہوتا تھا اور وہ روزانہ گندم کی مزدوری کرنے کے لیے جایا کرتے تھے اور جتنی مزدوری ملتی تھی' وہ سب درویشوں میں تقسیم کر دیتے تھے' پھر رات بھر نوافل پڑھتے تھے' یہاں تک کہ صبح صادق کا وقت ہو جاتا تھا' پھر دن کے وقت وہ لوگوں کے سامنے رہتے تھے اور لوگوں نے ان کو دیکھا کہ وہ دن کے وقت بھی کچھ کھاتے پیتے نہیں تھے اور رات کے وقت سوتے بھی نہیں تھے۔

حضرت شیخ ابوعبداللہ خفیف کے بارے میں یہ بات منقول ہے' وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے' تو انہوں نے مسلسل چالیس چلّے کاٹے تھے (یعنی چالیس دن تک کچھ بھی کھایا پیا نہ تھا)۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے ایک مرتبہ جنگل میں ایک بوڑھے کو دیکھا تھا' جو ہر سال میں دو چلّے کاٹتا تھا (یعنی وہ کچھ بھی کھاتا پیتا نہیں تھا)۔

حضرت شیخ ابومحمد رحمہ اللہ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے' تو میں ان کے پاس موجود تھا' انہوں نے اسّی دن تک کچھ بھی کھایا پیا نہیں تھا اور ہر نماز جماعت کے ساتھ ادا کی تھی۔

اسی طرح متاخرین میں سے ایک شخص نے اسّی دن تک کھائے پیے بغیر بسر کیے اور ہر نماز اس دوران جماعت کے ساتھ ادا کی۔

مرو شہر کی ایک بستی میں دو بزرگ رہتے تھے' جن میں سے ایک کا نام مسعود اور دوسرے کا نام شیخ ابوعلی سیاہ تھا اس نے یہ بات بیان کی ہے' ایک مرتبہ شیخ مسعود نے دوسرے بزرگ کو پیغام بھیجا کہ یہ کام کب تک کرتے رہیں گے' آؤ! ہم چالیس دن تک ایک جگہ پر بیٹھیں اور کچھ بھی نہیں کھائیں گے' تو دوسرے شیخ نے یہ جواب دیا' ایسا کرتے ہیں: ہم روزانہ تین مرتبہ کھانا

کھائیں گے اور چالیس دن تک دوبارہ وضو نہیں کریں گے۔

مسئلے کی وضاحت

یہ مسئلہ اپنی جگہ ہے اور بعض جاہل لوگ اس بارے میں یہ کہتے ہیں: صومِ وصال رکھنا درست نہیں ہے' جبکہ اطباء حضرات نے اس کا انکار کیا ہے۔ اب میں اس کی وضاحت کروں گا' تاکہ یہ شبہات ختم ہو جائیں اور اس کی حقیقت واضح ہو جائے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کی پیروی میں کوئی خلل نہیں آتا تو صومِ وصال رکھنا' کرامت ہوگا' اور کرامت چونکہ عمومی حیثیت نہیں رکھتی' بلکہ مخصوص ہوتی ہے' اس لیے جس چیز کا حکم عام نہ ہو وہ معاملہ ہر ایک کے لیے درست قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اگر کرامت کا اظہار عام ہوتا تو ایمان کو جبراً ضروری قرار دیا جاتا اور عارفوں کو معرفت میں ثواب حاصل نہ ہوتا' نبی اکرم ﷺ کیونکہ آپ صاحب معجزہ تھے اس لیے آپ سے صومِ وصال رکھنے کا عمل معجزے کے طور پر جائز ہے' اور کرامت کا اظہار چونکہ ولایت کی نشانی ہوتی ہے' اور کرامت کی شرط پوشیدہ رکھنا ہے' بالکل اسی طرح جیسے معجزے میں اظہار شرط ہے' تو معجزے اور کرامت کے درمیان بنیادی واضح فرق ہوگا' ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

مشائخ جو چلّہ کشی کرتے ہیں (یعنی چالیس دن تک کھائے پیے بغیر رہتے ہیں) اس کی اصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے تعلق رکھتی ہے' کیونکہ جس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کرنا تھا' اس سے پہلے انہوں نے وہ چلّہ کیا تھا۔

صحیح بات یہ ہے' مشائخ جب بھی باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونا چاہتے ہیں' اس وقت وہ چالیس دن تک بھوکے رہتے ہیں' تین دن گزرنے کے بعد وہ مسواک کرتے ہیں' اور پھر دس دن وہ مزید گزارتے ہیں' تو بغیر کسی شک و شبے کے اللہ تعالیٰ باطن میں ان کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے' انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ظاہری طور پر جو کام کرنا ممکن ہو سکتا ہے' اولیاء کے لیے وہ باطنی طور پر ممکن ہو سکتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کے کلام کی سماعت اس وقت تک جائز نہیں ہوتی جب تک طبیعت اپنی حالت پر برقرار رہتی ہے' تو مشائخ چاروں طبائع کو چالیس دن تک کھانا پینا ترک کر کے مغلوب کر دیتے ہیں' تاکہ روح کو لطافت حاصل ہو جائے' اور محبت کی صفائی کے لیے کامل ولایت حاصل ہو جائے' اس کی تائید میں' میں بھوکا رہنے اور اس کی حقیقت کے بارے میں مزید کچھ وضاحت کروں گا' باقی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

پچیسواں باب

فاقہ کشی اور اس کے متعلقات

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (البقرہ:۱۵۵)

''اور ہم تمہیں خوف' بھوک' اموال' جان اور پھلوں میں کمی کے حوالے سے آزمائش میں مبتلا کریں گے''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

بَطْنٌ جَائِعٌ اَحَبُّ اِلَى اللهِ تَعَالٰى مِنْ سَبْعِيْنَ عَابِدًا غَافِلًا

''بھوکا پیٹ اللہ تعالیٰ کے نزدیک' غفلت کا شکار ہونے والے ستر عبادت گزاروں سے زیادہ محبوب ہے''۔

یہ بات واضح رہے بھوکا رہنا بڑی فضیلت کی بات ہے' اور اسے ہر قوم اور ملت میں پسند کیا گیا ہے۔ ظاہری طور پر بھوکے شخص کا باطن تیز طرار اور جسم تندرست ہوتا ہے' بطور خاص وہ شخص جو کھانا پینا کم کر کے خود کو مہذب کرے'

''لِاَنَّ الْجُوْعَ لِلنَّفْسِ خُضُوْعٌ وَلِلْقَلْبِ خُشُوْعٌ''

کیونکہ بھوکے رہنے کی وجہ سے ذہن میں عاجزی اور نفس میں انکساری پیدا ہو جاتی ہے' کیونکہ بھوک کے نتیجے میں نفس کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی:

اَجِيْعُوْا بُطُوْنَكُمْ وَاَظْمَئُوْا اَكْبَادَكُمْ وَاَعْرُوْا اَجْسَادَكُمْ لَعَلَّ قُلُوْبَكُمْ تَرَى اللهَ عَيَانًا فِي الدُّنْيَا

''اپنے پیٹ کو بھوکا رکھو اور اپنے جگر کو پیاسا رکھو' اپنے جسم کو (خوشنما اور بہترین لباس سے) عاری رکھو تاکہ تم دنیا میں ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لو''۔

بھوک کے فوائد

اگرچہ بھوک کی وجہ سے جسم تکلیف کا شکار ہوتا ہے' لیکن اس کے نتیجے میں ذہن کو روشنی' جان کو صفائی اور باطن کو اس کے دیدار کی دولت نصیب ہوتی ہے' اگر باطن کو دیدار کی دولت نصیب ہو جائے' تو دل کو تر و تازہ اور جان کو صفائی حاصل ہو جاتی ہے' تو جسمانی تکلیف برداشت کرنے میں کیا نقصان ہے؟ ویسے بھی سیر ہو کر کھانا کوئی اچھی چیز نہیں ہے' کیونکہ اگر یہ بات

پسندیدہ ہوتی تو جانوروں کو پیٹ بھر کر نہ کھلایا جاتا کیونکہ زیادہ کھانا جانوروں کا کام ہے اور بھوکے رہنا جوانمردوں کا طریقہ ہے بھوک باطن کی تعمیر کرتی ہے جبکہ پیٹ بھر کے کھانا پیٹ کو آباد کرتا ہے تو جو شخص باطن کو آباد کرنے میں لگا رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے اور دنیا سے الگ ہو کر یکسو ہو جاتا ہے تو وہ شخص ایسے شخص کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جس کی ساری زندگی اپنے جسم کو آباد کرنے میں اور جسم کی خواہش کی فرمانبرداری کرنے میں گزر جاتی ہے ایک شخص کے کھانے کے لیے سارا جہان ہونا چاہیے جبکہ دوسرا شخص کھانا صرف اس لیے کھاتا ہے تاکہ وہ عبادت کر سکے تو ان دونوں کے درمیان بڑا فرق پایا جائے گا۔

كَانَ الْمُتَقَدِّمُوْنَ يَاْكُلُوْنَ لِيُعَيِّشُوْا وَاَنْتُمْ تَعِيْشُوْنَ لِتَاكُلُوْا

متقدمین کا یہ معمول تھا' وہ اسی لیے کھاتے تھے تاکہ وہ زندہ رہ سکیں' تم لوگ اس لیے زندہ رہتے ہو' تاکہ کھا سکو۔

اَلْجُوْعُ طَعَامُ الصِّدِّيْقِيْنَ وَمَسْلَكُ الْمُرِيْدِيْنَ وَقَيْدُ الشَّيَاطِيْنَ

''بھوک صدیقوں کی غذا ہے اور مریدین کا مسلک ہے اور شیاطین کے لیے بیڑی ہے''۔

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالے گئے اور وہ قرب الٰہی سے دور ہو گئے' یہ سب ایک لقمے کی وجہ سے ہوا تھا۔

جو شخص بھوکا رہنے پر مجبور ہو' اسے درحقیقت فاقہ کش قرار نہیں دیا جا سکتا' اس کی وجہ یہ ہے' کھانے والے کی طلب کا تعلق غذا کے ساتھ ہے' تو جس شخص کا درجہ بھوک ہوگا' وہ غذا کو نہ پانے کی وجہ سے ہے' غذا کو چھوڑنے کی وجہ سے نہیں ہے' لیکن جو شخص کھانا موجود ہوتے ہوئے نہیں کھاتا اور بھوک کی تکلیف کو برداشت کرتا ہے' وہی شخص درحقیقت فاقہ کش ہے' اور یہی فاقہ شیطان کی قید اور نفسانی خواہشات کی بندش کا باعث ہے۔

شیخ کتانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ کتانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مِنْ حُكْمِ الْمُرِيْدِ اَنْ يَكُوْنَ فِيْهِ ثَلٰثَةُ اَشْيَاءٍ نَوْمُهُ غَلَبَةً وَّكَلَامُهُ ضَرُوْرَةً وَّاَكْلُهُ فَاقَةً

''مرید کے لیے یہ بات شرط ہے' اس میں تین چیزیں ہونی چاہیے: اس وقت سوئے جب نیند غالب آ جائے' اس وقت کلام کرے جب اس کی ضرورت ہو اور اس وقت کھائے جب وہ فاقہ کر چکا ہو''۔

بعض مشائخ کے نزدیک فاقے کی کم از کم مقدار دو دن اور دو رات ہے' جبکہ بعض مشائخ کے نزدیک مسلسل تین دن اور تین راتیں ہیں۔

بعض مشائخ نے فاقہ کی مدت ایک ہفتہ اور بعض مشائخ نے چالیس دن مقرر کی ہے' اس کی وجہ یہ ہے' محققین کے نزدیک حقیقی فاقہ اس وقت ہوتا ہے' جب انسان چالیس دن تک کچھ نہ کھائے اور زندگی کے لیے ضروری بھی اتنا ہی ہے' اس دوران جو بے چینی اور بے قراری ظاہر ہوتی ہے وہ سب طبیعت کی شرارت اور اس کے غرور کی وجہ سے ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ اس

سے محفوظ رکھے۔ اہل معرفت کی رگیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کی دلیلیں ہوتی ہیں' اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے کرم کی طرف مائل ہوتے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے سینے میں دل کے دروازے کھول دیتا ہے' اور کیونکہ عقل اور نفسانی خواہش اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اس لیے روح تو عقل کی مدد کرتی ہے' اور نفس' خواہش کی مدد کرتا ہے' جن لوگوں کی طبیعت بکثرت غذا کی وجہ سے پرورش پاتی ہے ان کا نفس قوی ہو جاتا ہے اور بڑھ جاتا ہے' اور اعضاء میں اس کا دبدبہ پھیل جاتا ہے' اور اس پھیلاؤ کے نتیجے میں ان کی ہر رگ میں مختلف طرح کے حجابات نمودار ہو جاتے ہیں۔

جب غذا کا طلبگار شخص نفس سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے' جس کے نتیجے میں نفس کمزور ہو جاتا ہے' عقل زائل ہو جاتی ہے' اور انسان کی نفسانی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں' اس کے اسرار اور مراحل زیادہ ظاہر ہونے لگتے ہیں' جب نفس اپنی حرکتوں میں بے بس ہو جاتا ہے' تو اس کے وجود سے نفسانی خواہش ختم ہو جاتی ہے' اور اس کے باطل ارادے حق کے اظہار میں گم ہو جاتے ہیں' اس وقت مرید کی ہر مراد پوری ہو جاتی ہے۔

شیخ ابوعباس رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

حضرت شیخ ابوالعباس قصاب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میری اطاعت اور گناہ دو شکلوں میں منتقل ہیں' جب میں کوئی چیز کھاتا ہوں تو گناہ کا خمیر اپنے اندر موجود پاتا ہوں' اگر کھانے پینے سے ہاتھ کھینچ لیتا ہوں تو ہر اطاعت کی بنیاد اپنے اندر موجود دیکھتا ہوں۔

بھوکے رہنے کا فائدہ یہ ہے' انسان کو مشاہدہ نصیب ہوتا ہے' مجاہدہ اس کا قائدہ اور رہنما ہے' اس لیے مشاہدے کے ساتھ سیر ہونا' مجاہدے کے ساتھ بھوکے رہنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے' کیونکہ مشاہدہ جوانمردوں کا میدان ہے' اور مجاہدہ بچوں کا کھیل ہے۔

"فَالشِّبْعُ بِمُشَاهَدَةِ الْحَقِّ خَيْرٌ مِّنَ الْجُوْعِ بِمُشَاهَدَةِ الْخَلْقِ"

"وہ سیر ہونا جو حق کے مشاہدے کے ہمراہ ہو' وہ اس بھوک سے بہتر ہے' جس میں مخلوق کا مشاہدہ ہو"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس بارے میں بڑی طویل گفتگو ہے' لیکن ہم طوالت کے اندیشے کی وجہ سے اسی پر اکتفا کرتے ہیں' باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

(چھبیسواں باب) آٹھواں کشف

حج کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران:۹۷)

''اللہ تعالیٰ کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا لوگوں پر فرض ہے اس شخص کے لیے ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو''۔

حج کے ارکان

اسلام کے فرائض میں سے ایک فرض بیت اللہ کا حج ہے جو اس شخص پر فرض ہوتا ہے جو عاقل ہو بالغ ہو اور مسلمان ہونے کے بعد صاحب استطاعت بھی ہو (یعنی وہاں تک جا سکتا ہو)۔ حج کے ارکان میں احرام باندھنا عرفات میں ٹھہرنا خانہ کعبہ کی زیارت کرنا اور اس کا طواف کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ اس بارے میں تمام امت کا اتفاق ہے البتہ صفا و مروہ کی سعی کرنا حج کا رکن ہے یا نہیں ہے؟ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے احرام کے بغیر حرم میں داخل نہیں ہونا چاہیے حرم کو حرم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے قیام (رہی) ہے اور امن اور سلامتی کی جگہ ہے۔

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے دو مقام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو مقام ہیں: ایک مقام کا تعلق آپ کے جسم سے ہے اور دوسرے مقام کا تعلق آپ کے قلب سے ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم کا مقام مکہ مکرمہ ہے اور ان کے قلب کا مقام خلت (یعنی اللہ تعالیٰ کا دوست ہونا) ہے لہٰذا جو ان کے جسم کے مقام کی زیارت کا ارادہ کرنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے تمام نفسانی خواہشات سے منہ موڑ لے اور وہ حالت احرام میں ہو جائے یعنی ان چیزوں کو حرام قرار دیدے جن کی وضاحت شریعت میں کی گئی ہے اپنے جسم پر کفن کی مانند لباس پہن لے حلال شکار نہ کرے حواس کے تمام دروازوں کو بند کر دے اور میدانِ عرفات میں داخل ہو جائے وہاں سے مزدلفہ مشعر الحرام آئے وہاں سے کنکریاں اٹھائے پھر مکہ میں خانہ کعبہ کا طواف کرے اور منیٰ میں آ کر تین دن تک شیطان کو کنکریاں مارے پھر وہاں اپنا سر منڈوائے اور قربانی کرنے کے بعد اپنی مرضی کا لباس پہن لے۔

لیکن جب بندہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے مخصوص مقام (یعنی اللہ تعالیٰ کے دوست ہونے) کا ارادہ کرے تو اس

کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ تمام لذتوں سے منہ موڑ کر تمام راحتوں کو چھوڑ دے غیر کے ذکر سے کنارہ کش ہو جائے کیونکہ دنیا کی طرف توجہ دینا خطرے سے خالی نہیں ہوتا اور پھر معرفت کے میدانِ عرفات میں قیام کرے وہاں سے محبت کے ساتھ مزدلفہ آئے اور وہاں سے حق تعالیٰ کے حرم کے طواف کے لیے اپنے باطن کو پاک صاف کر کے بھیجے اپنے نفسانی خواہشات اور فاسد خیالات کی کنکریوں کو امن اور سلامتی کے ساتھ مٹی میں پھینک دے نفس کو مجاہدے کے مقام اور قربان گاہ میں قربان کردے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کے خلیل ہونے کا مقام نصیب ہو اس طرح مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا مطلب دشمن اور اس کی تلوار سے امن اور سلامتی میں آنا ہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقامِ جنت میں داخل ہونے کا مطلب اللہ تعالیٰ کی ذات سے دور ہونے اور اس سے بے تعلق ہونے سے امن میں آجانا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلْحَاجُّ وَفْدُ اللهِ يُعْطِيهِمْ مَا سَأَلُوْا وَيَسْتَجِيْبُ لَهُمْ مَادَعَوْا

''حج کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کا قافلہ ہیں وہ جو مانگیں اللہ تعالیٰ انہیں عطا کر دیتا ہے اور وہ جو دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُسے قبول کرتا ہے''۔

کچھ لوگ پناہ مانگتے ہیں اور کچھ لوگ نہ پناہ مانگتے ہیں نہ دعا کرتے ہیں وہ صرف اپنا سر جھکا دیتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ (البقرہ:۱۳۱)

''جب ان کے پروردگار نے ان سے کہا: تم فرمانبردار ہو جاؤ تو اس نے کہا: میں تمام جہانوں کے پروردگار کا فرمانبردار ہوں''۔

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول کا مفہوم

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خلّت (یعنی اللہ تعالیٰ کا خلیل ہونے) کے مقام پر فائز ہوئے اور دنیا کے تعلقات سے لاتعلق ہو گئے اور اپنے آپ کو ماسویٰ اللہ سے مکمل طور پر منقطع کر دیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ سب کے سامنے اس کا اظہار کرے اللہ تعالیٰ نے یہ کام نمرود کے سپرد کیا نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے گھر والوں سے الگ کیا اور ان کے لیے آگ جلانے کا حکم دیا ابلیس نے آکر منجنیق بنانے کا طریقہ بتایا لوگوں نے گائے کی کھال کا جھولا سا بنا کر اس میں حضرت ابراہیم کو بٹھا دیا (تاکہ اس کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا جائے) اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے انہوں نے اس منجنیق کا جھولا پکڑ کر یہ کہا: ''هَلْ لَّكَ اِلَيَّ مِنْ حَاجَةٍ'' کیا میں آپ کے کسی کام آسکتا ہوں؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ''اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا'' تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: پھر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا:

"حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُہٗ بِحَالِیْ"

''میرے اپنے پروردگار سے سوال کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے' وہ میری حالت سے آگاہ ہے''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کا مطلب یہ ہے' میرے لیے اتنا ہی کافی ہے' اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم ہے' مجھے اس کی راہ میں آگ میں ڈالا جارہا ہے' اس لیے مجھے سوال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے' لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے گھر' یعنی خانہ کعبہ جانے کی کوشش کرتے ہیں' لیکن وہ اپنے دل میں مشاہدۂ حق کی تلاش نہیں کرتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ظاہری گھر (یعنی خانہ کعبہ) کبھی موجود ہوتا ہے' اور کبھی موجود نہیں ہوتا ہے یعنی اسے منہدم کردیا جاتا ہے' لیکن دل میں تو مشاہدۂ حق ہوتا رہتا ہے' اگر خانہ کعبہ کی عمارت کی زیارت کرنا فرض ہے' کہ اس پر سال میں ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص نظر رحمت کرتا ہے' جبکہ دل پر اللہ تعالیٰ روزانہ تین سو ساٹھ مرتبہ نظر رحمت ڈالتا ہے' اس لیے انسان کا دل خانہ کعبہ سے کئی گنا زیادہ زیارت کے قابل ہے۔

اہل تحقیق کے لیے مکے کے ہر راستے میں ہر قدم پر قدرت کا ایک نشان ظاہر ہوتا ہے' اور انسان جب حرم کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو ہر قدم کے عوض میں ایک خلعت حاصل کرلیتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص کو عبادت کا ثواب دوسرے دن ملے' تم اسے یہ کہہ دو: وہ آج عبادت نہ کرے' حالانکہ عبادت اور مجاہدے کی ہر سانس پر فوراً ثواب ملتا ہے۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے' جب میں پہلی مرتبہ حج کے لیے گیا تو مجھے خانہ کعبہ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا' جب میں دوسری مرتبہ حج کرنے کے لیے گیا تو مجھے خانہ کعبہ کے ہمراہ اس کا مالک بھی نظر آیا' جب میں تیسری مرتبہ حج کرنے کے لیے گیا تو صرف خانہ کعبہ کا مالک ہی نظر آیا' خانہ کعبہ نظر نہیں آیا۔

مختصر یہ کہ حرم وہ نہیں ہوتا جہاں مجاہدہ ہوتا ہے' بلکہ حرم وہاں ہوتا ہے جہاں حق کا مشاہدہ ہوتا ہے' اور اس کی تعظیم ہوتی ہے' جس شخص کے لیے تمام جہاں حق تعالیٰ کے قرب کا مقام اور محبت کی خلوت گاہ نہ ہو' اس شخص کو گویا ابھی تک اللہ تعالیٰ کی محبت کا اندازہ ہی نہیں ہوا کیونکہ جس وقت بندہ صاحبِ مشاہدہ ہوتا ہے' اس وقت سارا جہاں حرم بن جاتا ہے' اس کے برعکس اگر بندہ حجاب کی کیفیت میں ہو' تو اس کے لیے حرم بھی تاریک ترین جگہ ہوتی ہے' جیسے کسی نے کیا خوبصورت شعر کہا ہے:

"اَظْلَمُ الْاَشْیَاءِ دَارُ الْحَبِیْبِ بِلَا حَبِیْبٍ"

''سب سے تاریک جگہ محبوب کا ایسا گھر ہے' جس میں محبوب موجود نہ ہو''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) خُلت کے مقام میں مشاہدے کی قیمت رضا ہے' جس کا سبب اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی زیارت کو مقرر کیا ہے' یہ خانہ کعبہ کی قیمت نہیں ہے' لیکن سبب اور مسبب کے درمیان تعلق ضرور ہونا چاہیے تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت کون سی جگہ پہ زیادہ ہوتی ہے؟ کہاں پیدا ہوتی ہے؟ طالب اور عارف شخص کو اس کی معرفت کہاں

حاصل ہو سکتی ہے؟ صوفیاء کو گوہر مقصود جنگلوں اور بیابانوں میں ملتا ہے' نہ کہ حرم میں ملتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' دوست کا حرم تو دیکھنا جائز نہیں ہے' مجاہدے کا اصل مقصد یہی ہے کہ شوق میں بے قراری اور زندگی میں بے چینی کا عنصر ہمیشہ باقی رہے۔

ایک حاجی کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے اس سے دریافت کیا: کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: حج کر کے آ رہا ہوں' آپ نے اس سے دریافت کیا: تم نے حج کر لیا ہے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے اس سے دریافت کیا: جب تم نے حج کرنے کی غرض سے گھر سے رخت سفر باندھا' اس وقت گناہوں سے خلاصی حاصل کر لی تھی' اس نے جواب دیا: نہیں! حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے جواب دیا: تو تم نے اپنے وطن سے سفر کیا ہی نہیں' پھر حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے دریافت کیا: جب تم اپنے گھر سے نکلے تھے اور رات کے وقت جس جگہ پر پڑاؤ کرتے تھے' کیا اس قیام میں تم نے حق کے راستے کی بھی منزل طے کی؟ اس نے جواب دیا: نہیں! تو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر تو تم نے منزلیں بھی طے نہیں کیں' پھر حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے دریافت کیا: جب تم نے میقات سے احرام باندھا تھا تو کیا تم اپنی بشری صفات سے بھی اسی طرح جدا ہو گئے تھے جس طرح تم نے روایتی لباس کو ترک کر دیا تھا؟ اس نے جواب دیا: نہیں! تو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے جواب دیا: اس کا مطلب یہ ہے' تم نے احرام بھی نہیں باندھا' پھر حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے دریافت کیا: جب تم میدانِ عرفات میں کھڑے ہوئے تھے تو کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ اور کشف نصیب ہوا تھا؟ اس نے جواب دیا: نہیں! حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا مطلب ہے تم عرفات میں بھی کھڑے نہیں ہوئے' حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے دریافت کیا: جب تم مزدلفہ میں ٹھہرے تھے' تو کیا تمہاری مراد حاصل ہو گئی تھی یا پھر تم نے اپنی تمام نفسانی خواہشات کو ترک کر دیا تھا؟ اس نے جواب دیا: نہیں! تو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا مطلب ہے تم مزدلفہ بھی نہیں گئے' پھر حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے دریافت کیا: کیا تم نے بیت اللہ کا طواف کیا تھا' کیا تم نے باطن کی آنکھ سے تنزیہہ کے مقام پر اللہ تعالیٰ کے جمال کے لطائف کا دیدار کیا تھا؟ اس نے جواب دیا: نہیں! تو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا مطلب ہے تم نے طواف بھی نہیں کیا' حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے دریافت کیا: جب تم نے صفا و مروہ پر سعی کی تو کیا تم کو صفا مروہ کا درجہ معلوم ہو گیا تھا؟ اس نے کہا: نہیں! حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: تو اس کا مطلب ہے تم نے سعی بھی نہیں کی' پھر حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے دریافت کیا: جب تم منیٰ میں تھے تو کیا تمہاری آرزوئیں تم سے الگ ہو گئی تھیں؟ اس نے جواب دیا: نہیں! تو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا مطلب ہے تم منیٰ بھی نہیں گئے' پھر حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے دریافت کیا: جب تم قربانی کے لیے آئے اور تم نے قربانی کی اس وقت تم نے اپنی نفسانی خواہشات کو بھی قربان کیا تھا؟ اس نے جواب دیا: نہیں! تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کا مطلب ہے تم نے قربانی بھی نہیں کی' پھر حضرت جنید

بغدادی رحمہ اللہ نے دریافت کیا: جب تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو جو تمہاری نفسانی خواہشات تھیں' معاملات تھے تم نے ان سب کو پرے کر دیا تھا؟ اس نے جواب دیا: نہیں! تو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا مطلب ہے' تم نے کنکریاں بھی نہیں پھینکیں اور حج بھی نہیں کیا' تو تم اب واپس جاؤ' اس طرح حج کرو جیسے (میں نے بتایا ہے) تا کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام (کی کیفیت) میں پہنچ جاؤ (یعنی اللہ تعالیٰ کے دوست بن جاؤ)۔

ایک بزرگ کا واقعہ

میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ کے سامنے بیٹھے رو رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

وَاَصْبَحْتُ یَوْمَ النَّحْرِ وَالْعِیْرُ تَرْحَلُ
وَکَانَ حُدَی الْحَادِیْ یُنَادِیْ وَمُعَجِّلُ
وَاَنَا سَائِلٌ عَنْ سَلْمٰی فَهَلْ مِّنْ مُّخْبِرٍ
بِاَنَّ لَهٗ عِلْمًا بِهَا اَیْنَ تَنْزِلُ
لَقَدْ اَفْسَدتُّ حَجِّیْ وَنُسُکِیْ وَعُمْرَتِیْ
وَفِی الْبَیْنِ لِیْ شُغْلٌ عَنِ الْحَجِّ مَشْغَلُ
سَاَرْجِعُ مِنْ عَامٍ لِحَجَّةٍ قَابِلُ
فَاِنَّ الَّذِیْ قَدْ کَانَ لَا یَتَقَبَّلُ

"قربانی کے دن جب سفید اونٹ چلنے کے لیے تیار تھے حدی خوانوں کے ساتھ حدی پڑھ رہے تھے اور اعلان کر رہے تھے اور جلدی کرنے کے لیے کہہ رہے تھے"۔

اور میں اس وقت سلمیٰ کے بارے میں دریافت کر رہا تھا' کیا کوئی مجھے بتائے گا جسے اس کے بارے میں پتہ ہو' اس نے کہاں پڑاؤ کیا ہے؟

یقیناً میں نے اپنے حج کی قربانی اور اپنے عمل کو فاسد کر دیا' لیکن اس کی وجہ یہ ہے' میں جدائی میں مشغول ہوں' جس نے مجھے حج سے غافل کر دیا۔

اگلے سال میں دوبارہ حج کرنے کے لیے آؤں گا کیونکہ یہ حج تو قبول نہیں ہوا۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے میدانِ عرفات میں ایک نوجوان کو کھڑے دیکھا' تمام لوگ دعائیں مانگ رہے تھے' لیکن وہ خاموش کھڑا ہوا تھا' میں نے اس سے کہا: تم دعا کیوں نہیں مانگ رہے اور خوشی کا اظہار کیوں نہیں کر رہے؟ اس نے جواب دیا: مجھے وحشت ہو رہی ہے' کیونکہ میرے ساتھ جو وقت تھا اس کو میں نے ضائع کر دیا ہے۔

میرا منہ اس قابل نہیں رہا ہے' کہ یہ دعا مانگ سکے۔ حضرت فضیل بیان کرتے ہیں: میں نے اس سے کہا: تم دعا کرو تا کہ اللہ تعالیٰ ان حاضرین کی برکت کی وجہ سے تمہارا مقصد پورا کر دے' اس نوجوان نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی' لیکن اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی' وہ گر پڑا اور انتقال کر گیا۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا جو منیٰ میں آرام سے بیٹھا ہوا تھا حالانکہ باقی سب لوگ قربانی کرنے میں مشغول تھے' میں اس شخص کا جائزہ لیتا رہا کہ وہ کیا کرتا ہے' اور کون ہے؟ وہ کہنے لگا:

''اے میرے محبوب! سب لوگ قربانی میں مشغول ہیں' اور میں یہ چاہتا ہوں' اپنے نفس کو تیری بارگاہ میں قربان کر دوں تو میری قربانی کو قبول کر!''۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اس نے یہ بات کہی) ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا اور نیچے گر پڑا' جب میں نے پاس جا کر دیکھا' تو اس کی روح پرواز کر چکی تھی' اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے!

حج دو طرح کا ہوتا ہے

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تو حج دو طرح کا ہوتا ہے ایک غیبت کی کیفیت میں ہوتا ہے' دوسرا حضوری کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ جو شخص حرم مکہ میں پہنچ کر بھی غیبت کی کیفیت میں رہے وہ اس شخص کی مانند ہے' جو اپنے گھر میں بیٹھ کر غیبت کی حالت میں ہوتا ہے' کیونکہ کوئی ایک غیبت کسی دوسری غیبت سے بہتر نہیں ہوتی اور جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ کر حضوری کی کیفیت میں ہو وہ اس طرح ہے جیسے وہ مکہ میں حضوری کی کیفیت میں ہے' کیونکہ کوئی حضوری کی کیفیت دوسری حضوری کی کیفیت سے بہتر نہیں ہو سکتی تو حج دراصل مشاہدے کے حصول کے لیے ایک مجاہدہ ہے' لیکن مجاہدہ تو مشاہدے کی علت نہیں ہوتی ہے' بلکہ اس کا سبب ہوتا ہے' اور معنی کی حقیقت کے بارے میں سبب زیادہ اثر انداز نہیں ہوتا' اس لیے اس کا اصل مقصد خانہ کعبہ کی زیارت نہیں ہوگا' بلکہ کشف کا مقصود مشاہدہ ہوگا' اب میں مشاہدے کے بارے میں کچھ نکات بیان کروں گا' تا کہ مقصد حاصل ہو سکے' باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

ستائیسواں باب

مشاہدے کی بحث

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اَجِیْعُوا بُطُوْنَکُمْ دَعُوا الْحِرْصَ وَاَعَرُّوْا اَجْسَادَکُمْ وَاقْصِرُوْا الْاَمَلَ وَاَظْمَائُوْا اَکْبَادَکُمْ دَعُوْا الدُّنْیَا لَعَلَّکُمْ تَرَوْنَ اللّٰہَ بِقُلُوْبِکُمْ''

''اپنے پیٹ کو بھوکا رکھو لالچ کو چھوڑ دو اپنے اجسام کو (قیمتی لباس سے) لاتعلق رکھو اپنی خواہشات کو کم کرو اپنے جگر کو پیاسا رکھو اور دنیا کو چھوڑ دو تاکہ تم اپنے دل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکو''۔

حدیث جبریل میں مذکور ہے نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں یہ بات ارشاد فرمائی تھی:

اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ*

''احسان یہ ہے تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کی طرف یہ وحی بھیجی تھی:

''یَا دَاوُدُ اَتَدْرِیْ مَا مَعْرِفَتِیْ قَالَ لاَ قَالَ ھِیَ حَیَاۃُ الْمُحِبِّ فِیْ مُشَاھَدَتِیْ''

*البخاری 2'کتاب الایمان باب سؤال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان 50 'مسلم کتاب الایمان باب بیان الایمان والاسلام والاحسان 8'ابوداؤد 34'کتاب السنة باب فی القدر 4695 'ترمذی کتاب الایمان 41 عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب 4 ما جاء فی وصف جبریل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الایمان والاسلام 2610 'نسائی (47 کتاب الایمان وشرائعه) (5 باب نعت الاسلام) 4990 'ابن ماجة (افتتاح الکتاب فی الایمان وفضائل الصحابة والعلم) (9) باب فی الایمان 63 'مسند احمد (مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه) 374 'ابن خزیمة کتاب الزکاة باب البیان ان ایتاء الزکاة من الاسلام 2244 'ابن حبان 5'کتاب الایمان 4'باب فرض الایمان 159 'ابن ابی شیبة (کتاب الایمان والرؤیا) (ما ذکر فی الایمان والاسلام) 30309 'سنن البیهقی الکبری (82 کتاب الشهادات) (50 باب ما ترد به شهادة اهل الاهواء) 20660 'سنن النسائی الکبری کتاب الایمان وشرائعه (5 باب نعت الاسلام) 11721 'مسند اسحاق بن راهویة ما یروی عن ابی زرعة بن عمرو بن جریر عن ابی هریرة 165 'مجمع الزوائد 1'. کتاب الایمان 3'.(ابواب فی فرائض الاسلام) 113 'کنز العمال کتاب الایمان والاسلام من قسم الافعال الفصل الاول فی حقیقة الایمان 1364

''اے داؤد! کیا تم جانتے ہو میری معرفت سے مراد کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: نہیں! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مشاہدے کی حالت میں دل کا زندہ رہنا''۔

صوفیاء کے نزدیک مشاہدے سے مراد دل کا دیدار کرنا ہے' انسان کا دل خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکے۔

شیخ ابوالعباس عطاء اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ بِالۡمُجَاھَدَۃِ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا عَلٰی بَسَاطِ الۡمُشَاھَدَۃِ

(ارشادِ باری تعالیٰ ہے:) ''بے شک وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا' ہمارا پروردگار اللہ ہے''۔

(شیخ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) یہاں کہنے سے مراد مجاہدہ کرنا ہے۔

(ارشادِ باری تعالیٰ ہے:) ''پھر انہوں نے اس پر استقامت اختیار کی''۔

(شیخ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) یعنی انہوں نے مشاہدے کی بساط پر استقامت اختیار کی۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) مشاہدے کی حقیقت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: ایک صحیح یقین اور دوسرا محبت کا اس طرح غلبہ ہونا جس کے نتیجے میں ایسا درجہ انسان کو حاصل ہو جائے' دوست کی ہر بات میں وہی نظر آئے' اس کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آئے۔

شیخ محمد بن واسع فرماتے ہیں:

مَا رَاَیۡتُ شَیۡئًا قَطُّ اِلَّا وَرَاَیۡتُ اللّٰہَ فِیۡہِ اَیۡ بِصِحَّۃِ الۡیَقِیۡنِ

''میں جو بھی چیز دیکھتا ہوں اس میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لیتا ہوں''۔

یعنی یقین کی صحت کے ساتھ (دیدار کر لیتا ہوں)۔

شیخ شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَا رَاَیۡتُ اللّٰہِ شَیۡئًا قَطُّ اِلَّا اللّٰہُ یَعۡنِیۡ بِغَلَبَاتِ الۡمَحَبَّۃِ وَغَلَبَانِ الۡمُشَاھَدَۃِ

''میں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی چیز کو نہیں دیکھا''۔

محبت کے غلبے اور مشاہدے کے غلبے کی وجہ سے میری یہ حالت ہوئی۔

فعل کا مشاہدہ

لہٰذا ایک شخص فعل کا مشاہدہ کرتا ہے' اور فعل کے اس مشاہدے میں سر کی آنکھ کے ساتھ فعل کو دیکھتا ہے' اور سر کے ساتھ فاعل کو دیکھتا ہے' جبکہ دوسرا شخص فاعل کی محبت میں اس طرح فنا ہو جاتا ہے' اسے تمام اشیاء یہاں تک کہ اس کا اپنا وجود بھی' فاعل ہی کی شکل میں نظر آتا ہے' لہٰذا ایک طریقہ استدلال ہوگا' اور دوسرا جذبی (کیفیت سے متعلق ہوگا)۔ اس کا مطلب یہ ہے' ایک استدلال کرتا ہے تاکہ دلائل ثابت کرنے کے ذریعے حق اس پر عیاں ہو جائے' جبکہ دوسرا جذب اور کیفیت سے

مغلوب ہو جاتا ہے اور اسے دلائل اور حقائق بھی حجاب نظر آتے ہیں۔

لِاَنَّ مَنْ عَرَفَ شَیْئًا لَا یَطْمَئِنَّ غَیْرَہٗ وَمَنْ اَحَبَّ شَیْئًا لَا یُطَالِعُ غَیْرَہٗ فَیَتْرُکُ الْمُنَازَعَۃَ مَعَ اللّٰہِ وَالْاِعْتِرَاضَ عَلَیْہِ فِیْ اَحْکَامِہٖ وَاَفْعَالِہٖ

''اس کی وجہ یہ ہے، جو شخص کسی چیز کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ اس چیز کے علاوہ اور کسی سے مطمئن نہیں ہوتا اور جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے وہ اس چیز کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھتا تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ (کی مشیت) کے ساتھ اختلاف نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے افعال پر اعتراض نہیں کرتا''۔

واقعۂ معراج کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی معراج کے واقعہ کے بارے میں ہمیں اطلاع دیتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی:

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی (النجم:۱۷) ''نہ تو اس کی پلک جھپکی اور نہ ہی حد سے آگے بڑھی''۔

مِنْ شِدَّۃِ شَوْقِہٖ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی

یعنی نبی اکرم ﷺ کے اللہ تعالیٰ کی طرف شوق کی شدت کی وجہ سے یہ کیفیت ہوئی۔

جب بھی محبت کرنے والا اپنی آنکھ کو موجودات سے ہٹا دیتا ہے، تو پھر وہ یقینی طور پر اپنے دل میں ان موجودات کے خالق کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ آیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی (النجم:۱۸) ''اس نے اپنے پروردگار کی بڑی نشانیوں کو دیکھا''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُل لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ (النور:۳۰)

''تم اہل ایمان سے فرما دو! وہ اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں''۔

اَیْ اَبْصَارَ الْعُیُوْنِ مِنَ الشَّھَوَاتِ وَاَبْصَارَ الْقُلُوْبِ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ

''یعنی سر کی آنکھوں کو شہوات سے اور دل کی آنکھوں کو مخلوقات سے ہٹا لیں''۔

(کہا جاتا ہے:)

فَمَنْ اَکْثَرَ اَخْلَصَ مُجَاھَدَۃٍ کَانَ اَصْدَقُ مُشَاھَدَۃً

''جو سب سے زیادہ خلوص کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہے، وہ مشاہدے میں سب سے زیادہ سچا ہوتا ہے''۔

یہی وجہ ہے، باطنی مشاہدے کی بنیاد ظاہری مجاہدے پر ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنْ غَضَّ بَصَرَهٗ عَنِ اللّٰهِ طَرَفَ عَيْنٍ لَا يَهْتَدُ طُوْلَ عُمْرِهٖ

''جو شخص پلک جھپکنے کے عرصے میں اپنی آنکھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹالے وہ ساری عمر ہدایت حاصل نہیں کر سکتا''۔

اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی دوسرے کی طرف توجہ کرنا اس کے ساتھ تعلق رکھنے کے مترادف ہے' اور جس شخص کا تعلق غیر کے ساتھ ہو وہ ہلاکت میں مبتلا ہو جائے گا' اس کی وجہ یہ ہے' اہل مشاہدہ کی وہی عمر شمار کی جاتی ہے' جو مشاہدے کی کیفیت میں گزری ہو' عمر کا جو حصہ غیبت کی حالت میں گزرا ہو' اسے شمار نہیں کیا جاتا' کیونکہ ان کے نزدیک یہ ان کی موت کا زمانہ ہوتا ہے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی عمر

ایک مرتبہ حضرت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے ان کی عمر دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا: 4 سال' لوگوں نے (حیرانگی سے) دریافت کیا: وہ کس طرح؟ تو انہوں نے فرمایا: میں نے عمر کے 70 سال حجاب اور غیبت کی کیفیت میں گزار دیئے ہیں' اور کیونکہ مجھے اس دوران مشاہدہ نصیب نہیں ہوا' اس لیے حقیقی عمر وہی 4 برس ہے جن میں مشاہدہ حاصل ہوا ہے' حجاب کے زمانے کی عمر اس قابل نہیں ہے' اسے شمار کیا جائے۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ یہ دعا کیا کرتے تھے:

''اَللّٰهُمَّ اِخْبَأِ الْجَنَّةَ . وَالنَّارَ فِيْ جَنَايَا غَيْبِكَ حَتّٰى نَعْبُدَكَ بِغَيْرِ وَاسِطَةٍ

''اے اللہ! تو جنت اور جہنم کو اپنے غیب کے خزانوں میں پوشیدہ رکھ تاکہ ہم کسی واسطے کے بغیر تیری عبادت کریں''۔

(اس کی وجہ یہ ہے') جب طبیعت جنت کے حصول کی خواہش مند ہوگی' تو لازمی طور پر ہر عقل مند شخص جنت کے حصول کے لیے عبادت کرے گا' اور جس شخص کے دل میں محبت نہ ہو وہ غافل شمار ہوتا ہے' اور وہ مشاہدے کی کیفیت سے حجاب کی حالت میں ہوتا ہے۔

دیدارِ خداوندی کی بحث

نبی اکرم ﷺ نے شبِ معراج کے بارے میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بتایا تھا' میں نے خدا کا دیدار نہیں کیا (اور یہ روایت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے)۔

جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات روایت کی ہے' نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے یہ فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔

لوگ اس بارے میں اختلاف کا شکار ہیں' لیکن جس شخص نے غور کیا' وہ اس اختلاف سے باہر آ جائے گا۔

جس روایت میں یہ منقول ہے: ''میں نے دیدار کیا ہے'' وہاں اس سے مراد چشمِ باطن کے ذریعے دیدار کرنا ہے۔

اور جس روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''میں نے دیدار نہیں کیا''۔

وہاں اس سے مراد سر کی آنکھ سے دیدار کرنا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے' ان دونوں میں سے ایک کا تعلق باطن سے ہے' اور دوسرے کا تعلق ظاہر سے ہے' اور ہر ایک سے آپ نے اس کی حالت کے مطابق کلام فرمایا' تو جب آپ نے باطن کی آنکھ سے دیدار کیا' تو اگر اس میں سر کی آنکھ شامل نہیں تھی تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ فرمائے: تم میرا دیدار کرلو' تو میں عرض کروں گا: میں دیدار نہیں کروں گا کیونکہ محبت کی کیفیت میں آنکھ بھی غیر اور بیگانے کی حیثیت رکھتی ہے' اور اس غیر سے تعلق رکھنے والی غیرت مجھے اس دیدار سے روکتی ہے' میں دنیا میں اسے آنکھ کے واسطے سے دیکھوں' پھر آخر اس واسطے کا کیا کروں گا' بہر حال خدا ہی ہدایت کرنے والا ہے' باقی اللہ تعالیٰ صحیح چیز کے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے۔

(کسی کا شعر ہے:)

وَاِنِّیْ لَاَ حْسُدُ نَاظِرِیْ عَلَیْکَ
فَاَغَضُّ طَرْفِیْ اِذَا نَظَرْتُ اِلَیْکَ

''میں تمہاری طرف اٹھنے والی نظر سے بھی حسد کرتا ہوں تو جب تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو اپنی نگاہ جھکا لیتا ہوں''۔

اس کی وجہ یہ ہے' دوست کو آنکھ سے بھی چھپایا جاتا ہے' کیونکہ آنکھ بھی بیگانے اور غیر کی حیثیت رکھتی ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے شیخ سے دریافت کیا: کیا آپ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا چاہتے ہیں' انہوں نے جواب دیا: نہیں! ان سے دریافت کیا گیا: وہ کس وجہ سے؟ انہوں نے جواب دیا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات چاہی تو انہیں دیدار نہیں ہوا اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات نہیں چاہی تھی تو اس دوران آپ کو دیدار ہو گیا' اس لیے اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بارے میں ہمارا چاہنا بہت بڑا حجاب ہے' کیونکہ تمہارے ارادے کا وجود محبت میں مخالفت کے مترادف ہے' اور مخالفت بذاتِ خود حجاب ہے' دنیا میں جب انسان کا اپنا ارادہ (یعنی اپنی پسند) فنا ہوتی ہے' اس وقت اسے مشاہدہ نصیب ہوتا ہے' اور جب مشاہدہ مستقل ہو جائے' تو دنیا آخرت کی مانند ہو جاتی ہے' اور آخرت دنیا کی مانند ہو جاتی ہے۔

حجاب ارتداد ہوتا ہے

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادٌ لَوْحَجَبُوْا عَنِ اللّٰہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ لَارْتَدُّوْا

''اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں: اگر وہ دنیا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ سے حجاب میں آ جائیں' تو وہ مرتد ہو جائیں''۔

اس کا مطلب یہ ہے' اللہ تعالیٰ انہیں دائمی مشاہدے میں رکھتا ہے' اور اپنی محبت کی زندگی میں انہیں زندہ رہنے دیتا ہے' تو اس کا لازمی مطلب یہی ہوگا کہ ایسا مشاہدہ کرنے والا شخص جب مجوب ہوگا' تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دور ہو جائے گا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں مصر کے ایک بازار سے گزر رہا تھا' میں نے وہاں دیکھا کہ کچھ بچے ایک نوجوان کو پتھر مار رہے ہیں' میں نے ان بچوں سے دریافت کیا: تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: یہ پاگل ہے' میں نے دریافت کیا: تمہیں اس میں پاگل پن کی کیا علامت نظر آئی ہے؟ بچوں نے جواب دیا: یہ کہتا ہے' میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتا ہوں۔ (ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:) اس کے بعد میں اس نوجوان کی طرف متوجہ ہوا' اور اس سے پوچھا: اے نوجوان! کیا تم واقعی یہ بات کہتے ہو؟ یا ان بچوں نے تم پر جھوٹا الزام لگایا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: یہ غلط نہیں کہہ رہے ہیں میں واقعی یہ بات کہتا ہوں' کیونکہ اگر میں ایک لمحے کے لیے بھی حق تعالیٰ کا دیدار نہ کروں اور حجاب کی حالت میں آ جاؤں' تو میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس مقام پر بعض لوگوں کو اربابِ مشاہدہ کے بارے میں غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے' اور وہ یہ سمجھتے ہیں: دل کا دیدار اور مشاہدہ دل میں کوئی تصویر بنا دیتا ہے' جو ذکر یا فکر کے وقت وہم کی صورت میں برقرار رہتی ہے' حالانکہ یہ گمان محض گمراہی ہے اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات اندازے سے پاک ہے کہ دل کو اس کے اندازے کا وہم ہو سکے یا عقل اس کی کیفیت سے مطلع ہو سکے' جو چیز وہم ہو اس کا تعلق وہم سے ہوتا ہے' اور جو چیز عقل میں آ سکتی ہو وہ عقل کی جنس سے تعلق رکھتی ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی بھی چیز کی ہم جنس نہیں ہے کسی چیز کا لطیف ہونا یا کثیف ہونا دونوں جنس سے تعلق رکھتے ہیں' جو محل کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں' اس لیے توحید کی تحقیق میں اور قدیم کے پہلو میں مقدار چیز کی حیثیت جنس کی ہوگی' اس کی وجہ یہ ہے' تمام متضاد چیزیں مخلوق ہیں اور حادث ہونے کے اعتبار سے ایک جنس کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اس چیز سے پاک ہے' جس سے یہ لوگ اسے منسوب کرتے ہیں' اور اس کی ذات اس سے بلند و برتر ہے۔

دنیا میں مشاہدہ

دنیا میں مشاہدہ آخرت میں دیدار کرنے کے مترادف ہے' اور تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں: آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار جائز ہے' تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے' دنیا میں اس کا مشاہدہ بھی جائز ہو' اس لیے جو شخص آخرت میں دیدار کی اطلاع دے اور دنیا میں مشاہدے کی اطلاع دے' ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا' اور جو شخص اس بارے میں بتاتا ہے وہ

ایک ایسی چیز کی اطلاع دیتا ہے جو عقلی طور پر جائز (ممکن) ہے وہ شخص محض دعویٰ نہیں کر رہا یعنی جو یہ کہتا ہے دیدار اور مشاہدہ دونوں ممکن ہیں لیکن وہ شخص یہ نہیں کہتا کہ مجھے اس کا دیدار ہوا ہے یا مجھے اب یہ کیفیت حاصل نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے مشاہدہ دراصل باطن کی صفت ہے اور اطلاع زبان کے ذریعے دی جاتی ہے جب زبان باطن کے بارے میں اطلاع دیتی ہے تو یہ بات عبارت ہوتی ہے اسے مشاہدہ نہیں کہا جاسکتا اور یہ ایک دعویٰ ہے اس کی وجہ یہ ہے جس چیز کی حقیقت عقل میں نہ سما سکتی ہو اسے زبان کیسے بیان کرسکتی ہے زبان اس بارے میں صرف مجاز کا سہارا لے سکتی ہے۔

لِاَنَّ الْمُشَاهَدَةَ قَصْرُ اللِّسَانِ بِحُضُوْرِ الْجَنَانِ

''اس کی وجہ یہ ہے مشاہدہ نام ہی اس چیز کا ہے دل کی حاضری کی کیفیت کو زبان بیان کرنے سے قاصر ہو''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے اس مفہوم کی وضاحت میں زبان کو خاموش رکھنا چاہیے اور درجہ بلند رکھنا چاہیے کیونکہ خاموشی مشاہدے کی علامت ہوتی ہے اور بول پڑنا گواہی کی علامت ہوتی ہے اور کسی چیز کی گواہی دینا اور کسی چیز کا مشاہدہ کرنا ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا طرزِ عمل

نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ مرتبہ اور مقام حاصل تھا جو صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہے اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا:

''لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ'' ''میں تیری ثناء (حقیقی طور پر) نہیں کرسکتا''۔

اس کی وجہ یہ ہے آپ مشاہدے کی کیفیت میں تھے اور جب محبت کی کیفیت ہو تو اس میں مشاہدہ مکمل یگانگت رکھتا ہے اور اس اتحاد کو بیان کرنا بیگانگی اور غیر ہونے کی علامت ہوتا ہے اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ ''تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی ذات کی ثناء کی ہے''۔

یعنی اس جگہ تو نے جو فرمایا ہے میں بھی وہی عرض کرتا ہوں یعنی جو ثناء تو نے کی ہے میں بھی اسی کو صحیح ثناء سمجھتا ہوں میں اپنی زبان کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ وہ میری حالت بیان کرے اور میں اپنے بیان کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ وہ میری حالت کو ظاہر کرے۔

اس مفہوم کے بارے میں کسی نے کیا خوب شعر کہا ہے:

تَمَنَّيْتُ مَنْ اَهْوٰى فَلَمَّا رَاَيْتُهٗ
بَهِتُّ فَلَمْ اَمْلِكْ لِسَانًا وَّلَا طَرْفًا

''میں نے اس کی تمنا کی جس سے میں محبت کرتا ہوں جب میں نے اسے دیکھا تو حیرت زدہ ہو گیا اور میں اپنی زبان اور آنکھ کا مالک نہیں رہا''۔

(اٹھائیسواں باب): نواں کشف:

مصاحبت اور اس کے آداب واحکام

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (تحریم:۶)

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ''۔

اَیْ اَدِّبُوْهُمْ ''یعنی انہیں ادب سکھا کر (انہیں آگ سے بچاؤ)''۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

حُسْنُ الْاَدَبِ مِنَ الْاِیْمَانِ ''اچھا ادب' ایمان کا حصہ ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ ''میرے پروردگار نے مجھے ادب سکھایا اور مجھے بہترین ادب سکھایا''۔

ادب ضروری ہے

دین اور دنیا کے تمام تر اُمور کی بہتری ادب سے وابستہ ہے' اور لوگوں کے مقامات کے اختلاف کے اعتبار سے' ہر مقام اور ہر قسم کے لوگوں کے لیے آداب ایک دوسرے سے مختلف ہیں' تمام انسان خواہ وہ کفار ہوں یا مسلمان ہوں' توحید کے قائل ہوں یا نہ ہوں' صحیح العقیدہ مسلمان ہوں یا بدعتی ہوں' ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے' جملہ معاملات میں ادب کا عمدہ ہونا بہترین چیز ہے اور دنیا میں کوئی بھی رسم ورواج ادب اختیار کیے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا اور لوگوں میں ادب ہی مروّت کی حفاظت ہے' جبکہ دین میں سنت کی حفاظت اور دنیا میں عزت واحترام کی حفاظت بھی ادب کے ساتھ مخصوص ہے' اس کی وجہ یہ ہے' یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہوتی ہیں' جس شخص میں مروّت موجود نہیں ہوگی وہ سنت کا پیروکار نہیں ہوگا' اور جو شخص سنت کی حفاظت نہیں کرے گا اس کے ادب واحترام کا بھی خیال نہیں رکھا جائے گا۔

مطلوب کی تعظیم

معاملات یعنی طریقت کے راستے میں ادب کی حفاظت مطلوب کی تعظیم سے حاصل ہوتی ہے' یعنی دل میں اللہ تعالیٰ اور اس سے متعلق ہر چیز کی تعظیم وتکریم تقویٰ کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے اور جو شخص ان قابل تعظیم چیزوں کی بے حرمتی کرتا ہے'

وہ شخص مشاہدۂ حق کو پامال کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ تصوف کے راستے میں ایسا کوئی مقام نہیں ہے' جب انسان حال کے غلبے یا کسی اور حالت میں ادب کو پس پشت کر دے' اس کی وجہ یہ ہے' ادب صوفیاء کی عادات میں سے ہے' اور عادت کی حیثیت طبیعت کی مانند ہوتی ہے' کوئی بھی جاندار کسی بھی حالت میں اپنی طبیعت سے الگ نہیں ہو سکتا' جب تک اس کی زندگی برقرار ہے' طبیعت کا اس سے الگ ہونا ناممکن ہے' جب تک انسان کا وجود برقرار ہے' اس وقت تک ہر حالت میں اس پر ادب کی پیروی کرنا لازم ہوگا خواہ وہ تکلف کے ساتھ ایسا کرے یا کسی تکلف کے بغیر ایسا کرے' ایسا اس وقت ہوگا کہ جب اس کا حال درستگی کے عالم میں ہو' ایسی کیفیت میں وہ تکلف کے ساتھ آداب کی رعایت کرتا ہے' لیکن جب انسان پر سکر اور مدہوشی کا غلبہ ہوتا ہے' تو اس وقت اللہ تعالیٰ انسان کو ادب پر برقرار رکھتا ہے' بہرحال اصل مقصد یہ ہے' کسی بھی حالت میں دل ادب سے لاتعلق نہیں ہوتا'

لِاَنَّ الْمَوَدَّةَ عِنْدَ الْاَدَبِ وَحُسْنِ الْاَدَبِ صِفَةُ الْاَحْبَابِ

''اس کی وجہ یہ ہے' محبت ادب کے پاس ہوتی ہے' اور اچھا ادب محبت کرنے والوں کی خوبی ہے''۔

اللہ تعالیٰ جس شخص پر جتنا کرم کرتا ہے وہ اس کے لیے اتنی ہی دلیل بن جاتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے' وہ شخص دین کے ادب کی حفاظت کرتا ہے۔

اس کے برعکس ملحد لوگوں کا ایک گروہ' خدا ان پر لعنت کرے' اس بات کا قائل ہے' بندہ محبت میں جب غالب ہو جاتا ہے' تو عبادت کا حکم اس سے ساقط ہو جاتا ہے' یہ نظریہ غلط ہے۔

ادب کی تین اقسام

ادب کی تین قسمیں ہیں:

ایک قسم کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے' یعنی اس کی توحید کے بارے میں ہے' وہ اس طرح کہ جلوت اور خلوت ہر حالت میں خود کو اس کی بے حرمتی سے بچایا جائے' اور اس کے ساتھ وہی رویہ اختیار کیا جائے جو بادشاہوں کی بارگاہ میں اختیار کیا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ پاؤں پھیلا کر تشریف فرما تھے' اسی دوران حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ پیغام پہنچایا:

''يَا مُحَمَّدُ اِجْلِسْ جَلْسَةَ الْعَبْدِ'' ''اے محمد! ایک بندے کی طرح بیٹھو''۔

یعنی یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں' تو اس کی بارگاہ میں اسی کیفیت کے مطابق بیٹھیں۔

مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے' حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ 40 برس تک کبھی بھی دن یا رات کے کسی بھی حصے میں دیوار سے ٹیک لگا کر کمر سیدھی نہیں کر سکے تھے اور کبھی بھی دوزانوں کے علاوہ اور کسی طرح سے نہیں بیٹھے تھے' ایک مرتبہ لوگوں نے

ان سے دریافت کیا: اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: مجھے اس بات سے شرم آتی ہے' میں اللہ تعالیٰ کے مشاہدے کے دوران اس طرح نہ بیٹھوں کہ جس طرح کوئی بندہ بیٹھتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

میں نے خراسان کے ایک گاؤں میں کمند میں نام کے ایک شخص کو دیکھا' جو ادیب کمندی کے نام سے مشہور تھا یعنی وہ بڑا دانشور سمجھا جاتا تھا' وہ بڑی فضیلت کا مالک تھا' اس نے 20 برس اپنے پاؤں پر کھڑے کھڑے گزار دیئے تھے اور نماز میں تشہد کی حالت کے علاوہ وہ کبھی نہیں بیٹھا تھا۔

میں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا: مجھے ابھی وہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا کہ میں مشاہدۂ حق کے دوران بیٹھ سکوں۔

حسنِ صحبت

ایک مرتبہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہ سوال کیا:

آپ نے جو کچھ بھی پایا ہے وہ کس وجہ سے پایا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن صحبت کی وجہ سے پایا ہے۔

یعنی خلوت میں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے اتنا ہی ادب ملحوظ رکھا ہے جتنا جلوت میں رکھا ہے' لوگوں کو چاہیے' وہ اپنے معبود کے مشاہدے میں ادب کی حفاظت کا سلیقہ سیدہ زلیخا سے سیکھیں' جب انہوں نے تنہا کمرے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اپنی خواہش پوری کرنے کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے اس کی درخواست کی تو اس سے پہلے اس نے کمرے میں موجود اپنے بت کے چہرے کو کسی چیز سے ڈھانپ دیا' حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا: یہ کیا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں نے اپنے معبود کے چہرے کو چھپا دیا ہے تاکہ مجھے اس حالت میں آپ کے ساتھ دیکھ کر اس کی بے حرمتی نہ ہو۔

اس کی وجہ یہ تھی (ان کے نزدیک) یہ بات ادب کے خلاف تھی۔

زلیخا کا واقعہ

اسی طرح جب حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی ملاقات ہوئی اور انہیں جمال حق سے ہم آغوش کرنے کے بعد زلیخا کو دوبارہ جوان کر کے دین حق کی راہ دکھائی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی زوجیت میں زلیخا کو لے لیا' تو جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی طرف قصد کیا' تو زلیخا آپ کے آگے بھاگ گئی' حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے زلیخا! کیا میں تمہارا محبوب نہیں ہوں' کیا میری محبت تمہارے دل سے ختم ہو گئی ہے؟ تو زلیخا نے عرض کی: خدا کی قسم! ایسا نہیں ہے وہ محبت اپنی جگہ برقرار ہے' بلکہ اب اس میں پہلے سے بھی اضافہ ہو چکا ہے' لیکن میں نے ہمیشہ اپنے معبود کے ادب کو ملحوظ خاطر رکھا

ہے اس دن جب میں آپ کے ساتھ کمرے میں تنہا تھی تو میرا معبود ایک بت تھا' جو کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا تھا' لیکن اس کے باوجود میں نے ظاہری ادب کے طور پر اس کی آنکھوں کے سامنے پردہ ڈال دیا تھا تا کہ مجھ پر بے ادبی کا الزام نہ لگایا جا سکے' اب میرا معبود ایک ایسی ذات ہے' جو دانا اور بینا ہے' جو دیکھنے کے لیے کسی آنکھ یا آلے کا محتاج نہیں ہے' میں جس بھی حالت میں جہاں بھی ہوں' وہ مجھے دیکھ سکتا ہے' اس لیے میں نہیں چاہتی کہ اس کی بارگاہ میں ادب ترک کرنے کا مجھ پر الزام عائد کیا جائے۔

نبی اکرم ﷺ کا ادب

اسی طرح جب نبی اکرم ﷺ کو معراج کے لیے لے جایا گیا تو آپ نے ادب کے پیش نظر کائنات کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا' اسی چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی:

"مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی" (النجم:۱۷) "نہ اس نے پلک جھپکی اور نہ ہی اس کی نظر بے راہ ہوئی"۔

یعنی دنیا کی طرف نظر کرنے کے حوالے سے بھی آنکھ بے راہ نہیں ہوئی اور آخرت کی طرف دیکھنے کے اعتبار سے بھی آنکھ بے راہ نہیں ہوئی۔

ادب کی دوسری قسم

ادب کی دوسری قسم کا تعلق معاملات میں اپنی ذات کے ساتھ سے ہے' اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ انسان ہر حالت میں اپنی ذات کے ساتھ مروّت کا خیال رکھے' لوگ ساتھ ہوں یا آدمی' حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو' محفل میں بیٹھا ہوا ہو یا تنہا ہو' کسی بھی حالت میں کسی بے ادبی کا ارتکاب نہ کرے' اس کی صورت یہ ہوگی کہ آدمی سچ کے علاوہ کلام نہ کرے جو بات وہ جھوٹی سمجھے اسے وہ زبان پر کیسے لا سکتا ہے' کیونکہ یہ چیز ادب کے خلاف ہوگی۔

اس کی دوسری صورت یہ ہے' انسان کم کھائے تا کہ رفع حاجت کے لیے زیادہ مرتبہ نہ جانا پڑے۔

تیسری صورت یہ ہے' آدمی کسی کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے' یہاں تک کہ مجبوری کے علاوہ اپنی شرمگاہ کی طرف بھی نہ دیکھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' انہوں نے زندگی میں کبھی بھی اپنے جسم کے پوشیدہ حصے کو نہیں دیکھا' کسی نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا' مجھے اس بات سے شرم آتی ہے' میں جسم کے ایسے حصے کو دیکھوں جس حصے کی طرف دیکھنا حرام ہے۔

ادب کی تیسری قسم

ادب کی تیسری قسم کا تعلق لوگوں کے ساتھ آدمی کے رویے سے ہے' اور لوگوں کے ساتھ رہنے میں سب سے بہترین ادب یہ ہے' آدمی سفر یا حضر ہر حالت میں لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے' اور سنت طریقے کا خیال رکھے۔

آداب کی یہ تینوں قسمیں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتی ہیں' اب میں جہاں تک ممکن ہوگا' ترتیب کے ساتھ ان آداب کو بیان کرتا جاؤں گا' تا کہ یہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ سکیں۔

انتیسواں باب

مصاحبت اور اس کے متعلقات

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم:۹۶)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، رحمٰن ان کے درمیان محبت پیدا کر دے گا"۔

اَیْ بِحُسْنِ رِعَایَتِھِمُ الْاَخْوَانِ

یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے دلوں کی حفاظت کی اور اپنے بھائیوں کے حقوق کو ادا کیا اور اپنے مقابلے میں ان کی بزرگی اور شرافت کا خیال رکھا۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

ثَلٰثٌ لَکَ وُدَّ اَخِیْکَ لِتُسَلِّمَ عَلَیْہِ اِنْ لَّقِیْتَہٗ وَتُوَسِّعَ لَہٗ فِی الْمَجْلِسِ وَتَدْعُوْہُ بِاَحَبِّ اَسْمَائِہٖ

"تین چیزیں ہیں، جو تمہاری اپنے بھائی کے ساتھ محبت (کو ظاہر کرتی ہیں) جب تم اس سے ملو تو سلام کرو، اس کے لیے بیٹھنے کی جگہ کشادہ کرو اور اسے اس کے پسندیدہ نام کے ذریعے بلاؤ"۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ (الحجرات:۱۰)

"بے شک اہل ایمان بھائی، بھائی ہیں، تو تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروا دو"۔

اس کا مطلب یہ ہے، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لطف اور مہربانی کے ساتھ پیش آؤ اور کسی کی دل شکنی نہ کرو۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَکْثِرُوْا مِنَ الْاَخْوَانِ فَاِنَّ رَبَّکُمْ حَیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِ اَنْ یُّعَذِّبَ عَبْدَہٗ بَیْنَ اِخْوَتِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

"اپنے بھائی زیادہ بناؤ! کیونکہ تمہارا پروردگار زندہ ہے اور مہربان ہے، وہ اس بات سے حیاء کرتا ہے، قیامت کے دن کسی بندے کو اس کے بھائیوں کے درمیان عذاب دے"۔

یعنی تم اپنے بھائی زیادہ سے زیادہ بناؤ اور ان کے حقوق میں اچھے اخلاق کا خیال رکھو کیونکہ تمہارا پروردگار زندہ ہے، اور مہربان ہے، وہ اس بات سے حیاء فرمائے گا کہ قیامت کے دن باہمی آداب اور معاملات کی وجہ سے اپنے کسی بندے پر اس

کے بھائیوں کے درمیان اس بندے کو عذاب دے۔

اس لیے مناسب یہی ہے' آدمی کا اپنے بھائی کے ساتھ تعلق اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہو' کسی نفسانی خواہش یا کسی اور غرض یا مفاد کی وجہ سے نہ ہو' تاکہ وہ بندہ ادب کی حفاظت کی وجہ سے شکرگزار رہو۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے اپنے داماد مغیرہ بن شعبہ سے یہ فرمایا تھا:

يَامُغِيْرَةُ كُلُّ اَخٍ اَوْصَاحِبٍ لَّمْ تَفِدْ مِنْهُ فِيْ دِيْنِكَ خَيْرًا فَانْبُذْ عَنْ صُحْبَتِهٖ حَتّٰى تَسْلَمَ

''اے مغیرہ! جس بھائی یا ساتھی کا ساتھ تمہارے دین میں تمہیں فائدہ نہ دے تم اس سے تعلق ختم کر دو تاکہ تم خود محفوظ رہو''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' تمہارا تعلق یا تو اپنے سے کسی بڑے شخص کے ساتھ اور زیادہ نیک شخص کے ساتھ ہوگا' یا اپنے سے کسی کمتر شخص یا کم نیک شخص کے ساتھ ہوگا' اگر تم اپنے سے بڑے اور زیادہ نیک شخص کی صحبت اختیار کرتے ہو' تو اس سے تمہیں دینی فائدہ حاصل ہوگا' اور اگر تم اپنے سے کمتر شخص کے ساتھ بیٹھتے ہو' تو اسے تم سے دینی فائدہ حاصل ہوگا کیونکہ اگر وہ تم سے کچھ حاصل کر لیتا ہے' تو وہ تمہیں دینی فائدہ پہنچانے کے مترادف ہوگا' اور تم اپنے بڑے سے جو حاصل کرتے ہو' وہ تمہارے لیے دینی فائدہ حاصل کرنے کے مترادف ہوگا (دونوں صورتوں میں تمہیں دینی فائدہ حاصل ہوگا)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ مِنْ تَمَامِ التَّقْوٰى تُعَلِّمُ مَنْ لَّا يَعْلَمُ

''پرہیزگاری کے کمال میں یہ بات بھی شامل ہے' تم اس شخص کو علم سکھاؤ جو نہیں جانتا''۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بِئْسَ الصَّدِيْقُ تَحْتَاجُ اَنْ تَقُوْلَ لَهٗ اُذْكُرْنِيْ فِيْ دُعَائِكَ وَبِئْسَ الصَّدِيْقُ تَحْتَاجُ اَنْ تَعِيْشَ مَعَهٗ بِالْمُدَارَاتِ وَبِئْسَ الصَّدِيْقُ صَدِيْقٌ يُلْجِئُكَ اِلَى الْاِعْتِذَارِ فِيْ زَلَّةٍ كَانَتْ مِنْكَ

''وہ دوست بہت بُرا ہے' تمہیں جس سے یہ کہنا پڑے: تم مجھے اپنی دعا میں یاد رکھنا' وہ دوست بھی بہت بُرا ہے' جس کے ساتھ رہنے کے لیے تمہیں اس کی خاطر مدارات کرنی پڑے اور وہ دوست بھی بہت بُرا ہے' تمہاری طرف سے ہونے والی کسی کوتاہی کی وجہ سے تمہیں اس سے معذرت کرنی پڑے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' دوستی کا اور محبت کا حق یہ ہے' آدمی ہمیشہ اپنے دوست کو دعائے خیر میں

یاد رکھے! اسی طرح دوستی اور تعلق کا سرمایہ یہ ہے انسان باہمی طور پر خوشی اور مسرت کے ساتھ زندگی گزارے نہ کہ تکلف کے طور پر ایک دوسرے کی خاطر مدارات کا پابند ہو اسی طرح کسی سے معذرت کرنا بیگانہ ہونے کی علامت ہوتی ہے اور دوستی میں غیریت اور بیگانگی زیادتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُ کُمْ مَن یُّخَالِلُ

''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو ہر شخص کو اس بات کا جائزہ لینا چاہیے اس کی دوستی کس کے ساتھ ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اگر آدمی کی دوستی نیک لوگوں کے ساتھ ہوگی تو اگر چہ وہ خود نیک نہ بھی ہو لیکن اس کی صحبت نیک ہوگی اور نیک آدمی کی صحبت اسے آخر کار نیک بنا دے گی لیکن اگر آدمی کی صحبت بُروں کے ساتھ ہوگی اگر چہ وہ آدمی خود نیک ہو تو بھی یہ بُرا شمار ہوگا اس کی وجہ یہ ہے وہ دوسروں کی بُرائی پر راضی ہے اور جو شخص برائیوں پر راضی ہو وہ اگر چہ بذاتِ خود نیک ہو لیکن پھر بھی اسے بُرا قرار دیا جائے گا۔

ایک مرتبہ ایک شخص خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے یہ دعا مانگ رہا تھا:

''اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اِخْوَانِیْ فَقِیْلَ لَهٗ لَمْ تَدْعُ لَكَ فِیْ هٰذَا الْمَقَامِ''

''اے اللہ! تو میرے بھائیوں کی اصلاح کر دے''۔

اس سے پوچھا گیا: تم اس مقام پر اپنے لیے کیوں دعا نہیں مانگ رہے؟ تو اس نے جواب دیا:

اِنَّ لِیْ اِخْوَانًا اَرْجِعُ اِلَیْهِمْ فَاِنْ صَلَحُوْا صَلَحْتُ مَعَهُمْ وَاِنْ فَسَدُوْا فَسَدْتُّ مَعَهُمْ .

''میرے بھائی ہیں جن کی طرف میں نے واپس چلے جانا ہے اگر وہ ٹھیک ہوئے تو ان کے ساتھ میں بھی ٹھیک رہوں گا لیکن اگر وہ خراب ہوئے تو ان کے ساتھ میں بھی خراب ہو جاؤں گا''۔

اس کی وجہ یہ ہے یہ بات بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہے آدمی کی اپنی ذات کی درستگی اصلاح کرنے والوں کی درستگی پر موقوف ہوتی ہے اس لیے وہ آدمی اپنے بھائیوں کے لیے دعا کر رہا تھا تا کہ اسے اس کا مقصد حاصل ہو جائے۔

اس نصیحت کی بنیادی وجہ یہ ہے انسان کی نفسیات میں یہ بات شامل ہے وہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ رہ کر خوش رہتا ہے تو جس قسم کے لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے گی تو آدمی انہی کی عادات و اطوار کو اختیار کر لیتا ہے تمام معاملات حق کے ارادے اور باطل کے ارادے سے مرتب ہوتے ہیں آدمی جس ارادے کے معاملات کے ساتھ صحبت رکھے گا اس پر اسی کا غلبہ ہو جائے گا اس کی وجہ یہ ہے آدمی کا اپنا ارادہ دوسروں کے ارادے پر مبنی ہوتا ہے اور صحبت کا طبیعت اور عادت پر بڑا اثر ہوتا ہے یہی وجہ ہے ایک آدمی عالم کے ساتھ رہ کر تربیت یافتہ ہو جاتا ہے اور ایک پرندہ ایک آدمی کے

سکھانے کی وجہ سے بولنے لگتا ہے' اور ایک گھوڑا اپنی جانوروں کی خصلت کو ترک کر کے انسان کا مطیع اور فرمانبردار بن جاتا ہے' یہ مثالیں اس بات کو واضح کرتی ہیں: صحبت کا کتنا اثر اور غلبہ ہوتا ہے' اور وہ کس طرح عادات کو بدل دیتی ہے' تو یہی کیفیت ہر طرح کی صحبت میں پائی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے' تمام مشائخ سب سے پہلے صحبت کے حقوق کے خواہاں رہتے ہیں' اور اپنے مریدین کو بھی اسی کی ترغیب دیتے ہیں' یہی وجہ ہے' ان مشائخ کے نزدیک صحبت کے آداب کا خیال رکھنا فرض ہے۔

ادب کے بارے میں صوفیاء کی تصانیف

سابقہ زمانے کے مشائخ نے صحبت کے آداب کے بارے میں تفصیل کے ساتھ کتابیں تحریر کی ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے ایک کتاب تحریر کی ہے' جس کا نام ''تصحیح الارادۃ'' ہے۔

اسی طرح شیخ احمد بن خضرویہ رحمہ اللہ نے ''الرعایہ بحقوق اللہ'' کے نام سے کتاب تحریر کی ہے۔

شیخ محمد بن علی ترمذی رحمہ اللہ نے ''آداب المریدین'' کے نام سے کتاب تحریر کی ہے۔

ان حضرات کے علاوہ شیخ ابوالقاسم حکیم' شیخ ابوبکر' شیخ سہل بن عبداللہ تستری' شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی اور شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر باقاعدہ تصانیف مرتب کی ہیں' یہ تمام مشائخ اپنے فن کے امام سمجھے جاتے ہیں۔

اب میں طالبان طریقت کے لیے آداب کی مختلف اقسام میں سے' معاملات کے بارے میں' چند مشائخ کے واقعات بیان کروں گا۔

تیسواں باب

مصاحبت کے آداب

صحبت کے آداب کا خیال رکھنا

یہ بات واضح رہے' مریدین کے لیے سب سے اہم ترین چیز صحبت ہے' اور صحبت کے حقوق کا خیال رکھنا اہم فرض ہے' اور مرید کے لیے صحبت کو ترک کر کے انفرادی اور علیحدہ زندگی گزارنا ہلاکت کا باعث ہو سکتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

اَلشَّیْطَانُ مَعَ الْوَاحِدِ' وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ*

''شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہوتا ہے' اور وہ دو آدمیوں سے دور ہو جاتا ہے''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَایَکُوْنُ مِن نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّاھُوَ رَابِعُھُمْ

''جب تین آدمی سرگوشی میں بات کر رہے ہوں تو چوتھا وہ ہوتا ہے''۔

* صحیح ابن حبان' کتاب السیر' باب طاعة الائمة' ذکر الاخبار عما یجب علی المرء من لزوم ما علیه جماعة' حدیث:4646 'صحیح ابن حبان' کتاب السیر' باب طاعة الائمة' ذکر الاخبار عما یجب علی المرء من لزوم ما علیه جماعة' حدیث:4646المستدرک علی الصحیحین للحاکم' کتاب العلم' ومنهم یحیی بن ابی المطاع القرشی' حدیث:353جامع ترمذی' الذبائح' ابواب الفتن عن رسول الله صلی الله علیه وسلم' باب ما جاء فی لزوم الجماعة' حدیث:2142السنن الکبری للنسائی' کتاب عشرة النساء ' ذکر اختلاف الفاظ الناقلین لخبر عمر فیه' حدیث:8940مشکل الآثار للطحاوی' باب بیان مشکل ما روی عن رسول الله صلی الله علیه' حدیث:3137السنن الکبری للبیهقی' کتاب النکاح' جماع ابواب الترغیب فی النکاح وغیر ذلك' باب لا یخلو رجل بامراة اجنبیة' حدیث:12643مسند احمد بن حنبل' مسند العشرة المبشرین بالجنة' مسند الخلفاء الراشدین' اول مسند عمر بن الخطاب رضی الله عنه' حدیث:114مسند عبد الله بن المبارك' من الفتن' حدیث:242مسند الطیالسی' الافراد عن عمر' حدیث:30مسند الحارث' کتاب الامارة' باب لزوم الطاعة' حدیث:598مسند ابی یعلی الموصلی' مسند عمر بن الخطاب رضی الله عنه' حدیث:131مسند الرویانی' حدیث عامر بن ربیعة' حدیث:1328المعجم الاوسط للطبرانی' باب الالف' باب من اسمه ابراهیم' حدیث:2989المعجم الصغیر للطبرانی' باب من اسمه ابراهیم' حدیث:246مسند الشهاب القضاعی' من سرته حسنته وساء ته سیئته فهو مؤمن' حدیث:385شعب الایمان للبیهقی' التاسع والثلاثون من شعب الایمان' فصل فیما یقول العاطس فی جواب التشمیت' السادس والسبعون من شعب الایمان وهو باب فی الاصلاح بین الناس' حدیث:10611

یعنی اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔
اس لیے مریدین کے لیے اکیلے رہنے سے زیادہ بڑی اور کوئی آفت نہیں ہے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید کا واقعہ

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے مریدین میں سے ایک مرید کو یہ خیال آیا کہ شاید میں اب مرتبۂ کمال تک پہنچ چکا ہوں، اور اب لوگوں کے ساتھ رہنے کے مقابلے میں، میرے لیے یہ زیادہ بہتر ہے، میں تنہا رہوں، چنانچہ وہ گوشہ نشین ہو گیا اور اس نے مشائخ کی خدمت میں رہنا چھوڑ دیا۔

ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ ایک اونٹ لے کر آئے ہیں، اور ان لوگوں نے اس سے یہ کہا، تم نے آج رات جنت میں گزارنی ہے، پھر وہ لوگ اسے اونٹ پر سوار کر کے لے گئے، اور وہ ایک خوش نما جگہ پر پہنچ گیا، جہاں بہت سے خوبصورت لوگ تھے، طرح طرح کے عمدہ کھانے تھے، پانی کے چشمے رواں تھے، صبح تک وہ وہاں رہا جب وہ صبح بیدار ہوا تو اپنے حجرے میں موجود تھا، یہ سلسلہ روزانہ اسی طرح جاری رہا یہاں تک کہ اس مرید کے ذہن میں بشری غرور اور تکبر نے غلبہ پالیا اور اس کے دل پر جوانی کا جوش اثر انداز ہو گیا اور اس کی زبان سے یہ دعویٰ جاری ہوا، اور وہ یہ بولا: میں اب اس کمال تک پہنچ چکا ہوں، میری راتیں اس طرح بسر ہوتی ہیں، جب لوگوں نے اس کے اس دعویٰ کے بارے میں حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کو بتایا تو آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور اس مرید کے حجرے میں تشریف لے گئے، آپ نے اس کو ایسی حالت میں پایا کہ اس کے سر میں نفسانی خواہشات بھری ہوئی تھیں اور وہ تکبر سے اکڑا ہوا تھا، آپ نے اس سے اس کی حالت دریافت کی، اس نے اپنی ساری حالت کے بارے میں بتایا تو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا: آج رات جب تم وہاں پہنچو گے، تو تین مرتبہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھ لینا۔

جب رات کا وقت آیا اور اسے لے جایا جانے لگا تو اس نے ذہنی طور پر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو تسلیم نہیں کیا، لیکن کچھ دیر بعد ویسے ہی صرف تجربے کی خاطر اس نے تین مرتبہ لاحول پڑھا تو وہاں موجود تمام لوگ چیختے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور اس مرید نے خود کو گندگی کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے پایا، اس کے آس پاس مردار جانوروں کی ہڈیاں تھیں، اس وقت اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور اس نے اپنی اس حرکت سے توبہ کی اور دوبارہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔
مرید کے لیے تنہائی سے بڑھ کر اور کوئی آزمائش نہیں ہوتی ہے۔

لوگوں کے ساتھ برتاؤ کا اصول

صوفیائے کرام کے نزدیک صحبت کے لیے یہ بات شرط ہے، آدمی ہر شخص کو اس کے صحیح مرتبے پر رکھے (اور اس کے مطابق سلوک کرے)، بڑوں کی تعظیم کرے، اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آئے، بچوں کے ساتھ شفقت کا رویہ رکھے، بڑوں کو والدین کا درجہ دے، ہم طبقہ افراد کو بھائی سمجھے اور بچوں کو اپنی اولاد کی طرح رکھے، کینے سے لاتعلق رہے،

حسد سے پرہیز کرے عداوت سے بچے نصیحت کرنے کے معاملے میں کسی کوتاہی کا مرتکب نہ ہو صحبت میں کسی کی غیبت کرنا یا کسی کے ساتھ خیانت کرنا انتہائی نامناسب ہے۔ اسی طرح قول و فعل میں ایک دوسرے کی تردید کرنا بھی درست نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے صحبت کا آغاز اللہ تعالیٰ کے لیے ہوا ہے اس لیے وہ بندے کے کسی فعل یا کسی قول کی وجہ سے اس صحبت کو ختم نہ کرے۔

شیخ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

ایک مرتبہ میں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: صحبت کی شرط کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: صحبت میں اپنے حق کو طلب نہ کرنا اس کی شرط ہے صحبت میں ساری خرابی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب ہر شخص اپنا حق مانگنے لگتا ہے حق مانگنے والے شخص کے لیے صحبت کے مقابلے میں تنہائی زیادہ بہتر ہے کیونکہ جب آدمی اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہے اس وقت وہ اپنے ساتھی اور ہم نشین کے حصے کی حفاظت کرسکتا ہے اور صحبت کا اہل ثابت ہوسکتا ہے۔

ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک بزرگ نے یہ بات بیان کی ہے ایک مرتبہ میں کوفہ سے مکہ مکرمہ جا رہا تھا راستے میں میری ملاقات حضرت شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے ہوگئی میں نے ان سے یہ درخواست کی کہ میں ان کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں انہوں نے فرمایا: ایسے ساتھ میں تو ایک شخص امیر ہوتا ہے اور دوسرا فرمانبردار ہوتا ہے تو تمہارا کیا خیال ہے تم امیر بننا پسند کرو گے یا میں امیر بن جاؤں؟ میں نے ان سے کہا: آپ امیر بن جائیں انہوں نے فرمایا: ٹھیک ہے اب تم نے میرے حکم کی پابندی کرنی ہے میں نے کہا: ٹھیک ہے جب ہم ایک پڑاؤ کی جگہ پر پہنچے تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: تم بیٹھ جاؤ میں بیٹھ گیا تو حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے کنوئیں میں سے پانی نکالا وہ سردی کا موسم تھا حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ لکڑیاں جمع کر کے لائے اور ایک نشیبی جگہ پر آگ جلائی میں جب بھی کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا تو وہ یہی فرماتے تھے بھئی! تم اس بات کا خیال کرو کہ امیر کا حکم ماننا ضروری ہے جب رات ہوئی تو شدید بارش آ گئی۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گدڑی نکالی اور صبح تک اسے سائبان کے طور پر میرے اور اپنے سر پر تان کر کھڑے رہے اور میں شرمندہ ہوتا رہا جب صبح ہوئی تو میں نے ان سے کہا: آج میں امیر بنوں گا انہوں نے فرمایا: ٹھیک ہے جب ہم ایک پڑاؤ کی جگہ پر پہنچے تو حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے پھر اسی طرح خدمت کرنا شروع کر دی میں نے ان سے کہا: جناب! اب تو میں امیر ہوں آپ میرے حکم کے پابند ہیں انہوں نے کہا: حکم کی خلاف ورزی تو وہ شخص کرے گا جو امیر سے اپنی خدمت کروائے غرض یہ کہ مکہ مکرمہ تک ان کا یہی رویہ رہا یعنی وہ میری خدمت کرتے رہے جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو میں شرمساری کی وجہ سے ان سے جدا ہو گیا پھر انہوں نے مجھے منیٰ میں دیکھا تو فرمایا: اے بیٹے! نیک لوگوں کے ساتھ اسی طرح رہنا چاہیے جیسے میں تمہارے ساتھ رہا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

میں نے دس برس نبی اکرم ﷺ کے ساتھ گزارے ہیں' اور میں آپ کی خدمت کرتا رہا ہوں' اللہ کی قسم! آپ نے کبھی بھی مجھ سے اُف نہیں فرمایا اور میں نے جو کام کیا تھا کبھی اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا: تم نے یہ کیوں کیا ہے؟ یا میں نے جو کام نہیں کیا تھا ایسے کسی کام کے بارے میں یہ نہیں فرمایا: تم نے یہ کیوں نہیں کیا ہے؟

درویشوں کی دو اقسام

درویش دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک مقیم اور دوسرا مسافر۔

سنت یہ ہے' مسافر مقیم کو اپنے اوپر ترجیح دے اس کی وجہ یہ ہے' مسافر اپنے نصیب کی تلاش میں سفر کی حالت میں ہوتا ہے' جبکہ مقیم شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے قیام پذیر ہوتا ہے' مسافر شخص میں طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے اور مقیم میں پالینے کا مفہوم پایا جاتا ہے' جو شخص پا کر بیٹھ جاتا ہے وہ اس شخص سے فضیلت رکھتا ہے' جو ابھی طلب کی راہ میں ہو' اس لیے مقیم شخص کو چاہیے' وہ مسافر کو ترجیح دے کیونکہ مقیم شخص تعلقات میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اور مسافر تعلقات سے اپنا دامن چھڑا چکا ہوتا ہے' مسافر طلب کی حالت میں ہوتا ہے اور مقیم ایک جگہ رک چکا ہوتا ہے' اسی طرح عمر رسیدہ افراد کو بھی چاہیے' وہ نوجوانوں کو اپنے اوپر ترجیح دیں' اس کی وجہ یہ ہے' نوجوانوں کو دنیا میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا' اس لیے ان کے گناہ کم ہوں گے' اسی طرح نوجوانوں کو یہ چاہیے' وہ عمر رسیدہ لوگوں کو اپنے اوپر فضیلت دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کے حوالے سے وہ ان پر فوقیت رکھتے ہیں' اسی طرح دونوں فریقوں کے لیے آسانی بھی ہوگی اور نجات بھی مل جائے گی' ورنہ فتنہ وفساد پیدا ہونے کا امکان ہے۔

اکتیسواں باب

مقیم رہنے کے آداب

جب کوئی درویش سفر کو چھوڑ کر اقامت اختیار کر لیتا ہے' تو اس کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے' جب کوئی مسافر اس کے پاس آئے تو وہ عزت واحترام کے ساتھ مسافر کے ساتھ پیش آئے اور اس کی تعظیم کرتے ہوئے اسے خوش آمدید کہے اور یوں سمجھے جیسے وہ مسافر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معزز مہمانوں کی مانند ہیں' اور درویش کو چاہیے' وہ اس مسافر کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے' یعنی گھر میں جو کچھ بھی موجود ہوتا تھا وہ (مہمان کے سامنے) پیش کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ" (الذریات:۲۶) "تو وہ (ابراہیم) بچھڑے (کا گوشت) بھنا ہوا لے آیا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان مہمانوں سے یہ دریافت نہیں کیا تھا' وہ کہاں سے آ رہے ہیں' اور کہاں جا رہے ہیں' اور ان کا نام کیا ہے؟ مہمان کے ساتھ ان کے یہ طرزِ عمل دراصل ادب تھا' انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ مہمان اللہ تعالیٰ طرف سے آیا ہے' اور یہ روانہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہی جائے گا' اور اس مہمان کا نام اللہ کا بندہ ہو گا۔

اس کے بعد درویش کو اس بات کا جائزہ لینا چاہیے' مہمان تنہائی چاہتا ہے' یا صحبت چاہتا ہے' اگر مہمان اس وقت تنہائی پسند کر رہا ہو' تو درویش اسے تنہائی فراہم کر دے اور اگر وہ صحبت پسند کر رہا ہو' تو مہمان کے ساتھ محبت اور اخلاق سے پیش آئے' یہاں تک کہ جب مہمان رات کے وقت بستر پر آرام کرنے کے لیے لیٹنے لگے تو درویش کو چاہیے' اس مہمان کے پاؤں دبائے' اگر مہمان ایسا نہ کرنے دے اور یہ کہے' اسے پاؤں دبوانے کی عادت نہیں ہے' تو پھر درویش کو اس پر اصرار بھی نہیں کرنا چاہیے تاکہ مہمان کے لیے افسوس کا باعث نہ ہو۔

اسی طرح مہمان کو اگلے دن صبح حمام لے کر جائے تاکہ مہمان غسل کر کے صاف ستھرا ہو جائے' درویش کو چاہیے' مہمان کی صفائی کی ضروریات کا خیال رکھے اور اس کی خدمت کے لیے کسی دوسرے کو مقرر نہ کرے۔

درویش کے لیے یہ بات ضروری ہے' وہ حسن عقیدت کے ساتھ مہمان کی خدمت کرے' اور اس کی صفائی اور ستھرائی کے لیے پوری کوشش کرے یہاں تک کہ اس کی کمر کو خود ملے' ہاتھ پاؤں کی مالش کرے۔

مہمان نوازی کے ان آداب میں یہ بات بھی شامل ہوگی کہ اگر مقیم کی استطاعت ہو تو وہ مہمان کو نیا لباس فراہم کرے لیکن اگر وہ ایسا نہ کرسکتا ہو تو اس بارے میں تکلف کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے بلکہ مہمان کے لباس کو دھلوا دے تاکہ جب مہمان نہا دھو کر آئے تو صاف لباس پہن سکے۔

اس کے بعد اگر اس شہر میں کوئی بزرگ یا عالم یا مذہبی پیشوا موجود ہوں تو مہمان کو ان کے بارے میں بتائے اور اسے یہ دعوت دے کہ ہم اکٹھے چل کر ان کی زیارت کرتے ہیں اگر مہمان ملاقات پر آمادہ ہو تو خود اس کے ساتھ جائے لیکن اگر وہ آمادہ نہ ہو تو مہمان کو جانے کے لیے اصرار بھی نہ کرے کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے حق کا طلبگار کوئی شخص اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے (اور کسی سے ملنا نہیں چاہتا)۔

ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کا تجربہ

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ لوگوں نے کہا آپ اپنے سفر کے عجائبات میں سے کوئی عجیب وغریب بات بیان کریں تو حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: میرے نزدیک اس میں سب سے عجیب بات یہ ہے حضرت خضر علیہ السلام میرے ساتھ رہنا چاہتے تھے لیکن میں اس کے لیے تیار نہیں ہوا اور میرے دل نے یہ بات پسند نہیں کی کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قدر و منزلت کروں اور کسی دوسرے کے ادب و احترام میں مشغول رہوں۔

مقیم درویش کے لیے یہ بات درست نہیں ہے مسافر (یعنی مہمان درویش) کو اہل دنیا کو سلام کروانے کے لیے لے جائے یا کسی کی بیمار پرسی کے لیے لے جائے جو مقیم شخص مسافر کے حوالے سے یہ لالچ رکھتا ہو کہ اس مسافر کو اپنی گداگری کا ذریعہ بنائے اور اسے ساتھ لے کر گھر گھر جائے اور مہمان کے جسم پر گدائی کی ذلت ڈال کر اس کے ذہن کو اذیت پہنچائے تو ایسا کرنے کے مقابلے میں یہ کہیں بہتر ہے وہ اس مسافر کی کوئی خدمت نہ کرے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) مجھے سفر کے دوران سب سے زیادہ ناگوار اور تکلیف دہ یہی بات لگتی تھی کہ جاہل خدمتگار اور بے خوف مقیم لوگ مجھے اپنے ساتھ لیے پھرتے تھے کبھی ایک امیر کے گھر جا رہے ہیں کبھی دوسرے صاحب کے گھر جا رہے ہیں میں دلی طور پر اسے پسند نہیں کرتا تھا لیکن ان کے ساتھ چلا جایا کرتا تھا اور بظاہر یہ سب کچھ برداشت کر لیتا تھا وہ مقیم لوگ میرے ساتھ جو زیادتی کرتے تھے میں اس کے حوالے سے دل میں یہ عہد کرتا تھا اگر کسی وقت میں مقیم ہونے کی حالت میں ہوا تو مسافر کے ساتھ کبھی بھی ایسا کوئی طرزِ عمل اختیار نہیں کروں گا ویسے بھی کسی بے ادب شخص کے ساتھ رہنے سے یہی فائدہ ہوتا ہے آدمی کو ان کی جو بات بُری لگتی ہے اسے برداشت کرے اور خود اس حرکت کے ارتکاب سے پرہیز کرے۔

اگر کوئی درویش مسافر چند دن قیام کرنا چاہے اور کسی دنیاوی فائدے کے حصول کا اظہار کرے تو وہ مقیم درویش اس کی ضرورت کو مقدم رکھے بالفرض اگر مسافر درویش لالچی ہے اور بے ہمت ہے تو میزبان درویش کو بے ہمتی کا مظاہرہ نہیں کرنا

چاہیے' بلکہ ممکنہ طور پر اس کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرنی چاہیے' اس کی وجہ یہ ہے' جو لوگ دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں' ان کا یہ طرزِ عمل نہیں ہوتا کہ جب انہیں کوئی ضرورت پیش آ جائے' تو بازار میں آ کر اپنی ضرورت ظاہر کرنے لگیں یا کسی امیر کے دروازے پر پہنچ جائیں اور ان سے مدد مانگنا شروع کر دیں' جو لوگ دنیا سے کنارہ کش ہو چکے ہوں' ان کا دنیاداروں سے کیا واسطہ؟

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی مہمان نوازی

مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے' ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ اپنے مریدین کو ریاضت و مجاہدے کی تعلیم دے رہے تھے' اسی دوران ایک مسافر وہاں آ گیا تو آپ اس کی مہمان نوازی میں مصروف ہو گئے' آپ نے کھانا لا کر اس مسافر کے سامنے رکھا' مسافر نے یہ کہہ دیا' مجھے (کھانے میں) فلاں چیز کی بھی ضرورت ہے' تو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا: پھر تو تمہیں بازار جانا چاہیے تم مجھے بازاری شخص محسوس ہوتے ہو' مسجد اور خانقاہ میں رہنے والے شخص محسوس نہیں ہوتے۔

شیخ ابن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کی مہمان نوازی

ایک مرتبہ میں دو درویشوں کے ہمراہ دمشق میں حضرت شیخ ابن العلاء کی زیارت کے لیے گیا' وہ ''رملہ'' میں مقیم تھے' ہم نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہم دل میں ایک بات سوچ لیتے ہیں' تا کہ وہ بزرگ اس بات سے واقف ہو کر ہمیں ہمارے باطن کے بارے میں بتا سکیں اور اس طرح ہماری وہ مشکل بھی حل ہو جائے جس کے بارے میں ہم نے سوچ رکھا ہے۔

میں نے ذہن میں یہ سوچا کہ میں ان سے شیخ حسین بن منصور کی مناجات کے اشعار کی تشریح کرواؤں گا' دوسرے درویش نے سوچ لیا کہ میری تلی بڑھی ہوئی ہے میں اس کے ٹھیک ہونے کے لیے دعا کرواؤں گا' تیسرے درویش نے ذہن میں یہ سوچا کہ میں صابونی حلوے کی درخواست کروں گا' یہ بات ذہن میں رکھ کر جب ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے' تو انہوں نے حسین بن منصور کے اشعار کی وضاحت پہلے تیار کروا کر رکھی ہوئی تھی' وہ تحریر انہوں نے میرے سامنے رکھ دی' پھر انہوں نے دوسرے درویش کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو تلی کے بڑھ جانے کی وجہ سے ہونے والی تکلیف ختم ہو گئی اور پھر انہوں نے تیسرے درویش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تم صابونی حلوہ کھانا چاہتے ہو' جو عوام کی غذا ہے' حالانکہ تم نے بظاہر اولیاء کا لباس پہن رکھا ہے'' جبکہ اولیاء کا لباس عوام کی خواہشات سے مطابقت نہیں رکھتا' اس لیے تم دونوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کر لو۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مقصد یہ ہے' مقیم درویش پر ایسے مسافر درویش کی مہمان نوازی لازم نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کا خیال نہ کرتا ہو اور جس نے نفسانی خواہشات کو چھوڑ نہ دیا ہو کیونکہ جو شخص جب تک لذت پر قائم رہتا ہے' یہ بات ممکن نہیں ہے' کوئی دوسرا شخص اس کی ان لذتوں کو پورا کرنے میں اس کا ساتھ دے جب آدمی اپنی لذت کو چھوڑ دیتا

ہے۔ اس وقت وہ اس لائق ہو جاتا ہے' دوسرا شخص اس کی لذت کو برقرار رکھے تاکہ وہ دونوں اپنی اپنی حالت میں راہ پر گامزن رہیں' وہ راہزن نہ بنیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

روایات میں یہ بات منقول ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تھا' یہ دونوں حضرات اصحابِ صفّہ کے سرکردہ افراد میں سے ہیں اور باطنی اسرار کے پیشواء ہیں۔

ایک دن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ان سے ملنے کے لیے گئے تو حضرت ابوذر غفاری کی اہلیہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے یہ شکایت کی کہ آپ کے بھائی ابوذر دن کے وقت کچھ کھاتے نہیں ہیں (یعنی روزہ رکھتے ہیں) اور رات کے وقت سوتے نہیں ہیں (یعنی رات بھر نفل پڑھتے رہتے ہیں) تو حضرت سلمان نے فرمایا: آپ کچھ کھانے کے لیے لے کر آئیں' جب کھانا لایا گیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے کہا: اے میرے بھائی! آپ کو میرا ساتھ دینا چاہیے اور میرے ساتھ کھانا' کھانا چاہیے کیونکہ آپ نے فرض روزہ نہیں رکھا ہوا (میرے ساتھ کھانے کے لیے آپ اسے توڑ بھی سکتے ہیں) تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی فرمائش پر ان کے ساتھ کھانا کھالیا (اور نفلی روزہ توڑ دیا)۔

جب رات ہوئی (اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نفل پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے) تو حضرت سلمان فارسی نے ان سے کہا: اے میرے بھائی! آپ کو سونے میں میرا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ

"اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ وَّاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ وَّاِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقٌّ"

"آپ کے جسم کا بھی آپ پر حق ہے' آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے' اور آپ کے پروردگار کا بھی آپ پر حق ہے (تو آپ کچھ دیر سو کر اپنے جسم کو آرام دیں اور پھر اُٹھ کر اپنے پروردگار کی عبادت کریں)"۔

اگلے دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور یہ سارا واقعہ سنایا) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میں (اس جگہ ہوتا) تو میں بھی تم سے وہی کہتا جو سلمان نے تم سے کہا تھا (یعنی تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے' تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے' اور تمہارے پروردگار کا بھی تم پر حق ہے)۔

اب یہاں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے لذت کو ترک کرنے پر اقامت اختیار کی تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے انہیں لذت اختیار کرنے پر قائم کیا' تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی خاطر اپنے حق سے درگزر کیا۔

اس اصول اور قاعدے کی بنیاد پر آپ جو بھی کریں گے' وہ صحیح اور مستحکم ہوگا۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بزرگ کی نصیحت

ایک مرتبہ میں عراق میں تھا' میں مال و دولت حاصل کرتا تھا اور اسے خرچ کر دیا کرتا تھا جس کی وجہ سے مجھ پر قرض

بہت زیادہ ہو گیا‘ جس شخص کو جو بھی ضرورت پیش آتی وہ میرے پاس (ادھار مانگنے کے لیے) آ جاتا‘ میں خود کو تکلیف میں مبتلا کر کے اس شخص کی ضرورت پوری کر دیتا تو ایک بزرگ نے مجھے خط میں لکھا:

''اے میرے بیٹے! تم اس چیز کا خیال رکھنا کہ کہیں اس وجہ سے تمہارا دل خدا سے غافل نہ ہو جائے تم اپنے دل کو (اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے) فارغ رکھو تم ایسے مشغلے میں پھنس گئے ہو (جو تمہیں غفلت کا شکار کر سکتا ہے) اگر تمہیں کوئی ایسا شخص نظر آئے جس کا دل تمہیں اپنے سے زیادہ عزیز محسوس ہو (یعنی جو زیادہ نیک ہو) تو تم اس کے دل کی فراغت کے لیے خود کو مشغول کر سکتے ہو (یعنی خود پریشانی کا شکار ہو کر اس کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کر سکتے ہو) ورنہ اس کام کو ترک کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کفالت کے لیے کافی ہے''۔

تو اسی وقت میں نے اس طرزِ عمل سے لاتعلقی اختیار کر لی۔

اقامت اختیار کرنے والے درویش کے لیے یہ کچھ احکام تھے‘ جو مسافروں کے حقوق سے تعلق رکھتے تھے‘ جنہیں ہم نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

بتیسواں باب

مسافر ہونے کے آداب

جب کوئی درویش اقامت کو ترک کر کے سفر اختیار کر لیتا ہے' تو اس کے آداب میں سب سے پہلا حکم یہ ہے' انسان کا سفر اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا چاہیے' اپنے نفس کی پیروی کے لیے نہیں ہونا چاہیے' دوسرا ادب یہ ہے' جس طرح انسان ظاہری طور پر سفر اختیار کر رہا ہے' اسی طرح باطن میں بھی سفر اختیار کرے یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو ترک کر دے' (سفر کے دوران) آدمی ہمیشہ باوضو رہے اپنے معمول کے اوراد و وظائف کو ترک نہ کرے' ہونا تو یہ چاہیے' آدمی کا سفر حج ادا کرنے کے لیے ہو' یا کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے ہو' یا کسی جگہ کی زیارت کرنے کے لیے ہو' یا کسی دینی فائدے کے حصول یا علمِ دین کی طلب یا کسی بزرگ کی ملاقات' یا کسی بزرگ کے مزار کی زیارت کے لیے ہو' ان کے علاوہ اگر کسی اور مقصد کے لیے سفر کیا جائے گا' تو وہ (روحانی) سفر شمار نہیں ہوگا۔

سفر کے دوران آدمی کو اپنے ساتھ ایک گدڑی' جائے نماز' لوٹا' جوتے اور عصا ساتھ رکھنا چاہیے' اس کی وجہ یہ ہے' گدڑی کے ذریعے آدمی اپنے ستر کو پردے میں رکھے گا' جائے نماز پر نماز ادا کرے گا' لوٹے کے ذریعے وضو کر لیا کرے گا' اور عصاء کے ذریعے نقصان پہنچانے والی چیزوں کو اپنے سے دور رکھے گا' عصاء کے اور بھی بہت سے فائدے ہیں' آدمی وضو کے بعد جوتا پہن کر جائے نماز تک آ سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص سنت کی پیروی کرنا چاہتا ہو' تو وہ مزید کچھ چیزیں بھی اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے جن میں (کنگھی کرنے کے لیے) کنگھی' ناخن تراش' سرمہ دانی وغیرہ شامل ہیں۔

اگر وہ ان چیزوں کے علاوہ آرائش و زیبائش کا کوئی اور سامان ساتھ رکھنا چاہتا ہے' تو اب اسے اس بات کا جائزہ لینا چاہیے' اس کی کیفیت اور حالت کیا ہے؟ اگر وہ ارادت کی منزل میں ہے' تو اس کے لیے ان مسنون چیزوں کے علاوہ اضافی آرائش و زیبائش کا سامان' قید' راہ کی بندش اور حجاب لازم کرنے کا باعث بن جائے گا' جس کے نتیجے میں اس کا نفس اپنی رعونت کو ظاہر کرے گا' لیکن اگر وہ شخص استقامت اور تمکین کے مقام پر فائز ہے' تو اس کے لیے صرف یہ آرائش و زیبائش کا اضافی سامان ہی نہیں' بلکہ کوئی بھی دوسری چیز ساتھ رکھنا بھی درست ہوگا۔

شیخ ابومسلم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

میں نے شیخ ابومسلم فارس بن غالب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے' وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کی زیارت کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ ایک بڑے سے تخت پر لیٹے ہوئے تھے' ان کا پاؤں دوسرے پاؤں پر تھا' انہوں نے ایک قیمتی مصری چادر اوڑھی ہوئی تھی' جبکہ میں اس وقت ایک ایسا لباس پہنے ہوئے تھا جو میلا ہو کر چمڑے کی طرح سخت ہو چکا تھا' میرا جسم تھکن سے چور تھا اور چہرے کا رنگ مجاہدے کی وجہ سے زرد ہو چکا تھا' جب میں نے انہیں دیکھا' تو میرے ذہن میں یہ خیال آیا: کیا یہ واقعی درویش ہیں' جو اتنے ٹھاٹ باٹھ کے ساتھ رہ رہے ہیں' جبکہ ایک میں بھی درویش ہوں جو بظاہر بُرے حالات کا شکار ہوں' جبکہ یہ اتنے آرام میں ہیں' اور میں محنت اور مشقت میں مبتلا ہوں۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر میرے اس خیال سے باخبر ہو گئے' انہوں نے میری اس حالت کو ملاحظہ کیا اور فرمایا: اے ابومسلم! تم نے یہ کہاں پڑھا ہے؟ خود کو درویش سمجھنے والا درویش ہوتا ہے' جب میں نے ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کیا تو اس ذات نے مجھے اس تخت پر بٹھایا ہے' جبکہ تم صرف اپنے آپ کی طرف ہی دیکھ رہے ہو اور ابھی تک اسی حالت میں ہو' اسی لیے اس ذات نے تمہیں اس مجاہدے کے اندر مبتلا کیا ہے' میرے نصیب میں مشاہدہ ہے' اور تمہارے نصیب میں مجاہدہ ہے' اور یہ دونوں راستے کے مقامات ہیں' جبکہ اللہ کی ذات ان دونوں سے پاک ہے' درویش وہ شخص ہوتا ہے' جس کا مقام فناء ہو جائے' اور وہ احوال سے گزر جائے۔ شیخ ابومسلم فرماتے ہیں: یہ سن کر میرے ہوش اُڑ گئے' اور میرے سامنے دنیا تاریک ہو گئی' جب مجھے ہوش آیا تو میں نے ان سے معذرت چاہی' انہوں نے مجھے معاف کر دیا' اس کے بعد میں نے ان سے یہ گزارش کی کہ شیخ آپ مجھے واپس جانے کی اجازت دیں کیونکہ اب میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتا' تو انہوں نے فرمایا: اے ابومسلم! تم نے ٹھیک کہا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے میری حالت کے حسبِ حال یہ شعر پڑھا:

آن چہ گوشتم نتوانست شنیدن بہ خبر　　　همہ چشم بہ عیان یک سرہ دیدآں بہ بصر

''جس خبر کو میرے کان نہیں سن سکتے تھے' اسے میری آنکھوں نے واضح طور پر کھلم کھلا دیکھ لیا ہے''۔

مسافر شخص پر یہ بات لازم ہے' وہ ہمیشہ سنت پر عمل کرتا رہے' جب وہ کسی مقیم شخص کے پاس پہنچے تو احترام کے ساتھ اس کے پاس جائے' اسے سلام کرے' پھر بایاں پاؤں پہلے جوتے سے نکالے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے اور جوتا پہنتے وقت پہلے دایاں پاؤں پہننا چاہیے اور پھر بایاں پاؤں پہننا چاہیے' پھر درویش کو چاہیے' پہلے دایاں پاؤں دھوئے پھر بایاں پاؤں دھوئے' پھر دو رکعت نفل ادا کرے' اور اس کے بعد درویش کے حقوق پورے کرنے میں مشغول ہو جائے' پھر اس کو چاہیے' وہ کسی بھی حالت میں مقیم شخص پر اعتراض نہ کرے' کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے خواہ اس کا تعلق معاملات سے ہو یا اس کا تعلق گفتگو سے ہو' اسی طرح سفر کے دوران درویش کو جن سختیوں کا سامنا کرنا پڑا' انہیں بیان نہ کرے' اپنے علم کو جتانے کی

کوشش نہ کرے‘ لوگوں کے سامنے حکایات اور روایات بیان نہ کرے‘ اس کی وجہ یہ ہے‘ یہ تمام چیزیں تکبر کے اظہار کا باعث بنتی ہیں‘ اسی طرح درویش کو چاہیے‘ وہ جاہل لوگوں کی باتوں کو برداشت کرے‘ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی خاطر ان کی زیادتی پر صبر کرے کیونکہ اس کے نتیجے میں بڑی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

اگر کوئی مقیم (میزبان) یا اس کا خادم اسے کوئی ہدایت کرے یا کسی کو سلام کروانے کے لیے یا کسی کی زیارت کرنے کے لیے ساتھ جانے کے لیے کہے‘ تو جہاں تک ممکن ہو‘ مسافر کو چاہیے‘ انکار نہ کرے‘ لیکن اس کا مقصد (اللہ کی رضا کا حصول ہونا چاہیے) دنیاداری کی ضرورت کا خیال نہیں ہونا چاہیے۔

ساتھیوں سے حسنِ سلوک

اپنے ساتھیوں کے بظاہر ناپسندیدہ افعال کی ممکنہ حد تک تاویل کرے‘ اور انہیں معذور سمجھے‘ اسی طرح کسی حاجت کے پورا نہ ہونے پر اپنے دل میں اس کا رنج نہ آنے دے‘ اسی طرح اپنے میزبان کو لے کر کسی امیر آدمی کے دروازے پر نہ جائے‘ مسافر اور مقیم ہر حاجت اور اپنی تمام حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا خواہش مند رہے اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن عقیدت رکھے‘ سب کو برابر سمجھے‘ کسی کی غیبت نہ کرے‘ اس کی وجہ یہ ہے‘ طالبانِ حق کے لیے فضول بات کرنا بہت بُرا ہے‘ اور غیبت کرنا تو انتہائی بدنصیبی ہے‘ اس کی وجہ یہ ہے‘ اہل تحقیق ہر فعل میں فاعل حقیقی کو دیکھتے ہیں: بعد میں مخلوق کو بُرا کہے گا‘ تو اس کے نتیجے میں غیبت کی برائی کرنا لازم آئے گا کیونکہ اگر کوئی بندہ عیب دار ہے یا بے عیبی کی حالت میں ہے‘ یا مشاہدے کے بغیر ہے‘ تو اس کے فعل پر اعتراض کرنا دراصل فاعل پر اعتراض کرنا ہوگا‘ آدمی جب لوگوں کو دیکھے تو یہ بات جان لے کہ ساری مخلوق خدا سے حجاب میں ہے‘ مغلوب اور عاجز ہے کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتا‘ آدمی جو بھی کچھ کرتا ہے‘ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہے کوئی بھی مخلوق اس کی ملکیت میں تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتی ہے‘ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی بھی‘ مخلوق میں کسی تبدیلی کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔

تینتیسواں باب

کھانے پینے کے آداب

یہ بات ذہن نشین کرلیں! کھائے پیے بغیر انسان کا گزارا نہیں ہے' کیونکہ کھانے پینے کے بغیر طبیعت کی ترکیب کو برقرار رکھنا ممکن نہیں ہے' لیکن اس کے لیے بنیادی شرط یہ ہے' اس معاملے میں حد سے زیادہ مبالغہ نہ کیا جائے' اور اپنے آپ کو کھانے پینے میں ہی مشغول نہ کرلیا جائے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ هِمَّتُهٗ مَايَدْخُلُ فِيْ جَوْفِهٖ كَانَ قِيْمَتُهٗ مَايَخْرُجُ مِنْهُ.

''جو شخص ہر وقت اسی فکر میں رہے گا کہ پیٹ میں کیا داخل کرے؟ اس شخص کی حیثیت وہی ہوگی جو اس میں سے خارج ہوتا ہے''۔

یہی وجہ ہے' طریقت کے راستے پر چلنے والوں کے لیے زیادہ کھانے سے بڑھ کر نقصان دہ چیز اور کوئی نہیں' جس کی وضاحت ہم بھوک سے متعلق باب میں کرچکے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا: آپ بھوک کی اتنی زیادہ تعریف کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: اگر فرعون بھوکا رہتا تو وہ یہ دعویٰ نہ کرتا: ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی'' ''میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں''۔ اگر قارون بھوکا رہتا تو وہ سرکشی پر آمادہ نہ ہوتا' لومڑی چونکہ بھوکی رہتی ہے' اس لیے ہر کوئی اس کی تعریف کرتا ہے' جب انسان کا پیٹ بھر جاتا ہے' تو اس میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

ذَرْهُمْ يَاكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ. (الحجر:۳)

''انہیں چھوڑ دو یہ کھاتے پیتے رہیں اور عیش کرتے رہیں' ان کی امید انہیں غفلت میں مبتلا رکھے اور عنقریب (وہ اپنا انجام) جان لیں گے''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاكُلُوْنَ كَمَا تَاكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ. (سورہ محمد:۱۲)

''وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' جو فائدے اٹھاتے رہے' کھاتے پیتے رہے' بالکل اسی طرح جیسے جانور کھاتے ہیں'

ان کا ٹھکانا جہنم ہے''۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''میرے نزدیک پیٹ بھر کر حلال غذا کھانے سے زیادہ بہتر یہ ہے' آدمی پیٹ بھر کر شراب پی لے''۔

لوگوں نے ان سے دریافت کیا: اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: جب آدمی کا پیٹ شراب سے بھر جاتا ہے' تو وہ عقل کو سلب کر لیتا ہے' اور شہوت کی آگ کو بجھا دیتا ہے' اور آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے' اور ایسی حالت میں دوسرے لوگ انسان کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہتے ہیں' لیکن جب پیٹ کو حلال غذا سے پُر کیا جاتا ہے' تو اس میں بے ہودہ تمنائیں' شہوت اور نفس اپنے حصے کے حصول کے لیے سر اُٹھا لیتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے بارے میں مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے:

اَكْلُهُمْ كَاَكْلِ الْمَرْضٰى وَنَوْمُهُمْ كَنَوْمِ الْغَرْقٰى وَكَلَامُهُمْ كَكَلَامِ الثُّكْلٰى .

''ان کا کھانا بیمار لوگوں کے کھانے کی طرح ہوتا ہے' ان کا سونا گہری نیند سونے والوں کی طرح ہوتا ہے' اور ان کی گفتگو ان عورتوں کی طرح ہوتی ہے جن کے بچے فوت ہو چکے ہوں''۔

غذا کے آداب

غذا کے آداب اور شرائط میں یہ بات شامل ہے' انسان اکیلا نہ کھائے' جو چیز بھی کھانے لگا ہو اس میں دوسرے کو شریک کر لے' اس کی وجہ یہ ہے' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

شَرُّ النَّاسِ مَنْ اَكَلَ وَحْدَهٗ وَضَرَبَ عَبْدَهٗ وَمَنَعَ وَفْدَهٗ

''وہ شخص سب سے بُرا ہوتا ہے' جو اکیلا کھاتا ہے' اپنے غلام کو مارتا ہے' اور عطیہ دینے سے باز رہتا ہے''۔

آدمی جب دستر خوان پر بیٹھے تو اسے خاموش نظر آنا چاہیے پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھانا شروع کرے' اور کھانے کی چیز کو اوپر نیچے اور اُلٹ پلٹ نہ کرے جو ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں کو ناگوار گزرے اور آدمی پہلے نمکین چیز کھانے کے لیے اُٹھائے اور کھانے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ انصاف برقرار رکھے۔

سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ سے لوگوں نے اس آیت کا معنی دریافت کیا:

''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ'' (النحل:۹۰) ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے''۔

تو حضرت سہل رحمہ اللہ نے جواب دیا: عدل کا مطلب یہ ہے' انسان کھانے میں اپنے ساتھی کے ساتھ انصاف کرے' اور احسان یہ ہے' کھانے کے حوالے سے اپنے ساتھی کو خود سے بہتر سمجھے۔

میرے مرشد (شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: میں اس دعویدار پر بہت حیران ہوتا ہوں جو یہ کہتا ہے' میں دنیا

ترک کر چکا ہوں حالانکہ اس کی حالت یہ ہوتی ہے وہ ہر وقت کھانے کی فکر میں ہوتا ہے۔

یہ بات ضروری ہے آدمی دائیں ہاتھ سے لقمہ لے اور اپنے لقمے کے علاوہ اور کسی کی طرف نہ دیکھے کھانے کے دوران پانی کم پیئے اور اس وقت پیئے جب پیاس محسوس ہو اور اتنا پی لے جس سے جگر تر ہو جائے آدمی بڑا لقمہ نہ لے اور لقمے کو چبا کر کھائے کھاتے ہوئے تیزی سے نہ کھائے کیونکہ اس کے نتیجے میں بدہضمی پیدا ہو جاتی ہے اور ویسے بھی یہ طرزِ سنت کے خلاف ہے۔

جب آدمی کھا کر فارغ ہو جائے تو اسے چاہیے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے اور پھر ہاتھ دھولے۔

اگر کچھ لوگوں کے ساتھ دو یا تین آدمی چھپ کر کسی دعوت میں شریک ہو جائیں اور اس دعوت میں سے کچھ کھالیں تو بعض مشائخ کے نزدیک ان کا یہ کھانا حرام ہوگا اور یہ صحبت کے حقوق میں خیانت ہوگی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ'' (البقرہ:۱۷۴) ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹ میں صرف آگ بھرتے ہیں''۔

بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے اگر میزبان کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا تو ایسا کرنا جائز ہے۔

بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے اگر کوئی ایک شخص ایسا ہو (جو دعوت میں مدعو نہ ہو) تو ایسا کرنا جائز ہوگا کیونکہ اس کے لیے انصاف شرط نہیں ہے۔

انصاف صرف اس وقت ہوتا ہے جب دوسرے لوگ بھی ساتھ ہوں جب آدمی اکیلا ہوگا تو صحبت کی شرط قائم نہیں رہے گی اور اس کے بدلے میں آدمی گرفت میں نہیں آئے گا۔

اس بارے میں سب سے زیادہ ضروری قاعدہ یہ ہے انسان کسی درویش کی دعوت کو مسترد نہ کرے اور کسی دنیادار شخص کی دعوت کو قبول نہ کرے نہ تو کسی دنیادار کے گھر جائے اور نہ ہی ان سے کوئی چیز مانگے کیونکہ یہ بت اہل طریقت کے لیے کمزوری کا باعث ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے دنیا کسی بھی درویش کے لیے محرم نہیں ہے ویسے بھی انسان سامان زیادہ ہونے کی وجہ سے دنیادار نہیں ہوتا یا سامان کم ہونے کی وجہ سے درویش نہیں ہوتا جو شخص فقیر کو خوشحالی سے افضل سمجھتا ہو وہ دنیادار نہیں ہوگا خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو اور جو شخص فقیر کی فضیلت کا قائل نہ ہو وہ دنیادار ہوگا خواہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

جب آدمی دعوت میں جائے تو کسی چیز کے کھانے یا نہ کھانے کے حوالے سے تکلف سے کام نہ لے بلکہ وقت کے تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے جو بھی ملے کھالے اگر دعوت دینے والا شخص قریبی عزیز ہو تو پھر یہ بات جائز ہے دعوت کا بچا ہوا کھانا وہ اپنے ساتھ گھر لے جائے لیکن اگر وہ کوئی اجنبی شخص ہو تو پھر بچا ہوا کھانا گھر اپنے ساتھ لے کر جانا درست نہیں ہے ویسے بچا ہوا کھانا کسی بھی حالت میں مناسب نہیں ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اَلزَّلَّةُ هِيَ الذِّلَّةُ'' ''بچا ہوا کھانا بچانا کمینگی ہے''۔

چونتیسواں باب

چلنے پھرنے کے آداب

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا" (الفرقان:۶۳)

"رحمٰن کے بندے وہ ہیں' جو زمین پر عجز وانکساری کے ساتھ چلتے ہیں"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) طالبانِ حق کو یہ چاہیے' وہ چلتے ہوئے اس بات کا خیال رکھیں' وہ اپنا قدم کس لیے زمین پر رکھ رہے ہیں' اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے؟ اگر وہ نفسانی خواہش کی تکمیل کے لیے اپنا قدم اٹھا رہا ہو' تو اسے استغفار پڑھنا چاہیے اور اگر اس کا قدم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے ہو' تو پھر اس میں بھرپور کوشش کرنی چاہیے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی مزید خوشنودی حاصل ہو جائے۔

ایک مرتبہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی دوا استعمال کی' لوگوں نے ان سے گزارش: کہ آپ کچھ دیر کے لیے صحن میں جا کر بیٹھ جائیں' اس سے دوا کا اثر زیادہ بہتر طور پر ہوگا' انہوں نے فرمایا: مجھے اس بات سے شرم آتی ہے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ سوال نہ کرے' تم نے اتنے قدم اپنے نفس کی خواہش کی تکمیل کے لیے کیوں اُٹھائے تھے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" (یٰسین:۶۵)

"(قیامت کے دن) پاؤں یہ گواہی دیں گے' جو انہوں نے کیا تھا"۔

درویش کے لیے یہ بات لازم ہے' وہ بیداری کی حالت میں' مراقبے کی حالت میں سر نیچے کی طرف کر کے چلے اور صرف سامنے کی طرف دیکھے کسی اور طرف نظر نہ کرے' اگر کوئی شخص اس کے پاس سے گزرتا ہے' تو وہ اپنا کپڑا بچانے کے لیے خود کو ایک طرف نہ کرے' یعنی یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرے' وہ خود بڑا پاک صاف اور نیک آدمی ہے' کیونکہ اس طرز میں غرور اور خودنمائی پائی جاتی ہے' البتہ پاس سے گزرنے والا شخص اگر کوئی کافر ہو یا اس کے جسم پر کوئی غلاظت لگی ہوئی ہو' تو اپنے آپ کو بچانا ضروری ہوگا۔

جب آدمی کچھ لوگوں کے ساتھ چل رہا ہو‘ تو اس وقت ان سے آگے چلنے کی کوشش نہ کرے‘ کیونکہ یہ بھی تکبر کی علامت ہے‘ اسی طرح بالکل پیچھے بھی نہ چلے اور کسی معاملے میں حد سے زیادہ انکساری کا مظاہرہ نہ کرے‘ کیونکہ یہ بھی تکبر کی علامت ہوتا ہے۔

آدمی کے لیے جہاں تک ممکن ہو سکے‘ اپنے جوتوں کو ناپاکی سے محفوظ رکھے‘ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت کی وجہ سے اس کے لباس کو رات کے وقت محفوظ رکھے۔

اگر کچھ لوگ یا کوئی درویش اس کے ساتھ ہو‘ تو اس وقت راستے میں کسی دوسرے شخص کے ساتھ بات کرنے کے لیے کھڑا نہ ہو اور اس دوسرے شخص کو انتظار نہ کروائے‘ چلتے ہوئے آہستگی سے چلے تیز رفتاری سے نہ چلے‘ بلکہ رفتار میں میانہ روی کو اختیار کرے‘ نہ زیادہ آہستہ چلے اور نہ زیادہ تیز رفتار میں چلے کیونکہ آہستہ چلنا تکبر کی علامت ہے‘ چلتے ہوئے قدم پوری طرح جما کر رکھنا چاہیے‘ مختصر یہ کہ طالبِ حق کی رفتار ایسی ہونی چاہیے‘ اگر کوئی اس سے دریافت کرے‘ تم کہاں جا رہے ہو؟ تو وہ پورے اطمینان کے ساتھ یہ جواب دے سکے:

"اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنَ" (صافات:۹۹)

"میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہوں‘ اور وہ میری رہنمائی کر دے گا"۔

اگر انسان کا چلنا پھرنا ایسا نہ ہو‘ تو یہ اس کے لیے وبال کا باعث ہوگا‘ کیونکہ پاؤں کا درست چلنا خطرے سے محفوظ رہنے کی علامت ہے‘ جو شخص اسے درست کرنے کی فکر کرتا ہے‘ اللہ تعالیٰ اس کے پاؤں کو اس کے اندیشے کا پیروکار بنا دیتا ہے۔

حضرت بایزید رحمہ اللہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: درویش کا کسی مراقبے کے بغیر چلنا اس کے غافل ہونے کی علامت ہے‘ کیونکہ وہ جس مقام پر ہوتا ہے‘ دو قدموں سے اس کا پتہ چل جاتا ہے‘ ایک وہ اپنے حصے پر قدم رکھتا ہے‘ اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق رکھتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے‘ وہ ایک مقام سے قدم اٹھاتا ہے‘ اور دوسرے مقام پر اپنا پاؤں رکھ دیتا ہے‘ گویا طالبِ حق کی رفتار مسافت کو طے کرنے کی علامت ہوتی ہے اور حق کا قرب مسافت پر مشتمل نہیں ہے‘ تو جب اس کا قرب مسافت پر مشتمل نہیں ہے‘ تو طالبِ حق شخص کو سکون کے محل میں‘ پاؤں کے ذریعے مسافت طے کیے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

پینتیسواں باب

سفر و حضر میں سونے کے آداب

یہ بات جان لیں! اس بارے میں مشائخ طریقت کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے' تاہم اس بات پر تمام مشائخ کا اتفاق ہے' نیند کے غلبے کے بغیر آدمی کو سونا نہیں چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"اَلنَّوْمُ اُخْتُ الْمَوْتِ" "نیند' موت کی بہن ہے"۔

کیونکہ زندگی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے' اور موت ایک مصیبت ہے' اس لیے مصیبت کے مقابلے میں نعمت اچھی چیز ہوگی۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

اَطَّلِعُ الْحَقَّ فَقَالَ عَلَیَّ مَنْ نَّامَ غَفَلَ وَمَنْ غَفَلَ حَجَبَ

"میں نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا' تو اس نے مجھ سے یہ فرمایا: جو شخص سو گیا وہ غافل ہو گیا اور جو شخص غافل ہو گیا وہ محجوب ہو گیا"۔

بعض صوفیاء کے نزدیک یہ بات جائز ہے' مرید اپنے ارادے کے ساتھ سوئے اور زبردستی سونے کی کوشش کرے' لیکن اس سے پہلے یہ ضروری ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر مکمل طور پر عمل کر چکا ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ عَنِ الْقَائِمِ حَتّٰی یَنْتَبِہَ وَ عَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَحْتَلِمَ وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰی یَفِیْقَ*

---

*المستدرك على الصحيحين للحاكم' ومن كتاب الامامة ' اما حديث عبد الرحمن بن مهدى' حديث:891صحيح ابن حبان' كتاب الايمان' باب التكليف' ذكر خبر ثان يصرح بصحة ما ذكرناه' حديث:143صحيح ابن خزيمة' جماع ابواب المواضع التى تجوز الصلاة عليها ' جماع ابواب صلاة الفريضة عند العلة تحدث' باب ذكر الخبر الدال على ان امر الصبيان بالصلاة قبل البلوغ' حديث:946سنن ابى داود' كتاب الحدود' باب في المجنون يسرق او يصيب حدا' حديث:3843سنن الدارمى' ومن كتاب الحدود' باب رفع القلم عن ثلاثة' حديث:2261سنن ابن ماجه' كتاب الطلاق' باب طلاق المعتوه والصغير والنائم' حديث:2037جامع ترمذى' ابواب الجنائز عن رسول الله صلى الله عليه وسلم' ابواب الحدود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم' باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد' حديث:1381سنن سعيد بن منصور' كتاب الطلاق' باب ما جاء فى الايلاء' باب المراة (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

''تین طرح کے لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے: سوئے ہوئے شخص سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے' نابالغ بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے' اور پاگل شخص سے یہاں تک کہ اسے افاقہ ہو جائے''۔

اس کا مطلب یہ ہے' جب تک انسان سویا رہتا ہے' اس کے بیدار ہونے تک اس سے تقدیر کا قلم اٹھا رہتا ہے' اور مخلوق اس شخص کی بُرائی سے محفوظ رہتی ہے' اس شخص کے اختیارات معطل ہو جاتے ہیں' اور اس کا نفس معذور ہو جاتا ہے۔ کراماً کاتبین اس شخص کے نامۂ اعمال میں کچھ نہیں لکھتے اور اس دوران اس شخص کی زبان دعویٰ کرنے سے' جھوٹ بھولنے سے اور غیبت کرنے سے رکی رہتی ہے' اسی طرح وہ غرور سے' ریاکاری سے دور رہتا ہے' یعنی دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں:

''لَا یَمْلِكُ لِنَفْسِهٖ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا مَوْتًا وَلَا حَیَاتًا وَّلَا نُشُوْرًا''

''وہ اپنی ذات کو کوئی بھی نقصان یا کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا' نہ موت کی حالت میں نہ زندگی کی حالت میں' نہ دوبارہ اٹھنے کی حالت میں''۔

شیطان کے لیے تکلیف دہ چیز

یہی وجہ ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

لَا شَیْئَ اَشَدُّ عَلٰی اِبْلِیْسَ مِنْ نَّوْمِ الْعَاصِیْ فَاِذَا نَامَ الْعَاصِیْ یَقُوْلُ مَتٰی یَنْتَبِهَ وَ یَقُوْمَ حَتّٰی یَعْصِی اللّٰهَ

''شیطان کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز گنہگار شخص کا سونا ہوتا ہے' کیونکہ گنہگار شخص جب سو جاتا ہے' تو شیطان یہ کہتا ہے' یہ کب اُٹھے گا' اور اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شروع کرے گا''۔

اس بارے میں حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا شیخ علی بن سہل اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف ہے۔

شیخ علی بن سہل رحمۃ اللہ علیہ کا خط

شیخ علی بن سہل رحمۃ اللہ علیہ نے اسی موضوع پر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط لکھا تھا جو بہترین ہے' اور وہ بہت مقبول ہوا۔

(بقیہ حاشیہ) تلد لستة اشهر' حديث:1933 مصنف ابن ابی شيبة' كتاب الطلاق' ما قالها في الرجل يطلق في المنام ؟' حديث:15674 السنن الكبرى للنسائي' كتاب الطلاق' من لا يقع طلاقه من الازواج' حديث:5462 شرح معاني الآثار للطحاوي' كتاب الصيام' باب صوم يوم عاشوراء' حديث:2105 سنن الدارقطني' كتاب الحدود والديات وغيره' حديث:2862 السنن الكبرى للبيهقي' كتاب الصلاة' جماع ابواب صلاة الامام قاعدا بقيام' باب من تجب عليه الصلاة' حديث:4730 مسند احمد بن حنبل' مسند العشرة المبشرين بالجنة' مسند الخلفاء الراشدين' مسند علي بن ابي طالب رضي الله عنه' حديث:1156 مسند الطيالسي' احاديث علي بن ابي طالب بن عبد المطلب بن هاشم بن' حديث:90 سند اسحاق بن راهويه' بقية احاديث عن مشيخة' حديث:1529 مسند ابي يعلى الموصلي' مسند علي بن ابي طالب رضي الله عنه' حديث:564 شعب الايمان للبيهقي' باب القول فيمن يصح ايمانه' حديث:85

شیخ علی بن سہل نے اس خط میں یہ بات تحریر کی ہے:

''خواب' غفلت اور آرام کا نام ہے' اور مصاحبت رکھنے والے شخص کو غفلت اور آرام سے اجتناب کرنا چاہیے جو شخص اللہ تعالیٰ کا دوست ہوا سے رات دن خواب میں اور آرام کرنے میں بسر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اگر وہ ایسی حالت میں رہے گا' تو اپنی مراد کو حاصل نہیں کر سکے گا' اور وہ خود اپنی ہستی اور اپنی حالت سے غافل ہو جائے گا' اور اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکے گا''۔

یہی وجہ ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی نازل کی تھی:

''يَادَاوُدُ كَذَّابٌ مَنِ ادَّعٰى مَحَبَّتِىْ فَاِذَا جَنَّهُ اللَّيْلُ نَامَ عَنِّىْ''

''اے داؤد! وہ شخص جھوٹ بولتا ہے' جو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے' اور رات کے وقت مجھے چھوڑ کر سو جاتا ہے''۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں یہ خط لکھا تھا:

''یہ بات واضح کرلیں! ہمارا بیدار ہونا حق کے راستے میں ہمارا عمل ہے' جبکہ ہمارا سو جانا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے' جو ہم پر لازم ہوا ہے' تو جو چیز ہمارے اختیار کے بغیر ہم پر لازم ہوتی ہے' وہ اس سے زیادہ کامل ہوگی جسے ہم اپنے اختیار کے تحت سرانجام دیتے ہیں' تو نیند دراصل مصاحبت رکھنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس مسئلے کا تعلق بیدار رہنے اور بے ہوش ہونے سے ہے' جس کے بارے میں ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ اگرچہ ''صحو'' کی کیفیت کے مالک تھے' لیکن یہاں انہوں نے ''سکر'' کی تعریف کی ہے' اور یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے' ہوسکتا ہے' اس وقت ان کی کیفیت مغلوب ہو اور وہ ''حال'' کی زبان میں گفتگو کر رہے ہوں' اور یہ بھی ہوسکتا ہے' صورتِ حال اس کے برعکس ہو' کیونکہ نیند بذاتِ خود بیداری ہوتی ہے' اور بیداری اپنی اصل کے اعتبار سے مدہوشی ہوتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے' نیند انسان کی صفت ہے' اور جب تک آدمی اپنے اوصاف کی تاریکی میں رہتا ہے اسے بیداری کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ورنہ سونا تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے' جب آدمی اللہ تعالیٰ کی صفت کی وجہ سے تاریکی میں ہوتا ہے' تو اسے بے ہوشی سے منسوب کیا جاتا ہے' اور مغلوب قرار دیا جاتا ہے۔

میں نے بعض مشائخ کو دیکھا ہے' وہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی تائید کرتے ہوئے' سونے کو بیداری پر فضیلت دیتے ہیں' اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں: اولیائے عظام کو اور انبیاء کرام علیہم السلام کو کشف اور الہام خواب کی حالت میں ہوتا ہے۔

احادیث نبویہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُبَاہِیْ بِالْعَبْدِ الَّذِیْ نَامَ فِیْ سُجُوْدِہٖ وَیَقُوْلُ اللّٰہُ انْظُرُوْا یَا مَلَائِکَتِیْ اِلٰی عَبْدِیْ رُوْحُہٗ فِیْ مَحَلِّ النَّجْوٰی وَ بَدَنُہٗ عَلٰی بِسَاطِ الْعِبَادَۃِ

''اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے پر فخر کرتا ہے جو سجدے کی حالت میں سوجاتا ہے' اللہ تعالیٰ فرشتوں سے یہ فرماتا ہے: اس بندے کی طرف دیکھو جس کی جان میرے ساتھ سرگوشی میں لگی ہوئی تھی اور اس کا جسم عبادت کے بچھونے پر ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

''مَنْ نَامَ عَلَی الطَّھَارَۃِ یُؤْذَنُ لِرُوْحِہٖ اَنْ یَّطُوْفَ بِالْعَرْشِ وَ یَسْجُدُ اللّٰہِ تَعَالٰی ۔''

''جو شخص باوضو حالت میں سوتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی روح کو یہ اجازت دیتا ہے' وہ عرش کا طواف کرے' اور اس کا سر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو''۔

یہ بات نقل کی گئی ہے' شیخ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال تک مسلسل بیدار رہے تھے' ایک مرتبہ وہ سو گئے تو انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا' اس کے بعد وہ ہمیشہ اسی امید پر سوجایا کرتے تھے' شاید دوبارہ یہ دیدار نصیب ہو جائے۔

قیس عامری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

قیس عامری نے اس مفہوم کو ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے:

وَاِنِّیْ لَا اَسْتَغْشِیْ وَمَالِیْ نَعْسَۃٌ   لَعَلَّ خَیَالاً مِنْکَ یُلْقِیْ خَیَالِیَا

''اگرچہ مجھے نیند نہیں آ رہی ہوتی' لیکن میں اس امید پر سوجاتا ہوں' شاید خواب میں تم سے ملاقات ہو جائے''۔

بعض مشائخ کو میں نے دیکھا ہے' وہ خواب کے مقابلے میں بیدار رہنے کو ترجیح دیتے ہیں' اور ان کا موقف حضرت علی بن سہل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے۔

یہ حضرات یہ دلیل پیش کرتے ہیں: انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف جو چیز وحی کی جاتی تھی اور اولیاء کرام سے جو چیز کرامت کے طور پر صادر ہوتی ہے وہ بیداری کی حالت میں ہوتی ہے۔

ایک بزرگ نے یہ بات بیان کی ہے:

''لَوْ کَانَ فِی النَّوْمِ خَیْرًا لَکَانَ فِی الْجَنَّۃِ نَوْمٌ''   ''اگر سونا زیادہ بہتر ہوتا تو جنت میں بھی لوگ سوتے''۔

یعنی اگر نیند میں کوئی خوبی ہوتی تو جنت جو قرب کا مقام ہے وہاں بھی آدمی کو نیند ضرور آ جاتی' جبکہ جنت میں کوئی حجاب بھی موجود نہیں ہے اور نیند بھی موجود نہیں ہے۔

صوفیاء نے یہ بات بیان کی ہے' جب حضرت آدم علیہ السلام نیند کی حالت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس دوران ان کے بائیں پہلو سے حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو پیدا کر دیا اور پھر اس وجہ سے انہیں آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ بات بھی بیان کی گئی ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جب یہ فرمایا:

''یَا بُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ'' (الصافات:۱۰۲)

''اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے' میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں''

تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے انہیں جواب دیا: ''ھٰذَا جَزَاءُ مَنْ نَّامَ عَنْ حَبِیْبِہٖ'' ابا جان! جو شخص اپنے محبوب کو چھوڑ کر سو جائے اسے یہی بدلہ ملنا چاہیے۔

یعنی ''لَوْلَمْ تَنَمْ لَمَا اُمِرْتَ بِذِبْحِ الْوَلَدِ'' اگر آپ نہ سوتے تو آپ کو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم نہ دیا جاتا تو آپ کی نیند' آپ کو اپنے بیٹے اور مجھے میری جان سے محروم کرنے کا سبب بنی ہے' لیکن مجھے تو ایک گھڑی بھر کے لیے تکلیف ہوگی' لیکن آپ کی تکلیف ہمیشہ باقی رہے گی۔

حضرت شیخ شبلی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' وہ رات کے وقت نمکین پانی کا پیالہ اور ایک سلائی اپنے پاس رکھ لیتے تھے' جب نیند آنے لگتی تھی تو نمکین پانی کی سلائی اپنی آنکھ پہ لگا لیتے تھے (تاکہ نیند اُڑ جائے)۔

میں علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتا ہوں' میں نے بخارا میں ایک بزرگ کو دیکھا' جو رات کے وقت چالیس سال تک نہیں سوئے' البتہ دن کے وقت وہ کچھ دیر کے لیے سو جایا کرتے تھے۔

بنیادی اصول کی وضاحت

اس مسئلے کا بنیادی اصول یہ ہے' جب کسی شخص کے نزدیک موت' زندگی سے زیادہ پیاری ہو' تو وہ نیند کو بیداری سے زیادہ پسند کرے گا' اور جب کسی شخص کو زندگی' موت سے زیادہ اچھی لگتی ہو' تو اس کے نزدیک سونے کے مقابلے میں بیدار رہنا زیادہ پسندیدہ ہوگا۔

یہاں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی' آدمی تکلف کے ساتھ بیدار رہتا ہے (یا بغیر تکلف کے رہتا ہے) بلکہ اصل اہمیت اس بات کو حاصل ہوگی کہ آدمی بیدار رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے انتہائی برگزیدہ ہیں اور بلند ترین مرتبہ پر فائز ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور جاگنے کے معاملے میں تکلف سے کام نہیں لیا' اسی لیے آپ کو حکم ہوا:

''قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا ۝'' (المزمل:۲'۳)

''رات کے صرف تھوڑے حصے میں نوافل ادا کرو' نصف حصے میں یا اس سے بھی کم حصے میں''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہاں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے' آدمی تکلف کے ساتھ سو جائے' بلکہ اصل اہمیت اس بات کی ہے' خود قضا و قدر سلا دے' یہی وجہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو جو بلند مرتبہ عطا کیا تھا اور ان کی گردن سے کفر کے لباس کو اتار دیا تھا' وہ سونے یا بیدار رہنے میں تکلف سے کام نہیں لیتے تھے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی نیند

طاری کر دی، جوان کے اختیار کے بغیر تھی اور اللہ تعالیٰ اس حالت میں ان کی پرورش کرتا رہا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ" (الکہف:۱۸)

"اور تم (انہیں دیکھ کر) یہ سمجھو گے، وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں کروٹیں بدلواتا رہتا ہے دائیں طرف اور بائیں طرف"۔

یعنی وہ خواب اور بیداری دونوں حالتوں کے اعتبار سے بے اختیار ہیں۔

جب انسان اس درجے پر فائز ہو جاتا ہے، اس وقت اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے، اور وہ اپنے کھانے پینے سے ہاتھ اُٹھا لیتا ہے، اس کا ہاتھ ہر چیز سے لاتعلق ہو جاتا ہے، اس کا دل غیر سے الگ ہو جاتا ہے، وہ جب سوتا ہے، یا جاگتا ہے، وہ جس بھی حالت میں ہوتا ہے وہ عزیز ہوتا ہے۔

مرید کے لئے سونے کے آداب

مرید کے لیے سونے کے حوالے سے بنیادی اصول یہ ہے، وہ اپنے نیند کے آغاز کو اپنی عمر کے آخری وقت کی طرح سمجھے (یعنی سوتے وقت یہ گمان کرے، میں مرنے لگا ہوں) گناہوں سے توبہ کر لے (سونے سے پہلے) اپنے سے ناراض لوگوں کو راضی کر لے، اچھی طرح وضو کرے، دائیں پہلو کے بل قبلہ کی طرف رخ کر کے سوئے، دنیا کی تمام کام ٹھیک کر لے، اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی نعمت سے مالا مال کیا ہے اور ساتھ میں اس بات کا عہد بھی کرے، اگر میں بیدار ہو گیا تو گناہوں کا ارتکاب نہیں کروں گا۔

تو جو شخص بیداری کی حالت میں اپنا کام کر لے گا، اسے نیند یا موت سے کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، یہ بات منقول ہے، کسی بزرگ کا کسی امام کے پاس آنا جانا تھا، یہ امام مرتبے اور نفس کی سرکشی میں مبتلا تھا، وہ بزرگ اکثر اس امام کو یہ کہا کرتے تھے: اے فلاں! صحیح طریقے سے مرنا چاہیے، اس بات سے اس امام کو بڑی تکلیف ہوتی تھی اور وہ یہ سوچتا تھا، یہ غریب آدمی ہر وقت مجھے یہی کہتا رہتا ہے، ایک دن وہ بزرگ آئے تو اس امام نے ان سے کہا: اے فلاں! صحیح طریقے سے مرنا چاہیے، (یہ سن کر) اس بزرگ نے اپنی جائے نماز نیچے بچھائی، اس پر سر رکھا اور بولے: میں پھر چلتا ہوں، اور اسی وقت ان کی روح پرواز کر گئی اور اُس وقت اس امام کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ یہ بزرگ اپنے منہ سے یہ کہنا چاہ رہے تھے، موت اس طرح ہونی چاہیے جیسے ہی آپ نے اس کا ارادہ کیا ویسے ہی وہ آ گئی، جیسے میں نے کیا ہے۔

میرے شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کو یہ تاکید کیا کرتے تھے، تم لوگ اس وقت تک نہ سونا جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو جائے، اور جب ایک دفعہ اُٹھ جاؤ تو دوبارہ نہ سونا کیونکہ دوسری مرتبہ سونا حق کے طلبگاروں کے لیے حرام ہے۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے، نیند اور بے کار رہنا انسان کو سستی اور غفلت کا شکار کر دیتا ہے، اس موضوع پر بزرگوں نے طویل گفتگو کی ہے، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

چھتیسواں باب

خاموش رہنے اور کلام کرنے کے آداب

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا'' (حم السجدہ:۳۳)

''اور اس شخص سے اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے' جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے اور نیک عمل کرے''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ'' (البقرہ:۲۶۳) ''اچھی بات کہنی چاہیے کہو''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا'' (البقرہ:۱۳۶) ''تم یہ کہو: ہم ایمان لائے''۔

یہ بات ذہن نشین کرلیں! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نیک اور اچھا کلام کرنے کا اسی طرح حکم دیا ہے' جس طرح اس بات کا حکم دیا ہے' اس کی ربوبیت کا اقرار کریں' اس کی حمد وثناء بیان کریں' مخلوق کو اس کی بارگاہ کی طرف بلائیں' گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے یہ ایک عظیم نعمت ہے' اور انسان کو اسی وجہ سے دوسری تمام مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ'' (بنی اسرائیل:۷۰) ''اور ہم نے اولادِ آدم کو بزرگی عطا کی''۔

مفسرین نے اس بات کی وضاحت کی ہے' یہاں بزرگی عطا کرنے سے مراد بولنے کی صلاحیت عطا کرنا ہے۔

بولنے کی یہ صلاحیت' اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ جتنی بڑی نعمت ہے انسان کے لیے اتنی ہی بڑی آزمائش بھی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ اَللِّسَانَ''

''مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ زبان کے حوالے سے ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) بولنا شراب کی طرح ہے' جس سے عقل رخصت ہو جاتی ہے' اور آدمی جب اسے پینے کا عادی ہو جائے' تو پھر اسے چھوڑ نہیں سکتا اور خود کو اس سے روک نہیں سکتا۔

جب صوفیاء کو اس بات کا پتہ چل گیا کہ بولنا ایک آفت ہے' تو انہوں نے ضرورت کے علاوہ کبھی کلام نہیں کیا جو کلام کیا' اس کے آغاز اور انجام پر نظر رکھی' اگر وہ کلام حق کے لیے تھا' تو انہوں نے اسے زبان سے نکالا اور اگر نہیں تھا' تو خاموشی اختیار کی' کیونکہ وہ اس بات کا یقین رکھتے تھے' اللہ تعالیٰ دلوں کے عیب سے باخوبی واقف ہے' اور وہ لوگ انتہائی بدبخت ہوتے

ہیں' جو اس بات کا یقین نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے واقف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ" (زخرف:۸۰)

"کیا ان لوگوں نے یہ گمان کیا ہے' ہم ان کی آہستہ آواز اور سرگوشیوں میں کی ہوئی باتوں کو سنتے نہیں ہیں' ہاں! ہم سنتے ہیں' اور ہمارے فرشتے ان کے پاس تحریر کر رہے ہیں"۔

نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"مَنْ سَکَتَ نَجٰی" "جو شخص خاموش رہے وہ نجات پالیتا ہے"۔

خاموشی پر کلام کی فضیلت

مشائخ کی ایک جماعت نے کلام کرنے کو خاموش رہنے پر فضیلت دی ہے' جبکہ دوسری جماعت کے نزدیک خاموشی کو کلام کرنے پر فوقیت حاصل ہے۔

حضرت شیخ جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الفاظ اور عبارت صرف دعویٰ ہوتے ہیں' جس وقت معنی ثابت ہو جاتے ہیں' تو الفاظ اور عبارت کی حیثیت دعوے کی رہ جاتی ہے' ایک ایسا بھی وقت آتا ہے' جب انسان کے پاس اختیار ہوتا ہے' لیکن اس کے باوجود وہ بولنے کے قابل نہیں ہوتا اور اسے معذور قرار دیا جاتا ہے' یعنی بقاء کی حالت میں خوف کی وجہ سے وہ بولنے کی قدرت رکھنے کے باوجود کلام نہیں کر سکتا اور اس کا یہ کلام نہ کرنا معرفت کی حقیقت میں کوئی حرج پیدا نہیں کرتا اور بعض اوقات آدمی محض دعوے کے طور پر کلام کرنے کی وجہ سے معذور شمار نہیں ہوتا اور اس کا حکم منافقوں کی مانند ہو جاتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' بے معنی دعویٰ کی حیثیت منافقت کی سی ہے' جبکہ دعویٰ کے بغیر معنی کی حیثیت اخلاص کی سی ہے' کیونکہ جس بندے کے لیے راستہ کھل جاتا ہے وہ بولنے سے بے نیاز ہو جاتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' جس معنی کی وہ خبر دے گا' الفاظ اور عبارت سب اس کا غیر ہوں گے' حق تعالیٰ اس بات سے بے نیاز ہے' وہ احوال کی تعبیر اور وضاحت' غیر کے ذریعے کروائے' اس کا غیر تو اس لائق بھی نہیں ہے' کہ اس کی طرف توجہ کی جا سکے"۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

"جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے' اس کی زبان عاجز ہو جاتی ہے"۔

اس کی وجہ یہ ہے' اس شخص کو اپنے بیان کے اظہار میں حجاب کا احساس ہوتا ہے۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شبلی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی محفل میں کھڑے ہو کر

انہوں نے نعرہ لگایا اور بولے: ''اے میری مراد!'' اس کے ذریعے انہوں نے حق تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا' حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے ان سے کہا: اے ابوبکر! اگر آپ کی مراد حق ہے' تو پھر آپ نے اشارہ کیوں کیا؟ کیونکہ وہ تو اشارے سے پاک ہے' اور اگر آپ کی مراد حق نہیں ہے' تو پھر آپ نے اس کے برخلاف کیوں کیا ہے؟ کیونکہ آپ کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ تو علیم ہے' تو شیخ شبلی نے اپنے کلام پر توبہ اور استغفار کی۔

جو حضرات کلام کرنے کو خاموشی پر ترجیح دیتے ہیں' وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے احوال بیان کرنے کا حکم دیا ہے' کیونکہ دعوے کا تعلق معنی کے ساتھ ہوتا ہے' اگر کوئی شخص ایک ہزار سال تک اپنے دل اور باطن میں اللہ تعالیٰ کا ہو اور کوئی چیز اس کے لیے رکاوٹ نہ ہو' تو جب تک وہ معرفت کا اقرار نہیں کرے گا' ظاہری طور پر اس پر کفار کا حکم عائد کیا جائے گا' نیز اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا ہے' وہ اس کی عطا کردہ نعمتوں اور نوازشوں پر حمد وثناء بیان کریں اور نبی اکرم ﷺ سے یہ ارشاد فرمایا ہے:

''وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ'' (الضحیٰ:۱۱) ''تو تم اپنے پروردگار کی نعمت کو بیان کرو''۔

تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنا اور اس کی حمد وثناء بیان کرنے کا تعلق دراصل کلام کے ساتھ ہے' لہٰذا ہمارا کلام کرنا' اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لیے ہوگا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ'' (المؤمن:۶۰) ''تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ'' (البقرہ:۱۸)

''پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے' تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں''۔

اسی طرح دیگر بہت سی آیات ہیں جن میں کلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: جو شخص اپنے حال کو بیان نہیں کر سکتا وہ بے حال ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے' بولنے کا وقت بھی ایک حالت کی حیثیت رکھتا ہے' جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

لِسَانُ الْحَالِ اَفْصَحُ مِنْ لِّسَانِیْ وَصَمَتِیْ عَنْ سُؤَالِیْ تَرْجُمَانِیْ

''میری حالت کی زبان' میری زبان سے زیادہ فصیح ہے' اور میری خاموشی میرے مانگنے سے زیادہ میری ترجمانی کر رہی ہے''۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر شبلی رحمہ اللہ بغداد سے ''کرخ'' تشریف لے گئے' وہاں انہوں نے ایک شخص کو یہ دعویٰ کرتے ہوئے سنا: ''خاموش رہنا' کلام کرنے سے زیادہ بہتر ہوتا ہے''۔

تو حضرت شبلی رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا:
''تمہارے جیسے شخص کا خاموش رہنا' تمہارے کلام کرنے سے زیادہ بہتر ہے' اور میرے جیسے شخص کا کلام کرنا میرے خاموش رہنے سے زیادہ بہتر ہے' اس کی وجہ یہ ہے' تمہارا کلام لغو ہے' اور تمہاری خاموشی مذاق ہے' جبکہ میرا کلام کرنا میرے خاموش رہنے سے زیادہ بہتر ہے' کیونکہ میری خاموشی بُردباری ہے' اور میرا کلام علم پر مشتمل ہوتا ہے' یعنی اگر میں کلام نہیں کرتا تو اس کی وجہ میری بردباری ہوگی اور اگر میں کلام کروں گا تو اس کی وجہ میرا علم ہوگا' تو جب میں کچھ نہیں کہتا ہوں تو میں بردبار ہوتا ہوں' اور جب کچھ بولتا ہوں تو میں فقط علم کی بات کرتا ہوں''۔

سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

میں علی بن عثمان یہ کہتا ہوں: کلام کی دو قسمیں ہیں' اور سکوت کی بھی دو قسمیں ہیں' ایک کلام حق ہوتا ہے' اور دوسرا کلام باطل ہوتا ہے' اسی طرح ایک سکوت مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے' اور دوسری خاموشی' غفلت کی وجہ سے ہوتی ہے' اس لیے کلام کرنے یا خاموشی اختیار کرنے کے وقت ہر شخص کی حالت کا جائزہ لیا جائے گا' اگر اس کا کلام حق ہوگا' تو پھر یہ کلام کرنا خاموش رہنے سے بہتر ہوگا' اور اگر اس کا کلام باطل ہوگا' تو اس کے لیے خاموش رہنا کلام کرنے سے بہتر ہوگا' اگر وہ مقصد کے حصول کی وجہ سے خاموش ہے' تو اس کا خاموش رہنا کلام کرنے سے بہتر ہے۔

مختصر یہ کہ کچھ لوگوں کا یہ دعویٰ ہے' جو فضول نفسانی خواہشات اور کچھ عبارات اپنے سامنے رکھ کر یہ کہتے ہیں: ہمارا کلام کرنا' ہمارے خاموش رہنے سے بہتر ہے۔

اس طرح کچھ جاہل ایسے ہیں' جو جہالت کی وجہ سے کنوئیں اور منارے کے درمیان بھی فرق نہیں کر سکتے اور وہ یہ کہتے ہیں: ہمارا خاموش رہنا ہمارے بولنے سے زیادہ بہتر ہے' تو جہالت کے اعتبار سے یہ دونوں ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں' خواہ یہ بولیں یا نہ بولیں۔

عربی کا مقولہ

(مقولہ ہے:) ''مَنْ نَّطَقَ اَصَابَ اَوْ غَلَطَ وَمَنْ اُنْطِقَ عَصَمَ مِنَ الشَّطَطِ''

''جو شخص بولتا ہے یا تو وہ صحیح بولتا ہے' یا غلط بولتا ہے اور جس شخص سے بلوایا جاتا ہے وہ غلطی سے محفوظ رہتا ہے''۔

یہی وجہ ہے' شیطان خود بولا تھا:

''اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ'' (الاعراف:۱۲) ''میں اس سے بہتر ہوں''۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے یہ کہلوایا تھا اور انہوں نے یہ کہا تھا:

''رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا'' (الاعراف:۲۳) ''اے میرے پروردگار! میں نے اپنے ساتھ زیادتی کی ہے''۔

تو طریقت کی طرف دعوت دینے والے کلام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور خاموشی کے حوالے سے بے بس ہوتے ہیں۔

(عربی کا مقولہ ہے:)

مَنْ كَانَ سُكُوْتُهُ حَيَاءً كَانَ كَلَامُهُ حَيٰوةً" "جس شخص کی خاموشی حیاء ہو اُس کا کلام کرنا زندگی ہوتا ہے"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے اس کا کلام کرنا اللہ تعالیٰ کے دیدار کی وجہ سے ہوتا ہے اور دیدار کے بغیر کلام کرنا ان کے نزدیک ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتا ہے جب وہ ہوش کی حالت میں ہوتے ہیں تو وہ خاموشی اختیار کرنے کو کلام کرنے سے زیادہ پسند کرتے ہیں اور جب وہ غیبت اور مدہوشی کی حالت میں ہوتے ہیں تو لوگ ان کے اقوال کو اہتمام کے ساتھ نوٹ کرتے ہیں۔

ایک بزرگ یہ بات ارشاد فرماتے ہیں:

"مَنْ كَانَ سُكُوْتُهُ لَهُ ذَهَبًا كَانَ كَلَامُهُ لِغَيْرِهٖ مِذْهَبًا"

"جس شخص کی خاموشی اس شخص کے لیے سونے کی حیثیت رکھتی ہو اس کا کلام کرنا دوسرے شخص کے لیے سونا بنانے والے کیمیا کی حیثیت رکھتا ہے"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تو حق کے طلبگار شخص کو چاہیے وہ اپنی زبان کو خاموش کر دے اور اسے بندگی میں مصروف رکھے یہاں تک کہ وہ زبان جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتی ہے وہ کلام کرانے لگے اور اس شخص کا بیان مریدوں کے دلوں پر اثر انداز ہونے لگے۔

خاموشی اور گفتگو کے آداب

بات کرنے کے آداب میں یہ بات شامل ہے آدمی اجازت کے بغیر نہ بولے اور صرف اتنا جواب دے جتنا ضروری ہوتا ہے۔

خاموشی کے آداب میں یہ بات شامل ہے آدمی جہالت کی وجہ سے خاموش نہ ہو اور جہالت پر راضی رہتے ہوئے خاموش نہ ہو اور غفلت کی حالت میں نہ ہو۔

مرید پر یہ بات لازم ہے وہ مشائخ کے کلام میں دخل نہ دے اور اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کرے اور ایسی باتیں بیان نہ کرے جن سے سنسنی پیدا ہوتی ہو جس زبان کے ذریعے آدمی نے کلمہ شہادت پڑھا ہے توحید کا اقرار کیا ہے اسے غیبت کرنے جھوٹ بولنے سے بچا کر رکھے اس کے ذریعے وہ مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچائے اور لوگوں کو صرف ان کے نام سے نہ پکارے اور جب تک کسی بات کے بارے میں علم نہ ہو کوئی کلام نہ کرے بات کرنے میں پہل نہ کرے اسی طرح درویش پر خاموشی لازم ہے لیکن اس شخص پر جو باطل پر خاموش نہ رہے۔

گفتگو کی شرائط میں یہ بات شامل ہے آدمی صرف حق کی بات کرے۔

اس موضوع کے بہت سے اصول و فروع اور بہت سے لطیف نکات ہیں لیکن اختصار کے خوف سے میں انہی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

سینتیسواں باب

(لوگوں سے) مانگنے کے آداب

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:
"لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا" (البقرہ:۲۷۳) "وہ لوگوں سے گڑگڑا کر نہیں مانگتے ہیں"۔
جبکہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے یہ ارشاد فرمایا ہے:
"وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ" (الضحیٰ:۱۰) "مانگنے والے کو جھڑکنا نہیں"۔

ایک گروہ اس بات کا قائل ہے جہاں تک ممکن ہو آدمی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے کچھ نہ مانگے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو اپنا حاجت روا تسلیم نہ کرے کیونکہ کسی دوسرے سے مانگنا اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف منہ پھیرنے کے مترادف ہوگا تو جب انسان اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر کر دوسرے کی طرف متوجہ ہوگا تو اس بات کا اندیشہ ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے۔

رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا زہد

یہ بات منقول ہے ایک مرتبہ ایک دنیادار شخص نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا: اے رابعہ! مجھ سے مانگو! میں تمہیں دوں گا تو انہوں نے جواب دیا: اے شخص! دنیا پیدا کرنے والی ذات سے دنیا مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے تو میں اپنے جیسے ایک شخص سے مانگتے ہوئے شرم کیوں نہ کروں؟

ایک درویش کا حیران کن واقعہ

ابومسلم (نامی حکمران) کے زمانے میں کسی شخص نے ایک درویش کو چوری کے الزام میں پکڑا دیا وہ درویش درحقیقت بے گناہ تھا جب رات ہوئی تو ابومسلم نامی حکمران نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابومسلم! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا ایک دوست بے قصور ہے اور اسے قید خانے میں رکھا گیا ہے جاؤ اور اسے رہا کر دو ابومسلم اسی وقت بیدار ہوا اور ننگے پاؤں ننگے سر قید خانے تک پہنچا اور حکم دیا دروازہ کھولو! قید خانے کے ملازمین نے دروازہ کھولا اور اس درویش کو باہر نکالا ابومسلم نے اس درویش سے معافی مانگی اور فرمائش کی: اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے حکم کریں؟ تو درویش نے جواب دیا: اے امیر! جس شخص کا ایسا مالک ہو آدھی

رات کے وقت امیر ابو مسلم کو اس کے بستر سے اٹھا کر اس کے پاس بھیج دے اور اپنے اس دوست کو تکلیف سے نجات دلائے کیا اس کے لیے یہ بات جائز ہو گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے کوئی سوال کرے؟ اور کوئی اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے کہے؟ یہ بات سن کر ابو مسلم رونے لگے اور وہ درویش وہاں سے چلا گیا۔

دوسرے فریق کا موقف

صوفیاء کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے' درویش کے لیے لوگوں سے کوئی چیز مانگنا جائز ہے' اس کی وجہ یہ ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد نہیں فرمائی: وہ دوسرے لوگوں سے کچھ بھی نہیں مانگتے' بلکہ یہ فرمایا ہے' وہ لوگوں سے گڑگڑا کر نہیں مانگتے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ بھی اپنے اصحاب کی ضرورت پوری کرنے کے لیے' انہیں دوسروں سے مدد حاصل کرنے کے لیے کہہ دیتے تھے' جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے:

"اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ عِنْدَ حِسَانِ الْوُجُوْہِ"

''اپنی حاجت کو پورا کرنے کے لیے ان لوگوں سے کہو جن کا چہرہ خوبصورت ہو''۔

جن مشائخ نے دوسروں سے مانگنے کو جائز قرار دیا ہے ان کے نزدیک تین صورتوں میں مانگا جائز ہے۔

پہلی صورت یہ ہے' انسان اپنے دل کو فارغ اور (اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو کرنے کے لیے) سوال کرے' وہ مشائخ یہ فرماتے ہیں: دو روٹیوں کی یہ اوقات نہیں ہے' آدمی دن رات ان کا انتظار کرتا رہے اور اضطراب اور بے قراری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسان کی ضرورت صرف دو روٹیاں ہوں' اس کی وجہ یہ ہے' کھانے کے انتظار میں مشغول رہنے سے بڑھ کر اور کوئی مشغولیت نہیں ہوتی۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

یہی وجہ ہے' حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت شقیق بلخی کے ایک مرید سے حضرت شقیق بلخی کے بارے میں دریافت کیا: تو اس مرید نے بتایا: وہ لوگوں سے کنارہ کش ہو چکے ہیں' اور انہوں نے توکل کو اختیار کر لیا ہے' تو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دوسرے مرید سے یہ کہا' جب تم شقیق سے ملو تو اس سے یہ کہنا: دو روٹیوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کو آزمائے نہیں' جب تمہیں بھوک لگے تو اپنے جیسے کسی انسان سے دو روٹیاں مانگ لینا اور توکل کو ایک طرف رکھ دینا تاکہ اپنے معاملے کی بدبختی کی وجہ سے تمہاری ولایت کا محل زمین بوس نہ ہو جائے' اور تباہ و برباد نہ ہو جائے۔

دوسروں سے مانگنے کی دوسری صورت یہ ہے' انسان اپنے نفس کی ذلت کے لیے دوسروں سے مانگے' تاکہ اس کا نفس ذلیل اور خوار ہو اور رنجیدہ خاطر ہو کر اپنی قدر و قیمت کو پہچانے کہ دوسروں کی نظر میں اس کی اوقات کیا ہے؟ اور انسان کے دل میں تکبر پیدا نہ ہو۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت

جب حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا: اے ابوبکر! تمہارے دماغ میں ابھی تک یہ غرور موجود ہے' میں خلیفہ کے مقرب کا فرزند ہوں' اور سامرہ کے امیر کا بیٹا ہوں' یہ اس وقت تک ختم نہیں ہوگا' جب تک تم بازار میں جا کر ہر ایک سے مانگو گے نہیں اور تمہیں اپنی قدر و قیمت کا پتہ نہیں چلے گا۔

شیخ ابوبکر شبلی نے یہ معمول اختیار کیا' تو روزانہ ان کی قدر و قیمت گھٹتی رہی یہاں تک کہ 6 سال گزرنے کے بعد یہ حالت ہوئی کہ پورے بازار میں کسی نے انہیں ایک آنہ بھی نہیں دیا' جب انہوں نے شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو آ کر یہ صورتِ حال بتائی تو شیخ نے فرمایا: اے ابوبکر! اب تمہیں اپنی قدر و قیمت کا پتہ چل گیا ہے' لوگوں کی نظر میں تمہاری کوئی وقعت نہیں ہے' اس لیے تم لوگوں کو بھی اپنے دل میں کوئی جگہ نہ دو اور ان کی کسی حیثیت کی پرواہ نہ کرو۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ طرزِ عمل ریاضت کے لیے تھا' آمدن حاصل کرنے کے لیے نہیں تھا' کیونکہ آمدن کے حصول کے لیے اس طرح مانگنا جائز نہیں ہے۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے دوست کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: میرا ایک دوست تھا' اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی بارگاہ میں بلا لیا اور اسے دنیاوی نعمتوں سے اخروی نعمت کی طرف منتقل کر دیا' میں نے اسے خواب میں دیکھا' تو اس سے دریافت کیا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کر دی' میں نے دریافت کیا: کس وجہ سے کی ہے؟ اس نے بتایا: اللہ تعالیٰ سے مجھ سے فرمایا: اے میرے بندے! تو نے کنجوس لوگوں اور کمینے لوگوں کے ہاتھوں بڑی اذیت برداشت کی ہے' تو ان کے سامنے ہاتھ پھیلاتا تھا اور پھر ان کے سامنے صبر سے کام لیتا تھا' اس لیے میں نے تیری بخشش کر دی ہے۔

مانگنے کی تیسری وجہ

مانگنے کی تیسری غرض یہ ہوگی' اللہ تعالیٰ کے احترام میں آدمی لوگوں سے سوال کرے' اور یہ سمجھے کہ دنیا کا تمام مال اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے' اور اس مال کے بارے میں لوگ اللہ تعالیٰ کے وکیل ہیں' تو انسان کے نصیب میں جو بات ہے' وہ اصل میں وکیل سے حاصل کرنا ہے' یعنی انسان بظاہر لوگوں سے مانگے' لیکن حقیقتاً نظر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو' بندہ خود کو ایسا بنالے' تو وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کا احترام کرتے ہوئے اس کے وکیل سے مانگتا ہے' اور وہ پرہیزگاری اور بندگی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے' اس لیے ایسے شخص کا اللہ تعالیٰ کی بجائے' دوسروں سے مانگنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ متوجہ ہونے کی نشانی ہوگا' یہ اس کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے لاتعلق ہونے کی نشانی نہیں ہوگا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کی ایک صاحب زادی تھیں' ایک دن اس صاحب زادی نے اپنی والدہ سے کچھ مانگا تو والدہ نے کہا: تم خدا سے مانگو' تو اس لڑکی نے جواب دیا: مجھے اس بات سے شرم آتی ہے' میں اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ سے مانگوں' آپ مجھے جو دیں گی' وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوگا' اور میری تقدیر کا حصہ ہوگا۔

مانگنے کے آداب

مانگنے کے آداب میں یہ بات شامل ہے' جب آدمی کی طلب پوری ہو جائے' تو وہ زیادہ کی خواہش نہ کرے' اور لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہو' بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی توجہ رکھے' خواتین سے نہ مانگے' بازار میں لوگوں سے نہ مانگے' اپنا راز اسی کے سامنے بیان کرے جس پر اعتماد ہو' یعنی جس شخص کا مال حلال ہو صرف اسی سے مانگے اور جہاں تک ممکن ہو' مانگنے سے اجتناب کرے کیونکہ جو اس کے نصیب میں ہے' وہ اسے مل ہی جائے گا' اور مانگنے کا تعلق گھر کی آرائش و زیبائش سے نہ ہو اور جو چیز مل جائے' اسے اپنی ملکیت نہ سمجھے' بلکہ اپنی ضرورت کا تقاضا سمجھے' کل کی فکر نہ کرے' ورنہ وہ دائمی ہلاکت کا شکار ہو جائے گا' اللہ تعالیٰ کو اپنی گدائی کا ذریعہ نہ بنائے اور دوسروں کے سامنے خود کو نیک ظاہر نہ کرے' تاکہ اس کو نیک سمجھنے کی وجہ سے لوگ اس کو زیادہ سے زیادہ عطیات دیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک بزرگ صحرا میں سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے فاقے کی حالت میں بازار پہنچے' ان کے ہاتھ میں ایک چڑیا تھی' انہوں نے بلند آواز میں یہ کہا' اس چڑیا کے نام پر مجھے کچھ دے دو' لوگوں نے ان سے کہا: یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ ناممکن ہے' میں یہ کہوں' تم اللہ تعالیٰ کے نام پر مجھے کچھ دو! تو دنیا مانگنے کے لیے میں کسی ادنیٰ چیز کا وسیلہ ہی پیش کر سکتا ہوں' کیونکہ دنیا قلیل ہے۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) طوالت کے خوف سے ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں' باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اڑتیسواں باب

نکاح کرنے' مجرد رہنے کے آداب

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" (البقرہ: ۱۸۷) "وہ تمہارا لباس ہیں' اور تم ان کا لباس ہو"۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"تَنَاكَحُوا تَكْثُرُوا فَإِنِّي أُبَاهِي بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَوْ بِسَقْطٍ"*

"تم لوگ نکاح کرو اور آبادی بڑھاؤ تاکہ میں قیامت کے دن دوسری امتوں کے سامنے تمہاری کثرت کی وجہ سے فخر ظاہر کروں خواہ (آبادی میں یہ اضافہ) ساقط حمل کے ذریعے ہو"۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

"إِنَّ أَعْظَمَ النِّسَاءِ بَرَكَةً أَقَلُّهُنَّ مَئُونَةً وَأَحْسَنُهُنَّ وُجُوهًا وَأَحْصَنُهُنَّ فُرُوجًا"**

"سب سے زیادہ برکت والی بیوی وہ ہوتی ہے' جس کا بوجھ (خرچ یا مہر) کم ہو' جس کا چہرہ خوبصورت ہو اور وہ اپنی شرمگاہ کی زیادہ حفاظت کرنے والی ہو"۔

یہ تمام احادیث صحیح ہیں' ہر مرد اور عورت کے لیے ہر حالت میں نکاح کرنا لازم ہے' ہر مرد اور ہر عورت پر یہ بات فرض ہے' وہ حرام سے بچے اور اپنے اہل وعیال کے حقوق پورے کرنے کی بھی پوری کوشش کرے' اور یہ بات سنت ہے۔

بعض مشائخ اس بات کے قائل ہیں: شہوت کو ختم کرنے کے لیے اور دل کو فارغ رکھنے کے لیے نکاح کرنا چاہیے' جبکہ بعض مشائخ اس بات کے قائل ہیں کہ نسل کو برقرار رکھنے کے لیے نکاح کرنا چاہیے' تاکہ اولاد پیدا ہو' کیونکہ اگر اولاد باپ کے سامنے انتقال کر جائے' تو قیامت کے دن باپ کے لیے شفاعت کرے گی اور اگر باپ کا انتقال اولاد کے سامنے ہو جائے' تو وہ اولاد اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت کرے گی۔

---

*مصنف عبد الرزاق الصنعانی' کتاب النکاح' باب وجوب النکاح وفضله' حدیث: 10088 معرفة السنن والآثار للبیهقی' کتاب النکاح' باب الترغیب فی النکاح' حدیث: 4270

** مصنف ابن ابی شیبة' کتاب النکاح' ما قالوا فی مهر النساء، واختلافهم فی ذلك' حدیث: 12398' السنن الکبری للبیهقی' کتاب الصداق' باب ما یستحب من القصد فی الصداق' حدیث: 13431' مسند احمد (حدیث السیدة عائشة رضی الله عنها) 25162' مجمع الزوائد 7332' کنز العمال کتاب المواعظ والرقائق الباب الثالث فی آداب النکاح 44533'

نکاح میں نبی اکرم ﷺ کے خاندان سے نسبت

روایات میں یہ بات منقول ہے ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحب زادی سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (جو سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے والد تھے) یہ فرمایا: یہ تو بہت کم عمر ہے اور آپ کی عمر بہت زیادہ ہے میں اس کی شادی اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن جعفر سے کرنا چاہتا ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں پیغام بھجوایا: اے ابوالحسن! بڑی عمر کی خواتین بہت زیادہ ہیں میں اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کر کے اپنی خواہش پوری نہیں کرنا چاہتا بلکہ ان کے ذریعے اپنی نسل کو برقرار رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"كُلُّ نَسَبٍ وَحَسَبٍ يَنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ اِلَّا نَسَبِىْ وَ حَسَبِىْ" *

"مرنے کے بعد ہر نسب اور ہر حسب منقطع ہو جاتا ہے سوائے میرے نسب اور میرے حسب کے"۔

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) تو آپ کے ساتھ حسب کی نسبت کا تو شرف مجھے حاصل ہے میں یہ چاہتا ہوں نسب کے حوالے سے بھی آپ سے تعلق قائم ہو جائے تاکہ دونوں اعتبار سے میں نبی اکرم ﷺ کی مطابقت میں مضبوط ہو جاؤں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ اُم کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دی اور ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

عورت میں چار خوبیاں ہوتی ہیں

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

تُنْكَحُ النِّسَاءُ عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَلَى الْمَالِ، وَالْحَسَبِ وَالْحُسْنِ وَالدِّين فَعَلَيْكُمْ بِذَاتِ الدِّيْنِ فَاِنَّهٗ مَااسْتَفَادَ اِمْرَءٌ بَعْدَ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ مِّنْ زَوْجَةٍ مُّوْمِنَةٍ مُّوَافِقَةٍ يَسُرُّ بِهَا اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا ۔"**

* نوٹ: روایت کے یہ الفاظ ہمیں حدیث کی متداول کتابوں میں دستیاب نہیں ہو سکے اس لئے بعض دیگر کتابوں کے حوالہ جات درج ذیل ہے:

الشريعة للآجری، كتاب جامع فضائل اهل البيت رضى الله عنهم ، باب ذكر قول الله عز وجل : وتقطعت بهم الاسباب، حديث:1664السنة لابى بكر بن الخلال، ذكر ابى عبد الرحمن معاوية بن ابى سفيان وخلافته ، حديث:645الذرية الطاهرة للدولابى، ذكر ام كلثوم بنت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه حديث:211

**سنن الدارمى، ومن كتاب النكاح، باب تنكح المراة على اربع، حديث:2142سنن ابى داود، كتاب النكاح، باب ما يؤمر به من تزويج ذات الدين، حديث:1764سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب تزويج ذات الدين، حديث:1854السنن الكبرى للبيهقى، كتاب النكاح، جماع ابواب الترغيب فى النكاح وغير ذلك، باب استحباب التزوج بذات الدين، حديث:12591مسند احمد بن حنبل، ومن مسند بنى هاشم مسند ابى هريرة رضى الله عنه، حديث:9338مسند ابى يعلى الموصلى، شهر بن حوشب ، حديث:6441

''چار وجہ سے خواتین کے ساتھ شادی کی جاتی ہے: مال' نسب' خوبصورتی' دین' تو تم دین دار کو اختیار کرو کیونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد انسان کو سب سے زیادہ نفع' مؤمن بیوی سے حاصل ہوتا ہے' جو اس کی موافقت کرتی ہے اور جب آدمی اسے دیکھتا ہے' تو خوش ہوتا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) مؤمن شخص ایسی ہی عورت سے محبت کرتا ہے' اور اس سے راحت حاصل کرتا ہے' کیونکہ اس کے ساتھ کی وجہ سے دین میں تقویت حاصل ہوتی ہے' اور وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے' تنہائی سب سے بڑی وحشت ہے' اور کسی کے ساتھ میں سب سے زیادہ راحت محسوس ہوتی ہے۔

شیطان تنہائی کا ساتھی ہوتا ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَلشَّیْطَانُ مَعَ الْوَاحِدِ

''تنہائی کا ساتھی شیطان ہوتا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ بات حقیقت ہے' جب مرد یا عورت اکیلے ہوں' تو ان کے ساتھ شیطان موجود ہوتا ہے' جو ان کے ذہن میں شہوت کو اُبھارتا ہے' اس لیے امن اور راحت کے اعتبار سے نکاح سے بہتر اور کوئی ساتھ نہیں ہے' اگر میاں بیوی کے درمیان یک جہتی ہوگی اور مزاج میں موافقت ہوگی' تو نکاح کی وجہ سے آدمی کبھی بھی مشغول نہیں ہوگا' لیکن اگر عورت کے ساتھ مزاج میں یک جہتی نہ ہو' تو پھر درویش کو چاہیے' پہلے اپنی حالت کا جائزہ لے' وہ تنہائی کی آفت کے بارے میں بھی سوچے اور نکاح کی آفت کے بارے میں بھی سوچے کہ ان دونوں میں سے کسے آسانی کے ساتھ وہ دور کرسکتا ہے؟ اور پھر اس کے مطابق عمل کرلے۔ تنہا رہنے میں دو آفات ہیں: ایک یہ کہ وہ سنت کا تارک ہوگا' دوسرا یہ کہ وہ اپنی شہوت کی پرورش کرے گا' اور اس کے حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوگا۔

بے دین عورت سے نکاح کی آفت

لیکن غیر مناسب (یعنی جس عورت کے ساتھ مزاج میں موافقت نہ ہو یا جو عورت دین دار نہ ہو) کے ساتھ نکاح کرنے میں دو آفات ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے غیر کے ساتھ انسان کا دل مشغول ہوجائے گا' دوسرا یہ کہ انسان اپنے جسم کو نفسانی خواہش کی تکمیل کے لیے مشغول کردے گا۔

اس مسئلے کی بنیاد خلوت اور جلوت کا مسئلہ ہے (یعنی تنہا رہنا یا لوگوں کے ساتھ رہنا) تو جو شخص مخلوق کے ساتھ رہنا چاہتا ہو' اس کے لیے نکاح کرنا ضروری ہوگا' اور جو شخص تنہائی چاہتا ہو اس کے لیے مجرد رہنا مناسب ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"سِيرُوا سَبَقَ الْمُفْرِدُونَ"* "تیز چلو کیونکہ تنہا رہنے والے لوگ سبقت لے گئے ہیں"۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"نَجَا الْمُخَفِّفُوْنَ وَهَلَكَ الْمُثْقِلُوْنَ"

"ہلکے لوگ نجات پا گئے اور بوجھ والے لوگ ہلاکت کا شکار ہو گئے"۔

یعنی مجرد لوگ نجات پا گئے اور بال بچے دار لوگ آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔

ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں ایک بزرگ کی زیارت کرنے کے لیے ان کے گاؤں گیا، جب ان کے گھر میں داخل ہوا، تو میں نے دیکھا کہ وہ گھر اتنا پاکیزہ تھا جیسے اولیاء کی خانقاہ ہوتی ہے، اس گھر کے دوکونوں میں دو محرابیں بنی ہوئی تھیں، ایک محراب میں وہ بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، دوسری محراب میں ایک عمر رسیدہ پاکیزہ اخلاق کی مالک خاتون بیٹھی ہوئی تھیں، بظاہر دیکھنے سے یہ محسوس ہوا، زیادہ عبادت کی وجہ سے دونوں کمزور ہو چکے ہیں، انہوں نے میرے آنے پر بہت خوشی کا اظہار کیا، میں نے تین دن وہاں قیام کیا، جب میں وہاں سے واپس جانے لگا تو میں نے ان بزرگ سے دریافت کیا: یہ پاکدامن بزرگ خاتون جو ہیں ان کے ساتھ آپ کا کیا رشتہ ہے؟ تو بزرگ نے جواب دیا: یہ میری چچا زاد ہیں، اور میری بیوی ہیں۔ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے ان سے کہا: میں تین دن آپ کے ہاں رہا ہوں، لیکن مجھے تو یہ لگا جیسے ان کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور یہ آپ کے لیے اجنبی ہیں، تو ان بزرگ نے جواب دیا: 65 برس سے یہی حالت ہے، تو میں نے ان سے کہا: اس کی وجہ کیا ہے آپ مجھے اس کا سبب بتائیں؟ انہوں نے فرمایا: بچپن میں ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، اس خاتون کا والد اس کی شادی میرے ساتھ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اسے ہماری محبت کے بارے میں پتہ چل چکا تھا، ایک مدت تک ہم اس پریشانی کا شکار رہے یہاں تک کہ آخر کار اس کے والد کا انتقال ہو گیا، اب میرے والد کیونکہ اس کے چچا تھے، اس لیے میرے والد نے اس کی شادی میرے ساتھ کر دی، جب ہم پہلی رات ایک دوسرے سے ملے تو اس نے مجھ سے کہا: آپ یہ بات جانتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنی بڑی نعمت عطا کی ہے؟ اس نے

* صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب الحث علی ذکر اللہ تعالی، حدیث: 4941 صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب الحث علی ذکر اللہ تعالی، حدیث: 4941 المستدرک علی الصحیحین للحاکم، بسم اللہ الرحمن الرحیم اول کتاب المناسك، کتاب الدعاء، حدیث: 1762 صحیح ابن حبان، کتاب الرقائق، باب الاذکار، ذکر سباق الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات فی القیامة اهل الطاعات الی، حدیث: 858 جامع ترمذی، الذبائح، ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب، حدیث: 3604 مسند احمد بن حنبل، ومن مسند بنی هاشم، مسند ابی هریرة رضی اللہ عنہ، حدیث: 8104 المعجم الاوسط للطبرانی، باب الالف، باب من اسمه ابراهیم، حدیث: 2830 شعب الایمان للبیهقی، فصل فی ادامة ذکر اللہ عز وجل، حدیث: 531

ہمیں ایک دوسرے سے ملا دیا ہے' اور ہمارے دل سے (جدائی کے) خوف کو دور کر دیا ہے' تو میں نے جواب دیا: ہاں! ایسا ہی ہے' تو اس نے کہا' آج رات ہم اپنے نفس کی خواہش کو پورا نہیں کرتے اور اسے پامال کرتے ہوئے اس نعمت کے شکریے کے طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' میں نے کہا: ٹھیک ہے! پھر جب دوسری رات آئی تو اس نے پھر ایسا ہی کہا' پھر تیسری رات آئی تو میں نے کہا' دو راتوں میں تو میں نے تمہارے کہنے پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا' آج تم میرے کہنے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' اب 65 سال ہو گئے ہیں ہم نے اس دوران ایک دوسرے کو چھوا نہیں ہے اور ساری عمر اس نعمت کے شکر میں گزار دی ہے۔

حلال' نفقہ و مہر کی فراہمی

جب کوئی درویش کسی خاتون کے ساتھ شادی کرتا ہے' تو اسے چاہیے' سب سے پہلے اس عورت کے مہر اور خرچ وغیرہ کو حلال رزق سے مہیا کرے' اور جب تک اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کے احکام کو ادا نہیں کرتا اس وقت تک نفس کی لذت میں غرق نہ ہو' نیز (اپنے معمول کے) اوراد و وظائف ادا کر لینے کے بعد عورت کے ساتھ ہم بستری کرے' اور اپنے ذہن میں موجود حرص اور لالچ کو ختم کر دے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کرے:

''اے میرے معبود! دنیا آباد کرنے کے لیے تو نے انسان کی سرشت میں شہوت کا یہ جذبہ پیدا کیا ہے' اور پھر تو نے اپنے علم کے مطابق یہ چاہا کہ مجھے یہ ساتھ حاصل ہو' تو اے میرے پروردگار! صحبت کے اس عمل کو میرے لیے دو باتوں کو مؤجب بنانا' ایک یہ کہ میں اس حلال فعل کے ذریعے حرام کے ارتکاب سے محفوظ رہوں اور دوسرا یہ کہ اس عمل کے نتیجے میں مجھے ایسا فرزند عطا کرنا جو تیرا ولی ہو اور پسندیدہ ہو' ایسا فرزند عطا نہ کرنا جو میرے دل کو تیری طرف سے ہٹا کر اپنی ذات کی طرف مشغول کر لے''۔

شیخ تستری رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے کا واقعہ

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ان کا ایک بیٹا تھا' وہ کم سنی میں جب اپنی ماں سے کھانے کے لیے کچھ مانگتا تھا' تو اس کی والدہ اس سے یہ کہتی تھی: اللہ تعالیٰ سے مانگو! وہ لڑکا محراب میں جاتا اور سجدے میں چلا جاتا' اسی دوران اس کی والدہ اس کا کھانا اس کے سرہانے رکھ دیتی' اس بچے کو یہ پتہ ہی نہ چلتا کہ یہ کھانا اس کی والدہ نے رکھا ہے' والدہ کا اس عمل کے ذریعے مقصد یہ تھا' بچے کو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت پڑے۔ ایک دن وہ بچہ مدرسے سے گھر واپس آیا تو اتفاق سے اس وقت اس کی والدہ گھر میں موجود نہیں تھی تو اس نے اپنے عام معمول کے مطابق محراب میں جا کر سجدے میں سر رکھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرورت پوری کر دی' اس کی والدہ گھر آئیں اور انہوں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو انہوں نے حیرت سے دریافت کیا: اے لڑکے! یہ کھانا کہاں سے آیا ہے؟ تو اس بچے نے جواب دیا: جہاں سے روز آیا کرتا تھا۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے حضرت زکریا علیہ السلام' سیدہ مریم علیہا السلام کے حجرے میں آئے' وہاں انہیں وہ پھل نظر آئے جو اس موسم کے نہیں تھے تو انہوں نے حیرانگی سے دریافت کیا: یہ کہاں سے آئے ہیں؟ تو سیدہ مریم علیہا السلام نے جواب دیا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

یہ بات ذہن نشین کرلیں! کسی بھی سنت کو اختیار کرنا' درویش کو حرام کی تلاش اور دل کے شغل میں مبتلا نہ کر دے' اس کی وجہ یہ ہے' جس طرح دولت مند شخص کی خرابی اس کے ساز وسامان کی بربادی میں ہوتی ہے' اسی طرح درویش کی ہلاکت اس کے دل کی خرابی میں ہے' اگر کسی دولت مند شخص کی کوئی چیز ضائع ہو جائے' تو اس کا عوض دیا جا سکتا ہے' لیکن درویش کی جو چیز بگڑ جائے گی' اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہوگا۔

ہمارے زمانے میں کیونکہ یہ بات عملی طور پر ممکن نہیں رہی کہ کسی شخص کو کوئی ایسی بیوی نصیب ہو جائے' جو اپنی بنیادی ضروریات سے زیادہ مال واسباب کو طلب نہ کرے' اس لیے ہمارے زمانے کے مشائخ کی ایک جماعت نے مجرد رہنے کو ترجیح دی ہے۔

آخری زمانے کے لوگ

ان حضرات نے اپنے مؤقف کی تائید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"خَيْرُ النَّاسِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَفِيْفُ الْحَاذِ"

"آخری زمانے میں بہترین لوگ وہ ہوں گے جن کی حالت خفیف ہوگی"۔

عرض کی گئی: یارسول اللہ! حالت کے خفیف ہونے سے مراد کیا ہے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَلَّذِیْ لَا اَهْلَ لَهٗ وَلَا وَلَدَ لَهٗ" "جن کے بیوی بچے نہیں ہوں گے"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

"سِيْرُوا سَبَقَ الْمُفْرَدُوْنَ" "تیز چلو کیونکہ مجرد لوگ سبقت لے گئے ہیں"۔

مشائخ اس بات پر متفق ہیں: جس کا دل آفت سے پاک ہو اور جس کی طبیعت میں شہوت اور گناہ کی طرف میلان نہ ہو' اس کے لیے مجرد رہنا افضل ہے۔

احادیث سے نکاح کی ترغیب

عام لوگ اپنی نفسانی خواہشات کی تائید میں اس حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں:

"حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلٰثٌ اَلطِّيْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ"

"تمہاری دنیا کی تین چیزیں مجھے محبوب ہیں: خوشبو' عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے"۔

مشائخ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جس شخص کو نکاح کرنے میں دلچسپی ہو اس کے لیے نکاح کرنا افضل ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''لِیْ حِرْفَتَانِ الْفَقْرُ وَالْجِهَادُ'' ''میرے دو پیشے ہیں: فقر اور جہاد''۔

(تو ہم یہ سوال کرتے ہیں:) ایسا شخص اس پیشے کو کیوں چھوڑتا ہے' اگر عورت نبی اکرم ﷺ کی محبوب ہے' تو یہ پیشہ یعنی ''فقر'' بھی نبی اکرم ﷺ کا محبوب ہے' تم صرف اس بنیاد پر ایک حدیث کو ترجیح دے رہے ہو کیونکہ تمہارے اپنے دل کے اندر عورت کی رغبت زیادہ ہے' اور اپنی ذاتی دلچسپی کو نبی اکرم ﷺ کی محبوبیت سے تعبیر کر رہے ہو' ایسا کرنا انصاف نہیں ہے' یہ کتنی عجیب بات ہے' کوئی شخص 50 سال تک نفس کی پیروی کرتا رہتا ہے' اور اپنے طور پر وہ یہ سمجھتا رہتا ہے' میں سنت کی پیروی کر رہا ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں سب سے پہلے جس آزمائش کا سامنا کرنا پڑا تھا' اس کا تعلق خاتون کے ساتھ تھا' اسی طرح دنیا میں جو سب سے پہلا فتنہ رونما ہوا تھا' یعنی ہابیل اور قابیل کا واقعہ جو تھا' اس کی بنیاد بھی ایک خاتون تھی۔ مختصر یہ کہ دنیا اور دین کی بہت سی آزمائشوں کی بنیادی وجہ خواتین ہوتی ہیں' یہی وجہ ہے' نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''مَا تَرَكْتُ بَعْدِیْ فِتْنَةً اَضَرُّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ''

''اپنے بعد میں مردوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان دِہ آزمائش ''خواتین'' چھوڑ کر جا رہا ہوں' تو جب آزمائش کے ظاہر کی یہ حالت ہے' تو اس کا باطن کے اندر کیا حال ہوگا؟''۔

میں علی بن عثمان جلابی گیارہ برس تک شادی کی آفت سے محفوظ رہا' پھر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فیصلے کے تحت میں اس آزمائش میں مبتلا ہوا' میرا ظاہر اور میرا باطن دوسروں کے بیان کرنے کی وجہ سے' خود دیکھے بغیر' ایک خاتون کا اسیر ہو گیا اور میں ایک سال تک اسی کیفیت میں رہا' یہاں تک کہ یہ حالت ہونے والی تھی کہ میرا دین برباد ہو جاتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم فضل اور وسیع مہربانی کے ذریعے میرے دل کو پاکدامنی کی توفیق عطا کی اور مجھے اپنی رحمت کے ذریعے اس سے نجات عطا کی تو اس بات پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے' کم ہے۔

مختصر یہ کہ طریقت کی بنیاد مجرد رہنے میں ہے' جب انسان شادی کرنے کے بعد بال بچے دار ہو جاتا ہے' تو اس کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے' پھر نفسانی خواہش کا کوئی لشکر ایسا نہیں ہوتا جو اس کی آگ کو کوشش کر کے بجھا سکے' اس کی وجہ یہ ہے' جو خرابی انسان کے اپنے وجود کے اندر ہو' اس کا حل بھی انسان کے وجود کے اندر ہی ہوگا' کسی خارجی چیز کے ذریعے اسے ختم نہیں کیا جا سکتا' نفسانی خواہش کا ازالہ دو چیزوں کے ذریعے کیا جا سکتا ہے' ایک کوشش اور تکلیف کے ذریعے اور دوسری صورت کسب اور مجاہدے کے دائرے سے باہر ہے' جس چیز کا تعلق کوشش کے ساتھ ہے وہ فاقہ کشی اختیار کرنا ہے اور جو چیز

انسان کے دائرے سے باہر ہے وہ بے قرار کرنے والا خوف ہے' یا سچی محبت ہے' جو آہستہ آہستہ بڑھ کر جسم کے تمام اجزاء میں اس طرح سرایت کر جاتی ہے' کہ پورے جسم پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے' اور انسان کے تمام حواس کو معزول کر کے اسے اپنے اندر جذب کر لیتی ہے' اور اسے ہر طرح کی بے کار چیزوں سے پاک کر دیتی ہے۔

احمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل

ماوراء النہراء میں میرے ایک دوست شیخ احمد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ تھے' جو بڑے صاحبِ حیثیت آدمی تھے' ایک مرتبہ لوگوں نے ان سے دریافت کیا: آپ کو نکاح کی ضرورت ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں! لوگوں نے دریافت کیا: وہ کس وجہ سے؟ انہوں نے جواب دیا: اس کی وجہ یہ ہے' میں کبھی اپنی حالت سے غائب ہوتا ہوں' اور بے خبر ہوتا ہوں' اور کبھی حاضر ہوتا ہوں' جب میں اپنی حالت سے غائب ہوتا ہوں تو اس وقت مجھے دونوں جہانوں میں سے کسی بھی چیز کی خبر نہیں ہوتی اور جب میں اپنی حالت میں حاضر ہوتا ہوں تو اس وقت میں نے اپنے نفس کو اس حیثیت میں رکھا ہوا ہے کہ اگر اسے ایک روٹی مل جائے' تو وہ یہ سمجھتا ہے' اسے ایک ہزار حوریں مل گئی ہیں۔

تو دل کو مصروف رکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی شغل ہونا چاہیے' خواہ وہ کسی بھی چیز سے متعلق ہو' یہ بہت مشکل کام ہے۔

بعض مشائخ یہ بات کہتے ہیں: نکاح کرنے یا مجرد رہنے میں ہمارا اپنا کوئی اختیار نہیں ہے' ہم تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ پردۂ غیب سے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تقدیر کے مطابق کیا ظاہر ہوتا ہے' اگر ہمارے نصیب میں مجرد رہنا ہوگا' تو ہم اس حالت میں پاکدامن رہنے کی پوری کوشش کریں گے اور ہمارے نصیب میں اگر نکاح کرنا لکھا ہوا ہے' تو ہم سنت کی پیروی کرتے ہوئے نکاح کر لیں گے اور دل کو فارغ رکھنے کی کوشش کریں گے' اس کی وجہ یہ ہے' جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی حفاظت کرتے ہے تو بندہ ''تجرید'' میں بھی اسی طرح محفوظ رہتا ہے' جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام مجرد ہونے کے باوجود زلیخا سے محفوظ رہے تھے' جب زلیخا نے تنہائی میں آپ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی تو اگرچہ آپ اس وقت اپنی مراد کو حاصل کرنے پر قادر تھے' لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس سے روگردانی کی تھی اور اس وقت اپنے نفس کے عیوب دیکھنے اور اپنی نفسانی خواہش پر غلبہ پانے میں مصروف ہو گئے تھے' لیکن اگر نکاح کرنا تقدیر میں ہو' تو پھر انسان حضرت خلیل اللہ کی مانند ہو جاتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد تھا اور بیوی کی وجہ سے اس میں کوئی خلل نہیں آیا' یہی وجہ ہے' جب سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہا نے رشک کا اظہار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ایک بے آب و گیاہ صحرا میں چھوڑ آئے اور انہیں خدا کے حوالے کر دیا اور اپنا رخ ان سے پھیر لیا' تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق جس طرح چاہے انہیں رکھے۔

تو بندے کی ہلاکت کا تعلق نہ نکاح سے ہے نہ مجرد رہنے سے ہے' کیونکہ ہلاکت کا تعلق اپنے اختیار کو برقرار رکھنے اور اپنے نفس کی پیروی کرنے کے ساتھ ہے۔

صاحب عیال شخص کے آداب

بال بچے دار آدمی کے آداب کی شرائط میں یہ بات شامل ہے' اس کے روزمرہ کے اوراد و وظائف میں سے کوئی چیز فوت نہیں ہونی چاہیے اور سلوک کے جو احوال ہیں' ان میں سے کوئی ایک بھی ضائع نہیں ہونا چاہیے' اس کے اوقات پریشان نہیں ہونے چاہئیں' اسے چاہیے' وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ شفقت کا سلوک کرے' اور حلال رزق کے ذریعے ان کی ضروریات کو پورا کرے' اپنے گھر والوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ظالم حکمرانوں کی خوشامد نہ کرے' تاکہ اس کے ہاں پیدا ہونے والی اولاد بھی ان شرائط کی پابند ہو اور اس کے اخلاق پر کوئی بُرا اثر نہ پڑے۔

شیخ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا نالائق بیٹا

شیخ احمد بن حرب نیشاپوری کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ وہ نیشاپور کے رئیسوں اور سرداروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے' یہ سب حضرات شیخ احمد بن حرب نیشاپوری کی زیارت کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے' اسی دوران شیخ احمد بن حرب نیشاپوری کا بیٹا شراب پی کر مستانہ وار گانا گاتے ہوئے آیا اور بڑی بدتمیزی کے ساتھ ان کے پاس سے گزرا' یہ دیکھ کر وہ سب لوگ افسردہ ہو گئے' شیخ احمد بن حرب نیشاپوری نے دریافت کیا: آپ لوگوں کے چہرے پر یہ تغیر کیوں نمودار ہوا ہے؟ تو ان سب حضرات نے جواب دیا' ہمیں اس لڑکے کی حالت پر افسوس ہوا ہے' یہ کس بدتمیزی کے ساتھ آپ کے پاس سے گزرا ہے' اس نے آپ کا بھی لحاظ نہیں کیا' تو حضرت احمد بن حرب نیشاپوری نے فرمایا: یہ معذور ہے اس کی وجہ یہ ہے' ایک مرتبہ ہمارے ہمسائے کے گھر سے ہمارے گھر کھانا آیا جسے میں نے بھی کھالیا اور میری بیوی نے بھی کھالیا' اسی رات ہم نے اتفاق سے صحبت بھی کر لی جس کے نتیجے میں اس بچے کا نطفہ ٹھہر گیا' اس کے بعد ہم سو گئے' ہم نے اس رات اپنے اَوراد و وظائف بھی ادا نہیں کیے' اگلے دن صبح ہم نے جب اس بات کی تحقیق کی اور اپنے ہمسائے کے پاس پہنچے اور دریافت کیا: وہ کھانا کہاں سے آیا تھا جو تم نے ہمارے گھر بھیجا تھا؟ تو اس نے بتایا: ہمارے گھر وہ کھانا ایک شادی کی تقریب سے آیا تھا' جب ہم نے مزید تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہ کھانا حاکم وقت کے گھر سے آیا تھا (تو حرام کا وبال یہ ہوا' یہ بچہ بھی بگڑ گیا ہے)۔

مجرد رہنے کے آداب میں یہ بات شامل ہے' انسان اپنی آنکھ کو ناشائستہ اُمور کو دیکھنے سے روکے اور ایسی باتوں کو نہ سنے جو سننے کے لائق نہیں ہوتی ہیں' اور ایسی باتوں کے بارے میں نہ سوچے جنہیں سوچا نہیں جا سکتا' اپنی شہوت کی آگ کو بھوک کے ذریعے ختم کرے' اور اپنے دل کو دنیا اور اس کے حوادث میں مشغول ہونے سے محفوظ رکھے اور اپنی خواہش نفس کو علم یا الہام قرار نہ دے اور شیطان کے شعبدے کی تاویل نہ کرے تاکہ انسان طریقت کے راستے میں مقبول ہو سکے' مصاحبت اور اس سے متعلق اُمور کے یہ آداب تھے جنہیں ہم نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے' باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(انتالیسواں باب) دسواں کشف

صوفیاء کی اصطلاحات اوران کے معانی کی وضاحت

یہ بات ذہن نشین کرلیں! اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مندر کھے' ہر علم' ہر فن اور ہر اہل معاملہ کے' اپنے فن سے متعلق اسرار کو بیان کرنے کے لیے' مخصوص اشارے اور الفاظ ہوتے ہیں' جنہیں کوئی غیر متعلق آدمی سمجھ نہیں سکتا' اصطلاح کے طور پر ان مخصوص الفاظ کو مقرر کرنے کی دو وجہیں ہوتی ہیں' ایک وجہ یہ ہوتی ہے' تاکہ اس لفظ کے ذریعے مفہوم کو سمجھنے میں سہولت حاصل ہو اور مشکل کو آسان کیا جاسکے تاکہ وہ طالب کے فہم کے قریب ہو جائے' دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے' اپنے فن کے مخصوص اسرار کو ان لوگوں سے چھپایا جاسکے جو صاحبِ علم نہیں ہوتے ہیں' اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

مختلف فنون کی اصطلاحات

جیسے اہل لغت نے اپنے مخصوص مفہوم کی ادائیگی کے لیے' مخصوص الفاظ کو ''اصطلاح'' کے طور پر مقرر کیا ہے' ان میں ماضی' مستقبل' صحیح' معتل' اجوف' لفیف اور ناقص وغیرہ شامل ہیں۔

اسی طرح اہل نحو نے مخصوص اصطلاحات مقرر کی ہیں' جیسے رفع' (یہ پیش کے لیے استعمال ہوتا ہے) نصب' فتح (یہ زبر کے لیے استعمال ہوتے ہیں) خفض' جز' کسر (یہ زیر کے لیے استعمال ہوتے ہیں) ان کے علاوہ' منصرف اور غیر منصرف وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح اہل عروض (شاعری کرنے والوں) نے اپنی مخصوص اصطلاحات مقرر کی ہیں جن میں بحر' دائرہ' وتد' فاصلہ' فرد' زوج وغیرہ شامل ہیں۔

اسی طرح علم ریاضی کے ماہرین نے اپنی مخصوص اصطلاحات مقرر کی ہیں جن میں ضرب' تقسیم' کعب' جزر' اضافت' تضعیف' تنصیف' جمع' تفریق وغیرہ شامل ہیں۔

اسی طرح فقہاء نے اپنی مخصوص اصطلاحات مقرر کی ہیں' ان میں علت' معلول' قیاس' اجتہاد' دفع' الزام وغیرہ شامل

اسی طرح محدثین نے اپنی مخصوص اصطلاحات مقرر کی ہیں جن میں مسند' مرسل' احاد' متواتر' جرح' تعدیل وغیرہ شامل

اسی طرح علم کلام کے ماہرین نے اپنی مخصوص اصطلاحات مقرر کی ہیں جن میں عرض' جوہر' کل' جزء' جسم' جنس' تحیز'

تولی وغیرہ شامل ہیں۔

بالکل اسی طرح علم طریقت کے ماہرین نے بھی اپنی کچھ اصطلاحات مقرر کی ہیں' جن کے ذریعے وہ مخصوص مفہوم ظاہر کرتے ہیں' تا کہ علم تصوف میں انہیں استعمال کیا' ان کے ذریعے جس شخص کو جو سمجھانا مقصود ہو اسے وہ مفہوم سمجھایا جا سکے اور جس سے چھپانا مقصود ہو' اسے پتہ نہ چل سکے' تو میں اب یہاں ان میں سے بعض الفاظ اور کلمات کی تشریح کروں گا' اور ان کے درمیان جو فرق اور امتیاز ہے' اس کی وضاحت کروں گا' تا کہ سمجھنے کے لیے آسانی ہو جائے۔

پہلی فصل

حال اور وقت

حال اور وقت صوفیاء کی دو مشہور اصطلاحات ہیں' میں اب ان کی وضاحت کروں گا' تا کہ ان دونوں کے درمیان فرق واضح ہو سکے۔

''وقت'' صوفیاء کے نزدیک ایک مشہور لفظ ہے' اور اس بارے میں بہت طویل بحث کی گئی ہے' لیکن میرا مقصد صرف ضروری چیزوں کا تذکرہ کرنا ہے' طوالت اختیار کرنا نہیں ہے' اس لیے میں اختصار کے پیش نظر اس کے بارے میں بیان کروں گا۔

> ''وقت اس چیز کو کہا جاتا ہے' جب بندہ اس کی وجہ سے اپنے ماضی اور مستقبل سے لاتعلق ہو جائے' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے دل پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے' دل ان اسرار کو اس طرح محفوظ کر لے کہ جس طرح کشف اور مجاہدے کی حالت میں ہوتا ہے' اس وقت انسان کے ذہن میں نہ تو زمانہ ماضی کی کوئی یاد باقی ہے' اور نہ ہی مستقبل کی کوئی فکر آئے' ایسی حالت اور کیفیت میں مخلوق کی دسترس میں کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور کسی بھی چیز کی یاد بھی باقی نہیں رہتی کہ انسان پر ماضی میں کیا عالم گزرا تھا اور یہ اندیشہ بھی نہیں رہتا کہ مستقبل میں کیا ہو گا؟''۔

جن لوگوں کو اس صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے' وہ یہ فرماتے ہیں: ہمارے علم کا ماضی اور مستقبل کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا' ہم تو زمانہ حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش ہوتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے' اگر ہم کل کی فکر کرنے لگیں اور آئندہ کے اندیشے کو اپنے دل میں جگہ دیں تو ہم وقت کی کیفیت سے محجوب ہو جائیں گے اور حجاب بہت بڑی پراگندگی ہے اور پریشانی کا باعث بنتا ہے' کیونکہ جو چیز انسان کی دسترس میں نہ ہو' اس کا اندیشہ کرنا اور اس کے بارے میں سوچنا باطل ہے۔

شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

حضرت شیخ ابوسعید خرازی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: اپنے عزیز وقت کو صرف عزیز ترین چیزوں میں مشغول کرو' اس کے

علاوہ اور کسی میں مشغول نہ کرو اور بندے کی عزیز ترین چیز ماضی اور مستقبل کے درمیان آنے والا وقت اور زمانہ حال ہے لہٰذا انسان کو اسی میں مشغول رہنا چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ کی مخصوص کیفیت

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"لِيْ مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَايَسَعُنِيْ فِيْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ"

"اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری ایک خاص کیفیت ہوتی ہے اس میں کسی مقرب فرشتے یا کسی مرسل نبی کو ساتھ شامل ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی ہے"۔

یعنی اس وقت ان بے شمار دنیاؤں میں سے کسی ایک دنیا کا بھی میرے دل سے گزر نہیں ہوتا اور میری نظر میں ان میں سے کسی ایک کی بھی کوئی وقعت نہیں ہوتی' یہی وجہ ہے' جب معراج کی رات زمین و آسمان کی آرائش و زیبائش کو نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے ان میں سے کسی کی طرف بھی توجہ نہیں کی' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" (النجم:۱۷) "اس کی نگاہ جھپکی نہیں اور اِدھر اُدھر نہیں ہوئی"۔

اس کی وجہ یہ ہے' نبی اکرم ﷺ عزیز تھے اور عزیز صرف عزیز کے ساتھ ہی مشغول ہو سکتا ہے۔

موحد شخص کے وقت دو قسم کے ہوتے ہیں' ایک "فقد" یعنی جب وہ گم ہو جائے' اور دوسرا "وجد" جس میں وہ پالیتا ہے' ایک کو وصال کہا جاتا ہے' اور دوسرے کو فراق کہا جاتا ہے' ان دونوں کیفیات میں اس کا وقت مغلوب ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' اصل کی کیفیت میں یہ وصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے' اور اس کی کیفیت میں یہ جدائی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے' ان دونوں صورتوں میں بندے کا اختیار اور بندے کی کوشش برقرار نہیں رہتے ہیں کہ اس کے ساتھ بندے کو موصوف کیا جا سکے' کیونکہ بندے کا اختیار اس کی حالت سے الگ کر دیا جاتا ہے' اس لیے اس دوران وہ جو کچھ بھی کرتا ہے' اس کے ذریعے اس کے وقت یعنی حالت کی آرائش ہوتی ہے۔

ایک درویش کا واقعہ

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے ایک ویرانے میں ایک درویش کو دیکھا جو کیکر کے ایک درخت کے نیچے انتہائی سخت اور دشوار جگہ پر بیٹھا ہوا تھا' میں نے اس سے پوچھا: جناب! آپ یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟ یہ تو بڑی سخت اور پریشان کن جگہ ہے' تو اس نے جواب دیا: میرا وقت (یعنی مخصوص کیفیت) یہاں ضائع ہوگئی تھی تو میں اس غم میں اس جگہ پر بیٹھا ہوا ہوں' حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں نے ان سے دریافت کیا: آپ یہاں کتنے عرصے سے بیٹھے ہوئے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا: 12 سال گزر چکے ہیں میری آپ سے درخواست ہے' آپ اس

بارے میں میری مدد کریں تا کہ مجھے وقت (وہ کیفیت) حاصل ہو سکے۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں وہاں سے چل دیا' میں نے حج کیا حج کرنے کے دوران اس کے لیے دعا کی' جسے اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور اس شخص کو اس کی مراد حاصل ہوگئی' جب میں واپسی کے سفر میں اس مقام سے گزرا تو میں نے اس درویش کو اسی جگہ پر بیٹھے ہوئے پایا' میں نے کہا: جناب! اب تو آپ کو آپ کا وقت مل گیا ہے' اب آپ یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا: اے شیخ! یہ وہ جگہ ہے جہاں مجھے پریشانی لاحق ہوئی تھی اور میرا سرمایہ گم ہو گیا تھا' پھر اسی جگہ پر مجھے وہ گمشدہ چیز مل گئی تو میں نے اسی جگہ کو مستقل طور پر اختیار کر لیا ہے' اور مجھے اس جگہ سے محبت ہو گئی ہے' اب میرے لیے یہ بات جائز نہیں ہو گی کہ میں اس جگہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جاؤں' میری یہ خواہش ہے' میں جب مر جاؤں تو مجھے اسی جگہ دفن کیا جائے' اور قیامت کے دن مجھے اسی جگہ سے اٹھایا جائے کیونکہ مجھے اس جگہ سے محبت ہو گئی ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے:

فَكُلُّ امْرِئٍ يُوْلِي الْجَمِيْلَ مُحَبَّبٌ وَكُلُّ مَكَانٍ يُنْبِتُ الْعِزَّ طَيِّبٌ

''ہر انسان اچھا دوست بناتا ہے' اور جس جگہ عزت ملتی ہو وہ زیادہ پاکیزہ ہوتی ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تو جس چیز کا تعلق انسانی کوشش کے ساتھ نہ ہو اور انسان تکلیف' محنت اور مشقت کے ذریعے اسے حاصل نہ کر سکتا ہو' تو اسے دور بھی نہ کر سکتا ہو' تو ان دونوں صورتوں میں اس کی رعایت برابر ہوتی ہے' اور اس کے حصول کے لیے بندے کا اختیار باطل ہو جاتا ہے۔

وقت ایک تلوار ہے

صوفیاء نے یہ بات بیان کی ہے:

''اَلْوَقْتُ سَيْفٌ قَاطِعٌ'' ''وقت ایک تلوار ہے' جو کاٹ دیتی ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' تلوار کا کام صرف کاٹنا ہوتا ہے' اسی طرح وقت بھی صرف کاٹتا ہے' وقت ماضی اور مستقبل دونوں کو جڑوں سے کاٹ دیتا ہے' ان کے غم کو مٹا دیتا ہے' لیکن وقت کی کیفیت خطرناک بھی ہوتی ہے' کیونکہ تلوار یا تو ہلاکت کا شکار کر دیتی ہے یا مالک بنا دیتی ہے' اگر کوئی شخص ایک ہزار سال تک تلوار کی خدمت کرتا رہے اور اسے اپنے کندھے پر لٹکائے رکھے' پھر جب کاٹنے کا وقت آئے گا' تو تلوار اپنے یا پرائے میں تمیز نہیں کرے گی' بلکہ دونوں کو کاٹ دے گی' کیونکہ اس کا کام ہی قہر اور غلبے کا اظہار ہے' مالک نے اس کی جو خدمت کی تھی' اس کی وجہ سے اس کا قہر اور غلبہ ختم نہیں ہوگا۔

حال کیا ہوتا ہے؟

حال! ایک ایسی کیفیت ہے' جو وقت پر طاری ہوتی ہے' اور وقت کو آراستہ کر دیتی ہے' جس طرح جسم کو آراستہ کیا جاتا

ہے' تو وقت' حال کا محتاج ہوگا' اس کی وجہ یہ ہے' حال کی وجہ سے اس میں پاکیزگی آتی ہے' اور حال کی وجہ سے وقت برقرار رہتا ہے' جب صاحبِ وقت شخص صاحبِ حال بن جاتا ہے' تو اس کی طبیعت سے تغیر ختم ہو جاتا ہے' اور وہ اپنے احوال میں مستحکم ہو جاتا ہے' جب تک حال موجود نہ ہو اس وقت تک وقت کی کیفیت زائل ہو سکتی ہے' لیکن جب حال اس کے ساتھ مل جائے' تو اس کی پوری کیفیت وقت بن جاتی ہے' جو زائل نہیں ہوتی تو جو کچھ بھی اس وقت نصیب ہوتا ہے وہ رخصت ہو یا باقی رہے' مخفی رہے یا ظاہر ہو' ان کا تعلق کیفیت کے ساتھ ہوتا ہے' حال سے پہلے صاحب وقت شخص پر وقت کی کیفیت عارضی طور پر نازل ہوتی ہے' اور اس سے غفلت کا صدور ممکن ہوتا ہے' لیکن حال کے نازل ہو جانے کے بعد وقت پر استحکام نصیب ہو جاتا ہے' اس لیے جو شخص صرف صاحبِ وقت ہو اس کا غافل ہونا ممکن ہے' لیکن جو شخص ساتھ میں صاحب حال بھی ہو' اس کا غافل ہونا ممکن نہیں ہے۔

ایک قول کے مطابق:

"اَلْحَالُ سُکُوْتُ اللِّسَانِ فِیْ فُنُوْنِ الْبَیَانِ" ''حال یہ ہے' زبان کے ذریعے حال کو بیان نہ کیا جائے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کا مطلب یہ ہے' احوال کے بیان میں زبان کو خاموش کیا جائے' اور انسان کا عمل اس کے احوال کا ترجمان بن جائے۔

ایک بزرگ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے'

"اَلسُّوَالُ عَنِ الْحَالِ مَحَالٌ" ''حال کے بارے میں سوال کرنا محال ہے''۔

اس کی وجہ یہ ہے' حال نام ہی اس چیز کا ہے' جو فنا ہو جائے۔

شیخ ابو علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بیان کی ہے' دنیا اور آخرت' خوشی اور ناخوشی ان سب کا تعلق وقت سے ہے' لیکن حال کی یہ کیفیت نہیں ہوتی' کیونکہ حال' اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی ایک کیفیت ہے' جو دل پر نازل ہونے کے بعد ہر چیز کو ختم کر دیتی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی حالت

حضرت یعقوب علیہ السلام صاحبِ وقت تھے' یہی وجہ ہے' کبھی حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کے غم میں ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور کبھی حضرت یوسف علیہ السلام کے ملنے کی خوشی میں ان کی بینائی واپس آ گئی' کبھی وہ رونے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو گئے' اور کبھی خوشی کی وجہ سے صحت مند ہو گئے' جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحبِ حال تھے وہ فراق کی وجہ سے مغموم نہیں ہوتے تھے اور وصال سے مسرور نہیں ہوتے تھے' انہوں نے جب چاند' سورج اور ستاروں کو دیکھا' تو جو بھی چیز دیکھی آپ کو اس میں حق کا جلوہ نظر آیا اور آپ نے یہی بات بیان کی:

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ'' (الانعام:۷۶) ''میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے' دنیا صاحبِ وقت شخص کے لیے جہنم بن جاتی ہے' اس کی وجہ یہ ہوتی ہے' اس کے مشاہدے میں حجاب آ جاتا ہے' اور محجوب کی نگاہوں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے اس کا دل وحشت میں مبتلا ہو جاتا ہے' اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے' صاحبِ وقت شخص مشاہدے کی نعمت حاصل کر کے دنیا کو جنت سمجھنے لگتا ہے گویا ہر لمحے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت کی شکل میں انسان کے پاس کوئی تحفہ یا خوشخبری آتی رہتی ہے' اس کے برعکس جو شخص صاحبِ حال ہوتا ہے' اس کے لیے حجاب کی آزمائش یا مشاہدے کی نعمت دونوں ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے' وہ ہر وقت مقامِ مشاہدہ میں ہوتا ہے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے' ''حال'' اس شخص کی صفت ہوتی ہے جو ''مطلوب'' ہوتا ہے' اور وقت طالب کی صفت ہوتی ہے' طالب شخص وقت کی کیفیت کی وجہ سے اپنی ذات کے ساتھ خوش ہوتا ہے' جبکہ مطلوب شخص راحت کی منزل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجذوب ہوتا ہے' اور ان دونوں مقامات کے درمیان بڑا فرق پایا جاتا ہے۔

صوفیاء کی ان اصطلاحات میں سے دو اصطلاحات ''مقام'' اور ''تمکین'' ہیں' جن کا تذکرہ ہم آئندہ فصل میں کریں گے۔

دوسری فصل

مقام' تمکین اور ان کے درمیان فرق

طالب شخص جب سچی نیت اور ریاضت و مجاہدے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حقوق کی ادائیگی پر قائم رہتا ہے' تو اسے (صوفیاء کی اصطلاح میں) ''مقام'' کا نام دیا جاتا ہے' حق تعالیٰ کے طلبگار ہر شخص کا ایک مخصوص مقام ہوتا ہے' جو طلب کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آغاز سے لے کر اختتام تک اس طلب کے حصول کا موجب بنتا ہے' جب بھی کوئی طالب کسی مقام کو عبور کرتا ہے' اور سابقہ مقام کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے' تو وہ کسی اگلے مقام پر قائم ہو جاتا ہے' جو اس کی واردات کا مقام ہوتا ہے' اور مرکب ہوتا ہے' اور معروف ہوتا ہے' اس کا ارادے اور معاملے کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ'' (الصافات:۱۶۴) ''ہم میں سے ہر ایک کا مقام طے شدہ ہے''۔

انبیاء کے مخصوص مقامات

جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا مخصوص مقام توبہ تھا' حضرت نوح علیہ السلام کا مخصوص مقام انابت تھا' حضرت داؤد علیہ السلام کا مخصوص مقام غم تھا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مخصوص مقام امید تھا' حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مخصوص مقام خوف تھا' جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص مقام ذکر تھا۔

ہر طالب دیگر مقامات کو عبور کرتا ہے' لیکن وہ آخر کار اپنے اصل مقام کی طرف لوٹتا ہے' جس کا تذکرہ ہم محاسبی مکتبہ فکر کے نظریات کی وضاحت میں کر چکے ہیں' اور وہاں ہم نے حال اور مقام کے درمیان فرق کو بھی واضح کر دیا ہے۔

یہ بات واضح کرلیں! حق کے راستے کی تین قسمیں ہیں: مقام حال اور تمکین۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء کو یہ راستہ بتانے کے لیے مبعوث کیا ہے تاکہ وہ مقامات سے متعلق احکام کو بیان کرسکیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام جو تشریف لائے تھے وہ مقامات کو بیان کرنے پر مامور تھے اور ہمارے آقا ﷺ کی تشریف آوری کے ساتھ ہر صاحبِ مقام کا ایک مخصوص حال ظاہر ہوا اور وہ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں ان کی ذاتی کوشش اور کسب ان سے منقطع ہوگئے دین کی نعمت کو مکمل کرکے اس کی انتہاء تک پہنچا دیا گیا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ'' (المائدہ:۳)

''آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کردیا''۔

اہلِ تمکین

اس کے بعد اہل تمکین کے لیے اعراض کا ظہور ہوا' اگر میں یہاں ان تمام احوال اور تمام مقامات کی وضاحت کروں تو مقصد رہ جائے گا۔

اہل تحقیق کا کمال کے مقام پر اعلیٰ درجے پر مستقل قیام پذیر ہونے کا نام تمکین ہے' اس لیے جس شخص کا تعلق مقام سے ہوتا ہے' اس کے لیے مقام کو عبور کرنا ممکن ہے' لیکن جو شخص مرتبہ تمکین پر فائز ہو جاتا ہے وہ اسے عبور کرکے آگے نہیں جا سکتا' اس لیے کہ مقام کا تعلق ابتدائی درجے کے ساتھ ہے (یعنی طریقت کی ابتداء کے ساتھ ہوتا ہے) جبکہ تمکین کا تعلق انتہائی درجے میں اقامت اختیار کرنے کے ساتھ ہوتا ہے' تو ابتداء سے انتہا تک جایا تو جا سکتا ہے' لیکن انتہا سے آگے نہیں جایا جا سکتا' اس کی وجہ یہ ہے' مقامات منزل کے راستے ہیں' اور تمکین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک جگہ پر ٹھہر جانے کا نام ہے' اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے راستے میں عارضی طور پر (مقیم ہوتے ہیں) اور منزل پر پہنچ کر وہ اجنبی اور بیگانے ہو جاتے ہیں' ان کا باطن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہوتا ہے' اور حضوری کے اس مقام میں اسباب اور وسائل کی موجودگی' خرابی اور حجاب کا باعث بن سکتی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں شعراء کا یہ طریقہ تھا' جب وہ کسی ممدوح کی تعریف کرتے تھے تو کچھ دن گزرنے کے بعد اپنے تعریفی اشعار اسے سناتے تھے' شاعر پہلے اپنے ممدوح کے پاس پہنچتا تھا اس کے بعد تلوار نکال کر اپنی سواری کے پاؤں کاٹ دیتا تھا' اس کے بعد تلوار کو بھی توڑ دیتا تھا' اس کا مقصد یہ ہوتا تھا' سواری کی ضرورت صرف اس لیے تھی کہ میں اپنے ممدوح کی بارگاہ تک پہنچ سکوں اور تلوار کی ضرورت اس لیے تھی تاکہ حاسدوں کو دور رکھ کر ممدوح کی بارگاہ تک پہنچ سکوں' اب' جبکہ میں آپ کے پاس پہنچ چکا ہوں' اور سواری کا بھی کوئی کام نہیں ہے' تو جب تیری بارگاہ سے الگ ہونا ہی نہیں ہے' تو تلوار کی کوئی ضرورت نہیں ہے' پھر کچھ دن گزرنے کے بعد شاعر اپنا کلام سنایا کرتا تھا۔

یہی وجہ ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمایا تھا: جب وہ مختلف منازل کو طے کرتے ہوئے اور مقامات کو عبور

کرتے ہوئے تمکین کے محل میں پہنچے تو ان سے یہ فرمایا: اب اسباب کی کیا ضرورت ہے' اور ارشاد ہوا:

''فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ (طٰہٰ:۱۲) ''تم اپنے جوتے اتار دو''۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ'' (النمل:۱۰) ''اپنے عصا کو رکھ دو''۔

یعنی یہ سب سفر کا سامان ہے' اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری کے بعد اب اس سے جدا ہونے کا خطرہ نہیں ہے' کیونکہ محبت کا آغاز طلب ہوتا ہے' اور اس کی انتہا یہ ہے' اس جگہ حق کے ساتھ سکون حاصل ہو جائے' پانی جب تک ندی میں بہتا رہتا ہے' اس وقت تک جاری رہتا ہے' لیکن جب وہ سمندر میں پہنچ جاتا ہے' تو اسے قرار حاصل ہو جاتا ہے' اور اس کا ذائقہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے' اب جس شخص کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے' وہ سمندر کا رخ نہیں کرتا' بلکہ اس کی طرف وہ شخص آتا ہے' جسے جواہرات کی طلب ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی جان پر کھیل کر جواہرات کو حاصل کر سکے اور سر کے بل سمندر میں غوطہ زن ہو کر ان جواہرات کو نکال سکے یا پھر اپنی جان سے ہاتھ دھو لے۔

ایک بزرگ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''اَلتَّمْكِيْنُ رَفْعُ التَّلْوِيْنِ'' ''تمکین یہ ہے' تلوین کو اٹھا دیا جائے''۔

لفظ حال اور لفظ مقام کی مانند لفظ تلوین بھی صوفیاء کی ایک اصطلاح ہے' اور یہاں تلوین سے مراد ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا ہے' اس بات کا مفہوم یہ ہے' جو شخص حالت تمکین میں ہوتا ہے' اس میں تردد نہیں آتا' وہ اپنا سارا سامان چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے' اس کے دل میں غیر کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا' اس پر کوئی معاملہ نہیں گزرتا' اس کی وجہ سے اس کے ظاہر کے بدل جانے کا امکان موجود ہو' اور نہ ہی اس پر کوئی ایسی حالت طاری ہوتی ہے' جس کی وجہ سے اس کے باطن میں کوئی تغیر آ سکتا ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیونکہ متغیر تھے' اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر جلوۂ حق کی تجلی فرمائی تو ان کے حواس رخصت ہو گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا'' (الاعراف:۱۴۳) ''موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے''۔

اس کے برعکس ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمکین کے محل میں تھے' اس لیے مکہ مکرمہ سے چل کر قاب قوسین تک پہنچنے تک آپ عین تجلی تک گئے' لیکن آپ کی حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی اور آپ کی حالت ایک ہی رہی اور یہ بڑا بلند مرتبہ ہے' باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

تمکین کا محل

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیں! تمکین کے محل کی دو قسمیں ہیں:

ایک یہ ہے' اس کا تعلق اپنی ذات کا مشاہدہ کرنے والے کے ساتھ ہو۔

دوسرا یہ ہے اس کی نسبت حق کا مشاہدہ کرنے والے کے ساتھ ہو۔

جس کی نسبت اپنی ذات کے مشاہدہ کے ساتھ ہوتی ہے اس کی صفت باقی ہوتی ہے اور جس کی نسبت حق تعالیٰ کے مشاہدہ کے ساتھ ہوتی ہے اس کی اپنی صفت فنا ہو جاتی ہے تو جس شخص کی صفت فنا ہو جائے اس کے لیے محو، صحو، لحق، محق، فنا، بقاء، وجود، عدم کوئی لفظ استعمال کرنا درست نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے یہ تمام اوصاف اس وقت استعمال ہو سکتے ہیں جب موصوف بھی موجود ہو جبکہ یہاں پر موصوف حق کے شہود میں مستغرق ہو چکا ہے تو اب اس کے ساتھ کسی صفت کو قائم کرنا غلط ہوگا اس بارے میں اور بھی بہت سے لطائف ہیں لیکن ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں باقی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

تیسری فصل

محاضرہ اور مکاشفہ

محاضرہ اور مکاشفہ بھی دو اصطلاحات ہیں: لفظ محاضرہ کا اطلاق اس کیفیت پر ہوتا ہے جب دل حضوری کی کیفیت میں ہوتا ہے اور مکاشفہ کا تعلق اس کیفیت کے ساتھ ہے جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مشاہدے کی کیفیت کے دوران انسان کا باطن حاضر ہوتا ہے گویا دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہتے ہیں: آیات (نشانیوں) کے شواہد کو دیکھنا محاضرہ ہے اور مشاہدات کے شواہد کو دیکھنا مکاشفہ ہے محاضرہ کا تعلق نشانیوں کو دیکھنے کے ساتھ غور و فکر کرنے سے ہے اور مکاشفہ کا تعلق عظمت کے بارے میں ہمیشہ حیران رہنے سے ہے یعنی ایک شخص افعال کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے اور دوسرا شخص جلال کے سامنے حیرت زدہ ہوتا ہے ان میں سے ایک دوستی کا مفہوم رکھتا ہے اور دوسرا محبت کا مفہوم رکھتا ہے یہی وجہ ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان میں موجود اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مشاہدہ کیا اور ان کو پیدا کرنے والے کی ذات کے بارے میں غور و فکر کیا تو انہیں محاضرہ کی کیفیت نصیب ہوئی اور انہوں نے فعل کو دیکھ کر فاعل کو دیکھ لیا اور ان کی اس کیفیت نے اس فعل کو فاعل کی موجودگی کی دلیل قرار دیا اور معرفت میں کمال کے معترف ہو کر انہوں نے یہ جملہ کہا:

"اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا" (الانعام:۷۹)

"میں اپنا رخ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (اور مکمل طور پر اسی کی طرف) متوجہ ہوتا ہوں"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکاشفہ

جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو آپ نے تمام جہان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا نہ آپ نے کسی فعل کی طرف توجہ کی اور نہ ہی مخلوق کی طرف توجہ کی یہاں تک کہ آپ نے اپنی ذات کی طرف بھی توجہ نہیں کی بلکہ صرف معبودِ حقیقی کے مکاشفے کی کیفیت میں رہے اور اس کشف کے نتیجے میں آپ کے شوق اور بے قراری میں اضافہ ہوتا چلا

گیا' جب آپ نے دیدار کی تمنا کی اور رخ کا دیدار نہیں ہوا' جب قربت کی تمنا کی تو (وجوب کی) قربت ممکن نہ ہوئی' جب وصل کی خواہش ہوئی تو وصال کی ظاہری صورت سامنے نہیں آئی' تو اس وقت آپ کے قلب اطہر کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات کی تنزیہہ وتقدیس کا جتنا زیادہ ظہور ہوا' آپ کے شوق میں اتنا ہی اضافہ ہوتا چلا گیا اور یہ وہ مقام نہیں تھا' جہاں سے منہ موڑا جاسکتا اور یہاں سامنے کی طرف توجہ کرنا ممکن نہیں تھا' یعنی نہ ایک طرف ہو سکتے تھے نہ سامنے ہو سکتے تھے تو اس کیفیت میں آپ حیرانگی کا شکار ہو گئے' جس مقام پر دوستی ہوتی ہے' اس کیفیت میں حیرت کفر ہوتی ہے' اور جہاں محبت کی کیفیت ہو' وہاں وصل شرک نظر آتا ہے' اور حیرت سرمایہ بن جاتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے' دوستی کے مقام میں حیرت زدہ ہونے کا تعلق وجود میں حیرت کے ساتھ ہے' اور یہ شرک ہے' جبکہ محبت کی کیفیت میں حیرانگی کا تعلق کیفیت کے ساتھ ہے' اور یہ توحید کا مقام ہے۔

شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا

یہی وجہ ہے' حضرت شبلی رحمہ اللہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ زِدْنِیْ تَحَیُّرًا''

''اے حیرانگی کا شکار ہونے والوں کی دلیل! تو ہماری حیرانگی میں اضافہ کر''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یعنی ہمارے مشاہدے میں اضافہ کردے! کیونکہ مشاہدے میں اضافے کی وجہ سے حیرت میں اضافہ ہوتا ہے' اور اس حیرت کے نتیجے میں درجہ بلند ہوتا ہے۔

ایک بزرگ کی وضاحت

حضرت شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ' حضرت شیخ ابراہیم سعد علوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تھے' انہوں نے دریا کے کنارے ایک بزرگ کو دیکھا' تو ان سے دریافت کیا: حق کا راستہ کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ اس بزرگ نے جواب دیا: حق کے دوراستے ہیں: ایک عوام کے لیے اور دوسرا خواص کے لیے ہے' ان حضرات نے اس بات کی تشریح کے لیے کہا تو اس بزرگ نے جواب دیا: عوام کا راستہ وہ ہے' جس پر تم لوگ چل رہے ہو کیونکہ تم لوگ علت کے ساتھ قبول کرتے ہو اور علت کی وجہ سے چھوڑتے ہو' جبکہ خواص کا طریقہ یہ ہے' وہ علت کو بھی نہیں دیکھتے ہیں' اور معلّل (جس میں علت کو استعمال کیا گیا ہو) اس کو بھی نہیں دیکھتے ہیں (بلکہ اس علت کو پیدا کرنے والی ذات کی طرف توجہ رکھتے ہیں)۔

چوتھی فصل

قبض اور بسط

یہاں یہ بات واضح کرلیں! قبض اور بسط دو حالتیں ہیں' جن کا بندے کے اختیار سے کوئی تعلق نہیں ہے' بندہ نہ انہیں

لانے پر قادر ہے اور نہ ہی انہیں ختم کرنے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَ یَبْسُطُ" (البقرہ:۲۴۵)

"اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو تنگی کرتی ہے اور وہی کشادگی پیدا کرتی ہے"۔

تو قبض اس کیفیت کا نام ہوگا کہ جو حجاب کی حالت میں دل پر چھا جاتی ہے اور بسط اس کیفیت کا نام ہوگا' جب کشف کے عالم میں دل کو کشادگی نصیب ہوتی ہے' اور یہ دونوں کیفیات حق ہیں' جن کا بندے کی ذات کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے عارفوں کے احوال میں قبض کی کیفیت اسی طرح ہے' جیسے مریدین کی خوف کے عالم میں حالت ہوتی ہے' اور اہل معرفت کے احوال میں بسط کی کیفیت اس طرح ہے' جیسے مریدین کے احوال میں' امید کی کیفیت ہوتی ہے' یہ تعریف ان لوگوں کے مطابق ہے' جنہوں نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے۔

قبض وبسط میں کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟

بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے' قبض کا مرتبہ "بسط" کے مرتبے سے زیادہ ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' قرآن مجید میں قبض کا ذکر پہلے کیا گیا ہے' اور "بسط" کا ذکر بعد میں ہے' اس کی دوسری دلیل یہ ہے' قبض میں غلبہ اور قہر پایا جاتا ہے' جبکہ "بسط" میں مہربانی اور عنایت پائی جاتی ہے' تو لازمی طور پر بشری صفات کو ختم کر دینا اور نفس کو مغلوب کر دینا' پرورش اور مہربانی کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہوگا' کیونکہ یہ مہربانی حجاب کی حالت رکھتی ہے۔

بعض دیگر مشائخ اس بات کے قائل ہیں: بسط کا مرتبہ قبض سے زیادہ ہے' اس کی دلیل یہ ہے' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سب سے پہلے قبض کا ذکر کیا ہے' اس کے بعد بسط کا ذکر کیا ہے' عربوں کے محاورے میں یہ بات شامل ہے' وہ عبارت میں پہلے اس چیز کا ذکر کرتے ہیں' جو فضیلت میں کم حیثیت رکھتی ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

"فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْھُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۔" (الفاطر:۳۲)

"تم میں سے بعض بندے وہ ہیں' جو اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں' اور تم میں سے بعض وہ ہیں' جو میانہ روی اختیار کرتے ہیں' اور بعض وہ ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت بھلائی کی طرف سبقت لے جاتے ہیں"۔

ایک اور مقام پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ ۔" (البقرہ:۲۲۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے' اور اچھے طریقے سے پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

ایک اور مقام پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"یَامَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكَ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ." (آل عمران:۴۳)

"اے مریم! اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو"۔

بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے: بسط میں خوشی کی کیفیت پائی جاتی ہے' جبکہ قبض میں تکلیف کی کیفیت پائی جاتی ہے عارف صرف معرفت کے حصول کے وقت ہی خوش ہوتا ہے' جبکہ مقصود سے الگ ہو جانا' ان کے نزدیک ہلاکت ہوتا ہے' اس لیے "وصل" کی کیفیت پر قرار پذیر ہونا' فراق کی کیفیت سے قرار حاصل کرنے' سے بہتر ہے۔

شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

میرے شیخ (حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ) یہ ارشاد فرماتے ہیں: قبض اور بسط دونوں کا مفہوم ایک ہے' کیونکہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے حال میں شامل ہوتے ہیں' کیونکہ جب ان کے معنی کا دل پر اثر ہوتا ہے' اس وقت یا تو بندے کا باطن مسرور ہوتا ہے' اور نفس مغلوب ہو جاتا ہے' یا پھر باطن مغلوب ہوتا ہے' اور نفس مسرور ہو جاتا ہے' ایک صورت میں دل میں قبض ہوتا ہے' اور نفس کشادہ ہو جاتا ہے' اور ایسی صورت میں دل میں کشادگی آتی ہے' اور نفس قبض کی کیفیت میں چلا جاتا ہے' جو اس بارے میں اس کے علاوہ کوئی اور رائے رکھتا ہے وہ اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"قَبْضُ الْقُلُوْبِ فِیْ بَسْطِ النُّفُوْسِ وَبَسْطُ الْقُلُوْبِ فِیْ قَبْضِ النُّفُوْسِ"

"قلب کا قبض' نفس کے بسط میں ہے' اور نفس کا قبض' قلب کے بسط میں ہے"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس لیے جو نفس قبض کی کیفیت میں ہوتا ہے وہ خلل سے محفوظ ہوتا ہے' اور جو باطن' بسط کی کیفیت میں ہوتا ہے وہ پھسلن سے محفوظ رہتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' محبت میں غیریت نہیں ہوتی۔ اور قبض کی کیفیت حق تعالیٰ سے غیریت کی نشانی ہے' دوست کی دوست سے معاتبت شرط ہے' اور بسط معاتبت کی نشانی ہوتی ہے۔

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی کیفیات

آثار میں یہ بات منقول ہے' حضرت یحییٰ علیہ السلام جب تک زندہ رہے وہ روتے رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تک دنیا میں تشریف فرما رہے' اس وقت تک ہمیشہ خوش و خرم رہے کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی کیفیت قبض کی سی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیفیت بسط کی سی تھی' جب ایک مرتبہ ان دونوں کی ملاقات ہوئی تو حضرت یحییٰ نے یہ فرمایا: اے حضرت عیسیٰ! آپ تو جدائی سے اس طرح بے خوف ہو گئے ہیں: ہر وقت خوش و خرم رہتے ہیں' تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں جواب دیا: اے حضرت یحییٰ! کیا آپ رحمت سے ناامید ہو گئے ہیں: جو ہر وقت گریہ و زاری کرتے رہتے ہیں۔

یعنی نہ آپ کا رونا ازلی حکم کوٹال سکتا ہے نہ میرا خوش وخرم رہنا ازلی حکم کوٹال سکتا ہے۔ کیونکہ:

"لاَ قَبْضَ وَلاَ بَسْطَ وَلاَ طَمْسَ وَلاَ اُنْسَ وَلاَ مَحْوَ وَلاَ صَحْوَ وَلاَ لَحِقَ وَلاَ مَحَقَ وَلاَ عَجزَ وَلاَ جَهلَ اِلاَّمِنَ اللهِ تَعَالٰی ۔"

''ہر قبض' ہر بسط' ہر مٹنا' ہر مانوس ہونا' ہر بے خودی' ہر سمجھداری' ہر وصل' ہر فصل' ہر عجز' ہر جہالت' یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں' جو اللہ کے ہاں مقدر ہو چکا ہے' اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا''۔

پانچویں فصل

انس اور ہیبت

انس اور ہیبت اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والے درویشوں کی دو حالتیں ہیں' جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے دل پر اپنے جلال کی تجلی کو ڈالتا ہے' تو اس وقت اس بندے پر ہیبت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے' اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے دل پر اپنے جمال کی تجلی کو ڈالتا ہے' تو اس کے نتیجے میں اسے انس حاصل ہوتا ہے' ہیبت کی حالت میں مبتلا لوگ اللہ تعالیٰ کے جلال کی وجہ سے سختی کے عالم میں ہوتے ہیں' اور انس کی حالت والے لوگ اللہ تعالیٰ کے جمال کی وجہ سے خوشی کے عالم میں ہوتے ہیں' ایک شخص کا دل اللہ تعالیٰ کے جلال کی وجہ سے حیرت کی کیفیت میں ہوتا ہے' جبکہ دوسرے شخص کا دل اس کے جمال کے انوار کے مشاہدے کی وجہ سے چمک رہا ہوتا ہے' اور ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔

بعض مشائخ اس بات کے قائل ہیں: ہیبت عارفوں کا مقام ہے' اور انس مریدین کا مرتبہ ہے' کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے' اور اس کی بارگاہ میں اس کی صفات کی تنزیہہ کے بارے میں جتنا زیادہ عارف بن جاتا ہے' اس کے دل پر اتنا ہی زیادہ ہیبت کا غلبہ ہو جاتا ہے' اور اس کی طبیعت سے انس اتنا ہی زیادہ دور ہو جاتا ہے' کیونکہ انس ہمیشہ اس چیز کے ساتھ ہوتا ہے' جو اس کی اپنی جنس کے ساتھ تعلق رکھتی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم جنس نہیں ہوا جا سکتا' اس کے ساتھ مشاکلت ممکن نہیں ہے' اس لیے وہاں انس کا امکان نہیں پایا جا سکتا' اسی طرح اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے ساتھ انس بھی محال ہے' کیونکہ اگر اس انس کی کوئی صورت ہوتی تو اس کے ذکر اور اس کی یاد کے ساتھ انس کرنا ممکن ہوتا' کیونکہ اس کا ذکر غیر ہے' اور اس کا تعلق بندے کی صفات سے ہے' اور محبت میں غیر سے آرام پانا صرف دعویٰ ہے' اور گمان ہے' جبکہ ہیبت کا تعلق عظمت کے مشاہدے سے ہوتا ہے' اور عظمت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' لہٰذا جب بندے کا کام اپنے فعل کے ساتھ متعلق ہوگا' اور جس بندے کا کام اپنے افعال کو فنا کر کے حق کی بقاء کے ساتھ ہوگا' ان دونوں کے درمیان بڑا فرق پایا جائے گا۔

حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرتے ہیں: میں ایک عرصے تک اس گمان میں رہا کہ میں محبت کی کیفیت میں خوش رہتا ہوں' اور اللہ تعالیٰ کے مشاہدے سے انس پاتا ہوں' اب مجھے یہ پتا چلا ہے' انس صرف اپنے ہم جنس سے ہوسکتا ہے۔

بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے' ہیبت فراق اور عذاب کا ثمرہ ہے' جبکہ انس کا تعلق رحمت کے ساتھ ہے' اس لیے دوستوں پر یہ بات لازم ہے' وہ ہیبت سے دور رہیں اور انس اور محبت سے قریب رہیں کیونکہ انس محبت کا تقاضا کرتا ہے' تو جس طرح محبت کے لیے ہم جنس ہونا محال ہے' اسی طرح انس کے لیے بھی یہ محال ہوگا۔

میرے شیخ (حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ) یہ بات ارشاد فرماتے ہیں: مجھے اس شخص پر حیرانگی ہوتی ہے' جو یہ کہتا ہے' اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس ممکن نہیں ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود یہ ارشاد فرمایا ہے:

''وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (البقرہ:۸۶)''

''اور جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں دریافت کریں (تو تم کہہ دینا) میں قریب ہی ہوں''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''يَا عِبَادِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلاَ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ'' (زخرف:۸)

''اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں ہے' اور نہ ہی تم غمگین ہوگے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تو لازمی سی بات ہے' جب انسان اللہ تعالیٰ کے اس فضل کو دیکھتا ہے' تو اس سے محبت کرتا ہے' اور جب محبت کرتا ہے' تو اس سے مانوس بھی ہو جاتا ہے' کیونکہ دوست سے ہیبت کی کیفیت میں ہونا ''غیر'' ہونے کی علامت ہوتی ہے' جبکہ انس یگانگت کی علامت ہوتی ہے' تو آدمی کی یہ خصلت ہے' وہ نعمت عطا کرنے والے کے ساتھ انس رکھتا ہے' تو جب اللہ تعالیٰ کی ہم پر بے شمار نعمتیں ہیں اور اس نے ہمیں اپنی معرفت بھی عطا کی ہوئی ہے' تو پھر ہیبت کس حوالے سے کریں۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) دونوں گروہ اپنی الگ' الگ تعریف اور اس میں اختلاف رکھنے کے باوجود درست مؤقف رکھتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے' ہیبت کا غلبہ نفس اور اس کی خواہش پر ہوتا ہے' اور اس ہیبت کے نتیجے میں بشری اوصاف فنا ہو جاتے ہیں' اور باطن میں انس کو غلبہ نصیب ہوتا ہے' جس کے نتیجے میں باطن میں معرفت کا اضافہ ہوتا ہے' اور جب اللہ تعالیٰ کے جلال کی تجلی سے اس کے دوستوں کا نفس فنا ہو جاتا ہے' اور اس کے جمال کی تجلی سے ان کا باطن باقی رہتا ہے' تو جو لوگ اہل فنا ہیں وہ ہیبت کو مقدم سمجھتے ہیں' اور جو اہل بقاء ہیں وہ انس کو فضیلت دیتے ہیں' اس سے پہلے ہم فنا کے بارے میں کچھ وضاحت کر چکے ہیں۔

چھٹی فصل

قہر اور لطف

یہ دو ایسے الفاظ ہیں جن کے ذریعے مشائخ احوال کو بیان کرتے ہیں' قہر سے مراد یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی تائید کے ذریعے

اپنی تمنا اور آرزو کو فنا کر دیا جائے' اور نفس کو خواہشات کی پیروی سے روک دیا جائے' اور اس میں انسان کی کوئی ذاتی مراد شامل نہ ہو' جبکہ لطف سے مراد یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تائید کے ذریعے باطن کو برقرار رکھا جائے' اور ہمیشہ مشاہدے میں مشغول رہا جائے' اور استقامت میں انتہاء تک استقلال نصیب ہو۔

بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے' کرامت اور اعزاز یہ ہے' انسان اللہ تعالیٰ سے مراد حاصل کر لے اور ایسے لوگوں کو اہل لطف قرار دیا جائے گا۔

بعض مشائخ یہ کہتے ہیں: کرامت یہ ہے' اللہ تعالیٰ بندے کو اپنی مراد اور اس کی مراد دونوں سے بچا کر رکھے اور اسے نامرادی کے ساتھ مغلوب کر دے' یہاں تک کہ اگر وہ تشنگی کے عالم میں دریا پر جائے' تو دریا خشک ہو جائے (لیکن اس کی تشنگی دور نہ ہو)' باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

بغداد کے درویش

یہ بات منقول ہے' بغداد میں دو درویش رہتے تھے' وہ دونوں صاحب مرتبہ فقیر تھے' ان میں سے ایک قہر اور غلبہ کی کیفیت میں تھا' جبکہ دوسرا لطف و کرم کی کیفیت میں تھا اور ان دونوں کے درمیان ہمیشہ نوک جھونک رہا کرتی تھی' ان میں سے ہر ایک اپنے حال کو بہتر قرار دیتا تھا۔

ان میں سے ایک کا یہ کہنا تھا' اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم جب بندے پر ہوتا ہے' تو یہ بہت بڑی چیز ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ'' (الشوریٰ:۱۹) ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے''۔

جبکہ دوسرا درویش یہ کہا کرتا تھا' اللہ تعالیٰ کا بندے پر قہر اور غلبہ کرنا زیادہ مکمل چیز ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ'' (الانعام:۶۱) ''اور وہ بندوں پر غالب ہے''۔

ان دونوں درویشوں کے درمیان اس تکرار کا سلسلہ باقی رہا یہاں تک کہ ایک مرتبہ جو شیخ لطف اور قرار کی حالت میں رہتا تھا وہ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوا' راستے میں وہ ایک جنگل میں ٹھہر گیا اور مکہ مکرمہ نہ پہنچ سکا' کئی برس تک اس کے بارے میں کسی کو پتہ نہ چلا' ایک مرتبہ ایک شخص مکہ سے بغداد آ رہا تھا' تو اس نے راستے میں اس درویش کو ایک دریا کے کنارے دیکھا' تو اس درویش نے اس شخص سے یہ کہا' اے میرے بھائی! جب تم عراق پہنچ جاؤ تو کرخ میں میرے فلاں دوست سے ملنا اور اس سے یہ کہنا: اگر تو تم یہ چاہتے ہو' اتنی مشقت کے باوجود جنگل میں بغداد کے محلے کرخ کی طرح عجائبات دیکھنے ہیں' تو یہاں آ جاؤ' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جنگل کو میرے لیے بغداد کی مانند کر دیا ہے' جب وہ شخص کرخ اس دوسرے درویش کے پاس پہنچا اور اسے یہ پیغام پہنچایا تو اس دوسرے درویش نے یہ جواب دیا' جب تم واپس اس شخص کے پاس جاؤ تو اس سے یہ

کہنا: اس میں کوئی بزرگی نہیں ہے، مشقت کے ساتھ جنگل میں رہائش کوتمہارے لیے کرخ بنا دیا گیا ہے ایسا اس لیے ہوا ہے کہ کہیں تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بھاگ نہ جاؤ' بزرگی تو یہ ہے' میں بغداد کے محلے کرخ میں تمام تر نعمتوں کے اندر ہوں' اور اس کے باوجود یہ نعمتیں میرے لیے اسی طرح ہیں' جیسے آدمی مشقت کے ساتھ جنگل میں رہ رہا ہو اور میں اس میں خوش وخرم بھی ہوں۔

شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا

حضرت شبلی رحمہ اللہ مناجات میں یہ دعا کیا کرتے تھے:

''اے میرے معبود! اگر تو اس آسمان کو میرے گلے کا طوق بنادے اور زمین کو میرے پاؤں کی زنجیر بنادے اور پوری دنیا میرے خون کی پیاسی بنادے تو بھی میں تیری بارگاہ سے نہیں ہٹوں گا''۔

شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

میرے شیخ (حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ایک دفعہ جنگل میں اولیاء کا اجتماع ہوا' تو میرے شیخ حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ مجھے اپنے ساتھ وہاں لے گئے' میں نے وہاں کچھ لوگوں کو دیکھا جو تخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ کو دیکھا جو تخت پر بیٹھے ہوئے تھے' کوئی اُڑتا ہوا آرہا تھا' کوئی کسی طریقے سے آرہا تھا' لیکن میرے شیخ نے ان میں سے کسی کی طرف توجہ نہیں دی یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان جس کی جوتیاں پھٹ چکی تھیں اس کا عصا شکستہ تھا' پاؤں کا بُرا حال تھا' جسم جھلسا ہوا تھا' کمزور اور لاغر تھا' وہ آتا ہوا نظر آیا' تو میرے شیخ حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ دوڑ کر اس کے پاس پہنچے اور اسے ایک بلند جگہ کے اوپر بٹھایا۔

(شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: میں یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا' بعد میں' میں نے شیخ سے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا: یہ ایسا ولی ہے' جو ولایت کا تابع نہیں ہے' بلکہ ولایت اس کی تابع ہے' اور یہ کرامت کی طرف توجہ نہیں دیتا۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) مختصر یہ ہے' اپنے اختیار سے جو کچھ کرتے ہیں وہ ہمارے لیے آزمائش ہوتی ہے' اور میری یہ آرزو ہے' اللہ تعالیٰ مجھے اس مقام پر اس آفت سے محفوظ رکھے اور نفس کی برائی سے بچا کر رکھے' اگر وہ غلبے اور قہر کی کیفیت پر رکھنا چاہتا ہے' تو میں اس کے لطف اور مہربانی کی تمنا نہیں کروں گا' اگر وہ لطف اور کرامت کی حالت میں رکھنا چاہتا ہے' تو میں قہر اور غلبے کے حصول کا آرزومند نہیں بنوں گا' ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات کی اختیار کردہ چیز کے بارے میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

ساتویں فصل

نفی و اثبات کا بیان

بعض مشائخ، حق کی تائید کے ہمراہ، بشری صفت کے ختم کرنے کو فنا و اثبات کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، وہ نفی سے مراد بشری صفت کی نفی کرنا اور اثبات سے مراد حقیقت کا غالب ہو جانا لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے "صحو" ہر چیز کے مٹ جانے کو کہتے ہیں، اور ہر چیز کی نفی صرف صفات کی شکل میں ہو سکتی ہے، ذات کی شکل میں ممکن نہیں ہے، کیونکہ جب تک بشریت باقی ہے، اس وقت تک ذات سے ہر چیز کی نفی کی کوئی صورت نہیں ہوگی، اس لیے یہ بات ضروری ہوگی کہ مذموم صفات کی نفی کی جائے، اور قابل تعریف صفات کو ثابت کیا جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے، معانی کے اثبات سے، حق تعالیٰ سے محبت کے دعویٰ کی نفی کی جائے، کیونکہ دعویٰ کرنے کا تعلق نفس کے غرور سے ہوتا ہے، اور انسان کی عام عادت یہ ہے، جبکہ حقیقت کے غلبے کی صورت میں انسان کی ذاتی صفات مغلوب ہو جاتی ہیں، اس وقت یہ کہا جاتا ہے، بشری صفات کی نفی ہو گئی ہے، اور حق کی بقاء کے ساتھ اثبات ہو گیا ہے۔

اس سے پہلے ہم فقر و صفوت اور فناء و بقاء کے بارے میں کچھ بیان کر چکے ہیں، یہاں اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

نفی سے مراد کیا ہے؟

بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے، نفی سے مراد اللہ تعالیٰ کے اختیار کے اثبات میں بندے کے اختیار کی نفی کرنا ہے۔

یہی وجہ ہے، ایک بزرگ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"اِخْتِيَارُ الْحَقِ لِعَبْدِهٖ مَعَ عِلْمِهٖ لِعَبْدِهٖ خَيْرٌ مِّنْ اِخْتِيَارِ عَبْدِهٖ لِنَفْسِهٖ مَعَ جَهْلِهٖ بِرَبِّهٖ"

"اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کے لیے کسی صورت کو اختیار کرنا، جبکہ اسے اپنے بندے کے بارے میں علم بھی ہے، یہ اس اختیار سے بہتر ہے، جو بندہ اپنی ذات کے لیے اختیار کرتا ہے حالانکہ وہ اپنے پروردگار کے بارے میں ناواقف ہے"۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے، محبت میں محبت کرنے والے کے اختیار کی نفی، اسی وقت ممکن ہے، جب محبوب کے اختیار کو ثابت کیا جائے، اور یہ بات طے شدہ ہے۔

ایک مرتبہ ایک درویش دریا میں ڈوب رہا تھا، کسی نے اس سے دریافت کیا: کیا تم یہ چاہتے ہو، تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے، اس نے جواب دیا: نہیں! پوچھنے والے نے دریافت کیا: پھر تم کیا چاہتے ہو؟ کیا ڈوب جاؤ؟ درویش نے جواب دیا: نہیں! پوچھنے والے نے کہا: یہ عجیب بات ہے نہ تو تم ہلاکت کا شکار ہونا چاہتے ہو، نہ ہی نجات حاصل کرنا چاہتے ہو، تو اس درویش نے کہا: مجھے ایسی نجات کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جس میں میرا اختیار شامل ہو، میرا اختیار وہ ہے، جو میرے پروردگار

کے اختیار میں ہے۔

محبت کا کم ترین درجہ

صوفیاء نے یہ بات بیان کی ہے' محبت کا سب سے کم ترین مرتبہ یہ ہے' انسان اپنے اختیار کی نفی کردے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ازل ہے' اور اس کی نفی ممکن نہیں ہے' جبکہ بندے کا اختیار عارضی ہوتا ہے' اور اس کی نفی کرنا درست ہے' اس لیے یہ بات ضروری ہوگی کہ عارضی اختیار کو پامال کر دیا جائے تا کہ ازلی اختیار قائم اور برقرار رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر حالت انبساط میں آئے اور انہوں نے اپنے اختیار کو برقرار رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی تمنا ظاہر کر دی اور عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے اپنا جلوہ دکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَنْ تَرَانِیْ (الاعراف:۱۴۳) ''تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے''۔

تو حضرت موسیٰ نے عرض کی: اے میرے معبود! تیرا دیدار حق ہے' اور میں اس کا مستحق بھی ہوں تو پھر انکار کیوں کیا جا رہا ہے؟ تو جواب دیا گیا: دیدار حق ہے' لیکن محبت میں اپنے اختیار کو باقی رکھنا باطل ہے۔

اس بارے میں اور بھی بہت سی گفتگو ہے' لیکن میں چونکہ یہاں اختصار کے ساتھ بات کرنا چاہتا ہوں' اس لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے تحت اس کا مختصر تذکرہ میں نے جمع اور تفرقہ' فناء و بقاء' غیبت اور حضوری کے بیان میں کر چکا ہوں' اس لیے یہاں اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

آٹھویں فصل

مسامرہ اور محادثہ

مسامرہ اور محادثہ کے دو الفاظ کے ذریعے طریقت کے کامل حضرات اپنے احوال کی دو حالتیں بیان کرتے ہیں۔

محادثہ کا تعلق باطنی کیفیت کے ساتھ ہے جہاں زبان کو خاموش رکھا جاتا ہے' جبکہ مسامرہ کی حقیقت کا تعلق باطنی واردات کے پوشیدہ رکھنے میں ہمیشہ خوش رہنے سے ہے۔

اس کا ظاہری معنی یہ ہے' مسامرہ ایک وقت ہے' جب بندہ رات کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو اور محادثہ سے مراد وہ صفت ہے' جب بندہ دن کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو' دن کے صفت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ظاہری اور باطنی طور پر سوال و جواب کرتا ہے' یہی وجہ ہے' رات کے وقت کی جانے والی مناجات کو مسامرہ کہا جاتا ہے' اور دن کے وقت کی جانے والی دعاؤں کو محادثہ کہا جاتا ہے' گویا دن کے وقت ان کی حالت کشف پر مبنی ہوتی ہے' اور رات کے وقت کی حالت پردے پر مبنی ہوتی ہے۔

محبت میں مسامرہ کو محادثہ سے زیادہ قابل سمجھا جاتا ہے۔

مسامرہ کا تعلق نبی اکرم ﷺ کے حال سے ہے

مسامرہ کا تعلق نبی اکرم کے حال سے وابستہ ہے، جب اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے خاص قرب سے نوازدے، تو اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو براق دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ نبی اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے قاب قوسین کی منزل تک لے جائیں اور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں، یہی وجہ ہے، جب نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کیا اور جب آپ انتہا تک پہنچ گئے تو آپ کی زبان مبارک اللہ تعالیٰ کے جلال کے مکاشفے میں خاموش ہوگئی، اور آپ کا دل اس کی عظمت کے سامنے حیران رہ گیا اور آپ کا علم اس کی ذات کا ادراک نہیں کرسکا، جس کے نتیجے میں آپ کی زبان سے عاجزی کی شکل میں یہ عبارت ظاہر ہوئی:

''لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ'' ''میں تیری حقیقی ثناء نہیں کرسکتا''۔

محادثہ کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے ہے

جبکہ محادثہ کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حالت کے ساتھ ہے، جب انہوں نے یہ چاہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوں تو چالیس دن تک انتظار کا وعدہ کرنے کے بعد وہ کوہِ طور پر آئے جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا تو اس کو سن کر مسرور ہوئے اور جب دیدار کی خواہش کی تو اپنی مراد حاصل نہیں کرسکے اور ان کے ہوش بھی رخصت ہوگئے، جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی:

''تُبْتُ اِلَیْکَ'' (الاعراف:۱۴۳) ''میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں''۔

اس کا مقصد یہ تھا، دونوں کے درمیان فرق ہوجائے، ایک وہ ہے، جو خود آتا ہے اور دوسرا وہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ لے کر جاتا ہے۔ (ارشادِ باری تعالیٰ ہے:)

''سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا'' (الاسراء:۱)

''پاک ہے وہ ذات جو رات کے وقت اپنے خاص بندے کو لے گئی''۔

یہ وہ بندہ ہے، جس کو لے جایا گیا ہے، جبکہ دوسری طرف وہ بندہ ہے، جو خود آتا ہے، اس کے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی:

''وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا'' (الاعراف:۱۴۳) ''جب موسیٰ ہمارے ساتھ مقرر کی ہوئی جگہ پر آئے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے، رات دوستوں کی خلوت کا وقت ہوتا ہے، اور دن دوسرے بندوں کی خدمت کا وقت ہوتا ہے، تو یہ بات ضروری ہے، جب ''محدود بندہ'' حد سے تجاوز کرجائے، تو اسے تنبیہ کی جائے، جبکہ دوست اور محبوب کیلئے کوئی حد نہیں ہوتی، جس سے تجاوز ممکن ہوسکے اور آدمی ملامت کا مستحق بنے، محبوب جو کچھ بھی کرتا ہے محب اسے پسند ہی کرتا ہے، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نوویں فصل

علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین

یہ بات جان لیں! ان سب اصطلاحات سے مراد معلوم کو جاننا ہے اور یہ جاننا کہ علم اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک معلوم کے صحیح ہونے کا یقین نہ ہو جب یہ علم حاصل ہو جاتا ہے تو غیب کی حالت عین کی طرح ہو جاتی ہے کیونکہ قیامت کے دن جو اہل ایمان اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے وہ دیدار کی کیفیت اسی طرح ہوگی جیسے وہ آج (دنیا میں) اس کا علم رکھتے ہیں اگر وہ اس کے برخلاف دیدار کریں گے تو یا تو اس وقت دیدار کی کیفیت صحیح نہیں ہوگی یا دنیا میں اس بارے میں انسان کا علم ٹھیک نہیں ہوگا حالانکہ یہ دونوں صفات توحید کے منافی ہیں اس کی وجہ یہ ہے مخلوق کو آج اس کے بارے میں جو علم حاصل ہے وہ اس کی طرف سے ہے اور بالکل صحیح ہے اسی طرح کل اس کا دیدار بھی اسی کی طرف سے ہوگا اس لیے علم الیقین، عین الیقین کی مانند ہوگا اور حق الیقین، علم الیقین کی مانند ہوگا۔

بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں: عین الیقین یہ ہے اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بارے میں مکمل علم حاصل ہو اور یہ بات ناممکن ہے اس کی وجہ یہ ہے دیدار علم کے حصول کا ذریعہ ہے بالکل اسی طرح جیسے سننا (علم کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے) تو جب سننے کے بارے میں علم میں استغراق ناممکن ہے تو دیدار میں بھی ناممکن ہوگا۔

اسی طبقے کے صوفیاء کے نزدیک علم الیقین سے مراد دنیا کے معاملات کو اس کے احکام سمیت جاننا ہے اور عین الیقین سے مراد نزع کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جانے کے وقت حاصل ہونے والا علم ہے جبکہ حق الیقین سے مراد جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے وقت ظاہر ہونے والا علم ہے اور اس کے احوال کی کیفیت کو آنکھوں کے ذریعے دیکھ لینا ہے۔

تو علم الیقین علماء کا درجہ ہوگا کیونکہ وہ شرعی احکام کے بارے میں ثابت قدم ہوتے ہیں عین الیقین عارفوں کا مقام ہوگا کیونکہ وہ مرنے کے وقت اس بات کے لیے بالکل تیار ہوتے ہیں اور حق الیقین اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے فناء ہونے کا مقام ہوگا کیونکہ وہ تمام موجودات سے منہ پھیر لیے ہیں۔

تو علم الیقین کا تعلق مجاہدے کے ساتھ ہوگا عین الیقین کا تعلق اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ ہوگا اور حق الیقین کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مشاہدے کے ساتھ ہوگا۔

ان میں سے علم الیقین ''عام'' ہوگا اور اس کے مقابلے میں عین الیقین ''خاص'' ہوگا اور ان دونوں کے مقابلے میں حق الیقین ''خاص الخاص'' ہوگا اللہ تعالیٰ جسے چاہے یہ عطا کر دیتا ہے باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

دسویں فصل

علم اور معرفت

علم اور معرفت یہ صوفیاء کی دو اصطلاحات ہیں: علم اصول کے ماہرین نے ان دونوں کے درمیان کوئی فرق بیان نہیں کیا' بلکہ وہ ان دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیتے ہیں' البتہ انہوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات پر لفظ ''عالم'' کا اطلاق کیا جاسکتا ہے' لیکن اسے ''عارف'' قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی صریح نص منقول نہیں ہے' لیکن صوفیاء نے اس علم کو' جس کے ساتھ عمل اور حال بھی شامل ہو' جب اس کا عالم اپنی حالت کو بیان کرتا ہے' تو اس چیز کو معرفت کا نام دیا ہے' اور اس کے عالم کو عارف کا نام دیا ہے' لیکن جو علم معنی اور عمل سے لاتعلق ہو' اسے صوفیاء صرف علم قرار دیتے ہیں' اور اس علم کے جاننے والے کو عالم کا نام دیتے ہیں' تو جو شخص کسی چیز کے معنی اور اس کی حقیقت کا عالم ہوگا' اسے عارف قرار دیا جائے گا' اور جو شخص صرف عبارت سے واقف ہو اور اسے زبانی یاد کر لے' اس کا معنی کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو' ایسے شخص کو عالم قرار دیا جائے گا۔

یہی وجہ ہے' جب صوفیاء اپنے ہمعصروں میں سے کسی شخص کی کم تر حیثیت کو واضح کرنا چاہتے ہیں' تو اسے دانش مند کہتے ہیں' عام لوگوں کو یہ بات بُری لگتی ہے' لیکن صوفیاء کا مقصد علم کے حصول پر ملامت کرنا نہیں ہوتا' بلکہ عمل کو ترک کرنے پر تنقید کرنا ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' محض لفظوں کا عالم اپنی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے' جبکہ عارف شخص اپنے پروردگار کے ساتھ قائم ہوتا ہے' اس مفہوم کے بارے میں' ہم معرفت کے حجاب کو ہٹانے سے متعلق باب میں کلام کرچکے ہیں' یہاں اتنا ہی کافی ہے۔

گیارہویں فصل

شریعت اور حقیقت

شریعت اور حقیقت بھی صوفیاء کی دو اصطلاحات ہیں' جن میں سے ایک ظاہری حالت کی صحت کو واضح کرتی ہے' جبکہ دوسری باطنی حالت کی استقامت کو ظاہر کرتی ہے' ان دونوں اصطلاحات کی تعریف میں دونوں طبقے غلطی پر ہیں۔

ایک طبقہ علماء ظاہر کا ہے' جو یہ کہتے ہیں: ہم ان میں کوئی فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت ہی حقیقت ہے اور حقیقت ہی شریعت ہے' جبکہ دوسرا طبقہ ملحدوں کا ہے جن کے نزدیک شریعت اور حقیقت ایک دوسرے کے بغیر پائے جاسکتے ہیں' وہ یہ کہتے ہیں: جب حال حقیقت بن جاتا ہے' تو شرعی احکام اٹھ جاتے ہیں۔

قرامطہ اوران کے حامیوں کا یہی نظریہ ہے

اپنے اس مؤقف کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں' حکم کے اعتبار سے شریعت' حقیقت سے جدا ہے' اور وہ اس وجہ سے کہ ایمان

میں تصدیق، اقرار سے الگ ہوتی ہے، جہاں تک اس بات کی دلیل کا تعلق ہے، شریعت، حقیقت سے جدا نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے، زبانی اقرار کے بغیر تصدیق کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، اسی طرح تصدیق کے بغیر اقرار کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، تو اقرار اور تصدیق کے درمیان جو فرق ہے، وہ واضح ہے۔

حقیقت اس چیز کو کہتے ہیں، جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیامت تک اس کی حیثیت ایک جیسی ہوگی، اس میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور خلوص نیت کے ساتھ کیے جانے والے اعمال وغیرہ شامل ہوں گے۔

شریعت اس چیز کو کہتے ہیں: جس میں تبدیلی جائز ہو جیسے (مختلف طرح کے) احکام اور ''اوامر'' تو شریعت ایک انسانی فعل ہے، اور حقیقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے، اور اس کی طرف سے حفظ اور عصمت ہے۔

حقیقت کی موجودگی کے بغیر شریعت کا قائم رہنا مشکل ہے، اسی طرح شریعت کی حفاظت کے بغیر حقیقت کا قیام بھی ناممکن ہے۔

اس کی مثال اس طرح ہے جیسے جسم میں جان موجود ہو، اس وقت انسان زندہ شمار ہوتا ہے، اور جب جسم سے جان نکل جاتی ہے، تو اسے مردہ کہا جاتا ہے، تو ان دونوں کی قدر و قیمت ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ہے، بالکل اسی طرح حقیقت کے بغیر شریعت کی حیثیت ریاکاری کی ہوگی اور شریعت کے بغیر حقیقت کی حیثیت نفاق کی ہوگی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' (العنکبوت:٦٩)

''اور وہ لوگ جنہوں نے ہمارے راستے میں مجاہدہ کیا، ہم اپنے راستے کی طرف ان کی رہنمائی ضرور کریں گے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) مجاہدہ شریعت ہے، اور ہدایت اس کی حقیقت ہے، ایک (یعنی شریعت) سے مراد بندے کا ظاہری احکام کی حفاظت کرنا ہے، اور دوسرے (یعنی حقیقت) سے مراد اللہ تعالیٰ کا بندے کی حفاظت کرنا ہے، جو اس کے باطنی احوال سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے شریعت کا تعلق کسب اور کوشش سے ہوگا، اور حقیقت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہوگا۔

یہاں تک ہم نے صوفیاء کی اصطلاحات کی پہلی قسم کی وضاحت کر دی ہے۔

اب میں ان اصطلاحات کی دوسری قسم کو مختصر طور پر بیان کروں گا، تاکہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا، تو تمہیں ''عالم معنیٰ'' کچھ مزید حقائق اور معارف معلوم ہو جائیں گے۔

بارہویں فصل

اصطلاحات صوفیاء کی دوسری قسم

ان اصطلاحات کی دوسری قسم وہ ہے، جو صوفیاء کے کلام میں استعارہ کے طور پر استعمال کی جاتی ہے، اس کی وضاحت کرنا

کچھ مشکل ہوتا ہے لیکن میں یہاں مختصر طور پر اس کو بیان کروں گا۔

(الحق) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ" (الحج:۶۲) "یہ اس لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے"۔

(الحقیقت) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے وصل کے محل میں بندے کا قیام کرنا ہے اور تنزیہہ کے محل میں اس کے باطن کا ٹھہرنا ہے۔

(الخطرات) اس سے مراد تفرقہ کی کیفیت میں انسان کے ذہن میں جو کچھ گزرتا ہے۔

(الوطنات) اس سے مراد انسان کے باطن میں اللہ تعالیٰ کے معارف کا جاگزیں ہونا ہے۔

(الطمس) اس سے مراد اصل چیز کی نفی کرنا ہے اس طرح کہ اس کی یاد کا اثر بھی باقی نہ رہے۔

(الرمس) اس سے مراد دل سے کسی چیز کا اس کی اصل کے ہمراہ نفی کرنا ہے۔

(العلائق) اس سے مراد وہ اسباب ہیں جن سے تعلق پیدا کرنے کے نتیجے میں طالب اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

(الوسائط) اس سے مراد وہ اسباب ہیں جن سے تعلق پیدا کر کے وہ اپنی منزل تک پہنچ جاتے ہیں۔

(الزوائد) اس سے مراد دل میں انوارِ الٰہیہ کا بکثرت ہونا ہے۔

(الفرائد) اس سے مراد باطن کا اس چیز کو معلوم کر لینا ہے جو اس کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

(الملجاء) اس سے مراد دل کا اپنی مراد کے حاصل ہونے پر اعتماد کرنا ہے۔

(المنجاء) اس سے مراد دل کا آفت کے محل سے خلاصی حاصل کرنا ہے۔

(الکلیۃ) اس سے مراد انسانیت کے اوصاف کو مکمل طور پر پالینا ہے۔

(اللوائح) اس سے مراد مراد کو ثابت کرنا اور واردات کی نفی کرنا ہے۔

(اللوامع) اس سے مراد دل پر نور کا اپنے فوائد کی بقاء کے ہمراہ ظاہر ہونا ہے۔

(الطوالع) اس سے مراد دل پر معرفتِ الٰہیہ کے انوار کا طلوع ہونا ہے۔

(الطوارق) اس سے مراد رات کے وقت مناجات میں بشارت یا تنبیہ کا دل پر وارد ہونا ہے۔

(اللطیفہ) اس سے مراد حال کی باریکیوں میں سے دل میں لطیف اشارے کا آنا ہے۔

(السر) اللہ تعالیٰ کی محبت کے احوال کو پوشیدہ رکھنا۔

(النجوٰی) اپنے اوپر آنے والی آزمائش کو دوسرے سے پوشیدہ رکھنا۔

(الاشارہ) زبانِ حال کے ذریعے دوسرے کو اس کے مقصود کے بارے میں بتانا۔

(الایماء) اشارے اور بیان کے بغیر کسی کو کوئی بات بتانا۔

(الانتباہ) دل سے غفلت زائل ہو جانا۔

(الاشتباہ) حق اور باطل کے بارے میں مشتبہ ہونا۔

(القرار) حال کی حقیقت کے بارے میں شک ختم ہو جانا۔

(الانزجاج) صحیح راستے پر ہونے کے باوجود اضطراب کی کیفیت میں ہونا۔

(الوارد) دل میں معنی کا اُترنا۔

یہ صوفیاء کی بعض اصطلاحات کے معنی اور مطالب کے بارے میں مختصر بیان تھا' اب اس کے بارے میں دوسری قسم کی وضاحت کروں گا' جس میں ان الفاظ اور اصطلاحات کی وضاحت ہے' جو صوفیاء کرام اللہ تعالیٰ کی توحید اور حقائق کے سلسلے میں اپنے عقیدے کی وضاحت کے لیے کسی استعارہ کے بغیر استعمال کرتے ہیں' اور وہ درج ذیل ہیں۔

تیرہویں فصل

صوفیاء کی اصطلاحات کی تیسری قسم

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق ہے' ایک قول کے مطابق یہ اٹھارہ ہزار اور ایک قول کے مطابق پچاس ہزار اقسام پر مشتمل ہے' فلسفی بھی اس بات کے قائل ہیں: عالم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے' عالم علوی اور عالم سفلی۔ علمائے اصول اس بات کے قائل ہیں' عرش سے نیچے تحت الثریٰ تک سب چیزیں ایک عالم کی حیثیت رکھتی ہیں' مختصر یہ کہ عالم مختلف اقسام کا مجموعہ ہے' اور اہل طریقت بھی اس بات کے قائل ہیں: عالم ارواح اور عالم نفوس دو عالم ہیں' لیکن اس کا مقصد وہ نہیں ہے' جو فلسفیوں کا نظریہ ہے' بلکہ اس کا مقصد یہ ہے' نفوس اور ارواح اکٹھے ہیں۔

(المحدث) یعنی جس کا وجود بعد میں ہو' جو پہلے نہیں تھا اور بعد میں وجود میں آیا۔

(القدیم) جو ہمیشہ سے موجود ہو اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

(الازل) جس کا کوئی آغاز نہ ہو'

(الاخر) جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔

(الذات) یعنی کسی چیز کی اصل اور حقیقت' یعنی وہ چیز جو موصوف نہ ہو' کیونکہ صفت بذاتِ خود برقرار نہیں رہتی۔

(الصفت) جو موصوف نہ ہو کیونکہ وہ قائم بخود نہیں ہوتی۔

(الاسم) وہ علامت جو "مسمّٰی" کا غیر ہو۔

(تسمیہ) یعنی مسمّٰی کے بارے میں اطلاع دینا۔

(المستبید) جو قابل نفی چیز کے عدم کا تقاضا کرے۔
(الاثبات) یعنی اثبات کے قابل چیز کے وجود کا جو تقاضا کرے۔
(الشیئان) یہ دو ایسی چیزیں ہیں: جو ایک دوسرے کی موجودگی میں پائی جاسکتی ہوں۔
(الضدان) اس سے مراد دو ایسی چیزیں ہیں: ایک کی موجودگی میں دوسری پائی نہ جاسکتی ہو۔
(الغیران) اس سے مراد دو ایسی چیزیں ہیں: ایک کے فناء ہونے سے دوسری موجود ہو جائے۔
وہ چیز جو بذاتِ خود قائم ہو۔
(الجوھر) جو اجزائے پراگندہ سے مرکب ہو۔
(الجسم) مختلف اجزاء (مادے) سے بنا ہوا وجود۔
(السوال) یعنی کسی حقیقت کے بارے میں دریافت کرنا۔
(الجواب) سوال سے متعلق خبر دینا۔
(الحسن) حکم کے موافق ہونا۔
(القبیح) اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہونا۔
(السفہ) اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک کرنا۔
(الظلم) کسی چیز کو اس کے مخصوص مقام پر نہ رکھنا۔
(العدل) کسی چیز کو اس کے مخصوص مقام پر رکھنا۔
(الملك) وہ ذات جس کے فعل پر اعتراض نہ کیا جاسکے۔
ان تمام اصطلاحات کو جاننا بہت ضروری ہے۔

چودھویں فصل

اب ہم اس قسم کی وضاحت کریں گے، جس کی تشریح بہت ضروری ہے' اور صوفیاء کے درمیان یہ اصطلاحات رائج ہیں' لیکن ان اصطلاحات سے مراد وہ مفہوم نہیں ہوتا' جسے اہل زبان اپنے عام محاورے میں مراد لیتے ہیں۔

(الخاطر) اس سے مراد ایک خیال کا دل میں اس طرح آنا ہے' دوسرے خیال کے آنے کی وجہ سے یہ خیال ختم ہو جائے' اور جس شخص کو وہ خیال آیا ہے' وہ اسے دور کرنے پر قادر بھی ہو' جن لوگوں کو اس طرح کے خیالات آتے ہیں وہ ان معاملات میں' جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندے کو کسی وجہ کے بغیر پہنچتے ہیں' پہلے خیالات کے تابع ہوتے ہیں (اس کی مثال یہ ہے:)

ایک مرتبہ حضرت خیر النساج کے دل میں یہ خیال آیا' شاید حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں'

انہوں نے اس خیال کو اپنے ذہن سے ہٹانا چاہا تو دوسرا خیال اس کی تردید میں آ گیا' انہوں نے اسے ہٹایا تو تیسرا خیال آ گیا' اس پر وہ باہر آئے تو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ دروازے پر کھڑے ہوئے تھے' انہوں نے فرمایا: اے خیر! اگر تم پہلے خیال کی پیروی کر لیتے اور مشائخ کے طریقے پر عمل کرتے' تو مجھے اتنی دیر تک دروازے پر کھڑے نہ ہونا پڑتا۔

بعض مشائخ نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے' یہ خیال تو حضرت خیر النساج کے ذہن میں پیدا ہوا تھا' تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو اس کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟ تو مشائخ نے اس کا جواب یہ دیا ہے' حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کیونکہ حضرت خیر النساج کے شیخ طریقت تھے اور شیخ اپنے مرید کے تمام احوال سے باخبر ہوتا ہے۔

(الواقع) اس سے مراد وہ معنی ہے' جو دل میں ظہور پذیر ہونے کے بعد باقی رہ جائے زائل نہ ہو اور انسان کو اسے دور کرنے کی قدرت حاصل نہ ہو' جیسا کہ عربی کا مقولہ ہے:

خَطَرَ عَلٰی قَلْبِیْ وَوَقَعَ فِیْ قَلْبِیْ

''میرے ذہن میں خیال آیا اور میرے ذہن میں جم گیا''۔

خیال ہر ذہن میں آتا ہے' لیکن واقعات کا تعلق صرف ان قلوب کے ساتھ ہوتا ہے' جو اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہوتے ہیں' یہی وجہ ہے' اللہ تعالیٰ کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہونے کو ''قید'' کا نام دیا جاتا ہے۔

زبان کا محاورہ ہے' فلاں شخص پر واقعہ پیش آ گیا' اہل لغت واقعہ سے مراد کسی مسئلے میں اُلجھ جانا لیتے ہیں' اور جب اس مسئلے کا جواب مل جاتا ہے' یا وہ اُلجھن ختم ہو جاتی ہے' تو یہ کہا جاتا ہے' واقعہ حل ہو گیا۔

لیکن اہل تحقیق (صوفیاء) کے نزدیک واقعہ وہ چیز ہوتی ہے' جو حل نہ ہو' جو چیز حل ہو جائے' وہ خیال ہوتا ہے' واقعہ نہیں ہوتا کیونکہ واقعہ ایک اہم چیز ہوتی ہے' جبکہ خیال اہل حقیقت کے نزدیک انتہائی معمولی چیز ہوتی ہے' جس کا حکم ہر لمحے تبدیل ہوتا رہتا ہے' اور اس میں تغیر آتا رہتا ہے۔

(الاختیار) اس سے مراد یہ ہے' انسان اپنے اختیار پر اللہ تعالیٰ کے اختیار کو ترجیح دے' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بھلائی یا بُرائی میں سے جو بھی پسند کیا ہے' اسے اپنے لیے کافی سمجھے' بندے کا اللہ تعالیٰ کے اختیار کو اپنے لیے اختیار کرنا بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اختیار کی وجہ سے ہوتا ہے' کیونکہ اگر یہ بات نہ ہو' اللہ تعالیٰ بندے کو بے اختیار کر دے' تو بندہ تو اپنے اختیار سے کبھی بھی دستبردار نہیں ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا: امین کون ہوتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: امین وہ شخص ہوتا ہے' جس کا اپنا اختیار باقی نہ رہا ہو اور اللہ تعالیٰ نے جو اختیار کیا ہے' وہی اس شخص کا اختیار بن گیا ہو۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ انہیں بخار ہو گیا تو انہوں نے دعا کی: اے اللہ! مجھے عافیت عطا کر' تو غیب سے آواز آئی: تم کون ہو؟ جو ہمارے ملک میں کلام کرتے ہو اور اپنی تدبیر کو اختیار کرتے ہو'

میں اپنے ملک کی تدبیر کو تم سے زیادہ بہتر جانتا ہوں' تم میرے اختیار کو اختیار کرو' اپنے اختیار کو ظاہر نہ کرو'
باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(الامتحان) اس سے مراد یہ ہے' اولیاء کے قلوب کو مختلف طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کیا جائے' وہ آزمائشیں ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ذہن میں نازل ہوتی ہیں' جس میں خوف' غم' قبض' ہیبت وغیرہ کی کیفیات وغیرہ شامل ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ (الحجرات:۳)

''یہی وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لیے جن کا امتحان لیا' ان لوگوں کے لیے مغفرت اور عظیم اجر ہے''۔

(البلاء) اس سے مراد اولیاء کے جسم کو مختلف طرح کی آزمائشوں' تکلیفوں اور بیماریوں میں مبتلا کرنا ہے' بندے پر مصیبت جتنی زیادہ شدید ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کا اتنا ہی قرب نصیب ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' یہ آزمائشیں اولیاء کا لباس ہیں' برگزیدہ لوگوں کا گہوارہ ہیں' اور انبیاء کی غذا ہیں' کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا؟ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

نَحْنُ مُعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً ثُمَّ الْاَوْلِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَ مْثَلُ ۔

''ہم انبیاء سب سے زیادہ آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں پھر اولیاء پھر درجہ بدرجہ لوگ''۔

مختصر یہ کہ بلا اس تکلیف کا نام ہے' جو بندہ مؤمن کے دل اور جسم دونوں پر ظاہر ہوتی ہے' جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک نعمت ہوتی ہے' لیکن اس کا راز پوشیدہ ہوتا ہے' اس تکلیف کو برداشت کرنے کی وجہ سے انسان کو ثواب حاصل ہوتا ہے' لیکن جو مصیبت کافروں کو لاحق ہوتی ہے وہ ان کے لیے بلا نہیں ہوتی' بلکہ وہ بدبختی ہوتی ہے' اور ان کفار کو بدبختی سے نجات نہیں مل سکتی' مرتبے کے اعتبار سے بلا کا مرتبہ امتحان سے زیادہ ہوتا ہے' کیونکہ امتحان کا تعلق صرف دل کے ساتھ ہوتا ہے' جبکہ بلا کا تعلق دل اور جسم دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

(التحلّی) اس سے مراد نیک لوگوں کے ساتھ زبانی طور پر مشابہت اختیار کرنا ہے (یعنی خود کو ان جیسا قرار دینا ہے) جبکہ انسان کے اعمال ان جیسے نہ ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

لَيْسَ الْاِيْمَانُ بِالتَّحَلِّيْ وَالتَّمَنِّيْ لٰكِنَ مَاوَقَرَفِي الْقُلُوْبِ وَصَدَّقَهُ الْعَمَلُ

''ایمان صرف نیک لوگوں سے زبانی اظہارِ یکجہتی کا یا ان جیسا بننے کی آرزو کا نام نہیں ہے' بلکہ دل میں جو چیز ٹھہر جائے' اور عمل جس کی تصدیق کرے اس کا نام ایمان ہے''۔

تو اپنے آپ کو کسی جماعت کے ساتھ عمل میں ان کی پیروی کیے بغیر ان جیسا قرار دینا ''تحلّی'' ہے وہ لوگ جو خود کو نیک

ظاہر کرتے ہیں' لیکن درحقیقت نیک نہیں ہوتے' وہ جلد رسوائی کا شکار ہو جاتے ہیں' ان کا راز فاش ہو جاتا ہے اگرچہ اہل تحقیق کے نزدیک وہ پہلے ہی رسوا ہو چکے ہوتے ہیں' اور ان کا راز پہلے ہی ظاہر ہو چکا ہوتا ہے۔

(التجلّی) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے انوار کا ان لوگوں کے قلوب پر اثر انداز ہونا ہے' جو مکمل طور پر اس کی ذات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ وہ اس وجہ سے اس قابل ہو جائیں کہ اپنے دل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکیں' دل کے ذریعے اس دیدار اور آنکھ کے ذریعے دیدار میں فرق یہ ہے' اگر دل میں حق کا جلوہ نظر آئے تو اس کیفیت کو پانے والا اگر چاہے' تو اس کا دیدار کرلے اور اگر چاہے' تو نہ کرے' کیونکہ اس تجلی پر حجاب کا آنا جائز ہے' لیکن آنکھ کے ذریعے جو دیدار ہوتا ہے' اس پر حجاب نہیں آسکتا۔

(التخلّی) اس سے مراد ان اُمور سے الگ رہنا ہے' جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے سے روکتے ہیں' جن میں سے ایک اہم چیز دنیا ہے' انسان کو چاہیے' وہ اس سے لاتعلق ہو جائے' دوسری چیز آخرت کی محبت ہے' انسان کو اپنے ذہن کو اس سے بھی خالی کر لینا چاہیے' تیسری چیز نفس کی خواہش کی پیروی ہے' باطن کو اس سے بھی خالی کرنا چاہیے اور چوتھی چیز مخلوق کا ساتھ ہے' آدمی کو خود کو مخلوق سے الگ کر لینا چاہیے اور اپنے ذہن کو اس کے خیال سے خالی کر لینا چاہیے۔

(الشرود) اس سے مراد یہ ہے' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کے لیے جو چیزیں رکاوٹ اور حجاب بنتی ہیں' اور دل میں جن سے بے قراری ہوتی ہے' ان سے بچنے کے لیے بھاگنا شرود ہے' کیونکہ حق کے طلبگار شخص کو جو آزمائش آتی ہے وہ حجاب کی وجہ سے آتی ہے' اور اس پردے اور حجاب کو دور کرنے کی تدبیر کرنا اور کسی عمل کے ذریعے اس سے نجات پانا شرود ہوتا ہے' جس کے نتیجے میں سکون آتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے' حق کے طلبگار شخص کو آغاز میں بے چینی ہوتی ہے' اور آخر میں اطمینان اور سکون حاصل ہو جاتا ہے۔

(القُصود) اس سے مراد حقیقت کی طلب کے لیے صحیح ارادہ کرنا ہے' اولیاء کا کسب اور ارادہ' حرکت اور سکون کے ساتھ مشروط نہیں ہوتا کیونکہ ہر دوست' دوستی کے معاملے میں ہر وقت پر امن ہوتا ہے' اور یہ بات عادت کے خلاف ہے' انسان کسی ارادے کے بغیر متحرک ہو یا غیر متحرک ہو' کیونکہ اگر وہ حرکت کی حالت میں ہوگا' تو ارادے کا اظہار حرکت سے ہوگا' اور اگر وہ سکون کی کیفیت میں ہوگا' تو اس کا ارادہ پوشیدہ ہوگا' لیکن اس کے آثار ظاہر ہوتے رہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا حکم مختلف ہے' کیونکہ وہ کسی علت کے بغیر حق کو طلب کرتے ہیں' اور اپنی حرکت کے بغیر حق کا قصد کرتے ہیں' اور ان کی تمام صفات ان کا قصد ہوتی ہیں' تو جب محبت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے' تو وہ سراپا قصد و ارادہ بن جاتے ہیں۔

(الاصطناع) اس سے مراد یہ ہے' اللہ تعالیٰ بندے کو تمام دنیاوی معاملات سے مبرا کر دے اور اس کے نفس کی تمام لذات کو اس سے زائل کر کے' اسے آراستہ کر دے' اس کے نفس کو اوصاف کو تبدیل کر دے تاکہ صفت زائل ہونے کی وجہ سے اور نفسانی اوصاف تبدیل ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنے آپ سے بے خود ہو جائے' یہ بلند مرتبہ انبیاء کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے'

لیکن بعض مشائخ اس بات کے قائل ہیں: اس اصطلاح کو اولیاء کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(الاصطفاء) جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے دل کو اپنی معرفت کے لیے فارغ کر دیتا ہے تاکہ اپنی معرفت کی صفائی کو اس کے دل میں پھیلا دے (تو اس کو اصطفاء کہا جاتا ہے) اس درجے میں خاص اور عام' مؤمن اور کافر' نافرمان اور فرمانبردار اولیاء اور انبیاء سب برابر ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَاهُ مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ۔(الفاطر:۳۲)

''اور پھر ہم نے کتاب ان لوگوں کو دی جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا تھا' تو ان میں سے کچھ لوگ اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے اور کچھ میانہ روی اختیار کرنے والے تھے اور کچھ بھلائی کی طرف سبقت لے جانے والے تھے''۔

(الاصطلام) ایک لطیف (باریک) آزمائش کے بدلے بندے کے ارادے کو زائل اور فناء کر کے حق کے غلبے کو بندے کے دل پر مسلط کر کے اس کے دل کا امتحان لینا اصطلام کہلاتا ہے' امتحان کا مطلب آزمائش ہوتا ہے' اور اصطلام کا مطلب جڑ سے اکھاڑنا ہے' دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے' لیکن امتحان کی بہ نسبت اصطلام میں زیادہ خاص اور لطیف (باریک) مفہوم پایا جاتا ہے۔

(الرین) اس سے مراد دل پر کفر اور گمراہی کا وہ پردہ ہے' جو ایمان کے نور کے ذریعے دور ہو سکتا ہے جیسا کہ کفار کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (المطففین:۱۴)

''ہرگز ایسا نہیں ہے' بلکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے' اس کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ آ گیا ہے''۔

بعض مشائخ اس بات کے قائل ہیں: ''رین'' اس حجاب کو کہتے ہیں' جو کسی بھی طرح زائل نہ ہو سکتا ہو' اس کی وجہ یہ ہے' کفار کا دل اسلام کو قبول نہیں کر سکتا' لیکن جو لوگ کفار میں سے مسلمان ہو جاتے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں مؤمن ہوتے ہیں۔

(الغین) اس سے مراد دل پر آنے والا وہ حجاب ہے' جو استغفار پڑھنے کی وجہ سے اُٹھ جاتا ہے' یہ حجاب دو طرح کا ہوتا ہے' ایک حجاب ہلکا ہوتا ہے' اور دوسرا بھاری ہوتا ہے' ہلکا حجاب ہر شخص کو ہو سکتا ہے خواہ ولی ہو یا نبی ہو' کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا؟ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللهَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ

''بعض اوقات میرے دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے' تو میں روزانہ اللہ تعالیٰ سے 100 مرتبہ مغفرت

طلب کرتا ہوں''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) لیکن جہاں تک بھاری حجاب کا تعلق ہے' تو اس کے لیے توبہ ضروری ہے' جبکہ ہلکے حجاب کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا درکار ہے' جبکہ توبہ کا مطلب گناہ سے بندگی کی طرف لوٹنا ہے' اور رجوع کا مطلب اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے' توبہ جرم سے کی جاتی ہے' اور بندے کا جرم یہ ہے' وہ حق تعالیٰ کی نافرمانی کرے' جبکہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا جرم یہ ہے' وہ اپنی ذات کی طرف توجہ کریں تو اگر کوئی شخص غلط بات سے حق بات کی طرف رجوع کرے تو یہ کہا جاتا ہے' یہ شخص توبہ کرنے والا ہے' لیکن اگر یہ کہا جائے' وہ شخص بہتر چیز سے زیادہ بہتر چیز کی طرف رجوع کر رہا ہے' تو اس کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے: یہ شخص رجوع کرنے والا ہے' یہ سب باتیں میں نے توبہ کے بیان میں ذکر کر دی ہیں۔

(التلبیس) کسی چیز کی جو اصلیت اور حقیقت ہوتی ہے' اس کے برعکس کسی دوسرے کو دکھا کر وہم میں مبتلا کرنے کو تلبیس کہا جاتا ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُوْنَ (الانعام:۹)

''وہ حق و باطل کو ملاتے ہیں' تو ہم اس بات کو ان کے لیے مشتبہ کر دیں گے''۔

یہ صفت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے محال ہے' کیونکہ وہ کافر کو انعام عطا کر کے اسے مؤمن اور مؤمن کو اپنی نعمت کے ذریعے کافر (انکار کرنے والا) ظاہر کرتا ہے' اس وقت تک جب تک حقیقت حال کا اظہار نہ ہو جائے۔

صوفیاء میں سے جب کوئی شخص نیک خصلت کو بُری خصلت کے ذریعے چھپاتا ہے' تو یہ کہا جاتا ہے' یہ شخص ''تلبیس'' کر رہا ہے۔

یہ لفظ اس کے علاوہ اور کسی مفہوم کے لیے استعمال نہیں ہوتا' منافقت اور ریاکاری کو ''تلبیس'' نہیں کہا جاتا' حالانکہ حقیقت کے اعتبار سے وہ بھی ''تلبیس'' ہی ہے' لیکن ''تلبیس'' کا لفظ اپنے مخصوص مفہوم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' کیونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہوتا ہے۔

(الشُّرب) اس سے مراد عبادت و فرمانبرداری کی مٹھاس' عظمت اور بزرگی کا مزہ' اُنس اور محبت کی خوشی ہے' جس کی لذت کے بغیر انسان کوئی کام نہیں کر سکتا' بالکل اسی طرح جیسے جسم کے لیے پانی ضروری ہوتا ہے' اور غذا ضروری ہوتی ہے' اسی طرح روح کے لیے ذکر اور عبادت ضروری ہوتے ہیں' یہ دونوں اسی وقت کام کرتے ہیں جب انہیں یہ لذت حاصل ہوتی ہے۔

میرے شیخ (حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں: مرید اور عارف شخص ''شرب'' کے بغیر ارادت اور معرفت سے بیگانہ ہوتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے' جب مرید کو ''شرب'' کی لذت حاصل ہوتی ہے' تو اس کی ارادت اور حق کی طلب کی

راہ ہموار ہوتی ہے' اور جب عارف شخص کو خدا کی معرفت کی لذت حاصل ہوتی ہے' تو اسے آرام اور سکون حاصل ہوتا ہے' جو اس کے لیے مزید ترقی کا باعث بنتا ہے۔

(الذوق) ''شرب'' کی طرح ''ذوق'' بھی ایک کیفیت ہے' لیکن فرق یہ ہے' شرب کا تعلق صرف آرام اور راحت کے ساتھ ہوتا ہے' جبکہ ذوق کا تعلق تکلیف اور راحت دونوں کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ ایک صوفی کا یہ قول ہے:

ذُقْتُ حَلَاوَةَ الْبَلَاءِ وَ ذُقْتُ الرَّاحَةَ

''میں نے آزمائش کی حلاوت کا بھی ذائقہ چکھا ہے' اور میں نے راحت کا بھی ذائقہ چکھا ہے''۔

یہ بات درست ہے۔

شرب کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے:

شَرِبْتُ بِكَاسِ الْوَصْلِ اَوْ بِكَاسِ الْوُدِّ ''میں نے وصل کا یا میں نے محبت کا پیالہ پی لیا''۔

اس طرح کی بعض اور بھی مثالیں ہیں' جبکہ شرب کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا'' (الحاقۃ:۲۴) ''تم مزے سے کھاؤ پیو''۔

لیکن جب ذوق کا ذکر کیا' تو اس کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا:

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (الدخان:۴۹) ''تم (عذاب کا) مزہ چکھو! تم تو بڑے معزز اور بزرگی والے شخص تھے''۔

ایک اور مقام پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ (القمر:۴۸) ''تم جہنم کا مزہ چکھو''۔

صوفیاء کے درمیان مروج' ان اصطلاحات کے معنی یہ تھے' جو ہم نے اوپر بیان کر دیے ہیں' اگر میں ان سب کو یہاں تحریر کرتا' تو کتاب طویل ہو جاتی' باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

چالیسواں باب:

سماع اور اس کی مختلف اقسام کا تذکرہ

پہلی فصل: حواسِ خمسہ

یہ بات جان لیں! علم کے حصول کے پانچ ذرائع ہیں: سننا' دیکھنا' چکھنا' سونگھنا اور چھونا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل (یعنی ذہن) کے یہ پانچ دروازے بنائے ہیں اور مختلف اقسام میں سے مقصود کا علم ان میں سے کسی ایک کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے' جیسے آواز اور کسی چیز کے بارے میں خبر کا علم سماعت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے' رنگوں اور شکلوں میں اختلاف کا علم دیکھنے کے ذریعے حاصل ہوتا ہے' کسی چیز کے تلخ یا شیریں ہونے کا علم چکھنے کے ذریعے حاصل ہوتا ہے' خوشبو یا بدبو کا علم سونگھنے کے ذریعے حاصل ہوتا ہے' سختی اور نرمی کا علم چھونے سے حاصل ہوتا ہے۔

ان پانچ حواس میں سے چار کے اپنے مخصوص مقام ہیں' البتہ پانچویں حس تمام اعضاء میں پھیلی ہوئی ہے۔

سماعت کی حس کا مخصوص مقام کان ہے' دیکھنے کی حس کا مخصوص مقام آنکھ ہے' چکھنے کی حس کا مخصوص مقام زبان ہے' سونگھنے کی حس کا مخصوص مقام ناک ہے' لیکن چھونے کی حس تمام اعضاء میں پھیلی ہوئی ہے' آپ آنکھ کے بغیر دیکھ نہیں سکتے' کان کے بغیر سن نہیں سکتے' زبان کے بغیر مزہ معلوم نہیں کر سکتے' لیکن انسان کا پورا جسم چھو کر نرم اور سخت' گرم اور سرد کے درمیان تمیز کر سکتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے' ان میں سے کوئی بھی حس تمام اعضاء میں پھیلی ہو سکتی ہے' جس طرح چھونے کی حس تمام اعضاء میں پھیلی ہوئی ہے' لیکن معتزلہ اس بات کے قائل ہیں' یہ حواس اپنے مخصوص مقام کے علاوہ کسی اور جگہ پر نہیں پائے جا سکتے ہیں' لیکن چھونے کی حس کے ذریعے اُن کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے' کیونکہ اس کے لیے کوئی مخصوص مقام نہیں ہے' اگر اس حس میں یہ صفت پائی جا سکتی ہے' تو دوسرے حواس میں بھی اس صفت کا پایا جانا ممکن ہے' گو کہ ہمارا مقصد یہاں یہ بیان کرنا نہیں ہے' لیکن معانی کی تحقیق کے لیے اتنا بیان کرنا ضروری تھا۔

سننے کی ایک حس کو چھوڑ کر جو باقی چار حواس ہیں' جیسے دیکھنے کی حس' سونگھنے کی حس ہے' چکھنے کی حس ہے' چھونے کی حس ہے' یہ ہو سکتا ہے' اس عجیب کائنات کو دیکھنے کے لیے عمدہ اشیاء کو سونگھنے کے لئے' بہترین نعمتوں کو چکھنے کے لیے' نرم چیزوں کو چھونے کے لیے عقل کے پاس کوئی دلیل ہو' اور وہ دلیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی رہنمائی کرے' کیونکہ عقل صرف ان حواس کے ذریعے یہ بات معلوم کرتی ہے' عالم حادث ہے' اس میں ہر دم تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور جو بھی چیز تبدیلی کے عمل سے

گزرتی ہے' وہ حادث ہوتی ہے' تو یہ بات سامنے آتی ہے' عالم کو پیدا کرنے والی کوئی نہ کوئی ذات ضرور موجود ہوگی' جس کا تعلق اس عالم کی جنس سے نہیں ہوگا' کیونکہ اس عالم کو پیدا کیا گیا ہے اور اس کو پیدا کرنے والا اس کا خالق ہوگا' کیونکہ یہ عالم جسم رکھتا ہے اور خالق نے اُسے جسم عطاء کیا ہوگا' وہ خالق قدیم ہونا چاہیے' کیونکہ یہ عالم حادث ہے۔ اسی طرح اس خالق کی کوئی انتہاء نہیں ہونی چاہیے' کیونکہ اس عالم کی انتہاء ہے اور یہ بات بھی ہے' وہ خالق تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا اور طاقت رکھنے والا ہونا چاہیے' وہ تمام معلومات کا جاننے والا ہونا چاہیے۔ اس بادشاہی میں اُسی کا تصرف ہونا چاہیے وہ جو چاہے کر سکتا ہو' اسی خالق نے سچے دلائل کے ہمراہ رسولوں کو مبعوث کیا ہے' ان پر ایمان لانا اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک انسان پر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا واجب نہیں ہوتا' اور شریعت اور دین جن چیزوں کو لازم قرار دیتے ہیں' ان کا پتہ رسول کی تعلیمات کے ذریعے چلتا ہے (اور یہ سب کچھ سننے سے حاصل ہوتا ہے) یہی وجہ ہے' اہل سنت نے اس دنیا میں سننے کو دیکھنے پر ترجیح دی ہے۔

اگر کوئی غلط بیں شخص یہ کہے' سننا خبر کا محل ہے اور دیکھنا نظر کا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا اللہ تعالیٰ کا کلام سننے سے افضل ہے۔

تو ہم یہ جواب دیں گے' ہم نے پیغمبر اکرم ﷺ کی زبانی یہ بات سنی ہے' بہشت میں اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے' دیدار کے جائز ہونے میں عقل کے نزدیک جو حجاب ہے' وہ کشف سے زیادہ بہتر نہیں ہے' ہمیں نبی اکرم ﷺ کی اطلاع کے ذریعے یہ بات پتہ چلی ہے' اہلِ ایمان کو دیدار نصیب ہوگا اور ان کے نگاہوں کے سامنے سے حجابات ہٹا دیئے جائیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے' اس اعتبار سے سماعت' بصارت سے افضل قرار پاتی ہے' پھر یہ پہلو بھی ہے' شریعت کے تمام تر احکامات سننے سے متعلق ہیں' اگر سماعت کا یہ واسطہ نکال دیا جائے تو ان احکامات کا ثبوت مشکل ہو جائے گا۔

پھر یہ پہلو بھی ہے' تمام انبیاء کرام جب تشریف لائے تو انہوں نے زبانی طور پر تبلیغ کی تو بعض لوگ ان کی تبلیغ سن کر اُن پر ایمان لے آئے' انبیاء نے بعد میں اپنے معجزات دکھائے تھے اور ان معجزات کا ظہور بھی زبانی بات کی تائید کے لیے تھا۔

اس اعتبار سے جو شخص ان دلائل کے باوجود سماعت کا انکار کرتا ہے' وہ شریعت کا منکر شمار ہوگا اور ایسا شخص شریعت کا حکم جان بوجھ کر چھپا رہا ہوگا' اس لیے اب میں یہاں سماعت سے متعلق احکام بیان کروں گا۔

دوسری فصل

قرآن (کی تلاوت) سننا

یہ بات جان لیں! جو چیزیں سنی جاتی ہیں ان میں دل کی تازگی' روح کی بالیدگی اور کانوں کی حلاوت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے کلام سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے' تمام مسلمان' تمام جنات' تمام کفار قرآن کو سننے کے پابند ہیں' قرآن کے

معجزات میں یہ بات بھی شامل ہے' اس کی تلاوت کرنے اور اس کی تلاوت سننے سے طبیعت اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتی کیونکہ اس میں انتہائی رقّت پائی جاتی ہے یہاں تک کہ کفارِ قریش بھی چھپ کر اس کی تلاوت سنا کرتے تھے' جب نبی اکرم ﷺ کو نماز کے دوران قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے سنتے تھے' تو اس سے متاثر ہوتے تھے جیسے نضر بن حارث جو عربوں میں فصیح سمجھا جاتا تھا اور عتبہ بن ربیع جو بلاغت کے اعتبار سے جادو بیان سمجھا جاتا تھا اور ابوجہل بن ہشام جو خطابت اور گفتگو میں اپنی مثال آپ تھا (یہ سب متاثر ہو جاتے تھے) ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت کسی سورت کی تلاوت کر رہے تھے تو اسے سن کر عتبہ بے ہوش ہو گیا' اُس نے ابوجہل سے یہ کہا: اب مجھے اس بات کا پتہ چل گیا ہے' یہ کوئی انسانی کلام نہیں ہے۔

جنات پر تلاوت سننے کا اثر

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جنات کو بھیجا تھا' جو گروہوں کی شکل میں آئے' انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی زبانی اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' جس کا ذکر قرآن نے یوں کیا:

"اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا" (الجن:۱) "ہم نے قرآن کو سنا ہے وہ حیرت انگیز چیز ہے"۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنات کے اس بیان کے بارے میں بتایا ہے' قرآن روحانی بیماروں کے قلوب کو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۝ (الجن:۲)

"(ان جنات نے کہا:) یہ ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے' تو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہیں دیں گے"۔

قرآن سب سے زیادہ بلیغ ہے

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) تو قرآن کی نصیحت باقی سب نعمتوں سے بہتر ہے' اس کے الفاظ دیگر تمام الفاظ سے زیادہ بلیغ ہیں' اس کا ہر حکم تمام احکام سے زیادہ لطیف ہے' اس کی بیان کردہ ممانعت تمام بیان کردہ ممانعتوں سے زیادہ روکنے والی ہے' اس کا ذکر کردہ وعدہ' تمام وعدں سے زیادہ دلکش ہے' اس کی ذکر کردہ وعید' تمام وعیدوں سے زیادہ اثر انداز ہونے والی ہے' اس میں ذکر ہونے والے قصے تمام قصوں سے زیادہ مؤثر ہیں' اس میں ذکر ہونے والی مثالیں تمام مثالوں سے زیادہ فصیح ہیں' بے شمار لوگ اس کی سماعت سے متاثر ہوئے اور کئی ہزار لوگ اس کے لطیف مضامین سے متاثر ہوئے' قرآن (اپنے نہ ماننے والے) بظاہر عزت دار لوگوں کو رسوائی کا شکار کر دیتا ہے اور (دنیا میں بظاہر) کم تر سمجھے جانے والے لوگوں کو (اپنے اوپر ایمان رکھنے کی وجہ سے) عزت عطاء کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے جب یہ سنا کہ اُن کی بہن اور اُن کے بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں' تو انہوں نے تلوار نکال لی اور انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا' انہوں نے اپنے دل میں سے اُن کی محبت نکالی اور اُن کی طرف روانہ ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف کے لشکر کو سورۂ طٰہٰ کے گوشوں کی گھات میں بٹھا دیا' جب وہ اپنی بہن کے گھر کے دروازے تک آئے تو اس وقت ان کی بہن سورۂ طٰہٰ کی یہ ابتدائی آیات تلاوت کر رہی تھیں:

طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى" (طٰہٰ:۱'۲'۳)

"طٰہٰ' ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا تا کہ تم مشقت کا شکار ہو جاؤ' یہ صرف ڈرنے والوں کے لیے نصیحت ہے"۔

اسی طرح کے دوسرے الفاظ تھے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روح کو روشنی نظر آئی اور اُن کا دل قرآن کے لطیف حقائق سے مانوس ہو گیا' انہوں نے لڑائی کا لباس اتار کر صلح کا طریقہ ڈھونڈنا شروع کیا اور مخالفت سے موافقت کے راستے پر آ گئے' آخر کار انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

تلاوت سننے کے اثرات

یہ بات ذکر کی گئی ہے' جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ آیت تلاوت کی گئی:

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (المزمل:۱۲'۱۳)

"بے شک ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں اٹک جانے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے"۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی۔

یہ بات بھی منقول ہے' ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ (الطور:۷'۸)

"بے شک تمہارے پروردگار کا عذاب ضرور آئے گا' اسے ٹالنے والا کوئی نہیں ہے"۔

تو یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے اور اس کے بعد وہ ایک ماہ تک بیمار رہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی:

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ ۝ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (الاعراف:۴۱)

"اُن کے لیے جہنم کا بچھونا ہے اور اسی سے بنا ہوا اوپر اوڑھنے کا سامان ہے"۔

تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رونے لگ پڑے اور یوں خاموش ہو گئے کہ محسوس ہوتا تھا' شاید انتقال کر گئے ہیں' اس کے بعد وہ کھڑے ہوئے تو لوگوں نے ان سے کہا' آپ بیٹھ جائیں' تو وہ بولے: اس آیت کی ہیبت کی وجہ سے مجھ سے بیٹھا نہیں جا رہا۔

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی گئی:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:۲)

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیونکر کرتے ہو جس پر تم عمل نہیں کرتے''۔

تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اے میرے پروردگار! اگر ہم کچھ کہتے ہیں' تو تیری مدد سے کہتے ہیں اور اگر ہم کچھ کرتے ہیں' تو تیری توفیق کی مدد سے کرتے ہیں' تو پھر ہمارے قول اور ہمارے فعل کی کیا حیثیت ہے؟

شیخ ابوبکر شبلی کے بارے میں یہ بات منقول ہے' اُن کے سامنے یہ آیت تلاوت کی گئی:

اُذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ ''جب تم بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کو یاد کرو''۔

تو انہوں نے یہ کہا' یاد کرنے کے لیے یہ بات شرط ہے' پہلے بھول جائیں تو سارا جہان تو اس کی یاد میں محو ہے (لیکن انسان ایسا ہے' جو بھول جاتا ہے) یہ کہہ کر وہ بے ہوش ہو گئے' جب انہیں ہوش آیا تو وہ بولے: مجھے اُس دل پر حیرت ہوتی ہے' جو اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے اور اس جان پر حیرت ہوتی ہے' جو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے باوجود جسم سے نہیں نکلتی ہے۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں' ایک دفعہ میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا' جب میں نے یہ آیت پڑھی:

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ (البقرہ:۲۸۱)

''اس دن سے ڈرو! جب تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا''۔

تو غیب سے آواز آئی: آہستہ پڑھو! کیونکہ اس آیت کی ہیبت کی وجہ سے چار پریاں مر گئی ہیں۔

ایک درویش کے بارے میں یہ بات منقول ہے' انہوں نے دس سال تک قرآن کا صرف وہ حصہ تلاوت کیا جتنا تلاوت کرنا نماز میں فرض ہے' اس کے علاوہ نہ انہوں نے قرآن کی تلاوت کی اور نہ اس کی تلاوت سنی' لوگوں نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا تو وہ بولے: مجھے یہ اندیشہ ہے' کہیں یہ بات مجھ پر حجت کے طور پر قائم نہ ہو جائے۔

(سیدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک دفعہ میں شیخ ابوالعباس اشقاقی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھا' میں نے دیکھا کہ وہ یہ آیت تلاوت کر رہے ہیں:

ضَرَبَ اللّٰهُ عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ (النحل:۷۵)

''اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے غلام کی مثال بیان کی ہے' جو کسی کی ملکیت ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا''۔

یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے وہ روتے جا رہے تھے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا' شاید وہ دنیا سے نہ رخصت ہو جائیں' میں نے اُن سے یہ کہا: اے شیخ! آپ نے یہ کیا حالت کی ہوئی ہے؟ تو انہوں نے یہ فرمایا: گیارہ سال کے بعد میری تلاوت اس مقام تک پہنچی ہے' اب میں اس سے آگے نہیں جا سکتا۔

میں نے شیخ ابوالعباس سے دریافت کیا: آپ روزانہ قرآن کے کتنے حصے کی تلاوت کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: پہلے میں روزانہ دو مرتبہ قرآن پڑھ لیا کرتا تھا' لیکن اب گزشتہ چودہ سال سے میں صرف سورۂ انفال تک پہنچا ہوں۔

یہ بات بھی منقول ہے' ایک مرتبہ شیخ ابوالعباس قصاب نے ایک قاری سے یہ فرمایا: تلاوت کرو! اس شخص نے تلاوت کرتے ہوئے یہ آیت پڑھی:

يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ" (یوسف:۸۸)

''اے مصر کے حکمران! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو فاقے کی شکایت ہے اور ہم یہ تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں''۔

تو شیخ نے فرمایا: کوئی دوسری آیت پڑھو! تو اس قاری نے یہ آیت تلاوت کی:

"قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ (یوسف:۷۷)

''ان لوگوں نے کہا: اگر اس نے چوری کی ہے' تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے''۔

شیخ نے کہا: کوئی اور آیت تلاوت کرو! تو قاری نے یہ آیت پڑھی:

"لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ "(یوسف:۹۲)

''آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت کر دی ہے''۔

تو شیخ قصاب نے یہ دعا کی: اے میرے پروردگار! میں ظلم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے بڑھ کر ہوں اور تو لطف و کرم میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر ہے' اس لیے تو میرے ساتھ وہی معاملہ کرنا' جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ظالم بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ان تمام اُمور کے باوجود تمام مسلمان' خواہ وہ نیک لوگ ہوں' یا گنہگار ہوں' قرآن کو غور سے سننے کے پابند ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف:۲۰۴)

''اور جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو اُسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

جب کوئی شخص قرآن کی تلاوت کر رہا ہوتا ہے' تو لوگوں کو خاموشی کے ساتھ اور توجہ کے ساتھ اسے سننے کا حکم دیا گیا ہے

اور یہ فرمایا گیا ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (الزمر:۱۸،۱۷)

''ان بندوں کو خوشخبری دے دو جو اس کلام کو توجہ سے سنتے ہیں اور اس کے اچھے احکام کی پیروی کرتے ہیں''۔

اسی طرح ایک مقام پر یہ ارشاد فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الانفال:۲)

''یہ وہ لوگ ہیں، جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو ان کے دل خوفزدہ ہو جاتے ہیں''۔

ایک مقام پر یہ ارشاد فرمایا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۸)

''ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر کی وجہ سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، یاد رکھنا اللہ کے ذکر کی وجہ سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں، جو اس بات کی تائید کرتی ہیں، اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ملامت کی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس طرح سے نہیں سنتے ہیں، جس طرح سے اُسے سننے کا حق ہے اور وہ لوگ اُسے کانوں کے راستے سے دل میں نہیں اتارتے ہیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ'' (البقرہ:۷)

''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعت پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے: قیامت کے دن جہنمی یہ کہیں گے:

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک:۱۰)

''اگر تم دنیا میں (اللہ کے کلام کو) سن لیتے اور سمجھ لیتے تو اب ہم جہنم میں نہ ہوتے''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَفْقَهُوْهُ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (الانعام:۲۵)

''ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو غور سے تمہیں سنتے ہیں، ہم نے ان کے دلوں پر حجاب قائم کر دیا ہے (جس کے نتیجے میں) وہ اسے سمجھتے (ہی نہیں ہیں) اور ان کے کان (بظاہر سننے کے باوجود) بہرے ہیں''۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (الانفال:۲۱)

''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے یہ کہا، ہم نے یہ سن لیا ہے حالانکہ انہوں نے سنا نہیں تھا''۔

اللہ کی کتاب میں اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

تلاوت سننا

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اِقْرَءْ عَلَیَّ فَقَالَ اَنَا اَقْرَءُ ہٗ عَلَیْکَ وَعَلَیْکَ اُنْزِلَ فَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنِّیْ اَحَبُّ اَنْ اَسْمَعُہٗ مِنْ غَیْرِیْ *

میرے سامنے قرآن کی تلاوت کرو' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کیا میں آپ کے سامنے تلاوت کروں! جبکہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

میں اسے دوسرے کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے' سننے والا شخص پڑھنے والے کے مقابلے میں زیادہ بہتر حالت میں ہوتا ہے کیونکہ یا تو وہ حال

* صحیح البخاری' کتاب تفسیر القرآن' سورة البقرة' باب فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بك علی' حدیث:4315 صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب من احب ان یسمع القرآن من غیره' حدیث:4765صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب قول المقرء للقارء حسبك' حدیث:4766صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب البکاء عند قراء ة القرآن' حدیث:4770صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب البکاء عند قراء ة القرآن' حدیث:4771صحیح مسلم' کتاب صلاة المسافرین وقصرها' باب فضل استماع القرآن' حدیث:1373صحیح مسلم' کتاب صلاة المسافرین وقصرها' باب فضل استماع القرآن' حدیث:1374صحیح ابن خزیمة' جماع ابواب ذکر الوتر وما فیه من السنن' جماع ابواب صلاة العیدین' باب امر الامام القارء بقراء ة القرآن واستماعه للقراء ة وهو علی المنبر' حدیث:1367مستخرج ابی عوانة' مبتدا فضائل القرآن' باب الترغیب فی سؤال القارء قراء ة القرآن والاستماع الیه لیستمع قراء ته' حدیث:3108صحیح ابن حبان' کتاب الرقائق' باب قراء ة القرآن' ذکر امر المصطفی صلی الله علیه وسلم بعض امته ان یقرا' حدیث:735صحیح ابن حبان' کتاب الصلاة' باب صفة الصلاة' ذکر الدعاء الذی یعطی سائل الله ما سال فی موضع من' حدیث:1994المستدرك علی الصحیحین للحاکم' بسم الله الرحمن الرحیم اول کتاب المناسك' کتاب الدعاء' حدیث:1861سنن ابی داود' کتاب العلم' باب فی القصص' حدیث:3201سنن ابن ماجه' کتاب الزهد' باب الحزن والبکاء' حدیث:4192جامع ترمذی' ابواب الجمعة' ابواب السفر' باب ما ذکر فی الثناء علی الله ' حدیث:572'کتاب الآثار للامام ابی یوسف یعقوب بن ابراهیم ' باب السهو' حدیث:217مصنف ابن ابی شیبة' کتاب الدعاء' ما جاء عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه' حدیث:28932السنن الکبری للنسائی' کتاب فضائل القرآن' من احب ان یسمع القرآن من غیره' حدیث:7811السنن الکبری للبیهقی' کتاب الشهادات' باب : البکاء عند قراء ة القرآن' حدیث:19591مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بنی هاشم' مسند عبد الله بن مسعود رضی الله تعالی عنه' حدیث:3444مسند الطیالسی' ما اسند عبد الله بن مسعود رضی الله عنه' حدیث:328البحر الزخار مسند البزار' عمرو بن حریث عن عبد الله بن مسعود' حدیث:1288مسند ابی یعلی الموصلی' مسند ابی بکر الصدیق رضی الله عنه' حدیث:15المعجم الاوسط للطبرانی' باب الالف' من اسمه احمد' حدیث:1603المعجم الصغیر للطبرانی' من اسمه احمد' حدیث:203المعجم الکبیر للطبرانی' من اسمه عبد الله عبد الله بن مسعود الهذلی' باب' حدیث:8289شعب الایمان للبیهقی' الحادی عشر من شعب الایمان وهو باب فی الخوف من الله' حدیث:787الشمائل المحمدیة للترمذی' باب ما جاء فی بکاء رسول الله صلی الله علیه وسلم' حدیث:311

کی وجہ سے پڑھتا ہے یا حال کے بغیر پڑھتا ہے' لیکن سننے والا شخص صرف حال کے ساتھ سنتا ہے' پھر یہ پہلو بھی ہے' پڑھنے والے میں ایک حوالے سے تکبر پایا جاتا ہے' جبکہ سننے میں ایک حوالے سے انکساری کا پہلو پایا جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

شَيَّبَتْنِي سُوْرَةُ هُوْدٍ

''سورۂ ھود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے''۔*

یہ بات منقول ہے' نبی اکرم ﷺ نے یہ بات اس لیے ارشاد فرمائی کیونکہ سورۂ ھود کے آخر میں یہ آیت ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (ھود:۱۱۲) ''اور تم اس طرح ثابت قدم رہو جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' درحقیقت انسان اللہ تعالیٰ کے حکم پر ثابت قدم رہنے سے عاجز ہے' کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتا۔

جب نبی اکرم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا' آپ اس طرح سے استقامت اختیار کریں' جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے' تو نبی اکرم ﷺ اس بات پر حیران ہوئے اور انہوں نے یہ عرض کی: یہ کیسے ممکن ہے؟ میں اللہ تعالیٰ کے اس امر کو بجالانے کے حوالے سے پوری طرح استقامت میں رہوں۔

اس سوچ کی وجہ سے آپ کی قوت کم ہونا شروع ہوئی' آپ کا غم بڑھنا شروع ہوا' یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ گھر میں کھڑے ہونے لگے' تو آپ نے زمین پر ٹیک لگا کر اُٹھنے کے لیے زور لگایا' اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ کیا؟ آپ تو ابھی ماشاء اللہ جوان اور تندرست ہیں' تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورۂ ھود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔

یعنی اس کے حکم کو سننے کی وجہ سے میرے دل پر اتنا خوف غالب ہوگیا ہے' کہ میری قوت ختم ہوتی جارہی ہے۔

غریب مہاجرین کی عظمت

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' ایک مرتبہ میں صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا' جس میں کمزور مہاجرین بھی موجود تھے' انہوں نے اپنی برہنگی کو ایک دوسرے سے چھپا رکھا تھا' ان میں ایک شخص قرآن کی تلاوت کر رہا تھا' اسی دوران نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لے آئے' جب تلاوت کرنے والے شخص نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تو وہ خاموش ہو گئے۔ راوی بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے سلام کرکے دریافت کیا: تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ انہوں نے

* المستدرك على الصحيحين للحاكم' كتاب التفسير' تفسير سورة هود' حديث:3248 'جامع ترمذي' الذبائح' ابواب تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم' باب : ومن سورة الواقعة' حديث:3300'مصنف ابن ابى شيبة' كتاب فضائل القرآن ما جاء في صعاب السور' حديث:29657

عرض کی: یارسول اللہ! یہ صاحب ہمارے سامنے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے ہم اس تلاوت کو سن رہے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نے میری اُمت میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا ہے کہ مجھے ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔ راوی کہتے ہیں اس کے بعد نبی اکرم ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھ گئے پھر آپ نے ہاتھ کے ذریعے اشارہ کر کے فرمایا: اس طرح بیٹھ جاؤ۔ تو سب لوگ حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اس وقت کوئی اجنبی شخص اُن لوگوں میں اور نبی اکرم ﷺ میں تمیز نہیں کر سکتا تھا گویا نبی اکرم ﷺ بھی مفلس مہاجرین کا ایک حصہ محسوس ہو رہے تھے اُس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی: اے مفلس مہاجرین! قیامت کے دن تمہیں پوری کامیابی نصیب ہونے کی خوشخبری ہے تم اپنے دولت مند بھائیوں کے مقابلے میں نصف روز پہلے جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور اُس نصف روز کی مقدار (دنیاوی حساب سے) پانچ سو سال ہوگی۔

اس حدیث کو مختلف عبارات کے ساتھ روایت کیا گیا ہے لیکن یہ اختلاف عبارت میں ہے اُس کا مفہوم وہی ہے اور یہ بالکل مستند ہے۔

اسی طرح حضرت زرارہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ایک ہیں ایک مرتبہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے انہوں نے قرآن کی ایک آیت کی تلاوت کی جس کی ہیبت کی وجہ سے اُن کا انتقال ہو گیا۔

اسی طرح صالح نامی ایک شخص نے ایک تابعی ابوجہنی کے سامنے قرآن کی ایک آیت تلاوت کی جس کے جلال کی وجہ سے اُن کا انتقال ہو گیا۔

شیخ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ایک مرتبہ ایک نیک عورت کو نماز پڑھنے کے بعد برکت کے لیے سلام کیا تو اس نے قرآن کی تلاوت سنانے کی فرمائش کی میں نے قرآن کی آیت کی تلاوت کی تو وہ خاتون بے ہوش ہو گئی پھر بعد میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

شیخ احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے ایک شخص کو جنگل میں ایک کنویں کے کنارے کھڑے ہوئے دیکھا میں اُس کے قریب آیا تو اُس نے یہ خواہش کی: میں اسے کچھ تلاوت سناؤں تاکہ اس کی جان آسانی سے نکل سکے اس وقت میرے ذہن میں آیا اور میں نے یہ آیت تلاوت کی:

"اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا" (حم السجدہ: ۳۰)

"بے شک وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر استقامت اختیار کرتے ہیں"۔

تو یہ سن کر اُس شخص نے کہا: اے احمد! خدا کی قسم! تم نے میرے سامنے وہی آیت تلاوت کی ہے جو ابھی فرشتہ میرے سامنے تلاوت کر رہا تھا اس نے یہ کہا اور پھر اُس کا انتقال ہو گیا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سلسلے میں بہت سی حکایات بیان کی گئی ہیں اگر اُن سب کا یہاں تذکرہ کیا جائے تو کتاب ضخیم ہو جائے گی اس لیے میں یہاں اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

تیسری فصل:

شعر کا سماع اور اس سے متعلق اُمور

شعر سننے کا حکم

یہ بات جان لیں! شعر کو سننا مباح ہے' نبی اکرم ﷺ نے اشعار سنے ہیں' صحابہ کرام نے بھی اشعار کہے بھی ہیں اور سنے بھی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے' آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

''اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً''* ''بعض اشعار حکمت (آمیز) ہوتے ہیں''۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

''اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا''**

''حکمت (دانائی) مؤمن کی گم شدہ چیز ہے وہ جہاں بھی اسے ملے گی' وہی اس کا زیادہ حقدار ہوگا''۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَتْهَا الْعَرَبُ قَوْلُ لَبِيْدٍ''*

---

* سنن الدارمی' ومن كتاب الاستئذان' باب : فی ان من الشعر حكمة' حديث:2658سنن ابی داود' كتاب الادب' باب ما جاء فی الشعر' حديث:4378سنن ابن ماجه' كتاب الادب' باب الشعر' حديث:3753الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم' ذكر ابی بن كعب' حديث:1645شرح معانی الآثار للطحاوی' كتاب الكراهة' باب رواية الشعر , هل هی مكروهة ام لا ؟' حديث:4642السنن الكبری للبيهقی' جماع ابواب وقت الحج والعمرة' جماع ابواب ما يجتنبه المحرم' باب لا يضيق علی واحد منهما ان يتكلم بما لا يأثم' حديث:8619مسند احمد بن حنبل' مسند المكيين' بقية حديث كعب بن مالك الانصاری' حديث:15506مسند الطيالسی' احاديث ابی بن كعب رحمه الله' حديث:552الادب المفرد للبخاری' باب من الشعر حكمة' حديث:888

** سنن ابن ماجه' كتاب الزهد' باب الحكمة' حديث:4167 ' حدثنا عبد الرحمن بن عبد الوهاب قال : حدثنا عبد الله بن نمير ، عن ابراهيم بن الفضل ، عن سعيد المقبری ، عن ابی هريرة ، قال : قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "الكلمة الحكمة ضالة المؤمن ، حيثما وجدها فهو احق بها " *سنن ابن ماجه' كتاب الزهد' باب الحكمة' حديث:4167جامع ترمذی' الذبائح' ابواب العلم عن رسول الله صلی الله عليه وسلم' باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة' حديث:2680مصنف ابن ابی شيبة' كتاب الزهد' ما ذكر فی زهد الانبياء وكلامهم عليهم السلام' ما قالوا فی البكاء من خشية الله' حديث:35010

*بخاری 66'كتاب فضائل الصحابة 56'باب ايام الجاهلية 3628 'مسلم 41'كتاب الشعر 2256'ترمذی 44'كتاب الادب عن رسول الله صلی الله عليه وسلم باب'70 ما جاء فی انشاد الشعر 2849 'ابن ماجة 33'كتاب الادب (41) باب الشعر 3757 'مسند احمد (مسند ابی هريرة رضی الله عنه) 10076 'ابن حبان 44'كتاب الحظر والاباحة باب الشعر و السجع 5783 'ابن ابی شيبة (كتاب الادب) (الرخصة فی الشعر) 26015

"سب سے سچی بات جو کسی عرب نے کہی ہے' وہ لبید کا یہ شعر ہے:

اَلَا کُلُّ شَیْئٍ مَاخَلَا اللهُ بَاطِلُ
وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَامَحَالَةَ زَائِلُ

خبردار! اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز فانی ہے اور ہر نعمت آخر کار ختم ہو جاتی ہے"۔

نبی اکرم ﷺ کا شعر سننا

عمرو بن شرید اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے شعر سنانے کی فرمائش کی' آپ نے دریافت کیا: کیا تمہیں اُمیہ بن ابوصلت کے اشعار یاد ہیں؟ اگر ہیں' تو ہمیں سناؤ۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یکے بعد دیگرے ایک سو اشعار سنائے' جب بھی میں کوئی شعر سناتا تو آپ فرماتے: کچھ اور سناؤ! آخر کار آپ نے یہ ارشاد فرمایا: اپنی شاعری میں وہ اسلام کے قریب پہنچ گیا تھا۔

نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے بارے میں اس حوالے سے اور بھی بہت سی روایات منقول ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: لوگ اس بارے میں غلطی میں مبتلا ہیں۔

لوگوں کا طرزِ عمل

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس وقت یہ صورتِ حال ہے' کچھ لوگ ہر قسم کے اشعار سننے کو حرام قرار دیتے ہیں' ویسے وہ لوگ دن رات مسلمانوں کی غیبت کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں' جو ہر قسم کے اشعار کو سننا اور سنانا جائز سمجھتے ہیں اور دن رات خال و خد اور زلفوں کے تذکرے پر مبنی اشعار سنتے ہیں۔ دونوں فریقین نے اپنے مخالف فریق کے خلاف دلائل پیش کیے ہیں' میرا مقصد ان میں سے کسی ایک کی تائید یا تردید نہیں ہے' اس لیے میں صرف اتنے پر ہی اکتفاء کروں گا۔

مشائخ کا یہ طریقہ ہے' وہ اس حوالے سے نبی اکرم ﷺ کے فرمان کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كَلَامٌ حَسَنُهُ حَسَنٌ وَ قَبِيْحُهُ قَبِيْحٌ*

*سنن الدارقطنی' کتاب الوصایا' خبر الواحد یوجب العمل' حدیث:3774السنن الکبری للبیھقی' جماع ابواب وقت الحج والعمرة جماع ابواب ما یجتنبه المحرم' باب لا یضیق علی واحد منهما ان یتکلم بما لا یاثم' حدیث:8620معرفة السنن والآثار للبیھقی' کتاب المناسك' جماع ابواب ما یجتنبه المحرم' کلام المحرم' حدیث:2997السنن الصغیر للبیھقی' کتاب الشھادات' باب من تجوز شھادته ومن لا تجوز من الاحرار البالغین العاقلین' حدیث: 3371مسند الشافعی' ومن کتاب الحج من الامالی' حدیث:1569مسند ابی یعلی الموصلی' مسند عائشة' حدیث:4635المعجم الاوسط للطبرانی' باب العین' باب المیم من اسمه : محمد' حدیث:7839الادب المفرد للبخاری' باب الشعر حسن کحسن الکلام ومنه قبیح' حدیث:895

''یہ ایک کلام کی طرح ہے' اچھا شعر اچھا ہوتا ہے اور بُرا شعر بُرا ہوتا ہے''۔

جس بھی چیز کا سننا حرام ہو جیسے غیبت' بہتان' فحش بات' کسی کی مذمت یا کلمۂ کفر ہو' تو اُسے نظم میں بیان کیا جائے یا نثر میں بیان کیا جائے' اُسے سننا حرام ہو گا اور جس کلام کو نثر میں سننا حلال ہے جیسے عقل وفہم کی باتیں' وعظ ونصیحت' اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل' اس کی قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر (ان سب کو نثر میں سننا جائز ہے تو)' انہیں نظم کی شکل میں بھی سننا جائز ہے۔

مختصر یہ کہ ایسا حسن جسے دیکھنے میں فتنے کا اندیشہ ہو' اسے دیکھنا ناجائز ہے۔ اسی طرح نظم یا نثر میں ایسی بات کرنا جو شہوت کو حرکت دے اور فتنے کا اندیشہ ہو' اُسے سننا حرام ہے' جو لوگ ایسے فحش مضامین کو بھی حلال کہتے ہیں' تو یہ کفر شمار ہو گا۔

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے' میں آنکھ' رخسار' زلف کے تذکرے میں حق کا پہلو دیکھتا ہوں اور حق کو تلاش کرتا ہوں' تو اس کے جواب میں کوئی دوسرا شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے' میں خدوخال کو دیکھتا صرف اس لیے ہوں کہ مجھے اُن میں جلوۂ حق نظر آتا ہے' میں حق کی تلاش میں انہیں دیکھتا ہوں کیونکہ آنکھ اور کان عبرت کا محل ہیں اور علم کے حصول کا سرچشمہ ہیں۔

پھر یہ بھی ہو سکتا ہے' کوئی تیسرا شخص بڑھ کر یہ کہہ دے: میں خوبصورت جسم کو چھو لیتا ہوں کیونکہ پہلے شخص نے اسی جسم کی تعریف اور صفات کو سننے کو جائز قرار دیا ہے اور وہ شخص یہ جواز پیش کرے' میں حق کو طلب کر رہا ہوں اور اس کی جستجو میں ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے' حقیقت اور معنی کے ادراک کے حوالے سے کسی بھی ایک حس کو کسی دوسری حس پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے' تو اس کے نتیجے میں شرعی احکام باطل ہو جائیں گے۔

نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ''* ''آنکھیں زنا کا ارتکاب کرتی ہیں''۔

---

*صحيح ابن حبان' كتاب الحدود' باب الزنى وحده' ذكر اطلاق اسم الزنى على الاعضاء اذا جرى منها بعض شعب' حديث:4483' اخبرنا ابو خليفة ، حدثنا القعنبي حدثنا عبد العزيز بن محمد ، عن العلاء بن عبد الرحمن ، عن ابيه ، عن ابى هريرة ، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "العينان تزنيان ، واللسان يزني ، واليدان تزنيان ، والرجلان تزنيان ، ويحقق ذلك الفرج او يكذبه " *صحيح ابن حبان' كتاب الحدود' باب الزنى وحده' ذكر اطلاق اسم الزنى على الاعضاء اذا جرى منها بعض شعب' حديث:4483مشكل الآثار للطحاوي' باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه' حديث:2282السنن الكبرى للبيهقي' كتاب النكاح' جماع ابواب الترغيب في النكاح وغير ذلك' باب تحريم النظر الى الاجنبيات من غير سبب مبيح' حديث:12633مسند احمد بن حنبل' ومن مسند بني هاشم' مسند عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنه' حديث:3796سند اسحاق بن راهويه' ما يروى عن ابى عثمان النهدى عبد الرحمن بن مل وعن' حديث:26البحر الزخار مسند البزار' عبد الله بن مرة وغيره من اصحاب مسروق ' حديث:1724مسند ابى يعلى الموصلي' مسند عبد الله بن مسعود' حديث:5236المعجم الكبير للطبراني' من اسمه عبد الله' عبد الله بن مسعود الهذلي' باب' حديث:8537شعب الايمان للبيهقي' السابع والثلاثون من شعب الايمان وهو باب في تحريم الفروج ' حديث:5176

تو اب اس کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہے گا اور نامحرم کو چھونا کوئی بُرائی نہیں رہے گا' شریعت کی حدود ساقط ہو جائے گی اور یہ کھلی گمراہی ہے۔

جب کچھ جاہل صوفی کہلانے والے لوگوں نے صاحبِ حال صوفیاء کو سماع کرتے ہوئے دیکھا تو وہ یہ سمجھے کہ شاید یہ لوگ نفسانی خواہش کی پیروی کرنے میں مشغول ہیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر اُن جاہل صوفیوں نے سماع کو جائز قرار دے دیا اور بولے: اگر یہ جائز نہ ہوتا تو یہ صوفیاء اسے کیوں اختیار کرتے؟ ان لوگوں نے صوفیاء کے ظاہری عمل کی تقلید کی' لیکن اُن کے باطن کی طرف توجہ نہ کی اور اس کے نتیجے میں خود بھی ہلاکت کا شکار ہو گئے اور دوسروں کو بھی ہلاکت کا شکار کیا' یہ بھی ہمارے اس زمانے کی بڑی آفت ہے' اپنے مخصوص مقام پر ہم اس کی تشریح کریں گے۔

چوتھی فصل

آواز ولحن

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

زَيِّنُوْا اَصْوَاتَكُمْ بِالْقُرْاٰنِ* ''قرآن کی تلاوت میں اپنی آواز کو مزین کرو''۔

* صحيح ابن خزيمة' كتاب الامامة في الصلاة' جماع ابواب قيام الماموين خلف الامام وما فيه من السنن' باب التغليظ في ترك تسوية الصفوف تخوفا لمخالفة الرب عز وجل' حديث:1457 ' وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "زينوا القرآن " قال عبد الرحمن بن عوسجة : كنت نسيت: "زينوا القرآن باصواتكم " ، حتى ذكرنيه الضحاك بن مزاحم *المستدرك على الصحيحين للحاكم' كتاب فضائل القرآن' اما حديث عبيد الله بن الاخنس' حديث:2038صحيح ابن حبان' كتاب الرقائق' باب قراءة القرآن' ذكر اباحة تحسين المرء صوته بالقرآن' حديث:749مستخرج ابي عوانة' مبتدا فضائل القرآن' باب بيان نزول الملائكة لقراءة سورة البقرة ودنوها من القارء' حديث:3167صحيح ابن خزيمة' كتاب الامامة في الصلاة' جماع ابواب قيام الماموين خلف الامام وما فيه من السنن' باب التغليظ في ترك تسوية الصفوف تخوفا لمخالفة الرب عز وجل' حديث:1457سنن الدارمي' ومن كتاب فضائل القرآن' باب : التغني بالقرآن' حديث:3439سنن ابي داود' كتاب الصلاة' باب تفريع ابواب الوتر' باب استحباب الترتيل في القراءة' حديث:1269سنن ابن ماجه' كتاب اقامة الصلاة ' باب في حسن الصوت بالقرآن' حديث:1338مصنف عبد الرزاق الصنعاني' كتاب الصلاة' باب حسن الصوت' حديث:4037مصنف ابن ابي شيبة' كتاب صلاة التطوع والامامة وابواب متفرقة' في حسن الصوت بالقرآن' حديث:8601السنن الكبرى للنسائي' العمل في افتتاح الصلاة' تزيين القرآن بالصوت' حديث:1069السنن الكبرى للبيهقي' كتاب الصلاة' جماع ابواب صفة الصلاة' باب كيف قراءة المصلي قال الله عز وجل ورتل القرآن ترتيلا' حديث: 4 5 2 2معرفة السنن والآثار للبيهقي' كتاب الشهادات' شهادة اهل الغناء' حديث:6155مسند احمد بن حنبل' اول مسند الكوفيين' حديث البراء بن عازب' حديث:18154مسند ابن الجعد' قيس بن الربيع الاسدي' حديث:1677البحر الزخار مسند البزار' ومما روى ابو سلمة بن عبد الرحمن ' حديث:923مسند ابي يعلى الموصلي' مسند البراء بن عازب' حديث:1648مسند الروياني' عبد الرحمن بن عوسجة عن البراء' حديث:356

''قرآن کے ذریعے اپنی آوازوں کو مزین کرو''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَايَشَاءُ (الفاطر:۱) ''وہ اپنی مخلوق میں سے جس میں چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے''۔

مفسرین نے یہ بات بیان کی ہے' اس سے مراد عمدہ آواز ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سننا چاہتا ہو وہ ابوموسیٰ اشعری کی آواز سن لے''۔

احادیث میں یہ بات مذکور ہے' اہل جنت کو جنت میں سماع کی نعمت حاصل ہوگی اور اس کا طریقہ یہ ہوگا' انہیں درخت میں سے خوبصورت نغمے اور خوبصورت آوازیں سنائی دیں گی' جب یہ آوازیں مل کر آئیں گی' تو اس کے نتیجے میں طبیعت پر لذت کی ایک مخصوص کیفیت طاری ہو جائے گی۔

سماع کا اثر

سماع کے ذریعے متاثر ہونے کی ایک صورت تمام لوگوں میں پائی جاتی ہے' خواہ وہ انسان ہوں یا انسان کے علاوہ کوئی دوسری مخلوق ہو' اس کی وجہ یہ ہے' روح لطیف ہوتی ہے اور اُس کی وجہ سے ہر چیز زندہ شمار ہوتی ہے' جبکہ اچھی آواز میں لطافت موجود ہوتی ہے' جب روح اس آواز کو سنتی ہے' تو ایک جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔

بعض حضرات کا یہ نظریہ ہے' جو ہم نے بیان کیا ہے۔

فلسفے کے ماہرین اور محققین نے اس بارے میں بڑی بحث کی ہے' انہوں نے آوازوں کے اثرات پر کتابیں تصنیف کی ہیں' انہوں نے اس موضوع کو بڑی اہمیت دی ہے' ان حضرات کے تجربات اور ایجادات مختلف آلاتِ موسیقی کی شکل میں ہمارے سامنے آج بھی موجود ہیں' جنہیں انہوں نے نفسانی خواہشات کو تقویت پہنچانے کے لیے اور لہو و لعب کے ارتکاب کے لیے شیطان کے طریقے پر ایجاد کیا تھا۔

یہ بات منقول ہے' اسحاق موصلی ایک گویا ایک باغ میں گا رہا تھا' ایک بلبل جو نغمہ گا رہی تھی وہ اُس کے گانے کی آواز سن کر مست ہو کر خاموش ہو گئی' کچھ دیر وہ اس آواز کو سنتی رہی اور پھر درخت سے گر کر مر گئی۔

اسی طرح کے اور بھی کئی واقعات سننے میں آئے ہیں' یہاں ہم صرف یہ بیان کرنا چاہتے ہیں' مختلف آوازوں کی ترکیب اور تالیف انسانی طبیعت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

ایک حبشی کا لحن

شیخ ابراہیم بن خواص رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں ایک عرب قبیلے کے سردار کے ہاں مہمان کے طور پر ٹھہرا۔ میں نے یہ دیکھا کہ اس نے ایک حبشی غلام کو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر دھوپ میں خیمے کے باہر کھڑا کیا ہوا ہے' مجھے اُس

غلام پر ترس آیا' میں نے یہ سوچا کہ میں سردار سے اس کی سفارش کروں گا' جب کھانا لایا گیا تو مہمان کی عزت افزائی کے لیے سردار خود کھانے میں شریک ہونے کے لیے آیا' جب کھانا شروع ہونے لگا تو میں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا' عرب سرداروں کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ اور کوئی چیز نہیں ہوتی کہ کوئی شخص ان کا کھانا کھانے سے انکار کر دے۔ سردار نے میرے انکار کی وجہ دریافت کی تو میں نے جواب دیا: مجھے آپ سے ایک مہربانی کی اُمید ہے' جس کی بنیاد پر میں انکار کر رہا ہوں' تو وہ سردار بولا: میرا سب مال تم لے لو لیکن کھانا کھا لو' میں نے کہا' مجھے آپ کے مال اور ساز وسامان کی ضرورت نہیں ہے' آپ صرف یہ غلام میرے حوالے کر دیں' تو سردار نے کہا: آپ پہلے اس کا جرم سن لیں' اُس کے بعد اس کی زنجیریں کھول دیجئے گا' آپ جب تک میرے مہمان ہیں اُس وقت تک آپ کو میری ہر چیز پر اختیار حاصل ہے۔ میں نے سردار سے اُس کا جرم پوچھا تو سردار نے بتایا: یہ حُدی پڑھتا ہے اس کی آواز میں لحن بہت زیادہ ہے' ایک مرتبہ میں نے اس کو کچھ اونٹ دے کر بھیجا جس پر اس نے غلہ لاد کر لانا تھا' اس نے ہر اونٹ کی پشت پر اتنا وزن لاد دیا جتنا دو اونٹ اُٹھاتے ہیں اور خود حُدی پڑھ کر انہیں چلانا شروع کیا' اونٹوں نے حُدی سے مست ہو کر چلنا شروع کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں یہاں پہنچ گئے لیکن کیونکہ ان پر وزن ان کی گنجائش سے زیادہ لاد دیا گیا تھا تو جیسے ہی وہ وزن اتارا گیا تو ایک' ایک کر کے وہ تمام اونٹ ہلاک ہو گئے۔

شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں اس بات پر بہت حیران ہوا' میں نے اُن سے کہا: اے سردار! آپ کی مرتبہ و مقام سے یہ توقع ہے' آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں گے لیکن میں اس کا ثبوت بھی چاہتا ہوں۔

شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' ابھی ہم یہ بات کر ہی رہے تھے' اسی دوران صحرا سے چند اونٹ لائے گئے' جنہوں نے کنویں پر آ کر پانی پینا تھا' امیر نے اُن اونٹوں کو لانے والے سے دریافت کیا: ان اونٹوں نے کتنے دنوں سے پانی نہیں پیا ہے؟ تو اُن لوگوں نے بتایا: تین دن سے' انہوں نے پانی نہیں پیا ہے' اس وقت سردار نے اُس غلام کو حُدی پڑھنے کا حکم دیا' جب اس غلام نے حُدی پڑھنا شروع کی تو اس کی آواز سن کر وہ اونٹ اس طرح مست ہو گئے کہ کسی نے پانی کو منہ بھی نہیں لگایا' اور وہ ایک ایک کر کے بھاگتے ہوئے جنگل میں پھیل گئے' اس کے بعد سردار نے وہ غلام مجھے بخش دیا۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) بعض باتوں کا ہم نے بھی مشاہدہ کیا ہے' جیسے اونٹوں کو لے کے چلنے والے یا گدھوں کو ہانکنے والے مخصوص قسم کی آواز نکالتے ہیں' تو اس کے نتیجے میں اُن جانوروں پر مستی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

جانوروں پر سماع کا اثر

خراسان اور عراق کے بعض علاقوں میں یہ رواج ہے' رات کے وقت ہرن پکڑنے کے لیے تھال کو مخصوص آواز میں بجایا جاتا ہے' جب کوئی ہرن تھال کی وہ آواز سنتا ہے' تو وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہو جاتا ہے (یعنی مست و بے خود ہو کر ہلتا نہیں ہے) تو شکاری اس کو پکڑ لیتا ہے۔

اسی طرح یہ بات مشہور ہے' ہندوستان میں بھی کچھ لوگوں کا یہ معمول ہے' وہ جنگل میں جا کر گانا شروع کرتے ہیں

اور سریلی آوازیں نکالتے ہیں' ان کی یہ آواز سن کر ہرن ان کی طرف چل پڑتے ہیں اور یہ لوگ ہرنوں کے اردگرد دائرہ بنا کر گاتے رہتے ہیں' یہاں تک کہ وہ ہرن آنکھیں بند کر کے سو جایا کرتے ہیں اور یہ لوگ پھر اُن کا شکار کر لیتے ہیں۔

اسی طرح چھوٹے بچوں کے بارے میں ہر شخص یہ بات جانتا ہے' جب وہ اپنے جھولے میں رو رہے ہوتے ہیں' تو اس دوران کوئی اچھی آواز سن لیں تو خاموش ہو کر کان اس کی طرف لگا لیتے ہیں۔

حکماء اس بارے میں یہ کہتے ہیں' ایسے بچوں کے حواس درست ہوتے ہیں اور وہ بڑے ہو کر عقل مند ثابت ہوتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ منقول ہے:

کوئی عجمی حکمران فوت ہو گیا' اس کے انتقال کے وقت اس کے بیٹے کی عمر صرف دو سال تھی۔ وزراء نے اُسے ہی بادشاہ کی جگہ تخت نشین کرنا چاہا تو بزرجمہر نے کہا: پہلے اس کا امتحان لے لینا چاہیے' اس کے حواس ٹھیک کام کرتے ہیں یا نہیں اور اس کے حوالے سے مستقبل میں کوئی اچھی اُمید کی جا سکتی ہے؟ لوگوں نے دریافت کیا: وہ امتحان کیسے لیا جائے گا؟ تو اس نے گانے بجانے والے لوگ بلوائے' وہ لوگ اس بچے کے پاس آ کر گانے بجانے لگے تو بچہ خوش ہو کر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اس پر بزرجمہر نے کہا: یہ بچہ دانا ہے اور اس سے آگے بہتر حکومت کی اُمید کی جا سکتی ہے۔

صاحبانِ عقل کے نزدیک اچھی آواز کا متاثر کن ہونا ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے' جس کے لیے مزید کسی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے' جو شخص یہ کہتا ہے' مجھے اچھے ساز اور اچھے نغمات اچھے نہیں لگتے' وہ غلط بیانی سے کام لیتا ہے یا تو وہ منافقت کر رہا ہے یا پھر اس میں یہ لطیف حس ہی موجود نہیں ہو گی۔ ایسا شخص انسانوں کے زمرے میں بھی شامل ہونے کے لائق نہیں ہے اور جانوروں کے زمرے میں بھی شامل ہونے کے لائق نہیں ہے۔ جو حضرات سماع سے منع کرتے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی رعایت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں:

فقہاء کا اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے' اگر لہو و لعب مقصد نہ ہو اور دل میں فسق اور غلو سے متعلق خیالات پیدا ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو' تو خوبصورت آواز اور نغمات کو سننا جائز ہے۔

احادیث سے سماع کا ثبوت

کئی احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے' سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ بات بیان کرتی ہیں' ایک مرتبہ میرے پاس ایک لڑکی بیٹھی ہوئی گا رہی تھی' اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت مانگی' جب اس لڑکی نے اُن کی آہٹ سنی تو وہ بھاگ گئی' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر تشریف لائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کس بات پر مسکرا رہے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے پاس ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جو کچھ گا رہی تھی' جب اس نے تمہاری آہٹ سنی تو بھاگ گئی' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں بھی وہ ضرور سنوں گا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے' تو اس بچی نے دوبارہ گانا شروع کیا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے گانے کو سنتے رہے۔

صحابہ کرام سے اس طرح کی کئی روایات منقول ہیں' ان تمام روایات کو شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے اپنی کتاب (السماع) میں جمع کر دیا ہے' انہوں نے سماع کے مباح ہونے کا فیصلہ دے دیا ہے۔

سماع کے ذریعے صوفیاء کا مقصد بالکل الگ ہوتا ہے۔

صوفیاء کا یہ کہنا ہے' ہر عمل کا کوئی نہ کوئی مخصوص فائدہ ہونا چاہیے' صرف مباح ہونا عوام کی منزل ہے' بلکہ اس مرتبے میں تو جانور بھی شامل ہیں' اس لیے مکلف لوگوں کو چاہیے' وہ کوئی ایسا عمل کریں جو ان کے لیے فائدہ مند ہو۔

سماع کا حکم

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ میں ''مرو'' میں مقیم تھا' ایک مشہور محدث اور امام نے مجھ سے یہ کہا: میں نے سماع کے جائز ہونے کے بارے میں یہ کتاب لکھی ہے' میں نے اُن سے کہا: یہ تو دین میں بڑی خرابی پیدا ہو جائے گی' جب آپ جیسا محدث' لہو ولعب والے عمل کو جائز قرار دے' جو تمام بُرائیوں کی جڑ ہے (تو پھر اللہ ہی حافظ ہے)' ان صاحب نے کہا: اگر یہ جائز نہیں ہے' تو تم کیوں اُسے سنتے ہو' تو میں نے اُن سے یہ عرض کی: اس کے جائز اور ناجائز ہونے کی مختلف صورتیں ہیں۔ کسی ایک چیز کے بارے میں قطعی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ اگر سماع کے نتیجے میں دل میں مثبت جذبات پیدا ہوتے ہیں' تو سماع حلال ہے اور اگر منفی خواہشات اُبھرتی ہیں' تو یہ حرام ہوگا اور اگر مباح قسم کا تاثر سامنے آتا ہے' تو یہ مباح ہوگا' تو جو چیز ظاہری طور پر فسق ہے اور جس کی باطنی کیفیت کئی طرح سے ہو سکتی ہے' اس میں کسی ایک پہلو کے حوالے سے قطعی فیصلہ دینا ممکن نہیں ہے۔

پانچویں فصل

سماع کے احکام

یہ بات جان لیں! سماع کے حوالے سے لوگوں کی طبیعت میں اختلاف پایا جاتا ہے اور اس حوالے سے احکام بھی الگ ہیں' لوگوں کے ذہن مختلف ہوتے ہیں' اس لیے اُن سب پر ایک سا حکم لگانا زیادتی ہے۔

سماع کے حوالے سے لوگوں کی اقسام

سماع کے حوالے سے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں' کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں' جو صرف معانی پر توجہ دیتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں' جو صرف آواز کو سنتے ہیں' اُن کو معانی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہوتی' ان دونوں صورتوں میں فوائد بھی پائے جاتے ہیں اور نقصانات بھی پائے جاتے ہیں۔

اچھی آواز سے رغبت' معانی کے غلبے کی وجہ سے ہوتی ہے' جو انسانی فطرت میں شامل ہے' اس لیے اگر معانی حق ہیں' تو سماع بھی حق ہوگا اور اگر معانی باطل ہے' تو سماع بھی باطل شمار ہوگا' یہی وجہ ہے' جس شخص کی طبیعت میں فساد ہوتا ہے وہ جو کچھ

بھی سنتا ہے وہ چیز اُس کے لیے فساد کا باعث بن جاتی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی

یہ بات اُس وقت سمجھ آتی ہے جب ہم حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں یہ بات جانتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کیا تو انہیں خوش الحانی عطاء کی۔ اُن کے گلے کو ساز بنا دیا اور پہاڑوں کو اُن کی خوش الحانی کا ذریعہ بنا دیا۔ یہاں تک کہ وحشی جانور پرندے پہاڑ جنگلات ان کی خوش الحانی سے متاثر ہوتے تھے۔

بہتا ہوا پانی رُک جایا کرتا تھا اُڑتے ہوئے پرندے گر جایا کرتے تھے۔

روایات میں یہ بات منقول ہے جس جنگل میں حضرت داؤد علیہ السلام اپنے الحان کا اظہار کرتے تھے وہاں کے جانور ایک ایک ماہ تک کچھ بھی کھاتے پیتے نہیں تھے اُن کے بچے دودھ نہیں مانگتے تھے روتے نہیں تھے لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کے لحن کی لذت کی وجہ سے فوت ہو جایا کرتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق سات سو جوان لڑکیاں اور (۱۲) بارہ ہزار بوڑھے حضرت داؤد علیہ السلام کے لحن کی وجہ سے انتقال کر گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حقیقت کو پسند کرنے والے افراد اور نفس کی خواہش کی پیروی کرنے والے افراد کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے ابلیس کو موقع دیا۔ ابلیس کا حربہ شروع ہوا اُس نے وسوسے کے ذریعے لوگوں کو بہکانا شروع کیا اس نے اللہ تعالیٰ سے اپنے حربے استعمال کرنے کی اجازت مانگی اسے اجازت عطاء کر دی گئی تو اس نے بانسری اور طنبورہ ایجاد کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے مقابلے میں اپنی محفل سماع شروع کی یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے الحان کو سننے والے لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے جو لوگ سعادت مند تھے وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ رہے اور جو لوگ بدبخت تھے وہ شیطان کے پیروکار بن گئے۔

جو لوگ حقیقت کی طرف متوجہ رہتے تھے وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ظاہری آواز کی طرف مائل نہیں ہوتے تھے وہ حقیقت کو پسند کرتے تھے اسے پہچانتے تھے اسے دیکھتے تھے اس لیے انہوں نے شیطان کی محفل کو آزمائش کا ذریعہ سمجھا اور حضرت داؤد علیہ السلام کی محفل کو ہدایت کا ذریعہ سمجھا اور انہوں نے دونوں گروہوں کی اصل حقیقت کو معلوم کر لیا انہوں نے صحیح کو صحیح سمجھا اور غلط کو غلط سمجھا اور پھر اس پر عمل بھی کیا انہوں نے شیطان سے لاتعلقی اختیار کر کے اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کر لیا سماع کے بارے میں جس شخص کی حالت ایسی ہو گئی وہ شخص جو کچھ بھی سنے گا وہ اس کے لیے حلال ہو گا۔

دعویدار لوگوں کی ایک جماعت یہ کہتی ہے سماع حقیقت کے اعتبار سے جو کچھ بھی ہو بظاہر وہ اس کے برخلاف معلوم ہوتا ہے جو حقیقت میں وہ ہے اور یہ بات ناممکن ہے اس کی وجہ یہ ہے ولایت میں کمال یہ ہوتا ہے انسان کسی چیز کو اُسی طرح دیکھے جیسے وہ حقیقت میں ہوتی ہے تاکہ اُس کا دیکھنا درست بھی تصور ہو اگر آپ اس کے برخلاف دیکھتے ہیں تو اس کا مطلب

یہ ہے' آپ کا دیکھنا درست نہیں تھا۔

کیا آپ نے جائزہ نہیں لیا' نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ كُلَّ الْاَشْيَاءِ كَمَاهِيَ

''اے اللہ! تو ہمیں تمام اشیاء کے حقائق اسی طرح دکھادے جیسے وہ ہیں''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جب چیزوں کو دیکھنا صحیح طور پر ہوگا' تو پھر آپ اُن کو انہی صفات کے ساتھ دیکھیں گے جو صفات اُن میں پائی جاتی ہیں' تو صحیح سننا بھی اُسی طرح ہونا چاہیے' تم ہر چیز کو اُسی طرح سے سنو جس طرح وہ چیز اپنی صفت اور حکم کے اعتبار سے ہے' تو جو لوگ مزامیر کو پسند کرتے ہیں' وہ صرف نفس اور شہوت کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اور وہ لوگ اُس کے برخلاف سنتے ہیں' جو چیز وہ اصل میں ہے' اگر وہ اس اصل کے مطابق سماع کرتے تو سماع کی تمام ترخرابیوں سے محفوظ رہتے۔

فطری خرابی کا اثر

کیا آپ نے غور نہیں کیا؟ جب گمراہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا' تو اس کے نتیجے میں ان کی گمراہی میں اضافہ ہو گیا' یہی وجہ ہے' جب نضر بن حارث نے قرآن کی تلاوت سنی تو یہ کہہ دیا:

''هٰذَا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ'' (الانعام:۲۵) ''یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں''۔

اسی طرح عبداللہ بن سعد نے جو پہلے کاتبین وحی میں شامل تھا' اس نے یہ کہہ دیا:

''سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (المؤمنون:۱۴)

''یہ قرآن جو اللہ نے نازل کیا ہے' اس طرح کا میں بھی نازل کرلوں گا' (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) اللہ تعالیٰ کی ذات برکت والی ہے' جو سب سے بہترین خالق ہے''۔

ایک گروہ نے قرآن کی آیت کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی نفی کی دلیل قرار دیا' وہ آیت یہ ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَيُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام:۱۰۳)

''آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں لیکن وہ آنکھوں کا ادراک کرسکتا ہے''۔

اسی طرح ایک گروہ نے یہ کہا:

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الاعراف:۵۴) ''پھر اس نے عرش پر استواء کیا''۔

انہوں نے قرآن کی اس آیت کو اللہ تعالیٰ کے لیے مکان اور جہت ثابت کرنے کے لیے دلیل کے طور پر پیش کیا۔

ایک گروہ نے قرآن کی آیت کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی نفی کی دلیل قرار دیا' وہ آیت یہ ہے:

جَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (الفجر:۲۲)

''آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں لیکن وہ آنکھوں کا ادراک کرسکتا ہے''۔

اس آیت کو بھی انہوں نے اپنے دعویٰ کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔

کیونکہ ان سب لوگوں کا دل گمراہی کا ٹھکانہ تھا' اس لیے انہوں نے حق تعالیٰ کا کلام سنا' لیکن یہ سننا بھی اُن کے لیے فائدہ مند نہیں ہوا اور توحید کا عقیدہ رکھنے والا شخص جب کسی شاعر کے شعر کی طرف توجہ کرتا ہے اور اس کی طبیعت کو پیدا کرنے والے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے' اس کے دل کو آراستہ کرنے والے حق کو اس کے اندر دیکھتا ہے' تو عبرت کے طور پر اس فعل کو فاعل کے وجود کی دلیل بنالیتا ہے۔

مختصر یہ کہ کافروں کے اس گروہ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا اور پھر بھی گمراہ ہو گئے اور دوسرے گروہ نے باطل کو سنا' لیکن اُس کے ذریعے سیدھا راستہ اختیار کرلیا۔ یہ بات بالکل حقیقت ہے' جس کا انکار کرنا خود پسندی ہوگی۔

باقی اللہ تعالیٰ زیادہ علم رکھتا ہے۔

چھٹی فصل

سماع سے متعلق مشائخ کے اقوال

سماع کے بارے میں مشائخ نے بہت سے لطیف اقوال بیان کیے ہیں' یہ کتاب ان تمام اقوال کی متحمل نہیں ہوسکتی' اس لیے میں امکانی طور پر اُنہیں تفصیل سے بیان کروں گا تاکہ تمہیں اس حوالے سے پورا فائدہ حاصل ہو جائے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سماع اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والا فیض ہے' جو دلوں کو حق کی طرف راغب کرتا ہے' تو جو شخص اس کو حقیقی معنی کے ساتھ سنتا ہے وہ حق کے راستے کو پالیتا ہے اور جو شخص نفسانی خواہش کے ساتھ اسے سنتا ہے' وہ بے دین ہوجایا کرتا ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس بزرگ کے اس فرمان سے یہ مراد نہیں ہے' سماع' وصالِ حق کا ذریعہ ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے' سننے والے کو چاہیے' وہ اس بات کو حق کے ساتھ سنے' صرف آواز ہی کو کافی نہ سمجھے تاکہ اُس کا دل اللہ تعالیٰ کے فیضان کا محل بن جائے' اس کی وجہ یہ ہے' جب حق بات اس کے دل تک پہنچے گی' تو وہ اس کے دل کو اُبھارے گی' تو جو شخص اس سماع میں حق کی پیروی کرے گا اس کو مشاہدۂ حق حاصل ہو جائے گا اور جو شخص نفس کی پیروی کر کے اس کے تابع بنے گا وہ حجاب کی وجہ سے پیچھے رہ جائے گا اور تاویل میں اُلجھ کر رہ جائے گا۔

تو اس سماع کا فائدہ اسے یہی ملے گا کہ وہ حق سے حجاب میں آ جائے گا۔

یہاں یہ بات یاد رکھیں' لفظ زندقہ' فارسی زبان کا لفظ ہے' جسے عربی کی شکل دے دی گئی ہے' فارسی زبان میں لفظ زندقہ' کا

مطلب کسی چیز کی تاویل کرنا ہے اسی لیے آتش پرست لوگ اپنی مذہبی کتاب کو ژند اور پاژند کہتے ہیں۔

علم لغت کے ماہرین نے ایسے لوگوں کا نام زندیق رکھا ہے کیونکہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں جو چیز یہ مسلمان کہتے ہیں اس میں تاویل ہوسکتی ہے ظاہری حکم اس کو توڑ سکتا ہے جبکہ تنزیل کا تعلق دیانت میں داخل ہونے سے ہے اور تاویل کا تعلق دیانت سے باہر نکلنے سے ہے۔

آج کل مصر کے رہنے والے شیعہ کو مجوسیوں کی اولاد کہنا ٹھیک ہوگا۔

شیخ ابوبکر شبلی فرماتے ہیں:

''سماع کا ظاہر فتنہ ہے اس کا باطن عبرت ہے تو جو شخص اشارے کو سمجھ سکتا ہے اس کے لیے عبرت کے طور پر سماع کو سننا جائز ہے ورنہ وہ فتنہ تلاش کرے گا اور اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے کے لیے تیار ہوگا''۔

اس سے مراد یہ ہے جس شخص کا دل مکمل طور پر حق کی بات میں غرق نہیں ہوتا سماع اُس کے لیے آفت اور آزمائش کا عمل ہے۔

شیخ رودباری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ

ایک مرتبہ ایک شخص نے شیخ بوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا:

لَيْتَنَا تَخَلَّصْنَا مِنْهُ رَاسًا بِرَاسٍ ''کاش ہم اس سے برابر برابر چھوٹ جائیں''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے انسان تمام چیزوں کا حق ادا نہیں کرسکتا جب کسی چیز کا حق فوت ہو جاتا ہے تو انسان اس میں اپنی غلطی دیکھتا ہے تو یہ سوچتا ہے کاش میں اس حوالے سے برابری کی سطح پر چھوٹ جاتا۔

ایک بزرگ نے یہ بات بیان کی ہے:

اَلسِّمَاعُ تَنْبِيْهُ الْاَسْرَارِ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْمُغِيْبَاتِ

''سماع اسرار میں موجود غائب شدہ چیزوں کی طرف متوجہ کرتا ہے''۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے تاکہ اس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے اور ان اسرار کا پوشیدہ ہونا مریدوں کے لیے ملامت کا باعث ہوتا ہے کیونکہ یہ اُن کے بدترین اوصاف میں شامل ہوگا اس کی وجہ یہ ہے دوست اگرچہ ظاہری طور پر دوست سے غائب ہوتا ہے لیکن دلی اعتبار سے حاضر ہوتا ہے جب غیبت آ جاتی ہے تو اس کے نتیجے میں دوستی ختم ہو جاتی ہے۔

شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میرے شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلسِّمَاعُ زَادُ الْمُضْطَرِّيْنَ فَمَنْ وَصَلَ اِسْتَغْنٰى عَنِ السِّمَاعِ

''سماع عاجز لوگوں کا سامان ہے' جو شخص منزل تک پہنچ جاتا ہے' وہ سماع سے بے نیاز ہو جاتا ہے''۔
(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے' سماع کی حالت میں حکم باقی نہیں رہتا کیونکہ سماع کا تعلق خبر سے ہوتا ہے اور خبر' غیر موجود کے بارے میں دی جاتی ہے۔

جب آنکھوں کے ذریعے مشاہدہ ہو جاتا ہے' تو اب خبر کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''تم اُس سماع کا کیا کرو گے؟ جو آخر کار ختم ہو جائے گا' جب گانے والے کی آواز ختم ہو جائے گی' تو تمہارے سماع کا اثر بھی ختم ہو جائے گا' تمہارا سماع ایسا ہونا چاہیے جو مسلسل برقرار رہے' اس میں انقطاع نہ آئے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس بات سے یہ پتہ چلتا ہے' اگر انسان کی ہمت مجتمع رہے اور سلسلہ درمیان میں نہ ٹوٹے (تو یہ بہتر ہے)' اس کی وجہ یہ ہے' جب انسان اس مرتبے تک پہنچ جاتا ہے' تو اس صورت میں تمام عالم' خواہ وہ جمادات وحیوانات ہی کیوں نہ ہوں' سماع کرنے والے ہو جاتے ہیں اور یہ بہت بڑا مرتبہ ہے' باقی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ساتویں فصل

سماع کے بارے میں صوفیاء کا اختلاف

سماع کے بارے میں صوفیاء اور محققین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے' بعض حضرات کے نزدیک سماع غیبت کا آلہ ہے اور ان حضرات کی دلیل یہ ہے' مشاہدے کی کیفیت کے دوران سماع ناممکن ہے' کیونکہ جب کوئی دوست وصل کی حالت میں دوست کے ساتھ ہوتا ہے' تو اس کی طرف نظر کرتا ہے اور جب وہ اسے دیکھ لیتا ہے' تو اُس وقت سننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی' اس کی وجہ یہ ہے' سننے کا تعلق خبر سے ہوتا ہے اور مشاہدے کی حالت میں خبر کا مطلب یہ ہے' انسان دوری اور حجاب کی حالت میں ہے۔

اس اعتبار سے ابتدائی درجے کے مریدین کے لیے سماع آلے کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ وہ غفلت کی پراگندگی سے خود کو مجتمع رکھ سکیں۔ لیکن جو لوگ پہلے مجتمع ہونے کی کیفیت میں ہوتے ہیں' وہ سماع کی وجہ سے پراگندہ خاطر ہو جایا کرتے ہیں۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے' سماع حاضری کا آلہ ہے' کیونکہ محبت' فنا اور محویت کا تقاضا کرتی ہے' تو جب محبت کرنے والا شخص مکمل طور پر محبوب میں مستغرق نہیں ہوتا' اس وقت تک اس کی محبت ناقص شمار ہوتی ہے۔

تو جس طرح مقامِ وصال میں دل کے حصے میں محبت آتی ہے' باطن کے حصے میں مشاہدہ آتا ہے' روح کے حصے میں وصل آتا ہے اور جسم کے حصے میں خدمت آتی ہے' تو مناسب یہ ہے' کان کے حصے میں بھی کچھ آنے چاہیے' بالکل اُسی طرح

جس طرح آنکھ کے حصے میں دیدار آتا ہے۔
کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اَلاَ فَاسْقِنِیْ خَمْرًا وَقُلْ لِّیْ هِیَ الْخَمْرُ
وَلاَ تَسْقِنِیْ سِرًّا اِذَا اَمْکَنَ الْجَهْرُ

''ارے مجھے شراب پلاؤ! ساتھ یہ بھی کہہ دو کہ یہ شراب ہے' تم مجھے اسے پوشیدہ طور پر نہ پلاؤ' جبکہ اس کا بلند آواز میں ذکر کرنا ممکن ہے''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس سے مراد یہ ہے' اے دوست! مجھے شراب کا جام دو' جسے میری آنکھیں دیکھ لیں' میرے ہاتھ چھولیں' میری زبان اُس کا مزہ چکھ لے' میری ناک اس کی بُو کو سونگھ لے' لیکن ایک حس کا حصہ باقی رہ جائے گا اور وہ کان ہے' تو تم زبان سے یہ کہہ دو کہ یہ شراب ہے تاکہ کان کو بھی اپنا حصہ حاصل ہو جائے' تم میرے تمام حواس کو شراب کے حوالے سے سیراب کر دو' تاکہ وہ اس سے لذت حاصل کریں۔

یہ بات بھی ذکر کی گئی ہے' سماع' حضوری کا ذریعہ ہوتا ہے' کیونکہ غائب شخص خود سے غائب ہوتا ہے' اس لیے وہ سماع کا اہل ہی نہیں ہوتا' اس اعتبار سے سماع کی دو قسمیں ہوں گی' ایک وہ سماع جو بالواسطہ طور پر کسی سے سنا جاتا ہے اور غیبت کا باعث بنتا ہے اور دوسرا وہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنا جاتا ہے اور حضوری کا باعث بنتا ہے۔

اسی لیے ایک بزرگ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''میں مخلوق کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اُس کی کوئی بات سُنوں یا اُس کی کوئی بات کروں''۔

(سیّد ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

آٹھویں فصل

سماع میں صوفیاء کے مراتب

یہ بات جان لیں! سماع کے حوالے سے ہر شخص کا اپنا مخصوص مقام اور مرتبہ ہوتا ہے' اس لیے ہر شخص کے سماع کا ذوق اُس کے مقام اور مرتبے کے حساب سے ہوتا ہے' توبہ کرنے والا شخص جو کچھ سنتا ہے' اُس سماع کے نتیجے میں اُس کو ندامت اور حسرت کی کیفیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اہلِ شوق اس کے نتیجے میں جذبۂ شوق اور شوقِ دیدار میں' جبکہ اہلِ ایمان' علم کی پختگی میں اور مریدین حقیقت کی تلاش میں مزید آگے بڑھ جاتے ہیں۔

محب شخص کے لیے یہ دنیاوی علائق سے نجات کا باعث ہوتا ہے اور فقیر کے لیے ہر چیز سے نا اُمیدی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے' سماع کی مثال سورج کی طرح ہے' جو تمام چیزوں پر چمکتا ہے' لیکن ہر چیز اپنے ظرف اور مرتبے کے

مطابق اُس سے فیض حاصل کرتی ہے، کوئی چیز جل جاتی ہے، کوئی روشن ہو جاتی ہے، کسی کو وہ نوازتا ہے کسی کو پگھلا دیتا ہے۔

تحقیقی طور پر جائزہ لیا جائے، تو یہ تمام گروہ تین مراتب پر مشتمل ہیں، ان میں پہلا گروہ مبتدیوں کا ہے، دوسرا درمیانی طبقے کے لوگوں کا ہے، تیسرا کامل لوگوں کا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی حالت کی وضاحت، میں الگ فصل میں کروں گا۔ جو سماع کے بارے میں ہوگی تا کہ تم اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ جاؤ۔

نوویں فصل

یہ بات جان لیں، سماع حق کی واردات ہے۔ جو انسان کے جسم کو بے ہودہ اُمور اور بے کار مشاغل سے پاک کر دیتی ہے، مبتدی شخص کسی صورت میں بھی حق کی اس واردات کے قابل نہیں ہوتا، اور جب یہ واردات اُس کو لاحق ہوتی ہے، تو اس کے نتیجے میں بے چینی اور سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے سماع کے دوران بعض اوقات کچھ لوگ بے ہوش ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات کچھ لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں، کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہوتا، جس کی طبیعت، اعتدال کے راستے سے آگے نہ گزر جائے۔

ایک حیرت انگیز ساز

یہ بات منقول ہے، روم میں کوئی باجہ ایجاد کی گیا جس کا نام ''انکلیون'' رکھا گیا۔ یہ تاروں سے بنا ہوا ایک ساز ہے۔ مختلف بیماروں کے سامنے اُن کی بیماری کے حساب سے بجایا جاتا ہے، اگر کسی بیمار کو ہلاک کرنا مقصود ہو، تو اُسے زیادہ دیر تک سنایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص فوت ہو جاتا ہے، اگر چہ موت کا ایک وقت متعین ہوتا ہے، لیکن اس کے اسباب بہر حال پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ (عجیب بات یہ ہے) طبیب اُس ساز کو ہر وقت سنتے ہیں لیکن اُن پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے، وہ ساز اُن کی طبیعت کے موافق آ چکا ہوتا ہے، لیکن نئے آنے والے لوگوں (یعنی بیماروں) کی طبیعت کے ساتھ یہ موافقت نہیں رکھتا۔

اسی طرح میں نے ہندوستان میں دیکھا، انتہائی تیز زہر میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے، اُس کی زندگی اُسی زہر پر موقوف ہوتی ہے، اس لیے وہ مکمل طور پر زہر ہی میں رہتا ہے۔

اسی طرح میں نے ترکستان میں ایک شہر دیکھا، وہاں ایک پہاڑ سے لاوا اُبل رہا تھا، وہ پہاڑ جل رہا تھا، لیکن اُس کے پتھروں سے نوشادر نکل رہا تھا۔ اُس لاوے کے اندر ایک چوہا تھا۔ جب وہ اُس سے باہر نکلا تو مر گیا۔

ان ساری مثالوں کے ذریعے میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں، مختلف لوگوں کی بے چینی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے فیضان کی صورت میں اس طرح سے ہوتی ہے، کیونکہ اُن کا جسم اُس کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا، اس لیے ایسی حالت کے متواتر قائم رہنے کے نتیجے میں متبدی شخص کو سکون حاصل ہونے لگتا ہے۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے، حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آغاز میں نبی اکرم ﷺ پر اضطراب کی کیفیت طاری ہو

گئی تھی۔ یہاں تک کہ اگر حضرت جبریل علیہ السلام کے آنے میں تاخیر ہو جاتی تو نبی اکرم ﷺ غمگین ہو جایا کرتے تھے۔

اسی طرح کی اور بھی بہت سی حکایات منقول ہیں۔

یہ حکایات سماع کے معاملے میں مبتدیوں کی رہنمائی کرتی ہیں اور انتہاء تک پہنچے ہوئے بزرگوں کے لیے آرام اور سکون کا باعث ہیں۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید کا واقعہ

یہ بات منقول ہے' حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید پر اس طرح کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی تو دوسرے مریدین اُسے سنبھال لیا کرتے تھے۔ جب اس بات کی شکایت حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کی گئی تو انہوں نے اس مرید سے فرمایا: اگر تم نے آئندہ سماع کے دوران بے قراری کے مظاہرہ کیا تو میں تمہیں اپنے پاس نہیں رہنے دوں گا۔

شیخ ابومحمد جریری بیان کرتے ہیں: پھر میں نے محفل سماع کے دوران اس شخص کو دیکھا اُس نے ہونٹوں کو بند کیا ہوا تھا' اور وہ خاموش تھا۔ لیکن اُس کے جسم کے ہر بال سے چشمہ اُبل رہا تھا۔ پہلے دن وہ اپنے ہوش و حواس میں ہی نہیں تھا۔ دوسرے دن بھی اُس کی یہی کیفیت تھی۔ میں جب بھی اُس کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتا تو اُس نے اپنے ہونٹ سختی سے بند کیے ہوتے اور وہ خاموش بیٹھا ہے' لیکن اُس کے جسم کے ہر بال سے بے چینی کا مظاہرہ ہو رہا ہے' یہاں تک کہ اُس کے ہوش و حواس رخصت ہو گئے۔ ایک دن وہ سماع کے دوران بے ہوش ہو گیا' مجھے یہ پتا نہیں چل سکا کہ وہ سماع کے دوران متاثر ہونے میں زیادہ اچھی حالت میں تھا یا اپنے شیخ کے احترام کے دل میں غلبہ پالینے کی صورت میں اچھی حالت میں تھا۔

یہ بات بھی منقول ہے' ایک مرید نے سماع کے دوران نعرہ لگایا تو شیخ نے اُس سے کہا' تم خاموش رہو۔ تو اُس نے سر زانوں پر رکھ دیا' جب لوگوں کی توجہ اُس کی طرف مبذول ہوئی تو وہ شخص انتقال کر چکا تھا۔

شیخ ابومسلم حارث بن غالب فارسی بیان کرتے ہیں' ایک مرتبہ ایک درویش سماع کے دوران بے قرار ہو رہا تھا' کسی شخص نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ کہا' تم بیٹھ جاؤ! تو وہ جیسے ہی بیٹھا' اُس نے جان دے دی۔

ایک نوجوان درویش کا واقعہ

اسی طرح دراج نے یہ بات بیان کی ہے: وہ فرماتے ہیں' ایک دفعہ میں ابن الفوطی کے ساتھ دریائے دجلہ کے کنارے جا رہا تھا۔ یہ بصرہ اور ابلہ کے درمیان ایک جگہ تھی۔ ہم ایک محل کے پاس پہنچے تو وہاں دیکھا' ایک شخص محل کی چھت پر ہے اور اُس کے سامنے ایک کنیز بیٹھی ہوئی یہ شعر گا رہی تھی:

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَدٌّ کَانَ مِنِّیْ لَكَ یُبْذَلُ
کُلَّ یَوْمٍ تَتَلَوَّنُ غَیْرُ هٰذَا بِكَ اَجْمَلُ

''میں اللہ تعالیٰ کی وجہ سے تمہارے سے محبت کرتا تھا اور تمہارا روز کا نیا روپ مجھے اچھا لگتا تھا''۔

میں نے ایک نوجوان کو دیکھا' وہ اس محل کے سامنے گدڑی اور لوٹا لیے کھڑا تھا۔ اُس نے کنیز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے کنیز! میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اس شعر کو دوبارہ پڑھو! میری زندگی کی آخری سانسیں ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ میں اس شعر کو سنتے ہوئے جان دوں۔ کنیز نے وہ شعر دوبارہ پڑھا اور اس کے ساتھ ہی اُس کی جان نکل گئی۔ اُس کنیز کے مالک نے کنیز سے کہا: تم آزاد ہو۔ وہ مالک نیچے اترا' اُس نے اُس شخص کی کفن دفن کی تیاری کی۔ اور بصرہ کے رہنے والے ہر شخص نے اُس آدمی کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے۔ اُس سے فارغ ہونے کے بعد وہ شخص بولا: اے بصرہ کے رہنے والو! میں فلاں کا بیٹا ہوں' میں اپنی تمام املاک اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کرتا ہوں' اور اپنے تمام غلاموں کو آزاد کرتا ہوں' یہ کہہ کر وہ شخص یہاں سے چلا گیا اور پھر اُس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔

اس حکایت کو یہاں اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح کیا جائے' سماع کے دوران مرید کا غلبے کی وجہ سے ایسا حال ہو جانا چاہیے' اس کا سماع بُرے لوگوں کو اُن کی بُرائی سے نجات دلا دے۔ آج کے زمانے میں گمراہ لوگوں کا ایک گروہ بُرے لوگوں کے سماع میں شریک ہوتا ہے اور کہتا یہ ہے' ہم حق کی وجہ سے سماع کر رہے ہیں' جبکہ فاسق لوگ اُن کا ساتھ دے رہے ہوتے ہیں' اور اس سماع کے نتیجے میں اُن کے فسق و فجور میں اضافہ ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ وہ ہلاکت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا: اگر ہم عبرت کے حصول کے لیے گرجے میں چلے جائیں اور ہمارا مقصد یہ ہو' ہم کافروں کو ذلیل و رسوا دیکھیں اور اسلام کی نعمت پر شکر ادا کریں تو کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟ تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر تم گرجے میں ایسی حالت میں جا سکتے ہو' جب تم وہاں سے باہر نکلو' تو ان میں سے چند افراد کو اپنے ساتھ مسلمان کر کے لے آؤ' تو پھر چلے جاؤ' ورنہ نہ جاؤ۔

عبادت خانے والا شخص اگر شراب خانے میں چلا جاتا ہے' تو وہ شراب خانہ بھی اس کے لیے عبادت خانہ بن جاتا ہے' اور اگر شراب خانے والا شخص عبادت خانے میں چلا جائے تو عبادت خانہ بھی اس کے لیے شراب خانہ بن جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک بزرگ بغداد میں کسی درویش کے ساتھ جا رہے تھے' اسی دوران کسی گانے والے کی آواز آئی' جو یہ گا رہا تھا:

مُنٰی اِنْ تَکُنْ حَقًّا تَکُنْ اَحْسَنَ الْمُنٰی ۔۔۔ وَاِلَّا فَقَدْ عِشْنَا بِهَا زَمَنًا رَغَدًا

''جب یہ ٹھیک ہو' تو یہ سب سے بہترین آرزو ہے ورنہ ہم نے سماع میں ہی زندگی گزار دی ہے''۔

یہ شعر سن کر اس درویش نے ایک نعرہ لگایا اور انتقال کر گیا۔

شیخ بوعلی رودباری بیان کرتے ہیں' ایک مرتبہ میں نے ایک درویش کو دیکھا' جو کسی گانے والے کو بڑے غور سے سن رہا تھا' میں نے بھی توجہ دی' وہ کیا سن رہا ہے' تو گانے والا غمناک آواز میں یہ شعر پڑھ رہا تھا:

اَمُدُّ کَفِّیَ بِالْخُضُوْعِ ۔۔۔ اِلَی الَّذِیْ جَادَ بِالصَّنِیْعِ

''میں نے عاجزی کے ساتھ اپنا ہاتھ اس شخص کی طرف پھیلایا ہے' جو مہربانی کرنا چاہتا ہے''۔

تو اس درویش نے ایک نعرہ لگایا اور گر گیا اور ساتھ ہی انتقال کر گیا۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں' ایک مرتبہ میں شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پہاڑی راستے میں جا رہا تھا' میرے دل میں خوشی کا احساس پیدا ہوا تو میں نے یہ ارشاد پڑھے:

صَحَّ عِنْدَ النَّاسِ اَنِّیْ عَاشِقٌ — غَیْرَ اِنْ لَّمْ یَعْلَمُوْا عِشْقِیْ لِمَنْ

لَیْسَ فِی الْاِنْسَانِ شَیْءٌ حَسَنٌ — اِلَّا وَاَحْسَنَ مِنْهُ صَوْتٌ حَسَنٌ

''لوگوں کو اس بات کا پتہ ہے' میں عاشق ہوں لیکن انہیں اس بات کا پتہ نہیں ہے' میں کس پر عاشق ہوں' انسان کے جسم میں بہت سی خوبیاں ہوتی ہیں لیکن اُن میں سب سے اچھی چیز خوبصورت آواز ہے''۔

تو شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: تم یہ شعر دوبارہ پڑھو' میں نے دوبارہ یہ شعر پڑھا تو اُن پر وجد طاری ہو گیا' انہوں نے زمین پر پاؤں مارے' جب میں نے غور سے دیکھا تو اُن کے پاؤں پتھر پر اس طرح ثبت ہو گئے تھے جس طرح موم میں پاؤں کا نشان آ جاتا ہے' اس کے بعد وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے' جب وہ ہوش میں آئے تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: میں تو جنت کے باغ میں تھا مگر تم نے مجھے اس حالت میں نہیں دیکھا۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس طرح کی حکایات بہت زیادہ ہیں' یہ کتاب اُن سب کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے ایک درویش کو خود اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھا' وہ آذربائیجان کے پہاڑوں میں جا رہا تھا اور تیزی کے ساتھ یہ اشعار پڑھ رہا تھا اور گریہ وزاری کر رہا تھا:

وَاللّٰهِ مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَلَا غَرُبَتْ — اِلَّا وَاَنْتَ فِیْ قَلْبِیْ وَوَسْوَاسِیْ

وَلَا جَلَسْتُ اِلٰی قَوْمٍ اُحَدِّثُهُمْ — اِلَّا وَاَنْتَ حَدِیْثِیْ بَیْنَ جُلَاسِیْ

وَلَا ذَكَرْتُكَ مَحْزُوْنًا وَلَا طَرِبًا — اِلَّا وَحُبُّكَ مَقْرُوْنٌ بِاَنْفَاسِیْ

وَلَا هَمَمْتُ بِشُرْبِ الْمَاءِ مِنْ عَطَشٍ — اِلَّا رَاَیْتُ خَیَالًا مِنْكَ فِی الْكَاسِ

فَلَوْ قَدَرْتُ عَلَی الْاِتْیَانِ لَزُرْتُكُمْ — مُكِبًّا عَلَی الْوَجْهِ وَمَشْیًا عَلَی الرَّاسِ

''اللہ کی قسم! سورج نہ تو کبھی طلوع ہوا ہے اور نہ ہی کبھی غروب ہوا ہے مگر یہ کہ ہر وقت تم میرے دل میں اور میرے خیالوں میں موجود رہے ہو' میں جب بھی کسی کے پاس بات کرنے کے لیے بیٹھا تو ہم نشینوں کے ساتھ میری گفتگو تمہارے بارے میں ہی تھی' میں نے جب بھی رنج یا خوشی کے عالم میں تمہارا ذکر کیا تو اس وقت تمہاری محبت میری سانسوں میں بسی ہوئی تھی' میں نے جب بھی پیاس کی وجہ سے پانی پینے کا ارادہ کیا تو اس وقت میں تمہارے عکس کو پیالے میں دیکھتا تھا' اگر میرے اندر یہ صلاحیت ہوتی تو میں منہ کے بل گھسٹتے ہوئے اور سر کے بل تمہیں ملنے کے لیے آتا''۔

اس سماع سے اُس کی حالت تبدیل ہوگئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ بیٹھ گیا' اس کے بعد اس نے پتھر کے ساتھ ٹیک لگائی اور انتقال کر گیا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے!

دسویں فصل

ہوس انگیز اشعار سننے کی کراہت

مشائخ کے گروہ نے قصائد یعنی غزلوں' اشعار اور قرآن کے ایسے سماع کو مکروہ قرار دیا ہے' جس کے حروف کے مخارج کے بارے میں احتیاط نہ کی جائے اور مریدین کو اس سے پرہیز کا حکم دیا ہے' وہ خود بھی اس حوالے سے احتیاط سے کام لیتے تھے۔

ایسے لوگوں کے چند گروہ ہیں اور ان میں سے ہر گروہ کی اپنی مخصوص علت ہے۔ ایک گروہ کے پاس اس کی حرمت کے حوالے سے کئی روایات موجود ہیں' یہ لوگ سلف صالحین کے پیروکار اور ان کے مقلد ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی کنیز کو گانے پر جھڑک دیا تھا۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ منقول ہے' انہوں نے گانے والے ایک صحابی کو تازیانے کے ساتھ سزا دی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس حوالے سے اعتراض کیا تھا' انہوں نے گانے والی کنیزیں رکھی ہوئی ہیں۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اس حبشی عورت کی طرف دیکھنے سے منع کیا تھا جو گا رہی تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُسے شیطان کی ساتھی قرار دیا تھا۔

اس طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں' جو مشہور ہیں' جن میں اشعار اور قصائد کی حرمت کا اثبات کیا گیا ہے۔

غناء کو مکروہ سمجھنے کے لیے سب سے بڑی دلیل ہمارے زمانے اور ہم سے پہلے کے زمانے میں اُمت کا اس بات پر اجماع ہے یہاں تک کہ بعض حضرات نے تو اسے مطلق طور پر حرام قرار دیا ہے۔

شیخ ابوحارث بنانی کے بارے میں یہ بات منقول ہے' وہ فرماتے ہیں: میں پہلے سماع پر بہت زیادہ زور دیا کرتا تھا' ایک مرتبہ کوئی شخص میرے عبادت خانے کے دروازے پر آیا اور بولا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے طالبوں کی ایک جماعت جمع ہوگئی ہے اور سب شیخ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں' اگر آپ مہربانی کر کے باہر تشریف لے آئیں تو عنایت ہوگی۔ میں نے اس سے کہا: تم چلو میں ابھی آ رہا ہوں' میں وہاں سے باہر نکلا اور اس کے پیچھے چل دیا' تھوڑی دیر کے بعد میں اُس گروہ تک پہنچ گیا جو حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک بوڑھا شخص اُن کے درمیان موجود تھا۔ انہوں نے میری انتہائی تعظیم و تکریم کی' وہ بوڑھا بولا: اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں کچھ شعر سناؤں! میں نے اس کی اجازت دے دی' اس نے بڑی خوبصورت آواز میں اشعار پڑھنا شروع کیے' ان تمام اشعار کا موضوع ہجر اور فراق تھا' وہ اشعار سن کر سب لوگ وجد میں آ کر کھڑے ہوگئے اور نعرے لگانے لگے' مجھے اُن کی حالت پر بڑی حیرانگی ہوئی' ان لوگوں کی یہ کیفیت صبح تک برقرار رہی' اس وقت اس بوڑھے نے اُن سے دریافت کیا:

شیخ آپ نے مجھ سے یہ نہیں دریافت کیا: تم کون ہو اور یہ لوگ کون ہیں؟ میں نے اس سے کہا: میں تمہارے دبدبے کی وجہ سے تم سے یہ سوال نہیں کر سکا' تو اس بوڑھے نے کہا: میں تو عزازیل (یعنی شیطان) ہوں جو خدا کی رحمت سے دور ہے اور یہ سب لوگ مجھے ابلیس کہتے ہیں' اور یہ سب لوگ میری اولاد ہیں' اس طرح سے بیٹھ کر گانے کے مجھے دو فائدے نصیب ہوئے ہیں:

ایک تو یہ کہ میں خود جدائی اور فراق کی مصیبت میں مبتلا ہوں اور نعمت کے دنوں کو یاد کر لیتا ہوں۔ دوسرا یہ کہ میں پرہیزگار لوگوں کو سیدھے راستے سے بھٹکا دیتا ہوں اور غلط راستے پہ چلاتا ہوں۔

شیخ فرماتے ہیں' اس کے بعد میرے دل سے سماع کا شوق اور ارادہ ختم ہو گیا۔

(سیّدِ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں (علی بن عثمان ہجویری) بیان کرتا ہوں: میں نے شیخ ابوالعباس اشقانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ایک مرتبہ میں ایک مجمع میں موجود تھا' کچھ لوگ سماع سے لطف اندوز ہو رہے تھے' میں نے دیکھا' ان میں شیاطین ناچ رہے تھے اور وہ ان لوگوں کی طرف توجہ کرتے تھے' جس کی وجہ سے وہ لوگ ہیجان میں مبتلا ہو جاتے تھے۔

صوفیاء کا ایک گروہ وہ ہے' جنہوں نے کبھی سماع نہیں سنا' نہ ہی اس کی محفلوں کو رونق بخشی تاکہ ان کے مرید' ان کی پیروی کرتے ہوئے فتنہ و گمراہی کا شکار نہ ہو جائیں اور توبہ کو چھوڑ کر معصیت کا ارتکاب کرنا نہ شروع کر دیں' اُن کے اندر سماع کی وجہ سے نفسانی خواہشات اُبھرنا شروع نہ ہو جائیں اور ہوس ان کے بھلائی کے جذبے کو فناء نہ کر دے' کیونکہ یہ آزمائش کا مقام اور فتنے کی بنیاد ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' انہوں نے شیخ جریر کو ان کی توبہ کے آغاز میں یہ فرمایا تھا: اگر تم دین کی سلامتی چاہتے ہو اور توبہ کی پاسداری چاہتے ہو' تو صوفیوں کے سماع سے دور بھاگو' جوانی میں خود کو اس کا اہل نہ سمجھو اور بڑھاپے میں اس کی وجہ سے لوگوں کو گنہگار نہ کرو۔

بعض حضرات کے نزدیک سماع کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو لہو و لعب کے طور پر اس کو سنتے ہیں اور دوسرے وہ جو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر اسے سنتے ہیں۔

جو لوگ لہو و لعب کے طور پر اسے سنتے ہیں' وہ مکمل طور پر آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں اور جو لوگ اللہ والے ہوتے ہیں' یعنی مجاہدے اور ریاضت کے طور پر اسے سنتے ہیں' وہ مخلوق سے لاتعلق ہوتے ہیں اور موجودات سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ اسی لیے وہ فتنے سے دور اور محفوظ ہوتے ہیں' ہمارا کیونکہ نہ اس گروہ سے کوئی تعلق ہے اور نہ اُس دوسرے گروہ سے کوئی تعلق ہے' اس لیے ہمارے لیے بہتر یہ ہے' ہم سماع کو ترک کر دیں اور اُس چیز کو اختیار کریں جو ہماری حالت کے مطابق ہو' بعض لوگوں کا یہ خیال ہے' جب عوام کے لیے سماع فتنے کا باعث ہے اور ہمارے سماع کی وجہ سے عام لوگوں کا اعتقاد خراب ہوتا ہے اور ہماری وجہ سے وہ لوگ محجوب اور گنہگار ہوتے ہیں' تو اس لیے مناسب یہ ہے' ہم عوام کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کریں اور مخصوص لوگوں کو نصیحت کریں اور خود سماع سے کنارہ کشی اختیار کریں' یہ طریقہ بہترین ہے۔

کچھ لوگوں نے یہ بات بیان کی ہے' نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"وَمِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ"

"آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں یہ بات بھی شامل ہے' وہ غیر ضروری چیزوں کو چھوڑ دے"۔

یعنی ہم اُن چیزوں سے ہاتھ کھینچ لیں جن سے ہاتھ کھینچنا ضروری ہے' کیونکہ بے کار چیزوں میں اُلجھنے سے وقت ضائع ہوتا ہے اور دوست کے لیے دوست کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے' اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

بعض حضرات نے یہ بات بیان کی ہے' سماع ایک خبر ہے' اس سے لذت حاصل کرنا یہ ہے' آدمی اس کی مراد کو پالے' اور یہ بچوں کا کام ہے' کیونکہ جب مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے' تو اس وقت خبر کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی' اس لیے تم اپنی پوری توجہ مشاہدے کی طرف مبذول رکھو۔

یہ سماع کے متعلق احکام تھے جنہیں میں نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

اب میں صوفیاء کے وجد' وجود اور تواجد کے بارے میں تحریر کروں گا۔

گیارھویں فصل

وجد' وجود' تواجد

یہ بات جان لیں! وجد اور وجود دونوں عربی کے دو مصدر ہیں' ایک کا معنی غم ہے اور دوسرے کا مطلب کسی چیز کو پانا ہے' ان دونوں کا فاعل ایک طرح کا ہوتا ہے' اس لیے صرف مصدر کے حوالے سے ہی ان کے درمیان فرق کیا جا سکتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: وَجَدَ يَجِدُ' وُجُوْدًا اَوْ وِجْدَانًا اس سے مراد جب کوئی شخص کچھ پالے' اسی طرح کہا جاتا ہے: وَجَدَ' يَجِدُ وَجْدًا اس سے مراد ہے: جب کوئی شخص غمگین ہو۔

اس طرح کہا جاتا ہے: وَجَدَ يَجِدُ جِدَةً' اس سے مراد کسی شخص کا خوشحال ہونا ہے۔

اسی طرح وَجَدَ يَجِدُ مَوْجِدَةً' اس کا مطلب کسی پر غصے ہونا ہے۔

ان تمام کے درمیان فرق مصدر کے حوالے سے ہوتا ہے' فعل کی ظاہر شکل کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔

صوفیاء کے نزدیک وجد اور وجود سے دو حالتوں کو ثابت کرنا مراد ہوتا ہے۔ ان دونوں کیفیات کا تجربہ انہیں سماع کے دوران ہوتا ہے' ان میں سے ایک حالت غم کے قریب کر دیتی ہے اور دوسری حالت مراد کے حصول سے وابستہ ہوتی ہے۔

غم کی حقیقت یہ ہے' محبوب گم ہو جائے اور مراد حاصل نہ ہو سکے اور پالینے کی حقیقت یہ ہے' انسان کی مراد حاصل ہو جائے۔

حزن اور وجد میں فرق یہ ہے' حُزن اس غم کو کہا جاتا ہے' جو اپنے نصیب میں ہوتا ہے اور وجد اس غم کو کہا جاتا ہے' جو دوسرے کے نصیب میں محبت کے طور پر ہوتا ہے اور یہ تمام تر تغیرات طالب کی صفات ہیں' اللہ تعالیٰ کی ذات تغیر سے پاک

ہے اس لیے وجد کی یہ کیفیت عبارت کے تحت ذکر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ ایک مخفی چیز ہے درد اور الم کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا' لہٰذا وجد طالب اور مطلوب کے درمیان ایک راز ہے اگر اس کو بیان کیا جائے تو اس راز کی پردہ دری ہوتی ہے۔

وجود کی کیفیت کے بارے میں کوئی نشان یا اشارہ درست نہیں ہوتا کیونکہ یہ مشاہدے میں خوشی ہے اور خوشی کو طلب نہیں کیا جا سکتا' اس لیے وجود کی کیفیت محبوب کی طرف سے محبّ کے لیے ایک فضل ہے' جس کی حقیقت کو اشارے میں بیان نہیں کیا جا سکتا' میں یہ سمجھتا ہوں کہ وجد سے مراد دل کو غم و الم کی کیفیت پہنچنا ہے' خواہ وہ خوشی کی وجہ سے ہو یا غم کی وجہ سے ہو' تکلیف کی وجہ سے ہو یا راحت کی وجہ سے ہو' وجود' غم کا آلہ ہے اور واجد کی صفت یا تو حجاب کی حالت میں شوق کے غلبے میں حرکت کی وجہ سے ہوتی ہے' یا کشف کی حالت میں مشاہدے سے آرام پانے کی صورت میں ہوتی ہے' وہ کبھی آہیں بھرتا ہے' کبھی فریاد کرتا ہے' کبھی روتا ہے' چیختا ہے چلاّتا ہے' کبھی غصے اور کرب کا اظہار کرتا ہے' کبھی خوشی اور مسرت کا اظہار کرتا ہے۔

صوفیاء کا اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے' وجد زیادہ فضیلت رکھتا ہے یا وجود؟

بعض حضرات کے نزدیک وجود' مریدین کی صفت ہے' جبکہ وجد' عارفین کی صفت ہے' کیونکہ عارفوں کا مقام مریدین سے بلند ہوتا ہے' اس لیے عارفوں کی صفت بھی مریدین کی صفت سے زیادہ فضیلت رکھتی ہوگی اور زیادہ کامل شمار ہوگی۔

جو چیز پائی جا سکتی ہے وہ ادراک کے ذیل میں آ جاتی ہے اور صفت اور موصوف کیونکہ ہم جنس ہوتے ہیں' پھر یہ پہلو بھی ہے' ادراک' حد کا تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی کوئی حد نہیں ہے' اس لیے انسان جو کچھ بھی پاتا ہوا محسوس کرتا ہے وہ سب شُرب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور جو وہ نہیں پا سکا' یا اُس سے رہ گیا' یا جس کی طلب سے وہ عاجز آ گیا' وہی حقیقت حق کا شناور ہوتا ہے۔ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے' وجد' مریدین کا سوز ہے' جبکہ وجود' محبین کا تحفہ ہے اور محبّ کا مقام مرید سے بلند ہوتا ہے' کیونکہ طلب کی سوزش میں جلنے کے مقابلے میں' تحفے کے ذریعے آرام پانا کہیں زیادہ بہتر ہے۔

جنید و شبلی رحمہما اللہ کا مکالمہ

اس مفہوم کو اس واقعے میں اچھی طرح سے واضح کیا گیا ہے' یہ بات منقول ہے:

ایک مرتبہ شیخ ابوبکر شبلی' حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں غمگین دیکھ کر دریافت کیا: اے شیخ! کیا ہوا ہے؟ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

"مَنْ طَلَبَ وَجَدَ" "جس نے طلب کیا وہ غمگین ہو گیا (یا اس نے پا لیا)"۔

تو شبلی نے کہا:

"لَا بَلْ مَنْ وَجَدَ طَلَبَ" "نہیں بلکہ جو غمگین ہوا (یا جس نے پا لیا) وہی طلب کرتا ہے"۔

صوفیاء نے یہ بات بیان کی ہے' جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ وجد کی طرف تھا اور شیخ ابوبکر شبلی کا اشارہ وجود کی طرف تھا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول زیادہ معتبر ہے' کیونکہ جب انسان یہ بات سمجھ لیتا ہے' اس کا معبود اس کی جنس سے تعلق نہیں

رکھتا تو اس کا غم واندوہ زیادہ ہو جاتا ہے' اس بارے میں ہم دوسری جگہ پر یہ بات ذکر کر چکے ہیں۔

اس بات پر مشائخ کا اتفاق پایا جاتا ہے' وجد کے غلبے کے مقابلے میں علم کا غلبہ زیادہ قوی ہوتا ہے' کیونکہ جب وجد کا غلبہ ہوتا ہے' اُس وقت صاحبِ وجد خطرے کی حالت میں ہوتا ہے' لیکن جب علم کا غلبہ ہوتا ہے اس وقت صاحب علم شخص امن کی حالت میں ہوتا ہے۔

بحث کا خلاصہ

اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے' طالب کو ہر حالت میں علم اور شریعت کے تابع رہنا چاہیے' کیونکہ اگر واجد وجد سے مغلوب ہو جاتا ہے' تو خطاب کے قابل نہیں رہے گا اور جب وہ خطاب کے قابل ہی نہیں رہے گا' تو ثواب اور عذاب سے بھی فارغ ہو جائے گا اور جب وہ ثواب اور عذاب کے حوالے سے فارغ ہو جائے گا' تو پھر عزت اور ذلت اس کے لیے بے معنی ہو جائے گی' اس لیے اس صورت میں اس کا حکم پاگل اور دیوانے لوگوں کا ہوگا۔ اللہ کے ولیوں اور مقرب لوگوں کا نہیں ہوگا۔

لیکن جب انسان پر حال کے غلبے کی بجائے علم کا غلبہ ہو' تو وہ اوامر ونواہی کی پناہ گاہ میں عزت کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے' لیکن اگر اس کا حال اس کے علم پر چھا جاتا ہے' تو اس وقت وہ خداوندی حدود سے خارج ہو جاتا ہے اور اپنے نقص کے محل میں خطاب سے محروم ہو جاتا ہے۔ اُس وقت یا وہ معذور شمار ہوتا ہے یا مغرور شمار ہوتا ہے۔

اسی مفہوم کے بارے میں جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے' وہ یہ فرماتے ہیں:

راستے دو ہیں: علم کا راستہ اور عمل کا راستہ' جو راستہ علم کے بغیر ہو اس میں اگرچہ عمل نیک ہی کیوں نہ ہو' لیکن اس میں جہالت اور نقص پایا جاتا ہے اور علم میں اگر بے عملی ہی کیوں نہ ہو' اس میں عزت اور شرف پایا جاتا ہے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا فلسفیانہ قول

یہی وجہ ہے' شیخ بایزید بسطامی نے یہ بات بیان کی ہے:

''اہلِ ہمت کا کفر' اہلِ آرزو کے ایمان سے بہتر ہے''۔

اس کی وجہ یہ ہے' اہلِ ہمت سے ناشکری کا ارتکاب ممکن نہیں ہے اور بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو بھی اہلِ ہمت کئی حوالوں سے اہلِ آرزو سے بہتر ہوتے ہیں۔

شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی مستی

شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ فرمایا تھا:

''یہ مست ہے اگر یہ اپنی مستی سے ہوش میں آ جائے تو ایسا امام بنے جس سے نفع حاصل کیا جائے''۔

اسی طرح یہ بات بھی منقول ہے' جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن مسروق اور ابوالعباس بن عطاء ایک جگہ جمع تھے' قوال نے کلام پڑھنا شروع کیا تو شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ خاموش بیٹھے رہے جبکہ بقیہ دونوں حضرات پر وجد طاری ہو گیا' انہوں نے

پوچھا: شیخ آپ کو اس سماع میں سے کچھ نہیں ملا؟ تو جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کی آیت پڑھی:

"تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ" (النمل:۸۸)

''تم انہیں دیکھ کر یہ محسوس کرو گے وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے''۔

تواجد سے مراد کیا ہے؟

تواجد سے مراد یہ ہے انسان تکلف کے ساتھ اپنے اوپر وجد کی کیفیت طاری کرے اس کا مقصد یہ ہے انسان اپنے دل کو حق کے انعامات اور شواہد کے لیے پیش کرے اور وصل کی فکر اور آرزو کرے یہ مردانِ راہ کا طریقۂ کار ہے اس معاملے میں ایک گروہ نے ظاہری رسوم کی تقلید پر زور دیا ہے۔ یہ لوگ رقص کرنے اور صوفیاء کے دیگر معاملات کی نقل کرتے ہیں لیکن ایسا کرنا حرام ہے جبکہ اہلِ حقیقت کا بنیادی مقصد یہ حرکات و رسوم نہیں ہوتے بلکہ صوفیاء بلند احوال کی طلب میں ایسا کرتے ہیں اور اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے وہ بلند مرتبہ حاصل کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"

''جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ اُن میں سے ایک شمار ہوتا ہے''۔

یہ روایت تواجد کے جائز ہونے کی دلیل ہے اس لیے ایک بزرگ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے:

''میں ایک ہزار فرلانگ تک جھوٹ کے ساتھ چلتا رہتا ہوں تو مجھے صداقت کا ایک قدم نصیب ہوتا ہے''۔

یہ بہت طویل بحث ہے لیکن میں نے جو ذکر کیا ہے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں باقی توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے:

"اِذَا قَرَئْتُمُ الْقُرْآنَ فَابْكُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْ اَفَتَبَاكُوْا"

''جب تم قرآن کی تلاوت کرو تو رویا کرو اگر رو نہیں سکتے تو رونے جیسی شکل بنالو''۔

بارہویں فصل

سماع کے دوران رقص کا بیان

یہ بات جان لیں! شریعت اور طریقت میں رقص کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ سمجھدار لوگوں کے نزدیک اس کا شمار لہو و لعب میں ہوتا ہے اس وقت بھی جب اس سلیقے کے ساتھ کیا جائے اور جب اسے بے پردہ طور پر کیا جائے پھر تو یہ لغو اور فضول کام ہوگا۔

مشائخ صوفیاء میں سے کسی ایک بزرگ نے بھی اس کی تعریف نہیں کی اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی مبالغہ کیا ہے۔
حشوی مکتبہ فکر کے لوگ اس حوالے سے جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ باطل ہیں کیونکہ وجد میں آنے والوں اور تواجد اختیار کرنے والوں کی حرکات اس کی مانند ہوتی ہیں اس لیے بعض بے ہودہ لوگوں نے اُس کی تقلید میں رقص کرنا شروع کر دیا اور اس حوالے سے مبالغے سے کام لینے لگے انہوں نے اسے اپنا مسلک بنالیا۔ میں نے خود عوام کا ایک گروہ دیکھا ہے جو یہ سمجھتے ہیں تصوف میں رقص کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے اور انہوں نے اس کو اختیار کرلیا ہے جبکہ ایک گروہ اس کی اصل کا منکر ہے۔
مختصر یہ کہ رقص کرنا شریعت اور عقل کے نزدیک قبیح فعل ہے صاحب فضیلت لوگوں سے ایسی حرکت کے ارتکاب کو اچھا نہیں سمجھا جاتا لیکن جس وقت دل میں ایک خفت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور سر پر خفقان طاری ہونے لگتا ہے اور وقت قوی ہو جاتا ہے تو حال اپنے اندر بے چینی پیدا کر دیتا ہے اس وقت رسوم میں کوئی بھی ترتیب باقی نہیں رہتی ہے اور اضطراب کی کیفیت سامنے آ جاتی ہے آپ اسے رقص نہیں کہہ سکتے اس سے طبیعت کی پرورش نہیں ہوتی بلکہ یہ جان گدازی ہے جو شخص اسے رقص قرار دیتا ہے وہ حقیقت سے بہت دور ہے یہ دراصل ایک کیفیت ہے جس کو زبان کے ذریعے نہیں کہا جا سکتا جو حق سے وارد ہوتی ہے۔ (عربی کا مقولہ ہے)

"مَن لَّمْ یَذُقْ لَا یَدْرِی النَّظْرَ فِی الْاَحْدَاثِ"

"جس نے ذائقہ چکھا ہی نہیں وہ جان ہی نہیں سکتا جوانی میں کیا خوبی ہوئی ہے"۔
اسی طرح نو جوانوں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ رکھنا بھی ممنوع ہے اور اس کو جائز سمجھنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس بارے میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔
میں نے خود جاہلوں کے ایک گروہ کو دیکھا ہے جو اہل طریقت پر یہ الزام عائد کرتے ہیں اور اس حوالے سے صوفیاء کا انکار کر دیتے ہیں انہوں نے اسے مذہب کے طور پر اختیار کرلیا ہے جبکہ مشائخ نے ان سب باتوں کو آفت سمجھا ہے۔
یہ حلولی مکتبہ فکر کے لوگوں کا مسلک ہے اللہ تعالیٰ کی ان پر لعنت ہو! باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

تیرہویں فصل

گدڑی کو چاک کرنا

(وجد کے دوران) اپنے لباس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھاڑ دینا صوفیاء کا معمول رہا ہے۔ بڑے اجتماعات میں اکابر مشائخ کی موجودگی میں بھی یہ صورتِ حال درپیش ہوئی ہے۔
میں نے بعض علماء کو دیکھا ہے اُن کے نزدیک کپڑوں کو اس طرح سے پھاڑ دینا ٹھیک نہیں ہے وہ اسے جائز قرار نہیں دیتے۔ بلکہ اسے فساد کا ذریعہ قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک درست اور سالم کپڑے کو پھاڑ دینا درست نہیں ہے یہ تو فساد کی

ایک صورت ہے، جسے وہ درستگی سمجھ رہے ہوتے ہیں، یہ بھلا درستگی کیسے ہوسکتی ہے؟

لوگ اگر اپنے صحیح کپڑے کو پھاڑ دیتے ہیں، ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں، پھر اُس کو سیتے ہیں، تو یہ آستین، آگے والے حصے، پیچھے والے حصے، گریبان اور تریز کو الگ کر دیں، پھر یہ اُس کو درست کریں گے، تو یہ بات ممکن نہیں ہے، جو شخص اپنے کپڑے کے سو ٹکڑے کر دیتا ہے وہ اُسے دوبارہ پہن لے اور جو شخص پانچ ٹکڑے کر کے انہیں سی دیتا ہے، تو ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ یہ حضرات جس کپڑے کو پھاڑتے ہیں، اسے بعد میں سی بھی لیتے ہیں۔

اس کا مقصد یہ ہے، ایک مؤمن کے دل کو راحت ہو اور اس کی ضرورت بھی پوری ہو جائے، وہ گدڑی سیتا ہے، اگرچہ کپڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے کوئی بنیاد نہیں ہے، تاہم سماع کے وقت ایسا کچھ کرنا نہیں چاہیے کیونکہ یہ چیز فضول خرچی شمار ہوگی، تاہم اگر سننے والا شخص مغلوب ہو جاتا ہے اور اس سے خطاب اُٹھ جاتا ہے، وہ بے خبر ہو جاتا ہے، تو پھر اسے معذور سمجھا جائے گا، جب کسی شخص پر ایسی حالت طاری ہو جائے تو پھر کچھ لوگ اس کی موافقت میں ایسا کر لیں تو یہ جائز ہوگا۔

اہلِ طریقت کی گدڑیاں عام طور پر دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک وہ جنہیں کوئی درویش سماع کے دوران مغلوب ہونے کی وجہ سے خود پھاڑ دیتا ہے، اور دوسری وہ کہ اپنے مرشد کے حکم کے تحت مریدین اس کے لباس کو پھاڑ دیں۔

اُن میں سے ایک شخص جرم سے استغفار کی حالت میں ہوتا ہے، جبکہ دوسرا شخص وجد کی وجہ سے بے خودی کی حالت میں ہوتا ہے۔

ان سب میں سے سماعی خرقہ زیادہ مشکل ہوتا ہے، اس میں دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ وہ پھٹا ہوا ہو، دوسرا یہ کہ وہ درست ہو، پھٹے ہوئے کپڑے کی دو شرطیں ہیں، دوسرے مریدین اس کو سی کر گدڑی والے کو دے دیں یا کسی دوسرے درویش کو دے دیں، وہ دوسرے کے لیے ایثار کر دیں یا اُسے تبرک کے طور پر تقسیم کر لیں جس وقت گدڑی درست حالت میں ہوتی ہے، تو اس بات کا جائزہ لینا چاہیے، کپڑا پھینکنے والے شخص کی مراد کیا ہے؟

اگر وہ قوال کو دینا چاہتا تھا، تو وہ قوال کو دے دی جائے، اگر وہ لوگوں کو دینا چاہتا تھا، تو وہ اُن کو دے دی جائے۔ اگر باقاعدہ کسی مقصد کے بغیر اس سے وہ کپڑا اگر پڑا تھا تو پھر یہ بات پیر کے حکم پر موقوف ہوگی کہ وہ اس کے مریدین کو دی جائے اور وہ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیں یا اُن میں سے کسی ایک کو دیا جائے، اگر قوال کو دینا مقصود ہوگا، تو درویش کی مراد کے ساتھ اصحاب (دوسرے مریدین) کا متفق ہونا شرط ضروری نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کپڑا اس کے اہل کی طرف سے نہیں دیا جا رہا تو درویش نے یا تو اسے اپنے اختیار کے ساتھ اسے دیا ہے یا مجبوری کی حالت میں اسے دیا ہے۔

لیکن اگر اس کی نیت یہ تھی کہ وہ دوسرے مریدین کو دیدے تو اب ان کی موافقت ضروری ہوگی۔

شیخ کو چاہیے، وہ درویش کا کپڑا قوالوں کو نہ دے، تاہم یہ ہوسکتا ہے، وہ ان میں کوئی چیز قوال کو دیدے اور باقی کپڑا درویش کو واپس کر دے تاکہ وہ ٹکڑے کر کے آپس میں تقسیم کر لیں، اگر غلبۂ حال کی صورت میں اس کپڑے کو پھینکا گیا تھا تو

اس بارے میں مشائخ کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

اکثر حضرات کا یہ کہنا ہے' نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمایا ہے:

''مَنْ قَتَلَ قَتِيْلاً فَلَهٗ سَلْبُهٗ''

''جو شخص کسی کو قتل کر دے تو اُس کا ساز و سامان (اس قتل کرنے والے) کو ملے گا''۔

اس حدیث کی روشنی میں درویش کا وہ لباس قوال کو ملنا چاہئے' کیونکہ اسی کی وجہ سے درویش پر یہ حال طاری ہوا ہے۔

اگر یہ کپڑا قوال کو نہیں دیا جاتا تو اس صورت میں آدابِ طریقت کی خلاف ورزی شمار ہوگی۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے' اس بارے میں فیصلہ کن حکم شیخ دے گا۔

یہ بالکل اسی طرح ہے' جس طرح بعض فقہاء کے نزدیک حاکم وقت کے حکم کے بغیر مقتول کے کپڑے یا سامان کو قاتل کو نہیں دیا جا سکتا' اسی طرح یہاں بھی شیخ کے حکم کے بغیر کپڑا قوال کو نہیں دیا جائے گا' اگر شیخ قوال کو کپڑا نہیں دیتا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

چودہویں فصل

سماع کے آداب

سماع کے کچھ آداب اور کچھ شرائط ہیں' جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے' ان کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

جب تک سماع کی ضرورت محسوس نہ ہو' اس وقت تک اُسے سنا نہ جائے۔

سماع کو مسلسل عادت نہ بنا لیا جائے۔

سماع کو مسلسل نہ سنا جائے بلکہ اس میں وقفہ ڈال دیا جائے تاکہ اس کی اہمیت دل سے ختم نہ ہو جائے۔

محفل سماع میں شیخ طریقت کا موجود ہونا ضروری ہے۔

محفل سماع میں عام عوام موجود نہیں ہونی چاہیے۔

قوال قابلِ احترام ہونا چاہیے۔

اس وقت انسان کا ذہن دنیاوی مشاغل سے خالی اور طبیعت لہو و لعب سے پاک ہونی چاہیے۔

سماع کو اس وقت سنا جائے جب دل اس کو چاہ رہا ہو' اس بارے میں تکلف سے کام نہ لیا جائے۔

غلبے کی صورت میں کیفیت کو دبانا نہیں چاہیے اور جب غلبہ نہ ہو' اس وقت اسے اُبھارنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے' اگر طبیعت حرکت کا تقاضا کرتی ہے' تو آدمی حرکت کرے' ورنہ خاموشی سے بیٹھا رہے' طبیعت کے زہد اور وجد کی خواہش کا فرق سمجھ لینا چاہیے۔

سماع سننے والے میں اتنی قابلیت ہونی چاہیے' وہ مشاہدۂ حق اور فیضانِ حق کو قبول کر سکے اور جس وقت اس پر فیضانِ حق کا غلبہ ہو' تو اس حوالے سے کوشش کر کے اسے کم کرنے کی کوشش نہ کرے' اگر غلبہ کم ہو' تو تکلف کے ذریعے زیادہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔

جس وقت سماع کرنے والے شخص پر حال طاری ہوتا ہے' تو اس وقت کسی سے مدد طلب نہ کرے اور اگر کوئی مدد کر دیتا ہے' تو اس کی مدد کو مسترد نہ کرے۔

اگر قوال کا کلام اچھا ہے' تو اس کی تعریف نہ کرے اور اگر بُرا ہے' تو اس کی مذمت نہ کرے اور کسی بھی شعر کو ناموزوں قرار نہ دے' کیونکہ اس کے نتیجے میں ذہن میں انتشار پیدا ہوتا ہے' یہ بھی نہ کہے اسے اچھی طرح پڑھو اور دل میں اس کے خلاف کوئی غبار بھی نہ دیکھے' کیونکہ وہ اُسے قوال کو درمیان میں نہ دیکھے بلکہ اسے خدا کے حوالے کر دے اور اچھی طرح سے سنے۔

اگر کسی دوسرے شخص پر حال طاری ہو جاتا ہے اور خود انسان پر حال طاری نہیں ہوتا' تو آدمی کو اپنی محرومیوں پہ غور کرنا چاہیے' تاکہ اُسے بھی اس میں سے حصہ مل جائے۔

میں علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو پسند کرتا ہوں' مبتدی لوگوں کو سماع کی اجازت نہ دی جائے' تاکہ اُن کی طبیعت میں یکسوئی ہو' کیونکہ منتشر خیالی میں بڑے خطرات اور آفات پوشیدہ ہیں' کیونکہ چھتوں اور اونچی جگہ پر موجود خواتین سماع کی حالت میں اُنہیں دیکھتی ہیں اور اس وجہ سے سماع کرنے والے کو حجاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

کم عمر لڑکوں کو محفلِ سماع میں شریک نہیں کرنا چاہیے' جہاں تک ممکن ہو سکے احتیاط سے کام لینا چاہیے' جو جاہل صوفیاء (کہلانے والے لوگ) یہ چیزیں مسلکاً اور طریقے کے طور پر اختیار کرتے ہیں اور انہوں نے صداقت کو اپنے درمیان میں ہٹا دیا ہے' ان کے حوالے سے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں' کیوں اس قسم کی آفات ان لوگوں کے ہاتھوں مجھ پر گزر چکی ہیں' میں اللہ تعالیٰ سے توفیق اور مدد طلب کرتا ہوں' تاکہ میرا ظاہر اور میرا باطن' ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہے اور میں اس کتاب کو پڑھنے والوں کو یہ تلقین کرتا ہوں' وہ اس کتاب کے احکام اور حقوق کی رعایت کا خیال رکھیں اور اسے تحریر کرنے والے کے قلم اور ایمان کی حفاظت کے حوالے سے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

وَبِيَدِهِ التَّوْفِيْقُ' وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔"

توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی حاصل ہوتی ہے' ہر طرح کی حمد' اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے' جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' اس کے رسول حضرت محمد ﷺ' ان کی آل اور ان کے تمام اصحاب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و سلام نازل ہو! ایسا سلام جو بکثرت ہو۔

اے سب سے زیادہ رحم کرنے والی ذات! تیری رحمت کے وسیلے سے (میں یہ دعا کرتا ہوں) تو اسے قبول کر لے۔

ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر کی تصانیف، ترجمہ، شرح و تخریج کی ہوئی کتب

صحیح بخاری	صحیح مسلم شریف	جامع ترمذی
جمال السنۃ	سنن دارمی	مسند الامام زید
الموطا امام مالک	مسند الأمام الشافعي	الموطا امام محمد
سنن دارقطنی	ریاض الصالحین	اللؤلؤ والمرجان
انتخاب تفسیر جلالین مشکوۃ المصابیح	الهداية	اصول الشاشی
مسند امام اعظم	اربعین نووی	معارف درود و سلام

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006